یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ

تفسیر

بُرھان القرآن

علامہ قاری محمد طیب نقشبندی

ناظم جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر ۵ مانچسٹر ۱۰ انگلینڈ

جلد دوم

مکتبہ برھان القرآن

يَآ أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (النساء ۱۷۴)

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے عظیم دلیل آگئی ہے

تفسیر برہان القرآن

جلد دوم

سورۂ آل عمران تا سورۂ مائدہ

مصنف

علامہ قاری محمد طیب نقشبندی

ناظم جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر مانچسٹر یوکے

مکتبہ برہان القرآن

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُم بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ (النساء ۱۷۴)
اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے عظیم دلیل آگئی ہے

تفسیر برہان القرآن

جلد دوم

سورہ آل عمران تا سورہ مائدہ

مصنف
علامہ قاری محمد طیب نقشبندی
ناظم جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر مانچسٹر یو کے

مکتبہ برہان القرآن

Name Book : Tafseer Burhan ul Quran		تفسیر برہان القرآن	:	نام کتاب
Author : Qari Muhammad Tayyib Naqshbandi		علامہ قاری محمد طیب نقشبندی	:	مصنف
Book : 2nd		دوم	:	جلد
Year : August 2016		ذوالقعدہ 1437ھ	:	سن اشاعت
Edition : 1st (2 Color)		اول (2 کلر)	:	ایڈیشن
Publisher : Maktaba Burhan ul Quran Data Darbar Market Lahore		مکتبہ برہان القرآن داتادربارمارکیٹ لاہور 0321-4298570	:	الناشر

ملنے کے پتے

نظامیہ کتاب گھر (اُردو بازار لاہور) — علامہ فضل حق خیرآبادی (داتادربارمارکیٹ لاہور)
نعیمیہ بک سٹال (اُردو بازار لاہور) — ضیاالقرآن (داتادربارمارکیٹ لاہور)
مکتبہ غوثیہ (کراچی) — دارالنور (داتادربارمارکیٹ لاہور)
اسلامک بک کارپوریشن (راولپنڈی) — مکتبہ قادریہ (داتادربارمارکیٹ لاہور)
فیضان مدینہ (سردارآباد) — مکتبہ اعلیٰ حضرت (داتادربارمارکیٹ لاہور)
مکتبہ والضحیٰ (اُردو بازار لاہور) — کتب خانہ امام احمد رضا (داتادربارمارکیٹ لاہور)

Find us in UK
Jamia Rasoolia Islamic Center
250 Upper Chorlton Road Old Tarfford Manchester M16 0BL
Mob: 07999312666 07450005809

فہرست

سورہ آلِ عمران

یہ قرآن کریم کی سات طویل سورتوں میں سے دوسری ہے۔اس میں بیس رکوعات، دوسوآیات، تین ہزار پانچ سو بیالیس (۳۵۴۲) کلمات اور پندرہ ہزار تین سو چھتیس (۱۵۳۳۶) حروف ہیں۔یہ مکمل مدنی سورت ہے۔اس کا ابتدائی حصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، ان کے نانا حضرت عمران اور ان کی والدہ سیدہ مریم سے متعلق ہے جو سن ہجری ۹ میں نجرانی عیسائیوں کی مدینہ طیبہ میں آمد پر نازل ہوا جو تیسرے پارہ کے آخر تک چلا گیا ہے اور چوتھے پارہ میں غزوہ احد سے متعلق اس سورت کے آخری آٹھ رکوع سن ہجری تین اور چار میں اترے۔

اس کے اہم مضامین

اس کی ابتداء میں قرآنِ پاک کا تعارف، متشابہات کا بیان، حقانیت اسلام اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے اہم موضوعات پہ روشنی ڈالی گئی ہے یہ سلسلہ اس سورت کے پہلے تین رکوعات میں پھیلا ہوا ہے۔چوتھے رکوع سے حضرت عمران کی آل یعنی عیسیٰ علیہ السلام و مریم علیہا السلام کے احوال زندگی کا ذکر شروع ہوا جس میں پہلے سیدہ مریم علیہا السلام کی ولادت بیان ہوئی، اور ان کا دور تربیت بیان کیا گیا اور بتایا گیا کہ حضرت ذکریا علیہ السلام نے ان کی کفالت و تربیت فرمائی اور جب ان کے ہاں غیب سے آنے والے بے موسم پھل دیکھے تو دعا کی کہ اللہ انہیں بھی بڑھاپے میں بے موسم اولاد عطا کرے۔تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یحییٰ علیہ السلام جیسا پیغمبر بیٹا عطا فرمایا۔

آگے وہ حالات بتائے گئے ہیں جب سیدہ مریم علیہا السلام کے پاس فرشتے آئے ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی بشارت دی اور اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور ان کی بعض تبلیغی مساعی پہ روشنی ڈالی گئی۔اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی عیسائیوں کو دی جانے والی دعوت مباہلہ بیان کی گئی۔

اس کے بعد اہل کتاب کے بعض سوالوں کے جوابات اور ان کی بعض دینی کوتاہیوں کا بیان شروع ہوا جو تیسرے پارہ کے اختتام تک چلا گیا ہے۔علاوہ ازیں اس کے نوویں رکوع میں جو پارہ سوم کا آخری رکوع ہے وہ واقعہ بھی بتایا گیا جب اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں ارواح انبیاء کے سامنے اپنے محبوب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت بیان فرمائی اور بتایا کہ جب وہ دنیا میں تشریف لائیں تو انبیائے کرام نے اس وقت کیا فریضہ سرانجام دینا ہے۔

پھر چوتھے پارہ کے آغاز میں فریضۂ حج کی اہمیت بیان کی گئی اور کعبۃ اللہ کی عظمت پہ روشنی ڈالی گئی۔پھر اس

سورت کے بارہویں رکوع میں مسلمانوں کو تفرقہ بازی سے باز رہنے اور اللہ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے تھامنے کا حکم بیان فرمایا گیا اور امت مسلمہ کو آگاہ کیا گیا کہ اس کی کیا مذہبی ذمہ داری ہے۔ یہ سلسلہ بارھویں رکوع کے آخر تک ہے، اسکے بعد تیرہویں رکوع سے غزوہ احد کی تفصیلات شروع ہوتی ہیں جو اس صورت کے آخر تک چلی گئی ہیں۔

ماقبل سے مناسبت

سورہ بقرہ وآل عمران میں کئی لحاظ سے باہمی مناسبت ہے۔ کیونکہ دونوں میں اہل کتاب کے عقائد باطلہ کا رد ہے۔ البتہ بقرہ میں زیادہ روئے سخن یہود کی طرف ہے اور آل عمران میں نصاریٰ کی طرف۔ پھر دونوں میں حرمت سود بیان ہوئی۔ پھر بقرہ میں حضرت آدم علیہ السلام کا بن ماں باپ پیدا ہونا مذکور ہے تو آل عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بن باپ پیدا ہونا الغرض دونوں میں باہم معنوی مشابہت ہے۔

اس کی فضیلت

اسی لیے حدیثِ پاک میں دونوں کو الزَّهْرَاوَين یعنی دو چمکتی سورتیں کہا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن پر عمل کرنے والے روز قیامت یوں پیش ہوں گے کہ بقرہ و آل عمران ان کے آگے چلتی ہوں گی۔ جیسے دو بادل جارہے ہوں جن میں چمک ہو۔'' (مسلم عن نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''زہراوین یعنی دو چمکتی سورتوں بقرہ و آل عمران کو زیادہ پڑھا کرو، یہ روز قیامت اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑا کریں گی۔'' (مسلم عن ابی امامہ رضی اللہ عنہ)

سورہ آل عمران کی خصوصی فضیلت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے جمعہ کے روز سورۂ آل عمران پڑھی تورات آنے تک اللہ اور فرشتے اس پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔'' (طبرانی اوسط عن ابن عباس)

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

اٰیَاتُھَا ۲۰۰ ۳ سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِیَّۃٌ ۸۹ رکوعاتھا ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ۞ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۞ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ

الف لام میم۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ابدی زندہ اور ہر چیز کا منتظم ہے۔ [1] اس نے آپ پر سچائی کے ساتھ

بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۞ ۙ

کتاب اتاری جو اس سے قبل (والی آسمانی کتب) کی تصدیق کرتی ہے۔ [2] اور اس نے اس سے قبل تورات و انجیل

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ

کو لوگوں کی ہدایت کے لئے اتارا اور اس نے فرقان نازل کیا [3] بے شک جنہوں نے اللہ کی آیات سے انکار کیا

لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۞

ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ غالب ہے انتقام لینے والا ہے۔ [4]

قرآن اور پہلی آسمانی کتب کے نزول کا ذکر

[1] ابن اسحاق سے مروی ہے کہ جب اہل نجران کا عیسائی وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں سوالات کیے تو انہی کے بارہ میں سورہ آل عمران کے آغاز سے آیت ۸۵ تک قرآن کریم اترا۔ (درمنثور)

نجران کے عیسائی وفد کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ الوہیت عیسیٰ علیہ السلام پر مباحثہ

حضرت ربیع سے مروی ہے کہ جب نجران کے عیسائی (سن ہجری ۹ میں) رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو انہوں نے آپ سے کہا: اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں ہیں تو آپ بتائیں کہ پھر ان کا باپ کون ہے؟ اور انہوں نے ایسی ہی دیگر لایعنی

باتیں کہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ حیّ وقیوم ہے، وہ ہر چیز کو رزق عطا فرماتا ہے؟ کہنے لگے ہاں کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا عیسیٰ علیہ السلام کی بھی یہی شان ہے؟'' کہنے لگے نہیں۔

آپ نے فرمایا: کیا تمہارا عقیدہ نہیں کہ اللہ کی یہ شان ہے: لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝ کہ اس پہ زمین وآسمان میں کوئی چیز مخفی نہیں؟ کہنے لگے: ہاں ہمارا یہی عقیدہ ہے، آپ نے فرمایا: کیا عیسیٰ علیہ السلام بھی یہ سب کچھ جانتے ہیں؟ کہنے لگے نہیں۔

آپ نے فرمایا: کیا تمہارا عقیدہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ماں کے رحم میں عیسیٰ علیہ السلام کی جو شکل چاہی وہ بنا دی؟ کہنے لگے: ہاں کیوں نہیں، آپ نے فرمایا کیا تم جانتے نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ کھانے پینے اور ہر قسم کے تغیر سے پاک ہے؟ کہنے لگے ہاں جانتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ نے دوسرے بچوں کی طرح اپنے رحم میں بصورت حمل اٹھایا، پھر انہیں جنا، پھر عیسیٰ علیہ السلام کی اسی طرح پرورش کی گئی جیسے عام بچوں کی کی جاتی ہے؟ اور وہ سب انسانوں کی طرح کھاتے پیتے اور تغیرات کا شکار ہوتے تھے؟ کہنے لگے: ہاں ایسا ہی ہے، آپ نے فرمایا: تو پھر تم نے انہیں خدا کیسے مان لیا؟ مگر اس کے باوجود انہوں نے انکار کا راستہ اپنایا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں۔

(تفسیر ابن جریر طبری جلد سوم صفحہ ۱۰۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا آغاز بیان توحید سے کیا تا کہ عقیدۂ الوہیتِ عیسیٰ کی تردید کی جائے۔

[2] توحید کے بعد حقانیت قرآن کا ذکر لایا گیا کیونکہ قرآن کے ماننے ہی سے کوئی شخص اسلامی عقائد اپنا سکتا ہے۔ قرآن کے حق کے ساتھ اتارے جانے کا ایک یہ معنی ہے کہ قرآن ٹھیک اپنے محل پر اترا کیونکہ حضور ﷺ امام الانبیاء ہیں اور قرآن سید الکتب۔ لہٰذا آپ کی شان کے لائق قرآن جیسی کتاب ہی ہے۔ اسی لیے علماء کہتے ہیں کہ قرآن آپ کی شان کے عین مطابق معجزہ ہے۔ یہ معنی بھی ہے کہ قرآن نے گزشتہ اور آئندہ کی جو خبریں دیں وہ برحق ثابت ہوئیں۔

قرآن کا پہلی کتابوں کے لیے مصدق ہونا اس معنی میں ہے کہ پہلی کتابوں نے قرآن کے بارہ میں پیش گوئی کی چنانچہ قرآن ان پیش گوئیوں کے عین مطابق اترا یوں قرآن سے ان کتب کا سچا ہونا ثابت ہوا۔ علاوہ ازیں قرآن نے کھول کھول کر بتایا کہ تورات، انجیل اور زبور اللہ کی نازل کردہ کتب ہیں۔ جیسا کہ اسی آیت میں آگے وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ ہے۔

[3] یہود ونصاریٰ کو مائل باسلام کرنے کے لیے فرمایا گیا کہ اللہ ہی نے تورات وانجیل کو قبل ازیں نازل فرمایا۔ یہ الگ بات ہے کہ موجودہ تورات وانجیل میں اللہ کا نازل کردہ حصہ بہت ہی کم رہ گیا ہے۔ اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں بہت زیادہ تحریف کر دی ہے۔ چنانچہ موجودہ بائبل یعنی تورات وانجیل کے مجموعہ میں انبیاء کرام علیہم السلام پر شرک وکفر، بدکاریوں اور

بدعنوانیوں کے بہتانات رکھے گئے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بارہ میں لکھا ہے کہ وہ شراب پی کر نشے میں آ گئے اور برہنہ ہو گئے۔ (پیدائش باب ۹ آیت ۲۱)

حضرت لوط علیہ السلام کے بارہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے شراب پی کر اپنی دو حقیقی بیٹیوں سے بدکاری کی۔ (پیدائش باب ۱۹ آیت ۳۶)

حضرت ہارون علیہ السلام کے بارہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو سونے کا بچھڑا بنا کر دیا جس کی وہ عبادت کرنے لگے۔ (خروج باب ۳۲ آیت ۱۔۶)

حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک عیاش بادشاہ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ ان کے بارہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے محل کی چھت سے ایک خوبصورت عورت کو برہنہ نہاتے دیکھا تو اسے بلا کر اس سے صحبت کی۔ (۲ سموئیل باب ۱۱ آیت ۱۸)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارہ میں لکھا ہے کہ بت پرستی کی طرف مائل ہو گئے۔ (۱ سلاطین باب ۱۱ آیت ۷)

لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اس لیے موجودہ تورات وانجیل تحریف شدہ ہے، اگر اس کا کوئی حصہ قرآن وسنت اور بداہت عقل سے متصادم ہو تو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اَنْزَلَ اور نَزَّلَ میں فرق

یہاں قرآن کے لیے لفظ نزّل بولا گیا اور تورات وانجیل کے لیے انزل، اس کی وجہ یہ ہے کہ نَزَّلَ باب تفعیل ہے جس میں خاصہ تدریج ہے یعنی کوئی کام درجہ بدرجہ آہستہ آہستہ کرنا۔ قرآنِ پاک تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا اس لیے نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ فرمایا گیا جبکہ اَنْزَلَ باب افعال ہے جس کا معنی کوئی کام یک بارگی کرنے پر مشتمل ہے چونکہ پہلی کتابیں یکبارگی اتاری گئیں تو ان کے لیے اَنْزَلَ بولا گیا۔ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ میں بعض کے نزدیک زبور کو الفرقان کہا گیا ہے اور بعض کے نزدیک قرآنِ مجید بھی فرقان ہے۔ اسی لیے دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ امام رازی نے الفرقان سے معجزات بھی مراد لیے ہیں جو انبیاء کو دیے گئے۔

لفظ کتاب کا مصداقِ کامل صرف قرآنِ پاک ہے

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝۳ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو الکتاب کہہ کر یاد کیا اور تورات وانجیل کو ان کے ناموں سے تعبیر کیا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے افضل وبرتر کتاب قرآن مجید ہی ہے، اتنی افضل کہ الکتاب کہہ کر وہ اسے یاد فرماتا ہے اور جب وہ الکتاب کہے تو اس سے قرآن ہی مراد ہوتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے اللہ کے رسولوں کی بڑی تعداد ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب صرف اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو عطا فرمایا کیونکہ وہ سب سے افضل واعلیٰ رسول ہیں۔

اسی طرح لفظِ مدینہ کا معنی شہر ہے، جیسے قرآن میں ہے وَ كَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ، یعنی اس شہر میں نو افراد تھے۔ (نمل، ۴۸) اور رسول اللہ ﷺ کے شہر کا نام بھی مدینہ رکھا گیا تاکہ معلوم ہوا کہ یہ شہر سب شہروں میں اس قدر اعلیٰ ہے کہ آج جب مطلقاً مدینہ کہا جائے تو وہ شہر رسول ﷺ ہی ہوسکتا ہے۔

گویا جس طرح رسول اللہ ﷺ سب رسولوں سے افضل ہیں یونہی آپ کی کتاب سب کتابوں سے افضل ہے اور آپ کا شہر سب شہروں سے افضل ہے، بلکہ آپ سے تعلق رکھنے والی ہر چیز ہی بے مثل و بے مثال ہے۔ آپ کی امت سب امتوں سے افضل ہے "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ" (آلِ عمران: ۱۱۰)

[4] یعنی قرآن، تورات، انجیل اور زبور کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا تو جس نے انکار کیا اور جن رسولوں پر اللہ کی یہ کتب اتریں انہیں جھٹلایا تو ایسے لوگوں کے لیے شدید عذاب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر طاقتور پر غالب ہے۔ اس نے اپنے دین کے بڑے طاقتور دشمنوں کے نام ونشان مٹا دیئے۔ وہ انتقام لینے والا ہے مگر وہ اپنے لیے انتقام نہیں لیتا۔ کروڑوں لوگ اس کا رزق کھا کر اسے گالیاں دیتے ہیں اور وہ انہیں مزید دیتا ہے ہاں جب اس کے دوستوں کو ستایا جائے تو وہ انتقام لیتا ہے۔ چنانچہ اس نے انبیاء واولیاء کے گستاخوں اور دشمنوں کو پکڑا اور سخت پکڑا۔

اسی لیے حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "جس نے میرے کسی دوست کو ستایا میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔" (بخاری کتاب الرقاق باب ۳۸، ترمذی کتاب الدعوات باب ۷۹)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۞ هُوَ الَّذِيْ
بے شک اللہ پر کوئی چیز نہ زمین میں مخفی ہے اور نہ آسمان میں۔ [5] اللہ وہ ہے
يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞
جو ماؤں کے رحموں میں جیسے چاہے تمہاری شکلیں بناتا ہے [6] اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

[5] یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور پہلی کتابیں اپنے علم کے مطابق اتاریں کیونکہ اس کے علم نے آسمان وزمین کو گھیر رکھا ہے۔

[6] اللہ تعالیٰ کے علم کا یہ عالم ہے کہ وہ کروڑوں اربوں کھربوں انسانوں کی شکلیں ماؤں کے رحموں میں اپنے علم کے مطابق جیسے چاہے تخلیق فرماتا ہے۔ اب تک کھربوں انسان دنیا میں آچکے اور کھربوں آئیں گے مگر ایک انسان بھی اللہ تعالیٰ نے دوسرے انسان کی شکل پر نہیں بنایا۔ ہر انسان کی اپنی ہی شکل رکھی گئی ہے۔ یہ آیت عیسائی وفد کے رد ہی میں اتاری گئی ہے۔

چنانچہ مروی ہے نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کی شکل جو اللہ نے پسند فرمائی رحم مادر میں بنائی پھر انہیں

بچوں کی طرح پالا پوسا اور کھلایا پلایا گیا۔ پھر تم انہیں خدا کیسے مانتے ہو خدا کی شان تو یہ نہیں، مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے تب یہ آیت مبارکہ اتری: هُوَ الَّذِىْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (ابن جریر جلد ٣ صفحہ ١٠٩)

جب اللہ ہی ہر انسان کی شکل بناتا ہے تو کسی کی شکل کا مذاق اڑانا اللہ کی تخلیق کا مذاق اڑانا ہے جو عظیم گناہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ چہرے کو حسین بنانے کے لیے اس کی پلاسٹک سرجری کرنا حرام ہے۔ یہ اللہ کی بنائی ہوئی شکل کو بگاڑنا ہے، حدیثِ پاک میں ہے کہ ''ابرو باریک کرنے اور چہرہ گدوانے والی عورتوں پہ اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے۔''
(بخاری کتاب اللباس باب ٨٣، مسلم کتاب اللباس حدیث ١١٥، ابوداود کتاب الترجل باب ٥ وغیرہ)

هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ

اللہ وہ ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری اس میں سے بعض آیات واضح معنی والی ہیں

اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ

جو کتاب کا اصل ہیں [7] اور دوسری مخفی معنی والی آیات ہیں [8] تو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ

فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ڄ وَمَا يَعْلَمُ

قرآن میں سے ان آیات کے پیچھے پڑتے ہیں جن کا معنی واضح نہیں، تاکہ فتنہ ڈھونڈیں اور ان کا مفہوم تلاش کریں [9] حالانکہ ان کا

تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ

اصل مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا [10] جبکہ علم میں گہرائی رکھنے والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، ہر آیت

عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

ہمارے رب کی طرف سے ہے [11] اور نصیحت تو عقل والے ہی پکڑتے ہیں۔

وقف لازم
وقف منزل
وقف النبی ﷺ

قرآن کی متشابہات کا بیان

[7] جب نزولِ قرآن کی بات چلی ہے تو قرآنی آیات کی دو قسمیں بتائی جا رہی ہیں۔ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب اتاری ہے اس میں کچھ واضح معنی والی آیات ہیں جنہیں محکمات (یعنی مضبوط آیات) کہا جاتا ہے اور وہی قرآن کا اصل ہیں یعنی انہی میں اللہ تعالیٰ نے سب حلال و حرام، حدود، حقوق و فرائض اور عقائد اسلامیہ بیان کیے ہیں، حضرت عبداللہ

بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ان آیات میں سے کوئی آیت منسوخ نہیں ان پر ایمان اور عمل لازم ہے۔ (ابن جریر) یعنی جن مقاصد کے لیے قرآن حکیم اترا وہ سب انہی آیات میں ہیں۔

[8] جبکہ دوسری قسم کی آیات کا نام متشابہات ہے یعنی مخفی معنی والی آیات جن کا معنی واضح نہیں ہے، جیسے حروف مقطعات الٓمّٓ، حٰمٓ، کٓهٰیٰعٓصٓ وغیرہ، یا وہ آیات جن کا ظاہری مفہوم مراد نہیں، مراد کچھ اور ہے جو معلوم نہیں۔ جیسے اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۞ رحمان نے عرش پر قرار پکڑا۔ (طٰہٰ:۵) كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوا اللہ کے چہرے کے (قصص:۸۸) بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں۔ (مائدہ:۶۴) حالانکہ اللہ جسم سے پاک ہے کہ وہ کسی چیز پر قرار پکڑے، نہ اس کا چہرہ ہے نہ ہاتھ۔ یہ آیات متشابہات ہیں۔

[9] یعنی ٹیڑھے دل والے لوگ آیات محکمات کی بجائے متشابہات سے دلیل پکڑ کر فتنہ ڈالتے اور ان کا معنی ڈھونڈتے ہیں، جیسے پچھلے حاشیہ میں مذکور آیات متشابہات سے دلیل پکڑ کر اللہ کے لیے جسم یا چہرہ یا ہاتھ ثابت کیے جائیں۔ جبکہ خود اللہ رب العزت نے ان کا معنی مخفی رکھا ہے۔ یہ آیت عیسائی وفد نجران کی آمد پر نازل ہوئی، انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا قرآن میں ہے عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی روح ہیں۔ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (نساء:۱۷۱) لہٰذا وہ خدا ہیں (کیونکہ ان میں اللہ کی روح ہے) تو ان کے رد میں یہ آیت اتری: فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ یعنی ٹیڑھے دل والے لوگ فتنہ انگیزی کے لیے قرآنی متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں۔ حالانکہ انکا معنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (ابن جریر جلد سوم صفحہ ۱۱۵)

[10] متشابہات کا معنی صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یعنی حقیقی طور پر اللہ ہی ان کا معنی جاننے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متشابہات کا علم عطا فرمایا۔ کیونکہ جس رسول پر قرآن اتارا گیا اس کا اس کے کسی حصے سے ناواقف ہونا ناقابلِ فہم و ناقابل تسلیم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متشابہات کا علم رکھتے ہیں

چنانچہ ائمۂ دین کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متشابہات کے حقیقی مفہوم سے واقف ہونا ضروری ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۞ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارا ذمہ ہے کہ قرآن کو آپ پر بیان کریں۔ (القیامۃ:۱۹) اس سے معلوم ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن کے محکم و متشابہ سب کا بیان عطا کیا گیا لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ متشابہات اللہ اور اس کے رسول کے مابین راز ہیں عام لوگ اس راز سے واقف نہیں ہو سکتے۔ (تفسیر مظہری جلد دوم صفحہ ۱۸۱)

ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر متشابہات کا منکشف ہونا قطعی ہے ورنہ یہ ایسے ہوگا کہ کسی حبشی کے ساتھ عربی میں بات کی جائے''

(یعنی اللہ اپنے نبی سے بات کرے اور نبی وہ زبان ہی نہ جانے) (التفسیرات الاحمدیہ صفحہ ۹۳ مطبوعہ پشاور) اس پہ مزید روشنی ہم سورہ بقرہ کے آغاز میں ڈال چکے ہیں، وہاں ایک نظر ڈال لیں۔

[11] یعنی علم (ایمان) میں گہرائی رکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم متشابہات پر ایمان لاتے اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے رب کی نازل کردہ آیات ہیں مطلب یہ کہ ہم ان کا معنی تو نہیں جانتے پھر بھی ان کے منزل من اللہ ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔

متشابہات کو قرآن میں کیوں رکھا گیا؟ اس کا جواب

اگر سوال کیا جائے کہ جب ہم متشابہات کو سمجھ ہی نہیں سکتے تو انہیں قرآن میں رکھا ہی کیوں گیا ہے؟ تو اس کے چند جوابات ہیں۔

اول: سارے قرآن کا سمجھ لینا ضروری نہیں۔ قرآن حکیم کتابِ شفاء ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ''ہم قرآن اتارتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفاء ورحمت ہے۔'' (اسراء، ۸۲) ہم اخلاقی بیماریوں کے مریض ہیں، قرآن نسخۂ شفاء ہے اور مریض کے لیے ضروری نہیں کہ وہ جانتا ہو کہ اس کی دوا کے اجزاء کیا ہیں۔ ہم ہزاروں گولیاں، کیپسول وغیرہ کھاتے ہیں، کیا کبھی ہم نے پوچھا ہے کہ ان کے اجزاء (Ingredients) کیا ہیں؟ اسی طرح قرآن کو جس قدر پڑھا جائے گا شفاء ہوگی، خواہ اس کا معنیٰ معلوم ہو سکے یا نہ ہو سکے۔

دوم: اس میں اہلِ عجم کے لیے سامانِ تسلی ہے۔ وہ یہ نہ سوچیں کہ جب ہم قرآن کو سمجھتے نہیں ہیں تو اس کے پڑھنے کا کیا فائدہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متشابہات رکھ دیے کہ جنہیں اہل عرب بھی نہیں سمجھ سکتے، اس میں یہی سبق ہے کہ قرآن کو جس قدر سمجھا جا سکتا ہے سمجھ لو باقی کو اللہ پہ چھوڑ دو۔

سوم: متشابہات کے قرآن میں رکھنے کی یہ حکمت بھی ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ جب ہم اس کا سارا کلام نہیں سمجھ سکتے تو اس کی ذات کو کیسے سمجھ سکتے ہیں، لہٰذا ہمیں اللہ کے حضور اپنے عجز وقصور کا اعتراف کرنا چاہیے کہ یہی شانِ بندگی ہے۔ جس قدر بندہ عاجز ہوا اسی قدر وہ اللہ کے ہاں مرتبہ پاتا ہے۔

چہارم: متشابہات کے ذریعہ بندوں کا امتحان مقصود ہے کہ وہ معنیٰ نہ جاننے کے باوجود اللہ کے کلام پہ ایمان لاتے ہیں یا نہیں اور ایمان کی تو حقیقت ہی یہی ہے کہ بن دیکھے سب کچھ مانا جائے۔

پنجم: متشابہات کو قرآن میں اس لیے بھی رکھا گیا تاکہ یہ درس ملے کہ اللہ ورسول کا ہر حکم مانا جائے اور پورا کیا جائے خواہ اس کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اللہ کے ہر حکم میں حکمت ضرور ہوتی ہے خواہ ہم اسے سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں۔

متشابہات قرآن میں بحث مباحثہ نہیں کرنا چاہیے

جب اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ جن کے دل ٹیڑھے ہیں وہ قرآن کی متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں تو ثابت ہوا کہ متشابہات

پر صرف ایمان لانا چاہیے کہ وہ منزل من اللہ ہیں۔ اس سے زیادہ ان کے معنی ڈھونڈھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

هُوَ الَّذِيٓ اَنۡزَلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ مِنۡهُ اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَيۡغٌ فَيَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِيۡلِهٖ ۚ وَمَا يَعۡلَمُ تَاۡوِيۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ يَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۞

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو قرآن کی ان آیات کے پیچھے پڑتے ہیں جو متشابہ ہیں تو انہی لوگوں کا اللہ نے ذکر کیا ہے (یعنی ان کے دلوں کو ٹیڑھا قرار دیا ہے) تو ان سے دور رہو۔

(بخاری کتاب التفسیر سورہ آل عمران، حدیث ۴۵۴۷)

ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ لوگوں کو اپنے حجرہ کے پاس بیٹھے ہوئے قرآن میں بحث کرتے پایا تو آپ کا چہرہ انور غصہ سے سخت سرخ ہو گیا آپ نے فرمایا: "تم سے پہلے لوگ بھی ایسے ہی جھگڑوں سے ہلاک ہوئے، لہٰذا قرآن کے محکم پر عمل کرو اور متشابہ پر صرف ایمان لاؤ۔" (درمنثور بروایت امام مقدسی عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما)

دورِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں صبیغ نامی ایک شخص نے متشابہات میں گفتگو شروع کی تو آپ نے اسے لاٹھیوں سے اس قدر مارا کہ اس کے سر سے خون نکل آیا جب اس نے معافی مانگی تب آپ نے اس کو چھوڑا۔

(سنن دارمی جلد اول مقدمہ صفحہ ۵۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

شیخ ابو العباس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: متشابہات کے پیچھے پڑنے والے لوگ دو طرح کے ہیں ایک وہ جو کرامطہ کی طرح متشابہات کی وجہ سے قرآن پر تنقید کرتے اور اسے جھٹلاتے ہیں ان کا حکم تو صرف قتل ہے۔ یہ دشمنان اسلام ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو متشابہات سے دلیل پکڑتے ہیں جیسے فرقہ جسمیہ نے قرآن کی متشابہات سے حجت پکڑتے ہوئے اللہ کے لیے چہرہ، آنکھیں، ہاتھ، پہلو، پاؤں اور انگلیاں مان لیں جبکہ اللہ ان چیزوں سے پاک ہے۔ ایسے لوگوں سے توبہ کروائی جائے اگر نہ کریں تو ان کی سزا بھی قتل ہے کیونکہ ان کے کفر میں بھی شک نہیں۔

(تفسیر قرطبی جلد ۴ صفحہ ۱۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کیا متشابہات کی تاویل کرنا جائز ہے؟

یاد رہے! ائمہ متقدمین (جیسے فقہاء اربعہ اور ان کے تلامذہ) کے نزدیک متشابہات کی کوئی تاویل جائز نہ تھی، امام

مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ کے تحت فرمایا: استواء کا معنی معلوم ہے، اس کی کیفیت مجہول ہے۔ اس پر ایمان لازم اور اس کے بارہ میں سوال کرنا (بحث کرنا) بدعت ہے۔ (البحر المحیط جلد سوم صفحہ ۲۸)

مگر جب ائمۂ متاخرین نے دیکھا کہ گمراہ لوگ متشابہات کے سہارے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں تو انہوں نے ان کی تاویل کر کے انہیں محکمات کے مطابق کیا مگر اس تاویل کو ظنی قرار دیا مثلاً رحمان کے عرش پر قرار پکڑنے کا معنی انہوں نے عرش پہ اللہ کی حکومت کے جاری ہونے سے کیا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں سے اس کی قدرت مراد لی۔ اللہ کے چہرے سے اللہ کی ذات کو مراد لیا۔ ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیرات احمدیہ میں، امام رازی نے تفسیر کبیر میں اور امام قرطبی نے جامع البیان میں اس پر مفصل کلام کیا ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ
اے ہمارے رب! ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد ازاں کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنی طرف سے ہدایت عطا فرما بیشک تو ہی
اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ
سب کچھ دینے والا ہے۔[12] اے ہمارے رب! تو سب لوگوں کو اس دن جمع کرنے والا ہے جس میں کوئی شک نہیں بے شک اللہ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ ع
وعدے کی مخالفت نہیں فرماتا۔[13]

[12] یعنی اے ہمارے پروردگار جب تو نے ہمیں ہدایت دے دی تو ہمیں ایسے لوگوں کی صحبت سے دور رکھ جو متشابہات کے پیچھے پڑ کر اپنے دل ٹیڑھے کر چکے ہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے دل بھی کج رو ہو جائیں بلکہ ہم پر ہمیشہ اپنا سایہ رحمت قائم رکھ۔ کہ تو ہی ہر نعمت کا عطا فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ہر وقت توفیقِ استقامت مانگنا چاہیے

اللہ تعالیٰ نے رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ کہہ کر ہمیں دعاء استقامت سکھلائی ہے۔ استقامت کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی دعائیں فرمایا کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے

یا مقلّبَ القلوب ثبّت قلبی علی دینك، ''اے دلوں کے بدلنے والے میرے دل کو اپنے دین پہ مضبوط

رکھنا۔'' (ترمذی کتاب الدعوات باب ۷، ابن ماجہ کتاب الدعاء باب ۲))۔

یہ بھی پتہ چلا اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ رکھنا چاہیے اپنی طاقت پر نہیں۔یعنی ہر وقت دعا کرتے رہنا چاہیے کہ وہ ہمارے دلوں کو راہ حق پہ قائم رکھے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ ''لوگوں کے دل رحمان کی دو انگشتوں کے درمیان ہیں ،جب چاہے بدل دے۔'' (مسلم)

[13] اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو روز قیامت جمع فرمائے گا اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں کیونکہ عقل کے نزدیک ایک ایسا دن آنا ضروری ہے جب پتہ چل جائے کہ کون سیدھے راستے پر چلا اور کس کا دل ٹیڑھا ہوا۔بعض لوگ زندگی بھر دوسروں پر ظلم کرتے اور کئی لوگ زندگی بھر دوسروں کا ظلم سہتے رہتے ہیں۔اب ایسا دن ضرور آنا چاہیے جب ظالم کو سزا اور مظلوم کو جزا ملے ورنہ ظالم ومظلوم ایک جیسے ہو گئے اور یہ خلاف عقل ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ
بے شک جنہوں نے کفر کیا تو نہ ان کے اموال انہیں اللہ کی پکڑ سے بچا سکیں گے اور نہ
مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۙ﴿۱۰﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ
ان کی اولاد ،اور وہ لوگ جہنم کا ایندھن ہیں۔[14] جیسے فرعون کے پیروکاروں اور ان سے پہلے لوگوں کا طریقہ تھا،
وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ
انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا
وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى
اور اللہ سخت پکڑ والا (بھی) ہے[15] آپ کفر کرنے والوں سے فرمادیں کہ عنقریب تم مغلوب ہو گے اور جہنم کی طرف
جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾
جمع کئے جاؤ گے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔[16]

کفار کیلئے دنیوی واخروی عذاب

[14] یہ آیت نجرانی عیسائی وفد ہی کے بارہ میں نازل ہوئی ان پر صداقت اسلام واضح ہوگئی مگر ان پر حب دنیا

غالب آ ئی تو وہ کفر پر ڈٹ گئے۔ ان میں سے ایک شخص ابوحارثہ بن علقمہ اپنے بھائی سے کہنے لگا۔ میں جان گیا ہوں کہ یہ اللہ کے سچے رسول ہیں لیکن اگر میں ایمان لاؤں تو مجھے شاہ روم سے ملنے والے وظائف بند ہو جائیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْــٴًـا ؕ وَاُولٰٓىٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِۙ﴿۱۰﴾ (البحر المحیط جلد ۳ صفحہ ۳۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفر پر ڈٹ جانے والوں کو ان کے اموال اور اولاد جن کے سبب وہ ایمان سے دور رہتے ہیں روز قیامت اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکیں گے۔

یہاں اموال کو اولاد پہ مقدم ذکر کیا گیا کیونکہ انسان خود سے تکلیف دور کرنے کے لیے سب سے پہلے اپنے مال ہی کا سہارا لیتا ہے کیونکہ مال ہر کسی کے پاس کچھ نہ کچھ ہوتا ہے اولاد ہر کسی کے پاس نہیں ہوتی۔ اسی لیے روز قیامت کافر کہے گا: مَاۤ اَغْنٰى عَنِّیْ مَالِیَهْۚ﴿۲۸﴾ میرا مال مجھے نہ بچا سکا۔ (الحاقہ: ۲۸) خلاصہ یہ ہے کہ کفار روز قیامت جہنم کا ایندھن بنیں گے اور ان کے اموال و اولاد انہیں بچا نہ سکیں گے۔

مال و اولاد کی کثرت باعثِ فضیلت نہیں

اگر ان چیزوں میں کوئی فضیلت ہوتی تو یہ کفار کو ہرگز نہ دی جاتیں۔ بلکہ حدیث مبارک میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "اگر اللہ کے ہاں دنیا کی حیثیت مکھی کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ کسی کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ بھی نہ دیتا۔ (موسوعۃ اطراف الحدیث، جلد ۶ صفحہ ۸۷۷) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن کو قیامت میں اس کا مال بھی فائدہ دے گا اور اولاد بھی۔ جب کفار کو یہ چیزیں وہاں فائدہ نہ دیں گی تو معلوم ہوا مومنوں کو ان کا فائدہ ہوگا۔ اسی لیے حدیث پاک میں ہے کہ "مومن کے تین اعمال منقطع نہیں ہوتے۔ صدقہ جاریہ، نفع بخش علم اور نیک اولاد جو اس کے لیے بخشش کی دعا کرتی ہے۔" (مسلم کتاب الوصیۃ)

مومن جہنم کا ایندھن نہ بنے گا

کفار کے لیے کہا گیا: وَاُولٰٓىٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِۙ﴿۱۰﴾ معلوم ہوا جہنم کا ایندھن بننا صرف کفار سے خاص ہے، کیونکہ اگر کوئی مومن جہنم میں گیا تو عارضی وقت کے لیے جائے گا آخر شفاعتِ رسول ﷺ اسے وہاں سے نکال لے گی، تو وہاں کا ایندھن کفار کو ہی ہونا ہے جن کے ذریعے جہنم ہمیشہ جلتا رہے گا۔

[15] بتایا جا رہا ہے کہ فرعون بظاہر بہت طاقتور تھا۔ دولت، اسلحہ، افواج، قبیلہ اور جادو کی طاقت اس کے پاس تھی اور اس سے پہلے نمرود، شداد اور قوم عاد و ثمود جیسے بہت طاقتور لوگ گزرے مگر جب انہوں نے اللہ کی آیات یعنی انبیاء پر نازل ہونے والی کتب اور انہیں دیئے جانے والے معجزات کی تکذیب کی تو اللہ نے انہیں سخت پکڑا۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ

شَدِيْدُ الْعِقَابِ⑪ سے معلوم ہوا کسی کے پیروکاروں کو بھی اس کی آل کہا جاتا ہے۔فرعون کے ساتھ غرق کیے جانے والے لاکھوں لوگوں کو آل فرعون کہا گیا وہ سب اس کے پیروکار تھے، اولاد نہ تھے۔

[16] بدر میں عظیم الشان کامیابی کے بعد جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ واپس آئے تو یہود کو بلایا اور فرمایا: اے یہود اسلام لے آؤ اس سے قبل کہ تم پر بھی کفار مکہ والی آفت آ جائے جیسے ان پر بدر میں آئی۔ یہود نے کہا قریش مکہ ناتجربہ کار تھے جنگ نہ جانتے تھے بخدا اگر ہم سے تم الجھے تو دیکھو گے ہم کیسے مردان جنگ ہیں تب یہ آیت مبارکہ اتری: قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ⑫ (ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۱۲۸)

دنیا میں دائمی غلبہ صرف اسلام کا ہے

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا سب کفار کو خبردار کر دیا جائے کہ عنقریب دنیا میں بھی انہیں مغلوب ہونا پڑے گا اور آخرت میں تو ان کے لئے جہنم کے سوا کچھ نہیں۔ معلوم ہوا کہ دنیا میں دائمی غلبہ صرف اہل اسلام کا ہے، اگر کفار کو کبھی دنیا میں غلبہ مل جائے تو وہ عارضی ہے وہ جلد یا بدیر ختم ہو جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الاسلام يَعْلُوْ وَلَا يُعلىٰ، ''اسلام غالب آتا ہے (ہمیشہ) مغلوب نہیں رہتا۔'' (بخاری کتاب الجنائز باب ۷۹) اور بلاشک بارہ صدیوں تک اسلام ہی دنیا کی سب سے بڑی سیاسی طاقت رہا، پھر ہماری کمزوریاں پیش آئیں اور انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب پھر اسلام ہی غالب ہوگا۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

تمہارے لئے ان دو گروہوں میں جو روبرو صف آرا ہوئے بڑی نشانی ہے [17] ایک گروہ راہِ خدا میں لڑتا تھا اور دوسرا

وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ

کافر گروہ تھا جو مؤمنوں کو کھلی آنکھ کے ساتھ اپنے سے دوگنا بڑا دیکھتا تھا [18] اور اللہ اپنی مدد کے ساتھ جس کی چاہے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ⑬

تائید فرماتا ہے، بے شک اس میں بصیرت والوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔[19]

[17] یعنی اے دشمنانِ اسلام! (یہ تا قیامت سب کفار سے خطاب ہے) بدر میں آمنے سامنے آنے والے دو لشکروں میں تمہارے لیے عظیم نشانی ہے کہ لشکر کفار اسلحہ وتعداد میں مسلمانوں سے کئی گنا بڑا اور قوی تھا۔مگر لشکر اہل ایمان قوتِ عشق سے سرشار تھا اس لیے انہیں اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن پہ غالب کیا گیا۔ الغرض واقعہ بدر تا قیامت مسلمانوں کے لیے درسِ نصیحت اور کفار کے لیے تازیانہ عبرت ہے۔ اس میں مسلمان جب بھی غور کرتے ہیں تو ان کا خون جذبہ جہاد

سے جوش مارنے لگتا ہے اور کفار جس قدر اس میں غور کریں ان پر لرزہ وخوف طاری ہوجاتا ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

[18] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدر میں صرف دین خدا کی سربلندی کے لیے لڑ رہے تھے اس لیے قدرت خداوندی سے کفار انہیں اپنے سے دوگنا دیکھتے تھے حالانکہ کفار ان سے تعداد میں تین گنا زیادہ تھے کفار ایک ہزار سے زائد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف تین سو تیرہ تھے، مگر اللہ تعالیٰ کفار کی آنکھوں میں مسلمانوں کو کفار سے دوگنا زیادہ کر کے ظاہر کر رہا تھا تاکہ کفار کے دل ان کی کثرتِ تعداد کو دیکھ کر لرزہ براندام ہوں۔ گویا تین سو تیرہ اہل بدر کفار کو دو ہزار نظر آ رہے تھے۔

بدری صحابہ کا ایمان واخلاص قرآن وحدیث اور کتب اہل تشیع سے

اس جگہ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کے الفاظ میں بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان واخلاص کی گواہی دی گئی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر میں دعا فرمائی:

اللّٰهم ان تهلك هٰذه العصابةُ لا تُعبدُ، ''یا اللہ اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو قیامت تک پھر تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔'' (مسلم کتاب الجہاد حدیث ۵۸) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا کتب شیعہ میں بھی موجود ہے، دیکھیے۔

(تفسیر قمی صفحہ ۲۴۴ مطبوعہ تہران، بحار الانوار جلد ۲۱ صفحہ ۲۲۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور اسی لیے بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش کا خصوصی اعلان فرمایا، جب ایک بدری صحابی حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے یہ خطاء ہوئی کہ انہوں نے فتح مکہ سے قبل کفار مکہ کو خط لکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارادہ سے آگاہ کرنا چاہا کہ آپ ان پہ حملہ آور ہونے والے ہیں اور وہ خط پکڑا گیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اجازت دیں کہ میں اس منافق کا سر اڑا دوں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عمر تم جانتے نہیں ہو کہ وہ بدری صحابی ہے اور بدری صحابہ کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ، تم جو بھی عمل کرو بہر حال میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔

(بخاری کتاب المغازی باب ۹، مسلم کتاب فضائل الصحابہ حدیث ۱۶۱)

اور یہی حدیث پوری تفصیل کے ساتھ اور انہی الفاظ کے ساتھ ان شیعہ کتب میں بھی موجود ہے۔

(تفسیر فرات کوفی صفحہ ۱۶۰ مطبوعہ مکتبہ حیدریہ نجف اشرف، ناسخ التواریخ حالات پیغمبر خدا جلد ۳ صفحہ ۱۱ مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران، بحار الانوار جلد ۲۱ صفحہ ۱۲۱ مطبوعہ دار احیاء بیروت)

اس کے باوجود اہل تشیع کا ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی اور دیگر تمام بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نہ بنانے کی وجہ سے معاذ اللہ کافر ومنافق کہنا اور ان پہ لعن طعن کرنا کس قدر شقاوت قلبی اور الحاد وزندیقیت ہے۔

[19] یعنی اے مسلمانو! تمہیں فتح ونصرت اسلحہ وتعداد کے ساتھ نہیں اللہ کی امداد کے ساتھ حاصل ہوسکتی ہے اور واقعہ بدر اس کی دلیل ہے اس میں عقل والوں کے لیے مقام عبرت ہے۔ آج کل بہت شور ہے کہ مسلمانو! سائنس پڑھو اسلحہ

بناؤ، اس کے بغیر تم دنیا پہ غالب نہیں آ سکتے۔ ہم کہتے ہیں جنگی اسلحہ ضرور تیار کرو مگر اس کے ساتھ ایمانی اسلحہ بھی تیار کرو۔ سائنس ضرور پڑھو مگر اس کے ساتھ جذبہ جہاد اور اطاعت رسول ﷺ کا سبق بھی پڑھو۔ اگر یہ سبق ہم نے پڑھا ہوتا تو جتنا اسلحہ ہمارے پاس ہے یہ بھی کافی تھا۔

اہلِ بدر کی عظمت اور درس غزوۂ بدر پہ مفسر کی رقم کردہ ایمان افروز نظم

بدر کا معرکہ پیارے نبی کی ایک عظمت ہے — یہ اصحاب رسول اللہ کی روشن کرامت ہے
یہ عزم وہمت وجرأت کی تابندہ کہانی ہے — یہ اصحاب نبی کی داستان استقامت ہے
وہ روزے دار بے ہتھیار میداں میں نکل آئے — مسلماں کا اصل ہتھیار جذبۂ شہادت ہے
فرشتے اترتے ہیں بہر امداد مسلماناں — یہ غزوہ شوکت اسلام کی زندہ علامت ہے
بظاہر پاس ان کے ہیں دو گھوڑے آٹھ تیغیں بس — مگر عشق خدا و مصطفیٰ کی دل میں طاقت ہے
کہاں تک تم ڈرو گے دشمنان دیں کی قوت سے — خدا و مصطفیٰ کی پیروی ہی اصل قوت ہے
دو چھوٹے بچوں نے بوجہل سا دشمن گرا ڈالا — مسلمانو! تمہارے واسطے سامان عبرت ہے
مسلمانو! رسول اللہ سے عہد وفا کرلو — تو پھر سمجھو کہ دنیا پر تمہاری ہی حکومت ہے
اگر تم ہو غلام ان کے تو دنیا سب تمہاری ہے — کہ جنگ بدر میں طیبؔ یہی درس نصیحت ہے

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ

لوگوں کے لئے (دنیوی) خواہشات کی محبت آراستہ کی گئی ہے جیسے عورتیں، بیٹے، سونے

الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ

اور چاندی کے جمع کردہ ڈھیر، نشان زدہ گھوڑے، جانور اور کھیتی [20]

وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ⑭

یہ دنیوی زندگی کا سامان ہے اور اللہ کے ہاں (پسندیدہ چیز) حسن عاقبت ہے۔ [21]

حبِ دنیا کی مذمت اور فکر آخرت کا درس

[20] اس سے قبل کہا گیا کہ کفار کو ان کے اموال واولاد قیامت میں خدائی قہر سے نہ بچا سکیں گے، اب مسلمانوں کو

ان چیزوں کی محبت میں ڈوب کر ذکر الٰہی سے غافل ہونے سے روکا جا رہا ہے۔ تو فرمایا گیا کہ انسان کے دل میں عورت کی، بیٹوں کی، سونا چاندی کے ڈھیر جمع کرنیکی، خوبصورت گھوڑوں اور جانوروں کی اور کھیتی کی محبت ڈالی گئی ہے۔ حالانکہ یہ چند روزہ دنیوی زندگی کا سامان ہے اور اللہ کے ہاں اخروی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے۔ اب یہ انسان کا امتحان ہے کہ وہ دنیا کی فکر کرتا ہے یا آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

چنانچہ عورت کی محبت میں کھو کر انسان اپنا دین اور دنیا سب کھو بیٹھتا ہے۔ اسی لیے عورت کو پردے کا حکم فرمایا گیا کیونکہ اس کا حسن و جمال مرد کو گمراہ کر کے شیطان کے راستے پر ڈال دیتا ہے اور مرد کو حکم دیا گیا کہ وہ عورت کے حسن و جمال سے صرف نظر کرے، اجنبی عورت کے جسم کو مت چھوئے اور اسکے ساتھ تنہائی میں مت بیٹھے، یہی وہ نورِ ہدایت ہے جس سے محروم رہ کر آج مغربی معاشرہ غلاظت سے بھر چکا ہے۔ بیٹوں کی محبت بھی امتحان ہے، اس میں مبتلا ہو کر آدمی دین سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی اولاد کے بہتر مالی مستقبل کے لیے دوسروں کا مال ہڑپ کر جانے، رشوت، ملاوٹ، جھوٹ، فریب اور دیگر جرائم کے ارتکاب سے بھی باز نہیں آتا اور یوں اپنی آخرت برباد کر لیتا ہے۔ اور سونے چاندی یعنی مال و دولت کا ڈھیر جمع کرنا بھی انسان کو بہت مرغوب ہے اور وہ اس میں ایسا کھوتا ہے کہ اسے اپنی آخرت کا بھی ہوش نہیں رہتا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "اگر ابن آدم کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو وہ دوسری وادی کا طلب گار ہوتا ہے اور اس کا پیٹ (قبر کی) مٹی ہی بھر سکتی ہے اور اللہ جسے چاہے توفیق تو بہ دیتا ہے۔" (مسلم کتاب الزکوٰۃ)

یونہی دیہات کے لوگ جانور پالتے ہیں۔ وہ اعلیٰ نسل کے گھوڑے اور اونٹ وغیرہ رکھتے ہیں۔ وہ انہی کاموں میں لگے رہتے ہیں اور زندگی بیت جاتی ہے۔ پہلے زمانہ میں تیز رفتار گھوڑوں اور اونٹوں پر سفر ہوتا تھا اس لیے قرآن نے انکا نام لیا، اب انکی جگہ آپ قیمتی کاریں رکھ سکتے ہیں۔ تو انسان اچھی سے اچھی کار خریدنے کے چکر میں پڑا رہتا ہے، اسے یہ یاد نہیں رہتا کہ وہ دنیا میں کس مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا۔ وہ بس یہی دیکھتا ہے کہ اسکے فلاں رشتہ دار کے پاس اتنی اچھی گاڑی ہے تو میرے پاس کیوں ایسی گاڑی نہیں ہے۔ اور اہل عرب بکریاں گائیں اونٹ پالتے بیچتے تھے تو ان کا نام لیا گیا۔ اب ان کی جگہ فیکٹریوں کارخانوں دوکانوں اور دیگر تجارتی ذرائع کا نام لیا جا سکتا ہے حالانکہ یہ مختصر حیاتِ دنیا کا سامان ہے ابھی آنکھیں بند ہوں تو یہ نعمتیں ہاتھ سے جاتی رہیں گی جبکہ آخرت لازوال ہے وہاں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ اب انسان کا امتحان ہے کہ وہ عارضی دنیوی نعمتوں میں ڈوب کر اللہ کو بھلا دیتا اور لازوال اخروی نعمتوں سے محروم ہونا پسند کرتا ہے یا آخرت کی لازوال بہاروں کے لیے دنیا کی قربانی دے سکتا ہے۔

شیطان کے پاس انسان کو گمراہ کرنے کا سب سے بڑا ہتھیار عورت ہے

اللہ تعالیٰ نے یہاں زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ الخ میں انسان کے لیے جن فتنوں کا ذکر کیا ان میں سب سے پہلے عورتوں کا تذکرہ فرمایا گیا ہے اور بلاشبہ عورتوں کا حسن و جمال ایک مومن مرد کی دنیا اور آخرت

دونوں کو تباہ کر دیتا ہے، آج حیا سوز فلموں، ڈراموں اور گانوں کے ذریعہ عورت کے حسن و جمال کو بطور جال استعمال کیا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو دین سے دور کیا جا رہا ہے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں چھوڑے جا رہا ہوں۔'' (بخاری کتاب النکاح باب ۱۸)

اولاد کی بے جا محبت سراسر بربادی ہے

اللہ تعالیٰ نے عورت کے بعد بیٹوں کا ذکر کیا ہے (مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ) بیٹوں کا ذکر اس لیے فرمایا گیا کہ انسان بیٹوں کے ساتھ بنسبت بیٹیوں کے زیادہ محبت رکھتا ہے اور وہ انکی محبت میں کھو کر ان کے مستقبل کو بہتر بنانے کے لیے ہر حلال و حرام کی تمیز اٹھا دیتا ہے، نماز کا خیال ہی نہیں رکھتا۔ بس گدھے کی طرح ان کے لیے مال اکٹھا کرنے میں جتا رہتا ہے۔ وہ ایسا بدنصیب ہے کہ عموماً ایسے شخص کی اولاد اس کے مرنے کے بعد اس کی بخشش کے لیے کم ہی ہاتھ اٹھاتی ہے کیونکہ ان کی تربیت ہی ایسی نہیں کی جاتی اور نہ ہی اسے انکی دینی تربیت کا خیال آتا ہے۔ ہاں جو لوگ خود بھی دین پہ چلتے اور حلال پہ صبر رکھتے ہیں اور اولاد کی بھی دینی تربیت کرتے ہیں ان کی اولاد ان کے لیے باعثِ رحمت بنتی ہے۔

زیادہ مالِ دنیا بھی عظیم امتحان ہے

عورتوں اور بیٹوں کے بعد ڈھیروں مال جمع کرنے کا فتنہ بیان کیا گیا (وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ) مال دنیا کی کثرت بہر حال بڑی آزمائش ہے۔ اگر حلال مال بھی ہو تو اس کی حفاظت کا فکر ایک بڑی تکلیف ہے اور اسکا حساب بھی اتنا زیادہ ہے اور اگر حرام مال ہو تو وہ سراسر آگ ہے۔ حرام مال پہ فخر کرنا اسی طرح ہے جیسے حرامی بچوں پہ فخر کیا جائے۔ کیا کوئی فخر سے کہتا ہے کہ میرے اتنے حرامی بچے ہیں تو حرام مال پہ اترانے کا کیا معنی ہے بلکہ شرم آنی چاہیے، اللہ تعالیٰ تو حلال مال پہ فخر کرنا پسند نہیں فرماتا، چہ جائیکہ حرام مال پہ فخر کیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے حلال طریقہ سے دنیا کمائی تا کہ مانگنے سے بچے، اپنے بچوں کا پیٹ پالے اور پڑوسیوں کی مدد کرے وہ روزِ قیامت یوں آئے گا کہ اسکا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا اور جس نے ناجائز طریقہ سے مال کمایا اور اس پہ فخر کیا اور اپنے مال کی نمائش کی وہ اللہ سے یوں ملے گا کہ اللہ اس پہ غضب ناک ہوگا۔''

(مشکوۃ شریف بحوالہ بیہقی فی شعب الایمان کتاب الرقاق صفحہ ۴۴۴)

حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''دنیا کی حیثیت آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص سمندر میں اپنی انگلی ڈبوئے، پھر دیکھے کہ اس کی انگلی پہ کتنا پانی لگا ہے۔'' (مسلم کتاب صفۃ الجنۃ)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بار مدینہ طیبہ کے بازار سے گزرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ وہاں ایک مردار پڑا تھا، آپ نے اس کا کان پکڑ کر فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص اسے ایک درہم کے بدلے خریدنا چاہے گا؟ صحابہ نے عرض کیا: یہ تو ہم مفت میں بھی نہ لیں گے، یہ ہمارے کس کام کا؟ آپ نے فرمایا: ان الدنیا لاَھْوَنُ عند اللہ من ھذا المیّتِ، ''اللہ کی قسم دنیا اللہ کے نزدیک اس مردار سے بھی ذلیل تر ہے۔'' (مسلم کتاب الزہد)

دنیا کے بارہ میں چند امور کا لحاظ ضروری ہے

اول: کسی کے پاس مال واسباب دنیا کا ہونا برا نہیں، بلکہ دل میں دنیا کی حرص کا پالنا بُرا ہے۔ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے بہت سا مال دیا ہے اور وہ اسے دل کھول کر راہ خدا میں خرچ کرتا ہے تو وہ دنیا دار نہیں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''دو آدمیوں کے سوا کسی پہ رشک نہیں کرنا چاہیے۔ ایک وہ جسے اللہ نے علم دیا اور وہ اسے راہِ خدا میں صبح وشام خرچ کرتا ہے، دوسرا وہ جسے اللہ نے مال دیا اور وہ اسے راہ خدا میں صبح وشام خرچ کرتا ہے۔'' (بخاری کتاب العلم باب ۱۵) البتہ مال کی ہوس وحرص بری بلا ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اگر دو بھوکے بھیڑیے بکریوں پہ چھوڑ دیے جائیں تو وہ ان کا اسقدر نقصان نہیں کرتے جس قدر مال اور مرتبہ کی حرص انسان کے دین کا نقصان کرتی ہے۔'' (ترمذی کتاب الزہد با ۴۳)

مال کی حرص یہ ہے کہ انسان زیادہ سے زیادہ مال جمع کرتا جائے اور اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنا تو اسے پہاڑ لگے اور مرتبہ کی حرص یہ ہے کہ انسان دنیا میں اپنی شہرت وناموری کے لیے ہر جائز وناجائز حربہ استعمال کرے۔ علم پڑھے تو شہرت کے لیے، صدقات کرے تو شہرت کے لیے، الغرض ہر نیک کام اللہ کی بجائے اپنے لیے کیا جائے۔

دوم: حرام ذرائع سے کمایا گیا مال برا ہے۔ اگر حلال ذرائع سے کمایا جائے، اس میں جھوٹ، فریب وغیرہ شامل نہ ہو اور اسکی صحیح طرح زکوٰۃ دی جائے تو اس مال کا اور مال والے کا کیا کہنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سچا اور امین تاجر قیامت میں انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔'' (ابن ماجہ کتاب التجارات باب ۱)

سوم: وہ مال برا ہے جو انسان کو اللہ سے اور دین سے غافل کر دے۔ نماز یاد نہ رہے، مسجد کا راستہ بھول جائے، مال کے ساتھ بے حیائی آجائے، عورتوں کے سروں سے پردہ اٹھ جائے، یعنی بے دینی آجائے، یہ مال داری نہیں کمینہ پن ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل شدن نے قماش و نقرہ و فرزند وزن

چہارم۔ وہ مال برا ہے جو انسان کو متکبر بنادے مال دنیا کی آفات میں سے سب سے بڑی آفت تکبر ہے۔ بہت

سے مالدار لوگ ناداروں اور غرباء سے سیدھے منہ بات نہیں کرتے اور بات بات میں اپنی مالداری کا ذکر لاتے ہیں۔ اونچے اونچے محلات کھڑے کرتے ہیں تاکہ اپنے خاندان اور اہل محلہ کو خود سے نیچا دکھاسکیں، شادی بیاہ پر کروڑوں روپے خرچ کردیتے ہیں اور اللہ کی راہ میں معمولی خرچ کرنا بھی انہیں گوارا نہیں یہ شیطان کے بھائی ہیں اور قارون کے رشتہ دار ہیں حقیقت دنیا اور فکر آخرت کے بارہ میں میری لکھی ہوئی ایک نظم اپنے اندر کافی درسِ عبرت رکھتی ہے۔ اسے یہاں نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے، تو میں نے عرض کیا ہے:

نہ ہو غافل اجل تیری اے انساں آنے والی ہے — شب تار لحد بھی جلد تم پر چھانے والی ہے
تیرا یہ جسم جس کی تو حفاظت خوب کرتا ہے — تن نازک کو تیرے جلد مٹی کھانے والی ہے
یہ کاریں کوٹھیاں تیری یہ مال و دولت دنیا — نہ کوئی چیز تیرے ساتھ بھائی جانے والی ہے
نہ تیری قبر میں جائے کوئی بیٹا نہ ماں تیری — اکیلا تو ہی جائے گا فقط اللہ والی ہے
تجھے وحشت ہے تنگی سے تجھے دہشت اندھیرے سے — تو سن لے قبر تنگی اور اندھیرا لانے والی ہے
خدا کو یاد کرلے اور باز آ جا گناہوں سے — تیری نیکی ہی تیری قبر کو چمکانے والی ہے
یہ غیبت جھوٹ دھوکہ اور لوگوں کی دل آزاری — یہی غفلت تیری تجھ کو وہاں تڑپانے والی ہے
تو کرلے سچی توبہ گڑگڑا کر رب کو راضی کر — وہ بخشنہار ہے ارحم ہے دربار اس کا عالی ہے
اے طیبؔ ہوش کر غافل نہ بن کر یاد مرنے کو — میری یہ نظم تجھ کو بس یہی سمجھانے والی ہے

[21] یعنی یہ چیزیں انسان کے لیے محبوب بنائی گئی ہیں۔ مگر یہ اس مختصر دنیوی زندگی کا سامان ہے اور اللہ کے ہاں آخرت کی بہتری ہی کی اہمیت ہے، سامان دنیا کی کچھ قدر و قیمت نہیں ہے۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ
آپ فرمائیں کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتاؤں؟ (توسنو کہ) پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے ہاں باغات ہیں
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ
جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اوران کے لیے پاکیزہ بیویاں اور اللہ کی
مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿١٥﴾ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا
رضا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر نگہدار ہے۔[22] جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! بے شک ہم ایمان لائے
فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٦﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ
تو تو ہمارے گناہ معاف فرمادے اور ہمیں عذاب جہنم سے بچا لے۔ [23] یعنی صبر کرنے والے، سچے،
وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿١٧﴾
اطاعت گزار، راہِ حق میں خرچ کرنے والے اور رات کے پچھلے پہروں میں استغفار کرنے والے[24]

[22] اے پیارے حبیب! ﷺ آپ لوگوں سے فرما دیں کہ عورتوں، بیٹوں، سونے چاندی کے ڈھیروں، جانوروں اور کھیتوں سے کہیں اعلیٰ آخرت کی نعمتیں ہیں۔ مگر وہ تقویٰ کے ذریعے حاصل ہوسکتی ہیں۔ سب سے پہلا تقویٰ کفر سے بچ کر ایمان پہ قائم رہنا ہے۔ تقویٰ کا دوسرا تقاضا گناہوں سے بچ کر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پہ قائم رہنا ہے اور اس کا تیسرا تقاضا یادِ خدا سے غافل کرنے والی ہر چیز کو چھوڑ کر اس کی محبت پہ قائم رہنا ہے۔ پہلا درجہ ہر مومن کو حاصل ہے بشرطیکہ وہ کہیں اپنا ایمان کھو نہ بیٹھے۔ تقویٰ کا دوسرا درجہ خاص لوگوں کو حاصل ہے جو اصحابِ الیمین ہیں اور تیسرا خاص الخاص کو جو مقربین ہیں۔ تو ان کے لیے جنت کے باغات نہریں اور محلات ہیں اور وہاں کی پاکیزہ بیویاں ہیں جو حیض ونفاس اور دیگر جسمانی غلاظتوں سے اور حسد وکینہ اور دیگر اخلاقِ ذمیمہ سے پاک ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ جنت میں اللہ کی رضا حاصل ہوگی یعنی وہاں کے لوگ کوئی ایسا کام نہ کرسکیں گے جو رضائے الٰہی میں فرق لائے۔

[23] اب متقین کے اوصاف بتائے جارہے ہیں یعنی اپنے اندر ان اوصاف کا پیدا کرنا تقویٰ کہلاتا ہے اور اس کے عوض اخروی بہاریں مل سکتی ہیں تو پہلی صفت ایمان ہے کہ یہی بنیادِ نجات ہے۔ دوسری استغفار ہے تاکہ بندہ عاجز رہے استغفار دعا ہے اور دعا عبادت کا مغز ہے۔ دعا بندے کو عاجز رکھتی ہے اور عجز ہی میں قبولیتِ عبادت ہے، غرور وریا ہر

عبادت کی تباہی ہے۔

[24] تیسری صفت صبر ہے یعنی گناہوں سے صبر رزقِ حرام سے صبر اور مشکلات میں اللہ کی رضا پر صبر۔ چوتھی صفت صدق ہے یعنی قول وفعل میں مطابقت، وعدے کا ایفاء اور راست گوئی۔ پانچویں صفت قنوت (اطاعت) ہے یعنی ہر حکم خدا و رسول پر سر تسلیم خم کر دینا اور اسے بجا لانا ہے۔ چھٹی صفت انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ یعنی اپنی مالی جانی اور علمی اور اخلاقی صلاحیتوں کو خلقِ خدا کی خدمت میں خرچ کرنا۔ ساتویں صفت سحری کے اوقات میں استغفار ہے اس میں نمازِ تہجد اور نمازِ فجر بھی شامل ہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا
اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے بھی انصاف پسند بن کر یہ گواہی
بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؕ﴿۱۸﴾
دیتے ہیں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔ [25]

[25] چونکہ سورہ آل عمران کا ابتدائی حصہ جو تیسرے پارہ کے آخر تک چلا گیا ہے ہجری ۹ میں نجران کے عیسائی وفد کی آمد پر نازل ہوا تو اس میں توحیدِ باری تعالیٰ پہ زور دیا گیا ہے یہ آیت بھی اسی سلسلہ میں ہے۔

اس آیت مبارکہ کے شانِ نزول میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ دو یہودی علماء شام سے نبی اکرم ﷺ کے پاس مدینہ منورہ میں آئے، وہ باہم کہنے لگے یہ شہر اس شہر سے کس قدر مشابہ ہے جس میں آخری نبی کا آنا ہماری کتابوں میں مذکور ہے۔ پھر وہ آپ کا رخ انور دیکھ کر جان گئے کہ آپ ہی وہ آخری نبی ہیں۔ کہنے لگے کیا آپ کا نام محمد ﷺ ہے؟ فرمایا: ہاں، کہنے لگے کیا آپ کا نام احمد بھی ہے؟ فرمایا: ہاں میں محمد اور احمد ہوں۔ کہنے لگے ہمارا سوال ہے کہ اللہ کی کتاب میں سب سے بڑی گواہی کون سی ہے اگر آپ اس کا درست جواب دے دیں تو ہم ابھی آپ پر ایمان لے آتے ہیں ابھی ان کا سوال پورا نہ ہونے پایا تھا کہ یہی آیت اتر آئی: شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ یہ آیت سنتے ہی وہ دونوں ایمان لے آئے۔ (تفسیر بغوی جلد ا صفحہ ۳۲۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت) گویا وہ دونوں شامی یہودی اسلام لے آئے

یہ آیت مبارکہ قرآنِ پاک کی بابرکت ترین آیات میں سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص ہر فرض نماز کے بعد سورہ فاتحہ، آیت الکرسی اور یہ آیت شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے اپنی عزت کی قسم میں اس کے گناہ بخش دوں گا۔ اسے جنت الفردوس میں ٹھہراؤں گا اور اس پر ستر بار نظر رحمت ڈالوں گا۔''

(مسند فردوس عن ابی ایوب انصاری t)

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

بے شک دین اللہ کے ہاں اسلام ہی ہے اور اہل کتاب نے (اس سے) اس وقت ہی اختلاف کیا جب ان کے پاس

اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

علم آگیا تھا، جو ان کی باہمی سرکشی کے سبب تھا، اور جو اللہ کی آیات سے انکار کرے

فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۱۹ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ

تو اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ پھر اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہہ دیں میں نے اور میرے پیروکاروں نے

اتَّبَعَنِ ۭ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا

اپنا چہرہ اللہ کے حضور جھکا دیا ہے اور آپ کتاب والوں اور ان پڑھ لوگوں سے فرمائیں کیا تم اسلام لاتے ہو؟ اگر وہ اسلام لائیں

فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۲۰ ع

تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو آپ کے ذمے صرف پیغام کا پہنچانا ہے اور اللہ اپنے بندوں پہ نگاہ رکھنے والا ہے۔[26]

حقانیتِ اسلام اور اہلِ کتاب کا اس سے حسد

[26] گزشتہ آیت کے مطابق جب سب سے بڑی گواہی توحید باری تعالیٰ کی گواہی ہے تو اسلام ہی اللہ کے ہاں پسندیدہ دین ہے کیونکہ اسلام ہی خالص توحید کا علمبردار ہے۔ دیگر تمام ادیان شرک سے آلودہ ہیں خواہ یہودیت ہو عیسائیت ہو، ہندو ازم ہو یا کچھ اور ہو۔ اور جو اللہ ہی کو نہیں مانتے ان کی گمراہی سب سے بڑھ کر ہے۔ ہدایت صرف اسلام میں ہے۔ پھر اسلام قرآن جیسی کتاب پیش کرتا ہے کہ سب انسان مل کر اس جیسی ایک سورت نہیں لا سکتے۔ اسلام مکمل نظام حیات پیش کرتا ہے جس میں عبادات، معاملات، اخلاق، حقوق، حدود اور آداب سب پر کامل روشنی ڈالی گئی ہے۔ وہ دیگر مذاہب کی طرح صرف چند مذہبی رسوم کا نام نہیں اور اسلام ہی نبوت کا صحیح تصور پیش کرتا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کامل نمونۂ حیات ہے کسی نبی یا مذہبی رہنما کی سیرت ایسی کامل رہنمائی نہیں دیتی ہے جو رہنمائی سیرت محمدیہ میں چمک رہی ہے۔ اسلامی عبادات حقیقتاً بندگی کا خوبصورت گلدستہ ہیں۔ ان وجوہ سے اللہ کے ہاں پسندیدہ دین صرف اسلام ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ الخ یعنی اہل کتاب یہود ونصاریٰ پر جب حقانیت اسلام واضح ہوگئی تو انہوں نے اندرونی حسد کے باعث اس سے اختلاف کیا اور ایسے کافروں سے اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں یہود پہ اللہ کی پکڑ آ گئی اور نصاریٰ کا اقتدار بھی عہدِ خلافتِ راشدہ ہی میں پارہ پارہ کر دیا گیا اور اس دور کی عالمی سپر پاور رومی عیسائی سلطنت کے ٹکڑے کر دیئے گئے۔

یاد رہے یہود ونصاریٰ پر کئی بار حقانیت اسلام واضح ہوئی مگر وہ ایمان نہ لائے۔ وفد نجران کے عیسائیوں پر حق واضح کر دیا گیا مگر وہ کافر ہی لوٹے۔ یہود مدینہ نے کئی بار نبی اکرم ﷺ سے سوالات کیے اور کہا اگر آپ ان کے جوابات دیدیں تو آپ سچے رسول ہیں آپ نے ان کے جوابات دیئے مگر وہ کفر پر ڈٹے رہے۔

حضور ﷺ نے قیصرِ روم کے پاس نمائندے بھیجے اس نے ان سے سوالات کیے انہوں نے جو جوابات دیئے ان کی روشنی میں اس نے کہا یہ سب سچے نبی کی نشانیاں ہیں مگر وہاں کے عیسائی مذہبی رہنماؤں نے شور کر دیا اور بادشاہ کو اسلام نہ لانے دیا۔ بخاری شریف کے آغاز میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ یہ آیت وفدِ نجران کے حق میں اتری۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے رسول ﷺ اگر عیسائی لوگ حق واضح ہوجانے کے باوجود ایمان نہیں لاتے اور حجت بازی کرتے ہیں تو آپ فرما دیں کہ میں نے اور تا قیامت میرے آنے والے پیروکاروں نے اللہ کے ہر حکم پر سر جھکا دیا ہے۔ یعنی میری امت ہمیشہ اللہ ہی کے آگے سر جھکاتی رہے گی۔

وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ سے معلوم ہوا امت محمدیہ کبھی شرک میں مبتلا نہ ہوگی۔ اسی لیے نبی ﷺ نے واشگاف فرمایا: "اللہ کی قسم مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے ہاں یہ خوف ہے کہ تم دنیا میں پڑ جاؤ گے۔" (بخاری کتاب الجنائز باب ۷۲)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ۔ الخ اے پیارے محبوب ﷺ آپ تمام اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) اور ان پڑھ لوگوں سے جو اپنے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں رکھتے اور اس سے بے بہرہ و بے علم ہیں (اس سے اہل عرب مراد ہیں کہ وہ اکثر ایسے ہی تھے) فرما دیں کہ آیا تم اسلام جیسا دین قبول کرتے ہو؟ اگر وہ قبول کرلیں تو وہ ہدایت پا گئے ورنہ آپ کا کام پیغام دینا ہے وہ آپ نے دیدیا۔

معلوم ہوا حضور ﷺ کی نبوت عالمگیر ہے۔ کہ آپ کو تمام اہل کتاب وغیر اہل کتاب (کفار) کو اللہ کا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری سونپی گئی جو آپ کو تمام انسانوں کیلئے معبوث کیے جانے کی دلیل ہے۔ اسی لیے آپ نے اپنے دور کے تمام شاہان عالم کو دعوت اسلام بھیجی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ
جو لوگ اللہ کی آیات سے انکار کریں اور انبیاء کو ناحق قتل کریں اور انہیں قتل
وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ
کریں جو لوگوں میں سے انصاف کا حکم کرنے والے ہوں [27] تو آپ انہیں دردناک عذاب کی
اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫
بشارت دے دیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں برباد ہو گئے
وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾
اور ان کے لئے (آخرت میں) کوئی مددگار نہ ہوں گے۔[28]

یہود کا قتلِ انبیاء اور ان کی دیگر گمراہیاں

[27] اس سے قبل اہل کتاب کا جان بوجھ کر حق سے اعراض کرنا بیان کیا جا رہا تھا اب ان میں سے یہود کا گھناؤنا ماضی بتایا جا رہا ہے، تو فرمایا گیا کہ جو لوگ اللہ کی آیات یعنی اس کی نازل کردہ وحی اور معجزات انبیاء کا انکار کریں اور انبیاء کرام علیہم السلام کو ناحق قتل کریں اسی طرح جو لوگ انبیاء کا دین پھیلانے اور معاشرہ میں عدل قائم کرنے والے ہیں انہیں قتل کریں۔ ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی بشارت دیدی جائے۔ یہ اس لیے فرمایا گیا کہ یہود نے سینکڑوں انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے نائبین کو قتل کیا۔

حدیث میں ہے کہ ایک بار یہود نے پہلے پہر ۴۳ انبیاء شہید کیے تو بنی اسرائیل میں سے ایک سو ستر افراد اٹھے اور قاتلین انبیاء کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا تو پچھلے پہر انہیں قتل کر دیا گیا اس آیت میں انہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (ابن جریر عن ابی عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ)

یہود بے بہبود نے حضرت زکریا علیہ السلام اور ان کے بیٹے سیدنا یحییٰ علیہ السلام کو بیدردی سے شہید کیا، جس کی وجہ سے ان پہ اللہ تعالیٰ کی سخت پکڑ آئی۔

اسی طرح یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل ہی کے لیے آئے تھے مگر اللہ رب العزت نے انہیں زندہ آسمان پہ اٹھالیا۔ بہر حال ان کے نامۂ اعمال میں قتل عیسیٰ علیہ السلام کی منصوبہ بندی کا گناہ لکھ دیا گیا۔ بلکہ یہ وہ گناہ ہے جس پہ یہود نے فخر کیا اور

کہا: اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ۚ ''ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کیا، حالانکہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔'' (نساء، ۱۵۷)

پھر یہود بے بہبود نے رسول اکرم ﷺ کو شہید کرنے کے بھی کئی منصوبے بنائے۔ یہودِ خیبر نے سن ہجری ۷ میں آپ کو زہر کھلایا۔ وہ زہر آپ کے جسم میں بار بار لوٹتا تھا، جس سے آپ کو بخار ہو جاتا، بلکہ آپ کا وصال اسی زہر کے اثر سے ہوا۔ آپ ﷺ نے اپنے وقت وصال میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''مجھے خیبر میں جو زہر کھلایا گیا تھا اس کا درد میں ہمیشہ محسوس کرتا رہا ہوں اور اس وقت مجھے یوں لگتا ہے کہ اس زہر کی وجہ سے میرے دل کی شریان کٹ رہی ہے۔'' (بخاری کتاب المغازی باب ۸۳)

گویا سید المرسلین محبوب رب العالمین ﷺ کا وصال اور خفیہ شہادت بھی مردود یہود بے بہبود کے زہر کھلانے سے ہوئی۔ اور آپ کی خفیہ شہادت کا گناہ جو کائنات کا سب سے عظیم گناہ ہے، یہود بے بہبود مردود کے نامۂ اعمال میں مندرج ہوا یاد رہے کہ یہاں بغیر حق کے الفاظ برائے تاکید ہیں۔ ورنہ کسی نبی کا قتل کیا جانا ناحق ہی ہو سکتا ہے۔

تبلیغِ دین اور اعلاء کلمۃ الحق کے لئے جان دینے سے بھی دریغ نہ کیا جائے

معلوم ہوا کہ تبلیغ دین کیلئے جان دینے سے بھی دریغ نہ کرنا سنت انبیاء کرام علیہم السلام ہے کہ جان دے کر بھی پیغام حق پہنچایا جائے۔ جیسے زکریا و یحییٰ علیہما السلام کو بیدردی سے شہید کیا گیا مگر وہ فریضۂ تبلیغ دین سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے، یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے ساتھیوں نے اہل ایمان کو جابر و ظالم لوگوں کے سامنے کلمہ حق کہنے کا سبق سکھایا۔ اسی لیے حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ ''سب سے افضل جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے۔''

(ابن ماجہ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ)

قاتلان خلفاء راشدین اور قاتلان اہل بیت رضی اللہ عنہم کا انجام بد

اس آیت میں وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ میں وہ لوگ مراد ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام کے نائبین کو قتل کرتے تھے، جیسا کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی روایت ابھی گزری۔ اسی لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسے عادل حاکموں کے قاتلین پہ بھی صادق آتی ہے۔

(درمنثور بروایت ابن عساکر جلد ۲ صفحہ ۱۶۹)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے لیے دنیا و آخرت میں ناکامی و ذلت کی وعید سنائی اور بلاشبہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قاتل ابولؤلو مجوسی وہیں مسجد نبوی میں قتل کر دیا گیا اور نار جہنم الگ ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلین دنیا ہی میں عبرت ناک انجام سے دوچار ہوئے اور قاتلانِ امام حسین رضی اللہ عنہ کو بھی چن چن کے مارا گیا اور آخرت کی سزا الگ

ہے۔ بلکہ یہ آیت علماء ربانیین کے ناحق قتل پہ بھی صادق آتی ہے، کیونکہ وہ بھی نائبینِ رسول ﷺ ہیں۔

تقیہ کی حقیقت اور اس کا رد

انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے نائبین کا طرزِ عمل یہ تھا کہ تبلیغ دین کے لیے جان کی بازی لگا دو مگر گمراہوں تک پیغام حق کے پہنچانے اور وقت کے بڑے بڑے جابر بادشاہوں کے سامنے اظہارِ حق کو نہ چھوڑ و خواہ اس کے لیے جان دینا پڑے۔ مگر اس کے برعکس اہل تشیع نے یہ عقیدہ اختیار کیا ہے کہ حق بات کو ضرور چھپا دو، اگر ظاہر کرو گے تو مجرم ٹھہرو گے۔ چنانچہ انہوں نے اس بارہ میں ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کی طرف جھوٹی روایات منسوب کر دی ہیں کہ وہ کہتے ہیں ہمارا دین لوگوں پہ مت ظاہر کیا جائے، اسی کو وہ تقیہ کہتے ہیں۔

چنانچہ بقول شیعہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے کہا:

اِتَّقُوا علی دینِکم فاحْجُبوہ بالتّقیۃِ فإنّہ لا ایمانَ لمن لا تقیۃَ لہ. یعنی اپنے دین کو بچاؤ اور اسے تقیہ کے ذریعہ لوگوں سے چھپا دو، کہ جس کے پاس تقیہ نہیں اس کا کوئی دین نہیں۔
(اصول کافی کتاب الایمان والکفر صفحہ ۴۵۸ مطبوعہ دار المجتبی نجف اشرف، عراق)

اور بقول شیعہ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ نے کہا:

التقیۃُ دینی ودینُ آبائی ولا ایمانَ لمن لا تقیۃَ لہ. یعنی تقیہ میرا اور میرے باپ دادا کا دین ہے اور جو تقیہ نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں۔ (اصول کافی کتاب الایمان والکفر صفحہ ۴۵۹)

اور بقول شیعہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اشرف اخلاق الائمۃ والفاضلین من شیعتنا استعمال التقیۃ. یعنی ائمہ اہل بیت اور ہمارے فاضل شیعہ لوگوں کے اخلاق میں سے افضل ترین کام تقیہ کا استعمال ہے۔
(تفسیر امام حسن عسکری صفحہ ۲۹۳ مطبوعہ منشورات ذوی القربی، قم)

حالانکہ یہ سب من گھڑت روایات ہیں، یہ ائمہ کرام ایسی باتیں نہیں کہہ سکتے۔ یہ کس قدر ظلم ہے کہ جھوٹ کے بڑے بڑے انبار گھڑ کر ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کر دیے گئے۔

اہل تشیع کی ان من گھڑت روایات سے معلوم ہوا کہ ائمۂ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کا دین انبیاء کرام علیہم السلام کے دین سے مختلف ہے، انبیاء اور ان کے نائبین نے تو جانیں قربان کر دیں مگر کلمۂ حق کو نہ چھپایا، مگر ائمہ کہتے ہیں کہ جس نے حق کو ظاہر کر دیا اور تقیہ چھوڑ دیا وہ مسلمان ہی نہیں۔ تو صاف معلوم ہوا کہ انبیاء کا دین اور ہے اور ائمہ کا دین اور ہے اور یہ ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کی شان میں شدید گستاخی ہے۔

دراصل تقیہ (حق کا چھپانا) ملحدین کا دین ہے، جسے وہ جھوٹ سے ائمہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ آخر وہ کونسا دین ہے جسے شیعہ فرقہ عام مسلمانوں سے چھپاتا پھرتا ہے؟ جاننا چاہیے کہ وہ امہات المؤمنین اور خلفاء راشدین پہ لعنتیں بھیجنا اور تمام اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو کافر و مرتد قرار دینا ہے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

دراصل اہل تشیع کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اللہ کی طرف سے امام منصوص ہیں، مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی امامت سے منہ موڑا اس لیے وہ سب کافر و مرتد ہو گئے معاذ اللہ۔ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے بزعم شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق مارا اس لیے وہ سب سے بڑے مرتد ہیں، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ پھر اس بات پہ انہوں نے جھوٹی روایات گھڑ گھڑ کر ائمہ اہل بیت امام جعفر صادق اور امام باقر اور دیگر ائمہ رحمہم اللہ کی طرف منسوب کر دیں، تو یہ وہ غلیظ عقائد ہیں جن کو اہل تشیع تقیہ کے پردے میں چھپاتے ہیں۔

اگر تقیہ ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کا دین ہوتا تو امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ میدان کربلا میں اظہار حق کے لیے خاندان سمیت جام شہادت نوش نہ فرماتے۔

[28] یعنی انبیاء کرام علیہم السلام اور دعوت حق دینے والے مبلغین کے قاتلین دنیا میں بھی نامراد رہے کہ وہ حق کو دبا نہ سکے۔ چنانچہ قتل انبیاء کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے یہود پر ایسے کافر و ظالم حاکم مسلط کیے جنہوں نے انہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ جب زکریا و یحییٰ علیہما السلام یہود کے ہاتھوں شہید ہوئے تو ان پر طیطس بادشاہ مسلط کیا گیا جس نے ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور آخرت میں ان کے اعمال کی بربادی واضح ہے۔ یہاں سے یزید اور اس قماش کے لوگوں کا انجام بھی معلوم ہوا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ
کیا آپ نے وہ لوگ نہ دیکھے جنہیں کتاب میں سے حصہ دیا گیا انہیں کتاب الٰہی کی طرف دعوت دی
اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾
جاتی ہے تاکہ وہ ان کے مابین فیصلہ کرے پھر ان میں سے ایک فریق منہ پھیر لیتا ہے اور ان کا کام ہی منہ پھیرنا ہے۔[29]
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۠ وَغَرَّهُمْ
یہ اس لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں ہمیں آگ صرف چند دن ہی چھوئے گی اور انہیں ان کے دین کے بارے میں
فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ
اس (باطل خیال) نے دھوکہ دیا جو وہ از خود گھڑتے ہیں۔[30] تو کیا حال ہو گا جب ہم انہیں اس دن جمع کریں گے
لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾
جس (کے آنے) میں شک نہیں اور ہر جان کو اس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا [31] اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

[29] امام بغوی نے کلبی سے اس کا شان نزول یہ روایت کیا ہے کہ یہود خیبر میں سے ایک مرد وعورت نے زنا کیا، تورات میں اس کی رجم مذکور تھی مگر یہود نے انہیں رجم نہ کرنا چاہا کیونکہ وہ بڑے خاندان کے لوگ تھے۔ یہود یہ معاملہ نبی اکرم ﷺ کے پاس لے آئے آپ نے بھی رجم ہی کا حکم فرمایا۔ ایک یہودی نے آپ سے کہا آپ نے ان پر ظلم کیا ہے۔ آپ نے فرمایا میں تمہارے درمیان تورات سے فیصلہ کرتا ہوں۔ آپ نے ان کے بڑے عالم ابن صوریا کو خیبر سے بلوایا پھر آپ نے تورات منگوائی اور اسے حکم دیا کہ اس میں سے رجم والی آیات پڑھو۔ وہ تورات پڑھنے لگا جب رجم والی آیت آئی تو اسے چھوڑ دیا اور اس پر ہاتھ رکھ لیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جو قبول اسلام سے قبل بڑے یہودی عالم تھے اس کا ہاتھ اٹھایا اور وہ آیت پڑھ کر سنائی جس میں لکھا تھا کہ اگر شادی شدہ مرد وعورت زنا کریں تو ان پر گواہی قائم کرو اور انہیں سنگسار کرو چنانچہ ان دونوں کو رجم کیا گیا۔ تب یہ آیت اتری: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ (تفسیر بغوی جلد اول صفحہ ۳۳۲ دار الفکر بیروت)

یعنی اس آیت میں فرمایا گیا کہ یہود کو تورات دی گئی ہے، مگر جب انہیں اس پر عمل کے لیے بلایا گیا تو انہوں نے

منہ پھیر لیا۔ اور آج بھی یہود و نصاریٰ کو ان آیاتِ تورات و انجیل پر عمل کی دعوت دی جاتی ہے جن میں حضور ﷺ کی آمد کی بشارت ہے تو وہ منہ موڑ لیتے ہیں ان کا کام ہی یہی ہے۔ اس میں مومنوں کیلئے بھی درسِ عبرت ہے کہ انہیں قرآن کے احکام سے منہ موڑ کر یہود والا طریقہ نہیں اپنانا چاہیے۔

[30] یہود نے تورات کے حکم سے منہ موڑ کر اپنی ضد پہ اڑنے اور اللہ کے آخری رسول ﷺ سے انکار کا راستہ اس لیے اپنایا کہ وہ اپنے زعم باطل میں سمجھتے ہیں کہ انہیں نار جہنم صرف چند دن کیلئے چھوئے گی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یہود سمجھتے ہیں انہوں نے چالیس دن بچھڑے کی پوجا کی تھی لہٰذا انہیں آگ صرف چالیس دن مَس کرے گی، جلائے گی نہیں بلکہ قسم پوری کرنے کو صرف تھوڑا سا چھوئے گی۔ (ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۱۴۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہود کے اسی خود ساختہ زعم باطل نے انہیں ان کے دین کے بارہ میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے کہ وہ جو بھی کر لیں ان کیلئے جنت ہی جنت ہے خواہ وہ قرآن سے انکار کریں اور رسول آخر الزمان ﷺ کو جھٹلائیں یا دنیا میں شر و فساد کا بازار گرم کریں جیسے انہوں نے آج ساری دنیا میں نار فتنہ جلا رکھی ہے۔

[31] اللہ تعالیٰ نے فرمایا روز قیامت جب ہم سب انسانوں کو جمع کریں گے اور ہر انسان کو اس کے اعمال کی مکمل جزا دی جائیگی تب یہود کی حسرت و نامرادی دیدنی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کے ہر کسی کو کامل جزا دینے کا یہ معنی ہے کہ وہ کسی کے ثواب میں کمی نہ کرے گا جب تک وہ خود ایسا عمل نہ کرے جو کمی کا باعث ہو جیسے ریاء وغیرہ اور اگر وہ کسی مومن کی سزا اپنی رحمت سے معاف فرما دے یا کم کر دے تو یہ اس کی رحمت ہے اس سے جزا کی کاملیت پر اعتراض نہیں آتا۔ لہٰذا آیت کا مفہوم واضح ہے۔ اس لیے یہ اعتراض وارد نہیں ہوسکتا کہ ادھر تو کہا جا رہا ہے کہ ہر کسی کو اس کے نیک عمل کی پوری جزا دی جائے گی اور دوسری طرف کثیر احادیث میں دکھاوا کرنے والوں کا اجر برباد ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ریا کاروں کا اجر اللہ تعالیٰ نے نہیں بلکہ انہوں نے خود اپنا اجر برباد کیا ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ
آپ فرما دیں اے اللہ! اے ہر بادشاہی کے مالک !تو جسے چاہے ملک دے اور جس سے چاہے
مِمَّنْ تَشَآءُ ؗ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ؕ
ملک چھین لے [32] اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے [33] تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائی ہے
اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۲۶ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ
بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ [34] تُو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں، [35]
فِی الَّیْلِ ؗ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ؗ
اور تو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے [36]
وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝۲۷
اور تو جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔[37]

عزت وذلت، موت وحیات اور شب وروز کا قبضۂ الٰہی میں ہونا

[32] چونکہ یہ آیات عیسائی وفد نجران کی آمد پر نازل ہوئیں تو ان میں نظریہ الوہیت عیسیٰ کی تردید ہے۔ یعنی فرمایا گیا کہ اے اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود بنانے والو آؤ سنو معبود کون ہوتا ہے۔ معبود صرف اللہ ہے جس کی یہ شان ہے کہ سب حکومت اسی کی ہے اس کے سوا جس کے پاس جو حکومت ہے وہ اسی کی عطاء کردہ ہے جب تک چاہے اس کے پاس رکھے جب چاہے واپس لے لے۔ وہ چاہے تو جاہلوں کو عالموں پہ اور کمینوں کو شریفوں پر مسلط کردے اس کی حکمتیں وہی جانتا ہے۔

[33] قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابن خزیمہ کے حوالے سے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب جنگ خندق میں کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان درمیان میں آگئی جو ٹوٹتی نہ تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال سے اس پہ ضرب لگائی تو ایک عظیم چمک نکلی۔ آپ نے فرمایا، مجھ پہ کسریٰ کے محلات روشن ہوگئے ہیں اور میری امت انہیں فتح کرے گی۔ پھر آپ نے دوسری ضرب لگائی تو چمک نکلی، آپ نے فرمایا مجھ پہ روم کے محلات

روشن ہو گئے اور میری امت انہیں فتح کرے گی۔ پھر تیسری ضرب پہ بڑی چمک نکلی تو آپ نے فرمایا مجھ پہ یمن کے محلات نمودار ہو گئے اور میری امت انہیں فتح کر لے گی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر ارشاد رسول ﷺ پہ نعرہ تکبیر بلند کرتے تھے۔ منافقین نے کہا: کیسی عجیب باتیں ہیں خوف کے مارے یہ لوگ خندق کھود رہے ہیں اور ساتھ روم و فارس کے محلات کی فتح کی بشارتیں بھی دیتے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی تصدیق میں یہ آیت اتاری: قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ الخ (مظہری جلد ۲ صفحہ ۲۰۸، تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۱۸۶)

یہی شانِ نزول اسی تفصیل کے ساتھ شیعہ مفسر ملا فتح اللہ کاشانی نے بھی لکھا ہے۔ جس کے بعض الفاظ یہ ہیں کہ پہلی ضرب پہ چمک کے نمودار ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جبریل مرا گفت زود باشد کہ امت تو بر مدائن ظفر یافتہ کو چک ہائے حیرہ بتصرف در آوردند، یعنی جبریل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ عنقریب آپ کی امت مدائن پہ قبضہ کرے گی اور کسریٰ کے محلات ان کے تصرف میں آئیں گے۔ (تفسیر منہج الصادقین جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ مطبوعہ انتشارات اسلامیہ تہران)

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی بشارتیں پوری ہوئیں اور زمانۂ خلافتِ صدیقی و فاروقی و عثمانی میں یہ تمام ممالک فتح ہو گئے، یہ خلافت راشدہ کی حقانیت کی مضبوط دلیل ہے۔

[34] ہر بھلائی اللہ رب العزت کے قبضہ میں ہے جسے جب چاہے عطا فرما دے یا جب چاہے چھین لے۔ خواہ وہ دنیا کی بھلائی ہو یا آخرت کی یہاں بِيَدِكَ الْخَيْرُ وَالشَّرُّ نہ کہا گیا حالانکہ ہر برائی بھی اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے۔ اس میں یہ درس ادب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بتاتے ہوئے خیر ہی کا ذکر بہتر ہے۔ اور یوں بھی شر خیر کی ضد ہے جب ایک کا ذکر ہو جائے تو دوسری خود ہی سمجھ میں آ جاتی ہے کہ وہ بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ عزت و ذلت اللہ کے قبضہ میں ہے وہ دم بھر میں بڑے عزیزوں کی عزت خاک میں ملا دیتا اور خاک نشینوں کو دم بھر میں وارث تاج شاہی بنا دیتا ہے۔ مروی ہے کہ دو ہزار سالہ ایرانی سلطنت کے آخری تاجدار یزدجرد کا سرتن سے جدا کر کے جب دور فاروقی میں گورنر عراق حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو مدائن میں بھیجا گیا تو اسے دیکھ کر لوگوں کی چیخیں نکل گئیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کس قدر غالب ہے۔ اس میں یہ سبق ہے کہ اللہ کی پکڑ سے ہر وقت ڈرتے رہنا اور کسی زیر دست یا شریف انسان کو رسوا نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے۔ یاد رہے! سب سے بڑی عزت ایمان اور خلق صالح ہے۔ یہ بھی اللہ رب العزت جسے اپنے کرم سے چاہے دیتا ہے۔ اور واپس بھی لے سکتا ہے لہٰذا سلامتی ایمان مانگتے رہنا چاہیے۔

ادائیگی قرض کے لیے نبوی دعاء

سورہ آل عمران کی یہ دو آیات (۲۶ اور ۲۷) ادائیگی قرض کے لیے بہت مبارک ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جمعہ میں غیر حاضر پایا تو سبب پوچھا، انہوں نے بتایا کہ مجھ پہ ایک یہودی کا قرض ہے۔

آج اس نے مجھے جمعہ سے قبل روک لیا اور قرض کی واپسی کا مطالبہ کرتا رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں ایک دعا سکھلاتا ہوں اگر تمہارا قرض کوہ ثبیر کے برابر ہو تو بھی اللہ تعالیٰ اسے ادا کردے گا۔ وہ یہ ہے کہ تم قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ سے بِغَيْرِ حِسَابٍ تک پڑھو، پھر یہ کہو: رحمانَ الدنیا والآخرةِ ورحیمَهما تُعطی منهما ما تشاءُ وتَمنعُ منهما ما تشاءُ اِرحَمنی رحمةً تُغنینی بها عن رحمةِ مَن سِواك اللّٰهم اَغنِنی عن الفقر وَاقْضِ عنّی الدَّینَ وتوفَّنی فی عبادتك وجهادٍ فی سبیلك. یعنی اے دنیا وآخرت کے رحمان ورحیم، تو دنیا وآخرت کی جو بھلائی جسے چاہے دیتا ہے اور جس سے چاہے روک لیتا ہے، مجھ پر ایسی رحمت فرما جو مجھے سب سے بے نیاز کردے، اے اللہ مجھے فقر سے بچا، میرا قرض ادا کرا اور مجھے اپنی عبادت اور اپنی راہ میں جہاد میں موت دے۔

(درمنثور جلد ۲ صفحہ ۱۷۱)

یعنی جو مقروض یہ دعاء بکثرت پڑھے (کم از کم نماز فجر کے بعد ایک بار) تو اللہ تعالیٰ بہت جلد اس کا قرض اتار دے گا۔

[35] یعنی اللہ رب العزت رات کو دن اور دن کو رات میں تبدیل فرماتا ہے یا یہ کہ سردیوں میں دن کا بڑا حصہ رات میں اور گرمیوں میں رات کا بڑا حصہ دن میں داخل فرمادیتا ہے۔ خصوصاً دنیا کے انتہائی شمالی وجنوبی ممالک میں یہ چیز بہت محسوس ہوتی ہے۔ دم تحریر یہاں برطانیہ میں دسمبر کا مہینہ ہے جس میں دن صرف سات گھنٹے رہ جاتا ہے باقی رات ہی رات ہوتی ہے اور دن بھی رات جیسا تاریک ہی نظر آتا ہے گہرے بادل چھائے رہتے ہیں۔ اور گرمیوں میں یہاں رات صرف سات گھنٹے رہ جاتی ہے تو دن کو رات میں اور رات کو دن میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔

[36] وہ اس طرح کہ مومن کو کافر کی صلب سے اور کافر کو مومن کی صلب سے پیدا کرتا ہے مومن زندہ ہے اور کافر مردہ۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول کے بیٹے حضرت عبداللہ اور ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ ہیں۔ جبکہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کافر۔ یا اس کا یہ معنی ہے کہ اللہ رب العزت صالحین کے ہاں بدکار اور بدکاروں کے ہاں صالحین پیدا کرتا ہے۔ صالحین زندہ دل ہیں اور فاسقین مردہ دل، یا وہ بے جان نطفے سے زندہ انسان اور زندہ انسان سے بے جان نطفہ پیدا کرتا ہے۔ یونہی انڈے سے مرغی اور مرغی سے انڈا بناتا ہے۔ ایک بے جان ہے دوسرا جاندار۔ یہ اللہ کی شان ہے کیا کوئی اور ایسا کرسکتا ہے؟ پھر عبادت کا حق دار بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

[37] اللہ رب العزت کا بے حساب دینا کئی معانی رکھتا ہے۔ اول: اس کے دینے میں کوئی ایسا حساب نہیں جو ہم سمجھ سکیں۔ کیونکہ وہ کسی کو اتنا دیتا ہے کہ وہ سنبھال نہیں پاتا دوسرے کو نان جویں کا محتاج کردیتا ہے، اس کے حساب کو وہی جانتا ہے۔ دوم: یہ معنی بھی ہے کہ وہ بے حساب دیتا ہے یعنی اسے گننے کی حاجت نہیں، گنتا وہ ہے جسے خزانہ ختم ہونے کا اندیشہ ہو۔ سوم: یہ معنی ہے کہ کوئی اس سے حساب نہیں مانگ سکتا کہ بتاؤ فلاں کو اتنا کیوں دیا ہے۔ اور فلاں کو اتنا کیوں۔ چہارم: حساب کا معنی گمان بھی ہے۔ جیسے قرآن میں ہے: یحسبه الظمان ماء، ''پیاسا اسے پانی گمان کرتا ہے۔''

(نور، ٣٩) یعنی اللہ تعالیٰ بندے کو وہاں سے دیتا ہے کہ جہاں سے ملنے کا اسے گمان نہیں ہوتا وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ (طلاق:٣)

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَنْ
مؤمنین مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنے دوست مت بنائیں اور جو ایسا کرے اس کا اللہ سے کچھ تعلق نہیں [38] مگر
یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ
اس صورت میں کہ تم کفار سے کچھ خوف رکھتے ہو [39] اور اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے
وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۲۸﴾
اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔[40]

کفار سے دوستی نہ رکھنے کا حکم

[38] اس سے قبل اہل کتاب کی ہٹ دھرمی اور کتاب اللہ سے ان کا اعراض بتایا جا رہا تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ ایسے اسلام دشمن کافروں سے دوستی نہ رکھی جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بعض یہود نے کچھ انصار صحابہ سے تعلقات استوار کر رکھے تھے تاکہ موقع ملنے پر انہیں دین اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں۔ دوسرے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان انصار کو تنبیہ کی اور یہود سے ہوشیار رہنے کو کہا۔ تب یہ آیت مبارکہ اتری: لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ (ابن جریر جلد ٣ صفحہ ١٥٢) گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مومنو! تم آپس ہی میں ایک دوسرے کو دوست اور مددگار بناؤ۔ اپنے مومن ساتھیوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستی مت بناؤ اور انہیں اپنا مددگار مت سمجھو۔ وہ اپنے مفاد کیلئے تم سے دوستی کرتے ہیں اور جو مومن اپنے اہل ایمان ساتھیوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستی کرے اور یوں اس کا طرزِ عمل اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کرے تو ایسے لوگوں کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ یاد رہے! اس آیت میں کفار سے جو دوستی حرام کی گئی ہے اس کی چار صورتیں ہیں۔

کفار سے ناجائز دوستی کی چار صورتیں

اول: ان کی دوستی سے ایمان اور ایمانی آداب کو خطرہ ہو۔ جیسے شانِ نزول میں مذکور ہوا کہ انصارِ مسلمانوں کے بارہ میں ان کے ساتھیوں کو خطرہ ہوا کہ یہود سے دوستی ان کے ایمان کو نقصان دے سکتی ہے تو انہوں نے انہیں تنبیہ کی اور یہ

آیت مبارکہ اتری۔

دوم: حربی کافروں سے جو مسلمانوں سے برسر پیکار ہوں دوستی جائز نہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ یعنی ''جو کفار دین کی وجہ سے تم سے جنگ کرتے ہیں اللہ تمہیں ان سے بھلائی کرنے سے منع کرتا ہے۔'' (ممتحنہ:۹)

سوم: مسلمانوں کے مقابلے میں دوسرے مسلمانوں کا کفار سے مدد لینا حرام ہے۔ اسی لیے اس آیت میں فرمایا گیا: مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ یعنی مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا یار و مددگار نہ بناؤ۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ۱۹۹۰ء میں عراقی صدر صدام نے کویت پہ حملہ کیا تو کویتی اور سعودی بادشاہوں نے اپنی بادشاہتوں کے تحفظ کے لیے امریکہ کو دعوت دی، جس نے عراق میں مسلمانوں کا قتل عام کیا اور چار ہزار سے زائد عراقی مسلمانوں کا خون کویتی و سعودی حکمرانوں کے سر آیا۔

چہارم: کفار کو مسلمانوں کے قومی رازوں پہ مطلع کرنا جس سے امت کو نقصان پہنچے کفار سے اس طرح کی دوستی حرام ہے۔ اسی لیے مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فرمایا۔ دوسری جگہ حکم ہوا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ یعنی ''اے مومنو اپنوں کو چھوڑ کر غیروں کو راز دار نہ بناؤ۔'' (آل عمران:۱۱۸)

لہٰذا اگر کفار سے دوستی میں مذکورہ چار چیزوں میں سے کوئی چیز شامل نہ ہو تو محض ہمسائیگی، محلہ داری یا تجارت کی بنیاد پر کفار سے تعلق رکھنا برا نہیں۔ بلکہ عندالضرورت ان کی مدد کرنا چاہیے تاکہ وہ اسلام کی طرف مائل ہوں۔

البتہ وہ ملحدین جو ضروریات دین سے انکار کے باوجود خود کو مسلمان کہتے ہیں (جیسے منکرین ختم نبوت، منکرین حدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ کافر و منافق کہنے والے اور شان رسالت میں گستاخیاں کرنے والے) ان سے کسی صورت میں کوئی دوستی جائز نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''آخری زمانہ میں دجال و کذاب لوگ آئیں گے جو تم کو ایسی حدیثیں سنائیں گے جو تم نے کبھی سنی ہونگی نہ تمہارے باپ دادا نے، فایاکم وایاھم، لایضلونکم ولا یفتنونکم تو تم ان سے دور رہنا، وہ تم سے دور رہیں، کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں، کہیں وہ تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔'' (صحیح مسلم مقدمہ حدیث ۷)

[39] ہاں اگر تم کسی جگہ کفار سے کمزور ہو اور ان سے ڈر کر تمہیں ان سے مدارات کرنا پڑے تو یہ برا نہیں کیونکہ یہ کفار سے دوستی نہیں ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے مکی دور میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدارات فرمائی۔ چھپ کر نمازیں پڑھیں، کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ سمیت وہیں طواف کرتے تھے۔ الغرض جہاں مسلمانوں کے پاس سیاسی قوت نہ ہو وہاں وہ کفار سے دب کر معاملہ کریں تو اس میں وہ معذور ہیں۔ یہی اس آیت میں اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ کا معنی ہے۔

تقیہ کے جواز پہ اہل تشیع کے غلط استدلال کا جواب

اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ کے الفاظ سے شیعہ فرقہ تقیہ کا جواز لاتا ہے۔ حالانکہ ان الفاظ کو شیعی تقیہ سے کچھ واسطہ نہیں۔ ان الفاظ کا مفہوم یہی ہے کہ جس جگہ کفار غالب اور مسلمان مغلوب ہوں تو وہ کفار سے مدارت کر سکتے ہیں یعنی ظاہری محبت اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے لازم نہیں فرمایا، بلکہ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ کہہ کر صرف جائز بتایا ہے۔ چنانچہ اس آیت کے تحت شیعی مفسر ملا فضل بن حسن طبرسی نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ مسیلمہ کذاب نے نبی اکرم ﷺ کے دو صحابی گرفتار کر لیے۔ ایک سے وہ کہنے لگا کیا تم رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتے ہو؟ اس نے کہا ہاں، پھر اس نے پوچھا کیا تم میری رسالت کی گواہی بھی دیتے ہو؟ اس نے (جان بچانے کو) کہا ہاں، مسیلمہ نے اسے چھوڑ دیا پھر مسیلمہ نے دوسرے صحابی کو بلایا اور پوچھا کیا تم رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتے ہو؟ اسنے کہا ہاں، پھر اس نے کہا کیا تم میری رسالت کی گواہی بھی دیتے ہو؟ اس نے کہا میں بہرا ہوں سن نہیں رہا۔ مسیلمہ نے تین بار یہ سوال کیا اس صحابی نے تینوں بار یہی جواب دیا تو مسیلمہ نے اس کی گردن اڑا دی۔ نبی اکرم ﷺ کو یہ واقعہ بتایا گیا، آپ نے فرمایا:

اما ذالك المقتول فمضى على صدقه ويقينه واخذ بفضله فهنيئا له. واما الآخر فقبل رخصة الله فلا تبعة عليه. یعنی جسے قتل کر دیا گیا وہ اپنے صدق ویقین پہ قائم رہا اور فضیلت پا گیا تو اسے مبارک ہو، جبکہ دوسرے شخص نے اللہ کی دی ہوئی رخصت کو لے لیا اس پہ بھی کوئی اعتراض نہیں۔

(مجمع البیان فی تفسیر القرآن جلد ۳ صفحہ ۲۷۴ مطبوعہ موسسۃ العلمی بیروت)

معلوم ہوا اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے کفار سے مغلوب مسلمانوں کو انکی ہاں میں ہاں ملانے کی صرف رخصت (اجازت) دی ہے اور جو شخص رخصت کی بجائے عزیمت پہ عمل کرے اور حق کو چھپانے کی بجائے حق پہ ڈٹا رہے اور اس راہ میں جان دیدے تو ارشاد رسول ﷺ کے مطابق وہ فضیلت پا گیا، یعنی شہادت کا درجہ لے گیا۔ جبکہ شیعہ فرقہ کے نزدیک تقیہ سب فرضوں سے بڑا فرض ہے، جس نے یہ چھوڑ دیا اس کا دین ختم ہو گیا۔ بلکہ اس نے گویا اہل بیت کو قصداً قتل کر دیا۔

چنانچہ بقول شیعہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

من اذاع علينا شيئا من امرنا فهو كمن قتلنا عمدا ولم يقتلنا خطئا. یعنی جس نے ہمارے دین میں سے کوئی چیز ظاہر کر دی اس نے گویا ہمیں بھول کر نہیں، جان بوجھ کر قتل کر دیا۔

(جامع الاخبار صفحہ ۱۰۸ مطبوعہ نجف اشرف)

اور شیعوں کا عظیم محدث وفقیہ شیخ صدوق کہتا ہے: تقیہ واجب ہے اس کا ترک کرنا جائز نہیں تا آنکہ امام مہدی

آجائے، جس نے خروج مہدی سے قبل تقیہ چھوڑ دیا وہ اللہ کے دین اور امامیہ (شیعہ) کے دین سے نکل گیا، اور اللہ ورسول اور ائمہ کا دشمن بن گیا۔ (اعتقادات صدوق فی بحث التقیہ باب ۳۹ مطبوعہ تہران)

دیکھو کتنا بڑا فرق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تقیہ نہ کرنے والا شہید ہے اور مذکورہ شیعی عقیدہ کے مطابق تقیہ نہ کرنے والا دین سے خارج ہے، پھر وہ کس منہ سے تقیہ کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

صاف نظر آرہا ہے کہ شیعہ فرقہ خلفاء راشدین، امہات المؤمنین اور جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اپنے لعن طعن کو عام مسلمانوں سے چھپانے کے لیے تقیہ کا سہارا لیتا ہے اور اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ سے اپنے اس ملحدانہ عقیدہ کا جواز لانے کی کوشش کرتا ہے، حالانکہ اس کا شیعی تقیہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

[40] یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے کہ اس کے عذاب سے خوف زدہ رہو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت بجالاؤ اور کفار سے دوستی مت رکھو، تم نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے وہ تم سے حساب لے گا۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ یَعْلَمُ مَا فِی
آپ فرما دیں اگر تم اپنے سینوں کا بھید چھپاؤ یا اسے ظاہر کرو تو اللہ اسے بہر حال جانتا ہے اور
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾ یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ
آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب جانتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔[41] اس دن سے
نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۚۛ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ
ڈرو! جب ہر جان نے جو بھلائی کی اسے حاضر پائے گی اور جو برائی کی اسے بھی، تب وہ
لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا وَبَیْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِیْدًا ؕ وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ
تمنا کرے گی کاش! اس کے اور برائی کے درمیان دور کا فاصلہ ہوتا اور اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے
وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ ع
اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔[42]

[41] اللہ تمہیں اپنی ذات سے اس لیے ڈراتا ہے کہ وہ تمہارے سینوں میں چھپے اسرار سے بھی آگاہ ہے اور کائنات ارضی وسماوی کی کوئی چیز اس سے مخفی نہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے یعنی اس کا علم اور قدرت محیط کائنات ہے تو اس کی پکڑ سے

بے خوف نہیں رہنا چاہیے اور کفار سے دوستی میں اپنا دین برباد نہیں کرنا چاہیے۔

[42] اور اس دن سے ڈرنا چاہیے جب ہر جان اپنے ہر عمل کو اپنے نامۂ اعمال میں لکھا ہوا موجود پائے گی خواہ وہ نیک عمل ہو یا برا۔ تب وہ اپنے برے اعمال دیکھ کر تمنا کرے گی کاش وہ ہر برے عمل سے بہت دور رہتی مگر اس وقت کا پچھتاوا بے سود ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے کہ جس شخص کو اس کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا: یٰلیتنی لم اوت کتابیه۔ اے کاش مجھے میرا یہ عمل نامہ نہ دیا جاتا۔ (الحاقہ،۲۵)

لہٰذا آج ہی یہ فکر ذہن میں بٹھا لو کہ اللہ دیکھ رہا ہے اور وہ علیم وقدیر ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ
آپ فرما دیں اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو تب اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ
لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۳۱ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ
بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ [43] آپ فرمائیں (لوگو!) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ۝۳۲
پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کافروں سے محبت نہیں رکھتا۔ [44]

اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اہمیت وفضیلت

[43] گزشتہ رکوعات میں اہل کتاب کے باطل نظریات کا رد کیا جا رہا تھا۔ اس آیت میں بھی انہی سے خطاب ہے کہ اگر تم اللہ سے سچی محبت چاہتے ہو تو تمہیں اس کے آخری اور محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع کرنا پڑے گی۔ تب خود اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گزشتہ سب گناہ بخش دے گا یعنی اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بغیر محبت خدا کا دعویٰ بے کار ہے۔ اس میں مسلمانوں کیلئے بھی درس عمل ہے کہ محض اللہ کی زبانی محبت سے کامیابی نہیں مل سکتی بلکہ کامیابی کو حاصل کرنے کے لئے اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کامل اتباع لازم ہے۔

یاد رہے اتباع رسول یہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہر ارشاد پر کامل ایمان رکھا جائے آپ کا ہر حکم پورا کیا جائے اور آپ کی سیرت کے سانچے میں خود کو ڈھالا جائے۔ جو ایسا کرے وہی یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ وہ اللہ سے سچی محبت رکھتا ہے۔ گویا آپ کی ذات ہی اللہ تعالیٰ کو پانے کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔

یہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع کا حکم ہے اطاعت کا نہیں۔ اس لیے کہ اطاعت کا معنیٰ حکم کا بجا لانا ہے یہ اللہ کیلئے بھی

ہے، آپ کیلئے بھی اور حکام وعلماء کیلئے بھی۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ، یعنی ''اللہ کی اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو حکومت والے ہیں (حکمران ہیں) ان کی بھی'' (نساء، ۵۹) جبکہ اتباع کا معنی کسی کے نقش قدم پر چلنا اور اس کے پیچھے پیچھے جانا ہے اور یہ حضور ﷺ ہی سے خاص ہے کیونکہ آپ ہی وہ کامل نمونہ زندگی ہیں جس کے پیچھے چلا جاسکتا ہے۔ یہ لفظ اللہ رب العزت کیلئے نہیں بولا جاسکتا کیونکہ اس کا کوئی نقش قدم نہیں جسے اپنایا جائے۔ نقش قدم تو صرف اس کے حبیب ﷺ کا ہے، اسی لیے پورے قرآن میں کہیں نہیں کہ اللہ نے یہ فرمایا ہو کہ میری اتباع کرو یعنی میرے نقشِ قدم پر چلو۔

یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے معصوم عن الذنب ہونے کی بھی دلیل ہے، ورنہ آپ کے ہر قول وعمل کی اتباع لازم نہ کی جاتی۔

اتباعِ رسول ﷺ کے تقاضے:

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ صرف اتباع رسول ﷺ ہے، اب یہ اتباع کیسے کی جائے تو اس کے چند تقاضے ہیں۔ اول: یہ یقین رکھا جائے کہ آپ کی سیرت ہر عیب سے پاک ہے۔ دوم: آپ کا ہر حکم آنکھیں بند کر کے بلا حیل وحجت قبول کیا جائے۔ سوم: اپنے آپ کو آپ کی سیرت وصورت کے سانچے میں ڈھال لیا جائے۔ چہارم: آپ کی ہر سنت مبارکہ کو اپنایا جائے، اگر وہ سنت موکدہ ہے تو اس کی پابندی کی جائے اور اگر غیر موکدہ ہے تو اس پہ بھی عمل کیا جائے۔ پنجم: اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ آپ کی سیرت بکثرت پڑھی پڑھائی جائے، کیونکہ جب تک علم ہی نہ ہو کہ آپ کی سیرت مبارکہ کیا ہے تب تک اس پہ عمل کیسے کیا جاسکتا ہے۔

بغیر اتباع دعویٰ محبت خدا اور رسول فضول ہے

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ یہاں پر اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ جن لوگوں کی زندگی میں اتباع رسول نہیں اور وہ خود کو سچے مسلمان عاشق رسول وغیرہ کہلاتے ہیں وہ جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں۔ سچا عاشق وہی ہے جو اپنے محبوب کے حکم پہ سر تسلیم خم کردے۔ آج ہم نعرے لگاتے ہیں غلامئ رسول میں موت بھی قبول ہے، مگر کیا غلامی رسول میں نماز بھی قبول ہے؟ کیا غلامی رسول میں داڑھی بھی قبول ہے؟ کیا غلامی رسول میں حرام روزی کا چھوڑنا بھی قبول ہے؟ کیا غلامی رسول میں فلموں ڈراموں سے منہ موڑنا بھی قبول ہے؟ اگر یہ قبول نہیں ہے تو پھر صرف زبانی غلامی رسول کا کیا معنی ہے؟۔ کیا غلامی رسول میں موت کے سوا کچھ بھی قبول نہیں؟ موت تو جب آئے گی سو آئے گی، زندگی میں جن احکام رسول ﷺ کی پابندی لازم ہے کیا انکو پورا کرنا غلامی رسول کا تقاضا نہیں ہے؟۔ ایک شخص اپنے باپ سے کہتا ہے ابا جان مجھے آپ سے بہت پیار ہے مگر وہ باپ کی کوئی بات ماننے کو تیار نہیں، تو اس کے زبانی پیار کا کیا معنی ہے؟

تعصیٰ الالٰهَ وانت تُظهِرُ حُبّه · هذا مُحالٌ فی الفعال بدیع
لو کُنتَ صادقاً فی حُبك لأطعته انّ المحبَّ لمن یُحبّ مُطیع

یعنی تم اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور اس کے نافرمان بھی ہو، یہ بات محال اور عملاً بہت عجیب ہے۔ اگر تم اپنی محبت میں سچے ہوتے تو ضرور اللہ کی اطاعت کرتے، کیونکہ محب اپنے محبوب کا مطیع ہوتا ہے۔

اتباع رسول کے بغیر دعویٰ ولایت زندیقیت والحاد ہے

کئی پیر فقیر ولایت وقطبیت کے لمبے دعوے کرتے ہیں مگر ایسے لوگوں کی زندگی اتباع سنت سے خالی بلکہ اتباع فرض سے عاری ہوتی ہے۔ یہ سب گمراہی ہے پھر دعویٰ ولایت؟ ایں چہ بوالعجبی است۔ جب ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پہ چلنا نہیں چاہتا اور اسے شریعتِ مصطفیٰ ﷺ کی پرواہ نہیں ہے تو وہ ایک فاسق وفاجر انسان ہے، اس کا ولایت سے کیا تعلق ہے؟ مگر افسوس صد افسوس، ہماری جہالت یہاں تک پہنچی ہے کہ لوگ ایسے نام نہاد پیروں کے دام تزویر میں دھڑا دھڑ پھنستے جا رہے ہیں۔ سچا پیر وہی ہے جو اتباع سنت مصطفیٰ ﷺ کے سانچے میں ڈھلا ہو۔ مگر ایسے زندیق پیر بھی دیکھے گئے ہیں جو اس بات کی تبلیغ کرتے ہیں کہ جب تک دل صاف نہیں نماز مت پڑھو، وہ نہ خود نماز پڑھتے ہیں نہ اپنے مریدین کو پڑھنے دیتے ہیں اور دعویٰ ولایت بھی رکھتے ہیں۔ اگر زمانہ خلافتِ راشدہ کا ہوتا تو ایسے ملحدوں کا سر قلم کر دیا جاتا۔

[44] یہ اہلِ کتاب سے خطاب ہے کہ اگر تم نجات چاہتے ہو تو اللہ کی توحید جان کر اس کا ہر حکم اور رسول ﷺ کی رسالت مان کر آپ کا ہر حکم بجالاؤ، اگر تم اس سے منہ پھیرو تو اللہ کو ایسے منکروں کی پرواہ نہیں۔

دلیلِ ختم نبوت

لفظ الرَّسُوْلَ بتا رہا ہے کہ قرآن کے مخاطبین کا ایک ہی رسول ہے۔ اس کے سوا کوئی فرد اس لفظ کا مصداق نہیں۔ اور اگر رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی اور رسول مانا جائے تو سوال یہ ہے کہ کیا اس کے ہر حکم کی اطاعت لازم ہوگی خواہ وہ حکم رسول ﷺ سے مخالف ہو یا نہ ہو؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو پھر اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ کا حکم منسوخ ہو گیا کیونکہ اس حکم کا معنی تو یہی ہے کہ رسول ﷺ کے ہر حکم کی مطلقاً اطاعت کی جائے اور اگر جواب نفی میں ہے تو وہ کیسا رسول ہے جس کا اپنا کوئی حکم قابلِ اطاعت ہی نہیں ہے؟ وہ رسول تو نہ ہوا۔ رسول تو وہ ہوتا ہے جس کے ہر حکم کی اطاعت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ہم نے جو بھی رسول بھیجا تو یہ اس لیے تھا تاکہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ (النساء، ۶۴) خلاصہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی نئے رسول کے آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

شیعوں کے عقیدۂ امامت کا رد

اگر رسول اللہ ﷺ کے بعد امام (جو شیعوں کے نزدیک بارہ ہیں) کی اطاعت بھی اسی طرح لازم ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت لازم ہے کہ جو اس کے حکم سے انکار کرے وہ کافر ہو جائے تو پھر قرآن میں یوں ہونا چاہیے تھا: قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَالْاِمَامَ. یعنی کہدو کہ اللہ کی، رسول کی اور امام کی اطاعت کرو۔ مگر قرآن پاک میں ایسا کہیں بھی نہیں فرمایا گیا۔ یہاں بھی وہی سوال پیدا ہوگا جو ہم پچھلے فائدہ میں بیان کر چکے کہ اگر امام پہ ایمان لانا اور اس کے ہر حکم کو ماننا اطاعتِ رسول کی طرح لازم ہے تو اگر بالفرض امام ایسا حکم دے جو حکمِ رسول کے خلاف ہو تو کیا اس کی اطاعت بھی لازم ہے یا نہیں؟ اگر لازم ہے تو پھر مان لو کہ اطاعت رسول کا حکم منسوخ ہو چکا، بلکہ اب امام ہی کا حکم چلے گا اور اگر امام کا کوئی ایسا حکم نہیں مانا جا سکتا جو حکم رسول سے متصادم ہو تو پھر اس امام اور دوسرے علماء دین میں کیا فرق ہے۔ خلاصہ یہ ہوا رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی ایسی شخصیت نہیں آئے گی کہ اس کے ہر حکم کی یوں اطاعت لازم ہو جیسے رسول کی اطاعت لازم ہوتی ہے کہ جو اس اطاعت سے انکار کرے گا وہ کافر ہو جائے گا۔

عصمت رسول ﷺ

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول ﷺ کا ہر قول و عمل شیطانی و نفسانی خواہشات سے پاک ہوتا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت کی طرح رسول ﷺ کی اطاعت کا مطلق حکم نہ ارشاد فرماتا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عصمت کی یہ شان رسول ہی کا خاصہ ہے، کسی اور کو یہ عظمت حاصل نہیں ہے۔

حجیت حدیث

اس سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم کی مطلقاً اطاعت لازم ہے، خواہ وہ قرآن کی صورت میں ہو یا حدیث کی صورت میں۔ یعنی قرآن سے جن باتوں کی وضاحت نہ ملے اس بارہ میں حدیث رسول کی اطاعت لازم ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾

بے شک اللہ نے آدم اور نوح علیہما السلام کو اور آلِ ابراہیم و آل عمران کو تمام جہانوں پر برگزیدہ کر دیا۔

ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾

جو ایک دوسرے کی نسل ہیں اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔[45]

حضرت عمران کی آل کا ذکر اور ولادتِ سیدہ مریم کا بیان

[45] یہ آیات وفد نجران کی آمد پر نازل ہوئیں چونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ مانتے تھے۔ تو اس آیت میں بھی اس نظریہ کا حکیمانہ رد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے آدم علیہ السلام کو چن لیا اور انہیں سب جہانوں پہ بزرگی دی۔ اس طرح کہ انہیں نبوت دی، انہیں بن ماں باپ پیدا کیا، انہیں مسجود ملائکہ اور ساری انسانیت کا باپ بنایا۔ پھر ان کی ذریت سے حضرت نوح علیہ السلام کو نبوت کیلئے چنا اور آدم ثانی بنایا۔ پھر ان کی ذریت میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چنا یعنی ان کے بیٹوں کو نبوت دے کر آگے ان کی نسلوں میں نبوت جاری کی، پھر ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے حضرت عمران علیہ السلام کی فیملی کو چنا۔ عمران حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا جان ہیں، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمران کی بیوی حضرت حنہ کو فضیلت دی پھر حنہ کی بیٹی سیدہ مریم کو فضیلت دی جس کا بیان آگے آرہا ہے پھر حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت کیلئے چنا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ یہ سب ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔ حضرت عیسیٰ سیدہ مریم کی اولاد، وہ حضرت عمران کی اولاد، وہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد، وہ نوح علیہ السلام کی اولاد اور نوح علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد، لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام نسل آدم میں سے ایک انسان ہیں۔ ان کی ماں ہے، نانی ہے، نانا ہے اور ماموں ہے (یعنی یحییٰ علیہ السلام) کیا خدا کے ایسے رشتہ دار ہو سکتے ہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت کیلئے چنا جیسے ان سے قبل حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر متعدد انسانوں کو نبوت کیلئے چنا گیا۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا

یاد کرو! جب حضرت عمران کی بیوی نے کہا: اے میرے پروردگار! میں نے تیرے لئے نذر مانی ہے کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ تیرے

فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۞ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ

نام پر وقف ہے تو اسے میری طرف سے قبول فرما بیشک تو سننے جاننے والا ہے۔[46] پھر جب اس نے اسے جنا تو کہا: اے میرے رب!

اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ

میں نے یہ لڑکی جنی ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو اس نے جنا، اور لڑکا اس لڑکی جیسا نہیں ہو سکتا [47]

وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۞

اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور اے اللہ! میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود کے مقابلہ میں تیری پناہ میں دیتی ہوں۔[48]

[46] حضرت عمران علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھے ان کی بیوی سیدہ حنہ بنت فاقوذ تھیں۔ امام ابوحیان اندلسی کے مطابق حضرت حنہ علیہا السلام کی قبر دمشق سے باہر آج بھی ہے اور وہاں ان کے نام سے ایک چرچ بھی مشہور ہے۔ (البحر المحیط جلد ۲ صفحہ ۱۱۳) ان کے ہاں اولاد نہ ہوتی تھی۔ آخر ایک طویل عرصہ بعد وہ امید سے ہوئیں۔ تو انہوں نے نذر مانی اے اللہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ تیرے نام پر وقف ہے یعنی دنیا سے آزاد و بے نیاز ہو کر تیرے گھر بیت المقدس کی خدمت میں زندگی گزار دے گا۔ انہوں نے یہ نذر اس لیے مانی کہ بیت المقدس کے خدام صرف مرد ہی ہوتے تھے اور لوگ اپنے لڑکوں کو وہاں کی خدمت کیلئے وقف کرتے تھے لڑکیوں کو نہیں۔ کیونکہ لڑکیوں کو ہر ماہ ناپاکی کے دن آتے ہیں اور ان دنوں وہ خانہ خدا میں نہیں ٹھہر سکتیں اور یوں بھی اللہ کو مردوں عورتوں کا ایسا اختلاط پسند نہیں۔ حضرت حنہ علیہا السلام نے اس امید سے یہ نذر مانی کے ان کے ہاں بیٹا ہوگا اور وہ اسے بیت المقدس کے خدام میں شامل کریں گی۔ معلوم ہوا نیک مقصد کیلئے نرینہ اولاد کی تمنا درست ہے۔

[47] مگر حضرت حنہ علیہا السلام کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی یعنی سیدہ مریم علیہا السلام تو انہوں نے حسرت سے کہا اے اللہ میں نے تو بچی جنی ہے یعنی اب میری نذر کا کیا بنے گا اور یہ بچی بیت المقدس کی خدمت کیلئے کیسے وقف ہوگی۔ پھر میری امید تو تشنۂ تکمیل ہی رہی میں تو لڑکا چاہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ بھی جانتا تھا کہ حنہ نے کیا جنا، مگر اسے کیا خبر تھی کہ جیسا بیٹا وہ مانگتی تھی یعنی بیت المقدس کا ایک ادنی خادم وہ اس عظیم بیٹی جو اسے دی گئی کا مرتبہ کیسے پا سکتا ہے، یعنی سیدہ مریم۔ یہ وہ بیٹی ہے کہ اغواث عالم جس کے نام سے برکت ڈھونڈیں گے اور تا قیامت مسجدوں کے منبر و محراب اس کے ذکر سے

گونجتے رہیں گے۔

معلوم ہوا اسلام کی نظر میں عورت کوئی گھٹیا مخلوق نہیں جیسا کہ دشمنانِ اسلام جھوٹا پراپیگنڈا کرتے ہیں بلکہ بقول قرآن اللہ تعالیٰ نے بعض عورتوں کو کروڑوں مردوں سے بڑی شان دی جیسے حضرت سیدہ مریم علیہا السلام ہیں کہ فرمایا: وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ (آل عمران: ۳۶)

[48] پھر حضرت حنہ علیہا السلام نے سیدہ مریم علیہا السلام کی ولادت کے بعد یہ بھی کہا کہ اے اللہ میں اس کا نام مریم رکھتی ہوں۔ مروی ہے کہ سیدہ مریم کی ولادت سے قبل حضرت عمران علیہ السلام فوت ہو گئے گویا حضرت حنہ علیہا السلام حسرت سے کہہ رہی ہیں کہ اگر اس بچی کا باپ زندہ ہوتا تو وہ اس کا نام رکھتا اب میں اس کا نام رکھ رہی ہوں۔ مجھے اس کا نام مریم پسند آیا ہے جس کا معنی خادمہ ہے۔ اور اے اللہ میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے بچا کر تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدہ مریم علیہا السلام کا مس شیطان سے محفوظ رہنا

چنانچہ حضرت حنہ کی دعا قبول ہوئی، کیونکہ حضرت حنہ کی ذریت میں صرف دو ہی افراد ہیں سیدہ مریم اور عیسیٰ علیہ السلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہر نومولود بچے کو بوقتِ ولادت شیطان چھوتا ہے جس سے بچہ روتا ہے سوا مریم اور اس کے بیٹے کے۔'' (بخاری کتاب الانبیاء باب ۴۴، مسلم کتاب الفضائل حدیث ۱۴۶)

ایک روایت یوں ہے کہ جب حضرت حنہ کی دعا ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم اور عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت پر ان کے آگے پردہ ڈال دیا اور شیطان کی انگشت پردے کو لگی اور وہ ان کو نہ چھو سکا۔ (تفسیر ابن جریر عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

یاد رہے! کبھی متکلم دوسروں کے بارہ میں کلام کرتا ہے۔ اس میں خود اس کا شامل ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذکورہ ارشاد سے خود آپ مستثنیٰ ہیں آپ کی شان اس سے بلند ہے کہ شیطان آپ کو چھوئے۔ پھر حدیث مبارکہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تو سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے دیکھا آپ سجدے میں پڑ گئے اور آپ اللہ کا ذکر کر رہے تھے۔ (خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۴۲ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت) اگر شیطان لعین آپ کو چھوتا تو آپ بھی روتے مگر آپ ذکر الٰہی فرما رہے ہیں۔

بچے کی ولادت پر اسلامی آداب

حضرت حنہ علیہا السلام نے بچے کی امید لگتے ہی نیک ارادہ کیا کہ اسے بیت المقدس کا خادم بنائیں گی۔ لہٰذا امید لگنے پر اچھے ارادے باندھنا چاہئیں کہ ہم بچے کو حافظ یا عالم بنائیں گے یا اسے نیک کاموں پر لگائیں گے۔ پھر حضرت حنہ نے سیدہ مریم کی ولادت پر نیک دعا کی: وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ آج کل بعض نام نہاد مسلمان بچے کی ولادت پر اللہ تعالیٰ کو بھلا کر، مجرے کرواتے اور کنجروں سے نچوانے لگتے ہیں۔ مگر اللہ رب العزت بتا

رہا ہے کہ بچے کی ولادت پہ دعا میں مصروف ہونا چاہیے۔ پھر حضرت حنہ نے مریم نام رکھا ہمیں بھی اسلامی نام رکھنے چاہئیں۔ انبیاء، صحابہ، تابعین اور اولیاء کے ناموں پہ نام رکھنے چاہئیں یا اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے کسی کے ساتھ لفظ عبد لگا کر نام رکھنا بھی اللہ کے ہاں بہت پسندیدہ ہے جیسے عبداللہ، عبدالرحمان، عبدالرحیم، عبدالغفور، عبدالشکور وغیرہ۔ اسی طرح اگر لڑکی ہو تو اسکا نام صحابیات، ازواج مطہرات، اور تابعات کے نام پر رکھا جائے یا اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی کے ساتھ لفظ امۃ (بمعنیٰ باندی) لگایا جائے، جیسے امة الله، امة الرحمان، امة الرحيم وغیرہ۔

علاوہ ازیں بچے کو گھٹی دینا اور اس کی طرف سے عقیقہ کرنا بھی اسلامی آداب میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی ولادت پہ ان کی طرف سے دو دو مینڈھے قربان کیے (نسائی) اس لیے بیٹے کی طرف سے دو جانور قربان کرنا سنت ہے اور بیٹی کی طرف سے ایک۔ اور ایک حدیث پاک میں صراحت ہے کہ بیٹے کی طرف سے دو جانور ذبح کیے جائیں اور بیٹی کی طرف سے ایک (مصنف ابن ابی شیبہ عن ام سباع رضی اللہ عنہا) اور یہ عقیقہ سنت ہے واجب نہیں۔ اگر کوئی نہ کرے تو گناہ نہیں، مگر اس کا اجر عظیم ہے۔ عقیقہ بچے کے جسم و جان کی حفاظت کا ذریعہ ہے، لہٰذا اسے جان بوجھ کر چھوڑنا نہیں چاہیے۔

شانِ اہلِ بیتِ رسول ﷺ

جیسے حضرت حنہ علیہا السلام نے سیدہ مریم علیہا السلام کی ولادت پر وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝۳۶ دعا فرمائی یونہی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی پاک صاحبِ لولاک ﷺ نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اپنی بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا تو پانی منگوا کر اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور پانی کو بیٹی کے سر پر اور سینے پر چھڑکا اور دعا فرمائی:

"اَللّٰهُمَّ وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝۳۶ اے اللہ! میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود کے مقابلہ میں تیری پناہ میں دیتا ہوں۔" پھر انکی پشت پہ پانی چھڑکا اور دوبارہ یہی دعا فرمائی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور نیا پانی منگوا کر اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور حضرت علی کے سر پہ اور سینہ پہ ڈالا اور دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ اُعِيْذُهٗ بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهٗ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، یعنی اے اللہ میں اسے اور اسکی اولاد کو شیطان مردود کے مقابلہ میں تیری پناہ میں دیتا ہوں، پھر انکی پشت پہ پانی چھڑکا اور یہی دعا فرمائی۔

(صحیح ابن حبان کتاب التاریخ حدیث ۶۹۰۵ مطبوعہ بیت الافکار بیروت)

یقیناً حضور ﷺ کی دعا حضرت حنہ سے کہیں زیادہ مقبول ہے بلکہ تمام مخلوق سے زیادہ مقبول ہے اس لیے حضرت علی، سیدہ فاطمۃ الزہراء اور ان کی ذریت یعنی حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کا شیطان مردود سے محفوظ ہونا یقینی ہے۔ اسی لیے انہیں آیت تطہیر میں شامل کیا گیا اور انہیں وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا کا مصداق ٹھہرایا گیا۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ یہاں ذریت سے

مراد بلا واسطہ اولاد ہے، یعنی سیدہ مریم کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذریت ہیں اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما ذریت ہیں۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا
تب اسے اس کے رب نے اچھی طرح سے قبول کیا اور اسے عمدہ طریقے سے پروان چڑھایا [49] اور اسے زکریا علیہ السلام کی کفالت میں دیا [50]
دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ
جب بھی زکریا علیہ السلام ان کے پاس عبادت گاہ میں جاتے تو وہاں عجیب رزق دیکھتے، تو پوچھا اے مریم!
اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ
یہ تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے؟ وہ کہنے لگی اللہ کی طرف سے آتا ہے بے شک اللہ جسے چاہے بے حساب
بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۳۷ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ
عطا فرماتا ہے۔ [51] وہیں زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی، کہا اے میرے رب! مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ
لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ۝۳۸
اولاد عطا فرما بے شک تو دعا سننے والا ہے۔ [52]

[49] پہلے حضرت مریم علیہا السلام کی ولادت بیان ہوئی۔ اب ان کی تربیت و پرورش بتائی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خوب قبول فرمایا اور بہتر پروان چڑھایا۔ قبول کرنا یہ ہے کہ باوجود لڑکی ہونے کے انہیں خدمت بیت المقدس کیلئے قبول کرلیا گیا۔ وہاں لڑکوں کو سن شعور میں داخل ہونے کے بعد خدمت کیلئے لیا جاتا تھا مگر سیدہ مریم کو شیر خوارگی میں لے لیا گیا۔ اور ان کیلئے جنت سے غذا آتی تھی۔ آگے تفصیلی واقعہ آرہا ہے اور انہیں بہتر پروان چڑھانا یہ ہے کہ جس قدر ایک بچہ مہینوں میں بڑھتا ہے وہ دنوں میں اتنا بڑھتی تھیں کیونکہ انہیں جنتی غذا سے کھلایا گیا اور بیت المقدس جیسے مقدس ماحول میں پالا پوسا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ سات برس کی عمر میں دن بھر روزہ رکھتی اور شب بھر عبادت فرماتی تھیں اور بچپن ہی میں تمام احیاء زمانہ سے بڑھ گئیں۔ (البحر المحیط)

[50] امام ابن جریر نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا کہ حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت عمران علیہ السلام نے دو سگی بہنوں سے

نکاح کیا۔حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی کا نام ایشاع تھا اور حضرت عمران کی بیوی کا نام حنہ، زکریا علیہ السلام کے ہاں یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت عمران کے ہاں سیدہ مریم۔(ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۱۵۷)

لہٰذا حضرت زکریا علیہ السلام حضرت سیدہ مریم علیہا السلام کے خالو ٹھہرے اور یحییٰ علیہ السلام ان کے خالہ زاد بھائی۔

حضرت عکرمہ روایت کرتے ہیں سیدہ مریم کی پیدائش پر ان کی والدہ نے انہیں کپڑے میں لپیٹا اور بیت المقدس میں لے گئیں اور وہاں کے مجاورین سے کہا میں اس بچی کو بیت المقدس کی خدمت کیلئے لائی ہوں اگرچہ میں جانتی ہوں کہ یہاں کوئی لڑکی نہیں رہ سکتی۔مجاورین نے کہا یہ تو ہمارے امام کی بیٹی ہے۔حضرت عمران مجاورین بیت المقدس کے سردار تھے۔ہم اس بچی کو واپس نہ جانے دیں گے تب وہ باہم قرعہ ڈالنے لگے کہ کون اس بچی کی کفالت کرے تو جن قلموں سے وہ تورات لکھتے تھے انہوں نے وہ نہر میں پھینکے کہ جس کا قلم پانی میں نہ بہے وہ اس بچی کی کفالت کرے گا، سب کے قلم بہہ گئے مگر زکریا علیہ السلام کا قلم پانی میں کھڑا رہا۔(ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۱۲۴ مطبوعہ دارالباز مکہ)

اسی واقعہ کی طرف قرآنِ حکیم میں یوں اشارہ کیا گیا: وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۖ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ آپ وہاں موجود نہ تھے جب وہ قلمیں ڈال رہے تھے کہ کون حضرت مریم کی کفالت کرے گا۔(سورہ آل عمران، ۴۴) چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام سیدہ مریم کی کفالت کرنے والے قرار پائے۔

[51] حضرت زکریا علیہ السلام نے سیدہ مریم کیلئے بیت المقدس کے ساتھ بالا خانہ میں ایک حجرہ مخصوص کر دیا اور ایک عورت ان کی نگہداشت پر مقرر کی جو انہیں پالتی پوستی رہی۔پھر جب وہ سن شعور میں داخل ہوئیں تو زکریا علیہ السلام نے انہیں بیت المقدس کے ایک حجرہ میں ٹھہرایا جس کے آگے سات مقفل دروازے تھے۔(تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۰۷)

حضرت سیدہ مریم علیہا السلام وہاں مصروف عبادت رہتیں۔حضرت زکریا علیہ السلام جب بھی وہاں جاتے تو وہاں نئے سے نیا پھل دیکھتے سردیوں کا پھل گرمیوں میں اور گرمیوں کا سردیوں میں (ابن جریر عن ابن عباس جلد ۳ صفحہ ۱۶۶) حضرت زکریا علیہ السلام نے پوچھا اے مریم یہ پھل تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے؟ انہوں نے کہا مجھے خود معلوم نہیں بس اللہ کی طرف سے آتا ہے۔اللہ جسے چاہے بے حساب عطا فرماتا ہے۔

کراماتِ اولیاء کا برحق ہونا

حضرت سیدہ مریم علیہا السلام کے پاس غیب سے رزق آنا صریح کرامت ہے۔کیونکہ وہ نبی نہیں ہوسکتیں نبوت صرف مردوں سے مخصوص ہے۔لہٰذا کرامات اولیاء کا منکر جاہل ومتعصب اور گمراہ ہے۔اسی طرح سیدہ مریم کے ہاتھ کے لگنے سے کھجور کے خشک تنے کو ہرا کیا گیا اور پھل دار بنایا گیا، ارشاد ہوا: وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ اے مریم اس کھجور کے خشک تنے کو اپنی طرف جھنجھوڑ تو یہ تم پہ تازہ کھجوریں گرائے گا۔(مریم، ۲۵)

شانِ اہلِ بیتِ رسول ﷺ

حدیث پاک کے مطابق اہل بیت رسول ﷺ کیلئے بھی حضرت مریم کی طرح جنت سے کھانا آیا۔ایک بار حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اور خود حضور ﷺ کو بھوک محسوس ہوئی۔گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔ایک پڑوسی عورت نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھوڑا سا کھانا بھیجا، وہ انہوں نے حضور ﷺ کیلئے رکھ دیا، پھر جب اسے کھولا تو وہ روٹیوں اور گوشت سے بھرا ہوا تھا وہ جان گئیں کہ یہ برکت اللہ کی طرف سے آئی ہے۔(یعنی تھوڑا سا کھانا اسقدر بڑھ گیا ہے) حضور سرور کونین ﷺ نے سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا سے پوچھا یہ کہاں سے آیا ہے؟ عرض کیا: هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۝۳۷ آپ نے فرمایا: اللہ کی حمد ہے جس نے اے بیٹی تجھے سیدۂ نساء بنی اسرائیل (سیدہ مریم) سے مشابہت رکھنے والی بنایا۔انہوں نے بھی یہی کہا تھا: هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۝۳۷ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۳۶۸ بروایت مسند ابی یعلی)

حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش

[52] حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں بھی اولاد نہ ہوتی تھی جب انہوں نے اپنی بھاوج حضرت حنہ کے ہاں سیدہ مریم جیسی پاکباز اور دنیا میں جنتی میوے حاصل کرنے والی بچی دیکھی تو خیال آیا کہ حنہ کی بہن میری بیوی ہے۔اے کاش! میری بیوی کی گود بھی ہری ہو جاتی اور یہ سبب بھی تھا کہ سیدہ مریم کے ہاں بے موسم پھل دیکھ کر انہوں نے سوچا اگر مریم کو بے موسم پھل مل سکتا ہے تو مجھے اس بڑھاپے میں بے موسم اولاد بھی مل سکتی ہے تو انہوں نے اسی وقت سیدہ مریم کے حجرے ہی میں کھڑے دعا کی اے اللہ مجھے بھی اپنی رحمت سے پاکیزہ اولاد عطا فرما کہ تو دعائیں سننے والا ہے۔

رحمتِ خداوندی سے ہرگز مایوس نہیں ہونا چاہیے

حضرت زکریا علیہ السلام نے بڑھاپے میں بانجھ بیوی سے حصول اولاد کی دعا کی جو سن لی گئی۔ایک ہم بے خبر ہیں کہ شادی کے بعد ایک دو سال تک اولاد نہ ہو تو کئی لوگ بیوی کو طلاق دینے پر اتر آتے ہیں مگر یہ جہالت ہے جبکہ اللہ کی رحمت سے مایوسی گناہ ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسی برس کی عمر میں اسماعیل واسحاق علیہما السلام جیسے بیٹے عطا فرمائے۔

مقاماتِ اولیاء قبولیت دعا میں اثر رکھتے ہیں

امام ابوحیان اندلسی فرماتے ہیں: هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ سے معلوم ہوا جس جگہ سیدہ مریم عبادت کرتی تھیں زکریا علیہ السلام نے اسی جگہ حصول اولاد کی دعا کی۔اس سے مبارک مقامات واوقات سے برکت ڈھونڈھنے کی فضیلت معلوم ہوئی۔(البحر المحیط جلد ۳ صفحہ ۱۲۲)

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ

تو زکریا علیہ السلام کو فرشتوں نے پکارا جبکہ وہ عبادت گاہ میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ آپ کو

بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ

یحییٰ علیہ السلام کی بشارت دیتا ہے جو اللہ کے ایک کلمہ کی تصدیق کرنے والے، سردار، عورتوں سے دور رہنے والے اور نبی ہوں گے،

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ

صالحین کی نسل سے۔[53] انہوں نے کہا: اے میرے رب! میرے لیے لڑکا کیسے ہوگا جبکہ مجھے بڑھاپے نے آ لیا

وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ

اور میری بیوی بانجھ ہے [54] اللہ نے فرمایا: اللہ یونہی جو چاہے کرتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب!

لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ

میرے لئے کوئی نشانی بنادے اللہ نے فرمایا تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک اشارے کے سوابات نہ کرسکو گے [55] اور تم اپنے

رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع

رب کی کثرت سے یاد کرو اور صبح وشام اس کی پاکی بیان کرو۔[56]

[53] ندا کرنے والے تو صرف حضرت جبریل امین علیہ السلام تھے مگر چونکہ وہ جماعت ملائکہ کے ساتھ آئے اور کسی قوم کے امام کا بولنا ساری قوم کا بولنا ہوتا ہے اس لیے فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ فرمایا گیا۔ لفظ فَنَادَتْهُ میں فاء برائے تعقیب مع الوصل سے معلوم ہوا۔ ادھر زکریا علیہ السلام نے حجرہ کریم میں اولاد کی دعا کی ادھر فرشتے بیٹے کی بشارت لے کر اتر آئے۔ فرشتوں نے کہا اللہ آپ کو یحییٰ نامی بیٹے کی مبارک دیتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی تصدیق کرے گا، وہ علم وحکمت میں سردار ہوگا اور وہ پاکباز اور صاحب نبوت ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا کلمہ اس لیے کہا گیا کہ وہ محض اللہ کے ایک کلمہ کُن سے ظاہری اسباب کے بغیر پیدا ہوئے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنا یہ تھا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی تورات کے بعض احکام میں تبدیلی کی تو یہود ان کے قتل کے درپے ہوگئے اس وقت یحییٰ علیہ السلام نے ان کی نبوت اور وحی کی تصدیق فرمائی۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا حصور (پاکباز) ہونا اس معنی میں ہے کہ یہود نے ان پر بدکاری کی تہمت لگائی اور ان کو شہید کیا

اللہ تعالیٰ نے اس لیے انہیں حصور کہا یعنی عورتوں سے دور رہنے والا، حصر کا معنی روکنا ہے۔ **وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ** انہیں پکڑ و اور روکو۔ (توبہ:۵)

مروی ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے شادی کی طرف توجہ ہی نہ فرمائی اور خود کو ہمہ وقت تبلیغ دین کیلئے وقف رکھا۔ اس جگہ بعض روایات میں یحییٰ علیہ السلام کا نامرد اور بیوی کے قابل نہ ہونا آیا ہے مگر یہ پایۂ اعتبار سے ساقط موضوع روایات ہیں۔ اس جگہ لفظ حصور سے باطل استدلال کرتے ہوئے مرزا قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں نہایت غلیظ خیالات کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں مرزا غلام احمد قادیانی کی شدید گستاخی

لیکن مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) کی راست بازی اپنے زمانہ میں دوسرے راست بازوں سے بڑھ کر نہ تھی، بلکہ یحیی نبی کو اس پر ایک فضیلت حاصل ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پہ عطر ملا تھا یا ہاتھوں اور سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا، اسی لیے اللہ نے قرآن میں یحیی کا نام حصور (پاکباز) رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے واقعات اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔

(ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۲۲۰ مطبوعہ لندن)

یعنی بقول مرزا اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کا نام حصور رکھا مگر عیسیٰ علیہ السلام کا نہ رکھا اس لیے کہ عیسی علیہ السلام شراب پیتے تھے اور فاحشہ عورتوں سے اپنے سر پہ عطر لگواتے تھے، **لا حول ولا قوۃ الا باللہ**، اس سے بڑھ کر ایک جلیل القدر رسول کی گستاخی کیا ہو سکتی ہے۔

مرزائی کہتے ہیں یہ باتیں مرزا صاحب نے عیسائیوں کو جواب دینے کے لیے کہی ہیں کیونکہ انہوں نے یہ باتیں اپنی کتابوں میں لکھی ہیں، مگر ہم کہتے ہیں کیا یہ استدلال بھی عیسائیوں نے کیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو حصور کہا گیا ہے اور حضرت عیسی علیہ السلام کو نہیں کہا گیا، یہ استدلال تو مرزا کا اپنا ہے۔

[54] حضرت زکریا علیہ السلام کو فرشتوں کی زبانی بیٹے کی بشارت ملی تو انہوں نے حیرت اور مسرت سے کہا میرے لیے اولاد کیسے ہو سکتی ہے۔ میں تو بہت بوڑھا ہوں اور میری بیوی بھی بچہ جننے کی عمر سے گزر گئی ہے۔ مروی ہے اس وقت ان کی اپنی عمر ایک سو بیس سال اور ان کی بیوی کی عمر ننانویں سال تھی۔ (البحر المحیط)

حضرت زکریا علیہ السلام کا یہ سوال شک کی بنیاد پر نہ تھا بلکہ یہ معنی تھا کہ میرے لیے اولاد کیسے ہوگی کیا مجھے اور میری بیوی کو جوان کر دیا جائے گا یا کوئی اور طریقہ ہوگا یا یہ معنی ہے کہ وہ اللہ کی اس عطاء کو بار بار سننا چاہتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس کیلئے بڑھاپے میں اولاد دینا کیا مشکل ہے۔

[55] حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا اے اللہ جب میری بیوی کو بچے کی امید لگے تو اس وقت مجھے کچھ نشانی دیدے جس

سے میں یہ چیز فوراً جان جاؤں اور شکر و ذکر میں خود کو مصروف کرلوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی نشانی یہ ہوگی کہ تمہاری زبان تین دن تک لوگوں سے گفتگو نہ کرسکے گی یعنی صرف ذکر الٰہی بجالاسکے گی البتہ تم لوگوں سے اشارے سے بات کرسکو گے۔

[56] پھر اے زکریا جب تمہاری زبان گفتگو سے رک جائے گی تو تم کثرت سے صبح وشام اللہ کا ذکر کرو اور اس کی تسبیح بجالاؤ۔

امور شرعیہ میں اشارہ بمنزل کلام بن سکتا ہے

اِلَّا رَمْزًا ؕ سے معلوم ہوا زکریا علیہ السلام کو اشارے سے بات کرنے کی اجازت دی گئی لہٰذا اشارہ بمنزل کلام ہے۔ اسی لیے فقہاء کے نزدیک گونگے کی اشارے سے طلاق واقع ہے بشرطیکہ اس کا اشارہ واضح ہو اور اس کا گونگا پن قابل اصلاح نہ ہو۔

حصول اولاد پر ذکر الٰہی کرنا چاہیے نہ کہ کنجر نچوانا

حضرت زکریا علیہ السلام نے چاہا کہ وہ بیوی کو بچے کی امید لگتے ہی تسبیح میں مصروف ہو جائیں اس لیے کہا: اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَةً ؕ مگر افسوس! آج کئی لوگ حصول اولاد پر اللہ کی عبادت میں لگنے کے بجائے کنجر نچوانے میں لگ جاتے ہیں۔ اللہ ہدایت دے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وظائف وعبادات میں خاموشی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اسی لیے حضرت زکریا علیہ السلام کی زبان تین دن گفتگو سے عاری کردی گئی کہ وہ خاموشی سے ذکر الٰہی بجالاتے رہیں۔

انبیاء وصالحین کے میلاد کا ذکر سنت الٰہیہ ہے

پہلے سیدہ مریم کا میلاد بیان کیا گیا اور اب یحییٰ علیہ السلام کا میلاد بیان ہو، یعنی ان کی ولادت باسعادت کا تذکرہ کیا گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء واولیاء کی ولادت کا ذکر کرنا یہ سنت الٰہیہ ہے اس لیے ذکر میلاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بعض لوگوں کی ناراضگی ناقابل فہم ہے۔

وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰىكِ

اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم بے شک اللہ نے تجھے چن لیا اور تجھے پاک کر دیا اور تجھے تمام جہانوں کی

عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۲ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِيْ وَ ارْكَعِيْ

عورتوں پر بزرگی دی ہے۔[57] اے مریم! اپنے رب کے حضور عاجزی کرو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں

مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝۴۳

کے ساتھ رکوع بجالاؤ۔[58]

سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کی عظمت وفضیلت

[57] گزشتہ رکوع میں حضرت مریم علیہا السلام کی ولادت اور دورتربیت کا بیان تھا اب ان کی عظمت اور ان کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر ہے۔ چنانچہ جب وہ بڑی ہوگئیں اوران سے عیسیٰ علیہ السلام کا پیدا ہونا اللہ کو منظور ہوا تو ایک دن حضرت جبریل علیہ السلام ان کے پاس فرشتوں کی جماعت میں آئے اور فرمایا کہ اے مریم! اللہ نے تمہیں چن لیا ہے اور پاک کیا ہے اور تمام جہان کی عورتوں پہ فضیلت دی ہے۔اس آیت میں سیدہ مریم کیلئے دو بار لفظ اصْطَفٰىكِ آیا یعنی فرشتوں نے دو بار کہا اے مریم! اللہ نے تجھے چن لیا ہے۔تو پہلی بار چننا یہ ہے کہ انہیں اللہ نے بیت المقدس کی خدمت اور وہاں رہنے کی سعادت بخشی کسی دوسری عورت کو یہ عظمت نہیں مل سکتی تھی۔ پھران کے لئے وہاں جنت سے رزق آتا تھا۔ یہ ان کے بچپن کی برگزیدگی ہے۔ جبکہ دوسری بار چننا یہ ہے کہ انہیں بن شادی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے عیسیٰ علیہ السلام جیسا پیغمبر بیٹا عطا فرمایا اور وہ فضیلت دی جو جہان میں سے کسی عورت کو نہ دی۔ جبکہ وَطَهَّرَكِ کہ اے مریم! اللہ نے تجھے پاک کر دیا، اس مفہوم میں ہے کہ وہ حیض ونفاس سے پاک تھیں۔ اس کے علاوہ جب یہود نے ان پر الزام رکھا تو اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی گود میں قوت گویائی دے کر ان کو اس الزام سے پاک کیا۔

حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (گزشتہ امتوں میں) مردوں میں بہت سے کامل ہوئے ہیں اور عورتوں میں سے صرف عمران کی بیٹی مریم اور فرعون کی بیوی آسیہ کامل ہوئی ہیں۔

(سنن کبریٰ بیہقی جلد ۵ صفحہ ۹۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اسلام میں سب سے افضل خاتون کون ہے؟

اس جگہ یہ بحث ہے کہ سب سے افضل عورت کون سی ہے؟ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۲ کے الفاظ سیدہ

مریم کی تمام عورتوں پر فضیلت پر دلالت کرتے ہیں جبکہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کیلئے حدیث صریح وصحیح ہے جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اما ترضِینَ ان تکونِی سیدۃً لِنساءِ المؤمناتِ، اے فاطمہ! کیا تم اس بات پہ راضی نہیں ہو کہ تم تمام مومنہ خواتین کی سردار ہو (بخاری کتاب الاستیذان، مسلم کتاب الفضائل)

اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کیلئے ارشاد ہوا:

فضل عائشۃ علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام، عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر یوں ہے جیسے ثرید (ایک کھانا) کی فضیلت سب کھانوں پہ ہے (بخاری کتاب مناقب الصحابۃ)۔ اب ان میں سے کس کو سب خواتین اسلام سے افضل مانا جائے؟

حقیقت یہ ہے کہ سیدہ مریم، سیدہ فاطمۃ الزہرا اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہن ان تینوں میں سے ہر کسی کی افضلیت اپنے اپنے اعتبار سے ہے۔ سیدہ مریم بغیر شادی بیٹا ملنے اور فرشتوں کے ان سے کلام کرنے کے اعتبار سے سب عورتوں سے افضل ہیں۔ سیدہ فاطمہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا اس اعتبار سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب مبارک ان سے چلا اور وہ سرداران شباب جنت حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی والدہ اور منبع ولایت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں، سب عورتوں پہ افضلیت رکھتی ہیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تمام خواتین پر افضلیت اس اعتبار سے ہے کہ وہ محبوبہ محبوب رب العالمین ہیں اور فیضانِ رسالت کا ایک تہائی حصہ ان سے امت کو ملا۔

البتہ اگر مزید غور وفکر کیا جائے تو نظر آتا ہے کہ سیدہ مریم کی افضلیت اپنے زمانہ کی عورتوں پہ ہے اور وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ﴿۴۲﴾ میں اس زمانہ کی عورتیں مراد ہیں، امت محمدیہ کی خواتین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے بنی اسرائیل کو وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴿۴۷﴾ (بقرہ، ۴۷) کہہ کر انہیں انکے زمانہ میں تمام انسانوں پہ فضیلت دی گئی تھی۔

جبکہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارہ میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ انکی فضیلت تمام عورتوں پہ ایسے ہے جیسے ثرید کی تمام کھانوں پہ، سے مراد یہ ہے کہ وہ تمام ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے افضل ہیں کیونکہ النساء کا لفظ بیویوں کے لیے بھی آتا ہے، جیسے نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ص تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ (بقرہ، ۲۲۳) وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ط اور بیویوں کو ان کے حق مہر خوش دلی سے ادا کرو۔ (النساء، ۴) یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تمام ازواجِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہیں نہ کہ مطلقاً تمام مومنہ عورتوں سے۔

جبکہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو تمام مومنہ عورتوں سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ اسی لیے حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وصال سے کچھ قبل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: الا ترضِینَ انْ تکونی سیدۃً

نساءِ المؤمنين اوسيدۃَ نساءِ هٰذه الأمةِ. کیا تم اس بات پہ راضی نہیں ہو کہ تم تمام اہل ایمان کی عورتوں کی یا امت کی تمام عورتوں کی سردار ہو۔ (مسلم کتاب فضائل الصحابہ حدیث ۹۹) واللہ اعلم بالصواب۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں شیعوں کی شدید گستاخی

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سیدہ خاتون جنت جناب فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی افضلیت کے بیان والی احادیث ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں، جیسا کہ ابھی گزرا، اس سے اہل تشیع عبرت پکڑیں جن کا زعم باطل یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جناب خاتون جنت سے بغض رکھتی تھیں۔ حتی کہ وہ کہتے ہیں کہ جب امام مہدی ظاہر ہوگا تو معاذ اللہ حضرت عائشہ کو زندہ کر کے انہیں سزا دے گا اور حضرت فاطمہ کا بدلہ لے گا۔

ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ شیخ صدوق نے کتاب العلل میں امام باقر رضی اللہ عنہ سے (من گھڑت) روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: چوں قائم ما ظاہر شود عائشہ را زندہ کند تا براو حد بزند وانتقام فاطمہ را بکشد، یعنی جب ہمارا امام قائم ظاہر ہوگا تو عائشہ کو زندہ کر کے اس پہ سزا جاری کرے گا تا کہ حضرت فاطمہ کا انتقام لے۔ (حق الیقین صفحہ ۲۱۹ در بیان اثبات رجعت مطبوعہ تہران) جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جناب فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو تمام خواتین اسلام سے افضل قرار دیتی ہیں تو شیعہ لوگوں کو من گھڑت روایات کے ذریعہ ان کی شان میں ایسی شدید گستاخی کرتے ہوئے خوفِ خدا کیوں محسوس نہیں ہوتا۔

اسلام میں عورت کا مقام

حضرت مریم علیہا السلام کی یہ عظیم فضیلت بتا رہی ہے کہ اسلام کی نظر میں عورت کم تر درجہ کی مخلوق نہیں ہے جیسا کہ بعض دشمنان اسلام نے جھوٹا پراپیگنڈا کیا ہے بلکہ بعض جلیل القدر عورتوں کو دنیا کے اکثر مردوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ جیسا کہ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ اور وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ سے معلوم ہو رہا ہے

فرشتے غیر نبی سے بھی کلام کر سکتے ہیں

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ سے فرشتوں کا حضرت مریم علیہا السلام سے کلام کرنا ظاہر ہے۔ ایک صحابی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں مروی ہے کہ وہ بھی فرشتوں کا کلام وسلام سنتے تھے (مسلم کتاب الحج حدیث ۱۶۷)۔ اسی زمرہ میں الہام آتا ہے۔ ملک الالہام اولیاء کے قلوب پہ باتیں القاء کرتا ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ فرشتوں کا کسی نبی سے کلام کرنا خصوصی خدائی حفاظت میں ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ اللہ تعالیٰ نبی کے آگے اور پیچھے پہرے بٹھاتا ہے (تب اس پہ وحی اتارتا ہے تا کہ شیطان اس وحی میں کچھ داخل نہ کر سکے) (سورہ جن: ۲۷) اسی لیے اللہ کا نبی جو کچھ اللہ کی طرف سے خبر دے اس کا انکار کفر ہے اور غیر نبی سے فرشتوں کا کلام ایسی حفاظت میں نہیں ہوتا۔ اس لیے اس

کا انکار کفر نہیں اور سیدہ مریم سے فرشتوں کا کلام خود اللہ رب العزت نے ذکر کر دیا لہٰذا اس خاص کلام کا انکار کفر ہے۔

[58] فرشتوں نے کہا اے مریم! اپنے رب کیلئے خشوع کرو اور سجود و رکوع بجالاؤ اس جگہ سجدہ کا ذکر رکوع سے قبل رکھا جانا سجدے کی اہمیت کے سبب سے ہے۔ معلوم ہوا بسا اوقات کوئی چیز واقعہ میں مؤخر اور بیان میں مقدم ہوتی ہے جیسے سیدہ مریم کیلئے سجدہ کو رکوع سے مقدم بیان کیا گیا، حالانکہ وہ رکوع سے موخر ہے۔

اس سے استدلال کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ حضرت مریم ہی کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے ارشاد الٰہی یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ، اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا (آل عمران، ۵۵) اس میں اگر یہ مانا جائے کہ ان کی وفات ان کی رفعت سے صرف ذکر میں مقدم ہے اور واقعہ میں مؤخر (یعنی اللہ نے پہلے ان کو آسمان کی طرف اٹھایا اور بعد میں وفات دے گا، مگر بیان کرنے میں ترتیب بدل دی گئی ہے) تو اس میں مشکل کیا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کے لیے وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ میں سجدہ کو رکوع سے قبل بیان کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ سے قادیانیوں کا وفات مسیح پر استدلال باطل ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ

یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ

اَقْلَامَھُمْ اَيُّھُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝۴۴

قلمیں پھینک رہے تھے کہ کون مریم کی کفالت کرے اور نہ آپ وہاں تھے جب وہ باہم الجھ رہے تھے۔ [59]

[59] یعنی اے پیارے حبیب! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ بذات خود تو وہاں موجود نہ تھے جب حضرت مریم کو اپنی کفالت میں لینے کیلئے بیت المقدس کے مجاورین باہم جھگڑ رہے تھے اور انہوں نے اپنے قلم جن سے وہ تورات لکھتے تھے نہر اردن میں ڈالے کہ دیکھیں جس کا قلم بہتے پانی میں کھڑا رہے وہی سیدہ مریم کی کفالت کی فضیلت پائے گا، چنانچہ سب کے قلم پانی میں بہہ گئے اور سیدہ مریم کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم بہتے پانی میں کھڑا رہا تو انہی کو کفالت مریم کی فضیلت ملی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے سیدہ مریم کی کفالت کی۔ تو اے پیارے حبیب! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے وہاں موجود نہ ہونے کے باوجود آپ کا یہ واقعات بتانا دلالت کرتا ہے کہ آپ کو یہ سب واقعات اللہ نے اپنی وحی سے بتائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم غیب

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ سے معلوم ہوا اللہ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب کے خزانے

وافر عطا مائے ہیں۔اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ یعنی ”خدائے غیب دان اپنے غیب پہ کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوا اس رسول کے جس پہ وہ راضی ہو۔“ (جن، ۲۶) یعنی جس رسول پہ اللہ جس قدر راضی ہوتا ہے اسے اسی قدر علم غیب عطا فرماتا ہے۔اب اس میں کیا شک ہے کہ اللہ رب العزت کی رضا سب سے زیادہ اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے، لہٰذا آپ کا علم غیب بھی سب انبیاء ورسل سے زیادہ ہے۔

اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ سے معلوم ہوا کہ قرعہ ڈالنا جائز ہے، بلکہ قرعہ ڈالنا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ آپ جب سفر پہ جاتے تو اپنی ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ ڈالتے، قرعہ میں جس کا نام نکلتا آپ اسے سفر میں اپنے ساتھ لے جاتے۔ (بخاری، مسلم، ابن ماجہ، دارمی، مسند احمد)

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ
یاد کرو! جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بیشک اللہ تمہیں اپنی طرف سے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام
عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝
مسیح عیسیٰ بن مریم ہے،وہ دنیا و آخرت میں عزت والا اور (دربارِ حق میں) قرب والا ہے۔[60]
وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝
وہ لوگوں سے گہوارے میں اور بڑھاپے میں کلام کرے گا اور بڑی صلاحیت والا ہوگا۔[61]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور فضیلت

[60] سیدہ مریم علیہا السلام ایک روز بیت المقدس کے اندر اپنے حجرے میں محو عبادت تھیں کہ جبریل علیہ السلام فرشتوں کے ساتھ آئے اور فرمایا: اے مریم! اللہ تمہیں اپنی طرف سے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے۔جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے۔

یہاں يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ فرمایا گیا بِوَلَدٍ مِّنْهُ نہ کہا گیا، تاکہ کہیں گمراہ لوگ حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہنے پر استدلال نہ لے آئیں۔اس جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا کلمہ اس لیے کہا گیا کہ وہ بن باپ صرف اللہ کے کلمہ کن سے پیدا ہوئے گویا وہ اللہ کا کلمہ تھے۔ان کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ تعالیٰ نے رکھا۔مسیح کا معنی ہاتھ پھیرنے والا، کیونکہ آپ ہاتھ پھیر کر اندھوں کو بینا، کوڑھیوں کو اچھا اور مردوں کو زندہ فرما دیتے تھے۔لفظ عیسیٰ عبرانی کے لفظ ایشوع سے معرب ہے، جبکہ ابن مریم بھی حضرت عیسیٰ ہی کا ایک نام ہے۔قرآن پاک میں کسی نبی کے نام کے ساتھ اس کی ولدیت مذکور

نہیں سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے۔ انہیں بار بار عیسی بن مریم کہا گیا کیونکہ ان کا ابن مریم ہونا اللہ کی عظیم نشانی ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ یعنی فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تمہیں جو بیٹا دے گا وہ دنیا و آخرت میں وجاہت وعظمت والا ہوگا، مطلب یہ کہ اس کا تمہارے ہاں بن باپ پیدا ہونا تمہارے لیے اور اس کے لیے باعث ننگ وعار نہ ہوگا، بلکہ باعث وجاہت وعظمت ہوگا۔

یاد رہے عیسیٰ علیہ السلام کا دنیا میں وجیہ ہونا یہ ہے کہ ماں کی گود میں انہیں گویا کیا گیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام ہمیشہ ان کی حفاظت کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (سورہ مائدہ: ۱۱۰) اور انہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا پھر وہ دنیا میں اتریں گے، سارے جہان پہ حکومت کریں گے اور دین اسلام کو روئے زمین پر غالب کریں گے اور آخرت میں ان کا وجیہ ہونا یہ ہے کہ وہ سب اولاد آدم کو شفیع روز جزا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رہنمائی کریں گے اور یوں انہیں جنت کا راستہ دکھائیں گے۔

[61] فرشتوں نے کہا اے مریم تمہیں جو بیٹا دیا جا رہا ہے وہ ماں کی گود میں اور بڑھاپے میں لوگوں سے کلام کرے گا۔ یاد رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی ماں کی گود میں لوگوں سے کلام کرنا تو ان کی عظیم فضیلت اور عظیم معجزہ ہے ہی بڑھاپے میں ان کا لوگوں سے کلام کرنا اس سے بھی بڑی فضیلت ہے۔ وہ اس طرح آپ علیہ السلام ۳۳ برس کی عمر میں آسمان پر اٹھالیے گئے اور ہزار ہا برس کے بعد جب آپ آسمان سے واپس اتریں گے تو ۳۳ برس کے نوجوان ہی ہوں گے اس کے بعد آپ پر بڑھاپا آئے گا پھر آپ فوت ہوں گے تو ہزار ہا برس کے بعد ان پر آنے والا بڑھاپا بھی اللہ کی عظیم نشانی اور ان کی عظیم فضیلت ہے اس لیے فرمایا گیا: وَیُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۴۶﴾

مرزا قادیانی کس طرح عیسیٰ ابن مریم کہلا سکتا ہے؟

اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ آیت ۴۵ سے معلوم ہوا عیسیٰ ابن مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہی نام ہے۔ اور جب یہ لفظ بولا جائے تو کوئی دوسرا شخص مراد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ قرآن مجید میں بار بار انہی کو عیسیٰ ابن مریم کہا گیا ہے، تا کہ کوئی کذاب ودجال انسان خود کو عیسیٰ ابن مریم نہ کہلا سکے۔

لہٰذا کثیر احادیث میں وارد یہ الفاظ: لَیُوْشِكَنَّ اَنْ یَّنْزِلَ فِیْكُمْ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ حَكَمًا عَدْلًا، یعنی ''وہ زمانہ قریب ہے جب عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام تم میں حاکم عادل بن کر اتریں گے۔'' الخ (بخاری مسلم) عیسیٰ ابن مریم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی مراد ہیں اور وہی قربِ قیامت میں آسمان سے اتریں گے لہٰذا مرزا غلام احمد قادیانی کا خود کو ان احادیث کا مصداق ٹھہرانا اور خود کو عیسیٰ ابن مریم قرار دینا صریح گمراہی ہے۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب ''حیات ابن مریم'' میں دیکھیں۔

حیرت ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اپنی سب کتابوں کے اختتام پر اپنے ہاتھوں سے اپنا نام مرزا غلام احمد قادیانی

لکھتا رہا ہے اور کئی جگہ اس نے اپنی ماں کا نام چراغ بی بی لکھا ہے۔ پھر کس منہ سے اس نے خود کو عیسیٰ ابن مریم قرار دیا اور کہا کہ جس عیسیٰ ابن مریم کے بارہ میں احادیث میں آیا ہے کہ وہ قیامت سے قبل نازل ہوگا وہ میں ہوں، کیا اس کا نام عیسیٰ تھا؟ اور کیا اس کی ماں کا نام مریم تھا؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اسے خود کو عیسیٰ ابن مریم اور ان احادیث کا مصداق ٹھہراتے ہوئے حیا کیوں نہ آئی؟

مرزا قادیانی کہتا تھا کہ احادیث میں جس عیسیٰ ابن مریم کے قرب قیامت میں آنے کی بشارت دی گئی ہے اس سے مراد میں خود ہوں۔ کیونکہ میں مثیل مسیح ہوں، یعنی میرے احوال عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے شدید مماثلت رکھتے ہیں، اس لیے مجھے عیسیٰ ابن مریم کا نام دے دیا گیا۔ ہم کہتے ہیں کہ مرزا قادیانی کے احوال کس طرح عیسیٰ علیہ السلام سے مشابہ ہیں، وہ تو بن باپ پیدا ہوئے تھے، تو پہلے مرزا کو اپنے باپ سے انکار کرنا چاہیے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام اندھوں کو بینا، کوڑھیوں کو شفایاب اور مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، مرزا کیا کرتا تھا؟

حیات عیسیٰ علیہ السلام کی دلیل:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے بڑھاپے کا ذکر بتاتا ہے کہ وہ ابھی فوت نہیں ہوئے کیونکہ انہیں ۳۳ یا ۳۴ برس کی عمر میں آسمان پر اٹھا لیا گیا، اس وقت ان پہ بڑھاپا نہیں آیا تھا۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب ''حیات ابن مریم'' میں ہے۔ امام ابن کثیر کہتے ہیں: قال الحسن البصری کان عمرُ عیسی علیہ السلام یومَ رُفِعَ اربعاً وثلاثین سنۃً. حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس دن عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھایا گیا ان کی عمر چونتیس برس تھی۔

و عن سعید بن المسیب انّہ قال رُفع عیسی علیہ السلام وھو ابنُ ثلاثٍ وثلاثین سنۃ. حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس برس کی عمر میں اٹھایا گیا۔ (البدایہ النھایہ جلد دوم ص ۸۸ مطبوعہ دار الریان بیروت) پھر ان کیلئے بڑھاپے کا ذکر ان کے زندہ ہونے کی کھلی دلیل نہیں تو اور کیا ہے۔ ان کیلئے بڑھاپے کے ذکر میں یہ راز بھی ہے کہ وہ انسانوں میں سے ایک انسان ہیں ان پر ولادت بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے تمام ادوار وارد ہونے والے ہیں پھر وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔

اس جگہ مرزا غلام احمد قادیانی نے نئی بات چھوڑی ہے۔ اس نے اپنی کتاب ''ازالہ اوہام'' و دیگر کتب میں کہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی مگر ان کی جان نہ نکلی، پھر وہ کسی طرح وہاں سے بچ بچا کر بھاگ اٹھے اور کشمیر میں آ گئے اور یہاں ستر برس کی عمر کو پہنچے اور بڑھاپے میں فوت ہوئے اور سری نگر میں ان کی قبر بھی ہے، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ جب کوئی شخص شرم وحیاء سے عاری ہو جاتا ہے تو اسے بڑے سے بڑا جھوٹ بولتے ہوئے بھی کچھ ہچکچاہٹ نہیں ہوتی۔

مرزا قادیانی نے عیسیٰ علیہ السلام کے کشمیر میں آنے اور یہاں بڑھاپے میں فوت ہونے کی جھوٹی کہانی اپنی طرف سے گھڑی ہے، اس کا حقیقت سے کچھ تعلق نہیں۔ آج تک کوئی مرزائی سری نگر میں عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کی نشان دہی نہیں کر سکا اور

نہ قیامت تک کر سکے گا اور نہ ہی کوئی قادیانی اس پہ کوئی حدیث، قول صحابی، قول تابعی، یا کسی محدث یا مفسر کا قول پیش کر سکتا ہے، نہ کسی تاریخ میں اس کا ذکر ہے۔ سچ یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان میں موجود ہیں، قرب قیامت میں وہ اتریں گے، پھر بوڑھے ہونگے اور تب وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَ کَهْلًا کی قرآنی پیش گوئی پوری ہوگی۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ

سیدہ مریم نے کہا: میرے لئے بیٹا کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ مجھے کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا، فرشتے نے کہا

اللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۴۷﴾

یونہی اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس اُسے یہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔[62]

وَ یُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ ﴿ۚ۴۸﴾

اور اللہ اسے کتاب وحکمت اور تورات وانجیل کی تعلیم دے گا۔[63]

[62] سیدہ مریم رضی اللہ عنہا نے فرشتوں سے یہ سن کر کہ ان کے ہاں بچہ پیدا ہوگا سخت حیرت سے پوچھا مجھ سے بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میری تو شادی نہیں ہوئی نہ مجھے کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرشتوں کے ذریعے جواب دیا کہ اللہ جو چاہے پیدا کر سکتا ہے جب وہ کسی چیز کے بنانے کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اس کی مشیت ہی سے پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں ان بکواسات کا رد ہے جو مرزا قادیانی نے سیدہ مریم کے بارہ میں کہے کہ ان کی یوسف نجار شخص سے شادی ہوئی اور اس سے ان کے ہاں کئی بچے پیدا ہوئے۔ (کشتی نوح مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۸ مطبوعہ لندن)

[63] فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ اے مریم! تمہارے ہاں پیدا ہونے والے بچے کو (اس کی آخری عمر میں آسمان سے نزول کے بعد) اللہ کتاب وحکمت یعنی قرآن اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم دے گا اور (ابتدائی عمر میں) تورات وانجیل کے علم سے نوازے گا۔ یہ اسی طرح ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے فرمایا گیا وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (بقرہ، ۱۲۹) یعنی آسمان کی طرف اٹھائے جانے سے قبل وہ تورات وانجیل کی تبلیغ کریں گے اور آسمان سے نزول کے بعد قرآن وسنتِ مصطفوی کا نور جہان میں پھیلائیں گے اور اس کے مطابق وہ امتِ محمدیہ میں حکومت کریں گے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''وہ زمانہ قریب ہے جب عیسیٰ ابن مریم حاکم عادل بن کر نازل ہوں گے۔'' (بخاری کتاب المظالم باب ۳۱، مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۴۳) اس جگہ تعلیم قرآن وسنت کا ذکر ان کی اہمیت کے سبب مقدم رکھا گیا حالانکہ واقعہ میں یہ تعلیم مؤخر ہے۔

مرزائیوں کے شبہ کا قرآنی جواب

اس میں مرزائیوں کے اس شبہ کا جواب ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی میں سے کس فقہ پر عمل کریں گے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝۴۸ کہ خود اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تعلیم قرآن وحدیث دے گا جس کے مطابق وہ حکومت کریں گے انہیں کسی فقہ کی پیروی کی حاجت نہ ہوگی۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ
اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہو گا (وہ کہے گا) میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں
اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا
میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے جیسی شکل بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ
پرندہ بن جاتا ہے۔[64] اور میں مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دیتا اور اللہ کے حکم سے مردے زندہ کر دیتا ہوں[65]
وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو، اگر تم مؤمن ہو تو اس میں
لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۴۹ۚ
تمہارے لئے بڑی نشانی ہے۔[66]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات

[64] فرشتوں نے کہا اے مریم تمہارے ہاں پیدا ہونے والا بچہ بنی اسرائیل کا رسول ہوگا، اس کو اللہ تعالیٰ یہ معجزات عطا فرمائے گا کہ وہ انہیں کہے گا میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی شکل بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ باذن اللہ زندہ ہو کر اڑتا ہے۔ یاد رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے بظاہر ایک ہی جیسی شکل بناتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ، پھر عیسیٰ علیہ السلام جس پرندے کا تصور ذہن میں لے کر اس مٹی کے پتلے میں پھونک

مارتے وہی پرندہ معرض وجود میں آجاتا۔ یعنی آپ کے پھونک مارتے ہی اس کے ظاہری و باطنی اعضاء بن جاتے، ٹانگیں، پر، پاؤں، چونچ، آنکھیں، دل، رگیں، پٹھے خون وغیرہ سب کچھ پیدا ہو جاتا اور باذن اللہ اس میں روح بھی آجاتی کیونکہ آپ کی پھونک میں روح کی تاثیر تھی آپ خود روح الامین کی پھونک سے پیدا ہوئے تھے اور روح اللہ کہلائے۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ سے معلوم ہوا عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے رسول تھے۔ ساری دنیا کے نہیں، لہٰذا عیسائیوں کو جائز نہیں کہ دوسری قوموں کو اپنے دین کی دعوت دیں اور خود انجیل میں ہے آپ نے فرمایا میں تو صرف بنی اسرائیل کی بھیڑیں چرانے آیا ہوں۔ اور آپ نے جب اپنے بارہ حواریوں کو تبلیغ کے لیے بھیجا تو ان سے کہا: غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔ (انجیل متی باب ۱۰ آیت ۵ مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

البتہ مسلمانوں کا حق ہے کہ ساری اقوام عالم کو دعوت اسلام دیں کیونکہ قرآن کہتا ہے: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں اے انسانو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ (اعراف ۱۵۸)

[65] حضرت عیسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا میں ہاتھ پھیر کر مادرزاد اندھوں کی آنکھوں میں نور پیدا کرتا اور کوڑھیوں کا کوڑھ دور کر دیتا ہوں۔ یاد رہے جس کی بینائی عارضی طور پر ختم ہو اس کا علاج کیا جاسکتا ہے مگر مادرزاد اندھے کو بینا کرنا نبی کا معجزہ یا اس کے کسی پیروکار ولی کی کرامت ہی ہوسکتی ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پرندے بنا کر دکھائے تو یہود نے کہا یہ بڑا جادوگر ہے جب آپ نے اندھوں اور کوڑھیوں کو شفایاب کیا انہوں نے کہا یہ ماہر طبیب ہے نبی نہیں۔ تب آپ نے فرمایا میں باذن اللہ مردے زندہ کرسکتا ہوں پھر آپ نے کئی مردے زندہ کر کے دکھائے۔

اس میں مرزائیت کا رد بلیغ ہے۔ مرزا قادیانی کہتا ہے کہ میں مثیلِ مسیح ہوں، آخر وہ کس طرح مثیل مسیح ہے، ان کے ہاتھ میں تو اللہ رب العزت نے شفا کا دریا بہایا تھا۔ حتیٰ کہ آج لفظ عیسیٰ یا لفظ مسیحا مددگار اور شفا دینے والے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جبکہ مرزا قادیانی بیچارہ خود بیماریوں کا مجموعہ تھا۔ اگر مرزا کو مثیلِ مسیح بننے کا اتنا ہی شوق ہے تو پہلے اسے اپنے باپ سے انکار کرنا چاہیے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں مفسر کی لکھی ہوئی ایک نظم کے بعض اشعار

میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمتوں اور فضائل کو ایک نظم یعنی منقبت میں جمع کیا ہے۔ میں اس کے بعض اشعار کو یہاں لکھنا چاہتا ہوں۔ امید ہے اس سے قارئین کے ایمان کو تازگی ملے گی اور اس میں مرزائیت کا رد بلیغ بھی ہے، تو میں نے عرض کیا ہے:

واہ واہ مرتبۂ حضرت ابن مریم — بالا افکار سے ہے عزت ابن مریم

نفخ جبریل سے بن باپ ہوئے وہ پیدا — شان قدرت ہے ولادت ابن مریم

مہد مادر میں کیا آپ نے لوگوں سے خطاب ۔ دیکھو مرزائیو یہ شوکت ابن مریم
مرزا کہتا ہے مثیل مسیح مجھ کو کہو کیا نہیں دیکھتا وہ عظمت ابن مریم
پہلے وہ باپ سے اپنے ذرہ انکار کرے مہنگی پڑجائے گی مثلیت ابن مریم
ان کی ٹھوکر سے ہوئے صدیوں کے مردے زندہ مرحبا خوب ہے کیا سطوت ابن مریم
اندھے بینا ہوئے کوڑھی بھی شفا یاب ہوئے عام مخلوق پہ تھی رحمت ابن مریم
قادیانی ذرا مرزے کی مرضیں دیکھیں اور دیکھیں ذرا برکت ابن مریم
زندہ موجود ہیں وہ چوتھے فلک پہ اب بھی حکم ربی سے ہوئی رفعت ابن مریم
قرب ساعت میں وہ اتریں گے پئے نصرت دیں دین احمد کو ملی نصرت ابن مریم
روضۂ سرور عالم میں وہ مدفوں ہوں گے دیکھو طیبؔ ہے کیا قسمت ابن مریم

[66] حضرت عیسیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ لوگو تم کیا کھا کر آئے ہو اور کیا گھروں میں رکھ کر آئے میں سب کچھ بتا سکتا ہوں۔ یہ علم غیب ہے جو اللہ کی قدرت، نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت ہے۔

نبی اپنے معجزہ کا چیلنج دے سکتا ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمانا لوگو آؤ میں تمہیں اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست اور مردوں کو زندہ کر کے دکھا سکتا اور غیب کی خبریں دے سکتا ہوں۔ بتاتا ہے کہ یہ صرف نبی کی شان ہے کہ وہ اپنے منکروں سے کہے آؤ میں تمہیں یہ معجزہ دکھاؤں، کیونکہ اگر نبی یہ چیلنج نہیں کرے گا تو لوگ اس پر ایمان کیسے لائیں گے۔ مگر کسی ولی کی یہ شان نہیں کہ اپنی کرامت کا چیلنج دے کیونکہ اس پر ایمان لانا ضروری نہیں، لہٰذا اخبارات میں اپنی کرامات کے اشتہار لگوانے والا ولی نہیں۔ ملحد و دجال ہے۔

معجزہ کا اظہار نبی کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے

اس جگہ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ نبی سے معجزہ ضرور ثابت ہوتا ہے مگر وہ اللہ کے اختیار سے ہوتا ہے، نبی کے اختیار سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے نبی کے ہاتھ پہ اپنی قدرت ظاہر کر دیتا ہے۔ دور حاضر کے جدید مفسرین یہی نظریہ رکھتے ہیں، جیسے مصر کا رشید رضا اور سید قطب وغیرہ، مگر یہ نظریہ قرآن وسنت کے خلاف ہے۔ دیکھیے یہاں عیسیٰ علیہ السلام چیلنج فرما رہے ہیں کہ آؤ میں تمہیں اپنے معجزات دکھاتا ہوں کہ اندھوں کو بینا، کوڑھیوں کو شفایاب اور مردوں کو زندہ کر سکتا ہوں، اگر یہ باتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اختیار میں نہ ہوتیں تو کیا وہ یہ چیلنج دے سکتے تھے؟

مرزا قادیانی کا معجزات عیسویہ سے انکار کفر ہے

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات بیان کیے ہیں کہ وہ مٹی سے پرندے بنا کر اڑا دیتے،

اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دیتے اور مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ مگر مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے:

''عیسائیوں نے آپ کے بہت سے معجزات لکھے ہیں، مگر حق یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا اور اس دن سے کہ آپ نے معجزہ مانگنے والوں کو گندی گالیاں دیں اسی روز سے شریفوں نے آپ سے کنارہ کر لیا۔ ممکن ہے کہ آپ نے معمولی تدبیر سے کسی شب کور (جسے رات کو کم نظر آتا ہو) وغیرہ کو اچھا کیا ہو یا کسی اور ایسی بیماری کا علاج کیا ہو مگر بد قسمتی سے اسی زمانہ میں ایک تالاب بھی موجود تھا جس سے بڑے بڑے نشان ظاہر ہوتے تھے خیال ہو سکتا ہے کہ اس تالاب کی مٹی آپ بھی استعمال کرتے ہوں گے، اسی تالاب سے آپکے معجزات کی حقیقت کھلتی ہے۔ آپ کے ہاتھ میں سوا مکر و فریب کے کچھ نہ تھا۔'' (انجام آتھم صفحہ ۲۹۱ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۱) **نعوذ باللہ من ذلک۔**

ذاتِ مصطفیٰ ﷺ جامع معجزات ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گنے چنے معجزات دیئے گئے اور یہی ہر نبی کا حال ہے مگر محبوب خدا ﷺ سراپا معجزہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ اے لوگو تمہارے پاس (ذات رسول ﷺ کی صورت میں) مکمل دلیل آ گئی ہے، اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اتارا ہے (نساء: ۱۷۴)

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ

اور میں اپنے سے قبل والی کتاب تورات کی تصدیق کرتا ہوں [67] اور تاکہ میں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں حلال کر دوں جو تم

حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾

پر حرام کی گئیں اور تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں۔ [68] تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾

بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے تو اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔ [69]

[67] حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہود سے فرمایا ''میں تورات کی تصدیق کرنے آیا ہوں تکذیب کرنے نہیں لہٰذا مجھ سے الجھنے کی بجائے تمہیں میرا ساتھی بننا چاہیے۔''

[68] البتہ میں تورات میں تم پر حرام بتائی جانے والی بعض چیزیں حلال ٹھہراتا ہوں اور ایسا میں اپنی طرف سے نہیں کرتا بلکہ میں تمہارے پاس اللہ کی آیات یعنی اس کی وحی بصورت انجیل لایا ہوں۔ اس کے مطابق میں بعض چیزوں کی حرمت کو حلت میں بدلتا ہوں، لہٰذا تمہارے لیے آسانی ہی کر رہا ہوں مشکل نہیں بنا رہا۔ مگر یہود مردود بے بہود کو بہانہ مل

گیا کہ عیسیٰ نے تورات کیوں بدل دی ہے تو وہ آپ کے دشمن ہو گئے اور قتل کرنے دوڑے تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان کی طرف اٹھالیا۔

[69] حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زندگی بھر توحید کا درس دیا اور کہا کہ اللہ ہی معبود ہے وہ میرا اور تم سب کا رب ہے لہٰذا اس کی عبادت کی جائے مگر یہ عیسائیوں کی بدبختی ہے کہ انہوں نے علمبردار توحید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہی معبود ٹھہرالیا۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیۡسٰی مِنۡهُمُ الۡکُفۡرَ قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ قَالَ
پھر جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کفر محسوس کیا تو کہا اللہ (کے دین) کے لئے میرا مددگار کون ہے؟ حواریوں نے کہا:
الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشۡهَدۡ بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۵۲﴾
ہاں ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں [70] ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اے اللہ! گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں۔
رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ وَاتَّبَعۡنَا الرَّسُوۡلَ فَاکۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِیۡنَ ﴿۵۳﴾
اے ہمارے رب! جو تو نے وحی اتاری ہم اس پر ایمان لائے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی تو تو ہمیں گواہوں کے ساتھ لکھ دے۔ [71]
وَمَکَرُوۡا وَمَکَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ ﴿۵۴﴾ ع
یہود نے داؤ کیا اور اللہ نے تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر تدبیر فرمانے والا ہے۔ [72]

[70] حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود کو ناپ تول میں کمی اور حرام کمائی سے منع کرتے تھے جو ان پر گراں تھا۔ پھر جب آپ نے تورات کی حرام کردہ بعض اشیاء کو حلال کہا تو وہ آپ کے مزید دشمن ہو گئے۔ ایک باران کی شریر جماعت نے آپ کے منہ پر آپ کی والدہ پر بدکاری کا الزام لگایا اور آپ کو گالی دی۔ آپ کی زبان سے بے ساختہ نکلا او خنزیرو، تو اللہ رب العزت نے اس جماعت کو اسی وقت خنزیر بنا دیا جیسے ارشاد ہے

لُعِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ ؕ (مائدہ:۷۸) چنانچہ ہفتہ کے دن شکار کرنے والے بنی اسرائیل کو داؤد علیہ السلام کی زبان پر بندر بنایا گیا اور سیدہ مریم پہ الزام رکھنے والوں کو حضرت عیسیٰ کی زبان پر خنزیر بنایا گیا۔ اس واقعہ سے عبرت لینے کی بجائے بنی اسرائیل (یہود) عیسیٰ علیہ السلام کے شدید مخالف ہو گئے اور آپ کے قتل کی ٹھان لی۔

جب آپ نے محسوس کیا کہ یہ لوگ کفر پر ڈٹ گئے ہیں تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے فرمایا اب آزمائش کا دور آ گیا ہے بتاؤ کون ہے جو دین کی بقاء کے لیے اس جدوجہد میں میرا ساتھ دے۔ آپ کے حواریوں نے کہا: ہم بقاء

دین کے لیے آپ کے ساتھ ہیں جب ہم نے اللہ کا حکم مان کر اس کے رسول کا دامن تھام لیا ہے تو آپ روز قیامت ہمارے ایمان کے گواہ بننا، پھر حواری دست بدعاء ہوئے کہ اے اللہ ہم تیرے نازل کردہ احکام پر ایمان لائے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اپنے دین کے گواہوں میں شامل فرمالے۔ یہ حوارین دھوبیوں کی ایک جماعت تھی یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ دیکھ کر ایمان لائے ان کی تعداد بارہ تھی۔

بس یہی بارہ افراد تھے جو آپ پہ ایمان لائے، انہی کو حواریون کہا جاتا ہے، یہ آخر تک آپ کے ساتھ رہے۔ جب آپ کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا تو یہ بارہ حواری آپ کے پاس موجود تھے، انہیں میں سے ایک حواری پہ عیسیٰ علیہ السلام کی شکل ڈال دی گئی اور اسے عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ سولی دیدی گئی اور آپ کو آسمان کی طرف اٹھالیا گیا۔

[71] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے یہ بھی کہا کہ اے اللہ ہم تیرے رسول عیسیٰ علیہ السلام پر اور ان پہ اترنے والی وحی پر ایمان لائے، لہٰذا اے مولا روز قیامت تو ہمیں گواہوں کے ساتھ لکھ دے، گواہ کون ہیں؟ تو قرآن مجید کے مطابق اس سے امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہے، کیونکہ یہ امت روز قیامت انبیاء کے حق میں گواہی دے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (بقرہ، ۱۴۳)

[72] وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ کا مطلب یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑ کر سولی دینے کے لیے اپنا داؤ کیا اور ہم نے یہ خفیہ تدبیر فرمائی کہ انہیں بچا کر آسمان پہ زندہ اٹھالیا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کا واقعہ

مروی ہے کہ یہود نے فلسطین کے یہودی حاکم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف یہ کہہ کر اکسایا کہ آپ تورات میں تحریف کر رہے ہیں۔ اس نے آپ کو سولی دینے کا حکم جاری کیا اور گرفتاری کے لیے پولیس بھیجی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت اپنے حواریوں کے ساتھ اپنے مکان کے اندر تھے۔ آپ نے فرمایا: تم میں سے کون یہ قربانی دے سکتا ہے کہ اس پر میری شکل ڈال دی جائے اور وہ میری جگہ سولی پہ لٹک جائے اور وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا، چنانچہ ایک نوجوان نے حامی بھری۔

فأُلقِيَ عليه شِبهُ عيسى ورُفع عيسى من رَوْزَنةِ البيتِ الى السماء، تب اس پر عیسیٰ علیہ السلام کی صورت ڈال دی گئی (اور اسے یہود نے سولی دیدیا) اور آپ مکان کے روشن دان میں سے آسمان کی طرف اٹھالیے گئے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۴ صفحہ ۱۱۱۰ حدیث ۶۲۳۳)

حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ فرمایا جمعہ کا دن گذار کر ہفتہ کی رات کو عیسیٰ علیہ السلام کی شکل انکے ایک ساتھی پہ ڈال دی گئی ورُفع عيسى من روزنة البيت الى السماء، اور عیسیٰ علیہ السلام کو مکان کے روشندان سے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا اور گھر میں موجود لوگ دیکھ رہے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۸۵ مطبوعہ دار الریان بیروت)

مروی ہے کہ آپ لیلۃ القدر میں اٹھائے گئے، سیدہ مریم اس کے بعد چھ برس تک زندہ رہیں، تو یہ ہے وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ کا مفہوم۔ امام فخر الدین رازی، امام قرطبی، امام ابوحیان اندلسی ودیگر اجلہ مفسرین وَمَكَرَ اللّٰهُ کے تحت فرماتے ہیں: مکر اللّٰہُ بھم ھو انه رفع عیسی علیہ السلام الی السماء، اوراسی معنی پہ اجماع ہے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ
جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ میں تجھے (زمین سے زندہ) قبض کرلوں گا اور اپنی طرف اٹھالوں گا اور تجھے کفر کرنے والوں سے
الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۚ
پاک رکھوں گا [73] اور تیری پیروی کرنے والوں کو تیرے منکروں پر تا قیامت غالب رکھوں گا [74]
ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾
پھر میری ہی طرف تمہارا لوٹنا ہے تو میں تمہارے درمیان ان باتوں میں جن میں تم اختلاف کرتے تھے فیصلہ کروں گا۔ [75]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان کی طرف اٹھایا جانا

[73] جب عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھایا جانے والا تھا جیسا کہ گزشتہ آیت میں بیان ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے قبل آگاہ فرمایا کہ میں آپ کو زمین سے قبض کرلوں گا، آپ کو زندہ آسمان کی طرف اٹھالوں گا اور آپ کے منکرین (یہود) سے آپ کو پاک (دور) کردوں گا، یعنی وہ آپ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکیں گے۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھانے سے قبل آنے والے تمام حالات سے آگاہ فرمادیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر مرزائیوں کے غلط استدلال کا رد

اس جگہ لفظ مُتَوَفِّیْكَ کے معنی سے غلط استدلال کرکے مرزائی لوگ حضرت عیسیٰ کو وفات یافتہ قرار دیتے ہیں، یعنی وہ اس کا معنی یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ میں آپکو وفات دوں گا، پھر آپ کی روح کو اٹھالوں گا۔ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے ہیں مگر یہ غلط استدلال ہے۔ لفظ مُتَوَفِّیْكَ کے معنی میں متعدد تفاسیر صحابہ وتابعین سے مروی ہیں، مگر مرزائیوں والا معنی کسی نے بیان نہیں کیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے یہاں ایک لمبی کہانی اپنی طرف سے گھڑی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے سولی پہ لٹکایا مگر انکی جان نہ نکلی، پھر وہ وہاں سے زندہ نکل بھاگے اور کسی طرح فلسطین سے کشمیر آگئے۔ یہاں ایک عرصہ زندہ رہے حتیٰ کہ

بوڑھے ہوگئے، پھر کشمیر ہی میں فوت ہوئے اور سرینگر میں انکی قبر بھی ہے، لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس ساری من گھڑت کہانی کا کہیں کوئی ثبوت نہیں، یہ سب مرزا قادیانی کا گھڑا ہوا جھوٹ ہے۔ کوئی مرزائی اسے قیامت تک ثابت نہیں کرسکتا، جہاں تک لفظ انی متوفیك کا تعلق ہے، تو اسکے متعدد معانی مروی ہوئے ہیں۔

اول: تَوَفّٰی یَتَوَفّٰی کا معنی کسی چیز کو مکمل قبضہ میں لے لینا بھی ہے۔ جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اونٹ بیچا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر سے فرمایا۔

اَتَوَفَّیْتَ الثَّمَنَ کیا تم نے (اونٹ کی) قیمت مکمل قبضہ میں لے لی۔ (وصول کرلی) ہے؟

(مسلم کتاب المساقات باب بیع البعیر)

معلوم ہوا کہ باب تَوَفّٰی یَتَوَفّٰی کسی چیز کو قبضہ میں لینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، لہٰذا اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ کا یہ معنی ہوا کہ اے عیسی علیہ السلام میں آپکو (زمین سے) قبض کرلوں گا (یعنی اپنے قبضہ میں لے لوں گا) اور آپ کو اپنی طرف اٹھالوں گا۔ یہ معنی امام حسن بصری، کعب الاحبار اور ابن زید رضی اللہ عنہم و دیگر جلیل القدر تابعین سے مروی ہے۔

جیسے امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انی متوفیك، ای متوفیك من الارض یعنی میں تجھے زمین سے قبض کرلوں گا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد دوم صفحہ ۲۹۵ مطبوعہ مکہ)

مشہور تابعی مطر الوراق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

متوفیك من الدنیا ولیس بوفاۃ الموت یعنی میں تجھے زمین سے قبض کرلوں گا، اس وفات سے موت مراد نہیں ہے۔ (در منثور جلد ۲ صفحہ ۲۲۵) امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں: معنی ذالك انی قابضك من الارض فرافعك الیّ۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۳ صفحہ ۲۰۳)

دوم: قرآن میں نیند کو بھی یَتَوَفّٰی سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ یعنی اللہ موت کے وقت جانیں قبض کرتا ہے اور اس جان کو بھی قبض کرتا ہے جو اپنی نیند میں نہیں مرتی (زمر: ۴۲) اس طرح اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ کا معنی یہ ہوا کہ اے عیسیٰ میں آپ پر نیند طاری کروں گا اور نیند میں آپکو اپنی طرف اٹھالوں گا۔

چنانچہ حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

یعنی وفاۃ النوم رفعه الله فی منامه، قال الحسن قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم للیهود ان عیسی لم یمت وانه راجع الیکم قبل یوم القیامة اس سے نیند کی وفات مراد ہے اللہ نے آپ پر نیند طاری کردی اور اپنی طرف اٹھالیا پھر حسن بصری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے فرمایا: عیسیٰ علیہ السلام پر موت نہیں آئی اور وہ قیامت سے قبل تمہاری طرف لوٹ کر آئیں گے۔ (تفسیر در منثور جلد ۲ صفحہ ۲۲۵)

سوم: حضرت قتادہ فرماتے ہیں:

هذا من المقدّم والمؤخّر اى رافعك اليّ ومتوفّيك. یعنی مُتَوَفِّيْكَ اور رَافِعُكَ اِلَيَّ میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل میں اِنِّيْ رَافِعُكَ اِلَيَّ وَ مُتَوَفِّيْكَ ہے (یعنی اے عیسیٰ! میں آپ کو اپنی طرف اٹھالوں گا اور پھر اپنے وقت پہ آخری زمانہ میں آپ کو موت دوں گا)۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۲ صفحہ ۲۹۷)

اس کی مثال يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۝ (آل عمران: ۴۳) ہے، اصل میں ارکعی واسجدی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب وفات عیسیٰ علیہ السلام کے قول کا معنی

اس جگہ مرزائی لوگ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے مُتَوَفِّيْكَ کا معنی انی ممیتك کیا ہے، یعنی اے عیسیٰ میں تجھے موت دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۲۵)

معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ موجود نہیں، بلکہ آپ فوت ہو گئے اور آپ کی روح کو اٹھایا گیا اور یہی حبر امت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا عقیدہ ہے، مگر مرزائیوں کی یہ دلیل باطل اور دھوکہ دہی پہ قائم ہے۔

اول: اس لیے کہ خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت قرآن: بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ (نساء، ۱۵۸) کے تحت مروی ہے کہ فرمایا:

لما اراد الله ان يرفع عيسى الى السماء خرج على اصحابه، جب اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالینے کا ارادہ فرمایا تو آپ اپنے ساتھیوں کے پاس تشریف لائے۔ پیچھے سارا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی شکل آپ کے ایک حواری پہ ڈال دی گئی، آخر میں فرمایا: ورُفع عيسى علیہ السلام من روزنة البيت الى السماء، اور عیسیٰ علیہ السلام کو اس مکان کے روشندان سے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۴ صفحہ ۱۱۱۰ حدیث ۶۲۳۳ مطبوعہ مکتبہ الباز مکہ مکرمہ)

جب خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل ان کے ایک حواری پہ ڈال دی گئی اور اسے آپ کی جگہ سولی پہ چڑھادیا گیا اور آپ کو مکان کے روشن دان سے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا تو آپ کے الفاظ کو مرزائی لوگ غلط مفہوم کا لبادہ کیسے اوڑھا سکتے ہیں۔

دوم: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے الفاظ انی ممیتك ورافعك اليّ اس مفہوم میں ہیں کہ ایک روایت کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کو تھوڑی دیر کے لیے موت دی گئی پھر آپ کو زندہ کر کے اٹھالیا گیا، یا یہ کہ آپ پر تھوڑی دیر کے لیے نیند طاری کر دی گئی اور آپ کو اٹھالیا گیا۔ اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو جسم سمیت نہیں اٹھایا گیا بلکہ صرف آپ کی روح اٹھائی گئی جیسا کہ مرزائی سمجھتے ہیں۔

سوم: اگر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے الفاظ انی ممیتك کو حقیقی موت پہ محمول کیا جائے تو پھر آیت میں تقدیم وتاخیر ہے، جیسا کہ حضرت قتادہ کا قول ابھی گزر چکا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت بعد میں ہے اور اٹھایا جانا پہلے، مگر موت کا ذکر پہلے لایا گیا اور اٹھائے جانے کا بعد میں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان میں زندہ موجود ہونا اجماع امت کی روشنی میں

امام حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ثم ان الله رفعه اليه وانه باقٍ حيّ وانه سينزل قبل يوم القيامة كما دلت عليه الاحاديث المتواترة، پھر اللہ نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا اور وہ زندہ موجود ہیں اور وہ قیامت سے قبل نازل ہوں گے جیسا کہ اس پہ احادیث متواترہ موجود ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اول صفحہ ۵۹۰ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واما رفع عيسى عليه اسلام فاتفق اصحاب الاخبار والتفسير على انه رُفع ببدنه حيا وانما اختلفوا هل مات قبل ان يرفع او نام فرفع، رہا عیسیٰ علیہ السلام کا اٹھایا جانا تو ائمہ حدیث وتفسیر اس بات پہ متفق ہیں کہ آپ کو آپ کے بدن کے ساتھ زندہ اٹھایا گیا، البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا اٹھائے جانے سے قبل آپ (تھوڑی دیر کے لیے) فوت ہوئے تھے یا سوئے تھے۔ (التلخیص الحبیر کتاب الطلاق صفحہ ۳۱۹)

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولا يقدح فى ذالك ما اجمعت عليه الامة واشتهرت فيه الاخبار ولعلها بلغت التواتر المعنوى ونطق به الكتاب ووجب به الايمان وأُكفر منكره من نزول عيسى علیہ السلام آخر الزمان، اس بارہ میں وہ بات قابل اعتراض نہیں ہے جس پہ ساری امت مسلمہ متفق ہے اور اس پہ احادیث مشہورہ موجود ہیں اور شائد کہ وہ تواتر معنوی تک پہنچی ہوئی ہیں اور قرآنِ حکیم بھی اس پہ دلالت کرتا ہے اور اس پہ ایمان واجب ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ وہ یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانہ میں نازل ہونے والے ہیں۔ (روح المعانی جلد ۷ صفحہ ۶۰)

خود مرزا قادیانی کی زبانی عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان میں زندہ موجود ہونا

مرزا غلام احمد قادیانی ابتداء میں یہی عقیدہ رکھتا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں موجود ہیں۔ پھر جب انگریزوں نے اس کے غبارے میں ہوا بھری تو اس کا دماغ خراب ہوا اور اس نے عیسیٰ علیہ السلام کی حیات سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں اور جس عیسیٰ ابن مریم کے آنے کی بشارت دی گئی ہے وہ خود میں ہوں، مجھے ہی عیسیٰ ابن مریم کہا گیا ہے۔ چنانچہ اس کی ابتدائی تحریروں میں سے ایک یہ ہے:

''اس لیے اس کو (عیسیٰ علیہ السلام کو) کہنا پڑا کہ ابھی بہت سی باتیں قابل تعلیم باقی ہیں جن کو ہنوز تم برداشت نہیں کر سکتے، مگر میرے بعد ایک دوسرا آنے والا ہے (یعنی رسول اللہ ﷺ) وہ سب باتیں کھول دیگا اور علم دین کو بہ مرتبۂ کمال پہنچائے گا، سو حضرت مسیح تو انجیل کو ناقص کی ناقص ہی چھوڑ کر آسمانوں پہ جا بیٹھے۔''

(براہین احمدیہ پہلی فصل مندرجہ روحانی خزائن جلد اول صفحہ ۴۳۱ مطبوعہ لندن)

مرزا قادیانی نے صاف اعتراف کیا کہ حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام آسمان پہ جا بیٹھے، اس سے بڑی شہادت اور کیا چاہیے۔

ایک اور جگہ مرزا قادیانی لکھتا ہے:

''بلکہ میں بھی تمہاری طرح بشریت کے محدود علم کی وجہ سے یہی اعتقاد رکھتا تھا کہ عیسیٰ بن مریم آسمان سے نازل ہوگا۔ اور ''براہین احمدیہ'' حصص سابقہ میں میں نے وہی غلط عقیدہ اپنی رائے کے طور پر لکھ دیا اور شائع کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔'' (براہین احمدیہ حصہ پنجم مندرجہ روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۱۱۱)

اس عبارت میں مرزا غلام احمد قادیانی نے تسلیم کیا ہے کہ مرزائیوں کے سوا باقی ساری امت کا یہی عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں زندہ موجود ہیں اور قرب قیامت میں نازل ہونگے اور پہلے خود مرزا کا بھی یہی عقیدہ تھا، گویا بعد میں اس کے دماغ میں فتور آیا اور اس نے مسلمانوں کے اجماعی عقیدہ سے انحراف کیا۔

اب ہم مرزائیوں سے پوچھتے ہیں کہ تم مرزا قادیانی کو نبی مانتے ہو، اگر مرزا قادیانی کا پہلا عقیدہ غلط تھا تو کیا اللہ نے دنیا میں کوئی نبی ایسا بھیجا ہے جو پہلے اسی گمراہی میں مبتلا تھا جس میں اس کی قوم مبتلا تھی؟

قرآن کہتا ہے کہ انبیاء کو اللہ نے بچپن ہی سے راہ حق پہ قائم رکھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارہ میں ارشاد ہوا: وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ اور ہم نے انہیں پہلے ہی سے راہنمائی دیدی تھی اور ہم ان کے بارہ میں جانتے تھے (کہ وہ نبی بننے والے ہیں) (انبیاء، ۵۱)

گویا جو علم الٰہی میں نبی بننے والا ہو اللہ رب العزت اسے پہلے ہی سے رشد و ہدایت کی راہ پہ گامزن رکھتا ہے، تاکہ لوگ اسے یہ نہ کہیں کہ تم تو پہلے خود اسی گمراہی میں مبتلا تھے جس سے آج تم ہمیں بچانے آئے ہو۔ اس طرح اس کی نبوت شک میں پڑ جاتی ہے۔ اسی لیے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارہ میں فرمایا گیا: وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ اور ہم نے انہیں بچپن ہی سے حکمت عطا فرمائی تھی۔ (مریم، ۱۲)

الغرض انبیائے کرام علیہم السلام قبل از نبوت نہ صرف ہر طرح کی گمراہی سے دور ہوتے ہیں، بلکہ ہر صغیرہ و کبیرہ گناہ سے بھی معصوم ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مرزا قادیانی کی یہ باتیں اس کا جھوٹ ظاہر کر رہی ہیں۔ اور اگر مرزا قادیانی کا پہلا عقیدہ درست تھا تو اس نے اس سے انحراف کر کے گمراہی و ضلالت کا راستہ اپنایا اور ہزاروں لاکھوں انسانوں کی گمراہی کا ذمہ دار بن کر جہنم کا حقدار ہوا۔

[74] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں سے مراد کون لوگ ہیں اور وہ کن کافروں پہ ہمیشہ غالب رہیں گے؟ تو بعض مفسرین نے اس سے عیسائی لوگ مراد لیے ہیں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار کہلاتے ہیں اور وہ یہود پہ ہمیشہ غالب رہیں گے جیسا کہ آج بھی یہی حال ہے کہ اسرائیل کی یہودی حکومت امریکہ کے سہارے قائم ہے یعنی عیسائیوں کے سہارے قائم ہے، مگر اس سے بہتر تفسیر یہ ہے کہ وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ سے مراد اہل اسلام ہیں کیونکہ وہی عیسیٰ علیہ السلام سمیت سب انبیاء کے دین کے وارث اور پیروکار ہیں معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھانے سے قبل فرمایا۔ اے عیسیٰ میں آپ کے دین کے ماننے والے اہل اسلام کو کافروں پر ہمیشہ غالب رکھوں گا۔

چنانچہ اہل اسلام کفار پہ بارہ صدیوں تک غالب ہی تھے۔ پھر عارضی زوال آ گیا ہے مگر انہیں پھر غلبہ ملنے والا ہے کیونکہ یہ وعدۂ خدا ہے۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (توبہ: ۳۳) جبکہ نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار نہیں ہیں، اگر وہ انکی پیروی کرتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں انکی بشارتوں پہ عمل کرتے ہوئے آپ پہ ایمان لے آتے اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں کفر کرنے والوں سے مراد یہود ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں سے مراد اہل اسلام اور نصاریٰ دونوں ہوں، کیونکہ اہل اسلام ان کے حقیقتاً پیروکار ہیں اور نصاریٰ دعویٰ کی حد تک، یعنی یہ دونوں یہود پہ ہمیشہ غالب رہیں گے چنانچہ اب بھی ایسا ہی ہے اور قیامت سے قبل جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو سب نصاریٰ و اہل اسلام آپ پہ ایمان لائیں گے اور یہود دجال کے ساتھ ہوں گے جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے تب یہود کو چن چن کر قتل کیا جائے گا حتیٰ کہ حدیث کے مطابق اگر کوئی یہودی کسی پتھر کے پیچھے چھپا ہوگا تو پتھر بتائے گا کہ میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے، اسے مارو۔

[75] یعنی اے لوگو آج تم عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں جھگڑتے ہو عیسائی یہودی انہیں مصلوب (سولی زدہ) سمجھتے ہیں۔ مسلمان نہیں سمجھتے، مرزائی انہیں مردہ مانتے ہیں اور مسلمان زندہ، روزِ قیامت اللہ ان جھگڑوں میں فیصلہ فرما دے گا کہ اصل حقیقت سامنے آ جائے گی پھر حق سے اعراض ممکن نہ رہے گا۔

فَاَمَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَاُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ

تو جنہوں نے کفر کیا میں انہیں دنیا و آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور ان کے کوئی مددگار نہ ہوں گے۔ [76] اور جو لوگ ایمان لائیں

وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور اچھے اعمال کریں انہیں اللہ ان کے پورے اجر دے گا

فَيُوَفِّيۡهِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ۝ ذٰلِكَ نَتۡلُوۡهُ عَلَيۡكَ

اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں رکھتا۔ [77] یہ وہ آیات ہیں اور حکمت والا ذکر ہے جو ہم آپ پر

مِنَ الۡاٰيٰتِ وَالذِّكۡرِ الۡحَكِيۡمِ ۝ اِنَّ مَثَلَ عِيۡسٰى عِنۡدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ

پڑھتے ہیں [78] بے شک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے ہاں آدم علیہ السلام کی طرح ہے

خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ۝ اَلۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ

اللہ نے انہیں مٹی سے بنایا پھر فرمایا: ہو جا تو وہ ہو گئے۔ [79] حق تمہارے رب کی طرف سے ہے

فَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ ۝

تو تم شک کرنے والوں میں سے نہ بنو [80]

[76] یعنی اللہ تعالیٰ کفار کو دنیا و آخرت میں سخت عذاب سے دوچار کرے گا۔ دنیا میں ان پر جزیہ و قتل کی تلوار لٹکتی رہے گی اور آخرت کا عذاب تصور سے باہر ہے۔ یاد رہے اگر کفار کو دنیا میں بسا اوقات آسائش و آرام یا کچھ دیر کے لیے غلبہ دیدیا جائے تو یہ بھی ان کے حق میں عذاب ہے کہ اس طرح انہیں اپنی سچائی کا گمان ہو گیا اور وہ اپنے کفر پہ ڈٹ گئے۔ یوں ان پر توبہ کا دروازہ بند ہو گیا اس طرح ان کے لیے دنیوی نعمتیں بھی عذاب ہی کا حصہ بن گئیں۔

[77] جبکہ ایمان اور عمل صالح والوں کو اللہ رب العزت ان کا پورا پورا اجر دے گا کہ کسی کے ثواب میں کمی نہ فرمائے گا ہاں اگر ریاکاری کے سبب کسی کے عمل کا اجر ضائع ہو جائے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے اللہ نے تو پورا اجر دیدیا تھا۔

الغرض اخلاص کی بنیاد پہ کی جانے والی نیکی اگر ذرہ برابر بھی ہو تو وہ بھی روز قیامت بندے کو مل جائے گی، اسی لیے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ؕ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ ”جس شخص ذرہ برابر نیکی کی

تو وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی تو وہ اسے دیکھ لے گا۔'' (الزلزال،۷)

اور ارشادرسول ﷺ ہے: اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ۔ ''جہنم سے بچ جاو خواہ آدھی کھجور (صدقہ دینے) کے ساتھ۔'' (بخاری کتاب الادب باب ۳۴ مسلم کتاب الزکوۃ حدیث ٦٦)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے اللہ کی راہ میں اخلاص کے ساتھ آدھی کھجور بھی دی ہو تو وہ بھی ضائع نہیں ہوتی، بلکہ اس کا بھی اجر دیا جاتا ہے اور ممکن ہے کہ اسی کے ذریعہ سے نیکی کا پلہ بھاری ہو جائے اور مومن کی بخشش ہو جائے۔

[78] یعنی ہم نے حضرت زکریا، یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے جو واقعات یہاں سنائے ہیں۔ یہ واضح نشانیاں اور حکمت والا ذکر ہے ان میں غور وفکر سے انسان پر ہدایت کے کئی راستے کھلتے ہیں۔

[79] ۹ھ میں حضور ﷺ کے پاس آنے والے نجران کے عیسائیوں پر آپ نے ہر طرح سے حق واضح فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں، بلکہ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ مگر وہ یہی کہتے رہے کہ وہ بن باپ پیدا ہوئے لہٰذا اللہ ہی ان کا باپ ہے تو وہ بھی اس لحاظ سے اللہ ہی تھے۔ تب یہ آیت مبارکہ اتری: اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام جیسی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام بن باپ اور بن ماں پیدا ہوئے جب وہ خدا کہلانے کے حقدار نہیں تو صرف بن باپ پیدا ہونے کے سبب حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہونے کے حقدار کیسے ہیں؟ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا اور مٹی سے کہا آدم بن جا تو وہ بن گئی۔ اسی طرح اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا ہو جایئے تو وہ ہو گئے۔

قرآن کے مطابق پہلا انسان مٹی سے بنا تھا بندروں سے نہیں

ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے مطابق انسان بندروں سے بگڑے ہوئے ہیں۔ بندر بگڑ کر انسان بن گئے۔ یہ گمراہ کن نظریہ ہے۔ اللہ رب العزت نے خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ کہہ کر اس کا رد فرما دیا، اس پہ آگے سورہ نساء کی پہلی آیت کے تحت زیادہ مفصل کلام آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مختصر یہ ہے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے متعدد بار واضح فرمایا کہ انسانوں کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ''اگر تم دوبارہ اٹھائے جانے سے انکار کرتے ہو تو ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔'' (حج،۵)

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ''اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا

کیا ہے۔'' (روم، ۲۰) یونہی شیطان نے کہا تھا: خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ''اے اللہ تو نے مجھے آگ سے بنایا اور آدم کو مٹی سے۔'' (اعراف، ۱۲) تو اگر اہل اسلام قرآن کا مطالعہ کرتے رہیں تو کبھی غیر اسلامی نظریات کا شکار نہ ہوں۔

[80] یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بن باپ پیدا ہونا حق ہے اور اللہ کی طرف سے ہے لہٰذا نہ یہود کی طرح اس سے انکار کرو نہ عیسائیوں کی طرح اس کی بنیاد پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بناؤ۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ
تو جو تم میں سے اس بارے میں جھگڑا کرے اس کے بعد کہ تمہارے پاس علم آ گیا تو تم کہو آؤ
اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ
ہم اپنے بیٹے بلاتے ہیں اور تمہارے بھی، اور اپنی عورتیں بھی اور تمہاری عورتیں بھی اور ہم خود کو بھی بلاتے ہیں اور تمہیں بھی، پھر ہم
فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝۶۱
عاجزانہ دعا کرتے اور جھوٹوں پہ اللہ کی لعنت مانگتے ہیں۔ [81]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے نصاریٰ کو دعوت مباہلہ

[81] یہ آیات بھی ۹ ھ میں نجران سے آنے والے عیسائی وفد کے حق ہی میں اتری ہوئی ہیں۔ نجران حدود یمن سے قریب ایک علاقہ ہے۔ یہاں کے عیسائی اپنے عقیدہ میں سخت کٹڑ تھے۔ ۹ ھ تک جزیرہ عرب کا اکثر حصہ اسلام کے زیر سایہ آ گیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل نجران کو بھی خط لکھا کہ تم لوگ اسلام لے آؤ نہیں تو جزیہ ادا کرو۔ اگر یہ دونوں باتیں منظور نہیں تو پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یہ خط پا کر وہ لوگ بہت گھبرائے اور ان کے ذمہ دار لوگوں کا وفد مدینہ طیبہ آیا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعدد نشستیں رکھیں اور یہ جتلانے کی کوشش کی کہ وہ حق پر ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باطل پر، آپ نے انہیں دلائل سے لاجواب کر دیا مگر وہ اپنی ضد سے باز نہ آئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کے ذریعہ فرمایا کہ اگر یہ لوگ حق واضح ہونے کے بعد بھی آپ سے حجت بازی کرتے ہیں تو آپ ان سے فرما دیں کہ آیئے ہم اپنے بیٹے، اپنی بیٹیاں اور اپنے قریبی عزیزوں کو ساتھ لے کر میدان میں نکلتے ہیں تم بھی اپنے بیٹوں، بیٹیوں، اور عزیزوں کو لے کر نکلو پھر ہم اللہ سے عاجزانہ دعا کریں گے کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہے اس پر اللہ کی لعنت اترے۔ پھر آپ دیکھیں کہ عیسائیوں پہ کس طرح قہر خدا کی بجلی گرتی اور انہیں تباہ کرتی ہے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَبْنَآءَنَا (ہم اپنے بیٹے لے کر آتے ہیں) کے تحت حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو، نِسَآءَنَا (ہم اپنی

بیٹیاں لے کر آتے ہیں) کے تحت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو اور اَنْفُسَنَا (اور ہم اپنے قریبی عزیزوں کو لے کر آتے ہیں) کے تحت خود کو اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو لے کر میدان میں نکلے۔ حاکم، ابن مردویہ اور ابونعیم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی، سیدہ فاطمہ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو لے کر نکلے اور سرداران نصاریٰ کو بھی نکلنے کا پیغام بھیجا مگر انہوں نے نکلنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا واللہ اگر وہ نکلتے تو ان پر اس وادی میں آگ برستی، پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اَنْفُسَنَا سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی، اَبْنَآءَنَا سے حسن وحسین اور نِسَآءَنَا سے سیدہ فاطمہ (رضی اللہ عنہم) مراد ہیں۔ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہ بھی مروی ہے کہ نصاریٰ کے سردار کا نام عاقب تھا، وہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: اے گروہ نصاریٰ تم خوب جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں اور وہ اللہ کی طرف سے کلام حق لے کر آئے ہیں۔ اللہ کی قسم! جس بھی قوم نے اللہ کے کسی سچے نبی سے مباہلہ کیا اس کے بعد وہ زندہ نہیں رہ سکی، اب اگر تم ایسا کرو گے تو جڑ سے اکھڑ جاؤ گے۔ اگر تم اپنے دین ہی پہ قائم رہنا چاہتے ہو تو اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے چند دن کا وعدہ لے لو اور اپنے وطن لوٹ چلو۔ تو عیسائی لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، کہنے لگے، ہم اپنے دین پر قائم رہتے ہیں، تم لوگ اپنے دین پہ قائم رہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہیں مباہلہ منظور نہیں ہے تو اسلام لے آؤ، پھر ہمارے اور تمہارے حقوق ایک ہی جیسے ہو جائیں گے۔ انہوں نے انکار کیا، آپ نے فرمایا: تو پھر میں تم سے لڑائی کروں گا۔ وہ کہنے لگے، ہم اہل عرب سے لڑ نہیں سکتے البتہ ہم آپ سے صلح کرتے ہیں کہ آپ کو سالانہ دو ہزار عربی حلّے (لباس) اور زرہیں بطور جزیہ پیش کیا کریں گے اور آپ ہم پہ حملہ نہیں کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا مطالبہ منظور کر لیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: اہلِ نجران کی ہلاکت قریب آ گئی تھی، اگر وہ مباہلہ کرتے تو ان پہ آگ برستی اور ان کو بندر وخنزیر بنا دیا جاتا۔ (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۴۷)

واقعۂ مباہلہ سے اہلِ تشیع کا غلط استدلال کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ہی بیٹی ہے

واقعہ مباہلہ کے حوالے سے اہل تشیع چند باطل استدلالات کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نفسِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کیونکہ وہ اَنْفُسَنَا میں داخل ہیں۔ اور یہ استدلال بھی کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف ایک ہی بیٹی ہے یعنی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ اگر آپ کی کوئی اور بیٹی ہوتی تو آپ اسے بھی لے کر مباہلہ میں جاتے۔ مگر یہ اہل تشیع کی بے بنیاد باتیں ہیں اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نفسِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو ان کا حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیسے ہو گیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی نبی ورسول ہونا چاہیے۔ دراصل اَنْفُسَنَا سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی اعزہ مراد ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ کہ اپنے قریبی لوگوں کو اپنے علاقوں سے نہ نکالو۔ (بقرہ، ۸۴) تو کیا اس آیت کے مطابق تمام بنی اسرائیل ایک دوسرے کا عین اور نفس قرار پائیں گے؟

اور یہ مباہلہ ۹ ھ میں ہوا اور حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے سوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین بیٹیاں حضرت رقیہ، حضرت ام

کلثوم اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس سے قبل فوت ہوگئی تھیں۔خود ملا باقر مجلسی شیعہ لکھتا ہے: رقیہ در مدینہ برحمت ایزدی واصل شد در ہنگامے کہ جنگ بدر روداد، وام کلثوم در سال ہفتم ہجرت بہ رحمت ایزدی واصل شد، وزینب در سال ہشتم بہ رحمت ایزدی واصل شد، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں میں سے سیدہ رقیہ جنگ بدر کے زمانہ میں ۲ھ میں، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ۷ھ میں اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ۸ھ میں رحمت خداوندی میں چلی گئیں تھیں۔

(حیات القلوب جلد چہارم صفحہ ۱۵۰۵ مطبوعہ انتشارات سرور، قم)

جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا کوئی دوسری بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۹ھ میں زندہ ہی نہ تھی تو ان کے سوا کسی بیٹی کو مباہلہ میں کیسے ساتھ لے جایا جا سکتا تھا۔

شانِ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مباہلہ میں سیدہ فاطمہ، حضرت علی اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر نکلے یہ ان کی عظمت کی نشانی ہے اور امام بغوی نے روایت کیا ہے کہ نجرانی وفد کے بڑے پادری نے کہا اللہ کی قسم! میں ایسے چہرے مقابلہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ دعا کریں تو اللہ اس پہاڑ کو بھی اپنی جگہ سے ہٹا دے گا، یہ کہہ کر وہ میدان سے بھاگ گیا۔ (تفسیر بغوی جلد اول صفحہ ۳۶۰) گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اہل بیت کو اپنی صداقت اور عظمت اسلام کی نشانیوں کے طور پر لیکر نکلے، اور بلاشبہ وہ عظمت اسلام کی نشانیاں ہیں۔اسی لیے ان سے محبت رکھنے کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مباہلہ روبرو ہوتا ہے یہی سنتِ مصطفویہ ہے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مباہلہ کے لیے اپنے اہل بیت کو لے کر میدان میں نکلے اور نصاریٰ کو بھی دعوت دی اور قرآنِ حکیم نے بھی نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ کہہ کر یہی بتایا، تو یہی طریقہ مباہلہ ہے کہ دونوں گروہ روبرو دعا کریں کہ جھوٹے پر اللہ کی لعنت ہو۔جبکہ مرزا قادیانی اپنے مخالفین کو یوں دعوتِ مباہلہ دیتا تھا کہ آؤ ایک دوسرے کے خلاف مضمون لکھیں یا اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ کر ایک دوسرے کے خلاف دعا کریں اور اس کی قادیانی ذریت بھی کئی بار مسلمانوں کو یونہی دعوت مباہلہ دیتی ہے۔مگر جب مسلمانوں کی طرف سے انہیں سرِ میدان نکلنے کو للکارا جاتا ہے تو وہ اندر دبک جاتے ہیں، بالکل نجران کے عیسائیوں کی طرح۔یہی اہل باطل کا شیوہ ہے۔

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے ہیں

نَدْعُ اَبْنَآءَنَا کے تحت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسوں حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو مباہلہ کے لیے لے کر گئے۔گویا ان کو آپ نے اپنے بیٹے قرار دیا اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد دنیا میں حسن وحسین رضی اللہ عنہما ہی سے چلی ہے۔امام ابوبکر جصاص حنفی اور امام ابوبکر ابن عربی مالکی ودیگر ائمہ نے لکھا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ کے نواسے حسن

وحسین رضی اللہ عنہما آپ کے بیٹوں کا حکم رکھتے ہیں، باقی امت کے لیے قانون اس سے ہٹ کر ہے۔ اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ فلاں کے بیٹوں کو میرے مال میں سے اتنا دے دینا تو اس میں اس کے نواسے داخل نہیں ہو سکتے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے آپ کی اولاد ہیں۔ (احکام القرآن للجصاص جلد دوم صفحہ ۲۹۴، احکام القرآن لابن العربی جلد اول صفحہ ۳۶۰)

اس میں حکمت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سگے بیٹے اللہ تعالیٰ نے شیر خوارگی میں اٹھا لیے، کیونکہ اگر آپ کا کوئی سگا بیٹا بڑا ہوتا اور آپ کے بعد زندہ ہوتا تو بہت ممکن تھا کہ اسے کئی گمراہ لوگ نبی مان لیتے۔ البتہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں جوان ہوئیں ان کی شادیاں ہوئیں، مگر ان میں سے حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے سوا کسی کی نرینہ اولاد نہ ہوئی۔ اگر ہوئی تو بچپن ہی میں فوت ہوگئی، صرف حسنین کریمین رضی اللہ عنہما ہی وہ دو بیٹے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں سے پلے بڑھے، اسلیے انہیں اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی قرار دیا گیا اور ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں ہمیشہ اپنے بیٹے ہی کہہ کر پکارتے تھے، کبھی نواسہ کہہ کر نہ پکارا۔

اس لیے ان کی پشتوں سے دنیا میں پھیلنے والے تمام حسنی وحسینی سادات کرام کو اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کہا اور مانا جاتا ہے کیونکہ ان کی رگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون مبارک جاری ہے۔ ان کا احترام بالواسطہ احترام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، ان کو تکلیف دینا بالواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دینا ہے۔

حسنی وحسینی سادات کرام اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، ان کا احترام جزو احترام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے

اور کتب سیرت وتاریخ میں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جن لوگوں نے حسنی حسینی سادات کرام کا احترام کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں ہی اس کا عظیم بدلہ عطا فرمایا، جیسے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں مشہور ہے کہ ایک سید کے احترام سے انہیں ولایت کا اعلیٰ درجہ حاصل ہوا۔

فتاویٰ شامیہ کتاب الحج میں لکھا ہے کہ بغداد کے ایک شخص نے حج کا ارادہ کیا، مگر جب ایک نادار سید زادی نے اس کو اپنے فقر وفاقہ سے آگاہ کیا تو اسنے حج کا ارادہ چھوڑ دیا اور زادِ سفر کی ساری رقم سید زادی کو دیدی۔ جب بغداد کے دوسرے حجاج حج سے فارغ ہوکر واپس آئے تو ہر کوئی اسے کہہ رہا تھا: تقبل الله منك. یعنی اللہ تمہارا حج قبول کرے، کہ ہم نے تجھے ہر جگہ اپنے ساتھ حج میں دیکھا ہے۔ وہ حیران وپریشان تھا، وہ کہتا تھا حاجیو! تم نے وہاں میری شکل کا کوئی حاجی دیکھا ہوگا، میں حج پہ نہیں گیا، تو اس کے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا:

ان الله خلق ملكا علىٰ صورتك وهو يحج عنك الىٰ يوم القيامة. اللہ نے تمہاری شکل پہ ایک فرشتہ پیدا کیا ہے اور وہ تمہاری طرف سے تاقیامت حج کرتا رہے گا۔ (ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۶۶۱ مطبوعہ مصطفی البابی مصر)

مگر یہ ضرور یاد رہے کہ دین اسلام میں تمام فضائل کی بنیاد ایمان ہے۔ اگر کوئی شخص صحابہ کرام خصوصاً خلفاء

راشدین رضی اللہ عنہم کو گالیاں دے، امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو لعن طعن کرے، ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کو انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل جانے اور ایسی ہی دیگر کفریات بکے تو اس کا دعویٰ سیادت فضول ہے۔ جب اسکا ایمان ہی نہیں تو وہ اہل بیت میں سے کب رہا، اس کا نسب رسول منقطع ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے سگے بیٹے نے جب راہ کفر اپنایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اہل بیت رسول سے خارج کر دیا اور فرمایا: اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اے نوح وہ آپ کے اہل بیت میں سے نہیں ہے۔ (ہود، ۴۶) تو چودہ صدیوں کے بعد کوئی شخص ایمان کے بغیر اولاد رسول اور اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کیسے داخل رہ سکتا ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ

بے شک یہ سچی حکایت ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک اللہ ہی سب پہ

لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶۲ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝۶۳

غالب اور حکمت والا ہے۔ پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ فساد کرنے والوں سے باخبر ہے۔[82]

[82] یعنی آدم علیہ السلام کا بن ماں باپ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بن باپ پیدا ہونا سچا بیان ہے اور اللہ معبود و مسجود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اگر نصاریٰ اس سچ اور حقیقت سے منہ پھیریں تو اللہ ایسے فسادیوں سے بڑا باخبر ہے۔ وہ انہیں ضرور پکڑے گا۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ

آپ فرمادیں اے اہل کتاب! آؤ وہ بات مان لو جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے

اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ

کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں [83] اور ہم ایک دوسرے کو

دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝۶۴

اللہ کے سوا خدا نہ مان لیں [84] پھر اگر وہ منہ پھیریں تو تم کہہ دو گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔[85]

اہلِ کتاب کو نقطۂ توحید پہ اکٹھا ہونے کی دعوت

[83] گزشتہ رکوعات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی تردید پر زور دیا گیا تاکہ نصاریٰ کو ہدایت ہو اب یہی مفہوم

دوسرے انداز میں پیش کیا جارہا ہے کہ اے اہل کتاب اگر تم رسالتِ محمدیہ پر ایمان نہیں لاتے تو آؤ کم از کم ہم اللہ کی توحید ہی پر اکٹھے ہوجائیں اور شرک سے کنارہ کشی کریں اور یہ توحید تو ہمارے تمہارے درمیان مشترکہ کلمہ ہے کیونکہ قرآن کی طرح تورات وانجیل بھی توحید کا درس دیتی ہیں۔

مثلاً تورات میں لکھا ہے:

سوتم احتیاط رکھوایسا نہ ہو کہ تم خداوند اپنے خدا کے اس عہد کو جو اس نے تم سے باندھا ہے بھول جاؤ اور اپنے لیے کسی چیز کی شبیہ بنالو کہ تیرے خدا نے تجھے اس سے منع کیا ہے، اگر تم نے ایسا کیا تو خدا تمہیں دوسری قوموں میں تتر بتر کردے گا، اور جن قوموں میں خدا تمہیں پہنچائے گا ان میں تم تھوڑے رہ جاؤ گے اور وہاں تم آدمیوں کے ہاتھ کے بنائے ہوئے لکڑی اور پتھر کے دیوتاؤں کی عبادت کرو گے جو نہ دیکھتے نہ سنتے نہ کھاتے نہ سونگھتے ہیں۔
(تورات کتاب استثناء باب ۴ آیت ۲۲)

اور انجیل میں توحید کا بیان اس طرح ہے:

اے اسرائیل سن! ہمارا خداوند ایک ہی خدا ہے، تو اپنے خدا سے اپنے سارے دل اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت کے ساتھ محبت رکھ، اس سے بڑا کوئی حکم نہیں ہے۔ (انجیل مرقس باب ۱۲ آیت ۲۸ صفحہ ۴۶)

یہود ونصاریٰ کو توحید پہ جمع ہونے کی دعوت اس لیے دی گئی کہ جب وہ توحید کو صحیح طرح سمجھ لیں گے تو انہیں خود ہی تورات وانجیل مین اپنی مرضی سے بنائے ہوئے باطل عقائد ونظریات سے نفرت ہوجائے گی اور وہ سچے مذہب کی جستجو میں لگ جائیں گے اور توحیدِ خاص کا علمبردار مذہب صرف اسلام ہے۔

یہاں سے یہ قاعدہ معلوم ہوا کہ کسی گمراہ فرقہ کو دعوتِ حق دینے کا یہ طریقہ ہے کہ ان سے سب سے کمزور نظریہ کو پکڑ لو اور اس پہ ان کو خوب سمجھاؤ، جب ان پہ اپنے مذہب کے ایک نظریہ کا بطلان واضح ہوجائے گا تو ان پہ اپنا سارا مذہب ہی مشکوک ہوجائے گا، تب وہ صحیح مذہب کی طرف رخ کریں گے۔

اہلِ کتاب کو یہ درسِ توحید اس لیے دیا گیا کہ یہود عزیز علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ یا عین اللہ ہونے کے دعویدار ہیں جو کھلا شرک ہے اگر انہیں توحید کا گوہر تابدار چاہیے تو وہ دامن رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی میں ملے گا۔ آج دنیا میں ربِ کائنات کی توحید اور حقیقی معرفت کا حامل کوئی دین اگر ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔

تبلیغِ دین کے لیے حکیمانہ دعوت کی ضرورت

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تبلیغِ دین کے لیے حکیمانہ دعوت کی ضرورت ہے۔ اہلِ کتاب کو چونکہ رسالتِ محمدیہ سے چڑ ہے تو انہیں توحید باری تعالیٰ کے ماننے کی دعوت دی گئی کہ اگر وہ توحید کے متلاشی بن جائیں تو وہ انہیں درِ رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے مل سکتی ہے۔ یہ حکیمانہ اندازِ دعوت وتبلیغ ہے۔

کچھ لوگوں نے اسلام لاتے ہوئے کہا ہم صرف تین نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں اجازت دیدی جب انہیں لذتِ نماز ملی تو وہ پانچوں نمازیں پڑھنے لگے۔ (مسند احمد) الغرض دعوت اسلام کے لیے حکمت اور نرمی کی ضرورت ہے، اگر تھوڑا سا میٹھا رکھدو تو ہزاروں مکھیاں ماری جاسکتی ہیں اور اگر زہر کا مٹکا بھی رکھ دو تو ایک مکھی نہیں ماری جاسکتی۔

علمائے اسلام کو چاہیے کہ وہ جس بات کو قرآن وسنت کی روشنی میں حق جانتے ہیں اسکو دلائل کے ساتھ لوگوں کے سامنے رکھیں، مگر یہ نہ کہیں کہ جو اس بات کو نہیں مانتا وہ بڑا شیطان اور لعین ہے اور نہ ہی مذاہبِ باطلہ کا رد تضحیک و تمسخر کے انداز میں کریں، کیونکہ ان چیزوں کے ساتھ منفی اثر ہوتا ہے۔

[84] اہلِ کتاب کو یہ دعوت بھی دی گئی کہ ایک انسان دوسرے انسان کو رب نہ بنائے، یعنی اس کو ان اختیارات کا مالک نہ سمجھ لے جو اللہ رب العالمین سے خاص ہیں۔ مثلاً کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا۔ یہ اس لیے فرمایا گیا کہ قرآن کہتا ہے: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ''یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے سوا رب بنالیا ہے (خدا قرار دیا ہے)۔'' (توبہ:۳۱)

نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت مبارکہ پڑھنے کے بعد فرمایا: اہل کتاب اگرچہ اپنے علماء کی عبادت نہیں کرتے مگر جس چیز کو ان کے علماء (حکم تورات کے خلاف) حلال یا حرام کہہ دیں وہ اسے مان لیتے ہیں۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ توبہ)

معنی یہ ہوا کہ جب کسی شخص کو اختیار دے دیا جائے کہ وہ شریعتِ اسلامیہ کو بالائے طاق رکھ کر جس چیز کو چاہے حلال یا حرام ٹھہرائے تو یہ اسے رب ماننے ہی کے مترادف ہے کیونکہ حلت و حرمت رب العالمین ہی کے قبضہ میں ہے۔

رہا اللہ کے رسول ﷺ کا کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانا تو وہ اصل میں اللہ ہی کی وحی سے ہے کہ ان کا قول اللہ رب العزت کا قول ہے مگر نبی اکرم ﷺ کے بعد کسی کے قول کی یہ حیثیت نہیں ہوسکتی کہ وہ حلال و حرام کا تعین کرے۔ رہا فقہاء کا کسی چیز کو حلال یا حرام کہنا تو وہ قرآن وسنت ہی کی روشنی میں مبنی بر اجتہاد ہوتا ہے اور اللہ و رسول ہی کی طرف سے ہوتا ہے اور وہ ان امور میں ہوتا ہے جہاں قرآن وسنت سے واضح حکم نہ ملے۔ لہٰذا فقہاء (جیسے ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ) کی تقلید انہیں رب بنانے کے معنی میں نہیں ہے جیسا کہ بعض جہلاء نے سمجھ رکھا ہے۔

اہل تشیع کا ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کو مالکِ حلت وحرمت سمجھنا گویا ان کو خدا ماننا ہے

البتہ اہل تشیع کا ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کو مالک حلت و حرمت کہنا دوسرے لفظوں میں ائمہ کو انبیاء بلکہ ارباب بنانے کے معنی میں ہے اور صریح کفر ہے۔ اہل تشیع بلاشبہ اپنے ائمہ کے بارہ میں ایسا عقیدہ رکھتے ہیں، وہ ائمہ کے بارہ میں کہتے ہیں: فهم يُحِلّون مايشاء ون ويُحرّمون مايشاء ون، ولن يشاء وا الا ان يشاء الله تبارك وتعالىٰ یعنی وہ جو چاہیں حلال قرار دیں اور جو چاہیں حرام قرار دیں انہیں اختیار ہے اور وہ اللہ کے چاہنے کے بغیر کچھ نہیں

چاہتے۔ (اصول کافی کتاب الحجۃ ۲۶۵ مطبوعہ دار مجتبیٰ نجف اشرف)

ہم کہتے ہیں اگر رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی کوئی شخص اللہ کے چاہنے سے جس چیز کو چاہے حلال یا حرام بنا سکتا ہے تو پھر اس میں ائمہ کی کیا تخصیص رہی؟ کوئی آدمی اٹھ کر کہہ سکتا ہے کہ میں فلاں چیز کو حرام ٹھہراتا ہوں اور میں نے اللہ کے چاہنے سے ہی ایسا کیا ہے، جیسے مرزا غلام احمد قادیانی نے جہاد کو حرام قرار دیا تھا، اس نے بھی یہی کہا کہ میں اللہ کے حکم سے ایسا کر رہا ہوں، تو پھر قادیانیوں اور شیعوں میں کیا فرق رہا؟ گویا اہل تشیع ائمہ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے بارہ میں اسی غلو میں مبتلا ہو گئے ہیں جس میں اہل کتاب مبتلا ہوئے۔

[85] یعنی اگر یہود و نصاریٰ توحید اور رد شرک پہ جمع ہونے کی یہ حکیمانہ دعوت قبول نہ کریں تو اے مومنو! تم ان سے کہہ دو کہ ہم نے تو اللہ کے ہر حکم پر سر جھکا دیا ہے۔ اب یہ نہ کہنا کہ ہمیں کسی نے دعوت حق نہ دی تھی۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ
اے اہل کتاب! تم ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات
وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۵ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَاۤءِ حَاجَجْتُمْ
اور انجیل تو ان کے بعد ہی اتاری گئی ہیں کیا تم عقل نہیں کرتے؟ [86] یہ جو تم ہو اس چیز کے بارے میں جھگڑتے تھے
فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ
جس کا تمہیں کچھ علم ہے تو اس چیز کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں کچھ علم نہیں جبکہ اللہ
يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۶ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا
جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ [87] ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ عیسائی
وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۶۷ اِنَّ اَوْلَى
بلکہ وہ ہر باطل سے متنفر اور مسلمان تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔[88] بیشک ابراہیم علیہ السلام سے
النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ
قریب تر وہ لوگ ہیں جو ان کی پیروی کریں [89] اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان والے (ان کے قریب ہیں)
وَاللّٰهُ وَلِىُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۸
اور اللہ مؤمنوں کا مددگار ہے۔[90]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دینِ اسلام پر ہونے کا بیان

[86] نجران کا عیسائی وفد جب مدینہ طیبہ میں آیا تو یہود سے ان کا تنازع ہوا یہود نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور ہم ان کے دین پر ہیں۔ عیسائیوں نے کہا وہ عیسائی تھے اور ہم ان کے دین پر ہیں، تب یہ آیات اتریں۔ (ابن جریر) گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے اہل کتاب! تمہارے دعوے کے مطابق تمہارے دین کی بنیاد تورات یا انجیل پر ہے اور یہ دونوں کتابیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئیں۔ تورات ان کے ایک ہزار سال بعد اور انجیل تین ہزار سال

بعد اتری۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا عیسائی کیسے ہو سکتے ہیں۔

اگر کہا جائے کہ مسلمان بھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مسلم کہتے اور خود کو ان کے دین پر سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ساڑھے تین ہزار برس بعد اترا۔ پھر یہ دعویٰ کیسے درست ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہودیت و عیسائیت چند شرکیہ رسومات ونظریات کا نام ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں جبکہ اسلام اللہ کے ہر حکم پر گردن جھکانے کا نام ہے اور مسلم کا معنی ہے اللہ کے ہر حکم پہ گردن کو جھکا دینے والا اور یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین ہے۔

اس معنی میں تمام انبیاء مسلم ہیں، اسی لیے ابراہیم علیہ السلام کے پوتے یعقوب علیہ السلام نے بوقت وصال اپنی اولاد کو یہ وصیت فرمائی: وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ''تمہیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلم ہو۔'' (بقرہ ۱۳۲)

اسی لیے آگے ابرہیم علیہ السلام کے بارہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے: وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا یعنی ابراہیم علیہ السلام ہر باطل سے دور اور مسلم تھے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کے بعد یوں دعا کی: رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ''اے اللہ ہم دونوں کو مسلمان رکھ اور ہماری ذریت میں مسلمان گروہ قائم رکھ۔'' (بقرہ، ۱۲۸)

[87] یعنی اے اہل کتاب پہلے تم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور قرآن کی صداقت کے بارہ میں جھگڑا کیا حالانکہ تمہیں ان چیزوں کی سچائی کا پورا علم تھا کیونکہ تورات وانجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابت کثیر بشارات موجود ہیں۔ اور اب تم ابراہیم علیہ السلام کے دین کے بارہ میں جھگڑنے لگے ہو حالانکہ تمہیں اس کا کچھ علم نہیں کیونکہ پوری انجیل میں ابراہیم علیہ السلام کا کہیں ذکر ہی نہیں البتہ تورات کی کتاب پیدائش میں ان کے بارہ میں کچھ تذکرہ ہے وہاں بھی ان کی شادی اور اولاد اور دیگر ذاتی حالات کا بیان ہے۔ ان کے دین کے بارہ میں تورات میں بھی کوئی تفصیل نہیں۔ تو اے یہود و نصاریٰ تم کسی علم کے بغیر ہی ان کے دین پر تنازع کرنے لگے ہو۔

علم کو جھگڑے کے لیے استعمال کرنے کی برائی

حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ سے پتہ چلا علم کا حجت بازی کے لیے استعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں مذموم ہے۔ علم اللہ کی نعمت ہے، جس کو یہ نعمت ملے اسے عجز وانکسار کا پیکر ہونا چاہیے۔ علم کو جھگڑے کا ذریعہ وہی لوگ بناتے ہیں جن کو اپنے علم پہ بڑا گھمنڈ ہو اور کسی کو خاطر میں نہ لائیں۔

اسی لیے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من طلب العلم ليباهي به العلماء او ليماري به السفهاء او ليصرف وجوه الناس اليه فهو في النار ''جس نے علم سیکھا تا کہ جاہلوں سے جھگڑے، علماء پر فخر کرے اور لوگوں کو اپنی طرف پھیرے وہ جہنم میں جائے گا۔'' (ابن ماجہ کتاب السنۃ مقدمہ باب ۲۳)

یہ بھی پتہ چلا کہ کسی معاملہ میں بغیر علم بحث کرنا گمراہی کا سبب ہے۔ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ سے معلوم ہوا بغیر علم کسی معاملہ میں اپنی رائے دینا جیسے یہود و نصاریٰ نے دین ابراہیم علیہ السلام کے بارہ میں دی، ضلالت ہے اس سے بلا علم فتویٰ دینے والے مفتیوں کی مذمت معلوم ہوئی۔ حدیث مبارکہ میں ہے ''ایک زمانہ آئے گا لوگ بلا علم فتویٰ دیں گے۔ پھر وہ خود بھی گمراہ ہونگے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔'' (بخاری کتاب الاعتصام باب ۷)

[88] یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا عیسائی کیسے ہو سکتے ہیں؟ یہودیت و عیسائیت تو شرک و بت پرستی کا نام ہے جبکہ آپ تو ہر باطل نظریہ سے متنفر، اللہ کے ہر حکم پر سر جھکانے والے اور شرک سے بیزار تھے۔ آپ نے بچپن میں ہوش سنبھالتے ہی ستاروں، چاند اور سورج کی ربوبیت و معبودیت سے انکار کیا پھر جب آپ جوان ہوئے تو قوم کا سارا بت خانہ توڑ کر رکھ دیا۔ پھر آگ میں کود گئے مگر باطل کے آگے سر نہ جھکایا۔ ایسی ہستی کا یہودیت و عیسائیت جیسے مشرکانہ و بت پرستانہ مذاہب سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ آپ مسلم تھے یعنی صرف اللہ کے آگے سر جھکانے والے آپ نے فرمایا: اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ''میں نے رب العالمین کے آگے سر جھکایا ہے۔'' (بقرہ:۱۳۱)

[89] یہود و نصاریٰ کو بنی اسرائیل میں سے ہونے کے سبب اولاد ابراہیم ہونے پر ناز تھا۔ اس لیے وہ خود کو ان سے قریب تر قرار دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا صرف خونی رشتے سے تم ابراہیم علیہ السلام سے قریب تر نہیں ہو سکتے جبکہ تم نے ان کا دین چھوڑ کر شرک و بت پرستی شروع کر رکھی ہے۔ ان سے قریب تر وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو ان کی پیروی کریں اور وہ صرف اہل اسلام ہیں کیونکہ وہ اسی توحید کے علمبردار ہیں جس کے لیے ابراہیم علیہ السلام زندگی بھر جہاد کرتے رہے۔

اس سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کے ہاں جسمانی رشتہ نہیں ایمانی رشتہ دیکھا جاتا ہے۔ یہود و نصاریٰ ابراہیم علیہ السلام سے خونی رشتہ کی بنیاد پر ان سے قریب تر ہونے کے دعویدار تھے۔ مگر ان کا کردار کردارِ ابراہیمی سے متصادم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا۔ اس میں ان سجادہ نشینوں کے لیے درس عبرت ہے جو صالحین کی قبور پر ان کی وراثت کے دعویدار بن کر بیٹھے ہیں، کیونکہ وہ انکی اولاد میں سے ہیں، مگر ان کا عقیدہ و عمل ان صالحین کی تعلیمات سے متصادم ہے۔ اور وہ صرف اپنے بزرگوں کی قبریں بیچ کر کھا رہے ہیں، ایسے لوگ یہود و نصاریٰ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ علامہ اقبال جواب شکوہ میں فرماتے ہیں:

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو — نیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو
ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے — کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے

[90] یعنی حضور سید المرسلین ﷺ اور آپ کی امت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قریب تر ہے۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ تعمیر کر کے حضور ﷺ ہی کی آمد کے لیے دعا کی تھی: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۲۹﴾

پھر ابراہیم علیہ السلام نے جو شرعی احکام جاری کیے وہ آج تک امت محمدیہ ہی نے سینے سے لگا رکھے ہیں۔ یعنی مناسک حج، طواف کعبہ، ختنہ، مسواک اور جانور کی قربانی اور مخصوص حجامت وغیرہ۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ

اہل کتاب میں سے ایک گروہ چاہتا ہے کہ وہ تمہیں گمراہ کریں حالانکہ وہ خود ہی کو

اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

گمراہ کرتے ہیں اور انہیں شعور نہیں۔ [91] اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیات سے انکار کیوں کرتے ہو

وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ

جبکہ تم گواہ ہو۔ [92] اے اہل کتاب! تم حق کو باطل سے کیوں ملاتے

وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع

اور اسے کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو [93]

[91] امام بغوی و امام خازن وغیرہ نقل کرتے ہیں کہ معاذ بن جبل، حذیفہ بن یمان اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کو یہود نے اپنے دین کی دعوت دی اور انہیں اسلام سے پھسلانے کی کوشش کی۔ (مگر یہ یہود کی خام خیالی تھی)۔ تب یہ آیت مبارکہ اتری: وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ

گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پھسلانا چاہتے ہیں مگر وہ شاگردانِ رسول عربی ﷺ کو کیا بہکائیں گے وہ خود بہکے ہوئے ہیں۔ اگر انہیں شعور ہو تو ایسی حرکتیں نہ کریں۔ یہاں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایمانی پختگی کا اشارہ ملتا ہے۔

[92] یعنی اے اہل کتاب! تم ان آیات سے کیوں انکار کرتے ہو جو محمد عربی ﷺ کی آمد کے بارہ میں تورات و انجیل میں مذکور ہیں یا تم قرآنی آیات کی صداقت سے کیوں منکر ہوتے ہو حالانکہ تم ان کی صداقت سے باخبر ہو یا تم حضور ﷺ کے معجزات دیکھ کر بھی آپ سے انکار کرتے ہو یہ کیسی سنگ دلی ہے۔

چنانچہ یہود نبی اکرم ﷺ کی صداقت سے خوب واقف تھے، بلکہ آپ کو دیکھ کر ہی انہوں نے پہچان لیا کہ آپ وہی

رسول ہیں جن کی بشارات ان کی کتاب میں موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ط
''وہ آپ کو یوں پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو۔'' (بقرہ، ۱۴۶)

[93] اے اہل کتاب! تم اپنی طرف سے جھوٹ گھڑ کر اسے اپنی کتابوں میں داخل کرتے ہو اور یوں حق چھپا کر غضب الٰہی کو دعوت کیوں دیتے ہو۔ یہودیوں نے تورات میں انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں ایسی حیا سوز باتیں داخل کی ہیں جنہیں کوئی حیادار انسان سن نہیں سکتا۔ جیسے یہ کہ داود علیہ السلام نے ایک خوبصورت عورت کو اپنے محل کے چھت پر سے دیکھا کہ نہا رہی ہے تو اسے بلوالیا اور اس سے ہمبستری کر کے اسے حاملہ بنا دیا۔ (تورات کتاب سموئیل باب ۱۰ آیت ۲ صفحہ ۳۰۲ مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور) اور لوط علیہ السلام نے اپنی جوان بیٹیوں سے معاذ اللہ بدکاری کی جس سے دو نسلیں چلیں۔ (تورات، کتاب پیدائش باب ۱۹ آیت ۳۲، ۳۵ صفحہ ۱۹) وغیر ذالك من الخرافات۔

وَقَالَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اٰمِنُوۡا بِالَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ عَلَی

اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے (آپس میں) کہا: مؤمنوں پہ جو(قرآن) اتارا گیا تم اس پر

الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَجۡهَ النَّهَارِ وَاكۡفُرُوۡۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ۝ۚۖ

دن کے شروع میں ایمان لے آؤ اور دن کے آخری حصہ میں اس سے انکار کر دو تا کہ وہ اپنے دین سے پھر جائیں [94]

وَلَا تُؤۡمِنُوۡۤا اِلَّا لِمَنۡ تَبِعَ دِیۡنَكُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡهُدٰی هُدَی اللّٰهِ ۙ

اور تم صرف اس (نبی) پر ہی ایمان لاؤ جو تمہارے دین کی اتباع کرے، آپ فرمادیں کہ ہدایت تو اللہ کی

اَنۡ یُّؤۡتٰۤی اَحَدٌ مِّثۡلَ مَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ اَوۡ یُحَآجُّوۡكُمۡ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ ؕ

ہدایت ہی ہے، اور یہ (بھی نہ مانو) کہ کسی کو وہ (مقام) دیا جاسکتا ہے جو تمہیں دیا گیا یا یہ کہ وہ تمہارے رب کے ہاں تم سے جھگڑ سکیں گے [95]

قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ۝ۙۚ

آپ فرمادیں بے شک فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑی وسعتوں والا علم والا ہے۔

یَّخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ۝

وہ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ [96]

مسلمانوں کے خلاف یہود کا حسد و بغض

[94] حضرت سدی تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ خیبر اور مدینہ طیبہ کے یہود نے مل کر یہ سازش تیار کی کہ ان میں سے کچھ لوگ منافقانہ انداز میں مسلمان ہو جائیں اور کچھ عرصہ بعد واپس پلٹ آئیں اور کہہ دیں کہ ہم تو سچے دل سے مسلمان ہوئے تھے مگر ہمیں اسلام میں کوئی خوبی نظر نہیں آئی اس سے بہتر تو ہمارا اپنا دین ہے۔ لہٰذا ہم اسلام کو چھوڑ کر واپس جارہے ہیں۔ ممکن ہے اس طرح مسلمانوں پر ان کا دین مشتبہ ہو جائے اور وہ اسے چھوڑ کر اپنے پرانے عقائد کی طرف لوٹ جائیں۔ (ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۲۱) مگر اس سے قبل کہ وہ ایسا کرتے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ اتار کر مسلمانوں کو ان کی سازش سے آگاہ کر دیا اور انہیں کسی فتنہ میں پڑنے سے بچا لیا۔

۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ دکھاوے کی نیکیاں کرنا یہود کا طریقہ ہے۔جیسے یہود نے سوچا کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے مسلمان ہو جائیں مسلمانوں کے ساتھ گھل مل کر نمازیں پڑھیں اور بعد میں واپس چلے آئیں، گویا مومن کی نیکی اخلاص پہ مبنی ہوتی ہے۔

[95] یہود باہم کہتے ہیں کہ تم اسی شخص کو نبی مانو جو تمہارے دین یعنی تورات کی پیروی کرے کیونکہ تورات کے بعد کوئی کتاب نہیں اترنے والی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ ہدایت تو اللہ کی طرف سے اترتی ہے جب اللہ نے تورات اتاری تھی تو اس وقت اس کی پیروی میں ہدایت تھی پھر جب اس کی جگہ اس نے قرآن اتار دیا تو اب اس کی پیروی میں ہدایت ہے اور اگر یہود تورات کو بنظر انصاف پڑھیں تو اس میں حضور ﷺ اور قرآن کے بارہ میں بشارات موجود ہیں۔

آگے فرمایا گیا یہود باہم یہ بھی کہتے ہیں: اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ کہ تم یہ بات بھی مت مانو کہ کسی دوسری قوم کو وہ عزت و شرافت دی جاسکتی ہے جو تم یہود کو دی گئی۔

دراصل یہود اس بات پہ فخر کرتے ہیں کہ ان پہ آسمان سے من وسلویٰ اتارا گیا، ہمارے لیے پتھر سے بارہ چشمے چلائے گئے اور ہم پہ بادل کا سایہ کیا گیا وغیرہ، یعنی جیسے انعامات ہم پہ ہوئے ہیں کسی دوسری قوم پہ نہیں ہوئے

حالانکہ یہود پر آسمان سے من وسلویٰ کا اترنا ایسے تھا جیسے قید خانہ میں مجرموں کو کھانا دیا جاتا ہے بنی اسرائیل نے جہاد سے انکار کیا تو انہیں میدان تیہ میں چالیس سال بھٹکایا گیا۔ اسی دوران ان پر من وسلویٰ اترا اور پتھر سے پانی کا انتظام کیا گیا اور بادل کا سایہ کیا گیا۔ اور یہ بھی ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی کے باعث ہوا ورنہ یہ قوم تو بھوکی پیاسی مارے جانے کے قابل تھی۔

یہود باہم یہ بھی کہتے ہیں: اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ کہ یہ بات بھی مت مانو کہ روز قیامت کوئی قوم تم سے جھگڑ سکتی اور تمہیں جھوٹا بنا سکتی ہے۔ یعنی تم ہی سچائی پر ہو۔ اب جو قوم اس طرح کی جہالت میں مبتلا ہو اور حق سننا نہ چاہے اسے کس طرح ہدایت مل سکتی ہے۔

[96] اللہ تعالیٰ نے یہود کی اس بات کا جواب دیا کہ فضل تو اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے عطا فرمائے وہ اپنی رحمت کے لیے جسے چاہے چن لیتا ہے۔ یعنی اگر اس نے محمد عربی ﷺ کو منصب نبوت عطا فرما کر ان پر کتاب اتاری ہے اور سعید روحیں ان کے دامن کرم سے وابستہ ہوگئی ہیں تو اے یہود تم اس حسد میں کیوں مبتلا ہو کہ ہائے نبوت و کتاب بنی اسرائیل سے باہر کیوں چلی گئی ہے۔ یہاں سے حسد کی برائی معلوم ہوئی کہ یہ بہت بری صفت ہے یہ انسان کو ایمان سے بھی محروم کر سکتی ہے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ

اور اہل کتاب میں سے کوئی وہ ہے کہ اگر تم اس کے پاس ڈھیر مال امانت رکھو تو وہ تمہیں واپس کر دے گا اور ان میں سے

مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ

کوئی وہ ہے کہ اگر تم اس کے پاس ایک دینار امانت رکھو تو وہ تمہیں واپس نہ دے گا مگر یہ کہ اس کے سر پر کھڑے رہو [97]

ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ

یہ اس لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم پر اَن پڑھوں (کا مال کھانے) میں کوئی گناہ نہیں، وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں حالانکہ

عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰي مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى

جانتے ہیں (کہ اس کا انجام کیا ہے)۔ [98] ہاں کیوں نہیں جو شخص وعدہ پورا کرے اور اللہ سے ڈرے

فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

تو اللہ ڈرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔[99]

یہود کی اخلاقی برائیاں

[97] پہلے یہود کی اعتقادی خرابی بتائی جارہی تھی اب ان کی اخلاقی زبوں حالی بتائی جارہی ہے۔تو فرمایا گیا کہ بعض اہل کتاب تو اچھے اخلاق والے ہیں اگر تم ان کے پاس ڈھیروں مال امانت رکھو تو جب مانگو سارا واپس کریں گے اور بعض ایسے بداخلاق ہیں کہ اگر ایک دینار ان کے پاس امانت رکھو تو وہ بھی واپس نہیں کریں گے۔ اِلّا یہ کہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو تب تمہیں ان سے دینار واپس مل سکتا ہے۔ حضرت عکرمہ کے نزدیک پہلے گروہ سے عیسائی مراد ہیں اور دوسرے سے یہود۔ (درمنثور) یعنی نصاریٰ اکثر امانت پہ پورا اترتے ہیں اور یہود اکثر خائن ہیں۔ یہ قول کسی حد تک درست نظر آتا ہے۔آج بھی صورتحال ایسی ہی ہے۔

دیگر مفسرین کے مطابق یہ دونوں گروہ یہود ہی میں سے ہیں کیونکہ گزشتہ آیات سے یہود ہی کا ذکر آرہا ہے۔یعنی ان میں دو طرح کے لوگ ہیں۔

مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جب اسلام نہ لائے تھے اور یہودیت پر تھے ان کے پاس ایک شخص نے بارہ سو اوقیہ سونا امانت رکھا آپ نے اسے پورے کا پورا واپس کیا اور ایک قریشی شخص نے یہودی سردار فنحاص بن عازور

کے پاس ایک دینار امانت رکھا تو اس نے وہ بھی نہ دیا تب یہ آیت اتری۔ (بغوی جلد اول صفحہ ۳۶۷)

اگر کہا جائے کہ اچھے برے لوگ تو ہر قوم میں ہوتے ہیں مسلمانوں میں بھی ہیں تو صرف یہود ہی کیوں مورد الزام ٹھہرائے گئے تو اس کا جواب آگے دیا جا رہا ہے۔

[98] اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہود اس لیے امانت میں خیانت کرتے اور دوسروں کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں کہ وہ خود کو اہل کتاب اور باقی ساری اقوام کو اُمیّین (ان پڑھ) سمجھتے ہیں اور ان کا زعم ہے کہ دوسری اقوام کے اموال ان کے لیے حلال ہیں ان کے اموال لے اڑنے میں کوئی گناہ نہیں۔ دراصل یہود خود کو اللہ کے محبوب بیٹے اور دوسرے لوگوں کو اپنا غلام قرار دیتے ہیں اور غلام کا مال کھا جانے میں ان کے نزدیک کوئی گناہ نہیں کہ وہ آقا ہی کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہود یہ باتیں اپنی طرف سے گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اللہ نے کہیں نہیں فرمایا کہ دوسری اقوام کے اموال یہود کے لیے حلال ہیں۔ یہ باتیں وہ اپنی طرف سے مذہبی تعصب کی بنیاد پہ کہتے ہیں۔

یہود دوسری قوموں کو مالی وجانی نقصان پہنچانا اپنا حق سمجھتے ہیں

چنانچہ یہود کی کتاب طالمود میں لکھا ہے: اگر اسرائیلی کا بیل کسی غیر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کردے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے مگر غیر اسرائیلی کا بیل اگر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کردے تو اس پر تاوان ہے، اگر کسی کو کوئی گری ہوئی چیز ملے تو وہ دیکھے کہ دائیں بائیں آبادی کن لوگوں کی ہے اگر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے اعلان کرنا چاہیے اگر غیر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے بلا اعلان وہ چیز رکھ لینی چاہیے۔ اگر امی اور اسرائیلی کا مقدمہ قاضی کے پاس آئے تو قاضی کو چاہیے کہ اسرائیلی ہی کو جتوائے خواہ اسرائیلی قانون کے تحت یا امییوں کے قانون کے تحت یا کسی اور حیلہ سے۔ (طالمود صفحہ ۷ ۳ مطبوعہ لندن)

کفار سے لین دین اور کاروبار جائز ہے

یہ کہا جانا کہ اگر تم اہل کتاب کے پاس امانت رکھو تو ان میں سے کئی لوگ پوری امانت لوٹاتے ہیں بعض نہیں لوٹاتے، بتاتا ہے کہ کفار کے پاس امانت رکھنا یا ان کی امانت سنبھالنا جائز ہے۔ اسی لیے جب نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں تھے تو کفار اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھتے تھے، ہجرت کے وقت آپ نے وہ امانتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیں کہ انہیں لوٹا کر مدینہ آئیں اور وصال کے وقت نبی اکرم ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی پڑی تھی، یعنی رسول اللہ ﷺ نے اس سے کوئی چیز خریدی تھی اور قیمت کے بدلے اپنی زرہ امانت رکھ دی تھی۔

[99] یعنی اے یہود یاد رکھو تم خوف خدا کو پس پشت ڈال کر خیانت اور بدعہدی کے ذریعے اللہ کے محبوب نہیں بن سکتے۔ اس کے محبوب تو اس سے ڈرنے اور وعدے کی پابندی کرنے والے لوگ ہیں۔ اس میں مسلمانوں کے لیے امانت و ایفاء عہد کا درس ہے۔ کہ وہ بھی یہود کی طرح یہ نہ سمجھیں کہ صرف کلمہ اسلام پڑھنے کے سبب وہ اللہ کے محبوب ہو گئے۔

اب چاہے وہ خیانت کریں یا دوسرے کے حقوق دبائیں کوئی حرج نہیں۔ اللہ ایسے لوگوں سے محبت نہیں رکھتا۔ محبت خدا کے حصول کے لیے اتباع مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لازم ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓىِٕكَ

بے شک جو لوگ اللہ سے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے تھوڑی پونجی کماتے ہیں ان کے لئے

لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ

آخرت میں کوئی حصہ نہیں [100] اللہ ان سے کلام نہ فرمائے گا اور نہ ان کی طرف نظر (رحمت)

الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۷۷ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ

ڈالے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ [101] اور بے شک ان میں سے کچھ لوگ

اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ

اپنی زبانوں کو کتاب پڑھتے ہوئے بل دیتے ہیں تاکہ تم اسے کتاب ہی میں سے سمجھو حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے،

وَیَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے وہ اللہ پر

الْكَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝۷۸

جھوٹ باندھتے ہیں اور انہیں معلوم ہے۔ [102]

[100] یعنی جو لوگ مال دنیا کے لیے اللہ کا عہد توڑیں اور قسمیں باندھ کر اور عہد اٹھا کر ان کے خلاف چلیں ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، یہ بھی یہود کا رد ہے، کیونکہ یہ وعدہ شکن اور دغاباز قوم ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ آ کر ان سے کئی معاہدات کیے جو انہوں نے سب توڑ ڈالے گویا ان سے کہا گیا کہ تم خود کو اللہ کے محبوب سمجھتے اور باقی اقوام کو کافر و جاہل کہہ کر ان کے اموال اپنے لیے حلال جانتے ہو اس لیے تم امانت میں خیانت اور وعدہ شکنی سے بھی نہیں چوکتے۔ یاد رکھو ایسی بداخلاق قوم اللہ کی محبوب نہیں ہو سکتی بلکہ وہ لقمہ جہنم بننے کی مستحق ہے۔

[101] یعنی امانت میں خیانت اور وعدہ شکنی کرنے والے لوگوں سے اللہ روز قیامت نہ محبت کی بات کرے گا نہ محبت سے انہیں دیکھے گا۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تین آدمیوں سے اللہ

تعالیٰ قیامت میں نہ کلام فرمائے گا نہ انہیں نظر رحمت سے دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔تکبر سے دامن لٹکا کر چلنے والا ، جھوٹی قسم اٹھا کر مال بیچنے والا اور کسی سے نیکی کر کے احسان جتلانے والا۔''
(مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۷۱)

[102] یعنی یہود تورات میں تحریف سے کام لیتے ہیں وہ بعض کلمات کو زبان پھیر کر پڑھتے ہیں، تا کہ تم سمجھو کہ یہ کلمات جو وہ پڑھ رہے ہیں تورات میں سے ہیں حالانکہ وہ تورات میں سے نہیں ہوتے۔اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ کلمات تورات میں ڈال دیتے ہیں پھر انہیں اسی انداز میں تلاوت کرتے ہیں جس طرح باقی تورات پڑھی جاتی ہے تا کہ سننے والے انہیں بھی تورات ہی میں سے سمجھیں۔

تورات وانجیل میں یہود ونصاریٰ کے اختلافات

چنانچہ آج تورات میں جسے پرانا عہد نامہ(old testa ment) کہا جاتا ہے،کل ۳۸(Thirty Eight) کتابیں ہیں جن میں سے صرف پہلی پانچ پہ اتفاق ہے کہ یہ صحیح کتابیں ہیں باقی ۳۳(Twenty Three) کتابوں کے بارہ میں خود علماء یہود ونصاری میں شدید اختلاف ہے۔

اسی طرح انجیل جسے نیا عہد نامہ(new testament) کہتے ہیں،اس میں کل ۲۰ (Twenty) کتابیں ہیں جن میں سے صرف پہلی چار مسلمہ ہیں باقی ۱۶ (Sixteen) میں خود عیسائیوں میں شدید اختلافات ہیں بلکہ اس اختلاف کی بنیاد پہ ان میں کئی فرقے بن گئے،مگر آج ان سب کو بائبل کا حصہ سمجھا جاتا اور ایک ہی جلد میں چھاپا جاتا ہے اور انکی یوں یکساں تلاوت واشاعت کی جاتی ہے جیسے وہ سب منزل من اللہ ہیں۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ۔

يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ کا دوسرا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اہل کتاب اپنی کتابوں کے بعض الفاظ کو یوں زبان پھیر کر غلط تلفظ سے بولتے ہیں کہ ان کا معنی بدل جاتا ہے اور وہ نئے الفاظ بن جاتے ہیں اور وہ لوگوں پہ یوں ظاہر کرتے ہیں جیسے یہ اسی طرح نازل ہوئے ہیں، مثلاً انجیل یوحنا باب ۱۴ (Fourteen) آیت ۱۶ (Sixteen) میں لفظ (periclytos) ہے اس کا معنی تعریف کیا ہوا ہے اور یہ بعینہ لفظ محمد ﷺ کا ترجمہ ہے،مگر عیسائیوں نے اس کا تلفظ بگاڑ کر (paracletus) لکھ دیا جسکا معنی مددگار ہے،اس طرح نبی اکرم ﷺ کے بارہ میں انجیل کی بشارت مسخ کردی گئی۔

یہاں سے دوفوائد حاصل ہوئے:

(۱) غیر قرآن کو قرآن کی طرز پر پڑھنا جائز نہیں۔

اہل کتاب کی برائی بتائی گئی کہ وہ غیر منزل من اللہ کو منزل من اللہ کی طرح پڑھتے ہیں: يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ معلوم ہوا غیر کتاب اللہ کو یوں پڑھنا کہ انجان شخص اسے کتاب اللہ سمجھے جائز نہیں۔لہٰذا حدیث مبارکہ کو بھی قرآن مجید کی طرز پر پڑھنا جائز نہیں جیسے حدر و ترتیل۔

(۲) قرآن تحریف سے پاک ہے۔

اہل کتاب نے غیر منزل من اللہ کلام کو تورات میں داخل کر کے اسے منزل من اللہ کی طرح بنا دیا۔ مگر قرآن پاک کی حفاظت فرمانے والا خود اللہ رب العزت ہے۔ اس میں کوئی اضافہ یا کمی ممکن نہیں۔

یہود و نصاریٰ نے کوشش بھی کی کہ قرآن میں اپنی طرف سے کچھ ڈالیں مگر ایسی کوئی کوشش کامیاب نہ ہو سکی، اس کی وجہ قرآن کریم کے لاکھوں حفاظ کا موجود ہونا ہے۔

امام قطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝ کے تحت ایک واقعہ لکھا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کے پاس ایک یہودی نوجوان آیا، اس کی شکل بہت خوب صورت تھی۔ خلیفہ نے اسے کہا اے نوجوان تم اسلام لے آؤ ورنہ یہ پیاری شکل جہنم میں جلے گی۔ یہودی نوجوان کو اس پہ غصہ آیا اور اس کا برا منایا، مگر ایک برس بعد وہی نوجوان بادشاہ کے پاس آیا تو مسلمان تھا۔ بادشاہ نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا، جب آپ نے مجھے دعوت اسلام دی تو مجھے اس وقت غصہ آیا مگر بعد میں میں نے تلاش حق کا راستہ پکڑا۔ میں نے تورات کے تین نسخے لیے ان میں سے کچھ نکال دیا اور کچھ ادھر ادھر کی چیزیں ڈال دیں اور کچھ مضامین آگے پیچھے کیے اور ان کو یہود کے ایک عبادت خانہ میں لے گیا، وہاں کے علماء نے ان کو ادھر ادھر سے دیکھا اور انہیں رکھ لیا۔ پھر میں نے یہی کام انجیل کے ساتھ کیا اور ایسے ہی تین نسخے لیکر عیسائیوں کے کسی چرچ میں گیا انہوں نے بھی کچھ دیکھا اور نسخے رکھ لیے۔ پھر میں نے قرآن کریم کے تین نسخے لیے، اور ان میں بھی (معاذ اللہ) رد و بدل کیا کچھ نکالا اور کچھ نئی باتیں ڈالیں اور ان کو ایک مسجد میں لے گیا، وہاں میں نے امام صاحب کو نسخے دکھائے تو انہوں دیکھتے ہی مجھے پکڑ لیا یہ کیا کہ قرآن کے ساتھ یہ زیادتی کس نے کی ہے؟ تب مجھے یقین ہو گیا کہ قرآن محفوظ ترین کتاب ہے یہ اللہ کی حفاظت میں ہے، تو میں نے اسی وقت کلمہ پڑھا اور اسلام قبول کر لیا۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ

کسی بشر کے لئے ممکن ہی نہیں کہ (جب) اللہ اسے کتاب و حکمت اور نبوت عطا کرے تو وہ

لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ

لوگوں سے کہے کہ میرے بندے بن جاؤ[103] بلکہ وہ یہ کہتاہے کہ رب کے بندے بن جاؤ، جیسا کہ

تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝٧٩ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا

اے اہل کتاب تم کتاب کی تعلیم دیتے اور اسے سیکھتے تھے [104] اور نہ ہی کوئی نبی تمہیں یہ حکم دے سکتا ہے کہ

الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝٨٠

فرشتوں اور انبیاء کو اللہ کے سوا خدا بنالو، کیا وہ تمہارے اسلام کے بعد تمہیں کفر کا حکم دے گا؟ [105]

[103] یہ نصاریٰ کا رد ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب اللہ کسی انسان کو نبوت اور کتاب عطا فرمائے تو اس کے لیے ممکن ہی نہیں کہ لوگوں کو اللہ کی عبادت کی بجائے اپنی عبادت کی دعوت دے اور خود کو رب بنا کر پیش کرے لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام نے ہرگز نصاریٰ کو اپنی عبادت کی تبلیغ نہیں کی۔ آپ تو زندگی بھر عبادت خداوندی کا درس دیتے رہے آپ نے پیدا ہوتے ہی کہا۔ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ''میں اللہ کا بندہ ہوں۔'' (مریم، ۳۰)

[104] اور جسے اللہ کتاب و نبوت دے وہ تو یہی دعوت دیتا ہے کہ ربانی بن جاؤ یعنی رب کے بندے بن جاؤ، جیسا کہ اے اہل کتاب تم خود اپنی کتابوں کی روشنی میں لوگوں کو سکھاتے اور خود سیکھتے ہو کہ ہر نبی اللہ ہی کی طرف دعوت دینے کے لیے آیا تو پھر کیسے ممکن ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دینے لگے۔

[105] اسی طرح کوئی نبی لوگوں کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ فرشتوں اور انبیاء کو اللہ کے مقابلہ میں خدا بنالو، اس میں مشرکین عرب کا رد ہے جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے اور اپنے جھوٹے خداؤں کو ان بیٹیوں کا مظہر قرار دے کر انکی پوجا کرتے تھے۔ شیطان نے ان کو یہ مکروہ تصور دیدیا تھا کہ اللہ نے بعض جنات سے نکاح کیا جس سے فرشتے پیدا ہوئے معاذ اللہ، اسی لیے فرمایا گیا: وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ ''انہوں نے اللہ کے اور جنات کے درمیان ایک رشتہ گھڑلیا۔'' (نکاح کا رشتہ) (صافات، ۱۵۸) اسی طرح فرمایا گیا: وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ ''انہوں نے فرشتوں کو جو رحمان کے بندے ہیں، عورتیں سمجھ لیا۔'' (زخرف، ۱۹) اللہ نے اس مکروہ اور انتہائی ظالمانہ عقیدہ کے رد میں فرمایا کہ یہ تعلیمات کسی نبی کی نہیں ہوسکتیں، اللہ کا نبی اللہ کے بندوں کو ایسے شرک عظیم کی تعلیم نہیں دے سکتا۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ
اوریاد کروجب اللہ نے سب انبیاء سے مضبوط عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت دیدوں
ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ
پھر تمہارے پاس وہ عظیم رسول آجائے کہ تمہارے پاس جو کچھ ہے اس کی وہ تصدیق کرتا ہے،
قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ
توتم ضروراس پر ایمان لاؤ گے اوراس کی مدد کرو گے [106] اللہ نے فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد لے لیا؟
قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ
سب نے کہا: ہم نے اقرار کیا، اللہ نے فرمایا تو گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔[107] تو جو اس کے بعد
ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾
منہ پھیرے تو وہی لوگ بدکردار ہیں۔[108]

جب اللہ تعالیٰ نے ارواح انبیاء علیہم السلام سے نصرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عہد لیا

[106] اس آیت مبارکہ کی بہترین تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ارواح کو پیدا فرمایا تو ان میں سے جو ارواحِ انبیاء تھیں ان سب کو الگ جمع کر کے اللہ تعالی نے ان سے ایک عہد لیا اور فرمایا کہ اے انبیاء کرام! جب میں تمہیں کتاب وحکمت دے دوں یعنی منصب نبوت عطا کر کے دنیا میں بھیج دوں اور تم اپنی ڈیوٹی دینے لگو پھر یہ ہو کہ تمہارے پاس یعنی تم میں سے کسی کی موجودگی میں وہ رسول گرامی تشریف لے آئیں جو تمہاری ہر بات اور ہر عظمت کی تصدیق کرنے والے ہیں یعنی محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تو تمہاری ڈیوٹی یہ ہوگی کہ تم اپنی نبوت کی دعوت چھوڑ کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آنا اور انکی مدد کرنا۔ پھر مزید تاکید کے لیے اللہ تعالیٰ نے ارواح انبیاء کرام علیہم السلام سے فرمایا: کیا تم نے اس بات کا اقرار کرلیا اور اس پہ میرا وعدہ اٹھالیا کہ تم ایسا ہی کرو گے؟ تو سب انبیاء نے بیک زبان عرض کیا: اے اللہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ جب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئیں گے تو ہم ان پہ ایمان لا کر انکی مدد میں لگ جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو پھر گواہ ہو جاؤ۔ (کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سب انبیاء کے سردار وسالار ہیں) اور میں رب العالمین بھی اس بات میں تمہارے

ساتھ گواہ ہوں۔

اس آیت کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب بھی کوئی نبی بھیجا تو اس سے عہد لیا کہ اس کی موجودگی میں اگر کوئی اور نبی یا رسول آ جائے تو وہ اس کی تصدیق کرے اور اس کی مدد بجا لائے، یعنی کوئی نبی کسی دوسرے نبی کی تکذیب نہ کرے۔ مگر یہ تفسیر قوی نہیں ہے، الفاظ قرآن اور روایات کے مطابق وہی تفسیر قوی تر ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے، اس کے چند دلائل ہیں۔

اس بات کے دلائل کہ تمام ارواح انبیاء علیہم السلام سے ایک مجمع میں نصرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عہد لیا گیا

اول: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ کے الفاظ کسی خاص موقع پر انبیاء سے عہد کے پکڑے جانے پر دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ لفظ اِذْ کے ساتھ قرآن کریم میں جب بھی کسی جماعت سے وعدہ لینے کی بات کی گئی تو اس میں یہی بتایا گیا کہ کسی موقع پہ ان سب سے اجتماعی انداز میں وعدہ لیا گیا جیسے اللہ فرماتا ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ (بقرہ، ۳۰) اب اس کا یہ معنی نہیں کہ ایک ایک فرشتہ سے الگ الگ یہ بات کہی گئی، بلکہ یہی معنی ہے کہ کسی خاص وقت میں سب فرشتوں کو جمع کر کے اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حکم فرمایا، ایسے ہی اللہ نے فرمایا:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ''اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا۔'' (بقرہ، ۸۴) اس کا بھی یہی معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب بنی اسرائیل سے ایک وقت میں وعدہ لیا۔ اسی طرح وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ میں بھی یہی بتا گیا ہے کہ اللہ رب العزت نے کسی خاص وقت میں سب انبیاء کرام علیہم السلام کو جمع کر کے ان سے یہ وعدہ لیا، یہ نہیں کہ ہر نبی سے الگ الگ وعدہ لیا۔

دوم: پھر اللہ رب العزت کا فرمانا: ءَاَقْرَرْتُمْ اے انبیاء کیا تم نے اقرار کر لیا؟ اور انبیاء کرام علیہم السلام کا جواب دینا: اَقْرَرْنَا، ہاں ہم نے اقرار کیا پھر اللہ تعالیٰ کا فرمانا: فَاشْهَدُوْا، تو گواہ ہو جاؤ، یہ سوال و جواب صاف بتا رہا ہے کہ یہ کسی خاص موقع کی گفتگو ہے جو اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے مابین ہوئی۔ نہ یہ کہ ہر نبی سے اس کے دور میں دوسرے نبی کی مدد کا عہد لیا گیا۔

سوم: پھر حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء کرام علیہم السلام سے خواہ وہ حضرت آدم علیہ السلام ہوں یا ان کے اولاد میں سے کوئی نبی ہو، یہ عہد لیا کہ اگر وہ دنیا میں موجود ہو اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کر دیا جائے تو وہ ضرور آپ پر ایمان لائے گا اور آپ کی مدد کرے گا اور ہر نبی سے کہا گیا کہ وہ اپنی قوم سے عہد لے کہ اگر وہ آپ کا زمانہ پائیں تو آپ پر ایمان لائیں پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہی آیت مبارکہ پڑھی: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ

قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَاؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ﴿۸۱﴾ (تفسیر ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۳۶)

حضرت سدی تابعی رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ والے الفاظ کہے۔
(تفسیر ابن ابی حاتم جلد دوم صفحہ ۳۷ ۳ مطبوعہ سعودی عرب)

تفسیر ابن ابی حاتم کے حاشیہ پر جامعہ ام القریٰ مکہ کے استاذ ڈاکٹر حکمت بشیر یاسین نے لکھا ہے کہ اس روایت کی سند حسن ہے۔ امام بغوی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مشہور تابعی طاؤس سے بھی یہی مفہوم روایت کیا ہے۔
(تفسیر بغوی جلد اول صفحہ ۳۷ ۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اسی لیے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا واللہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام تمہارے درمیان زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۶۶)

چہارم: امام احمد بن محمد قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ نے روایت ذکر کی ہے کہ جب ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو پیدا کیا گیا تو اسے حکم ہوا کہ انوار انبیاء (ارواح انبیاء) کی طرف نظر کرے۔ تو آپ کے نور نے ان سب انوار کو ڈھانپ لیا۔ وہ کہنے لگے ہمیں کس کے نور نے ڈھانپ لیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هذا نور محمد بن عبد الله یہ حضرت محمد بن عبداللہ کا نور ہے۔ اگر تم ان پر ایمان لاؤ گے تو تمہیں نبوت ملے گی۔ سب انبیاء نے کہا ہم ان کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے کہا گواہ رہو اور میں بھی اس پر گواہ ہوں اور یہ آیت اسی بارہ میں ہے: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗؕ قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَاؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ﴿۸۱﴾
(مواہب لدنیہ جلد اول مقصد اول صفحہ ۶۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

اسی طرح امام بغوی لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ کے تحت فرماتے ہیں:

يقول الله تعالى للانبياء حين استخرج الذرية من صلب آدم علیہ السلام والانبياء فيهم كالمصابيح والسرج واخذ عليهم الميثاق في امر محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

جب صلبِ آدم علیہ السلام سے ان کی ساری ذریت نکالی گئی تو اس وقت ارواح انبیاء کرام علیہم السلام انوار کی طرح چمک رہی تھیں۔ اسی وقت ان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ میں یہ عہد لیا گیا۔ (تفسیر معالم التنزیل للبغوی جلد اول صفحہ ۳۷۴)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے انبیاء کرام تم دنیا میں نائبین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو جب آپ دنیا میں تشریف لے آئیں تو تم سب ان کے مقتدی بن جاؤ اور آپ امام ہو جائیں کیونکہ نائب اسی وقت تک مصلی امامت پر کھڑا ہوتا ہے جب اصل امام موجود نہ ہو۔

میثاقِ انبیاء کرام علیہم السلام کی تکمیل کیسے کروائی گئی

یاد رہے! اس آیت کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام سے نصرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عہد لیا تو اس عہد کی تکمیل کے لیے اللہ رب العزت نے تین طرح تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کروائی۔

اول: شب معراج تمام انبیاء کو آپ کے پیچھے کھڑا کیا۔ اور لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ والا وعدہ پورا کروایا۔

دوم: پھر حجۃ الوداع پر تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیادت میں حج ادا کیا، جیسا کہ بخاری و مسلم کی احادیث اس پہ دلالت کرتی ہیں۔

سوم: علاوہ ازیں انبیاء سابقین میں سے آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا اور وہ قرب قیامت میں اتر کر تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نمائندگی کرتے ہوئے آپ کی امت میں شامل ہونگے۔ امام مہدی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو دنیا پر غالب کر کے آپ کی مدد کریں گے۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب حیات ابن مریم میں دیکھیں۔

تمام انبیاء کا نور، نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مُقْتَبَس ہے

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے سردار ہیں، سب انبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کا اعلان کیا کرتے تھے کہ اے لوگو اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پاؤ تو ان پہ ایمان لاؤ اور ان کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ، گویا تمام انبیاء علیہم السلام نبوت کے ستارے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آفتاب نبوت ہیں۔

دیکھیے ستارے رات کو چمکتے ہیں۔ اس وقت آفتاب زیر افق ہوتا ہے اور ستاروں کو چمکاتا ہے گویا ان میں آفتاب ہی کا نور چمکتا ہے اور جب آفتاب طلوع کر آئے تو ستارے چھپ جاتے ہیں۔ انبیاء سابقین بھی نجوم ہدایت بن کر آفتاب محمدی کے نور سے روشنی حاصل کر کے دنیا میں پھیلاتے تھے۔ پھر جب آفتاب محمدی طلوع ہو کر آیا تو سب انوار چھپ گئے۔ یوں ہی سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے تمام انبیاء علیہم السلام کی شرائع منسوخ ہو گئیں۔

آپ نبی الانبیاء ہیں سب انبیاء آپ کے امتی ہیں

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں جب ہر نبی سے آپ کی اتباع کا عہد لیا گیا تو معلوم ہوا آپ نبی الانبیاء ہیں۔ (مواھب لدنیہ جلد اول صفحہ ۶۷)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام سبکی نے فرمایا سب انبیاء کرام علیہم السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے ہیں۔
(خصائص کبریٰ جلد اول صفحہ ۴ مطبوعہ دار الکتاب العربی)

یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کی نبوت عالم گیر ہے۔ دیکھیے انبیاء کرام علیہم السلام دنیا کے مختلف علاقوں میں آئے اور ہر نبی سے کہا گیا اگر آپ تشریف لے آئیں تو وہ آپ کی اتباع کرے۔ معلوم ہوا آپ کا دائرہ نبوت تمام اطراف عالم کو محیط ہے۔

[107] جب تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو اتباع مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم دیا گیا تو منشاء الٰہی ہوا کہ محبوب کا ذکر مزید بڑھایا جائے تو کہا اے انبیاء کیا تم نے یہ اقرار کر لیا اور میرا عہد مضبوط تھام لیا؟ سب انبیاء نے کہا ہم اقرار کرتے ہیں یعنی عہد کرتے ہیں کہ اگر ہم میں سے کسی کی موجودگی میں محمد مصطفیٰ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو وہ آپ پر ایمان لائے گا اور آپ کی مدد کرے گا۔ یعنی پھر وہ اپنی نبوت کی دعوت نہ دے گا بلکہ آپ کا امتی بن کر آپ کا دین پھیلائے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے انبیاء اس پہ گواہ ہو جاؤ اور میں بھی اس پر گواہ ہوں یعنی آپ کے سید الانبیاء ہونے پر سارے انبیاء گواہ ہیں اور ایک گواہی مجھ رب العالمین کی بھی شامل کر لو۔

محفل میلاد کا انعقاد بقولِ قرآن کریم سنتِ خدا ہے

دیکھیے اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح انبیاء کرام علیہم السلام کو جمع کر کے ہمارے آقا و مولا نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری کا ذکر فرمایا۔ یہی محفل میلاد کی حقیقت ہے۔ قربان جائیں یہ کیسی محفل میلاد تھی جس میں سامعین مجمع انبیاء تھا اور خطیب خود اللہ جل وعلا تھا اور خطبہ کا موضوع آمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا۔ ہم محفل میلاد کرتے ہیں تو اس کی رپورٹ ہمارے دوست احباب یا اخبار وغیرہ کرتے ہیں جب اللہ رب العزت نے محفل میلاد کی تو رپورٹ قرآن نے بیان کی۔ سبحان اللہ! صرف فرق یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا تھا کہ آپ تشریف لانے والے ہیں، ثُمَّ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ ؕ اور ہم محفل میلاد میں کہتے ہیں کہ آپ تشریف لے آئے ہیں۔ گویا زمانہ بدلنے سے الفاظ بدل گئے ہیں۔ مضمون وہی چل رہا ہے جو رب العالمین نے پہلی محفل میلاد میں شروع کیا تھا۔

محفلِ میلاد کا انعقاد بقولِ قرآن سنتِ انبیاء کرام علیہم السلام ہے

جب اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیاء سے عہد لیا کہ اگر ان میں سے کسی کی موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئیں تو وہ آپ کی اتباع اور مدد کرے گا تو ہر نبی اپنی قوم میں اعلان کیا کرتا تھا کہ اگر تم اس رسول معظم کا زمانہ پاؤ تو ضرور اس پہ ایمان لانا، اس طرح ہر نبی میلاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انعقاد کرتا تھا، یعنی ایسی محفل جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری کا ذکر خیر کیا جائے، اسی لیے تورات وانجیل میں انبیاء کرام علیہم السلام کی بشارات دربارۂ آمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج بھی موجود ہیں اور حدیث وسیرت کی کتب میں ایسی کثیر روایات ہیں جن میں انبیاء کرام علیہم السلام کا نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری کا ذکر خیر کرنا مذکور ہے، ان میں سے ایک کا بیان خود قرآن پاک میں بھی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذۡ قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ يٰبَنِىۡۤ اِسۡرٰٓءِيۡلَ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوۡرٰٮةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ يَّاۡتِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِى اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ ؕ اور یاد کرو جب عیسیٰ ابن مریم نے (اپنی قوم کے اجتماع یا محفل میں) فرمایا: اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، میں اس کتاب کی تصدیق کرتا ہوں جو مجھ سے

قبل نازل ہوئی یعنی تورات اور اس رسول گرامی کی بشارت سناتا ہوں جو میرے بعد آرہے ہیں ان کا اسم گرامی احمد (ﷺ) ہے۔ (صف،٦)

معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھری محفل میں رسول اللہ ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری کا ذکر فرمایا کہ وہ میرے بعد تشریف لا رہے ہیں اور ہم اہل ایمان آج جو محفل میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا انعقاد کرتے ہیں اس میں کہتے ہیں کہ وہ رسول گرامی ﷺ تشریف لے آئے ہیں اور اس طرح کی نعتیں پڑھی جاتی ہیں کہ مومنوں خوشیاں مناؤ کملی والا آ گیا، گویا زمانہ کے بدلنے سے الفاظ بدل گئے ہیں مگر مضمون ہماری قائم کردہ محفل میلاد میں بھی وہی بیان ہوتا ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام اپنی محافل میں بیان کیا کرتے تھے، تو الحمد للہ محفل میلاد النبی ﷺ کی صورت میں ہم اہل ایمان سنتِ انبیاء کرام علیہم السلام پہ عمل کرتے ہیں۔

اسی طرح تورات میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں کھڑے ہو کر فرمایا:

''اور خداوند نے مجھ سے کہا ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں، میں ان کے لیے (بنی اسرائیل کے لیے) انہی کے بھائیوں میں سے (بنی اسماعیل میں سے) تیری مانند (موسیٰ علیہ السلام کی مانند) ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔'' (تورات کتاب استثناء باب ۱۸ آیت ۱۸ صفحہ ۱۸۵)

اور بنی اسماعیل میں سے رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی نبی نہیں آیا، گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں محفل میلاد مصطفیٰ ﷺ قائم کی اور آمد رسول ﷺ کا ذکر خیر کیا۔

محفل میلاد کا انعقاد خود رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے

محفل میلاد النبی ﷺ کیا ہے؟ یہ ہم پہلے بتا چکے کہ اہل اسلام ماہ ربیع الاول میں خصوصاً اور سارا سال عموماً ایسی محافل منعقد کرتے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی اس دنیا میں جلوہ گری اور تشریف آوری کا ذکر خیر ہوتا ہے، آپ کا نسب پاک، آپ کی ولادت باسعادت، آپ کا بچپن، جوانی، اعلان نبوت، معجزات اور فضائل ومناقب کا بیان ہوتا ہے۔

اور ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ولادت، اپنا نسب اور اپنے فضائل کو محافل میں لوگوں کے سامنے خود بیان فرمایا کرتے تھے، اس بارہ میں چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

:انی عبد الله خاتم النبيين وان آدم لمنجدل فی طینته وسأنبّئکم باول ذالك دعوة ابی ابراهيم وبشارة عيسى ورؤيا امی التی رأت وكذالك امهات النبيين يرين، وان ام رسول الله ﷺ رأت حين وضعته نورا اضاءت له قصور الشام۔

بیشک میں اللہ کا بندہ ہوں اور تب سے خاتم النبیین ہوں جب آدم علیہ السلام کی مٹی ابھی گوندھی جارہی تھی اور میں تمہیں اپنے معاملہ کی ابتداء بتاتا ہوں، وہ میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعاء ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہے اور میری والدہ کو دکھایا جانے والا وہ منظر ہے جو انہوں نے دیکھا اور ایسے ہی سب انبیاء کی مائیں دیکھتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے جب آپ کو جنا تو وہ نور دیکھا جس میں ان کے لیے شام کے محلات روشن ہوگئے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۲۷)

اس حدیث کو بزار، طبرانی حاکم اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

(الخصائص جلد اول صفحہ ۴۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

اس حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محفل صحابہ میں اپنی ولادت، اپنی تخلیق اور اپنے فضائل کا ذکر فرمایا۔ یہی باتیں آج ہم محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بیان کرتے ہیں، تو کیا شک ہے کہ یہ سلسلہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شروع کیا ہوا ہے، مزید دیکھیں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مِن کرامتی علی ربی انی وُلِدتُ مختوناً ولم یر احد سوآتی۔

یہ اللہ کے ہاں میری عزت ہے کہ میں ختنہ شدہ پیدا ہوا اور کسی شخص نے میری جائے ستر نہ دیکھی۔ (طبرانی کبیر جلد ۴ صفحہ ۳۲۲ حدیث ۶۱۴۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) کیا اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محفل صحابہ میں اپنی ولادت کا ذکر خیر نہیں فرما رہے؟

حضرت ابوجعفاء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

رأت امی حین وضعتنی سطح منہا نور اضائت لہا قصور بصریٰ، میری والدہ نے جب مجھے جنا تو ان سے وہ نور پیدا ہوا جس سے ان پہ بصریٰ (شام) کے محلات روشن ہوگئے۔

(الخصائص الکبریٰ بروایت ابن سعد جلد اول صفحہ ۶۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

حضرت خریم بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کی تو آپ اس وقت غزوہ تبوک سے واپس آئے تھے، میں نے سنا اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ: انی ارید ان امدحك، میں آپ کی مدح میں اشعار کہنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا: قل لا یفضض اللہ فاك، کہو اللہ تمہارے منہ کو ہمیشہ سلامت رکھے، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اشعار کہے، جن میں سے آخری دو اشعار یہ ہیں۔ ؎

وانت لما وُلدتَ اشرقت الارضُ واضاءتْ بنورك الافق

فنحن فی ذالك الضیاء وفی النور وسبلُ الرشاد تخترق

یعنی اے پیارے آقا ﷺ جب آپ کی ولادت باسعادت ہوئی تو زمین چمک اٹھی اور آپ کے نور سے سارے افق روشن ہوگئے۔ تو ہم اسی روشنی اور نور میں چل رہے ہیں اور ہدایت کے راستے کھلتے جارہے ہیں۔

(الخصائص الکبریٰ للسیوطی بروایت حاکم وطبرانی جلد اول صفحہ ۳۶ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

معلوم ہوا کہ حضور سرور کونین ﷺ کے سامنے محفل میں آپ کی ولادت مبارکہ کے بارہ میں قصیدہ پڑھا گیا آقا ﷺ نے دعا دی، آج ہم اہل اسلام جب محافل میلاد النبی ﷺ میں آپ کی ولادت باسعادت کے بارہ میں قصائد پڑھتے ہیں تو الحمد للہ وہی کام کرتے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے سامنے کیا کرتے تھے اور آپ خوش ہوتے تھے۔ ان شاء اللہ آقا کریم ﷺ کی نظر کرم ہم پہ بھی ضرور ہوگی۔

مفسر کے قلم سے جوازِ جشن میلاد النبی ﷺ پہ خوبصورت نظم

اس جگہ میں نے جشن میلاد النبی ﷺ منانے کے جواز کے جو دلائل ہیں ان میں سے بعض کو ایک نظم میں قلم بند کیا ہے۔ یہ ایک خوب صورت نعت شریف ہے جسے محافل میلاد النبی ﷺ میں پڑھا جاتا ہے اور لوگ اسے سن کر جھومتے ہیں، تو میں نے عرض کیا ہے۔؎

اہل ایماں کی علامت جشن میلاد النبی ﷺ — سرورِ دیں کی محبت جشن میلاد النبی ﷺ

دی بشارت ان کی رب نے انبیاء کی بزم میں — حق تعالیٰ کی ہے سنت جشن میلاد النبی ﷺ

ہر نبی نے دی بشارت انکی اپنی قوم میں — انبیاء کی ہے عقیدت جشن میلاد النبی ﷺ

محفل ذکر ولادت خود نبی نے کی بپا — ہے یہ خود آقا کی چاہت جشن میلاد النبی ﷺ

سب جہاں میلاد پہ خوش تھا سوا ابلیس کے — بہرِ شیطاں ہے مصیبت جشن میلاد النبی ﷺ

پڑھتے ہیں پیش نبی عباس میلادِ رسول — ہے صحابہ کی محبت جشن میلاد النبی ﷺ

ساعتِ میثاق سے جاری ہے یہ ذکرِ نبی — اور رہے گا تا قیامت جشن میلاد النبی ﷺ

اس کو جاری رکھیں گے طیبؔ ہمیشہ کے لیے — تا قیامت اہلِ سنت جشن میلاد النبی ﷺ

[108] یعنی اے یہود ونصاریٰ جب سارے انبیاء آپ کی اتباع کا عہد کرچکے تو اب جو شخص آپ کی نبوت سے منہ پھیرے تو ایسے ہی لوگ بدکردار ہیں۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ اے انبیاء جس نے تم میں سے اس عہد سے منہ موڑا وہ فاسق ہے۔ جب اس آیت کی بہتر تفسیر موجود ہے تو فَاسِقُوْنَ جیسے الفاظ کا رخ انبیاء کی طرف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا
تو کیا وہ اللہ کے دین کے سوا کچھ چاہتے ہیں جبکہ اللہ ہی کے آگے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز نے خوشی و ناخوشی سر جھکا رکھا ہے
وَّكَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ
اور اسی کی طرف وہ لوٹائے جائیں گے۔[109] آپ فرمادیں ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر
عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَاۤ اُوْتِىَ
اتارا گیا اور جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب علیہم السلام اور (یعقوب کی بارہ) نسلوں پر اتارا گیا [110] اور جو موسیٰ
مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ
و عیسیٰ اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کو دیا گیا ہم ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے
وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾
اور ہم اسی کے آگے سر جھکاتے ہیں۔[111]

[109] امام رازی فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب سارے انبیاء اتباع رسول ﷺ کا عہد کر چکے تو اب اہل کتاب آپ کے لائے ہوئے دین کے سوا کوئی دین کیوں چاہتے ہیں جب آسمان و زمین کی ہر چیز خوشی ناخوشی اللہ کے آگے سر جھکاتی ہے تو علماء یہود و نصاریٰ کو بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکا دینا اور اس کے رسول پر ایمان لانا چاہیے۔

ہر چیز کا خوشی ناخوشی اللہ رب العزت کے آگے سر جھکانا یہ ہے کہ ہر چیز اللہ کے حکم سے معرض وجود میں آتی اور اسی کے حکم سے فنا ہوتی ہے۔ یہ معنی بھی ہے کہ انسان اکثر و بیشتر مصائب سے دو چار ہوتا ہے پھر اللہ کے مطیع بندے تو خوشی سے ہر تقدیر پر سر تسلیم خم کرتے ہیں اور نافرمان بندے مجبوراً سر جھکاتے ہیں۔

یا یہ کہ کچھ مخلوق اللہ کے آگے اپنی مرضی و ارادہ سے سر جھکاتی ہے جیسے انسان اور جن اور کچھ مخلوق بلا ارادہ جیسے جمادات نباتات وغیرہ بلکہ ملائکہ کی عبادات بھی اختیاری نہیں، اضطراری ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کا یہ معنی کیا کہ مومن تو اللہ کے حکم پہ خوشی سے سر جھکاتا یعنی ایمان لے آتا ہے تو اسے اس کا ایمان نفع دیتا ہے اور کافر جب اللہ کا عذاب (موت) دیکھ لیتا ہے تب سر جھکاتا ہے اور ایمان لاتا ہے مگر اس وقت اس کا ایمان اسے نفع نہیں دیتا۔ (درمنثور)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس غلام، جانور یا بچے کا اخلاق اچھا نہ ہو (نافرمان ہو) اس کے کان میں یہ آیت پڑھو: اَفَغَيۡرَ دِيۡنِ اللّٰهِ يَبۡغُوۡنَ وَلَهٗۤ اَسۡلَمَ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّكَرۡهًا وَّاِلَيۡهِ يُرۡجَعُوۡنَ۝۸۳ تو وہ باذن اللہ مطیع ہو جائے گا۔'' (طبرانی اوسط)

[110] جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کرام علیہم السلام کے مصدق (تصدیق کرنے والے) ٹھہرے تو آپ کو حکم ہوا کہ یوں فرمائیں ہم سب انبیاء کے فضائل پہ ایمان رکھتے ہیں اَسۡبَاطِ سے وہ بارہ نسلیں مراد ہیں جو یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں سے چلیں۔ یعنی ان نسلوں سے آنے والے انبیاء پر جو کچھ اتارا گیا ہم اس سب پہ ایمان لاتے ہیں۔

[111] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ ہم موسیٰ وعیسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو دیئے جانے والے سب معجزات پر ایمان رکھتے ہیں۔ موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کا نام خصوصاً اس لیے لیا گیا تا کہ یہود ونصاریٰ کان دھریں۔

مرزا قادیانی کا معجزات عیسیٰ علیہ السلام کو مکر وفریب قرار دینا (معاذ اللہ)

معلوم ہوا مرزا قادیانی معجزات عیسیٰ علیہ السلام سے انکار کرنے کے باعث کافر ہے کیونکہ وَمَاۤ اُوۡتِىَ مُوۡسٰى وَعِيۡسٰى وَالنَّبِيُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّهِمۡ میں معجزات عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہوا اور دوسری جگہ وَاُبۡرِئُ الۡاَكۡمَهَ وَالۡاَبۡرَصَ وَاُحۡىِ الۡمَوۡتٰى بِاِذۡنِ اللّٰهِ (آل عمران:۴۹) میں ان معجزات کی صراحت کی گئی۔

مگر مرزا قادیانی نے کہا:

''حق یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔ ممکن ہے آپ نے معمولی تدبیر سے کسی شب کور کو (جسے رات میں کم نظر آتا ہے) اچھا کیا ہو یا کسی اور بیماری کا علاج کیا ہو مگر بدقسمتی سے اسی زمانہ میں ایک تالاب بھی موجود تھا جس سے بڑے بڑے نشانات ظاہر ہوتے تھے، آپ بھی اس تالاب کی مٹی استعمال کرتے ہوں گے، اگر آپ سے کوئی معجزہ بھی ظاہر ہوا تو وہ معجزہ آپ کا نہیں اسی تالاب کا ہے اور آپ کے ہاتھ میں سوا مکر وفریب کے کچھ نہیں ہے'' (معاذ اللہ)

(انجام آتھم صفحہ ۲۹۱ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۱ مطبوعہ لندن)

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ

اور جو شخص اسلام کے سوا دوسرا دین حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کی طرف سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا

خسارہ والوں میں سے ہے۔[112] اللہ ایسی قوم کو کیسے ہدایت دے گا جو ایمان کے بعد کافر ہو گئے اور وہ یہ گواہی دے چکے

اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

کہ رسول ﷺ سچے ہیں اور ان کے پاس واضح نشانیاں آگئیں اور اللہ ظالم قوم کو

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ

ہدایت نہیں دیتا۔[113] ان لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ اور فرشتوں

وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا

اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔[114] وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ان سے کبھی عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ انہیں

هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ

مہلت دی جائے گی۔[115] سوا ان کے جو اس کے بعد توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔[116]

دین اسلام ہی ذریعہ نجات ہے

[112] یعنی جب کائنات ارضی وسماوی کی ہر چیز اللہ رب العزت کے آگے سر جھکاتی ہے تو ہر چیز کا دین اسلام ہی ٹھہرا، کیونکہ اسلام کا معنی ہی اللہ کے حضور سر جھکانا ہے لہٰذا اسلام کے خلاف جس نے کوئی دین ڈھونڈا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہ کیا جائے گا۔

[113] یعنی جو لوگ ایمان لانے اور نبوت محمدیہ کی تصدیق کرنے کے بعد پھر ہوائے نفس کے اکسانے سے کافر ہو گئے

اور وہ معجزات محمدیہ بھی دیکھ چکے ہیں تو ایسے لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ پھر انہیں ہدایت نہیں دی جاتی۔

[114] ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ اور فرشتے اور سب انسان لعنت کرتے ہیں۔ اللہ کی لعنت یہ ہے کہ وہ دنیا میں انہیں ان کی انہی ضد بازیوں کے باعث ہدایت سے دور کر دیتا ہے اور آخرت میں جہنم میں ڈالے گا اور فرشتوں کی لعنت یہ ہے کہ وہ ان کی صرف برائیاں لکھتے ہیں نیکیاں نہیں کیونکہ ان کی نیکیاں مردود ہیں اور آخرت میں انہیں عذاب دیں گے اور انسانوں کی لعنت یہ ہے کہ مسلمان کہتے ہیں کافروں پر لعنت اور خود کفار بھی خود کو کفار نہ سمجھتے ہوئے کہتے ہیں کہ کفار پر لعنت ہو۔ اور جہنم میں جب سارے کفار جائیں گے تو انکی ہر پچھلی نسل پہلی نسل پر لعنت کرے گی کہ ان کے سبب وہ جہنم میں ہمیشہ کیلئے آئے۔ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ط (اعراف:۳۸)

[115] کفار سے کبھی عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا جبکہ مومنین کے مرنے کے بعد لوگ ان کے لیے ایصال ثواب کرتے رہتے ہیں جس سے ان کے عذاب میں تخفیف یا درجات میں بلندی ہوتی رہتی ہے مگر کفار کے لیے ایسا نہیں ہے اور نہ ہی ان کے عذاب میں کبھی کوئی وقفہ ہوگا۔

[116] ہاں جو لوگ دین اسلام چھوڑ دینے کے بعد پھر سچی توبہ کر کے واپس آ جائیں اور باقاعدہ اپنی اصلاح کر لیں یعنی ان کا کردار واضح کر دے کہ وہ سچے طور پر واپس آئے ہیں تو اللہ بخشنے والا ہے وہ ان کے دین سے پھر جانے کا گناہ معاف فرما دے گا مگر ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں جو اسلام سے نکلنے کے بعد واپس آئیں عموماً ایسا نہیں ہوتا اسی لیے فرمایا گیا: كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ (آل عمران،۸۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مرکزِ دین ہے

وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ سے واضح ہوا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا ہی کفر و اسلام کے مابین وجہ امتیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اہل کتاب بھی مانتے ہیں، ہندو سکھ بھی مانتے ہیں، سب نے اس کے لیے الگ الگ نام بنا رکھے ہیں، تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ماننا ہی مومن اور کافر میں تمیز کرتا ہے۔

توبہ سے کفر بھی معاف ہو جاتا ہے

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا کے الفاظ بتاتے ہیں کہ سچی توبہ کفر کو بھی مٹا دیتی ہے تو باقی گناہوں کا ماجرا ہی کیا ہے وہ توبہ سے کیوں معاف نہ ہوں گے۔ لہٰذا مومن کو توبہ کی طرف متوجہ رہنا چاہیے اور اس میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

ختمِ نبوت

وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ سے معلوم ہوا کہ امت محمدیہ کے لیے ایک ہی رسول ہے اور انہی پہ ایمان لانے والے کو اللہ تعالیٰ مومن قرار دے رہا ہے، یعنی قرآنِ مجید کے مخاطبین کے لیے تا قیامت ایک ہی رسول ہے جس پہ ایمان لانا کفر وایمان کے درمیان وجہ امتیاز ہے۔ پھر الرسول اسم معرفہ ہے جو ایک ہی ذات پہ بولا جا سکتا ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ ہے، لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کو رسول ماننا قرآن مجید سے صریح انکار ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ
بے شک جنہوں نے ایمان کے بعد کفر کیا پھر وہ کفر میں بڑھ گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۝٩٠ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ
اور وہ گمراہ ہیں۔ [117] بے شک جو لوگ کفر کریں اور کافر ہی مر جائیں تو ان میں سے کسی سے
يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ
یہ بھی قبول نہ کیا جائے گا کہ وہ زمین سونے سے بھر دے اور خواہ اپنے بدلے اسے دے دے، ان لوگوں کے لئے
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝٩١ ع
دردناک عذاب ہے اور ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوں گے۔[118]

[117] یعنی جو لوگ ایمان کے بعد کفر کریں پھر کفر میں اتنا بڑھ جائیں کہ موت کا فرشتہ آ جائے تب وہ توبہ کر کے ایمان لانا چاہیں تو ان کی توبہ قبول نہ کی جائے گی۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ یعنی ''ان لوگوں کے لیے توبہ نہیں ہے جو برے اعمال کریں (کفریات بکیں) حتی کہ ان میں سے کسی کو موت آ جائے تو پھر وہ کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ ہی ان کے لیے توبہ ہے جو کفر ہی پہ مر جائیں۔'' (نساء:۱۸) اور مرتے ہوئے ہر کافر توبہ کرتا ہے۔ مگر وہ توبہ قبول نہیں کی جاتی جیسے فرعون نے بھی مرتے ہوئے کہا:

اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. یعنی ''میں ایمان لاتا ہوں کہ اس رب کے سوا کوئی معبود نہیں جس پہ بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔'' (یونس:۹۰) مگر اس وقت فرعون کی توبہ قبول نہ کی گئی اور اس ایمان کو بھی معتبر نہ جانا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایمان

بالغیب کا اعتبار ہے، اسی لیے فرمایا گیا: الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ یعنی متقین وہ ہیں جو غیب پہ ایمان رکھتے ہیں اور جب انسان کی جان لینے فرشتۂ موت آجاتا ہے اس وقت اس پر غیب کی چیزیں منکشف ہو جاتی ہیں، یعنی اسے جنت دوزخ فرشتے شیاطین وغیرہ نظر آجاتا ہے۔ اس وقت اس کا ایمان لانا ایمان بالغیب نہیں رہتا، کیونکہ جب آنکھوں سے اگلا جہان دیکھ لیا تو پھر ایمان لانا کیا کمال ہے، کمال تو یہ ہے کہ بن دیکھے اللہ اور اس کے رسول کے کہنے پہ ایمان لایا جائے۔

[118] گزشتہ آیت میں ان لوگوں کا حال مذکور ہوا جو قریب الموت ہو کر ایمان لاتے ہیں، اب فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ کفر ہی پر مر گئے خواہ وہ شروع ہی سے کافر تھے یا ایمان کے بعد کافر ہوئے وہ اگر بالفرض روز قیامت ساری زمین سونے سے بھر کر دینا چاہیں تا کہ انہیں یہ سونا لے کر چھوڑ دیا جائے تو انہیں چھوڑا نہ جائے گا کیونکہ کفر پہ مرنے والے کے لیے کوئی بخشش نہیں۔

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَىۡءٍ

تم نیکی کا اعلیٰ درجہ نہیں پا سکتے تاوقتیکہ وہ چیز (راہ خدا میں) خرچ کرو جو تم اپنے لیے پسند رکھتے ہو۔[119] اور تم جو چیز بھی (اللہ کے لیے)

فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۹۲﴾

خرچ کرو تو اللہ اسے جانتا ہے۔[120]

نیکی کا اعلیٰ درجہ، راہِ خدا میں پسندیدہ چیز دینا

[119] اس سے قبل والی آیت میں کفار کے بارے میں کہا گیا کہ ان کی کوئی نیکی قبول نہیں خواہ وہ ساری زمین سونے سے بھر کر دے دیں، اب مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ جب تمہاری ہر نیکی مقبول ہے تو اس کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ جو چیز تم اپنے لئے پسند رکھتے ہو اسے ہی راہِ خدا میں خرچ کرو، دوسری جگہ فرمایا گیا: وَلَا تَيَمَّمُوا الۡخَبِيۡثَ مِنۡهُ تُنۡفِقُوۡنَ وَلَسۡتُمۡ بِاٰخِذِيۡهِ اِلَّاۤ اَنۡ تُغۡمِضُوۡا فِيۡهِ ؕ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيۡدٌ ﴿۲۶۷﴾ ''کہ تم راہ خدا میں ایسی ردی چیز دینے کا ارادہ نہ کرو کہ تم خود اسے اپنے لئے نہ لو گے سوا اس کے چشم پوشی کر جاؤ اور جان لو کہ اللہ بے پرواہ لائق حمد ہے۔'' (بقرہ:۲۶۷)

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ الخ کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ جو چیز تمہاری اپنی ضرورت کی ہے تم اپنی ضرورت کو پس پشت ڈال کر اسے راہِ خدا میں دو تو تم اعلیٰ نیکی پا سکتے ہو جیسے فرمایا گیا: وَيُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ وَلَوۡ كَانَ بِهِمۡ خَصَاصَةٌ ؕ ''وہ لوگ اپنے بھائیوں کو خود پر ترجیح دیتے ہیں خواہ خود کتنے ہی فقر و فاقہ میں ہوں۔'' (حشر:۹) لہٰذا اَلۡبِرَّ سے مراد البر الکامل ہے یعنی نیکی کا اعلیٰ درجہ تب ہی مل سکتا ہے جب اپنی پسندیدہ چیز راہ خدا میں دی جائے۔ تو اگر کوئی امیر شخص اپنے معیار سے کم تر چیز راہِ خدا میں دیتا ہے جبکہ غرباء کے لئے وہ مفید ہے تو اگرچہ یہ بھی نیکی ہے اسے ثواب مل جائے گا مگر یہ اعلیٰ نیکی نہیں۔

اس آیت کے نزول پہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمانی جوش وخروش

جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا جوش و جذبہ قابل دید تھا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا سب سے قیمتی باغ راہ خدا میں خرچ کر دیا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ آل عمران) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے دیکھا تو انہیں اپنی سب سے پسندیدہ چیز رومی لونڈی مرجانہ نظر آئی، انہوں نے اسے آزاد کر دیا۔ (درمنثور)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے پاس نہایت قیمتی گھوڑا تھا جو انہیں اپنے سب مال سے پسندتر تھا وہ انہوں نے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کر دیا۔ (ابن جریر)

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ان دنوں خیبر میں زمین ملی تھی اس سے نفیس تر مال انہیں کبھی نہ ملا تھا۔ انہوں نے اسے راہِ خدا میں وقف کر دیا کہ اس کی آمدن غرباء و مسافرین پر خرچ کی جائے گی۔ (بخاری کتاب الشروط) اس میں یہ درس ہدایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جذبہ اطاعت خدا و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ اپنا سب مال سب گھر بار قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم فرمایا ہوتا کہ آپ کے بعد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ و امام بنانا ہے تو ناممکن تھا کہ وہ اس کی تکمیل نہ کرتے اور کسی دوسرے شخص کو خلیفہ چن لیتے، اہل تشیع اس بات کو کیوں نہیں سمجھنا چاہتے؟

[120] یعنی اعلیٰ نیکی تو یہی ہے کہ اپنی پسندیدہ چیز راہ خدا میں دی جائے لیکن جو چیز بھی راہ خدا میں دو خواہ اپنی پسندیدہ ہو یا نہ، بہر حال وہ قبول ہے اور اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى

ہر قسم کا طعام بنی اسرائیل کے لیے (ابتداء میں) حلال تھا سوا اس کے جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے

نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ

اپنے اوپر حرام کیا تورات کے نازل ہونے سے قبل۔ [121] آپ فرمائیں تم تورات لاؤ پھر اسے پڑھو

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ

اگر تم سچے ہو (کہ یہ تورات میں لکھا ہے۔) [122] تو جس نے اس کے بعد اللہ پر جھوٹ باندھا

ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۗ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ

وقف جبریل علیہ السلام

تو وہ لوگ ظالم ہیں۔ [123] آپ فرما دیں اللہ کا فرمان سچا ہے تو تم دین ابراہیم علیہ السلام کی

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

پیروی کرو جو ہر باطل سے دور تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔ [124]

یہود کے ایک جھوٹ پہ اللہ تعالیٰ کی گرفت

[121] یہود اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ حرام سمجھتے ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہاں کے یہود نے مسلمانوں کو اونٹ کا گوشت اور دودھ استعمال کرتے دیکھ کر اعتراض کیا اور کہا تم لوگ خود کو ملت ابراہیم علیہ السلام پر قرار

دیتے ہو حالانکہ ابراہیم علیہ السلام تو یہ چیزیں حرام جانتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہرگز حرام نہ تھیں یہود کہنے لگے یہ چیزیں تو زمانہ نوح علیہ السلام سے حرام چلی آرہی ہیں۔تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیات نازل فرمائیں۔(تفسیر بغوی جلد ا صفحہ ۳۸۰)

یعنی اللہ جل شانہٗ نے فرمایا یہود پر تورات کے نزول سے قبل کوئی ایسی چیز جو انسانوں کے طعام میں شامل ہو حرام نہ تھی بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ جب یہود نے بچھڑے کی پرستش کی پھر کہا کہ جب تک ہم اللہ کو خود نہ دیکھ لیں تب تک موسیٰ علیہ السلام کی بات نہ مانگیں گے اور ان سے دیگر نافرمانیاں وقوع پذیر ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے تورات میں کئی عمدہ چیزیں ان پر بطور سزا حرام کر دیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے یہود پہ ہر ناخن دار جانور حرام کر دیا اور گائے اور بکری کی چربی حرام کر دی، یہ ہم نے انہیں انکی سرکشی کی سزا دی۔(انعام،۱۴۶)

یہود اپنے اس عیب کو چھپانے کے لئے کہتے ہیں کہ ان پر جو چیزیں حرام ہیں وہ زمانہ نوح علیہ السلام سے حرام چلی آرہی ہیں۔

آگے اللہ نے فرمایا: اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ۔ یعنی تورات کے نزول سے قبل یہود اگر کوئی چیز خود پر حرام سمجھتے تھے تو وہ وہ کھانا تھا جو اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) نے خود پر حرام کیا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہود نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا یعقوب علیہ السلام نے خود پر کیا چیز حرام کی تھی آپ نے فرمایا یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء (پٹھوں کے درد) کی شکایت ہوئی تو انہوں نے نذر مانی کہ وہ اپنی سب سے پسندیدہ غذا اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ رضاء الٰہی کے لئے خود پر حرام کرتے ہیں یہود نے کہا آپ نے سچ کہا ہے۔

(ترمذی کتاب التفسیر سورہ یوسف)

اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد نے اونٹ کا گوشت اور دودھ اپنے جد اعلیٰ کے احترام میں خود پر حرام کیا اللہ نے اسے ان پر حرام نہ کیا تھا۔

یاد رہے پہلی شرائع میں یہ دستور تھا اگر کوئی شخص یہ کہتا کہ میں فلاں چیز کو خود پہ حرام کرتا ہوں تو وہ چیز اس پہ مستقل حرام ہو جاتی تھی، جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام پر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام ہوا مگر ہماری شریعت میں ایسا نہیں ہے۔اگر کوئی شخص ایسی نذر مان لے تو اسے کفارہ دے دینا چاہیے۔

[122] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ یہود سے فرمائیں اگر تورات میں کہیں لکھا ہے کہ یہ چیزیں جو آج یہود حرام سمجھتے ہیں وہ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں حرام کی گئیں تو لاؤ تورات پیش کرو اور پڑھ کر سناؤ، مگر یہود کو جرأت نہ ہوئی کہ اس چیلنج کا جواب دیں۔اس کے برعکس تورات میں آج بھی لکھا ہے سب جیتے چلتے جانور تمہارے کھانے کے لئے ہیں میں نے نباتات کی طرح انہیں تمہیں دیا ہے۔(تورات کتاب پیدائش باب ۹ آیت ۳)

[123] اس کے باوجود اگر یہود اللہ رب العزت پر افتراء کرتے ہوئے کہیں کہ یہ چیزیں اللہ نے زمانہ نوح علیہ السلام میں

حرام کی تھیں تو وہ ظالم ہیں۔

[124] لہٰذا اللہ تعالیٰ کی بات ہی سچی ہے۔ تو اے اہل کتاب! تم ابراہیم علیہ السلام کی طرف غلط باتیں منسوب کرنے کی بجائے ان کے حقیقی دین پر چلو آپ ہر باطل نظریہ وعمل سے متنفر اور شرک سے دور تھے جبکہ تم نے اللہ کے لئے اولاد مان کر اور انبیاء کو خدا بنا کر شرک کا راستہ اپنا لیا ہے پھر تمہارا ابراہیم علیہ السلام سے کیا تعلق ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى
بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لیے بنایا گیا وہ ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے۔[125] وہ مبارک ہے اور تمام جہانوں کے لیے
لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٦﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ
ہدایت۔[126] اس گھر میں اللہ کی واضح نشانیاں ہیں جن میں سے ایک مقام ابراہیم ہے۔[127] اور جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ امن
اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ
پا لیتا ہے[128] اور اللہ کی رضا کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج لازم ہے، یعنی جو بھی اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو،
وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٧﴾
اور جو اس سے منہ موڑے تو اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔[129]

کعبۃ اللہ اور حج کی اہمیت

[125] یہود ونصاریٰ کو راہ حق دکھانے کے لئے فرمایا گیا کہ جس گھر کی طرف رخ کر کے اہل اسلام نماز پڑھتے اور اس کا حج کرتے ہیں یعنی کعبۃ اللہ جو مکہ میں ہے۔ اللہ رب العزت نے انسانوں کی عبادت کے لئے سب سے پہلے اسی کو زمین پر بنایا تھا۔ یہ تمام جہانوں کے لئے برکت وہدایت کا سبب ہے۔ امام جعفر صادق اپنے والد امام باقر سے روایت کرتے ہیں کہ جب فرشتوں نے کہا کہ انسان کو کیوں پیدا کیا جا رہا ہے وہ تو زمین پر فساد کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان پر غضبناک ہوا انہوں نے عرش الٰہی کی پناہ لی اور اس کے گرد سات طواف کئے تب اللہ رب العزت ان سے راضی ہوا اور فرمایا کہ تم زمین پر ایسا ہی گھر بناؤ کہ بنی آدم میں سے میں جس پر غضبناک ہوں گا وہ اس کی پناہ لے گا اور اس کے گرد طواف کرے گا جیسے تم نے عرش کا طواف کیا تو میں اس پر راضی ہو جاؤں گا۔ (تفسیر قرطبی جلد ۲ صفحہ ۱۲۱)

یاد رہے سب سے پہلے کعبۃ اللہ کو فرشتوں کے ذریعے زمین پر رکھا گیا پھر مختلف زمانوں میں اس کی تعمیر جدید ہوتی

رہی، مثلاً آدم علیہ السلام نے اس کی تعمیر کی، پھر طوفان نوح میں کعبۃ اللہ کے مسمار ہونے کے بعد ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں اس کی تعمیر کی گئی، کعبہ شریف کی تعمیر کب کب دہرائی گئی اس کی تفصیل ہم پیچھے وَاِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰھٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ (بقرہ، ۱۲۷) کے تحت لکھ آئے ہیں وہاں دیکھ لیں۔

[126] کعبہ شریف تمام جہانوں کے لئے یوں برکت وہدایت ہے کہ تمام دنیا سے اہل اسلام اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں تو ان کی نماز قبول ہوتی ہے اور مومن کی نماز تمام جہان کے لیے باعث برکت ہوتی ہے، پھر اہل ایمان تمام جہان سے کعبۃ اللہ کا طواف کرنے آتے ہیں تو ایک ایک قدم پہ انہیں اجر وثواب دیا جاتا ہے۔ وہاں کی ہر نماز بلکہ ہر نیکی کا اجر ایک لاکھ کے برابر ہے۔ جب عمرہ وحج کرنے والے احرام کھولتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں خصوصی نظر رحمت سے دیکھتا ہے، سر منڈوانے والے کو تین بار اور بال چھوٹے کروانے والے کو ایک بار۔ اس کے علاوہ جو شخص حج وعمرہ کا احرام باندھ کر تلبیہ کہتا ہے تو حدیث مبارکہ کے مطابق اس کے تلبیہ کے ساتھ اس کے دائیں بائیں کا ہر شجر وحجر تلبیہ کہتا ہے پھر انہیں سن کر اگلے شجر وحجر تلبیہ کہتے ہیں حتیٰ کہ آخری کناروں تک ساری زمین کی ہر چیز تلبیہ کہنے لگتی ہے تو اس لحاظ سے بھی کعبہ شریف تمام جہان کے لیے باعث برکت ہے۔

[127] کعبہ شریف میں اللہ رب العزت کی واضح نشانیاں ہیں جیسے زمزم، صفا ومروہ اور حجر اسود وغیرہ۔ ان نشانیوں میں سے ایک نشانی مقام ابراہیم بھی ہے یعنی وہ پتھر جس پر ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے تو اس میں ٹخنوں تک آپ کے قدم اتر گئے۔ اس پتھر کا کعبۃ اللہ کے پاس نصب ہونا اس چیز کی طرف اشارہ ہے کہ کعبۃ اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ ہے بلکہ روایات کے مطابق اس پتھر پہ کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو تعمیر کیا تھا۔ اگر یہود ونصاریٰ خود کو پیروان ابراہیم علیہ السلام سمجھتے ہیں تو انہیں آپ کے تعمیر کردہ بیت اللہ کی طرف رخ کرنے سے کیوں چڑ ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے جو شخص مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھے تو یہ پتھر روز قیامت اس کی شفاعت کرے گا اس مضمون کی احادیث ہم وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰھٖمَ۔ (بقرہ، ۱۲۵) کے تحت پیچھے لکھ آئے ہیں۔

مقبولانِ خدا کے تبرکات اللہ کی نشانیاں ہیں

معلوم ہوا بزرگوں کے تبرکات اللہ رب العزت کی نشانیاں ہوتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے فِیۡهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فرمایا، پھر اس کی مثال مقام ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ دے کر اس کا سب سے اہم تر نشانی خدا ہونا واضح کیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات کی حفاظت کرنی چاہیے یہ سنتِ الٰہیہ ہے۔ اگر نقشِ پائے خلیل اللہ کا یہ مقام ہے تو نقشِ پائے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مقام ہوگا۔

[128] یعنی اللہ رب العزت نے حدودِ حرم کعبہ کو جائے امن بنایا ہے، تا کہ یہاں اہلِ اسلام نہایت سکون واطمینان کے ساتھ عبادت خداوندی، طواف کعبہ اور دعا کر سکیں، اس علاقہ کے جائے امن ہونے کے متعدد معانی ہیں۔

حدودِ حرم کے جائے امن ہونے کے تین معانی

اول: اگر کوئی شخص ایسا گناہ کرلے جس کے بدلے اس پر حد یا قصاص لازم آتی ہو اور وہ سرزمین حرم کعبہ میں آ جائے تو وہ جب تک یہاں سے خود نہ نکل جائے تب تک اسے امن حاصل ہے، اسے کچھ نہ کہا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جو آدمی کوئی گناہ کرلے پھر حدِ حرم میں داخل ہو جائے تو اسے کچھ نہیں کہا جائے گا، البتہ کوئی شخص اس کے پاس نہ بیٹھے نہ اس سے لین دین کرے نہ اسے کچھ کھانے کو دیا جائے حتیٰ کہ وہ خود حرم سے باہر نکلے، تب اس پہ حکم شرعی نافذ کیا جائے۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد چہارم صفحہ ۱۰)

عبد بن حمید، ابن منذر وغیرھما نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں اپنے باپ خطاب کے قاتل کو حرم میں پاؤں تو اسے ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا، تا آنکہ وہ خود یہاں سے چلا جائے۔ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۷۰)

تو اسی کے مطابق امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کو حرم میں کچھ کھانے پینے کو نہ دیا جائے تا کہ وہ مجبور ہو کر وہاں سے نکلے، اور باہر اس پر حدود قصاص کا اجراء کیا جا سکے۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۴ صفحہ ۱۰)

البتہ جو شخص حدودِ حرم میں رہ کر ایسا گناہ کرے جس کے بدلے اس پر حد یا قصاص لازم آئے تو اس پر وہیں حدود قصاص کا اجراء کیا جائے گا، کیونکہ وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا کا حکم اس کیلیے ہے جو کوئی جرم کر کے حرم میں آ جائے مگر جو یہیں جرم کرے وہ اس حکم میں داخل نہیں ہے۔

دوم: اللہ تعالیٰ نے اس علاقہ کے جانوروں اور درختوں کو بھی امن دیا ہے کہ نہ یہاں کا درخت کاٹنا جائز ہے نہ یہاں کے جانور کا شکار جائز ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو حرمت دی ہے۔ یہاں کی جھاڑیاں نہ کاٹی جائیں، یہاں کا شکار نہ بھگایا جائے، یہاں کی گری ہوئی چیز نہ اٹھائی جائے، مگر یہ کہ جو اپنی چیز پہچان لے وہ اٹھا لے۔ (بخاری کتاب الحج باب فضل الحرم)

سوم: اور یہاں کفار کے ساتھ لڑائی کا آغاز کرنا حرام قرار دیا گیا ہے، ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح فرمایا تو ارشاد فرمایا: بیشک اللہ نے اس شہر کو حرام کیا ہے، مگر لوگ اسے حرام نہیں سمجھتے، تو جو شخص اللہ اور روز آخرت پہ ایمان رکھتا ہے اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ یہاں خون بہائے یا یہاں کا درخت کاٹے، میرے لیے یہاں ایک گھڑی لڑائی کی اجازت دی گئی، پھر اس کی حرمت واپس لوٹ آئی جو تا قیامت باقی رہے گی۔

(بخاری کتاب العلم باب ۳۷، مسلم کتاب الحج حدیث ۳۴۶)

سارا حرم جائے امن ہے، نہ کہ صرف مسجد حرام

یہاں وَمَنۡ دَخَلَهٗ میں ضمیر مفعول کا مرجع صرف بیت اللہ نہیں ہے بلکہ سارا حرم اس کا مرجع ہے، کیونکہ سارا حرم جائے امن ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا جَعَلۡنَا حَرَمًا اٰمِنًا کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو جائے امن

بنایا ہے (عنکبوت:۶۷)۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا ''اور جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ اس جگہ کو امن والا شہر بنادے۔'' (بقرہ،۱۲۶)

یادر ہے کہ حرم وہ علاقہ ہے جو شہر مکہ کے آس پاس پھیلا ہوا ہے کہیں وہ تین میل تک ہے کہیں چار میل تک اور کہیں دس میل تک۔ اس کی نشانیاں وہاں لگی ہوئی ہیں۔

[129] کعبۃ اللہ کی عظمت بتانے کے بعد فرمایا گیا کہ جو شخص بیت اللہ تک پہنچنے کی طاقت رکھے یعنی وہاں تک جانے آنے اور دیگر سفری اخراجات برداشت کر سکے اس پر حج بیت اللہ فرض ہے اور جو اس سے انکار کرے کہ یہ فرض نہیں یا اس سے منہ موڑے کہ حج فرض ہونے کے باوجود لا پرواہی برتے تو اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے یعنی وہ اپنے فائدہ کیلئے نہیں بلکہ ہمارے فائدہ کے لئے ہمیں اپنے گھر بلاتا ہے تا کہ رحمت سے ہماری جھولیاں بھر کر بھیجے۔ (الحمدللہ یہ تحریر میں حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر مسجد نبوی شریف میں ۲۰ ذی الحجہ ۱۴۲۷ بمطابق ۱۰ جنوری ۲۰۰۷ء کو لکھ رہا ہوں)

البتہ بچے، مجنون اور کافر پر حج فرض نہیں تا آنکہ بچہ بالغ، مجنون عقل مند اور کافر مسلمان ہو جائے۔ اندھا اپاہج اور لاغر اگر زاد و راحلہ کا مالک ہو (حج کے اخراجات برداشت کر سکتا ہو) تو اس پر حج فرض ہے اگر وہ خود نہ جا سکے تو کسی کو حج بدل کرادے۔ اگر عورت کو محرم یا شوہر میسر نہ ہو تو وہ بھی حج بدل کروائے، اگر وہ خود گئی تو گناہگار ہوئی مگر حج ادا ہو گیا۔

فرضیتِ حج حدیثِ مبارک کی روشنی میں

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص زاد و راحلہ کا مالک ہو پھر حج کو نہ جائے تو اللہ کو پرواہ نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۱۲﴾
(ترمذی کتاب الحج عن علی بن المرتضیٰ رضی اللہ عنہ)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ اتری: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ط توصحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا پھر تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔
(ابن ماجہ کتاب المناسک حدیث ۲۸۸۴، ترمذی کتاب التفسیر سورہ نساء باب ۵)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے، اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کا روزہ اور حج بیت اللہ۔ (بخاری کتاب الایمان باب ۱، مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۹)

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ سے معلوم ہوا حج کا مقصد ادائیگی فرض خدا اور حصول رضاء مولیٰ ہونا چاہئے نہ کہ حاجی کہلوانا اور نہ یہ کہ واپسی پر لوگ اس کا عظیم استقبال کریں۔ یاد رہے جس نے دکھاوے کیلئے حج کیا اس نے ثواب کی بجائے

عذاب کمایا، کیونکہ دکھاوا منافقت ہے جو دل کا روگ ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''دکھاوے کی خاطر اعمال کرنے والوں سے روز قیامت کہا جائے گا کہ ثواب بھی انہی لوگوں سے مانگو جن کے دکھانے کو تم نے اعمال کیے۔''

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَ اللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰى مَا

اے پیارے نبی! آپ فرما دیں اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیات کا انکار کیوں کرتے ہو جبکہ اللہ تمہارے اعمال پر

تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ

مطلع ہے۔ [130] فرما دیں، اے اہل کتاب! تم اللہ کی راہ سے اس آدمی کو کیوں روکتے ہو جو

اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

ایمان لانا چاہے، تم اس کے لیے کجی چاہتے ہو جبکہ تم (اس کی صداقت پر) گواہ ہو اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔ [131]

[130] یہاں اللہ تعالیٰ کی آیات سے نبی اکرم ﷺ کے معجزات، قرآن کی آیات، یا آپ کے بارہ میں تورات و انجیل کی بشارات مراد ہوسکتی ہیں یعنی اہل کتاب یہ چیزیں دیکھ کر بھی آپ سے انکار کیوں کرتے ہیں جبکہ اللہ ان کی یہ حرکتیں دیکھ رہا ہے۔ معلوم ہوا عالم کا گناہ جاہل کے گناہ سے بدتر ہوتا ہے۔

[131] یعنی اے اہل کتاب! جو لوگ اسلام لانا چاہتے ہیں تم ان کے لئے رکاوٹیں کیوں کھڑی کرتے ہو حالانکہ تم صداقتِ اسلام کے گواہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَا تَكُوْنُوْۤا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ۔ (بقرہ:۴۱) اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ۔ (نسآء:۵۱) اور اہل مکہ نے کئی بار یہودِ مدینہ سے پوچھا اگر تم سمجھتے ہو کہ محمد (ﷺ) سچے نبی ہیں تو ہم ان پر ایمان لے آتے ہیں مگر یہود نے ہر بار انہیں کہا کہ ہم ان کی نبوت کے بارہ میں کچھ نہیں جانتے حالانکہ وہ سب کچھ جانتے تھے۔ پھر یہود نے تحویلِ قبلہ، اونٹ کے گوشت کی حلت اور دیگر حوالوں سے اسلام پر اعتراضات کر کے لوگوں کو اس سے متنفر کرنا چاہا اسلئے ان سے کہا گیا: لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے کسی گروہ کی پیروی کرو گے تو وہ تمہیں
يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى
ایمان کے بعد پھر کافر کر دیں گے اور تم کیسے کفر کرو گے جبکہ تم پر اللہ کی
عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِىَ
آیات پڑھی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول موجود ہے اور جس شخص نے اللہ پر بھروسہ کر لیا اسے سیدھی راہ کی
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع
ہدایت دے دی گئی۔[132]

ع ۱۰

[132] انصار مدینہ کے دو قبائل اوس اور خزرج ظہور اسلام سے قبل ایک صدی تک باہم جنگیں کرتے رہے، پھر اسلام نے ان کے دلوں میں ایسی محبت پیدا کی کہ وہ بھائی بھائی بن گئے۔ یہود مدینہ کو یہ بات سخت ناگوار تھی وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑا دیں۔ ایک بار انہوں نے انہیں ان کی پرانی جنگیں اور مقتولین یاد دلا دیے تو قریب تھا کہ وہ پھر ایک دوسرے کے خلاف تلواریں اٹھا لیتے۔ نبی اکرم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ تیزی کے ساتھ وہاں پہنچے اور فرمایا جب اللہ نے اسلام کے ذریعے تم میں الفت ڈال دی ہے تو کیا تم پھر کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے؟ تب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اوس و خزرج ایک دوسرے کے گلے لگ کر رونے لگے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں۔ (ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۱۴)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مومنو! اگر تم نے اہل کتاب کے کسی گروہ کی بات مانی تو وہ تمہیں پھر کفر کی طرف لوٹا دیں گے اور آج تم میں قرآن موجود ہے اور رسول اللہ ﷺ اپنی احادیث اور سیرت کی روشنی میں تا قیامت تم میں موجود ہیں تو پھر تم کیسے کافر ہو سکتے ہو یعنی اگر تم قرآن و حدیث سے وابستہ رہو تو تم جادۂ حق سے کبھی پھسل نہیں سکتے اور جو اللہ کی اس رسی کو تھام لے وہ سیدھا راستہ پا لیتا ہے۔

اس سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ پہ کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ وہ ہمیں لڑاتے رہے اور لڑاتے رہیں گے۔

(۲) یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن و سنت ہمارے ایمان کے حفاظتی حصار ہیں ان کی موجودگی میں مسلمان کافر نہیں ہو سکتے۔

(۳) یہ بھی پتہ چلا کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان سے نفرت نہیں رکھنی چاہیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسے اس سے ڈرنا چاہیے۔ [133] اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم

مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ

مسلمان ہو۔ [134] اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو۔ [135] اور تفرقہ نہ کرو۔ [136] اور اپنے اوپر

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ

اللہ کی یہ نعمت یاد کرو کہ جب تم باہم دشمن تھے تو اس نے تمہارے دل آپس میں ملا دیئے تب تم اس کی

اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ

نعمت سے باہم بھائی بھائی بن گئے اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں وہاں سے کھینچ لیا، ایسے ہی

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اللہ تمہیں اپنی نشانیاں بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ [137]

تقویٰ اور اتحاد کا درس اور تفرقہ بازی کی ممانعت

[133] نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ کا یہ معنی ہے کہ اللہ کی اطاعت کی جائے اس کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کی جائے اور اسے یاد رکھا جائے بھلایا نہ جائے۔ (حاکم عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ) ظاہر ہے جب بندہ اللہ کو ہمیشہ یاد رکھے گا تو کسی گناہ کے قریب نہ جائیگا اور یہی تقویٰ ہے۔

کیا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ کا حکم منسوخ ہے؟

بعض مفسرین نے کہا یہ آیت منسوخ ہے وہ اس روایت سے استدلال لاتے ہیں کہ حضرت قتادہ نے فرمایا اس آیت کے نزول پہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان ہوئے کہ وہ اللہ سے ڈرنے کا حق کیسے ادا کر سکتے ہیں تب یہ آیت مبارکہ اتری: فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ ''اللہ سے ڈرو جس قدر تم ڈر سکو۔'' (تغابن:۱۶) لہٰذا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ منسوخ ہو گیا۔ (ابن جریر)

مگر یاد رکھنا چاہئے کہ ہر جگہ لفظ نسخ دیکھ کر یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ فلاں صحابی یا تابعی کے نزدیک اس کا حکم ختم ہو گیا

ہے، بلکہ نسخ کا معنی شک وشبہ کا زائل کرنا بھی ہے، جیسے قرآنِ مجید میں ہے: فَيَنۡسَخُ اللّٰهُ مَا يُلۡقِى الشَّيۡطٰنُ ثُمَّ يُحۡكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ ''اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہ کو دور کر کے اپنی آیات کو محکم کر دیتا ہے۔'' (حج: ۵۲) اس آیت میں فَيَنۡسَخُ اللّٰهُ کا معنی اللہ شبہ دور کرتا ہے۔

توصحابہ وتابعین کا کسی آیت کو منسوخ کہنا کبھی اس معنی میں ہوتا ہے کہ دوسری آیت نے اس آیت سے شبہ دور کر دیا، اسی طرح حضرت قتادہ کا: اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ کو منسوخ کہنا بھی اس معنی میں ہے کہ اس میں شبہ تھا کہ اللہ سے ڈرنے کا حق کیسے ادا کیا جائے تو فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے یہ شبہ دور کر دیا یعنی وضاحت فرمادی کہ جب تم اپنی طاقت کے مطابق اللہ سے ڈرو تو یہی اللہ سے ڈرنے کا حق ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے حَقَّ تُقٰتِهٖ کا تقاضا پورا کر دیا کیونکہ طاقت سے زیادہ کی تکلیف اللہ تعالیٰ دیتا ہی نہیں، وہ فرماتا ہے: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا ؕ (بقرہ: ۲۸۶)

یہ اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَجَاهِدُوۡا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ ''اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسے جہاد کا حق ہے۔'' (سورہ حج، ۷۸) اور جہاد کا حق یہی ہے کہ جتنی طاقت ہے اس کے مطابق اعلائے کلمۃ الحق کے لیے جد وجہد کی جائے، اسی طرح حَقَّ تُقٰتِهٖ کا بھی یہی معنی ہے۔

اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے صاف فرمایا: اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ منسوخ (بمعنی مقطوع الحکم) نہیں ہے۔ (ابن جریر) اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمادیا کہ اس کا معنی اللہ کی اطاعت کرنا اس کی نافرمانی سے بچنا اور اسے یاد رکھنا ہے تو یہ معنی کیسے منسوخ ہوسکتا ہے۔

[134] یعنی اگر تمہارے ہاتھ سے دامن تقویٰ چھوٹ جائے تو کم از کم دامن ایمان کبھی نہ چھوٹے اور اسی پہ تمہاری موت آئے۔ معلوم ہوا نجات کا مدار حسن خاتمہ پر ہے۔

[135] اللہ کی رسی سے مراد یہاں قرآن مجید ہے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی کتاب اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکی ہوئی ہے۔'' (ابن جریر طبری جلد ۴ صفحہ ۲۸۴)

حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن وہ رسی ہے جس کا ایک کنارہ دستِ قدرت میں ہے دوسرا ہمارے ہاتھ میں، تو تم اس سے لپٹ جاؤ تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔'' (ابن ابی شیبہ)

اسی طرح حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں اگر تم نے ان کا دامن تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، ان میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے۔ ایک اللہ کی کتاب ہے جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکتی ہوئی رسی ہے، دوسری چیز میری عترت یعنی میری اہل بیت ہے اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسری سے جدا نہ ہوں گی تا آنکہ حوض کوثر پہ میرے پاس آجائیں گی۔''

(ترمذی کتاب المناقب مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

گویا امتِ محمدیہ سے فرمایا گیا کہ اے مومنو! سب مل کر اللہ کی نازل کردہ کتاب قرآن مجید کا دامن تھام لو، کیونکہ یہ ہر طرح کی تحریف اور تغیر سے محفوظ کتاب ہے، چنانچہ بحمد اللہ آج تمام مسلمان اپنے تمام اختلافات کے باوجود کم از کم قرآن پہ متفق ہیں، یہ نہیں کہ ہر فرقہ نے اپنا قرآن علیحدہ بنالیا ہو، جیسا کہ اہل کتاب کے ساتھ ہوا کہ ان میں ہر فرقہ کی اپنی بائبل ہے۔

[136] آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَفَرَّقُوْا کہ ''باہم تفرقہ بازی نہ کرو۔'' یاد رہے نبی اکرم ﷺ کو امت کے باہمی تفرقہ کی سخت فکر تھی۔ آپ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا: ''لوگو میرے بعد تم کفار کی طرح ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے میں نہ لگ جانا۔'' (بخاری کتاب العلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: يدُ الله على الجماعة من شَذّ شُذّ في النار، ''اللہ کا ہاتھ جماعت پہ ہے جو اس سے ہٹا وہ جہنم میں جا گرا۔'' (ترمذی کتاب الفتن باب ۷)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تین خصوصی دعائیں فرمائیں، میری امت پر ان کے دشمن مسلط ہو کر انہیں تباہ نہ کر دیں، میری امت بھوک سے نہ مرے اور میری امت میں تفرقہ نہ ہو، پہلی دو دعائیں قبول کر لی گئیں اور تیسری سے روک دیا گیا کیونکہ اللہ رب العزت کو علم تھا کہ اس امت میں تفرقہ ضرور ہوگا۔ (ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد) اس کی تفصیل اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ (انعام: ۶۵) کے تحت آئے گی۔

حقانیتِ اہلِ سنت اور تفرقہ بازی کے بارہ میں تحذیر

گویا حضور ﷺ کو علم تھا کہ آپ کی امت میں تفرقہ ہوگا اس لئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں بھی وہ سب برائیاں جنم لیں گی جو بنی اسرائیل میں پیدا ہوئیں، حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے علانیہ زنا کیا تھا تو میری امت میں بھی ایسا کرنے والا پیدا ہوگا اور آپ نے فرمایا بنی اسرائیل بہتر ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی ان میں سے صرف ایک نجات پائے گا باقی سب دوزخ میں جائیں گے، پوچھا گیا وہ فرقہ کونسا ہے جو نجات پائے گا؟ فرمایا: مَا اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِيْ جس راہ پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔'' (ترمذی کتاب الایمان باب ۸۱)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ روز قیامت وہ لوگ نجات پائیں گے جو رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کی پیچھے چلیں، انہی کو اہل سنت و جماعت کہا جاتا ہے مگر آج کچھ لوگ یعنی اہل تشیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتے ہیں بلکہ وہ تین افراد سلمان فارسی ابوذر غفاری اور مقداد رضی اللہ عنہم کے سوا سب صحابہ کو کافر کہتے ہیں (معاذ اللہ) ان کا نجات سے کیا واسطہ ہے۔

کچھ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مانتے تو ہیں، مگر ان کے نظریات صحابہ سے مختلف ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تعظیم رسول

ﷺ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی وہ آپ کے وضوء کا پانی بلکہ تھوک مبارک بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے، آپ کے تبرکات سے برکت لینا ان کے نزدیک سب سے بڑی سعادت تھی، تو جو لوگ تبرکات سے برکت لینے کو شرک سے تعبیر کریں جیسے نجدی فکر کے حامل لوگ ہیں ان کے گمراہ ہونے میں کیا شک ہے۔ کیونکہ ان کے نظریہ کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مشرک ہیں۔

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ کے توسل سے دعائیں کرتے تھے اور لوگوں کو توسل رسول ﷺ کی تعلیم دیتے تھے جیسے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے عہد عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں ایک شخص کو وہ دعاء سکھائی جو نبی اکرم ﷺ نے نابینا صحابی کو سکھائی تھی کہ یا اللہ! مجھے رحمت والے نبی کے وسیلہ سے آنکھیں دیدے تو اللہ تعالیٰ نے اسے آنکھیں دیدیں، حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو سکھلایا کہ تم بھی وسیلۂ مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ دعاء مانگو تو تمہاری دعاء قبول ہوگی جب اس نے ایسا کیا تو اس کا مقصد حل ہوگیا۔ (طبرانی صغیر جلد جلد اول صفحہ ۱۸۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) امام طبرانی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنگوں میں یا محمد کا نعرہ لگاتے تھے۔ جنگ یمامہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں لڑائی کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یا محمد کا نعرہ لگانے کا حکم دیا اور اس نعرہ کے صدقے ان کو فتح ملی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۶ صفحہ ۳۲۹ مطبوعہ دار الریان بیروت، تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۸۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

تو آج جو فرقے تبرکات سے منکر ہیں اور تعظیم رسول کرام رضی اللہ عنہم کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں اور یا محمد اور یا رسول اللہ ﷺ کے نعروں کو شرک و کفر قرار دیتے ہیں یقیناً وہ ناجی لوگوں میں سے نہیں ہیں، کیونکہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے سے ہٹے ہوئے ہیں۔ ناجی فرقہ اہل سنت و جماعت ہے جس کا معنی ہے سنت رسول ﷺ اور جماعت صحابہ کے پیروکار۔

مسلمانوں میں تفرقہ بازی کیسے شروع ہوئی

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اہلِ اسلام میں فرقے پیدا کرنے میں غیر مسلم اسلام دشمن طاقتوں کا ہمیشہ ہاتھ رہا ہے، ہم اختصار کے ساتھ اس کے چند شواہد پیش کرتے ہیں۔

شیعہ فرقہ کی پیدائش

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یمن کے ایک یہودی عالم عبداللہ بن سبا نے لبادۂ اسلام اوڑھا اور مسلمانوں میں داخل ہو کر اس نے تفرقہ بازی کی سب سے پہلی بنیاد رکھی۔ اس نے سادہ لوح مسلمانوں کے کانوں میں یہ بات پھونکنا شروع کی کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا کہ آپ کے خلیفہ و جانشیں بنتے، یہ ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) نے خلافت کیسے سنبھال لی، اور اب عثمان (رضی اللہ عنہ) نے بھی ناجائز حکومت بنا رکھی ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے

اسے مدینہ منورہ سے نکال دیا، کاش آپ اس ملحد وزندیق کی گردن اڑا دیتے۔ مگر مدینہ طیبہ سے نکل کر اسے آزادی مل گئی، اس نے کوفہ، بصرہ اور مصر میں جا کر اپنے گمراہ کن نظریات کو پھیلایا، چنانچہ انہی تینوں شہروں سے بلوائی آئے اور انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر کے آپ کو بیدردی سے شہید کیا۔ جس سے مسلمانوں میں فتنوں کے دروازے کھل گئے۔ اس طرح شیعہ فرقہ وجود میں آیا۔ اس کی تفصیل کے لیے ''البدایہ والنہایہ''، ''تاریخ ابن خلدون'' اور ''تاریخ ابن جریر طبری'' کا مطالعہ کیا جائے۔

بلکہ خود شیعہ مؤرخین بھی اس حقیقت کو مانتے ہیں۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے:

وذکر بعض اهل العلم ان عبدالله بن سبا کان یهودیا فاسلم ووالیٰ علیا علیه السلام وکان یقول وهو علی یهودیته فی یوشع بن نون وصیّ موسیٰ بالغلو فقال فی اسلامه بعد وفاة النبی ﷺ فی علی مثل ذالك. وکان اول من اشهر بالقول بفرض امامة علی علیه السلام واظهر البراءة من اعداءه وکاشف مخالفیه واکفر مخالفیه ومن هنا قال من خالف الشیعة ان اصل التشیع والرفض مأخوذ من الیهودیة۔

یعنی بعض اہلِ علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا وہ اسلام لایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا دم بھرنے لگا، وہ جب یہودی تھا تو یوشع بن نون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کا وصی مانتا تھا، اسلام لانے کے بعد اس نے یہ عقیدہ اپنایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے وصی تھے۔ اسی شخص نے سب سے پہلے اس قول کو شہرت دی کہ امامت علی رضی اللہ عنہ کا ماننا فرض ہے، اس لیے اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اعداء (یعنی ان کی امامت کے نہ ماننے والوں) کو کافر قرار دیا، یہیں سے اہلِ تشیع کے مخالفین کہتے ہیں کہ تشیع اور رافضیت کی اصل جڑ یہودیت سے نکلی ہے۔

(بحار الانوار جلد ۲۵ صفحہ ۲۸۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہی مفہوم اہلِ تشیع کی ان کتب میں بھی مذکور ہے۔

(انوار نعمانیہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۲، رجال کشی صفحہ ۱۳۳، فرق الشیعہ صفحہ ۲۲، ناسخ التواریخ حالات خلفاء جلد ۴ صفحہ ۱۳۷)

اس سے صاف ثابت ہوا کہ یہود نے مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے ایک یہودی کو لبادۂ اسلام میں مسلمانوں میں داخل کیا اور اس نے سب سے پہلے عقیدہ امامت ایجاد کیا، جس کی بنیاد پہ خلافت علی کے نہ ماننے والوں بشمول خلفاء راشدین اور جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نعوذ باللہ کافر قرار دیا گیا۔ یوں ملتِ اسلامیہ میں تفرقہ بازی کی ایسی آگ بھڑکی جس کے شعلے آج تک بلند ہو رہے ہیں اور اس میں لاکھوں کروڑوں انسانوں کا ایمان جل کر خاکستر ہو چکا ہے اور یہ آگ بڑھتی اور پھیلتی جا رہی ہے۔

وہابی نجدی فرقہ کی پیدائش

آٹھویں صدی ہجری میں علامہ ابن تیمیہ نے اپنی جلالتِ علمی کے باوجود بہت سے اعتقادی مسائل میں ٹھوکر کھائی

اور چند نئے نظریات کو جنم دیا جو سراسر گمراہی پہ مبنی ہیں جیسے توسل سے انکار، ایصال ثواب سے انکار، روضہ رسول ﷺ کی زیارت کے لیے سفر کرنے کو حرام قرار دینا اور ایک مجلس میں تین طلاقوں کو ایک قرار دینا وغیرہ۔ ابن تیمیہ کے انہی غلط نظریات نے اس کے اپنے زمانہ میں ایک نئے فرقہ کی شکل نہ اختیار کی، تا آنکہ تیرہویں صدی عیسوی کے آخر میں عیسائی اقوام مادی اور سائنسی علوم کے ذریعہ دنیا پہ غالب آگئیں اور انہوں نے سلطنتِ عثمانیہ کے ٹکڑے کرنے کے لیے مسلمانوں میں سے غداروں کی تلاش شروع کی اور انہیں شیخ محمد بن عبدالوھاب نجدی کی شکل میں ایک غدار مل گیا۔ تب برطانوی انگریزوں نے اسے شیشے میں اتارا اور اسے ابن تیمیہ کے نظریات کی بنیاد پہ ایک نیا مذہب بنا کر دیا تاکہ اس کی ترویج کے بہانے سلطنتِ عثمانیہ سے بغاوت کا راستہ ہموار کیا جائے اور یوں وہابی مذہب معرضِ وجود میں آیا۔

اس کی پوری تفصیل ''ہمفرے کے اعترافات'' نامی کتاب میں موجود ہے، ہمفرے برطانوی عیسائی جاسوس تھا۔ اسی نے محمد بن عبدالوھاب نجدی کو دام تزویر میں پھنسایا، پہلے عیسائی جاسوس لڑکیوں کے ذریعہ اسے متعہ کے نام پہ جنسی گندگی میں ڈبویا اور شراب کو نبیذ کا نام دے کر اسے شراب کا عادی اور زنا کا خوگر بنایا۔ پھر اسے ایک نئے مذہب کے ساتھ میدان میں اتارا جس میں یہ باتیں شامل تھیں کہ قبور صالحین پہ مزارات کا بنانا حرام ہے، اور جو مزارات بنے ہوئے ہیں ان کا منہدم کرنا واجب ہے اور انبیاء واولیاء سے وسیلہ پکڑنے والے لوگ گمراہ اور بے دین ہیں ان کے خلاف جہاد فرض ہے اور انہیں قتل کرنا اور ان کا مال لوٹ لینا جائز ہے اور یوں سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف بغاوت پھیلائی گئی، جس میں انگریزوں نے محمد بن سعود نامی ایک قبائلی سرادر کو دولت اور اسلحہ کی بھرپور مدد کے ساتھ شامل کیا اور انہوں نے پہلے ریاض پہ قبضہ کیا، پھر آگے بڑھے، طائف تک آئے، پھر مکہ مکرمہ پہ قبضہ کیا پھر مدینہ طیبہ پہ اور بہانہ یہی تھا کہ ہم اسلام کو اسکی اصل شکل میں نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ یوں بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں انگریزوں کی سازش سے سعودی حکومت اور وہابی مذہب دونوں اکٹھے معرض وجود میں آئے اور توسل، ایصال ثواب اور میلاد النبی ﷺ جیسے امت کے متفق علیہ امور میں مسلمانوں کے اندر اختلاف کی آگ بھڑکنے لگی اور مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی قرار دے کر ان کو آپس میں دست وگریبان کر دیا گیا۔

قادیانی مذہب کی پیدائش

مسلمانوں کے دلوں سے جذبۂ جہاد ختم کرنے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی غلامی واطاعت سے ہٹانے کے لیے برطانوی سلطنت نے ہندوستان میں بیسویں صدی کے آغاز ہی پہ مرزا غلام احمد قادیانی کو ایک نئی نبوت کے دعویٰ کے ساتھ کھڑا کیا۔ جس نے ایک تحریر میں برطانوی حکومت سے درخواست کرتے ہوئے خود اعتراف کیا کہ میری جماعت برطانوی حکومت کا خود کاشتہ پودا ہے، لہذا اس کے بارے میں احتیاط سے کام لیا جائے (مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ ۲۱ مطبوعہ لندن) تو مرزا قادیانی نے تمام کفار کے خلاف جہاد کی مکمل حرمت کا اعلان کیا، پھر اس نے بابانگِ دہل اعلانِ

نبوت و رسالت کیا اور خود کو تمام انبیاء و مرسلین سے افضل قرار دیا اور اس نے یہ بھی کہا کہ قرآن میں جہاں محمد رسول اللہ فرمایا گیا وہاں مجھے (مرزا قادیانی کو) محمد اور رسول کہا گیا ہے۔ (استغفر اللہ)

(ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۲۱۲)

دراصل برصغیر پر مکمل سیاسی غلبہ حاصل کرنے کے بعد جب برطانیہ کی عیسائی گورنمنٹ نے دیکھا کہ مسلمانوں میں جذبہ حریت کو دبایا نہیں جا سکا تو انہوں نے گہری چال چلی اور مسلمانوں میں سے ایک شخص کو ڈھونڈ ھا، جس نے مسلمانوں کو یہ سمجھانا شروع کیا کہ اب جہاد کا حکم ہی منسوخ ہو گیا ہے۔ مگر یہ علماء ربانیین کی شدید محنتوں کا نتیجہ ہے کہ مرزا قادیانی کی گمراہیوں کے سامنے انہوں نے سدِّ سکندری قائم کر دی اور امتِ مسلمہ کو اس کے دامِ تزویر میں پھنسنے نہیں دیا۔

الغرض مسلمانوں کی صفوں میں جھوٹے نبی اور جھوٹے مصلحین کفار کے اشاروں پہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے نئے نئے فرقوں کو جنم دیا، تو ناجی فرقہ وہی ہے جو سنتِ مصطفیٰ ﷺ اور جماعتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پیروکار ہے، انہی کو اہل سنت و جماعت کہا جاتا ہے۔ ان کے عقائد وہی ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تھے، جیسے عدالت صحابہ واہل بیت، توسل، حیات انبیاء و اولیاء، ایصال ثواب، میلاد رسول اللہ ﷺ کا منانا اور ایک مجلس میں تین طلاقوں کو تین قرار دینا وغیرہ۔

[137] یہ آیت مبارکہ بھی اسی بارے میں نازل ہوئی جو پیچھے آیت ۱۰۰ کے تحت گذرا کہ مدینہ منورہ میں اوس وخزرج دو مشرک قبائل رہتے تھے اور ان میں عرصہ دراز (روایات کے مطابق ایک صدی) سے باہم جنگ چلی آ رہی تھی، حالانکہ وہ ایک ہی دادا کی اولاد تھے۔ مروی ہے کہ اوس وخزرج دو سگے بھائی تھے، ان سے دو قبیلے مدینہ طیبہ میں آباد ہوئے، مگر شیطان نے کسی سبب سے ان میں عداوت پیدا کر دی اور ان میں جنگ چھڑ گئی۔ اور انہوں نے ایک دوسرے کے ہزاروں آدمی مار دیے۔ مگر جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اوس وخزرج دونوں قبیلے مکمل طور پر اسلام لے آئے، جس کی برکت سے ان کی باہمی نفرت وعداوت اسلامی اخوت ومحبت میں بدل گئی، وہ محبت خدا و مصطفیٰ ﷺ میں ایسے ڈوبے کہ انہیں کچھ یاد ہی نہ رہا کہ ان کے مابین کبھی کوئی عداوت ہوتی تھی، یہی لوگ بعد میں انصارِ مدینہ کہلائے۔ تو اس بارہ میں یہ آیات اتریں اور اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ فرمایا کہ مومنو اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور باہم تفرقہ نہ کرو، پھر فرمایا کہ وہ وقت یاد کرو جب تم باہم دشمن ہوتے تھے تو اللہ کی طرف سے نعمتِ اسلام کے مل جانے کے سبب تم لوگ آپس میں بھائی بھائی بن گئے، یعنی شیر وشکر ہو گئے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ۔ یعنی "تم کفر کی وجہ سے جہنم کے کنارے کھڑے تھے"، اگر رسول اللہ ﷺ تشریف لا کر تمہیں دولت ایمان نہ دیتے تو تم سیدھے جہنم کے گڑھے میں جا گرتے، اللہ نے اپنا رسول بھیج کر تمہیں وہاں سے کھینچ لیا اور تمہیں بھائی بھائی بنا دیا لہٰذا اب باہم تفرقہ مت کرنا۔

صحابہ کرام واہل بیت رضی اللہ عنہم کی باہم محبت والفت

یہاں فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا سے صحابہ کرام واہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی باہمی الفت ومحبت بھی معلوم ہوئی۔ کیونکہ جب صحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب اوس وخزرج (یعنی اہلِ مدینہ) کی صدیوں پرانی عداوت اخوت میں بدل گئی تو جن لوگوں کو یہ صحبت سب سے زیادہ میسر آئی اور جو آغازِ اسلام ہی سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہوئے یعنی ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم اور دیگر عشرہ مبشرہ اور باقی مہاجرین صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہ، ان کے مابین کوئی عداوت کیسے رہ سکتی تھی۔ ان کے بارہ میں تو ارشاد ہوا: رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ وہ آپس میں رحیم وکریم ہیں۔ (فتح:۲۹)

لہٰذا حضرت علی اور دیگر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے مابین اہل تشیع کا عداوت ثابت کرنا محض غلط اور قرآن کی اس آیت کے خلاف ہے، یاد رہے کہ اس آیت کے تحت شیعہ مفسر ملا فتح اللہ کاشانی نے بہت تفصیل کے ساتھ وہ تمام واقعات لکھے ہیں کہ کسطرح اوس وخزرج میں جنگ شروع ہوئی، پھر وہ کس طرح اسلام لائے اور کس طرح صحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے باہم شیر وشکر ہوگئے، دیکھیے تفسیر منہج الصادقین جلد ۳ صفحہ ۲۹۳ تا ۲۹۸، مطبوعہ انتشارات اسلامیہ تہران ایران۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہ سب وشتم اور تبرّ ابازی کیسے شروع ہوئی؟

دراصل یہود کی گہری سازش سے عقیدۂ امامت گھڑا گیا اور کہا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم منصوص من اللہ امام تھے اور ان کے بعد انکی اولاد میں امامت جاری ہے اور جو اس امامت کو نہ مانے وہ کافر ہے، لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امام یعنی خلیفہ بنتے، مگر چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کے دلوں میں حضرت علی اور دیگر اہل بیت رضی اللہ عنہم سے بغض وعناد تھا اس لیے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کو خلیفہ بنالیا، تو یوں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم جنہوں نے ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت کی وہ سب کے سب دائرہ اسلام سے خارج ہوگئے

مگر یہ سب شیطانی خیالات ہیں، قرآن حکیم نے فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا کہہ کر بتادیا کہ دامنِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ ہونے والے باہم بھائی بھائی بن گئے، ان کے دلوں میں بغض وعداوت ثابت کرنے والے لوگ شیطان کے جال میں پھنس گئے ہیں، حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ تو خلفاء راشدین کے معاون ومشیر رہے، ان کے ساتھ یاری ووفاداری کرتے رہے، انکے پیچھے نمازیں ادا کرتے رہے۔ وہ شیرِ خدا تھے، انکا کردار معاذ اللہ منافقانہ نہ تھا جیسا کہ اہلِ تشیع کہتے ہیں کہ وہ تقیہ کرتے تھے، انکا کردار مومنانہ ومخلصانہ تھا۔ کیونکہ وہ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا اور رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ کی عملی تصویر تھے۔

پھر یہ کس قدر ملحدانہ خیال ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دائرہ اسلام سے خارج تصور کیا جائے، جن کے جنتی ہونے کا اعلان خود قرآن مجید بار بار فرماتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۰۰

''اور سبقت لیجانے والے پہلے لوگ یعنی مہاجرین وانصار اور جنہوں نے بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، اور اللہ نے ان کے لیے جنت کے باغات تیار کیے ہیں، یہ عظیم کامیابی ہے۔'' (توبہ ۱۰۰)

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پہ سخت اور باہم مہربان ہیں، آپ ان کو دیکھیں گے کہ رکوع کرنے والے اور سجدہ گزار ہیں، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں، ان کی نشانیاں ان کے چہروں میں ہیں کثرت سجود سے۔'' (سورہ فتح، ۲۹)

مسلمانوں کے لیے درسِ امن واخوت

وہ لوگ جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، جب انہوں نے دامنِ اسلام میں پناہ لی تو باہم بھائی بھائی بن گئے، مگر افسوس آج ہم مسلمان برادری، زبان، اور علاقہ کی بنیاد پر ایک دوسرے کو مار رہے اور نیچا دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں، ہم میں ایک دوسرے سے حسد وبغض بڑھتا جا رہا ہے، یہاں یہ بھی کہنا ضروری ہے کہ آج دشمنانِ اسلام اسلام کا نام مٹانے کے درپے ہیں۔ کشمیر، فلسطین، افغانستان، عراق اور دیگر ممالک میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے، وہاں کفار یہ نہیں دیکھ رہے کہ ان میں سے کون سنی ہے کون شیعہ، کون وہابی ہے کون دیوبندی، وہ سب کو ایک ہی گولی سے اڑا رہے ہیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ آپس میں کشت وخون اور دہشتگردی کا بازار مت گرم کریں، علماء کو چاہیے کہ وہ فہمِ قرآن وحدیث کے حوالہ سے جو بھی نظریہ رکھتے ہیں اسے علمی وفکری انداز میں ضرور بیان کریں، مگر ایسا اشتعال پیدا نہ کریں کہ سننے والے غم وغصہ سے بھڑک اٹھیں اور دوسرے فرقوں کے علماء اور ان کی عبادت گاہوں پہ حملہ آور ہو جائیں، کیونکہ اس آگ میں وہ خود بھی جل کر بھسم ہو جائیں گے اور ہم بھی اپنی تحریرات میں باطل فرقوں کا جو رد لکھتے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ گمراہی کے راستوں سے بچ کر قرآن وسنت کی پیروی اختیار کریں تاکہ وہ اخروی عذاب سے بچ جائیں، اس کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی جان واملاک پہ حملے شروع کر دیں۔

وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ

اور چاہیے کہ تم میں ایک جماعت ہو جو بھلائی کی دعوت دیں اور نیکی کا حکم کریں اور

عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ تَفَرَّقُوۡا

برائی سے روکیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔ [138] اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے (دین میں) تفرقہ ڈالا

وَاخۡتَلَفُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۰۵﴾ۙ

اور باہم جھگڑ پڑے بعد ازاں کہ ان کے پاس واضح دلائل آ گئے، ان لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔ [139]

[138] یعنی حضور نبی محتشم ﷺ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تمہیں دوزخ کے کنارے سے ہٹا کر جنت کے راستہ پر ڈالا اور آپ آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔ لہٰذا تمہی میں سے کچھ لوگ ایسے ہونے چاہیں جو خود کو تبلیغ دین کے لئے وقف کریں پہلے خود علمِ دین یعنی علومِ قرآن و حدیث حاصل کریں پھر امت کو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔ دوسری جگہ فرمایا گیا:

وَمَا كَانَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لِيَنۡفِرُوۡا كَآفَّةً ؕ فَلَوۡلَا نَفَرَ مِنۡ كُلِّ فِرۡقَةٍ مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوۡا فِى الدِّيۡنِ وَلِيُنۡذِرُوۡا قَوۡمَهُمۡ اِذَا رَجَعُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَحۡذَرُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾ ''سارے مؤمنین تو حصول علم دین کے لئے نہیں نکل سکتے تو ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر جماعت سے کچھ لوگ نکلیں تا کہ دین کو اچھی طرح سمجھیں پھر جب وہ اپنی قوم میں واپس آئیں تو انہیں ڈرائیں (تبلیغ دین کریں) تا کہ وہ (اللہ کی نافرمانی سے) بچ جائیں۔'' (توبہ:۱۲۲) چنانچہ ہر زمانہ میں مسلمانوں کی ہر قوم اور ہر علاقہ سے ایسے لوگ پیدا ہوئے جو علمِ دین کے حصول کے لئے گھروں سے نکلے اور علماء دین بن کر لوٹے پھر زندگی بھر دین متین کی تبلیغ کرتے رہے، انہی کی محنتوں سے آج تک دین زندہ چلا آ رہا ہے۔

علماء دین کی عظمت

وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ سے معلوم ہوا علماء دین وہ جماعت ہے جنہیں قدرت نے مسلم معاشرہ میں سے اپنے دین کی خدمت کے لئے چن لیا ہے تو انہیں اپنی قسمت پہ ناز کرنا چاہیے۔ اسی لئے حدیث مبارکہ میں فرمایا کہ علماء وارثان انبیاء کرام علیہم السلام ہیں کیونکہ انبیاء اپنے پیچھے سونا چاندی چھوڑ کر نہیں جاتے وہ اپنے پیچھے اپنی کتاب اور اپنی احادیث چھوڑتے ہیں تو جس نے انہیں لے لیا اس نے بڑا خزانہ لے لیا۔

(ابوداؤد کتاب العلم باب ۱، ترمذی کتاب العلم باب ۱۹، ابن ماجہ مقدمہ باب ۱۷)

علماء کا مقصدِ زندگی تبلیغ دین ہونا چاہیے، شہرت اور مال دنیا نہیں

یَدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَیَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ سے معلوم ہوا کہ علماء کو اپنی زندگی کا مقصد دعوت الی الخیر بنانا چاہیے۔ جب کہ شہرت اللہ پاک خود ہی عطا فرما دیتا ہے اور مال جتنا اللہ نے لکھا ہے اس سے زیادہ نہیں مل سکتا اور جس نے دنیا ہی کو مقصد زندگی بنایا اسے صرف دنیا ہی ملے گی اور وہ وارثانِ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے نہیں ہے بلکہ طالبانِ دنیا میں سے ہے۔

[139] یعنی اہلِ کتاب کی طرح نہ ہو جاؤ کہ وہ کتاب کا علم رکھنے کے باوجود باہم بہتر فرقوں میں بٹ گئے پھر جب ان کے پاس قرآن کی واضح آیاتِ بینات آگئیں تو اس کے باوجود انہوں نے حق سے اختلاف کیا ایسے لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔

یَّوۡمَ تَبۡیَضُّ وُجُوۡهٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اسۡوَدَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ ۟ قف
جس دن بعض چہرے روشن ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ، تو جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا)
اَکَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَکۡفُرُوۡنَ ﴿۱۰۶﴾
کیا تم نے ایمان کے بعد کفر کیا؟ تو (آج) عذاب چکھو کیونکہ تم کفر کرتے تھے
وَاَمَّا الَّذِیۡنَ ابۡیَضَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ فَفِیۡ رَحۡمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾
اور جن کے چہرے روشن ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ [140]
تِلۡكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا عَلَیۡكَ بِالۡحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ یُرِیۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۸﴾
یہ اللہ کی آیات ہیں جنہیں ہم آپ پر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں میں سے کسی پر ظلم نہیں چاہتا
وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۱۰۹﴾ ع
اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں۔

[140] جب دین میں تفرقہ سے روکا گیا تو اب بتایا جا رہا ہے کہ جو لوگ رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے راستہ سے ہٹ کر چلیں گے ان کے چہرے روزِ قیامت سیاہ ہوں گے اور جو اس تفرقہ سے بچ کر راہ حق پہ قائم رہیں گے ان کے چہرے چمکتے ہوں گے اور پہلے بتا دیا گیا ہے کہ وہ اہلِ سنت ہیں۔ اسی لئے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت

مبارکہ کے تحت فرمایا: تَبْیَضُّ وُجُوْہُ اھلِ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ۔ اس دن اہل سنت و جماعت کے چہرے چمکتے ہوں گے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد سوم صفحہ ۷۲۹ حدیث ۳۸۵۰ مطبوعہ مکہ مکرمہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تَبْیَضُّ وُجُوْہُ اھل السُّنَّۃِ والجماعۃ وَ تَسْوَدُّ وُجُوْہُ اھلِ الْبِدَعِ و الْھَوَاءِ۔ یعنی اس دن اہل سنت و جماعت کے چہرے سفید اور اہل بدعت وضلالت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ (درمنثور بحوالہ کتاب الابانہ لابی نصر جلد ۲ صفحہ ۱۹۲)

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ
(اے مسلمانو!) تم سب سے بہتر امت ہو، جنہیں لوگوں (کی ہدایت) کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ [141] تم نیکی کا حکم دیتے
الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ط
اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ [142] اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر تھا ان میں سے
مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۱۱۰ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ط
کچھ ایمان لانے والے ہیں اور اکثر نافرمان ہیں۔ [143] وہ (اہل کتاب) تم کو نقصان نہیں دے سکتے سوا زبانی اذیت کے
وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ قف ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝۱۱۱
اور اگر وہ تم سے لڑیں تو تم سے پیٹھ پھیر جائیں گے پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ [144]

امتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب امتوں سے افضل ہونا

[141] اس سے قبل مسلمانوں کو تفرقہ بازی سے روکا اور اتحاد کا درس دیا جا رہا تھا اب انہیں بتایا جا رہا ہے کہ تم سب سے بہتر امت ہو اور یہ تفرقہ بازی تمہارے شایان شان نہیں تو فرمایا گیا اے امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تم ہر امت سے بہتر ہو کیونکہ تمہیں دوسرے لوگوں (کافروں) کی راہنمائی کے لئے پیدا کیا گیا ہے، (یعنی تمہارا نبی آخری نبی ہے اور اسے جو کتاب دی گئی وہ آخری کتاب ہے۔ اب کوئی اور نبی نہیں آئے گا) تو اب یہ ذمہ داری تم پر ڈالی گئی ہے کہ دوسری قوموں تک اللہ کی کتاب کا نور پہنچاؤ اور یہ بھی کہ آپس میں ایک دوسرے کو نیکی کی دعوت دو اور برائی سے روکو۔

کفار کو دعوتِ اسلام کے تین طریقے

یاد رہے کفار تک دینِ اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے تین طریقے وضع کئے گئے ہیں۔

اول جہاد ہے، جس قوم سے جہاد کیا جائے اسے پہلے قبولِ دین کی دعوت دی جاتی ہے اگر وہ قبول کرلیں تو مقصدِ جہاد پورا ہو گیا یعنی دین کا پہنچانا، اگر وہ قبول نہ کریں تو انہیں اسلامی حکومت کے زیر سایہ رہنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ کیونکہ محکوم قومیں اکثر حاکموں کا دین اپنا لیتی ہیں، تاریخِ اسلام بتاتی ہے کہ جن علاقوں کو مسلمانوں نے فتح کیا وہاں تیزی سے اسلام پھیلا۔ اور اگر وہ اسلامی حکومت کے زیر سایہ رہنا بھی قبول نہ کریں تب ان سے جنگ کی جائے۔

دوم، کفار کو قرآن وحدیث کے ذریعے صداقتِ اسلام بتائی جائے۔

سوم، ان کے سامنے اہلِ اسلام اچھے کردار کا مظاہرہ کریں جسے دیکھ کر وہ خود دین کی طرف مائل ہو جائیں۔ اور یہاں اخرجت للناس میں یہ تمام طریقے مراد ہیں، یعنی امت مسلمہ کا فرض ہے کہ ان تین طریقوں میں سے ہر طریقہ کے ساتھ دوسری اقوام کو اسلام کی طرف بلائیں، پہلا طریقہ مسلمانوں کے حکمران ہی اپنا سکتے ہیں اور دوسرے دو طریقے ہر مسلمان کے بس میں ہیں۔

امتِ محمدیہ کی افضلیت

كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ کہہ کر امت محمدیہ کو سب امتوں سے افضل قرار دیا گیا اور دوسری جگہ فرمایا گیا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدًا ؕ اور اسی طرح ہم نے تمہیں افضل امت بنایا تاکہ تم لوگوں (دوسری امتوں) پر گواہ بنو اور رسول ﷺ تم پر گواہ بنیں۔ (بقرہ: ۱۴۳)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہم دنیا میں آنے والے آخری لوگ ہیں اور جنت میں جانے والے پہلے لوگ ہوں گے۔ ہمارا حساب سب سے اول لیا جائے گا، تو ہم پہلے بھی ہیں اور آخری بھی ہیں۔ (مسلم کتاب الجمعہ حدیث ۲۰، ابن ماجہ کتاب الزھد باب ۳۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں قیامت والے دن حوضِ کوثر سے تمہارے سوا سب دوسرے لوگوں کو ہٹاؤں گا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، کیا آپ ہمیں پہچانیں گے؟ فرمایا: ہاں، تمہارے چہرے اور دوسرے اعضاء وضو چمکتے ہونگے۔ (مسلم شریف کتاب الطہارۃ)

یاد رہے پہلے بنی اسرائیل کو یہ ذمہ داری دی گئی کہ وہ دوسری قوموں تک اللہ کا دین پہنچائیں، کیونکہ ان میں انبیاء بھیجے گئے اور کتابیں اتاری گئیں اور اسی بنیاد پر انہیں تمام اقوامِ عالم پہ فضیلت دی گئی اور ان کے لیے فرمایا گیا: وَاَنِّىۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ۔ اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پہ فضیلت دی۔ (بقرہ، ۴۷) مگر جب بنی اسرائیل نے انبیاء کا راستہ چھوڑ کر کفر وضلالت کا راستہ اپنالیا تو وہ تمام امتوں کی امامت کا منصب کھو بیٹھے۔

اب یہ منصب امت محمد یہ کو دیا گیا ہے اور انہیں ذمہ داری دی گئی ہے کہ دوسری اقوام تک پیغامِ حق پہنچائیں، اسی لیے انہیں سب سے افضل امت قرار دیا گیا ہے، امتِ محمد یہ کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ روز قیامت جب گزشتہ امتوں کے کفار کہیں گے کہ انہیں دین سکھانے کے لیے کوئی نبی نہیں آیا تھا تو امتِ محمد یہ کے جلیل القدر لوگ جیسے صحابہ کرام، تابعین، علماء ربانیین اور اولیاء کاملین انبیاء کے حق میں گواہی دیں گے، جیسا کہ سورہ بقرہ آیت ۱۴۳ میں بتایا گیا ہے، اس امت کو قرآن کی صورت میں نا قابلِ نسخ وتحریف کتاب دی گئی ہے، اس امت کے اعضاء وضوء روزِ قیامت نور کی طرح چمک رہے ہونگے، اس امت کو حوضِ کوثر سے پلایا جائے گا اور رسول اللہ ﷺ اپنی امت کی خصوصی شفاعت فرمائیں گے، اس کے علاوہ بھی اس امت کی کثیر خصوصیات ہیں۔

امت کا ہر فرد مبلّغ ہے

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ سے معلوم ہوا کہ جو بھی اس امت میں سے ہے وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ذمہ دار ہے اسے صرف علماء کی ذمہ داری سمجھنا غلط ہے، بلکہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ جہاں برائی دیکھے اسے روکنے کی کوشش کرے، اسی لئے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اگر ہاتھ کے ساتھ برائی سے روک سکے تو ہاتھ سے روکے، جو ہاتھ سے نہیں روک سکتا ہے وہ زبان سے روکے اور جو زبان سے بھی نہیں روک سکتا وہ کم از کم برائی کو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے (کہ آدمی برائی کے خلاف زبان بھی نہ کھول سکے)
(مسلم کتاب الایمان حدیث ۷۸، ابوداؤد کتاب الصلوۃ اب ۲۳۲)

دلیلِ ختمِ نبوت

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کہہ کر بالواسطہ بتایا گیا ہے کہ کفار تک دینِ اسلام کے پہنچانے کے لئے اب کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ اب یہ فرض امت ہی کے ذمہ لگایا گیا ہے، اور اسمیں شک نہیں کہ اس امت کی تبلیغ میں بہت تاثیر رکھی گئی ہے اور یہ تاثیر اصل میں قرآن وحدیث کی ہے، چنانچہ بعض علماء ربانیین اور صوفیاء کرام وہ ہیں جن کی تبلیغ سے ہزاروں لاکھوں کفار حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور ہوتے ہیں۔ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ایک وعظ سے سینکڑوں ملحدین تائب ہوئے، حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی ایک ایک مجلسِ وعظ میں ہزاروں یہود ونصاریٰ اسلام لاتے تھے، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے نوے لاکھ ہندوؤں سکھوں کو کلمۂ اسلام پڑھایا، تاثیر کا یہ ماحول اکثر انبیاء کے ہاں بھی نہیں ملتا اور یہ تاثیر حقیقت میں قرآن وسنت کی ہے۔
اور یہیں سے نقطۂ ختمِ نبوت بھی ہاتھ آتا ہے کہ نبوت محمدی ﷺ کا وہ آفتاب جلوہ گر ہے جس کی روشنی قرآن وسنت

کی صورت میں اس قدر عام ہو رہی ہے کہ اب کسی نجم نبوت کی ضرورت ہی نہیں، امریکہ میں ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کا واقعہ ہوا جس کے پیچھے یہودی سازش کارفرما تھی تاکہ اسلام کو دہشت گردی کا مذہب قرار دے کر بدنام کیا جائے، مگر معاملہ اس کے برعکس ہوا۔ ۱۱ ستمبر کے واقعہ کے بعد امریکہ میں تیزی سے اسلام پھیلا، تب سے اب تک وہاں لاکھوں لوگ اسلام لا چکے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس امت کو دوسری اقوام کا ہادی و قائد بنایا گیا ہے تو ضروری ہے کہ قائد پہلے اس پیغام پر خود درست طریقہ سے عمل پیرا ہو جو اس نے دوسروں تک پہنچانا ہے۔

سبق پڑھ پھر صداقت کا عدالت کا امانت کا لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

[142] یعنی اے مسلمانو! جب تمہیں دوسروں تک دین کے پہنچانے کے لئے بنایا گیا ہے تو تمہاری ذمہ داری ہے کہ نیکی کا حکم دو اور برائی کا خاتمہ کرو اور اس سلسلہ میں اللہ پر بھروسہ رکھو۔

[143] اے مسلمانو! تم دوسری قوموں کو دعوتِ اسلام دو اگر اہلِ کتاب تمہاری دعوت پر ایمان لے آئیں تو اس میں انہی کا فائدہ ہے، اہلِ کتاب کا نام خصوصاً اس لئے لیا گیا کہ وہ دوسرے مذاہب کی نسبت اسلام سے قریب تر اور صداقتِ اسلام سے واقف ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اہلِ کتاب میں سے کچھ ہی لوگ ایمان لاتے ہیں اکثر بدکردار یعنی کفر پر اڑ جانے والے ہیں۔

[144] یعنی اہلِ کتاب تمہیں زبانی اذیت دینے کے سوا تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے اور اگر وہ سامنے آ کر تم سے لڑیں تو منہ کی کھا کر بھاگیں گے یعنی اگر تم انہیں دعوتِ اسلام دو اور وہ اسے قبول کرنے کی بجائے لڑنے پر آمادہ ہوں تو وہ مقابلے میں ٹھہر نہیں سکیں گے، چنانچہ تاریخِ اسلام میں جب بھی ایسا موقع آیا تو یہود و نصاریٰ کو بھاگتے ہی بنی۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى کا یہ معنی بھی ہے کہ اگر اہلِ کتاب میں سے کوئی ایمان لے آئے تو وہ اس کا کچھ نقصان نہیں کر سکتے سوا زبانی اذیت رسانی کے، بقول حضرت مقاتل جب عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہود میں سے ایمان لائے تو یہود نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو نقصان دینے کا ارادہ کیا تب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ (مظہری)

اس جگہ اگر سوال کیا جائے کہ قرآن تو فرماتا ہے: وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ مگر آج تو یہ حالت ہے کہ مسلمان یہود و نصاریٰ کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتے پھر یہ کہنا کیسے درست ہوا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتے؟ تو اس کا جواب قرآن حکیم میں بارہا دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ ''اگر تم مخلص مومن ہو تو تم ہی کامیاب ہو'' (آل عمران:۱۳۹) وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ''آپس میں تنازع نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔'' (انفال:۴۶) اور آج امتِ مسلمہ آپس ہی میں ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہی ہے، پھر وہ یہود و نصاریٰ پہ کیسے غالب آ سکتی ہے۔

افسوس! ہم میں ان مومنین والی صفات میں سے کچھ بھی نہیں ہے جن کو اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں مومنین فرماتا ہے، جیسے اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ﴿۹﴾

''یقیناً مومنین کامیاب ہوگئے جو اپنی نمازوں میں خشوع رکھتے ہیں، جو بیہودہ باتوں سے منہ موڑتے ہیں، جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوا اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے، اس میں ان پہ کوئی ملامت نہیں ،تو جو اس کے علاوہ (بیوی اور لونڈی کے علاوہ) کوئی راستہ تلاش کرے تو یہ لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں اور جو اپنی اپنی امانتوں اور وعدوں کا پاس رکھتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔'' (سورہ مومنون،۱۔۹)

یہاں کامیاب مومنوں کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان مین سب سے قبل نماز میں خشوع وخضوع ہے، جبکہ آج مسلمانوں میں نوے فیصد لوگ نماز پڑھتے ہی نہیں اور جو میرے جیسے کچھ لوگ پڑھتے ہیں وہ بس رسم ہی پوری کرتے ہیں ،خشوع وخضوع نام کی کوئی شئے ہم میں نہیں ہے، پھر ہم میں امانت اور عہد کی کوئی پاسداری نہیں ہے، بلکہ امانت نام کی جنس نایاب ہوگئی ہے، پھر ہمیں کامیابی کیسے ملے؟

اس جگہ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے جوابِ شکوہ میں مسلمانوں کی موجودہ ذلت وخواری کا سبب اور اس کا حل بیان کیا ہے، آپ فرماتے ہیں۔ ؎

ہر مسلماں رگِ باطل کے لیے نشتر تھا
اس کے آئینۂ ہستی میں عملِ جوہر تھا

جو بھروسہ تھا اسے قوتِ بازو پر تھا
ہے تمہیں موت کا ڈر اسکو خدا کا ڈر تھا

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے
تم مسلمان ہو؟ یہ اندازِ مسلمانی ہے؟

حیدری فقر ہے نہ دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے

وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہوکر

ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ اَيۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ

ان پر ذلت مسلط کی گئی ہے جہاں بھی وہ (دنیا میں) پائے جائیں سوا کسی عہد کے اللہ کی طرف سے اور لوگوں کی

النَّاسِ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡمَسۡكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ

طرف سے۔[145] اور وہ اللہ کے غضب کے سزاوار ہوئے اور ان پر محتاجی مسلط کی گئی ہے۔[146] یہ اس لیے ہے

بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ الۡاَنۡبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ؕ

کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کرام کو ظلماً قتل کرتے تھے [147]

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوۡا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾ؗ

اور یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔[148]

یہود پہ مسلط کی جانے والی دائمی ذلت

[145] اس جگہ یہود کی دائمی ذلت وخواری بیان ہو رہی ہے اور قرآنِ حکیم میں اکثر جگہ اہلِ کتاب سے یہود ہی مراد ہوتے ہیں دراصل مدنی سورتوں کے نزول کے وقت مدینہ طیبہ میں یہود ہی موجود تھے تو عموماً انہیں کو اہلِ کتاب کہہ کر یاد کیا گیا۔ یہاں بھی یہود ہی مراد ہیں کہ وہ دنیا میں جہاں بھی ہوں ان پر ذلت مسلط کر دی گئی ہے بایں طور کہ وہ دوسری قوموں کی ٹھوکروں پہ ہوں گے اور دنیا میں دربدر پھریں گے، چنانچہ انہیں فلسطین سے رومی حکومت نے دوسری صدی عیسوی میں مار بھگایا پھر یہ مدینہ طیبہ سے عہدِ نبوی ﷺ میں مار بھگائے گئے، پھر عہدِ فاروقی میں انہیں جزیرۂ عرب سے نکال دیا گیا پھر یہ سلسلہ چلتا رہا ہے، ابھی ماضی قریب میں انہیں ہٹلر نے جرمنی سے مار بھگایا۔

تو یہ کہیں ٹھہر نہیں سکتے، سوا اس کے کہ انہیں اللہ کی طرف سے کوئی عہد مل جائے یعنی کوئی مسلمان حکومت انہیں اپنے زیرِ سایہ بطور ذمی قبول کر لے اور وہ اپنی جان بچا کر بیٹھ جائیں یا انہیں دوسرے لوگوں یعنی مسلمانوں کے علاوہ کسی دوسری قوم کی طرف سے پناہ مل جائے اور وہ انہیں زندہ رہنے کا موقع دے دیں، جیسے آج یہود کو امریکہ نے پناہ دے رکھی ہے اور زندہ رہنے کی اجازت دی ہوئی ہے، اگر آج امریکہ یہود کی پشت پناہی چھوڑ دے تو وہ ایک دن کے لیے زندہ نہ رہ سکیں، یعنی اگر انہیں کسی مسلم یا غیر مسلم قوم کی پناہ نہ ملے تو ان کی زندگی کا چراغ فوراً گل ہو جائے۔ اس سے صداقتِ قرآن معلوم ہوئی کہ قرآن نے یہود کے بارے میں جو کہا وہ حرف بحرف پورا ہوا۔

یہود پہ ماضی میں کس طرح ذلت مسلط رہی اور مستقبل میں کیسے رہے گی؟

یہود پہ ذلت کے مسلط ہونیکی وجہ یہ ہے کہ یہودی لوگ بدعہد، فتنہ پرور اور سازشی قوم ہے۔ انہیں دوسری قومیں بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کے مطابق پناہ تو دے دیتی ہیں مگر یہ منحوس قوم اپنی شر پسند طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسی قوم کی جڑیں کاٹنے لگتی ہے جو انہیں پناہ دے۔ اس لئے قرآنِ حکیم نے کہا:

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ط ''وہ جب بھی کسی قوم سے عہد کریں تو انہی میں سے ایک گروہ اسے توڑ دیتا ہے۔'' (بقرہ:۱۰۰)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں رومی حکومت نے ان پر بھروسہ کر کے انہیں فلسطین کی حکومت دیدی، تو انہوں نے رومیوں کے خلاف سازش کی، رومیوں نے انہیں فلسطین سے مار بھگایا، یہ وہاں سے تتر بتر ہو گئے۔ ان میں سے کچھ مدینہ طیبہ میں آکر آباد ہوئے جب حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی یہاں حکومت قائم ہوئی تو آپ نے ان سے بقاء باہمی کا معاہدہ کیا مگر اس بدبخت قوم نے کفار مکہ سے مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی بار شہید کرنا چاہا تب انہیں مدینہ طیبہ سے نہایت ذلت سے نکالا گیا۔ پھر ماضی قریب میں یہ لوگ جرمن قوم کی پناہ میں تھے مگر جرمنوں ہی کے خلاف برطانیہ و امریکہ کی خفیہ حمایت کر رہے تھے، تب جرمن لیڈر ہٹلر نے چھ لاکھ یہودی چند دن میں قتل کر دیے جو باقی بچے انہوں نے مختلف ملکوں میں پناہ لی۔ تب قرآن حکیم کے ارشاد وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کے مطابق امریکہ و برطانیہ نے انہیں پشت پناہی دی اور فلسطین کے مسلمانوں کا گلہ دبا کر یہود کو وہاں حکومت دلا دی۔

اب یہود اندر ہی اندر سے اپنے محسن امریکہ کی جڑیں کاٹ رہے ہیں اسے مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہے ہیں، جس مسلمان ملک سے انہیں کچھ خطرہ نظر آتا ہے اس پر امریکہ کو چڑھا دیتے ہیں، ابھی حال ہی میں انہوں نے امریکہ کے ہاتھوں عراق کو تباہ و برباد کیا ہے، کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ عراق ایٹمی ہتھیار بنا رہا ہے جو اسرائیل کے خلاف استعمال ہو سکتے ہیں، چنانچہ امریکی حکومت ان کاروائیوں کی وجہ سے معاشی طور پر کمزور سے کمزور تر ہوتی جا رہی ہے اور امریکہ کی غیر یہودی عوام میں یہود کے خلاف شدید نفرت بڑھ رہی ہے اور وہ وقت دور نہیں جب امریکہ ہی کے ہاتھوں ان کا وہ حشر ہوگا کہ وہ ہٹلر کی مار بھی بھول جائیں گے۔

الغرض اللہ رب العزت کا ارشاد ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اور وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ط برحق اور ہر شبہ سے بالاتر ہے، پھر وہ وقت بھی آ رہا ہے جب قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونگے تو ہر پتھر کے پیچھے سے آواز آئے گی کہ میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے، اسے مارو۔ اور حدیث طیبہ میں یہ بھی ہے کہ جب دجال ظاہر ہوگا تو سب یہودی اس کے ساتھ ہونگے اور جب دجال کو عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے تو یہود کے لیے کوئی جائے پناہ نہ ہوگی۔

بلکہ محقق علماء کا کہنا ہے کہ آج جس طرح فلسطین میں یہودی حکومت قائم ہوئی ہے اور دنیا بھر کے یہودی وہاں جمع

ہو رہے ہیں یہ گویا دجال کے ظہور کا سٹیج تیار ہو رہا ہے، کیونکہ حدیث طیبہ کے مطابق دجال کو عیسیٰ علیہ السلام مقام لُد میں قتل کریں گے، اور لُد آج اسرائیل میں ایک شہر کا نام ہے۔

[146] یہود پر مسکنت کا مسلط ہونا بایں معنی ہے کہ یہ کمینگی اور اخلاقی پستی کا شکار ہیں ان پر کنجوسی اور حرص دنیا سوار ہے وہ سود کے ذریعے دوسرے لوگوں کا خون چوس کر بڑی لذت محسوس کرتے ہیں۔ قرآن نے کہا: وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَاَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ ؕ ''ان کے سود کھانے کی وجہ سے جبکہ انہیں اس سے روکا گیا ہے اور لوگوں کے اموال ناحق ہڑپ کرنے کے سبب ان پر لعنت کی گئی ہے۔'' (نساء:۱۶۱) آج دنیا کا نظام سرمایہ داری یہود کے ہاتھ میں ہے اور وہ ساری انسانیت کا خون چوس کر اسرائیل کو مضبوط سے مضبوط تر کر رہے ہیں۔ پھر اس قوم کی فطرت میں سازش، فتنہ پروری اور شر انگیزی شامل ہے یہ بھی ان پہ مسکنت کے مسلط ہونے کے مفہوم میں شامل ہے۔

[147] یہود انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کرنے اور ان پر نازل شدہ آیات کے انکار میں بہت دلیر رہے ہیں اور ان کی بعد والی نسلیں اپنے آباء کے ان کرتوتوں پر نادم ہونے کی بجائے ان پر فخر کرتی ہیں، چنانچہ وہ فخر سے کہتے ہیں: اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ ''ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کیا ہے۔'' (نساء:۱۵۷) اس لئے اس بدنہاد قوم پر دائمی ذلت و مسکنت قائم کی گئی ہے۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت سے باخبر ہونیکے باوجود ان کا انبیاء سے دشمنی کرنا اور ان کے قتل کے درپے ہونا اس قوم پہ ذلت کے مسلط ہونے کا سبب ہے، اسی میں یہ بھی شامل ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت سے مطلع ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کی اور آپ کو شہید کرنے کا بارہا منصوبہ بنایا اور آج تک آپ کی امت سے شدید دشمنی کر رہے ہیں۔

[148] یعنی یہ قوم جب بھی نافرمانی پر اتری تو ساری حدوں سے تجاوز کر گئی۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ

مگر وہ سارے ایک جیسے نہیں، اہل کتاب میں سے ایک گروہ وہ بھی ہے جو (ایمان لا کر حق پہ) کھڑے ہوتے ہیں اللہ کی آیات کی تلاوت

الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ

کرتے ہیں رات کے پہروں میں اور وہ سجدۂ نماز ادا کرتے ہیں۔ [149] اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نیکی کا

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓىِٕكَ مِنَ

حکم کرتے اور برائی سے روکتے ہیں اور نیک کاموں میں سبقت لے جاتے ہیں یہ لوگ اللہ کے نیک بندوں میں سے

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

ہیں۔ [150] اور وہ جو بھی بھلائی کرتے ہیں اس کے ثواب سے محروم نہ کیے جائیں گے اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔ [151]

اہل کتاب میں سے ایمان لانے والے لوگوں کی فضیلت

[149] یعنی اہلِ کتاب سارے ایک جیسے نہیں ہیں، ان میں سے کچھ لوگ ایمان بھی لے آتے ہیں اور رات کے پہروں میں اللہ کی آیات (قرآن) کی تلاوت کرتے اور سجدۂ نماز ادا کرتے ہیں۔ یہاں بھی اہلِ کتاب سے یہود ہی مراد ہیں۔ یہ آیات حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ یہودیت سے تائب ہو کر اسلام لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں اتری ہیں۔ جب وہ اسلام لائے تو یہود نے کہا یہ ہم میں سے بدتر لوگ تھے اس لئے اپنا دین چھوڑ گئے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتار کر بتایا کہ یہ یہود میں سے بہتر لوگ تھے۔ اور ان میں سے جو بہتر ہیں وہ ایمان لے آتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں رات کے پہروں میں قرآن پڑھنے اور سجدہ کرنے سے مراد نماز عشاء کی ادائیگی ہے، کیونکہ یہ نماز پہلی امتوں میں سے کسی کو نہ دی گئی، ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عشاء کے لئے بہت تاخیر سے آئے اور فرمایا تمہیں اس نماز کے ذریعے پہلی امتوں پر فضیلت دی گئی ہے اور اہلِ کتاب میں سے کوئی اسے نہیں پڑھتا۔

(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ۸)

کفر چھوڑ کر ایمان لانے والوں کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی صحابہ یہودیت چھوڑ کر اسلام لائے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کی فضیلت میں یہ آیات اتاریں اور حدیث میں ہے ''کفر چھوڑ کر ایمان لانے والے کے تمام گزشتہ گناہ مٹا دیئے جاتے

ہیں۔'' (دارمی مقدمہ باب ۲۳)

نماز عشاء کی فضیلت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نماز عشاء پڑھنے کی تعریف کی گئی اور بتایا گیا کہ اس نماز کے ذریعے امت محمدیہ کو پہلی امتوں پر فضیلت دی گئی کیونکہ عشاء کے وقت انسان سارے دن کی محنت سے تھک کر مائل بہ خواب ہوتا ہے ایسے میں آرام کو قربان کر کے نماز پڑھنا اور اس کے لئے مسجد جانا اللہ رب العزت کو بہت پسند ہے۔ اسی لیے حدیث مبارکہ میں ہے کہ ''تاریکی میں مسجد آنے والوں کو روزِ قیامت نور تام کی بشارت دے دو۔'' (ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب ۴۹) اور مومن کو چاہیے کہ وہ نماز پڑھ کر سوئے، ممکن ہے یہ اس کی زندگی کی آخری رات ہو اور اسکی صبح دیکھنا اسے نصیب نہ ہو، شاعر کہتا ہے۔

سونے والے رب کو سجدہ کر کے سو کیا خبر اٹھے نہ اٹھے تو صبح کو

[150] یعنی اہلِ کتاب میں سے ایمان لانے والے لوگ جب اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لے آتے ہیں یعنی تمام دینی عقائد کو اپنا لیتے ہیں تو وہ دوسرے اہلِ کتاب کو بھی اسلام قبول کرنے اور کفر سے باز آنے کی تلقین کرتے اور نیک کاموں میں سبقت لے جاتے ہیں۔ آج ہم یہاں برطانیہ میں دیکھتے ہیں کہ جو انگریز اسلام کی خوبیوں سے متاثر ہو کر اسلام لائے ان میں سے کئی نے تبلیغ اسلام کو اپنا مقصد زندگی بنا لیا۔۔ البتہ جو لڑکے لڑکیاں شادی کے لئے اسلام لاتے ہیں ان میں عموماً تبلیغِ دین کا یہ شوق پیدا نہیں ہوتا۔ اور میں نے ایک کتاب پڑھی ہے ''ہم مسلمان کیوں ہوئے'' اس میں ان مشہور نوے نومسلموں کے احوال بتائے گئے ہیں جنہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی زندگی غیر مسلموں میں تبلیغِ اسلام کے لیے وقف کر دی، ان میں سے اکثر کا تعلق امریکہ و یورپ کے پڑھے لکھے عیسائی لوگوں سے ہے۔

[151] یعنی ایمان لانے سے قبل ان کی ہر نیکی برباد تھی مگر ایمان لانے کے بعد ان کی ہر ادنیٰ نیکی کا بھی انہیں اجر دیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ پرہیزگاروں کے اعمال سے خوب واقف ہے۔ گویا یہ ایمان کی برکت ہے کہ مومن کو اس کی ہر ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی بھی کام آئے گی۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''آگ سے بچ جاؤ، خواہ آدھی کھجور کے ساتھ۔'' (بخاری کتاب الزکوۃ باب ۹) یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں مومن کا آدھی کھجور خرچ کرنا بھی اس کے لیے جہنم سے آزادی کا سبب بن سکتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ (کے عذاب) سے کچھ

شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ

بچا نہ سکیں گی یہ لوگ دوزخ والے ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ [152] اس چیز کی مثال جو وہ

فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ

اس دنیوی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس ہوا کی طرح ہے جس میں سخت سردی ہو وہ اس قوم کی کھیت کو لگی

ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

جنہوں نے خود پر ظلم کیا تھا تو اسے تباہ کر دیا اور اللہ نے ان پر ظلم نہ کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پہ خود ظلم کرتے تھے۔ [153]

[152] گذشتہ آیات میں کفر چھوڑ کر ایمان لانے والوں کی فضیلت بتائی گئی اب کہا جا رہا ہے کہ جو لوگ کفر ہی پر مر گئے روزِ قیامت نہ ان کے اموال انہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکیں گے نہ ان کی اولاد، یعنی جن اموال و اولاد کے گھمنڈ میں وہ اسلام نہیں لاتے اور کفر پر اتراتے ہیں یہ اموال و اولاد انہیں کچھ فائدہ نہ دیں گے اور انہیں ہمیشہ دوزخ ہی میں رہنا ہوگا۔

روزِ قیامت مومن کو اس کا مال بھی فائدہ دے گا اور اولاد بھی

جب کفار کو ان کے اموال و اولاد کا فائدہ نہ دینا بتایا گیا تو معلوم ہوا مومن کو یہ چیزیں فائدہ دیں گی اگر اس نے راہِ خدا میں ایک پیسہ بھی خرچ کیا وہ اسے فائدہ دے گا اور اس کی اولاد کی نیکیاں بھی اس کے لئے باعثِ بلندی درجات ہوں گی۔ اسی طرح نیک اولاد کی دعا ماں باپ کو ان کے مرنے کے بعد فائدہ دیتی ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں ولد صالح یدعو له اسی لیے فرمایا گیا ہے، یعنی مومن کے مرنے کے بعد جو تین چیزیں اسے فائدہ دیتی ہیں ان میں سے ایک چیز اس کے نیک بیٹے کا اس کے حق میں دعا کرنا بھی ہے۔

کوئی مومن دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا

کفار کے لئے کہا گیا: هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے گویا مومن اگر دوزخ میں گیا تو تھوڑے عرصہ کے لئے جائے گا بالآخر شفاعت مصطفویہ ﷺ کے صدقے اسے دائمی جنت مل جائے گی۔ چنانچہ اس پہ

احادیث مبارکہ کے انبار لگے ہوئے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو اذن شفاعت ہوگا اور آپ دوزخ کی طرف جائیں گے، وہاں سے ایک بڑی مخلوق کو نکال کر لائیں گے، اللہ رب العزت اپنے محبوب ﷺ کو پھر بھیجے گا کہ جائیں ابھی وہاں بہت لوگ ہیں جن کے دل میں ایمان ہے، تو آپ جائیں گے اور مزید لوگوں کو جہنم سے نکال کر لائیں گے، حتی کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے ادنیٰ سے ادنیٰ حصہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اسے بھی حضور ﷺ دوزخ سے نکال لائیں گے اور جنت میں پہنچا دیں گے۔ (بخاری کتاب التوحید حدیث ۷۵۱۰)

[153] کفار کی نیکیوں کی بربادی کیسے ہوگی اس کی مثال یہ ہے کہ ایک قوم نے ظلم کی بنیاد پر ایک کھیت اگا یا مثلاً کسی کی زمین پر ناجائز قبضہ کر کے اس میں کھیت بویا۔ یا وہ کفر و معاصی کے ظلم میں مبتلا تھے۔ جب کھیت پک گیا تو وہ بہت خوش تھے مگر اچانک اللہ نے ٹھنڈی یخ ہوا چلا دی جس سے کھیت کی بالیاں خشک ہوگئیں اور غلہ سوکھ کر ناکارہ ہوگیا اسی طرح کفار جو نیکیاں کریں وہ بے کار ہیں جب موت کی بادِ صرصر چلے گی تو ان کے اعمالِ حسنہ کا کھیت سوکھ کر جل جائے گا اور یہ اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں۔ یعنی ان کی نیکیوں کے مقابلہ میں ان کا کفر اس قدر بھاری ہے کہ سب نیکیاں ضائع کر دیتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِكُمۡ لَا يَاۡلُوۡنَكُمۡ خَبَالًا ؕ

اے ایمان والو! کسی کو اپنا رازدار نہ بناؤ سوا اپنے مسلمانوں کے وہ (کفار) تمہیں نقصان دینے میں کمی نہیں کرتے وہ ہر ایسی چیز

وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ۚ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ۖۚ وَمَا تُخۡفِىۡ

پسند کرتے ہیں جو تمہیں تکلیف میں ڈالے۔ بغض ان کے منہ سے پھوٹا پڑتا ہے اور ان کے سینے جو عداوت چھپائے ہوئے ہیں

صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ ؕ قَدۡ بَيَّنَّا لَكُمُ الۡاٰيٰتِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰۤاَنۡتُمۡ

وہ اس سے بڑی ہے بے شک ہم نے تمہیں نشانیاں واضح کر دی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو تو۔ [154] یہ تم ہو کہ

اُولَآءِ تُحِبُّوۡنَهُمۡ وَلَا يُحِبُّوۡنَكُمۡ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوۡكُمۡ

ان سے محبت رکھتے ہو جبکہ وہ تم سے محبت نہیں رکھتے اور تم ساری کتاب پر ایمان رکھتے ہو۔ [155] جب وہ تم سے ملتے ہیں

قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَيۡكُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَيۡظِ ؕ قُلۡ

تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب تنہا ہوتے ہیں تو تم پر اپنی انگلیاں غصے سے کاٹ لیتے ہیں آپ فرما دیں

مُوۡتُوۡا بِغَيۡظِكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ

تم اپنے غصے میں مر جاؤ بے شک اللہ سینوں کے بھید جانتا ہے۔ [156] اگر تمہیں

حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ ۫ وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا بِهَا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا

اچھائی پہنچے تو انہیں بری لگتی ہے اور اگر تمہیں برائی پہنچے تو اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو

وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

اور اللہ سے ڈرو تو تمہیں ان کا مکر کچھ نقصان نہ دے گا بے شک اللہ تمہارے اعمال کو گھیرے ہوئے ہے۔ [157]

ع ۱۲ / ۱۱ / ۲

مومنوں کو حکم کہ کفار کو رازدار نہ بنائیں

[154] کفار کی اخروی بربادی بتانے کے بعد ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ اے مومنو! تم اپنے قومی راز اپنے ہی لوگوں کے

پاس رکھو دوسرے لوگوں یعنی غیر مسلموں کو اپنے رازوں پر مطلع نہ کرو کیونکہ وہ تمہیں نقصان پہنچانے کا موقع ہاتھ سے نہیں نکلنے دیتے اگر تمہارا کوئی راز ان تک چلا گیا تو وہ تمہارے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ وہ تمہارے خلاف اپنی دلی نفرت کو جتنا بھی دبائیں پھر بھی ان کے منہ سے نکلنے والے الفاظ ان کی اندرونی عداوت کی بدبو ظاہر کر ہی دیتے ہیں۔ اور ان کے سینوں میں جو عداوت چھپی ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ لہٰذا دشمن کو دوست مت سمجھو،

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''مشرکوں کی آگ سے روشنی نہ لو۔'' (نسائی کتاب الزینۃ باب ۵۵)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ ان سے اپنے معاملات میں مشورہ نہ لو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا گیا اہلِ حیرہ میں سے فلاں لڑکا بہت اچھا منشی ہے آپ اسے ملازم رکھ لیں آپ نے فرمایا اگر میں ایسا کروں تو میں مشرکوں کو اپنا راز دار بناؤں گا۔ (در منثور عن ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۰)

مرزائیوں اور عیسائیوں وغیرہ کو اہم حکومتی عہدوں پر بٹھانا حرام ہے

لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ کا حکم واضح ہے۔ پھر دشمنوں کو ایسے عہدوں پر بٹھانا جہاں سے وہ قومی رازوں پر مطلع ہوں صریح اسلام دشمنی اور مسلم کشی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی خارجہ پالیسی سے کفار کو مطلع کرنا جائز نہیں۔ کفار کو راز دار نہ بنانا واضح حکمِ قرآن ہے مگر افسوس آج ہمارا کوئی راز رہا ہی نہیں ہماری پالیسیاں اغیار مرتب کرتے ہیں۔ پھر اصلاحِ احوال کی کوئی صورت کیسے متصور ہے۔ اللہ جل جلالہٗ ہی سے فریاد ہے کہ وہ ہمیں غیرت مند مسلم حکمران عطا فرمائے۔

مسلمانوں کی اپنی مسلم اقوام متحدہ (Muslim United Nations) ہونی چاہیے

جب مسلمانوں کے راز ان کے مابین ہی رکھنا ضروری ہیں تو ضروری ہے کہ مسلمانوں کی اپنی مسلم اقوام متحدہ ہو جس کے رازوں سے ہر مسلم حکمران واقف اور ہر غیر مسلم حکمران ناواقف ہو، تب ہی وہ کفار کا مقابلہ کر سکتے ہیں موجودہ اقوام متحدہ مسلمانوں کے ہاتھ پاؤں باندھنے کے لئے بنائی گئی ہے تاکہ وہ طاغوتی طاقتوں کے ہاتھوں مسلسل پٹتے رہیں اور جوابی کارروائی نہ کر سکیں۔ مسلمانوں کو اس نام نہاد اقوام متحدہ سے باہر نکل آنا چاہئے۔

کفار سے دوستی کہاں تک جائز ہے

اس بارہ میں ہم پیچھے لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ (آل عمران، ۲۸) کے تحت مفصل کلام کر آئے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کفار سے ہر وہ تعلق جو کسی مسلمان کے لیے دینی یا دنیوی اعتبار سے باعث نقصان ہو وہ جائز نہیں ہے اور جو ایسا نہ ہو وہ جائز ہے، ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ

''جو کفار تم سے لڑائی نہیں کرتے اور تمہیں تمہارے علاقوں سے نکالنے کی کوشش نہیں کرتے اللہ تمہیں ان کے ساتھ بھلائی کرنے سے منع نہیں فرماتا۔'' (الممتحنہ،۸) معلوم ہوا کہ انہی کفار سے دوستی اور بھائی چارہ ممنوع ہے جو اسلام دشمنی میں ملوث ہوں، دوسرے کفار سے اچھے مراسم رکھنا تا کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہوں عظیم دینی خدمت ہے۔

[155] یعنی اے مسلمانو! تم کفار سے محبت رکھتے ہو، یعنی تم نے کبھی کسی دوسری قوم کو ناحق ستانے کی کوشش نہیں کی مگر کفار کو تم سے کوئی محبت نہیں ان کی تاریخ مسلمانوں سے ناروا سلوک سے بھری ہوئی ہے۔ قریشِ مکہ و یہودِ مدینہ سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور آج تک فلسطین، کشمیر، افغانستان اور عراق میں جاری ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ تم اپنی سادگی میں اپنے راز ان پر اگل دیتے ہو مگر وہ تم پر اپنے راز ہرگز نہیں اگلتے، تو تمہیں محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم ساری کتاب پر ایمان رکھتے ہو، یعنی تمام آسمانی کتابوں کو اللہ کی نازل کردہ مانتے ہو مگر ان کے بغض کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنی کتاب کے علاوہ کسی کتاب کو منزل من اللہ نہیں مانتے جیسا کہ انہوں نے کہا: نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ. (بقرہ:۹۱) یعنی انہیں تمہارے قرآن سے چڑ ہے۔ گزشتہ سال ۲۰۰۵ء میں امریکی فوجیوں کے ہاتھوں گوانتاناموبے کے جزیرہ میں قرآن کریم کی شدید بے حرمتی کی خبریں آنے پر پورے عالم اسلام میں شور مچا تھا مگر فرعونِ وقت امریکہ نے اس کا نوٹس تک نہ لیا، اگر اس کے باوجود مسلم حکمران ہوش میں نہ آئیں تو دعا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اٹھالے اور ان کی جگہ اچھے حکمران لائے۔

[156] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفار جب تم سے ملیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے یعنی ہم مانتے ہیں کہ مسلمان بڑی فراخ دل قوم ہے اسلام بڑا اچھا مذہب ہے، وغیرہ مگر یہ ان کی منافقانہ سیاسی باتیں ہیں۔ کیونکہ وہ جب باہم تنہا ہوں تو تم پر غصے میں اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں، جب کسی شخص کو دوسرے آدمی پر شدید غصہ آئے تو وہ اسے کچا کھا جانا چاہتا ہے پھر جب وہ ایسا نہیں کرسکتا تو خود ہی کو کاٹنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار کی تم سے عداوت کا بھی یہ عالم ہے کہ تمہارے خلاف غصہ میں اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے کافرو! تم اپنے غصے ہی میں گھٹ گھٹ کر مرجاؤ اسلام تاقیامت زندہ رہے گا۔ مسلمان غالب تھے اور غالب ہوں گے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا — مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا
تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں — ممکن نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

[157] اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی اچھائی ملے تو وہ کفار کو ہرگز گوارا نہیں اور اگر تمہیں تکلیف پہنچے تو بہت خوش ہوتے ہیں۔ اللہ رب العزت کا یہ ارشاد برحق ہے۔

کفار کو مسلمانوں کی ترقی اور بھلائی ایک آنکھ نہیں بھاتی

چنانچہ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں مسلمانوں کا عالمی بینک B.C.C.I امریکہ و برطانیہ کی مشترکہ کوشش سے ختم کیا گیا

کیونکہ وہ مستقبل میں مسلمانوں کی معاشی قوت کا ضامن بن سکتا تھا۔ پھر اسی دہائی میں انڈونیشیا کی معیشت تباہ کی گئی تا کہ وہ ایک مضبوط اسلامی ملک بن کر نہ ابھرے۔ پاکستان نے ایٹمی دھماکہ کیا ہے جو کفار کو ہضم نہیں ہو رہا اور اسے ختم کرنے کی سازشیں ہو رہی ہیں جبکہ اسرائیل چار سو ایٹم بم بنا چکا ہے وہ کسی کو نظر نہیں آ رہے۔

اس کے برعکس ۲۰۰۳ء میں اس لئے عراق کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی کہ وہ ایٹم بم بنا رہا ہے حالانکہ وہ بیچارا کچھ بھی نہیں بنا رہا تھا۔ ان واقعات کی روشنی میں قرآن کی صداقت کس قدر واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کا علاج یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم صبر سے کام لو یعنی دین پر ثابت قدم رہو اور تقویٰ اختیار کرو یعنی اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت اپناؤ تو کفار کی سازشیں تمہارا کچھ بگاڑ نہ سکیں گی بلکہ تم ان پر غالب آؤ گے۔

وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِیْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ
اور یاد فرمائیں اے پیارے نبی! جب آپ اپنے گھر والوں کے پاس سے باہر نکلے تا کہ آپ مؤمنوں کو جہاد کے لیے مورچوں پر مقرر فرمائیں
وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۙ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ
اور اللہ سننے جاننے والا ہے۔ [158] جب تم میں سے دو گروہوں نے ارادہ کیا کہ بزدلی دکھائیں
وَاللّٰهُ وَلِیُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾
اور اللہ ان کا مددگار ہے اور اللہ ہی پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔ [159]

[158] گزشتہ آیت مبارکہ میں کفار پر غلبہ کے لئے صبر و تقویٰ کا ہتھیار آزمانے کا حکم ہوا اب مثال دی جا رہی ہے کہ احد میں بعض مسلمانوں نے اس سلسلہ میں کچھ کوتاہی کی تو سب مسلمانوں کو تکلیف سے دوچار ہونا پڑا۔ تو فرمایا گیا اے پیارے محبوب ﷺ! آپ وہ وقت یاد کریں جب آپ اپنی بیوی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے غزوۂ احد کی طرف نکلے تا کہ مسلمانوں کو جنگ کے لئے مورچوں اور نشستوں پر بٹھا دیں۔ یعنی وہ ان مورچوں پر مضبوطی سے جم جائیں اور جب تک آپ انہیں وہاں سے نہ اٹھائیں وہ نہ اٹھیں۔ مگر ان میں سے بعض نے اپنا مورچہ چھوڑ دیا اور سارے اسلامی لشکر کو سخت تکلیف سے دوچار ہونا پڑ گیا۔

نبی اکرم ﷺ کا اسلحہ زیب تن کر کے غزوہ احد کے لیے نکلنا

قرآن کریم میں جب کسی واقعہ کو لفظ وَاِذْ سے شروع کیا جائے تو کوئی اہم واقعہ ہوتا ہے، جسے یاد کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ، وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ اور وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ۔

تو اس جگہ حضور نبی اکرم ﷺ کے احد کی طرف نکلنے کو اس لئے اہم واقعہ کے طور پر بیان کیا جارہا ہے کیونکہ اس وقت آپ ﷺ پورا جنگی لباس پہن کر لشکر اسلامی کے کمانڈران چیف کے طور پر گھر سے نکلے تھے۔ اور یوں جنگی لباس یعنی فوجی وردی کا پہننا اور اسلحہ زیب تن کرنا بھی سنت رسول ﷺ بن گیا۔

بقول شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آپ ﷺ نماز عصر کے بعد حجرہ میں تشریف لے گئے اور ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما نے آپ کو اسلحہ پہنایا، سینے پر زرہ سجائی، دستار سر پر باندھی، ترکش کمر میں ڈالا تیغِ ذوالفقار گردن میں حمائل کی اور نیزہ حضور نبی رحمت ﷺ نے اپنے دست مبارک میں پکڑا۔ (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۱۹۹)

نبی اکرم ﷺ کا اسلحہ پہن کر احد کے لیے نکلنا اعجازی شان کا حامل تھا

جب رسول اللہ ﷺ کو کفار کے ایک بڑے لشکر کے آنے کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدر میں شامل نہ ہوئے تھے اور بعض جوشیلے نوجوان صحابہ مُصر تھے کہ شہر سے باہر نکل کر لڑنا چاہیے، جبکہ نبی اکرم ﷺ کا ذاتی خیال تھا کہ شہر ہی میں رہ کر لڑا جائے، جب ان کا اصرار بڑھا تو حضور ﷺ نے ان کی رائے کو اختیار فرمایا، آپ اندر تشریف لے گئے، اسلحہ پہنا اور مکمل جنگی تیاری کر کے باہر نکلے تو ان صحابہ کو ندامت ہوئی، انہوں نے رو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے آپ کو ناحق تکلیف دی، آپ اپنی خوشی سے جو چاہیں پسند فرمائیں، حضور ﷺ نے فرمایا: جب اللہ کا پیغمبر ہتھیار پہن لے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ لڑے بغیر انہیں اتار دے۔

(ابن جریر، ابن منذر، ابن اسحاق وغیرھم)

غزوۂ احد شوال ہجری ۳ میں پیش آیا، اس کا سبب یہ ہوا کہ اس سے ایک برس قبل غزوہ بدر ہوا جس میں مسلمانوں کو عظیم الشان کامیابی ہوئی، کفار مکہ نے اس کا بدلہ لینے کے لیے اگلے برس مدینہ طیبہ پہ دوبارہ حملہ کیا۔ رسول اکرم ﷺ نے شہر سے باہر نکل کر میدان احد میں ان کا مقابلہ کیا۔ احد مدینہ طیبہ سے باہر جانب شمال میں ایک پہاڑ ہے، جس کے دامن میں غزوہ احد ہوا کفار مکہ کی تعداد تین ہزار تھی اور اہلِ اسلام کا لشکر ایک ہزار تھا جن میں عبداللہ بن ابی اور اس کے تین سو منافق ساتھی بھی تھے، وہ مسلمانوں کے ساتھ نکلے مگر راستہ ہی سے واپس لوٹ آئے۔ یوں مسلمانوں کا لشکر صرف سات سو رہ گیا۔

بیوی اہل بیت میں سے ہے

وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حضور سرور کونین ﷺ کی اہل کہا گیا یعنی اہل بیت۔ لہٰذا آیت قرآنیہ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَيُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا ۝۳۳ ”اے نبی کے اہل بیت! اللہ تو تمہیں ہر برائی سے پاک کرنا چاہتا ہے۔“ (احزاب: ۳۳) حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ہی کے

حق میں اتری ہے البتہ رسول اللہ ﷺ نے مولیٰ علی المرتضیٰ، سیدہ خاتون جنت اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو اپنی دعا سے اس آیت مبارکہ کے تحت داخل فرمایا۔ اس کی مکمل تحقیق اسی آیت کے تحت آئے گی۔ ان شاء اللہ

ایمان واخلاص ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

اس جگہ سنی شیعہ تمام مفسرین کے نزدیک بالاتفاق مِنۡ اَهۡلِكَ سے مراد ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، چنانچہ شیعہ مفسر ملا فتح اللہ کاشانی وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ کے تحت لکھتا ہے:

واذ اغدوت یاد کن اے محمد! چوں بامداد بیروں شدی، من اھلک از منزل عائشہ، "اے محمد ﷺ یاد کریں جب آپ صبح کے وقت اپنے اہل خانہ یعنی منزل عائشہ سے باہر آئے۔" (تفسیر منہج الصادقین جلد ۲ صفحہ ۳۱۸ مطبوعہ انتشارات اسلامیہ تہران)

اور یاد رہنا چاہیے کہ جو شخص نبی کا پیروکار نہ ہو اللہ تعالیٰ اسے نبی کے اہل بیت میں سے نہیں قرار دیتا، خواہ وہ بظاہر نبی کے اہل بیت میں سے ہو، جیسے نوح علیہ السلام کے بیٹے کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّهٗ لَيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ "اے نوح (علیہ السلام) آپ کا بیٹا آپ کے اہل بیت میں سے نہیں ہے، کیونکہ اس کا عمل اچھا نہیں ہے۔" (ہود، ۴۵)

تو اللہ تعالیٰ کا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کے اہلِ بیت میں سے قرار دینا دوسرے لفظوں میں ان کے ایمان اور عمل خیر پہ خدائی گواہی ہے، اسی لیے اس آیت کے تحت امام خازن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ففیه منقبة عظیمة لعائشة رضی الله عنها لقوله من اهلك. لفظ مِنۡ اَهۡلِكَ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے عظیم فضیلت ہے۔ (تفسیر خازن مع بغوی جلد اول صفحہ ۴۱۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اصحابِ احد کے ایمان پہ اللہ رب العزت کی گواہی

وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ تُبَوِّئُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ مَقَاعِدَ لِلۡقِتَالِ ؕ میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان پہ اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے جو احد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدان احد میں اترے اور آپ نے انہیں لڑائی کے لیے اپنی اپنی جگہ بٹھایا، مگر افسوس کچھ لوگوں کو آج بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور منافقین میں معاذ اللہ فرق نظر نہیں آتا، یہ ایمان کے اندھے لوگ ہیں۔ خصوصاً ابوبکر صدیق عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم پہ تبرا کرنا ان لوگوں کا وطیرہ ہے، حالانکہ وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ کے پس منظر میں ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما ہی تھے جو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے، انہی نے نبی اکرم ﷺ کو اسلحہ پہنایا اور آپ مسلح ہو کر جنگ کے لیے نکلے، تو انہی صحابہ کو اہلِ تشیع کا مسلمان نہ سمجھنا کس قدر افسوس ناک ہے۔

[159] عبداللہ بن ابی بن سلول اپنے ساتھ تین سو منافقین کی جماعت لے کر اُحد کی طرف نکلا مگر راستہ ہی سے واپس مڑ آیا، اس کی وجہ سے مومنین میں سے انصار کے دو قبیلوں بنو سلمہ و بنو حارثہ (جو اوس وخزرج سے نکلی ہوئی شاخیں تھیں)

کے قدم بھی تھوڑی دیر کے لئے ڈگمگائے وہ سوچ میں پڑ گئے کہ مسلمانوں کی تعداد پہلے ہی کفار سے بہت کم ہے اب تین سو یہ بھی نکل گئے باقی ماندہ لوگ کیا لڑیں گے مگر چونکہ وہ مخلص مومن تھے اس لئے اللہ رب العزت نے ان کی مدد فرمائی (وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا) اور وہ سنبھل گئے، انہیں خیال آیا کہ جب بدر میں مٹھی بھر مسلمانوں کو اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن پر غلبہ ملا تھا تو آج بھی ملے گا چنانچہ وہ ڈٹ گئے اور انہوں نے آخر دم تک جنگ احد میں نبی ﷺ کا ساتھ دیا۔ جبکہ عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھی منافقین تھے وہ مومن تھے ہی نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد نہ فرمائی اور انہیں بھاگتے ہی بنی، اس سے معلوم ہوا کہ بنوسلمہ اور بنو حارثہ کے سوا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قدم تھوڑی دیر کے لئے بھی جنگِ احد میں نہیں ڈگمگائے اور وہ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ کے معیار پر پورے اترے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
اور تحقیق اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی جبکہ تم نہتے تھے تو اللہ سے ڈرو تاکہ تم
تَشْكُرُوْنَ ۝۱۲۳ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ
شکر کرو۔ [160] یاد کریں اے محبوب! جب آپ مؤمنوں سے فرماتے تھے، کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری امداد کرے
بِثَلٰثَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝۱۲۴ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا
تین ہزار نازل کردہ فرشتوں کے ساتھ۔ [161] کیوں نہیں اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرو
وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ
اور کفار تم پر تیزی کے ساتھ حملہ کر دیں تو تمہارا رب تمہاری مدد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ
الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝۱۲۵
جو نشان والے ہیں۔ [162]

الربع

جب بدر میں مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتے اتارے گئے

[160] آیت ۱۲۰ میں صبر و تقویٰ کی تلقین کی گئی پھر آیت ۱۲۱ اور ۱۲۲ میں اُحد کا واقعہ یاد دلایا گیا جب بعض مسلمانوں سے اس بارہ میں غفلت ہوئی اب بدر کی مثال دی جارہی ہے کہ غزوہ بدر کو یاد کرو اس میں تمہارے صبر ہی کے صدقے تمہاری مدد کی گئی حالانکہ تم اس وقت نہتے و بے سروسامان تھے۔ لہٰذا اللہ سے ڈرتے رہا کرو کہ یہی شکر کا بہترین

ذریعہ ہے۔ بدر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واقعتاً نہتے تھے پورے لشکر میں صرف دو گھوڑے، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جسم پر پورا کپڑا اور کئی کے پاؤں میں جوتی بھی نہ تھی۔

[161] بدر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے عریشہ (جھونپڑا) بنایا گیا۔ جہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدانِ جنگ کا مشاہدہ فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عریشہ میں صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے عریشہ میں لمبی دعا فرمائی دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر گریہ وزاری کے ساتھ کہا اے اللہ! میں اپنی مٹھی بھر جماعت کو لے کر میدان میں آ گیا ہوں اگر یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو تیری عبادت کبھی نہیں کی جائے گی۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر مبارک کندھے سے گر گئی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے اٹھا کر واپس رکھا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب گریہ کم فرما دیں اللہ آپ کو تنہا نہ چھوڑے گا، اسی فریاد کے دوران آپ پر اچانک نیند طاری ہو گئی پھر آپ تبسم فرماتے ہوئے بیدار ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ بشارت سنائی کہ اے ابوبکر مبارک ہو اللہ کی مدد آ پہنچی۔ یہ جبریل علیہ السلام اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے آ گئے ہیں اور ان کے اگلے دانتوں پر غبار لگا ہوا ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بشارت سب مسلمانوں کو سنائی کہ اللہ تعالیٰ تین ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد فرما رہا ہے اور اگر تم نے صبر و تقویٰ کا دامن تھامے رکھا تو وہ پانچ ہزار فرشتے تمہاری مدد کو اتار رہا ہے۔ گویا پہلے آپ سے تین ہزار فرشتوں کے اترنے کا وعدہ کیا گیا پھر ان کی تعداد پانچ ہزار کر دی گئی۔

[162] مُسَوِّمِيْنَ کا معنی نشان زدہ ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: بدر میں اترنے والے فرشتوں نے زرد عمامے پہن رکھے تھے اور ان کے گھوڑوں کی دموں پر زرد نشانات تھے اور ایک روایت ہے کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! تم بھی یہی نشان لگاؤ تو سب نے یہ نشان لگایا۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ

اور اللہ نے یہ (فرشتوں کا آنا) تمہارے لیے بشارت ہی تو بنایا ہے تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہوں جبکہ مدد تو

اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۙ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب ہے حکمت والا ہے۔ [163] تاکہ وہ کافروں کا ایک حصہ کاٹ کر رکھ دے

اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

یا انہیں رسوا کر دے اور وہ نامراد لوٹ جائیں۔ [164]

[163] یعنی پانچ ہزار فرشتوں کا نزول مومنوں کے حوصلے مضبوط کرنے کے لئے تھا کہ وہ اپنی تعداد کی کثرت دیکھ کر خوش ہوں ورنہ مدد تو اللہ کی طرف سے ہے وہ چاہے تو ابابیل پرندوں کے ذریعے ہاتھیوں کا لشکر مروا دے اور ایک ہی

فرشتے کی چیخ پوری قوم ثمود کو ہلاک کر دے۔

[164] اور بدر میں فرشتوں کا اتارا جانا اس لئے بھی تھا تا کہ اللہ تعالیٰ کفار کے ایک حصے کو کاٹ کر رکھ دے یا انہیں رسوا کر دے۔ چنانچہ بدر میں کفار کے ستر اہم آدمی قتل ہو گئے یعنی وہ کاٹ دیے گئے اور ستر افراد قیدی بنائے گئے جن کی مشکیں کس لی گئیں اور انہیں ہانک کر مدینہ طیبہ لایا گیا اور باقی ماندہ کفار اپنے زخم چاٹتے ہوئے مکہ پہنچے اور مکہ کے ہر گھر سے رونے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

(الحمد للہ یہ تحریر لکھنے سے صرف تین روز قبل راقم الحروف اپنے حجاج ساتھیوں کے ساتھ مقام بدر پر حاضر ہوا شہداء بدر کی قبور پر فاتحہ پڑھی اور دعا کی کہ اے اللہ! ان کے جامِ شہادت نوش کرنے کے صدقے اسلام کو سربلندی عطا فرمائے اور ہم نے اس مقام کی زیارت کی جہاں سے فرشتے میدانِ بدر میں اترے تھے اور کل بروز اتوار ۲۴ ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۴ جنوری ہماری مدینہ طیبہ سے انگلینڈ کو واپسی ہے۔)

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ

اے پیارے نبی! ﷺ یہ معاملہ آپ کی شان کے لائق نہیں تا آنکہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے یا انہیں عذاب دے کیونکہ وہ

ظٰلِمُوْنَ ۝۱۲۸ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ

ظالم ہیں۔ [165] اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ جس (مجرم) کو چاہے بخش دے

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲۹ ع

اور جس کو چاہے عذاب دے اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ [166]

[165] اب گفتگو پھر واقعۂ اُحد کی طرف مڑ رہی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ اُحد میں نبی اکرم ﷺ کے اگلے دانتوں میں سے ایک دانت کچھ ٹوٹ گیا اور حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک پر بھی زخم آئے تو آپ نے فرمایا: وہ لوگ کیسے نجات پائیں گے جو اپنے نبی کے ساتھ ایسا سلوک کریں جبکہ وہ انہیں ان کے رب کی طرف بلاتا ہے تب یہ آیت مبارہ اتری: لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ الخ (بخاری کتاب المغازی)

اور یہ بھی مروی ہے کہ احد میں رسول اللہ ﷺ نے چند کفار کا نام لے کر ان پہ لعنت فرمائی، تب اللہ رب العزت نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی (درمنثور)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے حبیب (ﷺ!) آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔ آپ کسی کے خلاف دعا نہ فرمائیں، نہ لعنت فرمائیں، کیونکہ یہ آپ کے شایان شان نہیں۔ آپ (ﷺ) خاموشی فرمائیں تا کہ اللہ انہیں توفیق توبہ دے دے اور وہ ایمان لے آئیں، (جیسے مذکورہ چار افراد ایمان لے آئے) یا اگر ان

کے نصیب میں ایمان نہ ہو تو انہیں عذاب دے۔

جب یہ آیت مبارکہ اتری تو اس کے بعد حضور ﷺ کا لہجہ کفار کے لئے فوراً بدل گیا اور احد ہی میں آپ کفار کے لئے دعاء رحمت فرمانے لگے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''آج بھی حضور ﷺ کا چہرہ مبارک میرے سامنے ہے آپ ایک نبی کا ذکر رہے تھے جسے اس کی قوم نے مارا اور وہ اپنے چہرے سے خون صاف کرتے ہوئے فرماتے تھے اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کہ وہ لاعلم ہیں۔'' (بخاری حدیث ۳۴۷۷)

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس نبی کا حضور ﷺ نے ذکر کیا وہ خود حضور ﷺ ہی ہیں آپ ہی کا یہ عالم تھا کہ چہرے سے خون صاف کرتے ہوئے قوم کے لئے دعائے خیر فرما رہے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی روایت مروی ہے۔

شانِ رحمتِ مصطفیٰ ﷺ

اُحد میں حضور سرور دو عالم ﷺ نے کفار کے خلاف دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو روک دیا اور فرمایا یہ آپ کے شایان شان نہیں، پھر اس کے بعد آپ کی زبانِ اقدس سے کفار کے لئے بھی ہمیشہ دعاء رحمت ہی نکلی، بلکہ اس سے قبل بھی حضور سرور دو عالم ﷺ کا رویہ دعاء رحمت ہی کا تھا۔ آپ نے طائف میں پتھر مارنے والوں کے لئے بھی دعاء خیر ہی فرمائی۔ اور کفارِ مکہ نے آپ کو جس قدر ایذاء دی آپ نے دعا دی۔ اور مروی ہے کہ جن لوگوں کا نام لے کر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی تھی اللہ تعالیٰ نے اسے رحمت سے بدل دیا اور وہ لوگ بعد میں ایمان لے آئے۔

دعاءِ رسول ﷺ کا مقام

حضور نبی رحمت ﷺ کو کفار کے خلاف دعا سے اس لئے روکا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی دعا بڑا مقام اور وقعت رکھتی ہے۔ امام خازن رحمۃ اللہ علیہ اس آیت: لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ کے تحت فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کفار کے خلاف دعا سے اس لئے روکا کہ آپ کی دعا بہر حال مستجاب ہے۔ (تفسیر خازن جلد اول صفحہ ۳۶۶)

یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کا نام لیکر اس پہ لعنت جائز نہیں، کیونکہ جب نبی اکرم ﷺ نے بعض افراد کا نام لے کر ان پر لعنت فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے روک دیا۔ البتہ جو شخص واضح کفر پہ مر جائے اس کا نام لے کر اس پر لعنت جائز ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ (بقرہ:۱۶۱) جیسے ابوجہل اور دیگر مقتولان بدر یا فرعون اور اس کے ساتھی وغیرھم۔

[166] اور اللہ رب العزت کی ذات کو ہی یہ اختیار ہے کہ جس کی چاہے توبہ قبول کرے اور جسے چاہے عذاب دے، اس لئے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اسی کی ملک میں ہے وہ جس مجرم کو چاہے اپنی رحمت سے بخش دے اور جسے چاہے

عذاب دے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے یعنی اس کی رحمت اس کے عذاب پر غالب ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ
اے ایمان والو سود نہ کھاؤ چند در چند اور اللہ سے ڈرو
لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۚ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡۤ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِیۡنَ ۚ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِیۡعُوا
تاکہ تم کامیابی پاؤ۔ [167] اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ [168] اور اللہ
اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۚ﴿۱۳۲﴾
اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ [169]

حرمت سود کا بیان

[167] گزشتہ رکوع میں جنگِ احد کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس جنگ میں کفار نے سود کی کمائی سے تیاری کی تھی۔ غزوۂ بدر کے ابتدائی واقعات میں قریش مکہ کا جو قافلۂ تجارت مسلمانوں کی پکڑ سے بچ کر مکہ پہنچ گیا تھا اس کا سارا نفع جو سود پر مشتمل تھا مسلمانوں کے خلاف اگلی جنگ کے لئے رکھ لیا گیا۔ چنانچہ وہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کے خلاف استعمال میں لایا گیا۔ اس لئے غزوۂ احد کے ذکر میں سود کی حرمت پر بر سبیل تذکرہ روشنی ڈالی گئی۔ علاوہ ازیں گذشتہ آیت مبارکہ میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ جس مجرم کو چاہے بخشے جسے چاہے عذاب دے تو اب عذاب کے اسباب میں سے ایک سبب سود کے کھانے پر روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ تو فرمایا کہ دونا دون (یعنی کئی گنا بڑھا چڑھا کر) سود مت کھاؤ۔

حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ جاہلیت میں لوگ ایک مدت تک دوسروں کو ادھار دیتے جب وہ اس مدت تک ادھار واپس نہ دے سکتے تو ان کی مدت بڑھا دی جاتی اور ادھار میں بھی اضافہ کر دیا جاتا۔ (یوں قرض دینے والے لوگ اپنے اصل مال سے کئی گنا زیادہ رقم وصول کرتے) (ابن ابی حاتم جلد دوم صفحہ ۷۱)

یہاں صرف سود نہ کھانے پر زور دیا گیا حالانکہ سود کھانا کھلانا دونوں حرام اور گناہ ہیں اس لئے کہ سود کھلانے والا کبھی مجبور ہوتا ہے جیسا کہ اہلِ عرب کا طریقہ ابھی روایت میں مذکور ہوا جبکہ سود کھانے والا مجبور نہیں ہوتا۔ پھر سود کھلانے والا صرف اپنا مال برباد کرتا ہے جبکہ سود کھانے والا ظالم، حریص، خودغرض، دوسروں کا مال ہتھیانے اور اپنے پیٹ میں لقمہ حرام ڈالنے والا اور دیگر بہت سے جرائم کا ارتکاب کرنے والا ہے اور جس کے پیٹ میں ایک لقمہ حرام ہو چالیس دن تک اس کی عبادت ضائع ہے، اس لیے سود کھانے کی حرمت کا خصوصی ذکر کیا گیا۔

دارالحرب میں حلت سود کی بحث

بعض فقہاء دارالحرب میں کافر اور مسلمان کے درمیان سود کو حلال جانتے ہیں، انہوں نے بیہقی کی کتاب المعرفۃ میں حضرت مکحول رضی اللہ عنہ (تابعی) سے مروی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لا ربا بین اهل الحرب، یعنی "اہل حرب کے درمیان کوئی سود نہیں ہے۔" مکحول کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: و اهل الاسلام، یعنی "اہلِ حرب اور اہلِ اسلام کے درمیان کوئی سود نہیں ہے۔" امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: و اهل الاسلام کے الفاظ درست نہیں ہیں۔ (البنایہ شرح ہدایہ ج ۶ ص ۱۷۵)

مگر یہ استدلال کئی لحاظ سے ضعیف ہے۔

اول: حضرت مکحول رضی اللہ عنہ سے مروی یہ روایت مجہول ہے، بیہقی نے اسے امام شافعی سے، انہوں ابو یوسف سے، ابو یوسف نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے، ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے بعض شیوخ سے، اور بعض شیوخ نے مکحول سے روایت کیا ہے۔
(البنایہ شرح الہدایہ ج ۶ ص ۱۷۵ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اب یہ معلوم نہیں کہ مکحول سے روایت کرنے والے بعض شیوخ کون ہیں اور مکحول سے اسے ان میں سے کس نے روایت کیا ہے، تو ایسی مجہول روایت کی بنیاد پر حرمتِ سود پر وارد قرآن وحدیث کی نصوصِ قطعیہ کو غیر دار حرب سے خاص کرنا جائز نہیں ہے، نصِ قرآنی کی تخصیص کیلیے کم از کم خبر مشہور درکار ہے، خبر واحد اور وہ بھی مجہول قرآن کے مطلق حکم کو مقید نہیں کرسکتی۔

دوم: حضرت مکحول رضی اللہ عنہ نے وثوق کے ساتھ جو الفاظ روایت کیے ہیں وہ صرف یہ ہیں (لا ربا بین اهل الحرب) کہ اہل حرب یعنی کفار کے درمیان کوئی سود نہیں ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ کفار کے مابین کوئی سود نہیں ہے، جبکہ دارالحرب میں حلت سود کیلیئے اس روایت میں مابہ الاستدلال الفاظ یہ ہیں (و اهل الاسلام) اور مکحول کو ان الفاظ پر وثوق نہیں ہے کہ یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائے ہیں یا نہیں اور خود اس حدیث کے راوی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں غیر ثابت قرار دیا ہے، تو پھر ان سے استدلال کیسے جائز ہے۔

سوم: اگر اس روایت کو اسی طرح درست مان بھی لیا جائے کہ لا ربا بین اهل الحرب واهل الاسلام تو اس کا معنی یہ ہوسکتا ہے کہ اہلِ حرب اور اہلِ اسلام کے درمیان سود کی کوئی صورت جائز نہیں ہے، جیسے فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوۡقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِی الۡحَجِّ ؕ یعنی حج میں بے حیائی، نافرمانی اور جھگڑے کی کوئی صورت جائز نہیں ہے۔ (بقرہ، ۱۹۷) یہ بھی یاد رہے کہ اس روایت میں دارالحرب کا کوئی لفظ نہیں ہے صرف اہل الحرب کا لفظ ہے۔ لہٰذا اس روایت سے یہ ثابت کرنا کہ دارالحرب میں مسلمانوں کو کفار سے سودی کاروبار کی اجازت ہے بالکل بے بنیاد ہے۔

چہارم: اس بحث سے معلوم ہوا کہ کتبِ فقہ میں جو الفاظ لکھے جاتے ہیں کہ (لا ربا بین المسلم والحربی فی

دار الحرب) یہ سراسر موضوع ہیں اسی لیے علامہ سعد اللہ سعدی آفندی متوفی ۹۴۵ھ حاشیہ ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ ابن العز کہتے ہیں کہ صاحب مغنی نے کہا: یہ ایک مجہول خبر ہے جو کسی صحیح روایت میں مروی نہیں ہے نہ اس کی کوئی سند ہے نہ کسی قابلِ وثوق کتاب میں اس کا کوئی ذکر ہے۔ (البدایہ حاشیہ الہدایہ مع فتح القدیر ج ۵ ص ۳۰۰ مطبوعہ مصر)

دار الحرب میں کفار کے ساتھ سودی کاروبار کی حلت پر یہ استدلال بھی کیا جاتا ہے کہ الٓمّٓ ۞ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۞ کے نزول پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کفارِ مکہ سے شرط لگائی تھی کہ اگر نو برس میں فارس پر غلبہء روم کی قرآنی پیش گوئی پوری ہوگئی تو وہ کفار سے سو اونٹ وصول کریں گے بصورت دیگر وہ کفار کو سو اونٹ دیں گے۔ پھر جب پیش گوئی پوری ہوگئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشرکین مکہ سے سو اونٹ وصول کیے۔ (فتح القدیر) معلوم ہوا کہ دار الحرب میں کفار سے سودی کاروبار جائز ہے، کیونکہ مکہ مکرمہ اس وقت دار الحرب تھا۔ مگر یہ استدلال بھی درست نہیں ہے، کیونکہ حضرت یسار بن مکرم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: و ذالك قبل تحريم الرهان، یعنی یہ شرط لگانے کی حرمت سے قبل کا واقعہ ہے۔ (ترمذی کتاب التفسیر باب سورۃ روم ج ۲ ص ۱۷۳ مطبوعہ کراچی)

اسی طرح حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

و ذالك قبل ان ينهى عن القمار یعنی یہ جوئے سے نہی وارد ہونے سے قبل کا واقعہ ہے۔ (درمنثور ج ۵ ص ۱۵۱) اس کی وضاحت یہ ہے کہ جوا سود ہی کی ایک قسم ہے اور جوا اسوقت حرام ہوا جب سود حرام کیا گیا اور سود کی حرمت غزوہ احد کے بعد نازل ہوئی (جیسا کہ ابھی لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً کا شانِ نزول مذکور ہوا) جبکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت سے قبل شرط لگائی تھی، الغرض دار الحرب میں سود کی حلت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

یاد رہے کہ دار الحرب وہ ملک ہے جہاں علانیہ احکام کفر نافذ ہوں اور اس کی حدود کسی اسلامی ملک سے متصل نہ ہوں اور وہاں کوئی مسلمان یا ذمی پہلی امان کے ساتھ باقی نہ رہے۔ (عالمگیری ج ۲ ص ۲۳۲ کتاب السیر) اس تعریف کے مطابق برطانیہ و یورپی ممالک اور امریکہ و کینیڈا دار الحرب نہیں ہیں، کیونکہ ان ممالک میں مسلمانوں کو ہر طرح سے امان حاصل ہے، وہاں ان کو تمام شہری حقوق حاصل ہیں، وہاں کا پاسپورٹ حاصل ہے، وہاں انہیں ہر طرح کی مذہبی آزادی میسر ہے اور وہ اپنی تبلیغ سے ہزاروں کفار کو اسلام میں لا رہے ہیں۔ اس وقت برطانیہ میں چار ہزار سے زائد مساجد قائم ہو چکی ہیں، بلکہ عیسائیوں کے سیکڑوں (Churches) گرجوں کو خرید کر مساجد میں تبدیل کر دیا گیا ہے، اس لیے برطانیہ و دیگر یورپی ممالک کو دار الحرب نہیں کہا جا سکتا۔ پھر دار الحرب میں سود کی حلت پہ کوئی ٹھوس دلیل موجود نہیں ہے اور فقہاء ثلاثہ (شافعی، مالک اور احمد بن حنبل) اور فقہاء احناف میں سے امام قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ دار الحرب میں سود کو حلال نہیں مانتے۔ تو یہی صحیح ہے کہ انہی کے قول پہ فتویٰ دیا جائے اور بہت سے متاخرین نے ایسا ہی کیا ہے۔

البتہ برطانیہ و دیگر یورپین ممالک میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ پراپرٹی کی قیمت بہت زیادہ ہے، پاکستانی حساب سے دو

مرلے کا مکان بھی ڈیڑھ دو کروڑ روپے سے کم میں نہیں مل سکتا، اس لیے یہاں کوئی شخص نقد پہ مکان نہیں خرید سکتا، ضرور بضرور اسے بینک سے قرض لینا پڑتا ہے، اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اب سر چھپانے کے لیے مکان تو ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اس لیے میرے خیال میں ذاتی رہائش کے لیے مکان خریدنے کی خاطر بینک سے قرض لینا جائز ہے جو سود پہ ملتا ہے، مگر یہ ایک شرعی مجبوری ہے اور قاعدہ شرعیہ ہے الضرورات تبیح المحضورات، یعنی ضرورتیں اور مجبوریاں ممنوع چیزوں کو جائز کر دیتی ہیں اور خود قرآن حکیم فرماتا ہے: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا ؕ رہا کرائے پہ رہنا تو یہ ایک مصیبت عظمیٰ ہے اسے ہر شخص پہ مسلط کرنا جائز نہیں ہے

[168] حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ سود کے متعلق سب سے سخت تر آیت ہے کیونکہ اس میں سود خوروں کو جہنم کے اس طبقہ سے ڈرایا گیا ہے جو کفار کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ (درمنثور) اس کی وجہ یہ ہے کہ سود خور لوگ سود کی حلت پر الٹے سیدھے (ڈھکوسلوں) سے اپنے آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے اور کفر کے قریب پہنچ جاتے ہیں یا اس میں جا گرتے ہیں۔

بینکوں کا تجارتی سود بھی مطلق سود کی طرح حرام ہے

اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً سے معلوم ہوا کہ سود در سود کھانے کا طریقہ نزولِ قرآن کے وقت بھی تھا اور شانِ نزول کی روایت میں اس کی وضاحت وصراحت بھی ہے اور اسی کو قرآن حکیم نے حرام کیا لہٰذا جو لوگ بینکوں کے موجودہ تجارتی سود کو حرمتِ سود سے مستثنیٰ کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں اور نص قرآنی کے خلاف بات کرتے ہیں۔

کوئی مسلمان ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا

اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ سے معلوم ہوا دوزخ کفار ہی کے لئے تیار کی گئی ہے مومنین کے لئے نہیں۔ اگر کوئی مومن وہاں گیا تو وہ عارضی وقت کے لئے ہوگا۔ دوزخ کفار ہی کا مستقل ٹھکانہ ہے۔

[169] یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا تقاضا یہ ہے کہ سود نہ کھایا جائے، کہ اس سے بچنا ہی رحمتِ خداوندی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ یاد رہے وَ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ کے الفاظ بتاتے ہیں کہ قرآن کے مخاطبین کے لئے ایک ہی رسول ہے، کیونکہ الرَّسُوۡلَ اسمِ معرفہ ہے جو صرف ایک ہی ذات پر بولا جا سکتا ہے یعنی محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور نبی محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی اطاعت اطاعتِ خداوندی کی طرح مدارِ نجات ہے۔ آپ کے علاوہ کوئی شخص لفظ الرسول کا مصداق نہیں اور نہ ہی کسی اور کی اطاعت مدارِ نجات ہے۔ لہٰذا نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دعویٰ نبوت کرنے والا شخص قرآن کا منکر اور دائرہِ اسلام سے خارج ہے۔

وَسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَجَنَّۃٍ عَرۡضُہَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ۙ
اور دوڑو اپنے رب کی بخشش کی طرف اور جنت کی طرف جس کی چوڑائی (سات) آسمانوں اور زمین جیسی ہے
اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾ۙ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالۡکٰظِمِیۡنَ
اسے پرہیز گاروں کے لیے بنایا گیا ہے۔ [170] جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں خوشی اور غمی میں اور جو غصہ روک
الۡغَیۡظَ وَالۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۳۴﴾ۚ
لینے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں [171] اور اللہ احسان والوں کو پسند رکھتا ہے۔

پرہیز گاروں کی صفات اور ان کے لئے انعامات

[170] یعنی اے مومنو! ایسے کاموں کی طرف جلدی کرو جو تمہیں مغفرت اور جنت کا حقدار بنائیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کا معنی ہے تکبیر اولیٰ کی طرف دوڑو۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس سے جملہ فرائض کی ادائیگی مراد لی ہے کہ ان کی طرف جلدی کرو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ معنی فرمایا کہ اسلام لانے کی طرف جلدی کرو۔ درحقیقت ان اقوال میں کچھ تضاد نہیں مطلب یہ ہے کہ نیک کاموں کی طرف دوڑو اور گناہوں سے بھاگو۔ راقم الحروف کے نزدیک یہ معنی بھی کیا جاسکتا ہے کہ گناہ ہوجانے کے بعد توبہ کی طرف بھاگو کیونکہ آگے توبہ ہی کا ذکر آ رہا ہے کہ فرمایا: وَالَّذِیۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَۃً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِہِمۡ ۪ وَمَنۡ یَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰہُ ۪۟ وَلَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا وَہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۵﴾

آگے فرمایا گیا: وَجَنَّۃٍ عَرۡضُہَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾ یعنی اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی ساتوں آسمانوں اور زمین جیسی ہے اور یہ پرہیز گاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کا یہ معنی ہے کہ اگر سات آسمان اور زمین ایک دوسرے کے ساتھ کپڑے کے ساتھ کپڑے کی طرح بچھا دیئے جائیں تو یہ جنت کی چوڑائی ہے۔ (ابن جریر)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ ہر جنتی کو سات آسمانوں اور زمین کی وسعت جیسی جنت دی جائے گی، حقیقت یہ ہے کہ یہ وسعتِ جنت کی ایک مثال ہے کیونکہ انسان نے آسمان و زمین سے وسیع تر کوئی چیز نہیں دیکھی ورنہ جنت کی وسعت کو تو اس کا بنانے والا رب ہی جانتا ہے۔

ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالتِ جنگ میں یہ آیت وَسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَجَنَّۃٍ عَرۡضُہَا

السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ سنی تو ان پر وجد طاری ہو گیا اور جو کھجوریں وہ کھا رہے تھے انہیں وہیں پھینک کر اٹھے اور کفار سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ (مسلم)

[171] جب کہا گیا کہ جنت پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے تو اب پرہیزگاروں کی صفات بتائی جا رہی ہیں۔ پہلی صفت: خوشی وغمی میں راہِ خدا میں خرچ کرنا ہے جس کا معنی ہے کہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھا جائے اور یہی حقیقتِ تقویٰ ہے۔

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

غصہ پی جانے اور معاف کر دینے کی فضیلت

دوسری صفت: غصہ پی جانا ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''جس نے طاقت کے باوجود غصہ پی لیا اللہ اس کا سینہ امن وایمان سے بھر دے گا۔'' (ابن جریر عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''جس نے طاقت کے باوجود غصہ پی لیا اللہ اسے روزِ قیامت اختیار دے گا کہ جس حور سے چاہے شادی کر لے۔'' (ترمذی کتاب البر والصلۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''طاقتور وہ نہیں جو کسی کو گرا لے طاقتور وہ ہے جو غصہ میں خود کو قابو میں رکھے۔'' (بخاری، مسلم)

تیسری صفت: لوگوں کو معاف کرنا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص جنت میں بلند عمارات اور اونچے درجات کا طلبگار ہے اسے چاہیے کہ جو لوگ اس پہ ظلم کریں وہ ان کو معاف کرے، محروم رکھنے والوں کو عطا کرے اور رشتہ کاٹنے والوں سے رشتہ جوڑے۔'' (مستدرک عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ)

ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا کہ اے لوگوں کو معاف کر دینے والو آؤ، اپنے رب کے پاس اور اپنا اجر لے لو اور جس مسلمان نے بھی کسی زیادتی کرنے والے کو معاف کیا تھا، اس کا حق ہے کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے۔
(تفسیر ابن کثیر جلد اول صفحہ ۴۰۲ دار المعرفہ بیروت)

اس جگہ متقین کی یہ صفات کہ وہ غصہ پی جاتے اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں، اس لئے بیان ہوئیں کہ احد میں کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اور اپنے شفیق چچا جان امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاشوں کا مثلہ رضی اللہ عنہم دیکھ کر حضور ﷺ کو غصہ آیا آپ نے کفار کے خلاف سخت دعا کرنا چاہی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عفو و درگذر کی طرف متوجہ کیا، جیسا کہ پیچھے لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ گزرا۔ (آل عمران: ۱۲۸)

اس آیت پہ حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے جس طرح عمل کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مروی ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ

کے ایک غلام سے بڑی غلطی ہوگئی آپ کو سخت غصہ آیا۔ غلام نے یہی آیت پڑھی جب اس نے وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ پڑھا تو آپ غصہ پی گئے اور چپ ہو رہے۔ اس نے پڑھا وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ، آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا۔ اس نے کہا: وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ تمہیں آزاد بھی کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان صفات سے مزین فرمائے۔ (آمین)

نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے پہ سبقت لے جانا چاہئے

اس جگہ فرمایا گیا: وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (حدید: ۲۱) یہ بھی فرمایا گیا: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ۔ (بقرہ، ۱۴۸) مگر آج ہمارا عالم یہ ہے کہ برائیوں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر ایک آدمی حرام کا کاروبار کرتا ہے تو کئی لوگ اس سے حوصلہ پا کر اس سے بڑا حرام کا کاروبار کرتے ہیں جبکہ اللہ ہمیں نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی تلقین فرما رہا ہے۔

ایک بار رسول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لیے مال خرچ کرنے کی رغبت دلائی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دل میں کہا: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر نیکی میں سبقت لے جاتے ہیں۔ آج میں اتنا مال راہِ خدا میں پیش کروں گا کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے آگے نکل جاؤں گا، چنانچہ انہوں نے اپنے مال کے دو حصے کیے، آدھا گھر والوں کے لیے رکھ لیا اور آدھا بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں پیش کر دیا، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما ابقيت لاهلك يا عمر ''اے عمر! اپنے گھر والوں کے لیے تم نے کیا چھوڑا ہے؟'' انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آدھا مال چھوڑا ہے، اتنے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آ گئے اور گھر کا سارا مال لے آئے، نبی اکرم ﷺ نے وہی سوال کیا کہ ابوبکر! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا:

ابقيتُ لهُمُ اللهَ و رسولَه، ان کے لیے اللہ اور اسکا رسول چھوڑ آیا ہوں۔ (ترمذی کتاب المناقب باب ۱۶، سنن دارمی کتاب الزکوۃ باب ۲۶) تو یہ ہے وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ کا حسین ترین نمونہ، اس سے بہتر اس کا نمونہ نہیں لایا جا سکتا۔

جنت و دوزخ تیار ہو چکی ہیں

جنت کے لئے کہا گیا: اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ دوزخ کے لئے کہا گیا: اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ۔ پتہ چلا دونوں تیار ہو چکی ہیں، انہیں قیامت کے دن تیار نہیں کیا جائے گا۔ البتہ قیامت میں وہاں جسم اور روح دونوں کو بھیجا جائے گا اور قیامت سے قبل جنت یا دوزخ میں صرف روح بھیجی جاتی ہے جسم قبر میں رہتا ہے۔

فرائض کی ادائیگی میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے

وَسَارِعُوۡۤا اِلٰى مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ میں یہ درس بھی ہے کہ جن امور کے بجالانے کا اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے ان میں تاخیر نہ کی جائے، اسی لیے حدیثِ مبارکہ میں ہے ''جو شخص بلاوجہ پانچ برس تک حج میں تاخیر کرے اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں محروم لکھ دیا جاتا ہے۔''

وَالَّذِيۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَةً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا
اور وہ لوگ کہ جب کوئی بے حیائی کا کام کریں یا اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی
لِذُنُوۡبِهِمۡ ۚ وَمَنۡ يَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَلَمۡ يُصِرُّوۡا عَلٰى مَا
بخشش مانگتے ہیں۔ [172] اور کون ہے جو اللہ کے سوا گناہ معاف کرے اور وہ اپنے (برے) کاموں پر
فَعَلُوۡا وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ۝ اُولٰٓـئِكَ جَزَآؤُهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَجَنّٰتٌ
اصرار نہیں کرتے جان بوجھ کر۔ [173] یہ وہ لوگ ہیں جن کی جزا بخشش ہے ان کے رب کی طرف سے اور جنتی باغ ہیں
تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ وَنِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِيۡنَ ؕ۝
جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور کام کرنے والوں کا یہ اجر کیا خوب ہے۔ [174]

[172] متقین کی چوتھی صفت یہ ہے کہ اگر ان سے بے حیائی کا کوئی کام ہو جائے یا وہ خود پر ظلم کر لیں۔ (دونوں میں فرق یہ ہے کہ فَاحِشَةً سے گناہ کبیرہ مراد ہے اور خود پر ظلم کرنے سے گناہ صغیرہ) تو وہ فوراً نادم ہو کر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش مانگتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شدید احساسِ توبہ

اس آیت مبارکہ کا ایمان افروز شانِ نزول کتب تفسیر میں لکھا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو صحابیوں کے درمیان نبی اکرم ﷺ نے مواخات قائم فرمائی تھی۔ ایک انصاری تھا دوسرا ثقفی، ثقفی جہاد پہ گیا تو انصاری کو اپنے اہل وعیال کی نگہداشت پہ چھوڑ گیا، بعد میں ایک دن انصاری اس کے گھر گیا تو اس کی بیوی کے ہاتھ پہ بوسہ دیدیا، پھر اسے شدید ندامت ہوئی اور چیختا ہوا جنگل میں چلا گیا اور ہر طرف آہ و بکا کرنے لگا کہ مجھ سے یہ غلطی کیوں ہوئی۔ جب ثقفی جہاد سے واپس آیا اور اسے اپنے انصاری بھائی کی غلطی اور شدید ندامت کا پتہ چلا تو اسے اس پہ رحم آیا اور اسے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کے پاس لے آیا اور ان سے اس کا معاملہ پوچھا، انہوں نے اسے ڈانٹا۔ پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا انہوں نے بھی اسے ڈانٹا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا، تو یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی (مظہری) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ کوئی بڑا یا چھوٹا گناہ کرنے کے بعد اللہ کا خوف دل میں لائیں اور استغفار کریں تو اللہ نے ایسے ہی لوگوں کے لیے جنتی نعمتیں تیار کی ہیں۔

[173] یعنی متقین جان بوجھ کر اپنے گناہ پر اصرار نہیں کرتے مطلب یہ کہ اس کے جواز کے لئے حیلہ نہیں ڈھونڈتے یا ایک بار گناہ کر کے اس پر دلیر ہو جانے اور بار بار وہی گناہ کرنے کی بجائے توبہ کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے استغفار کیا اس نے گناہ پر اصرار نہیں کیا خواہ وہ دن میں ستر بار وہی گناہ کرے۔“ (ابو داؤد عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ) عارف باللہ حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں گناہ پر اصرار یہ ہے کہ آدمی کہے کل توبہ کر لوں گا (آج گناہ کر لیتا ہوں) یہ نفس کا دھوکہ ہے وہ کل کیسے توبہ کرے گا جبکہ وہ کل کا مالک نہیں۔ (قرطبی)

[174] دوسری جگہ ارشاد ہوا: وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝۱۱۰ جو شخص برا کام کرے یا خود پہ ظلم کرلے پھر وہ اللہ سے بخشش مانگے تو وہ اللہ کو بخشنے والا، رحم فرمانے والا پائے گا۔ (نسآء: ۱۱۰)

ان دو آیات کی بڑی فضیلت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں دو آیات وہ ہیں کہ انہیں پڑھ کر جو بھی معافی مانگے اللہ تعالیٰ اسے ضرور معاف فرمائے گا وہ یہ ہیں: وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ۝۱۳۵ (ابن ابی شیبہ) عطاف بن خالد کہتے ہیں مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ جب یہ آیات اتریں تو شیطان نے چیخ چیخ کر اپنے لشکر کو بلایا اور اپنے سر پہ مٹی ڈال لی۔ اس کے گرد تمام بحر و بر کے شیاطین جمع ہو گئے اور پوچھا کیا ہوا کہنے لگا قرآن میں ایسی آیات نازل ہوئی ہیں کہ اس کے بعد کسی انسان کو کوئی گناہ نقصان نہ دے گا پھر اس نے یہ آیت پڑھی: وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ۝۱۳۵ شیاطین نے کہا ہم لوگوں پر خواہشات کے دروازے اسقدر کھول دیں گے کہ وہ استغفار کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوں گے بلکہ وہ اپنے گناہوں کو جائز قرار دے لیں گے، تب ابلیس راضی ہوا۔ (درمنثور عن حکیم الترمذی) معلوم ہوا انسان کو گناہ کر کے نادم ہونا چاہئے اس کے جواز کا بہانہ نہیں لانا چاہئے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ

تم سے پہلے (لوگوں کے) طریقے گزر چکے تو تم زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ (حق کے)

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ

جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔ [175] یہ (قرآن) سب لوگوں کے لیے بیان ہے اور یہ پرہیزگاروں کے لیے ہدایت

لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

اور نصیحت ہے۔ [176] اور تم کمزور نہ پڑو اور غم زدہ نہ ہو کیونکہ تم ہی غالب ہو اگر تم (مخلص) مؤمن ہو۔ [177]

[175] یعنی تم سے پہلے گزرنے والی قوموں نے جب اللہ کے احکام توڑے اور شیطان کا راستہ پکڑ کر انبیاء کو جھٹلایا تو وہ برباد کر دی گئیں تم زمین میں چل پھر کر ان کے تباہ شدہ کھنڈرات دیکھو اور عبرت پکڑو۔ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ سے معلوم ہوا سیاحت برائے عبرت اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ہے۔

[176] یعنی قرآنِ حکیم کا پیغام تو ساری نسلِ انسانیت کے لئے ہے مگر اس سے ہدایت اور نصیحت صرف پرہیزگار ہی حاصل کرتے ہیں۔ یہاں هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ سے ختمِ نبوت کا اشارہ ملا۔ کیونکہ جب قرآن مجید تا قیامت ہر انسان کے لئے مکمل بیان ہے تو معلوم ہوا کہ اس کے بعد کسی دوسری کتاب یا وحی کے نزول کی اور کسی نئے نبی کے آنے کی ضرورت نہیں۔

جب غزوہ اُحد میں تکلیف آنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے تسلی دی

[177] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد میں لڑائی سے قبل ایک پہاڑ پر (جسے اب جبل رُماۃ کہا جاتا ہے) پچاس تیراندازوں کو کھڑا فرمایا تھا حضرت عبداللہ بن جُبیر رضی اللہ عنہ ان کے امیر تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت کو حکم فرمایا تھا کہ میرا پیغام آنے تک تم نے یہ جگہ نہیں چھوڑنی، خواہ ہمیں فتح ہو یا شکست۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں نے کفار کو مار بھگایا اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ پورا کر دیا۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ کفار اپنے جانور اور اسلحہ چھوڑ کر بھاگ اٹھے۔ یہ حالت دیکھ کر ان پچاس تیراندازوں نے کہا چلو مالِ غنیمت سمیٹیں، تمہارے ساتھی کفار پر غالب آ گئے ہیں حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے انہیں روکا مگر وہ نہ رُکے اور پہاڑ چھوڑ کر مالِ غنیمت سمیٹنے لگے جیسے ہی پہاڑ خالی ہوا کفار کی ایک جماعت خالد بن ولید کی کمان میں پیچھے کھڑی تھی انہوں نے عقب سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا اس اچانک حملے سے مسلمان حواس باختہ ہو گئے، بھاگے ہوئے کفار بھی لوٹ آئے تب اس دوطرفہ حملے میں مسلمان تتر

بتر ہونے لگے، نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صرف بارہ افراد رہ گئے جن میں خلفاء راشدین اور چند دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔
اس موقع پر ستر سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے اور قریباً ہر کوئی زخمی ہو گیا۔ نبی اکرم ﷺ کے ہونٹ مبارک اور دانت مبارک بھی زخمی ہوئے اس موقع پر یہ آیات اتریں: وَلَا تَهِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۹﴾ (البدایہ، مظہری، بغوی، خازن ودیگر) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مومنو! اس صدمے سے کمزور نہ پڑو اور غم نہ رکھو، راہ حق میں ایسی تکالیف ضرورت آتی ہیں اور اگر تم مخلص مومن ہو تو تمہی کامیاب قوم ہو۔ لہٰذا اس وقتی تکلیف سے مت سمجھو کہ اسلام کا مستقبل مخدوش ہو گیا ہے۔ چنانچہ احد کے دو برس بعد غزوۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیابی دی، پھر وہاں سے مسلمانوں پر فتوحات کا ایسا دروازہ کھلا کہ چند ہی برسوں میں مسلمان دنیا کے بڑے حصے پر غالب آ گئے۔

اِنۡ يَّمۡسَسۡكُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ ؕ وَتِلۡكَ الۡاَيَّامُ

اگر تمہیں زخم لگا ہے تو (دشمن) قوم کو بھی ایسا ہی زخم لگ چکا ہے [178] اور یہ دن ہم

نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَيَتَّخِذَ مِنۡكُمۡ

لوگوں کے درمیان پھیرتے رہتے ہیں۔ [179] تاکہ اللہ ایمان والوں کو آزمائے اور تم میں سے بعض کو

شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

درجہ شہادت دے اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں رکھتا اور تاکہ اللہ مومنوں کو پاک کر دے

وَيَمۡحَقَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۴۱﴾

اور کافروں کو مٹا دے۔ [180]

[178] یعنی اے مومنو! اگر آج احد میں تمہیں تکلیف آئی ہے تو اس سے ایک برس قبل بدر میں تمہارے دشمن کفار کو اس سے زیادہ تکلیف پہنچی تھی مگر وہ تو سست نہیں پڑے بلکہ پہلے سے زیادہ تیاری کر کے تمہارے سامنے آ گئے حالانکہ انہیں ثواب کی بھی امید نہیں جبکہ تمہیں راہِ خدا میں ہر تکلیف پر اجر دیا جائے گا۔

[179] یعنی ہم لوگوں میں دن پھیرتے ہیں کبھی ان پر خوشی آتی ہے تو کبھی غم، کبھی ایک گروہ کو غلبہ ملتا ہے تو کبھی دوسرے گروہ کو۔ لہٰذا حالات سے بددل نہیں ہونا چاہئے۔ یعنی اے مسلمانو! اگر آج احد میں تمہیں تکلیف آئی ہے تو پچھلے برس بدر میں تمہیں عظیم الشان خوشی بھی ملی تھی، تو مومن کو چاہیے کہ ہر حال میں اللہ رب العزت کی رضا اور اس کے دین پہ قائم

رہے اور اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے کہ آخر کس وجہ سے حالات خراب ہوئے ہیں۔

مسلمانوں کی موجودہ پستی ان کی ایمانی کمزوری کے باعث ہے

وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ سے معلوم ہوا مومنوں کی کامیابی کا اصل ہتھیار ان کا ایمان ہے اس کے آگے کفار کے سارے اسلحے اور ہتھیار ناکارہ ہوجاتے ہیں۔ بدر میں اس کا مومنوں کو تجربہ ہوگیا تھا اور ایمان کیا ہے یہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی محبت واطاعت کا نام ہے۔ جب احد میں مسلمانوں کی ایک جماعت نے ایک حکمِ رسول ﷺ کی تکمیل میں کوتاہی کی اور اس جگہ کو چھوڑ دیا جہاں انہیں رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا تھا تو انہیں شدید تکلیف دیکھنا پڑی اور آج جبکہ ہم اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کے اکثر احکام توڑے بیٹھے ہیں تو پھر ہمیں پستی ہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

غزوۂ احد میں مسلمانوں کے لیے تکلیف دہ حالات کیوں پیدا ہوئے اور انہوں نے جیتی ہوئی جنگ کیوں ہار دی؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ بذاتِ خود ان میں جلوہ فرما تھے؟ اس کا سبب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ تا قیامت اہلِ اسلام کو سبق دینا چاہتا تھا کہ ان کی کامیابی اطاعت رسول ﷺ میں مضمر ہے، جب احد میں مسلمانوں کی ایک جماعت نے حکمِ رسول ﷺ میں غفلت کی تو جیتی ہوئی جنگ ہار میں بدل گئی۔

مسلمانوں کو حالاتِ حاضرہ سے بددل نہیں ہونا چاہئے

وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ میں مومنوں کو تا قیامت کامیابی کی ضمانت دی گئی ہے بشرطیکہ وہ پکے مومن ہوں۔ یعنی مسلمانوں کو سبق دیا جارہا ہے کہ اگر آج بھی ان کے پاس قوت ایمانی کا اسلحہ جمع ہوجائے تو کامیابی انہی کی ہے۔ مومن کا سب سے بڑا ہتھیار اس کی قوت ایمان ہے، اگر یہ قوت کمزور پڑ جائے تو پھر لوہے کا اسلحہ بھی کچھ کام نہیں آتا خواہ اس کے پہاڑوں جیسے انبار جمع کر لیے جائیں۔ تو آج اہلِ ایمان کو حالات سے بددل ہونے کی بجائے اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وغلامی کا پھر سے عہد کرنا چاہیے۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے	دہر میں اسم محمد سے اجالا کردے
کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں	یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

[180] یعنی اے مومنو! ہم لوگوں میں یہ دن اس لئے پھیرتے ہیں تاکہ اللہ ایمان والوں کو آزمائے کہ وہ مصائب میں کس قدر صبر واستقامت کرتے ہیں اور تاکہ اللہ تم میں سے بعض کو درجۂ شہادت عطا فرمائے اس لئے احد میں ستر صحابہ شہید ہوئے۔ اور اس لئے بھی اللہ دن پھیرتا ہے یعنی بسا اوقات کفار کو اس لئے غلبہ دیتا ہے تاکہ وہ مومنوں کو پاک کرے

یعنی وہ تکلیف پر صبر کریں تو وہ گناہوں کی میل سے پاک ہو جائیں۔
بس مومن کا کام ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں کمر بستہ رہے خواہ حالات یہ ہوں کہ مسلمانوں کو غلبہ ملے، یا یہ کہ کفار کو غلبہ حاصل ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ دنوں کو قوموں میں پھیرتا رہتا ہے، تو کیا اس کے ساتھ دین بھی پھرتا رہے گا؟ ایسا تو نہیں ہوسکتا۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ
کیا تم یہ گمان رکھتے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے جبکہ ابھی اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو آزمایا نہیں
وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ
اور صبر کرنے والوں کو جانچا نہیں۔ [181] یقیناً تم موت کی تمنا کرتے تھے۔ اس سے قبل کہ تم موت سے دوچار ہو،
فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع
اب تم نے اسے پا لیا ہے اور تم اسے آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ [182]

ع ۱۴ ۵

[181] احد میں تکالیف کے آنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلی دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کیا تم چاہتے ہو کہ کوئی تکلیف اٹھائے بغیر جنت میں چلے جاؤ گے اور جنت تمہیں طشت میں رکھ کر پیش کر دی جائے گی؟ نہیں اللہ تمہیں جہاد کی سختیوں سے گزارے گا اور جانچے گا کہ تم میں سے کون کس قدر صبر کرنے والا ہے۔

[182] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بعض اصحاب رسول ﷺ کہتے تھے اے کاش ہمیں بھی اصحاب بدر کی طرح شہادت ملے پھر جب انہیں احد میں پہنچایا گیا تو وہ اپنی تمنا پہ ٹھہر نہ سکے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ۔ یعنی جب موت تمہارے سامنے آئی اور تمہارے کئی ساتھی شہید ہوئے تو ایسے میں تمہیں سست نہیں پڑنا چاہیے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ

اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ کے رسول ہی تو ہیں۔ آپ سے قبل رسول چلے گئے۔ [183] تو اگر آپ فوت ہو جائیں یا

قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۗ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ

شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں مڑ جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں مڑ جائے تو وہ اللہ کو کچھ

اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ

نقصان نہ دے گا اور عنقریب اللہ شکر گزاروں کو جزا دے گا۔ [184] کسی جان کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اسے موت آئے

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۗ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ

اللہ کے حکم کے بغیر جو مقرر تحریر ہے۔ [185] اور جو دنیا کا فائدہ چاہے ہم اسے اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۗ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور جو آخرت کا فائدہ چاہے ہم اسے اس میں سے کچھ دیتے ہیں اور ہم عنقریب شکر گزاروں کو جزا دیں گے۔ [186]

جب غزوہ احد میں افواہ پھیلی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شہید کر دیا گیا ہے

[183] جب غزوہ احد میں پچاس تیر انداز مسلمانوں میں سے بعض کی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹا اور جیتی ہوئی جنگ ہار میں بدلنے لگی اور ہر طرف افراتفری مچی تو ایسے میں شیطان نے آواز لگا دی قَدْ قُتِلَ مُحَمَّدٌ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شہید کر دیا گیا ہے اور عبدالرزاق نے زہری سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ اس افراتفری میں ایک کافر ابن قیمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہ حملہ کیا تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر دفاع کیا، ابن قیمہ نے اپنا نیزہ ان کے سینے میں اتار دیا اور وہ شہید ہوگئے، اس نے سمجھا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شہید کر دیا ہے، اس نے شور مچا دیا: انی قتلتُ محمدا، میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو (معاذ اللہ) قتل کر دیا ہے، تو شیطان نے بھی اس کی آواز میں آواز ملا دی جو ہر کسی کے کان میں گئی۔ (درمنثور)

اس آواز نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور کئی مسلمان ہمت ہار گئے کئی میدان چھوڑ کر چل دیئے کہ اب یہاں کھڑے رہنے کی کیا ضرورت۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کی معافی کا اعلان فرمایا: وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ (آل عمران، ۱۵۲)

ادھر جب منافقین مدینہ تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نبی ہوتے تو قتل نہ کئے جاتے لہٰذا واپس اپنے

پرانے دین پر لوٹ چلو۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ اتاری: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ۔ یعنی محمد ﷺ اللہ کے رسول ہی ہیں خدا نہیں ہیں کہ انہیں موت نہ آ سکے، آپ سے قبل کتنے ہی رسول آئے اور چلے گئے ان میں سے کئی کو شہید بھی کیا گیا، تو اے مومنو! اگر تمہارے رسول ﷺ بھی فوت ہو جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنے دین سے پھر جاؤ گے؟ یا میدان چھوڑ کر بھاگ اٹھو گے؟ ہرگز نہیں۔

آیت مبارکہ کا مقصد یہ ہے کہ دین کا مالک اللہ ہے، جو ہمیشہ کے لیے زندہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ دین کے لانے والے ہیں، آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ اگر دنیا سے چلے جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ اپنے دین کو اور اپنے محبوب کریم ﷺ کے دین کو ہمیشہ باقی رکھے گا اور آپ کے دنیا سے ظاہری پردہ فرمانے کے بعد امت کا فرض ہے کہ آپ کے لائے ہوئے دین سے وابستہ رہے اور اسے دوسری قوموں تک پہنچائے۔

یہ افواہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان مزید مضبوط ہو گیا

جبکہ یہ افواہ سن کو مسلمانوں کو ان کے ایمان کے بارہ میں کوئی فکر لاحق نہیں ہوا، چنانچہ حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں، نے جب یہ افواہ سنی کہ رسول اللہ ﷺ کو شہید کر دیا گیا ہے تو وہ بولے: اے لوگو اگر محمد ﷺ کو شہید کر دیا گیا ہے تو رب محمد کو تو شہید نہیں کیا گیا، تو جس رب کے دین کے لیے حضور سرور کونین ﷺ لڑتے تھے تم بھی اسی رب کے دین کے لیے لڑتے رہو، یہ کہہ کر انہوں نے تلوار لہرائی اور کفار پہ ٹوٹ پڑے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ (بخاری شریف کتاب المغازی باب غزوۃ احد)

کلیب کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا، انہوں نے سورہ آل عمران کے بارہ میں فرمایا: یہ سورۂ احد ہے (غزوہ احد کے بارہ میں نازل ہوئی ہے) احد میں ایسا وقت آیا کہ ہماری جماعت بکھر گئی، ایک یہودی کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ محمد (ﷺ) کو شہید کر دیا گیا ہے، میں نے اس سے کہا: خبر دار خاموش ہو جاؤ میں نے جس شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے میں اس کی گردن اڑا دوں گا، تب میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ میدان کی طرف لوٹ رہے ہیں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ اتاری: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ الخ

(تفسیر ابن جریر جلد چہارم صفحہ ۱۷۲ مطبوعہ دار الباز مکہ)

[184] اور جو دین اسلام چھوڑ کر واپس چلا جائے جیسے منافقین نے کیا تو وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑے گا یعنی اللہ کا دین زندہ ہی رہے گا۔ البتہ جو لوگ مصیبت کی گھڑی میں دین پر اور میدان جنگ میں ثابت قدم رہیں ایسے شکر گزاروں کو اللہ بہترین جزا عطا فرماتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب پہلے انبیاء کے وصال یا انکی شہادت پر ان کے ساتھی دین سے نہ پھرے تو اے غلامان مصطفیٰ ﷺ تم کیسے پھرو گے، اس آیت مبارکہ کے نزول سے ہمتیں پھر بندھ گئیں، کمزور دل

مسلمان پھر ڈٹ گئے اور منافقوں کی زبان سے زہر اُگلنا کم ہو گیا اور ملتِ اسلامیہ کی اجتماعیت پھر بحال ہو گئی۔

اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معارف

قرآن کریم میں یہ پہلا موقع ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیا ہے، اس کے علاوہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ۔ (احزاب، ۴۰) اور اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔ (سورہ محمد، ۱) میں بھی اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیا ہے، اس اسم مبارک کے چند خصائص ہیں۔

اول: اسم اللہ کی طرح یہ اسم بے نقطہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نام پہ نقطہ کا بوجھ پسند نہیں فرمایا، اس نام کو اسم اللہ سے مزید کئی طرح مشابہت ہے، کیونکہ اسم اللہ میں بھی چار حروف ہیں اور اسم محمد میں بھی چار حروف، دونوں میں ایک ایک حرف مشدد ہے، دونوں میں ایک ایک حرف حلقی ہے۔

دوم: اسم اللہ کہنے سے منہ کھل جاتا اور اسم محمد کہنے سے منہ بند ہو جاتا ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ ہم پست ہیں اور اللہ ہمارے فہم، ادراک اور رسائی سے بہت بلند ہے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ہیں جو پستی والوں کو خدائے بزرگ و برتر سے ملا دیتے ہیں۔

سوم: اسم محمد کا معنی ہے وہ ذات جس کی بار بار اور کثرت سے تعریف کی جائے اور بلاشبہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ وہ ہے کہ خالق کائنات بھی ان کی تعریف کرتا ہے اور مخلوق بھی، عرش والے بھی ان کی ثناء میں رطب اللسان ہیں اور فرش والے بھی، قرآن حکیم بھی ان کے ذکر سے بھرا ہوا ہے اور پہلی آسمانی کتب بھی، کیونکہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محامد و محاسن اسقدر ہیں کہ اگر ساری مخلوق آپ کی تعریف میں لگ جائے تو قیامت آجائے گی مگر آپ کا ذکر مکمل نہ ہوگا۔ اسی لیے امام بوصیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

فان فضل رسول اللہ لیس لہ حدٌّ فیعرب عنہ ناطق بفم

اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بارگاہ حق میں دو آدمی آئیں گے، اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں جانے کی اجازت عطا فرمائے گا، وہ دونوں عرض کریں گے، اے اللہ! ہم کس عمل کی وجہ سے جنت کے حق دار ٹھہرے ہیں؟ ہمارے اعمال تو ایسے نہیں ہیں کہ جنت میں جائیں بجز اس کے کہ اللہ کی رحمت مدد کرے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم جنت میں جاؤ، کیونکہ میں نے یہ عہد کیا ہے کہ جس کا نام محمد یا احمد ہوا سے دوزخ میں نہ بھیجوں گا۔

(مدارج النبوت جلد اول صفحہ ۳۱۸ پہلی قسم فصل ۵، مطبوعہ مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور)

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اذا سمیتم محمدا فلا تضربوہ ولا تحرموہ، یعنی جب تم کسی بچے کا نام محمد رکھو تو نہ اسے مارو نہ اسے محروم رکھو (اس کی قدر کرو) اسے بزار نے روایت کیا ہے۔

(مجمع الزوائد جلد ۷ صفحہ ۵۱ باب فی اسم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مطبوعہ موسسۃ المعارف بیروت)

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ سے مرزائیوں کا وفاتِ مسیح پہ غلط استدلال

مرزائی لوگ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور ﷺ سے قبل جتنے رسول تھے بشمول حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ سب فوت ہو گئے ہیں، بلکہ مرزائیوں کا کہنا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وفاتِ رسول ﷺ پہ یہی آیت پڑھی: قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اور سب صحابہ نے ان کی تائید کی، گویا عیسیٰ علیہ السلام سمیت تمام انبیاء کی وفات پہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا۔ مگر یہ غلط استدلال ہے چند وجوہ سے۔

اول: اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: قَدْ مَاتَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ بلکہ فرمایا: قَدْ خَلَتْ کہ رسول گزر گئے اور یہ اسی لئے فرمایا کہ کئی انبیاء دنیا سے پردے میں چلے گئے ہیں مگر وہ فوت نہیں ہوئے جیسے عیسیٰ علیہ السلام اور بقول بعض خضر علیہ السلام، گویا قد خلت کے الفاظ ہی بتا رہے ہیں کہ سب انبیاء کرام علیہم السلام فوت نہیں ہوئے۔

دوم: پھر یہ بات بھی سب جانتے ہیں کہ رُسُل جمع مکسر ہے اور بتاؤ یہ کس نحوی امام نے لکھا ہے کہ جمع مکسر پہ لام تعریف کا آنا استغراق کا فائدہ دیتا ہے؟ ہاں، جمع سالم پہ لام تعریف کا آنا استغراق کا فائدہ دیتا ہے جیسے رب العالمین، ھدی للمتقین، میثاق النبیین وغیرہ، مگر جمع مکسر کا معرف باللام ہونا ہرگز مفید استغراق نہیں ہے، چنانچہ قرآن مجید میں بعض جگہ یہی لفظ الرسل معرف باللام آیا ہے اور اس میں سارے رسولانِ گرامی مراد نہیں ہیں، جیسے وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ "ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد کئی رسول بھیجے۔" (بقرہ، ۸۷) تو کیا سارے رسول موسیٰ علیہ السلام کے بعد آئے تھے؟ اسی طرح قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ میں بھی سارے رسول مراد نہیں ہیں بلکہ وہی مراد ہیں جن پہ موت آ چکی ہے۔

سوم: اگر مرزائیوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کا واقعی کچھ لحاظ ہے تو انہیں خود ساختہ اجماع کی بجائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس اجماع پہ غور کرنا چاہیے کہ وفاتِ رسول ﷺ کے بعد جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبوت کے جھوٹے دعویداروں کے خلاف اعلان جنگ کیا تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کا ساتھ دیا اور اسود عنسی، سجاح اور مسیلمہ کذاب و دیگر جھوٹے مدعیان نبوت کو قتل کر کے دم لیا، اس راہ میں سینکڑوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش فرمایا، مرزائیوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ اجماع نظر نہیں آتا اور وہ خود ساختہ اجماع پیش کرتے ہیں، کیا حیاء اسی چیز کا نام ہے؟

آیت قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ کا وفاتِ رسول ﷺ پہ امت کی راہنمائی کرنا

اس آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ نے وصالِ نبوی ﷺ کے وقت امت کی عظیم راہنمائی کی، وصال نبوی ایسا جانکاہ حادثہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض حواس کھو بیٹھے، بعض کی قوت گویائی سلب ہو گئی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا شاہسوارِ حکمت انسان سکتے میں آ گیا، انکے حواس مختل ہو گئے اور وہ تلوار لے کر مسجد نبوی ﷺ کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے، جس نے کہا کہ محمد ﷺ فوت ہو گئے ہیں میں اس کی گردن اڑا

دوں گا آپ زندہ ہیں اور ابھی اٹھ کر منافقین کا قلع قمع کریں گے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان تھے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کیا کہہ رہے ہے، کیا واقعی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت نہیں ہوئے؟

تب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوڑے ہوئے آئے، انہوں نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا سب صحابہ بیٹھ گئے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی بیٹھ گئے اور سننے لگے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتا ہے تو اسے جان لینا چاہئے کہ آپ فوت ہو گئے ہیں اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ زندہ ہے اسے کبھی موت نہ آئے گی، پھر انہوں نے یہی آیت مبارکہ پڑھی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡـًٔا ؕ وَسَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۴۴﴾

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ آیت سن کر مجھے یوں لگا جیسے یہ آیت ابھی اتری ہے اس سے قبل میں نے جیسے یہ آیت کبھی سنی نہ تھی۔ (بخاری کتاب الجنائز باب ۳، حدیث ۱۲۴۲)

دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ایسے ہی محسوس ہوا۔ گویا یہ آیت مبارکہ اگر قرآن مجید میں نہ ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کا صدمہ ناقابل برداشت ہو جاتا۔ اور وہ کبھی نہ مانتے کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہری پردہ فرما گئے ہیں۔

اہلِ تشیع کا خلفاء راشدین اور امہات المؤمنین پہ قتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا الزام رکھنا (معاذ اللہ)

اس جگہ اَفَا۟ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ ؕ کے تحت اہلِ تشیع مفسرین نے انتہائی بدبودار و دل آزار بات کہی ہے، دل نہیں چاہتا کہ اسے بیان کروں مگر میں مسلمانوں کو اس مذہب کی حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے یہ بات نقل کر رہا ہوں

چنانچہ ملا فتح اللہ کاشانی اور ملا عیاشی نے لکھا ہے کہ امام جعفر نے لوگوں سے کہا: اللہ نے اَفَا۟ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ ؕ اس لیے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت نہیں ہوئے تھے، آپکو قتل کیا گیا تھا، پھر کہا: انهما سمّتاه۔ بیشک ان دو عورتوں نے آپ کو زہر دیا تھا، راوی کہتا ہے یہ سن کر ہم نے کہا بیشک وہ دونوں عورتیں اور انکے باپ مخلوق خدا میں سب سے بدتر لوگ ہیں۔ اور تفسیر صافی کے الفاظ یہ ہیں کہ امام جعفر نے کہا: لعنهما الله وابويهما، اللہ ان دونوں عورتوں اور ان کے دونوں باپوں پہ لعنت کرے۔

(تفسیر عیاشی جلد اول صفحہ ۲۰۰ مطبوعہ المکتبۃ العلمیہ تہران، تفسیر الصافی جلد اول صفحہ ۳۰۵ مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ تہران)

اب ہر کوئی جانتا ہے کہ "ان دو عورتوں" سے شیعوں کی مراد ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما ہوتی ہے اور انکے باپوں سے مراد حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہوتے ہیں، اس غلیظ کافرانہ بات کو امام جعفر

صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے شیعہ مفسرین نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی بھی شدید توہین کی ہے، یقیناً یہ گستاخ لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے بڑھ کر ملعون و مردود ہیں۔

حالانکہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بہت فضیلت بیان فرماتے تھے، یہ اللہ کی شان ہے کہ خود ایک شیعہ مصنف علامہ ہاشم اربلی لکھتا ہے کہ ایک بار امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ولدنی ابو بکر مرتین ۔یعنی ابو بکر (رضی اللہ عنہ) دو رشتوں سے میرے باپ لگتے ہیں (کشف الغمہ جلد دوم صفحہ ۲۷۳ مطبوعہ منشورات الفجر بیروت) اس کی وجہ یہ ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی والدہ ام فروہ رضی اللہ عنہا ہیں جن کے باپ کا نام قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق ہے اور ان کی والدہ اسماء بنت عبد الرحمان بن ابی بکر ہے۔

(اصول کافی کتاب الحجۃ صفحہ ۴۸۶ مطبوعہ دار المجتبیٰ نجف اشرف)

اور ایک بار امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بوقتِ موت مال کے پانچویں حصہ کی وصیت کی تھی حالانکہ وہ ایک تہائی تک وصیت کر سکتے تھے، معلوم ہوا مال کو ضرورت کے لیے بچا کر رکھنا برا نہیں (فروع کافی جلد ۵ صفحہ ۶۸ مطبوعہ ایران) گویا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عمل سے حجت پکڑتے تھے

پھر یہی شیعہ عالم ہاشم اربلی لکھتا ہے عروہ بن عبد اللہ نے کہا میں نے امام باقر علیہ السلام سے تلواروں کو سونا لگانے کے بارہ میں پوچھا، انہوں نے کہا: لا بأس به ،قد حلّی ابو بکر الصدیقُ سیفَه، کیونکہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کو سونا لگا رکھا تھا، میں نے کہا: فتقول الصدیق؟ کیا آپ بھی ان کو (حضرت ابو بکر کو) صدیق کہتے ہیں؟ ۔عروہ بن عبد اللہ کہتا ہے:

فوثب الباقرُ وثبةً واستقبل القبلةَ وقال نعم الصدیق نعم الصدیق نعم الصدیق، فمن لم یقل له الصدیق فلا صدّق الله له قولاً فی الدنیا ولا فی الآخرة ۔یعنی امام باقر علیہ السلام یہ سن کر اچھل کر کھڑے ہوگئے، قبلہ کی طرف رخ کر لیا اور فرمایا: ہاں، وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں ہاں وہ صدیق ہیں، اور جو انہیں صدیق نہیں مانتا اللہ دنیا و آخرت میں اس کی کوئی بات سچی نہ کرے۔

(کشف الغمہ جلد دوم صفحہ ۲۶۲ مطبوعہ منشورات الفجر بیروت)

معلوم ہوا کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اور ان کے والد بزرگوار امام باقر رضی اللہ عنہ دونوں جناب حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے محبت و عقیدت رکھنے والے تھے، ان کے بارہ میں اہلِ تشیع نے اپنی طرف سے جھوٹی روایات کے بڑے بڑے طومار گھڑ کر ان کی طرف منسوب کر دیے ہیں اور ایک نیا مذہب تشکیل دیا گیا۔

[185] اس میں میدانِ جنگ سے بھاگنے کی برائی بیان کی جا رہی ہے کہ بھاگنے کا فائدہ نہیں جب تک حکم الٰہی نہ آئے موت نہیں آسکتی خواہ تیر برس رہے ہوں اور تلواریں چل رہی ہوں، دورِ حاضر میں بمباری ہو رہی ہو، گولیوں کی برسات ہو رہی ہو کیونکہ موت ایک مقررہ وقت کی تحریر ہے۔ وہ اپنے وقت ہی پر آسکتی ہے۔ لہٰذا میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہنا

چاہیے، اس میں اشارۃً ان دو تین مسلمانوں کو سمجھانا مقصود ہے جو حضور ﷺ کی شہادت کی افواہ سن کر میدان احد سے چل دیئے تھے، اگرچہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں ان کے لیے قرآن مجید میں دوبار معافی کا اعلان فرمایا۔

موت کا وقت مقرر ہے

اس سے قبل موت نہیں آسکتی۔ اسی لیے دوسری جگہ فرمایا گیا

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ لَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّلَا یَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ؀ ''جب ان کی اجل آجائے گی تو وہ اسے ایک لمحہ آگے پیچھے نہیں کرسکیں گے۔'' (اعراف، ۳۴)

اگر کہا جائے کہ قرآن مجید نے کئی ایسے واقعات بتائے ہیں جن میں بعض لوگوں کو مار کر زندہ کر دیا گیا اور وہ عرصہ دراز دنیا میں رہ کر پھر مرے۔ جیسے بنی اسرائیل کے ستر افراد جو کوہِ طور پر مارے گئے اور دوبارہ زندہ ہوئے اللہ فرماتا ہے: ثُمَّ بَعَثۡنٰكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِكُمۡ۔ (بقرہ:۵۶) اور بعض لوگ طاعون سے ڈر کر بھاگے تو مار دیئے گئے پھر زندہ کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوۡتُوۡا ثُمَّ اَحۡيَاهُمۡ ؕ (بقرہ:۲۴۳) تو انہیں وقت سے قبل کیوں مارا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہیں بطور سزا قبل از وقت مارا گیا بعد میں انبیاء علیہم السلام کی دعا سے انہیں وہ زندگی واپس دے دی گئی جو ان سے بطور سزا چھین لی گئی تھی، یعنی وقت سے قبل کسی کو موت نہیں آسکتی، لیکن اگر اللہ تعالیٰ ایسا کرنا چاہے تو اس کیلیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ دنیا ایک مربوط نظام کے تحت چل رہی ہے۔ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، یہ نہیں کہ ہر چیز از خود پیدا ہوتی اور مرجاتی ہے۔

[186] یعنی میدانِ جنگ میں جو شخص مالِ غنیمت اور دنیوی مفاد کے لئے جائے ہم اسے وہی کچھ دیتے ہیں جو اس نے چاہا یعنی آخرت میں سے اسے کچھ نہ ملے گا اور جو آخرت کا انعام چاہے یعنی دین کی سربلندی کے لئے جذبہ شہادت کے ساتھ میدان میں اترے اسے آخرت ملے گی اور دنیا تو جس قدر کسی کے لئے لکھی گئی ہے وہ مل کر ہی رہتی ہے اور اللہ شکر گزاروں کو زیادہ دیتا ہے، اس کا ارشاد ہے: لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ۔ ''اگر تم شکر کرو گے تو میں زیادہ دوں گا۔'' (ابراہیم:۷) اس میں ان لوگوں کو سمجھانا بھی مقصود ہے جن سے یہ اجتہادی خطاء ہوئی کہ غزوہ احد میں مالِ غنیمت سمیٹنے کے لئے اس پہاڑ سے نیچے اتر آئے تھے جہاں انہیں رسول اللہ ﷺ نے بٹھایا تھا اور یہ سمجھا کہ اب فتح ہوگئی ہے اب یہاں بیٹھے رہنا بیکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سمجھایا کہ جنگ میں اللہ کی رضا اور آخرت کی بہتری کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ مالِ غنیمت کو نہیں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِيْ
اور کتنے ہی وہ نبی تھے جن کی معیت میں کثیر ربانی مجاہدوں نے جہاد کیا تو وہ سست نہ پڑے راہ خدا میں پیش آنے والے
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا
مصائب کی وجہ سے اور (جہاد میں) کمزور نہ ہوئے اور ہمت نہ ہاری اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔[187]
كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْۤ اَمْرِنَا
(میدان جہاد میں) ان کا یہی کہنا تھا کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ معاف فرمادے اور اپنے کاموں میں ہمارا حد سے بڑھنا بھی
وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ
اور ہمارے قدم مضبوط کر دے اور ہمیں کافر قوم کے مقابلہ میں مدد عطا فرما۔ [188] تو اللہ نے انہیں دنیا کا
الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع
فائدہ بھی دیا اور آخرت کی بہترین جزا بھی اور اللہ مخلص لوگوں سے محبت فرماتا ہے۔

ع ۱۵ ۶

[187] یعنی انبیاء سابقین کے ساتھ مل کر ان کے خدا پرست ساتھیوں نے جہاد کیا اس میں انہیں شدید تکالیف آئیں مگر وہ ہمت کے ساتھ جمے رہے نہ بھاگے نہ کمزور پڑے، یعنی اے غلامانِ مصطفیٰ ﷺ! تم تو سب سے افضل نبی کی امت اور سب امتوں سے افضل ہو تمہارا زیادہ حق ہے کہ ثابت قدم رہو اور اللہ ایسے ہی صابروں سے محبت رکھتا ہے جو ہر تکلیف سہہ کر بھی دین کا ساتھ دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت داؤد علیہ السلام کی مثال دی ہے جب انہوں نے جالوت بادشاہ سے جنگ کی اور مٹھی بھر جماعت کے ساتھ اپنے سے کئی گنا بڑے لشکر پر غلبہ حاصل کیا دوسرے پارہ کے آخری رکوع میں اس کا مفصل بیان ہے۔

[188] یعنی اللہ کے خاص بندے (ربانیون) جب انبیاء کی معیت میں جہاد پر نکلے تو ان کے لبوں پر یہ دعا تھی اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے اور ہم نے اپنے کام میں جو حد سے تجاوز کیا یعنی جہاد میں ہم سے جو غلطی ہوئی اسے معاف فرمادے اور ہمارے قدم پختہ کر دے اور ہمیں کافروں کے مقابلہ میں مدد عطا فرما، لہٰذا امت محمدیہ ﷺ کو بھی یہی طرز عمل اپنانا چاہیے۔

غلبۂ اسلام کی دعا میدانِ جنگ میں اتر کر کرنا سنت انبیاء کرام علیہم السلام ہے

انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے ساتھی پہلے میدان جنگ میں اترتے تھے بعد میں دعا کرتے ہوئے کہتے ثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ﴿۲۸۶﴾ آج ہم جہاد کے لئے تیار نہیں ہیں بلکہ کفار کے خوف سے جہاد کا لفظ زبان پر نہیں لا سکتے اور گھر بیٹھے صرف دعا سے کفار پر غلبہ حاصل ہو جانے کی خواہش رکھتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہلے میدانِ بدر میں اترے پھر عاجزی وانکساری کے ساتھ دعا کی اے اللہ! اگر یہ مٹھی بھر لوگ ہلاک کر دیے گئے تو قیامت تک تیری عبادت نہیں کی جائیگی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح آہ وزاری کے ساتھ یہ دعاء کر رہے تھے کہ آپ کے کندھے سے آپ کی چادر مبارک بار بار زمین پہ گر جاتی تھی، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تین بار آپ کی چادر واپس آپ کے شانۂ مبارک پہ رکھی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اب بس کیجیے، یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کو بے یار مددگار نہیں چھوڑے گا، چنانچہ ابھی دعاء ختم نہ ہوئی تھی کہ آسمان سے پانچ ہزار فرشتوں کی فوج مدد کے لیے اتر آئی، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعاء نے اللہ رب العزت کے عرش کو ہلا کر رکھ دیا۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر چاہتے تو یہ دعا اپنی مسجد ہی میں رہ کر مانگ سکتے تھے اور اللہ تعالیٰ قبول بھی کر لیتا مگر آپ تا قیامت اپنی امت کو سبق دینا چاہتے تھے کہ صرف گھر بیٹھ کر فتح کی دعائیں نہ کرو پہلے بھرپور تیاری کر کے اعلائے کلمۃ الحق کے لیے اللہ پہ بھروسہ کر کے میدان جنگ میں اترو پھر اللہ تعالیٰ سے رو رو کر فتح کی دعا کرو تو پھر دیکھو تم پہ فتح کے دروازے کیسے کھولے جاتے ہیں۔ آج ہم دینِ خداوندی کی سربلندی کے لیے عملاً کچھ بھی نہیں کرنا چاہتے، جہاد بالسیف عملاً معطل ہو کر رہ گیا ہے، ہم صرف ائر کنڈیشنڈ کمروں میں نرم و گداز صوفوں پہ بیٹھ کر دعا ہی کرنا جانتے ہیں، کیا اس طرح غلبہ حاصل ہو سکتا ہے؟

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِيۡعُوا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَرُدُّوۡكُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ

اے ایمان والو! اگر تم نے کافروں کی پیروی کی تو وہ تمہیں (دین سے) الٹے پاؤں پھیر دیں گے پھر تم نقصان میں

فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِيۡنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوۡلٰٮكُمۡ ۚ وَهُوَ خَيۡرُ النّٰصِرِيۡنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلۡقِىۡ

لوٹ جاؤ گے۔[189] بلکہ اللہ ہی تمہارا نگہبان ہے اور وہ سب سے بہتر مدد فرمانے والا ہے۔[190] عنقریب

فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الرُّعۡبَ بِمَاۤ اَشۡرَكُوۡا بِاللّٰهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ

ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ وہ چیزیں شریک کر دیں جن کی اللہ نے

سُلۡطٰنًا ۚ وَمَاۡوٰٮهُمُ النَّارُ ‌ؕ وَبِئۡسَ مَثۡوَى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۵۱﴾

کوئی دلیل نہ اتاری تھی ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا انجام کتنا برا ہے۔[191]

[189] حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: کہ جب احد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کی افواہ پھیلی تو منافقین مدینہ نے کہا بس اب اپنے پرانے دین پر لوٹ چلو، اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نبی ہوتے تو قتل نہ کئے جاتے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِيۡعُوا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۔ الخ۔ یعنی اللہ نے فرمایا: اے مومنو! اگر تم کفار کی باتوں پر چلو گے تو وہ تمہیں دین سے الٹے پاؤں پھیر دیں گے تب تم نقصان میں جا پڑو گے، کیونکہ دنیا میں مرتد کی سزا قتل ہے اور آخرت میں جہنم۔

معلوم ہوا کہ کفار کا کہا ماننے میں مومنوں کے لئے مکمل خسارہ ہے۔ آج کفار کا ہم سے تقاضا ہے کہ عورتوں کو بے پردہ کرو، بے حیائی پھیلاؤ، جہاد کا نام تک نہ لو، ہمارے مطیع رہو، ہم ان کی یہ باتیں جس قدر مانیں گے اپنے ایمان سے دست بردار ہوتے اور ذلت کے گڑھے میں گرتے جائیں گے۔

دو جہاں میں مومنو! مقصود گر آرام ہے ان کا دامن تھام لو جن کا محمد نام ہے

[190] کفار کی باتوں پر کان دھرنے کی بجائے اپنے رب پر بھروسہ کرو وہی تمہارا کارساز اور سب سے بہتر مددگار ہے کیونکہ وہی سب قوتوں کا مالک ہے۔ چنانچہ احد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منافقین کی باتیں ماننے کی بجائے ان آیات پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں احد میں دوبارہ اپنے رسول کے گرد جمع کر دیا۔ تب کفار کے دل میں رعب ڈال دیا گیا جیسا کہ اگلی آیت مبارکہ میں آ رہا ہے۔

بَلِ اللّٰهُ مَوۡلٰٮكُمۡ ۚ کے تحت مروی ہے کہ میدانِ احد میں ابوسفیان نے جو کفار کا سربراہ تھا، کہا: لنا عُزّیٰ ولا

عزّی لکم عزّی، ہمارا خدا ہے اور تمہارا کوئی عزّی نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اسے جواب دو:
اللہ مولانا ولا مولی لکم اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں، چنانچہ اسی موقع پر یہ آیت مبارکہ بھی اتری: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾ (محمد: ۱۱) اور یہ بھی فرمایا گیا: بل اللہ مولا کم۔ (بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ احد حدیث ۴۰۴۳)

اس جگہ یاد رکھنا چاہیے کہ چونکہ بعد میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے تھے انہوں نے شرف صحابیت پایا، وہ رسول اللہ ﷺ کے سسر ہیں اور انہوں نے اسلام کے دفاع میں جنگیں لڑیں اس لیے ان کے بارہ کوئی برالفظ بولنا جائز نہیں ہے۔

[191] احد میں کفار پر دوبار مسلمانوں کا رعب وخوف ڈالا گیا، پہلی بار اس وقت جب حضور ﷺ کی شہادت کی افواہ سے مسلمانوں میں افراتفری پھیلنے کے بعد وہ اللہ کی مدد سے پھر حضور سرور کونین ﷺ کے گرد جمع ہوئے تو ابوسفیان بھی ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور صحابہ کو مجتمع دیکھ کر خوف زدہ ہوا کہ اگر اب ان کو چھیڑا گیا تو یہ زخمی شیر کی طرح پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ حملہ کریں گے اور شدید نقصان پہنچائیں گے چنانچہ اس نے صرف یہ کہہ کر کہ آج کا دن بدر کا بدلہ ہے، واپسی کا رخ کیا۔ اور دوسری بار اس وقت کفار پر رعب ڈالا گیا جب وہ مکہ کی طرف چند منزلیں طے کر چکے تھے۔ تو ان کے دل میں شیطانی وسوسہ آیا اور ابوسفیان کہنے لگا ہمیں واپس چل کر مسلمانوں پر ایک حملہ اور کرنا چاہیے اتنی بڑی تعداد میں انہیں قتل کرنے کے بعد باقی کو زندہ چھوڑ آنا غلطی ہے، تب اس نے مدینہ طیبہ کی طرف دوبارہ رخ کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس کے ارادوں سے مطلع کیا، تو حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کفار کے تعاقب کا ارادہ فرمایا حالانکہ اکثر صحابہ اور خود حضور ﷺ زخمی تھے۔ چنانچہ آپ اپنے لشکر کے ساتھ کفار کے تعاقب میں مقام حمراء الاسد تک پہنچے، جب ابوسفیان کو آپ کے تعاقب کا پتہ چلا تو اس کے چھکے چھوٹ گئے اور وہ اس قدر تیزی سے بھاگا کہ مکہ میں جا کر دم لیا، اس کا پورا واقعہ آگے اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (آل عمران: ۱۷۲) کے تحت آرہا ہے۔

تو اس بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم کفار کے دل میں اس لئے رعب ڈالتے ہیں کہ وہ اللہ کے ساتھ (بتوں، درختوں، ستاروں اور فرشتوں وغیرہ کو) عبادت میں اور اس کی ذات وصفات میں شریک کرتے ہیں حالانکہ اللہ نے ان کی اس شراکت پر کوئی دلیل نہیں اتاری یعنی اگر کوئی دلیل ہوتی تو اللہ ضرور اتارتا۔ معلوم ہوا کافر بزدل ہوتا ہے مومن بہادر، بشرطیکہ اس کے سینے میں صحابہ والی حرارتِ ایمانی کی کوئی رمق موجود ہو۔ تب خود اللہ تعالیٰ کفار کو مرعوب کر دیتا ہے اگر یہ نہ ہو تو کفار کا رعب مومنوں پر پڑ جاتا ہے جیسے اب ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ

تحقیق اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جب تم کفار کو بری طرح مار رہے تھے اللہ کے حکم سے تا آنکہ تم کمزور پڑ گئے

وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ

اور تم نے حکم (رسول) میں تنازع کیا اور حکم عدولی کی بعد ازاں کہ اللہ نے تمہیں تمہاری پسندیدہ چیز دکھا دی تھی۔ [192] تم

مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ

میں سے کچھ دنیا چاہتے تھے اور کچھ آخرت چاہتے تھے پھر اللہ نے تمہیں ان (پر غلبہ) سے

لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

روک دیا تا کہ تمہیں آزمائے اور اللہ نے تمہیں معافی دے دی اور اللہ مومنوں پر فضل فرمانے والا ہے۔ [193]

جب احد میں مسلمانوں کی ایک غلطی سے جیتی ہوئی جنگ ہار میں بدل گئی

[192] یعنی اے مومنو! اللہ نے جنگ احد کے ابتدائی مرحلہ ہی میں تمہیں کفار پر غالب کر کے اپنا یہ وعدہ پورا کر دیا تھا جیسے وہ فرماتا ہے: وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ (آل عمران:۱۳۹) اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ۔ (محمد:۷) وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ (حج:۴۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں ہم نے خود دیکھا کہ احد میں کفار کی عورتیں بھاگی جاتی ہیں اور ان کی پنڈلیاں برہنہ ہیں ان میں سے ہر کوئی جان بچانے کی فکر میں ہے۔ اس لئے فرمایا: اذ تحسونهم باذنه کہ تم کفار کو خوب مار رہے اور ان کی جڑ اکھیڑ رہے تھے مگر اے مومنو! پھر تم خود ہی حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تنازع کرنے لگے اور تم میں سے بعض نے حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توڑ دیا۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی کمان میں پچاس تیرانداز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو میدان احد کی مغربی جانب ایک پہاڑی پہ بٹھایا تھا، آج اسے ''جبل رماۃ'' کہا جاتا ہے، یعنی تیراندازوں کا پہاڑ، کیونکہ خطرہ تھا کہ کفار اس کے پیچھے سے حملہ کر سکتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے سختی سے فرمایا تھا کہ تم نے اس جگہ کو نہیں چھوڑنا جب تک میں تمہیں نہ کہوں، مگر جب اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی حملے میں مسلمانوں کو واضح فتح عطا فرما دی اور کفار بھاگ اٹھے تو یہ پچاس تیرانداز آپس میں تنازع کرنے لگے بعض نے کہا اب فتح ہو گئی ہے، کفار بھاگ گئے ہیں اور کافی سامان چھوڑ گئے ہیں، دوسرے مسلمان ان کا مال غنیمت جمع کر رہے ہیں چلو ہم بھی سامان جمع کریں چنانچہ وہ پہاڑ چھوڑ کر اتر آئے مگر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے بارہ ساتھی وہاں کھڑے رہے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، جیسے ہی یہ

پہاڑ خالی ہوا تو کفار نے اس کے پیچھے سے خالد بن ولید جو اس وقت مسلمان نہیں تھے کی کمان میں حملہ کر دیا اور جیتی ہوئی جنگ ہار میں بدل گئی اور ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید اور باقی سب زخمی ہو گئے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے پھر مسلمانوں کو جمع کیا اور وہ صف بستہ کھڑے ہوئے، پھر کفار کو حملہ کی جرأت نہ ہوئی، یوں بات برابر ہوئی۔

[193] یعنی تم میں سے جنہوں نے پہاڑ چھوڑا اور مالِ غنیمت سمیٹنے لگے وہ مال دنیا کے طلبگار بنے اور جو وہاں کھڑے رہے حتیٰ کہ وہیں شہید ہو گئے وہ آخرت کے طلبگار ہوئے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مومنو! تمہیں (کفار پر غلبہ دیئے بغیر) ان سے پھیر دیا تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم آئندہ کفار سے مقابلہ کے لئے کیا تیاری کرتے ہو، چنانچہ اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفار کے خلاف اس شان سے لڑے کہ ہر میدان میں غلبہ انہی کو حاصل ہوا، جیسے احزاب، فتح مکہ، حنین اور تبوک کے غزوات سے ظاہر ہے۔ یاد رہے جن صحابہ نے وہ پہاڑ چھوڑ دیا جہاں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بٹھایا تھا وہ کوئی اور دنیا کے بندے نہ تھے، وہ مال غنیمت سمیٹنے کے لیے اتر پڑے اور جنگ میں مالِ غنیمت کا سمیٹنا بھی باعث اجر ہے، کیونکہ اس کا خمس (پانچواں حصہ) نکال کر بیت المال میں جمع کیا جاتا ہے جو غرباء و مساکین کے کام آتا ہے، مگر چونکہ اس وقت ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وہ جگہ چھوڑنا اللہ کے ہاں پسندیدہ نہ تھا اس لیے انہیں یہ ارشاد فرمایا گیا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ کہ اے مومنو! اللہ نے تمہیں معاف فرما دیا، یعنی تم میں سے جنہوں نے غزوہ احد میں اس پہاڑ کو چھوڑا جہاں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بٹھایا تھا یا اور جو لوگ یہ سمجھ کر جنگ چھوڑ کر چل دیئے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی شہید ہو گئے ہیں تو اب یہاں کھڑے رہنے کا کیا فائدہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ان سب کو معاف فرما دیا کیونکہ اللہ مومنوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے کہ پہلے اس نے انہیں غلبہ دیا پھر ان سے جو غلطی ہوئی اسے معاف فرمایا اور پھر غلبے پہ غلبہ عطا فرمایا۔

میدانِ احد میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اجتہادی خطاء کو اچھالنا اپنے ایمان کو ضائع کرنا ہے

جب اللہ تعالیٰ نے وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ کہہ کر ان کی اس اجتہادی غلطی کو معاف فرما دیا تو جو شیعہ لوگ آج بھی اسے اچھالتے ہیں وہ اپنا ایمان برباد کرتے ہیں، قربان جائیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے غلطی بھی ہو تو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان کی معافی کا اعلان کرتا ہے گویا ان کی شان کو مزید بڑھا دیتا ہے، جب ان کی غلطی اور خطاء کا یہ مقام ہے تو ان کی اطاعت و وفا کا کیا عالم ہوگا۔ تو ایسے نفوسِ قدسیہ کی اجتہادی غلطی کو اچھالنا کس قدر شقاوتِ قلبی ہے، آج ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محنتوں اور جانبازیوں کے صدقے میں مسلمان بیٹھے ہیں۔

گناہ سے کوئی مومن کافر نہیں ہو جاتا

بلکہ وہ مومن ہی رہتا ہے اسی لئے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کی غلطی معاف فرماتا ہے۔ لہٰذا معتزلہ کا مومن کو گناہ کی وجہ سے ایمان سے خارج کہنا ان کی گمراہی ہے۔

اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوۡلُ يَدۡعُوۡكُمۡ فِىۡۤ اُخۡرٰٮكُمۡ

جب تم بھاگے جارہے تھے اور پلٹ کر کسی کو نہ دیکھتے تھے اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہیں تمہاری دوسری جماعت میں کھڑے پکار رہے تھے۔[194]

فَاَثَابَكُمۡ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰى مَا فَاتَكُمۡ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمۡ ؕ

تو اللہ نے تمہیں غم پہ غم پہنچایا تاکہ تم غم نہ کرو اس پہ جو تمہیں (غلبہ) نہ مل سکا اور نہ ہی خود کو پہنچنے والی مصیبت پر غم کرو

وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۝ ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَةً

اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔[195] پھر اللہ نے تم پر غم کے بعد امن اتارا

نُّعَاسًا يَّغۡشٰى طَآٮِٕفَةً مِّنۡكُمۡ ۙ وَطَآٮِٕفَةٌ قَدۡ اَهَمَّتۡهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ يَظُنُّوۡنَ

جو ایک اونگھ تھی جو تمہارے ایک گروہ پر طاری تھی۔[196] اور ایک گروہ کو اپنی جان کی پڑی تھی

بِاللّٰهِ غَيۡرَ الۡحَـقِّ ظَنَّ الۡجَـاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوۡلُوۡنَ هَلۡ لَّنَا مِنَ الۡاَمۡرِ مِنۡ

وہ اللہ کے متعلق ناحق باتیں سوچ رہے تھے اہل جاہلیت کی طرح۔[197] وہ کہتے تھے کیا ہمارے بس میں بھی

شَىۡءٍ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡاَمۡرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخۡفُوۡنَ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ مَّا لَا يُبۡدُوۡنَ

کچھ ہے؟ آپ فرما دیں سب کچھ اللہ ہی کے بس میں ہے وہ اپنے دلوں میں (منافقت) چھپائے پھرتے ہیں جو تم پر ظاہر

لَكَ ؕ يَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ كَانَ لَنَا مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ مَّا قُتِلۡنَا هٰهُنَا ؕ قُلۡ لَّوۡ

نہیں کرتے۔[198] وہ کہتے ہیں اگر ہمارے بس میں کچھ ہوتا تو ہم یہاں مارے تو نہ جاتے۔ آپ فرما دیں اگر

كُنۡتُمۡ فِىۡ بُيُوۡتِكُمۡ لَبَرَزَ الَّذِيۡنَ كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقَتۡلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمۡ ۚ

تم اپنے گھروں میں رہتے تو بھی جن کا قتل ہونا لکھا جا چکا تھا وہ اپنی قتل گاہوں کو ضرور نکل آتے۔[199]

وَلِيَبۡتَلِىَ اللّٰهُ مَا فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ

اور یہ اس لیے ہے تاکہ اللہ تمہارے سینوں کی باتیں آزمائے اور دلوں کے بھید نکھارے اور اللہ

عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

سینوں کے بھید جانتا ہے۔[200]

[194] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب احد میں لوگ بھاگ اٹھے تو حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جماعت میں کھڑے پکارتے تھے: اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ ارْجِعُوْا۔ اے اللہ کے بندو! میری طرف لوٹو۔ (درمنثور) مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ آواز جہاں تک گئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو علم ہوا کہ آپ شہید نہیں ہوئے بلکہ حیاتِ ظاہرہ کے ساتھ زندہ موجود ہیں تو وہ آپ کے گرد جمع ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے مومنو! اس وقت ہم نے تمہیں غم پہ غم پہنچایا یا پہلا غم یہ تھا کہ کفار کے اچانک حملے سے کئی صحابہ شہید اور زخمی ہو گئے، دوسرا غم یہ تھا کہ ان کے کانوں میں آواز آئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دیا گیا ہے اور یہ دوسرا غم اتنا بڑا تھا کہ صحابہ پہلا غم بھول گئے انہیں اپنے بھائیوں اور بیٹوں کا قتل اور اپنے زخم بھول گئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا: کَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا مَآ اَصَابَکُمْ ؕ تاکہ تم جو (فتح) نہ پا سکے اور جو زخم تمہیں پہنچے ان پر افسوس نہ کرو کیونکہ عموماً بڑے غم چھوٹے غموں کو بھلا دیتے ہیں اور ان کا افسوس جاتا رہتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری امت سے بہادر ہیں

اَلرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ فِیْٓ اُخْرٰىکُمْ کے الفاظ بتاتے ہیں کہ جب احد میں اکثر مسلمان تتر بتر ہو رہے تھے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قطعی مطمئن کھڑے پکار رہے تھے کہ اے بندگان خدا! میری طرف آ جاؤ۔ اور بعینہ یہی ماجرا غزوہ حنین میں ہوا جب اچانک حملے سے مسلمانوں میں بھگدڑ مچی تو اشجع الاشجعین سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلوار لہرا لہرا کر پکارتے تھے: انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب، یعنی ”لوگو سن لو کہ میں سچا نبی ہوں اور میں عبدالمطلب کا بہادر بیٹا ہوں، گویا جہاں بڑے لشکر ہمت ہار جائیں اور بکھر جائیں وہاں تنہا ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے رہتے ہیں۔“

جس کو بارِ دو عالم کی پرواہ نہیں ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد میں ایک لمحے کے لئے بھی تنہا نہیں ہوئے

وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ فِیْٓ اُخْرٰىکُمْ (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسری جماعت میں کھڑے تمہیں پکار رہے تھے) سے معلوم ہوا احد میں افراتفری مچنے کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جماعت میں کھڑے تھے اور بھاگنے والوں کو پکار کر بلا رہے تھے، لہٰذا بعض شیعہ لوگوں کا کہنا کہ احد میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ گئے، نص قرآنی کے خلاف ہے۔ آخر وہ فِیْٓ اُخْرٰىکُمْ کے الفاظ کیوں نہیں پڑھتے، دراصل وہ انہیں پڑھنا ہی نہیں چاہتے، کیونکہ یہ الفاظ بتا رہے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد میں کسی وقت بھی تنہا نہیں ہوئے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت ہر لحہ آپ کے ساتھ ہی رہی، وہ

اپنی جانوں پہ کھیل کر اپنے آقا و مولا مصطفیٰ کریم ﷺ کا ساتھ دے رہے تھے اور ان میں صدیق اکبر و عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی تھے، جیسا کہ ہم ابھی بتاتے ہیں

میدان احد سے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بھاگ جانے کا جھوٹا افسانہ

بعض شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ ابوبکر و عمر بھی احد میں حضور ﷺ کو چھوڑ گئے، بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سوا سب صحابہ بھاگ گئے مگر یہ سفید جھوٹ ہے، شیعہ مصنف علامہ سید اربلی لکھتا ہے:

"وصبر معه اربعةَ عشرَ رجلًا سبعةٌ من المهاجرين وسبعةٌ من الانصار ابوبكر وعبد الرحمان وعلى بن ابى طالب وسعد بن ابى وقاص" الخ، یعنی بھگدڑ کے وقت احد میں نبی ﷺ کے ساتھ چودہ آدمی صبر و استقامت کے ساتھ کھڑے رہے۔ ان میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام اس نے سب سے پہلے لکھا ہے۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول صفحہ ۱۴۶ مطبوعہ منشورات الفجر بیروت)

اسی طرح علامہ فضل بن حسن طبرسی شیعہ نے بھی لکھا ہے:

"لم يبق مع رسول الله ﷺ يوم احد الا ثلاثة عشر نفسا خمسة من المهاجرين وثمانية من الانصار فاما المهاجرون فعلى عليه السلام وابو بكر وطلحة وعبد الرحمان بن عوف وسعد بن ابى وقاص۔" کہ احد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تیرہ آدمی باقی رہ گئے تھے، ان میں سے پانچ مہاجرین میں سے تھے اور آٹھ انصار میں سے، مہاجرین یہ تھے: علی بن ابی طالب، ابوبکر، طلحہ، عبدالرحمان بن عوف اور سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہم)۔

(تفسیر مجمع البیان جلد دوم صفحہ ۴۲۳ مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت)

مزید تحقیق میرے والد گرامی شیخ الحدیث علامہ محمد علی رحمہ اللہ متوفی ۱۴۱۸ھ (۱۹۹۶ء) کی کتاب ''تحفہ جعفریہ'' جلد دوم میں دیکھیں۔

غزوہ احد میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ثابت قدم کھڑے رہنے والوں میں علامہ اربلی شیعہ نے اور ملا طبرسی شیعہ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیا حالانکہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی موجودگی اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ غزوۂ احد کے اختتام پر جب ابوسفیان نے پکار کر کہا کیا تم میں محمد (ﷺ) موجود ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اسے جواب نہ دو، اس نے کہا کیا ابوبکر موجود ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا خاموش رہو، پھر اس نے کہا کیا عمر بن خطاب موجود ہے، آپ نے فرمایا چپ رہو، جب ابوسفیان نے کوئی جواب نہ سنا تو کہا چلو یہ تین آدمی تو ختم ہوئے، اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور انہوں نے بے اختیار پکار کر کہا اے دشمن خدا و رسول! تم نے جھوٹ کہا ہے، اللہ نے تمہاری پریشانی کے لئے ہم سب کو زندہ رکھا ہے۔ (مشہور شیعہ تاریخ ناسخ التواریخ حالات پیغمبر خدا جلد ا صفحہ ۳۰۷ مطبوعہ تہران)

معلوم ہوا کہ جناب حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما میدان احد میں آخر دم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے۔

[195] اس کا مفہوم گزشتہ حاشیہ میں ظاہر ہو گیا ہے، یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دکھ اپنے ہر دکھ سے زیادہ تھا۔

جب احد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سکون بخش غنودگی طاری کی گئی

[196] جب احد میں ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید اور باقی ماندہ اکثر زخمی ہو گئے پھر وہ سب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع ہوئے اور کفار واپس مکہ کو پلٹ گئے پھر پتہ چلا کہ وہ لوٹ کر دوبارہ حملہ کرنا چاہتے ہیں تو ایسے میں ممکن تھا کہ بعض مسلمان گھبرائیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی رحمت سے امن وسکون اتارا، وہ اس طرح کہ ان پر نیند کی سی حالت یعنی غنودگی اور اونگھ طاری ہو گئی اور یہ تب ہی ہوتا ہے جب دل میں سکون ہو کیونکہ دہشت وخوف سے انسان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں اور نیند اڑ جاتی ہے۔ اونگھتا وہی ہے جو بے خوف ہو، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں احد میں نیند کے سبب میری تلوار بار بار میرے ہاتھ سے چھوٹ رہی تھی۔ (بخاری کتاب المغازی)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم احد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے اور نیند کی وجہ سے ہم میں سے ہر آدمی کی ٹھوڑی سینے سے لگ رہی تھی۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اول صفحہ ۴۱۸ مطبوعہ دار المعرفہ)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے احد کے دن سر اٹھایا اور دائیں بائیں نظر ڈالی تو میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہر کوئی اپنی ڈھال کے نیچے نیند کی وجہ سے جھول رہا تھا (ابن سعد، ابن جریر، ابی ابی شیبہ، حاکم)

یاد رہے بدر میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ایسی اونگھ طاری ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِذۡ یُغَشِّیۡکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَۃً مِّنۡہُ وَیُنَزِّلُ عَلَیۡکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَہِّرَکُمۡ بِہٖ یعنی ''وہ وقت یاد کرو جب اللہ نے (بدر میں) تم پہ غنودگی طاری کر دی یہ اسکی طرف سے امن کی ایک کیفیت تھی اور اسنے تم پہ آسمان سے پانی اتارا تاکہ تمیں اس کے ساتھ پاک کرے۔'' (انفال:۱۱)

[197] یاد رہے ابتداء میں منافقین کی جماعت بھی مدینہ طیبہ سے احد میں شمولیت کے لیے نکلی تھی، مگر اکثر منافقین تو عبداللہ بن ابی بن سلول کے ساتھ آغاز جنگ سے قبل راستہ ہی سے واپس ہو گئے تھے البتہ تین چار منافقین مال غنیمت کے لالچ میں کچھ دیر تک جنگ میں شریک ہوئے جن کا سربراہ معتب بن قشیر تھا۔ ان منافقین پہ اونگھ طاری نہیں ہوئی، کیونکہ وہ اپنے نفاق کے سبب اس رحمت کے مستحق نہ تھے۔ وہ تھر تھر کانپ رہے تھے، کیونکہ انہیں اللہ اور اس کے رسول کے وعدوں پر یقین نہ تھا ان کی جان اس خوف سے جا رہی تھی کہ اگر کفار نے پلٹ کر پھر حملہ کر دیا تو ان کا کیا بنے گا۔

احد میں آنے والے تین چار منافقین کا خوف کے مارے برا حال

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: احد میں جب ہم پہ نیند غالب ہوئی تو ہم میں سے ہر کسی کی ٹھوڑی نیند کی وجہ سے سینے کے ساتھ لگ رہی تھی، اسوقت میں معتب بن قشیر کی باتیں سن رہا تھا اور یوں لگتا تھا میں خواب میں اس کی باتیں سن رہا ہوں، وہ کہہ رہا تھا: لو کان لنا من الامر شیء ما قتلنا ھھنا، اگر ہمارے بس میں کچھ ہوتا تو ہم یہاں مارے نہ جاتے۔ (تفسیر ابن کثیر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ اللہ کے بارہ میں جاہلیت کا گمان کرتے تھے یعنی یہ کہ اللہ مسلمانوں کی مدد نہیں کرے گا اور ان کی جان ساتھ میں یونہی چلی جائے گی۔ گویا یہ تین چار منافقین کا حال تھا، ان پہ سکون واطمینان کی وہ کیفیت طاری نہ ہوئی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہ اللہ تعالیٰ نے اونگھ کی صورت میں طاری فرمائی۔ مگر افسوس صد افسوس! آج اہل تشیع کے بڑے بڑے مفسرین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غزوہ احد کے حوالہ سے منافقین کا کردار ادا کرنے والے بتاتے ہیں اور بار بار یہ الفاظ دوہراتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے سوا کوئی کھڑا نہ رہا سب اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ گئے (یعنی معاذ اللہ کفر کی طرف پلٹ گئے) دیکھیے تفسیر صافی، تفسیر قمی، البرہان وغیرہ۔

جنگ میں مجاہدین پہ اونگھ کا طاری ہونا باعثِ رحمت ہے

اُحد میں اونگھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے باعثِ رحمت ثابت ہوئی انہیں زخم بھول گئے اور دل اطمینان سے بھر گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جنگ میں اونگھ اللہ کی طرف سے ہے اور نماز میں شیطان کی طرف سے۔ (ابن ابی حاتم) یہ بھی معلوم ہوا کہ زبانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ اعتبار کرنے والے بے غم ہو گئے اور نہ کرنے والے پریشان۔ صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد پہ یقین کیا کہ ابوسفیان پلٹ کر حملہ نہیں کر سکے گا تو وہ مطمئن ہو گئے جبکہ منافقین کو یقین نہ آیا اور وہ تھرتھراتے رہے۔ تو مؤمن آپ کی ہر بات پہ یقین لاتا ہے اور پرسکون ہو جاتا ہے۔

[198] غزوۂ احد سے قبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کی بعض نے کہا شہر کے اندر رہ کر لڑا جائے جیسے غزوۂ خندق میں بعد میں ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی رائے بھی یہی تھی، عبداللہ بن ابی سلول رئیس المنافقین نے بھی اس رائے کا ساتھ دیا (تا کہ اسے میدان میں اتر کر نہ لڑنا پڑے) مگر اکثر نوجوان جوشیلے صحابہ کرام شہر سے باہر نکل کر لڑنا چاہتے تھے، اسی طرح جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنگ بدر میں شامل نہ ہوئے تھے، یعنی بعد میں اسلام لائے تھے ان کا جوش ایمانی بھی ولولہ انگیز تھا وہ بھی میدان میں اتر کر لڑنا چاہتے تھے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی رائے پر اپنی رائے قربان کر دی اور شہر سے باہر نکلے۔

عبداللہ بن ابی بھی ساتھ نکلا مگر راستہ ہی میں یہ کہہ کر مڑ گیا کہ ہماری بات چھوڑ کر چند چھوکروں کی بات مانی گئی ہے،

پھر جب احد میں حالات نے کروٹ بدلی تو جو تین چار منافقین معتب بن قشیر منافق کے ساتھ احد میں پہنچے تھے وہ حسرت سے کہنے لگے ہمارے بس میں کیا ہے یعنی ہمارا کیا اختیار ہے اگر ہماری بات مانی جاتی تو یہ حالات تو نہ ہوتے، اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا ہاں سب اختیار اللہ کا ہے اور ابھی منافقین نے دلوں میں جو کفر چھپا رکھا ہے اسے وہ ظاہر نہیں کر رہے، کیونکہ وہ ان کی اس بات سے زیادہ زہرناک ہے۔ یعنی ان کے دل میں یہ چھپا ہے کہ محمد ﷺ اگر سچے نبی ہوتے تو یوں ان کو اپنے ساتھیوں سمیت میدان احد میں ہزیمت نہ اٹھانا پڑتی۔

[199] منافقین نے کہا اگر ہماری بات مان کر شہر سے باہر نکل کر نہ لڑا جاتا بلکہ شہر ہی میں رہا جاتا تو ہمارے بہت سے ساتھی قتل نہ کئے جاتے۔ یہ بات انہوں نے مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کو کمزور کرنے کے لئے کہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا اگر تم گھروں ہی میں رہو اور کبھی باہر نہ نکلو تو جس جگہ کسی کا قتل ہونا لکھا ہے وہ کسی نہ کسی طرح وہاں ضرور پہنچ جائے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ احد جیسے حالات پیدا کر کے تمہیں آزماتا ہے کہ کون دین کے لیے کس قدر مخلص ہے، مصائب نہ آئیں تو امتیاز کیسے ہو سکے۔

تقدیر پر اعتراض کار منافقین میں سے ہے

منافقوں نے کہا اگر ہمارے بس میں بات ہوتی تو احد میں ہمارے قتل کی نوبت نہ آتی۔ معلوم ہوا مومن ایسی بات نہیں کہتا وہ اللہ رب العزت کی تقدیر پر راضی رہتا ہے۔ وہ یہی کہتا ہے:

لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ ہمیں وہی تکلیف آ سکتی ہے جو اللہ نے ہمارے لیے لکھی ہو وہ ہمارا مولا ہے۔ (توبہ،۵۱) یہ بھی معلوم ہوا کہ تدبیر سے تقدیر نہیں ٹل سکتی۔ کیونکہ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ الخ سے معلوم ہوا بندہ اپنی تدبیر سے تقدیر کو نہیں بدل سکتا البتہ اگر وہ تقدیر خداوندی کو اپنے حق میں کرنا چاہے تو اسے اپنی مرضی کو مرضی مولا میں گم کر دینا چاہیے پھر وہ جو مانگے گا اللہ اسے دیتا جائے گا۔ اسی لئے حدیث مبارکہ میں ہے کہ "بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب آ جاتا ہے حتیٰ کہ میں اس کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہوں پھر وہ مجھ سے جو مانگے میں اسے ضرور دیتا ہوں۔ (بخاری کتاب الرقاق باب ۳۸)

ہر آدمی کی موت کا مقام مقرر ہے

لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ سے معلوم ہوا ہر آدمی کی موت کا مقام مقرر ہے اسے وہیں موت آتی ہے اس کی مزید تفصیل وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ (لقمان: ۳۴) کے تحت آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

رسول اللہ ﷺ کا علم غیب

مروی ہے کہ ابی بن خلف نے ایک بار مکہ میں رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا: اے محمد (ﷺ)! میں اس دن کا منتظر ہوں جب میں تمہیں قتل کروں گا۔ (معاذ اللہ) حضور سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ میں تمہیں قتل کروں گا، یہ بات اس کے دل میں بیٹھ گئی، کیونکہ کفار بظاہر انکار کرتے تھے مگر ان کے دل مانتے تھے کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں، جب غزوہ احد کا وقت آیا تو ابی بن خلف لشکر کفار کے ساتھ اسی خوف کی وجہ سے نہیں آنا چاہتا تھا کہ کہیں وہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں قتل نہ ہو جائے، مگر اسے زبردستی لایا گیا (کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ جن لوگوں کے لیے قتل لکھا ہوتا ہے وہ اپنی قتل گاہوں پہ ضرور پہنچ جاتے ہیں) جب وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آیا تو آپ ﷺ نے ایک نیزہ اٹھا کر اسکی طرف لہرایا جس سے اسکی گردن پہ ہلکا سا زخم آ گیا وہ گھوڑے سے زمین پہ گر گیا، اور وہ زخمی بیل کی طرح چلا چلا کر بلبلاتا تھا، اسکے ساتھیوں نے کہا: شرم کرو تھوڑے سے زخم پر اسقدر چلا رہے ہو، اس نے کہا اللہ کی قسم اس تکلیف کو میں ہی جانتا ہوں، اس زخم سے تمام بنو ربیعہ و بنی مضر کی موت واقع ہو سکتی ہے، واللہ اگر محمد (ﷺ) مجھ پہ تھوک دیتے تو میرے قتل کے لیے وہی کافی تھا، چنانچہ اسی زخم سے تڑپ تڑپ کر اس نے جان دے دی۔ (مظہری جلد ۲ صفحہ ۱۵)

[200] یعنی احد میں تکالیف اس لئے آئیں تا کہ اللہ آزمائے کہ کس کے دل میں صبر و شکر ہے اور کس کے دل میں تقدیر پر اعتراض، اور اللہ دنیا پہ ظاہر کرے کہ کس کے دل میں ایمان ہے اور کس کے دل میں نفاق، ورنہ اللہ تعالیٰ تو خود دلوں کے بھید بھی جانتا ہے۔ البتہ وہ ایسے حالات پیدا کرتا ہے کہ دوسروں پر لوگوں کے دلی احوال ظاہر ہو جاتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ

بے شک جو لوگ تم میں سے پیٹھ پھیر گئے، جس دن دونوں لشکر روبرو ہوئے انہیں شیطان ہی نے

بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع ۱۶/۷

لغزش دی، ان کے بعض اعمال کی وجہ سے۔ اور یقیناً اللہ نے انہیں معاف فرما دیا، بے شک اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔ [201]

[201] احد میں جب دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تو ایسے حالات پیدا ہوئے کہ کچھ لوگ جبل رُماۃ کو چھوڑ کر نیچے اتر آئے جس سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا افراتفری مچ گئی، ایسے میں شیطان نے آواز لگا دی کہ حضور ﷺ کو شہید کر دیا گیا ہے تو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میدان جنگ کو چھوڑ گئے، اس بارہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں شیطان نے بہکایا اور یہ ان کے اپنے بعض اعمال کا نتیجہ تھا کہ ان میں سے بعض نے حکمِ رسول ﷺ کو چھوڑ کر وہ پہاڑ خالی کر دیا تھا ایسے میں

شیطان کو یہ آواز لگانے کا موقع ملا کہ محمد (ﷺ) کو شہید کر دیا گیا ہے یوں اس نے انہیں پھسلا دیا بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان کی غلطی معاف فرمائی کیونکہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صرف تین آدمی احد سے واپس ہوئے ایک مہاجر دو انصار۔
(ابن ابی حاتم جلد دوم صفحہ ۲۱۰)

ابن مندہ معرفۃ الصحابہ میں نقل کیا ہے کہ یہ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ ۔تا۔ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ تین آدمیوں کے لیے نازل ہوئی حضرت عثمان بن عفان، رافع بن معلیٰ اور حارثہ بن زید رضی اللہ عنہم۔ (درمنثور)

احد سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا جانا اور اس کا جواب

بعض روایات میں ہے کہ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی جنگ سے واپس ہو گئے تھے۔ بہر حال جب اللہ تعالیٰ نے انکی خطا معاف فرما دی اور قرآن مجید میں اس کا اعلان کر دیا تو اب اس پہ اعتراض کر کے اہلِ تشیع اپنا ہی ایمان برباد کرتے ہیں۔ ارے جس کو رب معاف کرے اگر بندہ اسے معاف نہ کرے تو گویا بندہ بندہ نہیں، بلکہ وہ دل کا گندہ اور غلاظت کا پلندہ ہے۔

مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

یہاں سے مقام صحابہ معلوم ہوا کہ ان کی قطعی بخشی ہوئی خطا ہماری سب نیکیوں سے افضل ہے جن کی قبولیت کا علم نہیں۔ یعنی جس کی معافی کا گواہ خود اللہ رب العزت کا قرآن ہو اس کی عظمت کا کیا کہنا

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: کیا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ احد سے فرار نہیں ہوئے تھے؟ آپ نے کہا: ہاں ہوئے تھے، اس نے کہا کیا وہ بدر میں بھی غیر حاضر نہ تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں غیر حاضر تھے، اس نے کہا: کیا وہ بیعت رضوان سے بھی غیر حاضر نہ تھے؟ انہوں کہا: ہاں تھے، اس نے کہا اللہ اکبر۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آؤ میں تمہیں ان باتوں کی حقیقت بتلاؤں، ان کا احد سے بھاگنا اللہ رب العزت نے معاف کر دیا فرمایا: وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ط بدر میں وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے غیر حاضر رہے کیونکہ ان کی بیوی جناب حضرت سیدہ رقیہ بنت رسول ﷺ بیمار تھیں، تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں بدر کا اجر اور مالِ غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا، رہا بیعت رضوان میں ان کا نہ ہونا تو اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں خود کفار مکہ کے پاس بھیجا تھا اور اگر ان سے بڑھ کر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے ہاں معزز ہوتا تو آپ اسے بھیجتے، پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کے بارہ میں فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور اسے بائیں پہ مار کر فرمایا یہ عثمان کی طرف سے بیعت ہے، اے آدمی! یہ باتیں یاد رکھو اور اب چلے جاؤ۔ (بخاری کتاب المغازی جلد ۲ صفحہ ۵۸۱ مطبوعہ کراچی)

خطائے اجتہادی محل اعتراض نہیں ہے

جنگ احد میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہ جگہ چھوڑ دی جہاں ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بٹھایا تھا ان کی خطا اجتہادی تھی ، انہوں نے سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم اس وقت تک تھا جب تک کفار بھاگ نہ اٹھیں اور واضح فتح نہ مل جائے ، اب جب کفار بھاگ اٹھے ہیں تو ہم یہاں سے اتر سکتے ہیں ، اسی طرح جو دو تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میدان احد کو چھوڑ گئے ، انہوں نے سوچا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو شہید کر دیا گیا ہے تو اب ہمیں یہاں کھڑے رہ کر کیا ملے گا ، مگر جب ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو کر نادم ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرمایا۔

بلکہ خطائے اجتہادی تو عصمت نبوت کے بھی خلاف نہیں ہے ، رائے کا اختلاف تو انبیائے کرام علیہم السلام میں بھی ہوا ، موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو سر کے بالوں اور داڑھی سے پکڑ کر جھنجھوڑا (سورہ طٰہٰ آیت ۹۴) اب ظاہر ہے کہ دونوں میں سے ایک کی رائے میں خطاء اجتہادی تھی ، اسی طرح ایک معاملہ میں داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام نے دو مختلف فیصلے دیے۔ (انبیاء ، ۷۹)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَقَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ
اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں کے بارہ میں کہا
اِذَا ضَرَبُوۡا فِى الۡاَرۡضِ اَوۡ كَانُوۡا غُزًّى لَّوۡ كَانُوۡا عِنۡدَنَا مَا مَاتُوۡا وَمَا
جب وہ زمین میں سفر پر نکلے یا جہاد کو گئے کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ
قُتِلُوۡا ۚ لِيَجۡعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسۡرَةً فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ؕ
قتل ہوتے۔[202] یہ اس لیے ہے تاکہ اللہ اس (خیال) کو ان کے دلوں میں حسرت بنادے جبکہ اللہ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے
وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ۞ وَلَئِنۡ قُتِلۡتُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَوۡ مُتُّمۡ لَمَغۡفِرَةٌ
اور اللہ تمہارے اعمال دیکھتا ہے [203] اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کیے جاؤ یا مر جاؤ، تو اللہ کی طرف سے بخشش
مِّنَ اللّٰهِ وَرَحۡمَةٌ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ۞ وَلَئِنۡ مُّتُّمۡ اَوۡ قُتِلۡتُمۡ لَاِلَى
اور رحمت اس (مال دنیا) سے بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں۔[204] اور اگر تم مر جاؤ یا قتل کیے جاؤ تو اللہ ہی کی طرف
اللّٰهِ تُحۡشَرُوۡنَ ۞
تمہیں اٹھایا جائے گا۔[205]

احد میں منافقین کا کہنا کہ اگر مسلمان ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے

[202] پیچھے گزر چکا ہے کہ امیر المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول تین سو منافقوں کے ساتھ احد کے راستہ سے واپس ہوگیا تھا، جب احد میں ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تو منافقوں کی زبانیں قینچی کی طرح چلنے لگیں انہوں نے کہا اگر یہ لوگ ہمارا ساتھ دیتے تو آج یوں مارے نہ جاتے اور انہیں قتل نہ کیا جاتا۔ اس بارہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ اے مومنو! تم کبھی ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا کہ جب ان کے بعض ہم قبیلہ بھائی سفر یا جنگ پر جائیں اور وہاں وہ طبعی موت مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو وہ کہتے ہیں اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے نہ قتل ہوتے۔

چونکہ عبداللہ بن ابی قبیلہ خزرج سے تھا اور انصار کی بڑی تعداد جو احد میں شہید ہوئے، وہ بھی اسی قبیلہ سے تھی اس لئے لِاِخۡوَانِهِمۡ کا لفظ بولا گیا، ورنہ مومنین اور منافقین باہم بھائی بھائی نہیں ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے قرآن مجید میں

ہے: وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا، وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ نے اس آیت کی تفسیر یوں بھی کی ہے کہ عموماً کافروں کا یہی مزاج ہے کہ اگر ان کے رشتہ دار سفر یا جنگ میں مارے جائیں تو وہ کہتے ہیں اگر وہ نہ جاتے تو نہ مرتے۔ کیونکہ ان کا تقدیر پر ایمان نہیں۔ حیرت ہے کہ انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باپ، چچا، بھائی اور دیگر قریبی لوگ فوت ہوئے وہ تو اللہ رب العزت کی رضا پہ مطمئن تھے مگر منافقین ان سے جھوٹی محبت جتاتے ہوئے ایسے منافقانہ و کافرانہ بول بول رہے تھے۔

کفار سے مشابہت حرام ہے

لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے پتہ چلا ہر وہ کام جو کفار کا طریقہ اور شعار ہو وہ مومن کے لئے جائز نہیں جیسے عیسائیوں والی صلیب، ہندوؤں کی سی چوٹی اور سکھوں کی سی پگڑی و کرپان پہننا، البتہ جو چیزیں ان کا مذہبی شعار نہ ہوں ان کے استعمال میں جواز ہے جیسے پینٹ شرٹ ٹائی وغیرہ تاہم اس پر مومن کو فخر نہیں کرنا چاہئے۔ فخر اسلامی بود و باش ہی پہ ہونا چاہئے۔

[203] یعنی کفار کا تقدیر الٰہی پر راضی نہ ہونا اور کہنا کہ اگر ان کے ساتھی سفر پر نہ جاتے تو نہ مرتے اللہ نے اسے ان کے لئے دردناک حسرت و یاس بنا دیا ہے جس سے ان کا سکونِ قلبی تباہ ہو جاتا ہے حالانکہ انہیں سمجھنا چاہئے کہ زندگی و موت تو اللہ کے قبضہ میں ہے، کئی لوگ ہوائی جہاز سے گر کر نہیں مرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی باقی رکھی ہوتی ہے اور کئی لوگ نرم و گداز بستروں پہ صحت مند سوتے اور صبح مردہ پائے جاتے ہیں کیونکہ اللہ ان کی زندگی ختم کر دیتا ہے۔

تقدیر کا ماننا، مومن کے دل میں سکون پیدا کرتا ہے اور نہ ماننا بے سکونی

معلوم ہوا تقدیر کا ماننا سکونِ قلب پیدا کرتا ہے اور نہ ماننا بے سکونی، کیونکہ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً بتا رہا ہے کہ تقدیر الٰہی پہ ایمان نہ لانا انسان کو مصائب میں سخت بے سکون کر دیتا ہے اور تقدیر پہ ایمان رکھنے والا انسان بڑے بڑے مصائب و آلام کو رضاء الٰہی سمجھ کر برداشت کر لیتا اور پر سکون رہتا ہے۔

جب کسی مومن کا عزیز بیٹا بیٹی یا والدین فوت ہوتے ہیں تو تقدیر پہ ایمان ہی اس کے دل کو سکون دیتا ہے، تو کہتا ہے بس اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی منظور تھا، اللہ نے اسی طرح لکھا تھا اور تقدیر کے آگے کون دم مار سکتا ہے، یوں اس کو صبر و سکون مل جاتا ہے۔

مروی ہے کہ ایک صحابی کہیں باہر گئے ہوئے تھے، پیچھے ان کا بیٹا فوت ہو گیا، جب انہوں واپس آنا تھا تو ان کی بیوی نے سب اعزہ و اہل محلہ سے کہہ دیا کہ جب وہ گھر واپس آئیں تو کوئی شخص انہیں بیٹے کی وفات کے بارہ میں نہ بتائے، سب سے پہلے میں انہیں اس بارہ میں آگاہ کروں گی، کیونکہ اچانک موت کی خبر سن کر وہ پریشان ہو جائیں گے، جب وہ گھر آئے تو بیوی نے اپنی اسی طرح خدمت کی جیسے پہلی کرتی تھی، حتیٰ کہ انہوں نے اپنی بیوی سے مباشرت بھی کر لی

، بیوی نے انہیں کچھ نہیں بتایا، انہوں نے بچے کے بارہ میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ بچہ سو رہا ہے، وہ خاموش ہو گئے، انہوں نے سمجھا کہ شائد بچہ گھر کے اندر کمرے میں کہیں سو رہا ہے، انہیں کیا خبر تھی کہ بچہ قبر میں ابدی نیند سو رہا ہے

آخر رات گئے وہ ان سے کہنے لگی: اے میرے سر کے تاج: مجھے ایک بات بتائیں، اگر کسی نے آپ کے پاس امانت رکھی ہو اور وہ اپنی امانت لینے واپس آ جائے اور اپنی امانت کا تقاضا کرے تو کیا کرنا چاہیے؟ انہوں نے کہا اس میں پوچھنے والی کیا بات ہے، امانت کو واپس کرنا چاہیے، کہنے لگی اس پہ پریشان تو نہیں ہونا چاہیے؟ وہ کہنے لگے، اللہ کی نیک بندی! اس میں پریشانی والی کیا بات ہے۔ مجھے تمہاری باتیں سمجھ میں نہیں آ رہیں، آخر تم کیا کہنا چاہتی ہو؟ تب اس نے بتایا کہ آپ کا بیٹا اللہ کی امانت تھا وہ امانت اللہ نے واپس لے لی ہے، وہ کہنے لگے: اللہ کی نیک بندی! تم نے یہ کیا کیا؟ مجھے پہلے کیوں نہ بتایا؟ کہنے لگی: اگر ہم یہ بات آپ کو اچانک بتا دیتے تو نہ جانے رو رو کر آپکا کیا حال ہو جاتا، میں نے پہلے آپ کو ذہنی طور پر اس صدمہ کے سننے کے لیے تیار کیا۔ (حکایات صحابہ)

[204] اے مسلمانو! اگر اللہ کی راہ میں تمہیں قتل کر دیا جائے یا تمہیں راہِ خدا میں موت آ جائے تو تمہیں اللہ کی طرف سے جو بخشش و رحمت ملے گی وہ اس مال دنیا سے بہت بہتر ہے جو کفار جمع کرتے ہیں۔ گویا کفار دنیا کے لئے جینا چاہتے ہیں تم دین کے لئے مرنا سیکھو۔ اس آیت سے شہداء احد کے لواحقین اور دوسرے مسلمانوں کو تلقینِ صبر کی گئی کہ شہید ہونے والے خسارے میں نہیں عظیم فائدے میں رہے۔ جان نے ایک دن جانا ہی ہے، زہے نصیب کہ اللہ وحدہٗ لا شریک کی راہ میں جائے۔ اس سے شہید کے مقام رفیع کا پتہ چلتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ** شہید ہی کے لیے فرمایا گیا کہ ''اسے مردہ نہ کہو وہ زندہ ہے اور تم اس کی زندگی کو سمجھ نہیں سکتے۔'' (بقرہ، ۱۵۴) اور آگے اسی رکوع کے آخر میں شہید کی عظمت پہ ایمان افروز کلام آ رہا ہے۔

[205] یعنی اے مومنو! اللہ کی راہ میں اگر تم مر جاؤ یا قتل ہو جاؤ تو تمہیں اپنے رب سے ملاقات نصیب ہو گی یعنی ایسی موت کا کیا کہنا جو بندے کو اپنے محبوب حقیقی و رب غفور سے ملا دے۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں موت آنا یہ ہے کہ کوئی شخص جہاد، حصول علم دین، کسبِ حلال یا دیگر کسی نیک کام کے دوران مر جائے تو وہ اللہ کی راہ میں مرتا ہے، تاہم یہ شہادتِ صغریٰ ہے اور راہِ خدا میں قتل کیا جانا شہادتِ کبریٰ ہے۔ ان دونوں شہادتوں میں یہ فرق ہے کہ شہادتِ کبریٰ میں شہید کو کفن اور غسل دینے کی ضرورت نہیں، بلکہ اسے اپنے بہتے خون اور رستے زخموں کے ساتھ دفن کر دیا جائے۔ روز قیامت وہ اپنے زخموں اور خون کے ساتھ اٹھے گا اور اس کے خون سے کستوری کی خوشبو آ رہی ہو گی جس سے میدانِ حشر مہک جائے گا، مگر جو لوگ راہِ خدا میں قتل نہیں کیے جاتے، یونہی نیکی کے کام میں انہیں موت آ جاتی ہے تو ان کے لیے یہ اعزاز نہیں ہے، تاہم وہ بھی جنت میں شہداء کے درجہ میں ہونگے۔

فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ ۚ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ

تو کیسی اللہ کی رحمت ہے جس کے ساتھ آپ لوگوں کے لیے نرم خو ہو گئے اور اگر آپ تنگ مزاج سخت دل ہوتے

لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ ۖ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِى

تو وہ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔ [206] لٰہذا آپ انہیں معافی دیں اوران کے لیے

الۡاَمۡرِ ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَوَكِّلِيۡنَ ﴿۱۵۹﴾

بخشش مانگیں[207]اوران سے معاملات میں مشورہ لیا کریں۔[208] پھر جب آپ مضبوط فیصلہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ رکھیں

اِنۡ يَّنۡصُرۡكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَـكُمۡ ۚ وَاِنۡ يَّخۡذُلۡكُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِىۡ

بے شک اللہ بھروسہ کرنے والوں کو پسند رکھتا ہے۔[209] اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور اگر وہ تم سے

يَنۡصُرُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾

روٹھ جائے تو کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا اور اللہ ہی پر اہل ایمان کو بھروسہ رکھنا چاہیے۔[210]

حضور ﷺ کی رحمت اور اخلاقِ حسنہ

[206] فَبِمَا رَحۡمَةٍ میں ما زائدہ ہے اور امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک استفہام (بمعنی تعجب) کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے تعجب کا معنی اظہارِ محبت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب ﷺ! آپ پر اللہ کی کس قدر رحمت ہے جس کے سبب آپ اپنے ساتھیوں کے لئے نرم خو ورحیم ہو گئے ہیں کہ ان کی خطاؤں سے درگزر فرماتے ہیں۔ اگر آپ تنگ مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے گرد جمع نہ ہوتے بلکہ بھاگ جاتے۔ یہ آیت مبارکہ تب نازل ہوئی کہ جب احد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگوں نے جبلِ رماۃ چھوڑ دیا اور کچھ لوگ تھوڑی دیر کے لئے تتر بتر ہو گئے اور دو تین افراد میدان چھوڑ کر چلے گئے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے سب کو معاف فرمادیا۔

مروی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ حضور سرور کونین ﷺ کی بارگاہ میں شرمندہ حاضر ہوئے آپ نے صرف اتنا فرمایا تم تو بہت دور نکل گئے تھے ان کے لئے یہ الفاظ بھی بہت زیادہ تھے، تب یہ آیت مبارکہ اتری اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے عفو وکرم، صبر وحلم اور شفقت ورحم کی تعریف فرمائی اور کیوں نہ ہو، آقا رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمت کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ حضور سرور دو عالم ﷺ کی رحمت کا ابر کرم اپنوں بیگانوں سب پہ برسا اور لوگ دین کی طرف

کشاں کشاں چلے آئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق عظیم

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نرم خو، رحمدل، وسیع الظرف، خندہ رو، میٹھی گفتگو والے اور درگزر فرمانے والے ہیں اور تنگ دلی، سخت مزاجی، سخت گیری، ترش روئی، تلخ گوئی اور انتقام گیری کا آپ کی ذات سے کوئی تعلق نہیں ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴ ''اور اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیشک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔'' (القلم، ۴)

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ کریم سے یہ بھی فرمایا: وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲۱۵ ''اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اپنے پیروکار مومنین کے لیے اپنے رحمت کے بازو بچھادیں۔'' (شعراء، ۲۱۵)

مزید اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲۸ ''بلاشبہ تمہارے پاس وہ رسول آگیا ہے جو تم ہی میں سے ہے تمہارا مشقت میں پڑنا اسے برداشت نہیں ہے وہ تمہارے بھلے کے لیے شدید خواہش مند ہے اور وہ مومنوں کے لیے نہایت شفقت کرنے والا اور رحم والا ہے۔'' (توبہ، ۱۲۸) چنانچہ ان آیات ربانی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کے لیے انتہائی نرم تھے

اور حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرماتے ہیں: انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ ''میں اسی لیے بھیجا گیا ہوں کے اعلیٰ اخلاق کو درجۂ کمال تک پہنچادوں۔'' (موطا امام مالک کتاب حسن الخلق، باب ۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے دس برس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی، میں سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہا، آپ نے کبھی کسی کام کے کرنے پہ مجھے نہ کہا کہ تم نے کیوں کیا اور کسی کام کے نہ کرنے پہ یہ بھی نہیں کہا کہ تم نے کیوں نہ کیا (یعنی ڈانٹ کر نہ کہا)۔ (مسلم شریف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی کو برا نہ کہا، لعنت نہ کی، بے حیائی کی بات نہ کہی، اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو سخت لفظ کہتے تو صرف یہ فرماتے: ادتیری پیشانی کو مٹی لگے (یعنی تو سجدے زیادہ کرے) دوسرے لفظوں میں اواللہ تیرا بھلا کرے۔ (الوفا باحوال المصطفیٰ ابن جوزی صفحہ ۴۱۵)

[207] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب! جیسے آپ نے اصحابِ احد کی خطاؤں سے درگزر اور صرف نظر فرمایا ایسے ہی آپ اپنے ساتھیوں سے ہمیشہ درگزر فرماتے رہیں اور اللہ سے بھی مومنوں کی خطاؤں کی معافی مانگا کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ درگزر

چنانچہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان فَاعْفُ عَنْهُمْ کے تحت احادیث مبارکہ کا کثیر ذخیرہ موجود ہے، مثلاً

ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنے کسی خادم کو مارا نہ کسی بیوی کو اور آپ نے اپنے لئے کبھی کسی سے انتقام نہ لیا ہاں اگر اللہ رب العزت کی حرام کردہ اشیاء کی حرمت پامال ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور گرفت فرماتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دس برس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی آپ نے کبھی مجھے جھڑکا نہ تیوری چڑھائی، اگر آپ کے گھر والوں میں سے کوئی مجھ پر عتاب کرتا تو آپ فرماتے اسے کچھ نہ کہو جو کام لکھا جا چکا ہے وہ ہو کر رہے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دریائے کرم اور شانِ عفو و درگزر سے نہ صرف اہلِ ایمان فیض یاب ہوئے بلکہ کفار و مشرکین بھی اس سے بہرہ ور ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ فتح کیا تو کعبۃ اللہ میں دو رکعت ادا کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے اور بابِ کعبہ میں کھڑے ہو گئے اس وقت تمام بڑے بڑے کفار مکہ سامنے کھڑے تھے، آپ نے فرمایا: تم کیا سمجھتے ہو میں تم سے کیا سلوک کروں گا؟ کہنے لگے: آپ ہمارے مہربان بھائی ہیں اور مہربان بھائی کے بیٹے ہیں، یہ انہوں نے تین بار کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج میں وہی کہوں گا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا: لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ ؕ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۹۲﴾ پھر فرمایا: اذھبوا فانتم الطلقاء، جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (درمنثور سورہ یوسف بروایت بیہقی)

اسی طرح اہلِ طائف کی سنگباری کے بدلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کے لیے دعاء رحمت فرمانا کتب حدیث میں جا بجا مذکور ہے، اس سے بڑھ کر عفو و درگزر کی کیا مثال ہو سکتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ رحمت پہ مفسر کی لکھی ہوئی ایک نعت شریف

اس جگہ میں نے ایک نعت شریف لکھی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ عفو و کرم بیان کی گئی ہے، اس کا یہاں لکھا جانا فائدہ سے خالی نہیں ہے، تو میں نے عرض کیا ہے۔ ؎

سب خلق کو محیط ہے رحمت رسول کی — بے مثل و بے مثال ہے رأفت رسول کی
چادر بچھا رہے ہیں وہ دشمن کے واسطے — کیا پاک اور حسین ہے سیرت رسول کی
دشمن کو دوست کر لے تبسم حضور کا — دلکش ہے دلربا ہے طبیعت رسول کی
سنگ باری کے جواب میں دیتے ہیں وہ دعاء — اللہ رے استقامت وہمت رسول کی
ہوتا ہے فتح مکہ کے قصہ سے یہ عیاں — کافر کو دیں میں لاتی ہے شفقت رسول کی
کیوں ہم میں عفو و رحم کا جذبہ نہیں رہا — کیوں ہم ہیں چھوڑ بیٹھے سنت رسول کی

سب کو گلے لگاؤ سب سے کرو پیار　　طیبؔ یہی ہے ہم کو ہدایت رسول کی

جبکہ ارشادِ ربانی وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ کے مطابق امت کے لئے حضور رحمتِ عالم کی طلبِ مغفرت کا حال بھی بیان سے ورآء ہے۔ آپ غاروں میں جاجا کر امت کے لئے رویا کرتے، ساری ساری رات کھڑے ہو کر دعائیں فرماتے اور آج بھی جو شخص حضور ﷺ کی جالی شریف پر جا کر آپ سے طلب شفاعت کرتا ہے تو رحیم و کریم آقا ﷺ اس کے لئے بخشش مانگتے ہیں۔

اس بارہ میں مزید بحث وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ۔ (نساء:۶۴) کے تحت دیکھی جاسکتی ہے اور روزِ قیامت نبی رحمت ﷺ جس طرح اپنی امت کے لیے بخشش کی دعا یعنی شفاعت فرمائیں گے اس کا تو رنگ ہی نرالا ہوگا۔

نرم دلی وہبی صفت ہے

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ سے معلوم ہوا اللہ رب العزت جس کا چاہے دل نرم بناتا ہے اور یہ اس کا کرم ہے جسے چاہے دے۔ حدیث مبارکہ میں دل کی سختی سے پناہ مانگی گئی ہے اور قرآن مجید میں سخت دلی کو یہود کی صفت بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ

''پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے، تو وہ پتھروں کی طرح ہیں، یا اس سے بھی سخت تر۔'' (بقرہ، ۷۴)

اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ نرم دلی کے ساتھ حکمتِ عملی بھی ضروری ہے، دوستوں وفاداروں اور اہلِ اسلام کے لیے نرم ہونا چاہیے، مگر اسلام دشمنوں، ملحدوں، اور گمراہوں کے لیے سخت ہونا ضروری ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی قوم کے قائد کے لئے نرم خو ہونا ضروری ہے۔ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۪ سے پتہ چلا نرم دلی لوگوں کو کسی قائد کے گرد جمع کرتی ہے اور اس کی سختی انہیں بھگا دیتی ہے خواہ وہ مذہبی قیادت ہو یا دنیوی۔

نگاہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز　　یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لیے

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو عفو و درگزر کا حکم فرمایا دوسری جگہ ارشاد ہوا: خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝۱۹۹ (اعراف:۱۹۹) اسی لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ

''اور تمہارا معاف کر دینا ہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔'' (بقرہ: ۲۳۷)

[208] اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو اپنے ساتھیوں سے اہم امور میں مشاورت کا حکم فرمایا چنانچہ آپ نے اس کا حق ادا کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ سے بڑھ کر کسی کو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے والا نہیں

دیکھا۔(ابن ابی حاتم)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر میں مشورہ کے بغیر کسی کو خلیفہ بناتا تو ابن ام عبد کو بناتا۔'' (مگر میں مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا) (درمنثور بروایت حاکم)

شانِ صدیقِ اکبر و عمر فاروق رضی اللہ عنہما

یہاں یہ بھی یادرکھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں میں سے سب سے زیادہ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے مشورہ فرماتے تھے، بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت **وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ** ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لیے ہی نازل ہوئی (درمنثور)

بلکہ حضرت عبدالرحمان بن غنم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: **لو اجتمعتُما في مشورةٍ ما خالفتُكما**، اگر تم دونوں کسی مشورہ میں یک رائے ہوجاؤ تو میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔
(درمنثور بروایت احمد جلد ۲ صفحہ ۳۵۹)

اس آیت مبارکہ سے مشاورت کی اہمیت ظاہر ہوئی

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں، اس کے باوجود آپ کو مشاورت کا حکم ہوا، تو پھر ہم مشاورت کیوں نہ اپنائیں، اس جگہ یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی بات میں مشورہ کرتے ہیں جس میں آپ پر اللہ کی طرف سے وحی نازل نہ ہوئی ہو، کیونکہ وحی کے نزول کے بعد مشورہ کی گنجائش اور ضرورت نہیں رہتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:
اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ، اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی طرف جو وحی کی جائے آپ اس کی اتباع کریں۔(انعام،۱۰۶)

[209] یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اپنے ساتھیوں سے اہم معاملات میں پہلے مشورہ کریں پھر جب آپ حتمی فیصلہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اس پر عمل کریں کہ اللہ بھروسہ کرنے والوں کو پسند رکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشاورت کے باوجود بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر رکھیں نہ کہ ظاہری اسباب پر۔

[210] یعنی جب اللہ کی مدد تمہارے شاملِ حال ہو تو کس کی طاقت ہے کہ اس کا مقابلہ کرے اور تمہیں دبائے جیسے بدر میں اس نے اپنی مدد سے تمہیں اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن پر غالب کیا اور اگر اللہ تمہاری غلطیوں کے سبب تمہیں غالب نہ کرنا چاہے تو پھر تمہیں کون مدد دے سکتا ہے جیسے احد میں ہوا لہٰذا اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اور اس کے رسول کی کامل پیروی کرو کہ یہی ضمانتِ فلاح ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ

اور کسی نبی کے لیے ممکن نہیں کہ وہ خیانت کرے۔[211] اور جو خیانت کرے وہ اپنی خیانت کردہ چیز قیامت میں لے آئے گا پھر

تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۱۶۱ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ

ہر جان کو اس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔[212] تو جس نے رضاء الٰہی کی

اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۶۲ هُمْ

پیروی کی کیا وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو اللہ کا غضب لے کر پلٹا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے؟ جو کیا برا انجام ہے۔[213] لوگ

دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۶۳

اللہ کے نزدیک مختلف درجوں پر ہیں اور اللہ ان کے اعمال دیکھتا ہے۔[214]

انبیاء کرام علیہم السلام کا خیانت اور بد دیانتی جیسی صفاتِ قبیحہ سے پاک ہونا

[211] کلبی اور مقاتل کی روایت کے مطابق جن لوگوں نے احد میں جبلِ رماۃ چھوڑ دیا تھا بعد میں ان میں سے بعض نے کہا ہمیں ڈر تھا کہ شائد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (تقسیم غنائم سے قبل) یہ اعلان فرمادیں کہ جس نے مالِ غنیمت میں سے جو چیز اٹھالی ہے وہ اسی کی ہے (لہذا ہم نے بھی اتر کر بعض چیزیں اٹھالیں، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم رہ جائیں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے سمجھا کہ ہم خیانت کریں گے اور برابر تقسیم نہ کریں گے؟ تب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت مبارکہ بدر کے بارہ میں اتری، وہاں مالِ غنیمت میں سے ایک چادر گم ہوگئی کسی نے کہا شائد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لئے رکھ لی ہو تب یہ آیت مبارکہ اتری۔ (ترمذی، کتاب التفسیر، سورہ آل عمران) ممکن ہے بدر و احد کے دونوں واقعات کے بعد یہ اتری ہو۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کسی نبی سے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ خیانت کرے کیونکہ خیانت میں جھوٹ، دھوکہ، زر پرستی اور ہوس دنیا جیسے گناہ شامل ہیں اور ایک نبی ایسے گناہوں میں ملوث نہیں ہوسکتا۔ یاد رہے کہ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ کا یہ معنی نہیں کہ کسی نبی کے لیے مناسب نہیں کہ خیانت کرے، کیونکہ خیانت تو کسی مسلمان کے لیے بھی مناسب نہیں، چہ جائیکہ نبی ہو، بلکہ یہ اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ یعنی ''اللہ کے لئے ممکن نہیں کہ اولاد پکڑے۔'' (مریم،۳۵) اسی طرح مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ کا یہ معنی ہے کہ کسی نبی کے لیے ممکن نہیں

کہ خیانت کرے۔

عصمتِ نبوت کا عقیدہ

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ سے معلوم ہوا کہ ہر نبی تمام اخلاقِ قبیحہ مثلاً جھوٹ، خیانت، حب مال، دھوکہ دہی وغیرہ سے پاک ہوتا ہے، کیونکہ نبی دنیا کو ان چیزوں سے پاک کرنے آتا ہے اگر وہ خود ایسی برائیوں میں مبتلا ہوسکتا ہوتو وہ دنیا کو کیسے پاک کرے گا۔ اسی لئے حضور سرکار دو عالم ﷺ کے بارہ میں فرمایا گیا: مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ ''تمہارے ساتھی (محمد مصطفیٰ ﷺ) کبھی نہ بہکے نہ راہ سے ہٹے اور وہ اپنی خواہش سے بات ہی نہیں کرتے بلکہ وہ جو بولتے ہیں وہ وحی کے سوا کچھ نہیں جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔'' (نجم: ۳)

پھر یہ بھی یاد رہے کہ شیطان کو جب اللہ رب العزت نے جنت سے نکالا تو اس نے کہا: لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ ''اے اللہ میں سب انسانوں کو گمراہ کرلوں گا سوا تیرے مخلَص (برگزیدہ) بندوں کے۔'' (حجر، ۴۰) اور دوسری جگہ یوسف علیہ السلام کے بارہ میں فرمایا گیا: اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝ ''بیشک وہ میرے مخلص بندوں میں سے ہیں۔'' (یوسف، ۲۴) خلاصہ یہ ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بارہ میں خود شیطان کو اعتراف ہے کہ وہ ان کو گمراہ نہیں کرسکتا۔

مرزا قادیانی ایک شریف انسان بھی نہ تھا، چہ جائیکہ نبی ہو

اللہ تعالیٰ یہاں فرمارہا ہے کہ کوئی نبی خیانت نہیں کرسکتا، جب کہ جھوٹے مدعیان نبوت اکثر خیانتی دھوکہ باز لوگ ہی ہوتے ہیں، یہی حال مرزا غلام احمد قادیانی کا تھا، جب وہ گمنام شخص تھا تو اس نے اعلان کیا کہ وہ صداقتِ اسلام پہ پچاس جلدوں پہ مشتمل کتاب لکھے گا، لہذا اس کی مالی مدد کی جائے، تو اس نے ''براہین احمدیہ'' کے نام سے کتاب لکھنا شروع کی، اس کی چار جلدیں منظر عام پر آئیں (جو حقیقت میں چار چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں جو ایک ہی جلد میں چھپے ہیں) جس سے مرزا کی شہرت ہوئی اور مالدار لوگوں نے دل کھول کر مال بھیجا اور دولت کی ریل پیل ہوگئی پھر کچھ عرصہ بعد اس نے ''براہین احمدیہ'' کے نام سے پانچویں جلد بھی شائع کی اور کہا کہ پانچ کے ساتھ صفر لگادو تو پچاس ہوجاتا ہے، تو تم میری پانچ کو پچاس ہی سمجھو۔ (براہین احمدیہ جلد ۵ صفحہ ۱۰) مرزا نے اس دوران اگرچہ سولہ سترہ چھوٹی چھوٹی اور کتابیں بھی لکھیں، مگر اس کی تمام تصانیف کی مجموعی تعداد ۲۲ ہے جو پچاس کا نصف بھی نہیں بنتی، تو کیا یہ صریح خیانت نہیں کہ انسان دین کا نام لے کر بہت سا مال بٹورے اور کہے کہ پانچ کے ساتھ صفر لگا کر میری پانچ کتابوں کو پچاس سمجھ لو؟ کیا ایسا شخص خائن اور دھوکہ باز نہیں؟

[212] اسی لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں تم میں سے کسی کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ روزِ قیامت وہ یوں آئے کہ اس کی گردن پر اونٹ بڑبڑا رہا ہو اور وہ کہے یا رسول اللہ (ﷺ) میری مدد کرو تو میں اسے کہوں میں تمہاری کچھ مدد نہیں کرسکتا میں نے تمہیں پیغام پہنچا دیا تھا۔اور میں تم میں سے کسی کو اس حالت میں نہ دیکھوں کہ اس کے کندھوں پہ گھوڑا ہنہنا رہا ہو اور وہ کہے یا رسول اللہ (ﷺ)! میری مدد کرو اور میں اسے کہوں کہ میں تمہیں بچا نہیں سکتا۔اسی طرح آگے حضور سرور کونین ﷺ نے بکری اور دوسری چیزوں کا ذکر کیا۔(بخاری کتاب الجہاد باب ۱۸۹، مسلم کتاب الامارۃ حدیث ۲۴) مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے جو جانور یا جو چیز چرائی ہوگی روزِ قیامت جب وہ آئے گا تو وہ چیز اس کی گردن پر سوار ہوگی اور حضور ﷺ کا فرمانا کہ میں تمہاری مدد نہیں کرسکتا اس معنی میں ہے کہ میں اللہ کے اذن کے بغیر تمہاری مدد نہیں کرسکتا۔اور یہ ارشاد آپ ﷺ نے اس لیے بھی فرمایا کہ جس شخص نے دوسروں کا مال ناحق مارا ہو روزِ قیامت اللہ تعالیٰ اسے نہیں بخشے گا جب تک حقدار لوگ اسے معاف نہ کردیں۔

[213] یعنی یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ و رسول عزوجل ﷺ کا متبع انسان اور خیانت و بددیانتی اور کذب و ظلم جیسی برائیوں کے ارتکاب کے سبب غضب خداوندی کا مستحق انسان دونوں باہم برابر ہوں؟ یقیناً پہلا انسان قربِ الٰہی میں ہے۔دوسرا راندۂ درگاہ ہے۔

صالحین سے توسل کا جواز

جب صالحین قریبِ الٰہی میں ہیں اور ان کا درجہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بدعمل لوگوں سے بلند تر ہے، تو ان کی دعا ہم گناہگاروں سے زیادہ مقبول ہے ہمیں چاہئے کہ ان کے توسل سے دعا کریں۔قرآن مجید میں ہے: **يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ**۔ (اسراء:۵۷) یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام میں موجوہ جمہوریت کی گنجائش نہیں۔کیونکہ یہ آیت مبارکہ بتارہی ہے کہ اتباعِ رضوان کرنے والا نیک کردار آدمی اور غضبِ الٰہی کا مستحق جرائم پیشہ آدمی دونوں باہم برابر نہیں ہوسکتے مگر موجودہ جمہوریت میں دونوں برابر ہیں دونوں کے ووٹ کی ایک ہی حیثیت ہے۔اس کے برعکس اسلام نظامِ شوریٰ پیش کرتا ہے کہ اصحابِ تقویٰ و فقہ کی مشاورت سے حاکم کا انتخاب کیا جائے ،لیکن اگر موجودہ جمہوریت میں ووٹر اور امیدوار کے لئے صالحیت و ثقاہت کی شرائط مقرر کردی جائیں تو جمہوریت اسلام کے مطابق ہوسکتی ہے۔

[214] یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں بندوں کے درجات ہیں جو جس قدر متبعِ شرع ہے اسی قدر اس کا درجہ بلند ہے کیونکہ اللہ ان کے اعمال سے باخبر ہے لہٰذا نیکوکار اور بدکار برابر نہیں ہوسکتے۔

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا

تحقیق اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا کیونکہ اس نے ان میں عظمت والا رسول بھیجا۔ [215] جو انہی میں سے ہے ان پر

عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ۚ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ

اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے انہیں (برائیوں سے) پاک کرتا ہے اور انہیں قرآن و حدیث کی تعلیم دیتا ہے [216] بے شک وہ

قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۱۶۴﴾

اس سے قبل کھلی گمراہی میں تھے۔ [217]

جب حضور ﷺ مومنوں کیلئے اللہ کا عظیم احسان بن کر مبعوث ہوئے

[215] گزشتہ رکوعات سے واقعات غزوہ احد بیان ہو رہے ہیں جن میں اہم تر یہ ہے کہ بعض مسلمانوں کی حکم رسول ﷺ سے عدولی کے سبب تمام لشکر اسلامی کو شدید تکلیف دیکھنا پڑی، تو اب بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لئے اپنے رسول کو احسان عظیم کے طور پر بھیجا ہے لہٰذا ان کی پیروی ہی میں ان کی کامیابی ہے۔ تو فرمایا کہ اللہ نے مومنوں پہ احسان عظیم کرتے ہوئے ان میں عظیم المرتبت رسول مبعوث فرمایا ہے۔

یاد رہے آقائے دو عالم ﷺ یوں تو تمام انسانوں کے لئے رحمت اور احسانِ خدا ہیں اور کفار بھی آپ کی رحمت سے حصہ پاتے ہیں کیونکہ حضور سرکار دو عالم ﷺ کی آمد کے بعد کفار پہ وہ عذابات آنا بند ہو گئے جو پہلی امتوں پہ آتے تھے اور حضور رہبرِ عالم ﷺ کی شریعت تمام انسانیت کے لئے باعث رحمت ہے مگر چونکہ کفار کو آپ کی رحمت سے انکار ہے اس لئے یہاں صرف مومنوں پہ احسان کا ذکر ہوا، یہ بھی یاد رہے کہ یہاں رسولًا کی تنوین برائے عظمت ہے یعنی اللہ نے عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا جیسے: وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ مُبٰرَكٌ۔ (انعام ۱۵۵) میں کتاب کی تنوین برائے عظمت ہے یعنی كِتَابٌ عَظِيۡمٌ، اسی طرح یہاں بھی رَسُوۡلًا کا معنی رسولا عظیما ہے، اسی لئے یہاں اللہ نے حضور ﷺ کا نام ذکر کرنے کی بجائے صرف رَسُوۡلًا سے آپ کو یاد فرمایا، کیونکہ نبی اکرم ﷺ جماعت رُسل میں وہ عظیم درجہ رکھتے ہیں کہ جب مطلقاً رسول کا لفظ بولا جائے تو آپ ہی اس سے مراد ہوتے ہیں اسی لئے کسی نبی کو صفی اللہ، کسی کو کلیم اللہ اور کسی کو خلیل اللہ کہا گیا مگر رسول اللہ (ﷺ) صرف آپ ہی کو کہا گیا۔

حضور ﷺ مومنوں کے لئے ایمان سے بھی بڑی نعمت ہیں

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی ذات اللہ کی طرف سے مومنوں کے لئے ایمان

سے بھی بڑی نعمت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کے دینے پر اہلِ ایمان کو اپنا احسان جتلایا، گویا یہ ایمان سے بڑی نعمت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یوں تو اللہ رب العزت کی دی ہوئی ہر نعمت عظیم ہے مگر مومن کیلیے سب سے بڑی نعمت اسکا ایمان ہے، اگر مومن سے اسکا سب کچھ چھن جائے مگر ایمان سلامت رہے تو وہ کامیاب ہے، کیونکہ ایمان ہی پہ اسکی اخروی نجات کا مدار ہے، مگر ایمان تو پہلی امتوں کے مومنین کو بھی حاصل تھا، ہاں انہیں امت سید المرسلین ﷺ ہونے کی نعمت حاصل نہ تھی، یہی نعمت اس آیت میں امت محمدیہ کے لیے بیان کی گئی ہے۔ گویا یہ ان کے لیے ایمان سے بڑی نعمت ہے کہ انہیں امتِ مصطفیٰ ﷺ بنایا گیا ہے اور انہیں آپ جیسا عظمت وشان رسول عطا فرمایا گیا ہے۔ ؎

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں اور ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا امتِ مصطفیٰ ﷺ میں سے ہونے کی دعاء کرنا

اور رسول اللہ ﷺ ایمان سے بڑی نعمت کیوں نہ ہوں اور آپ کا امتی ہونا محض مومن ہونے سے بڑی نعمت کیوں نہ ہو، جبکہ موسیٰ علیہ السلام جیسا عظیم القدر رسول دعاء کرتا ہے کہ اے اللہ! مجھے امت مصطفیٰ (ﷺ) میں سے بنادے، قربان جائیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہمیں بن مانگے امتِ مصطفیٰ ﷺ سے بنادیا، تو ہم کیوں نہ اس نعمت کے ملنے پر خوشی منائیں، یہی فلسفہ ہے جشن میلاد النبی ﷺ منانے کا۔

چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب موسیٰ علیہ السلام پہ تورات اتری تو اس میں ایک امت کا تذکرہ تھا جو آخر زمانہ میں آئینگے مگر جنت میں سب سے پہلے جائیں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اللھم اجعلھم امتی۔ یا اللہ! انہیں میری امت بنادے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تلك امة احمد، یہ احمد مجتبیٰ ﷺ کی امت ہے، پھر لکھا تھا کہ روزِ قیامت ان لوگوں کی شفاعت سب سے پہلے کی جائے گی، موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا: اے اللہ انہیں میری امت بنادے، پھر جواب آیا کہ یہ احمد ﷺ کی امت ہے، پھر آگے لکھا تھا کہ وہ امت ایسی ہوگی کہ وہ اپنی کتاب کو اپنے سینوں میں محفوظ کریں گے (قرآن کو حفظ کریں گے) اور اسے بلا تکلف پڑھ لیا کریں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا: اے اللہ انہیں میری امت بنادے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ امت احمد مرسل ﷺ ہے، پھر لکھا تھا کہ وہ ایسی امت ہوگی کہ جب وہ نیکی کا ارادہ کریں گے تو انہیں نیکی کرنے کا ثواب مل جائے گا اور جب نیکی کرلیں گے تو ایک نیکی کے بدلے (کم از کم) دس نیکیوں کا ثواب پائیں گے، موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا: اللھم اجعلھم امتی، اے اللہ! انہیں میری امت بنادے، اللہ تعالیٰ نے وہی جواب ارشاد فرمایا کہ یہ امت احمد ﷺ ہے، پھر آگے لکھا ہوا تھا کہ وہ ایسی امت ہے کہ اگر وہ گناہ کا ارادہ کریں گے تو جب تک گناہ کر نہ لیں گے ان کا گناہ لکھا نہ جائے گا اور اگر گناہ کرلیں تو ایک گناہ ہی لکھا جائے گا، اس سے زائد نہیں، تب موسیٰ علیہ السلام نے (جوش میں

آ کر) کہا:

یا ربِّ فَاجْعَلْنِی مِنْ اُمَّۃِ احمد ﷺ اے اللہ! پھر تو مجھے امت احمد ﷺ میں سے بنادے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یاد دلایا کہ کیا میں نے آپ کو یہ دو بڑے انعامات نہیں دیے؟ ایک شرف ہم کلامی اور دوسرا کتاب، تب موسیٰ علیہ السلام راضی ہو گئے۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم حدیث ۲۸ فصل چہارم صفحہ ۱۷ مطبوعہ حلب)

مجالسِ میلاد النبی ﷺ کا جواز

جب حضور نبی رحمت ﷺ مومنوں کے لئے سب سے بڑی حتیٰ کہ ایمان سے بھی بڑی نعمت ہیں تو نعمت کے ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا اور اس نعمت کا چرچا کرنا حکم الٰہی ہے۔ اللہ فرماتا ہے: اُذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ ''میں نے تم پر جو نعمت کی اس کا ذکر کرو۔'' (بقرہ: ۴۰) وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝۱۱ ''اور تم اپنے رب کی نعمت کو خوب بیان کرو۔'' (ضحیٰ: ۱۱) اسی لیے اہلِ ایمان عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ ماہ ربیع الاول میں اس عظیم احسان کے شکر میں اجتماعات منعقد کرتے ہیں کہ انہیں سید الانبیاء حبیب کبریا محمد مصطفیٰ ﷺ کی نسبتِ غلامی عطا فرمائی گئی ہے۔ ان اجتماعات کو محافل میلاد النبی اور جشن ولادت رسول ﷺ وغیرہ کہا جاتا ہے، گویا وہ اظہارِ مسرت کر کے بتاتے ہیں کہ وہ مومنین ہیں اور ان پر اللہ نے اپنے رسول کی بعثت کے ذریعے احسان فرمایا ہے۔

جشن میلاد النبی ﷺ منانے کے جواز پر مفسر کی لکھی ہوئی ایک نعت شریف

اس جگہ میں اپنی لکھی ہوئی وہ نعت شریف پیش کرنا چاہتا ہوں جو میلاد النبی ﷺ کی خوشی منانے کے حوالہ سے ہے، تو میں نے کہا۔ ؎

آئے کملی والے آقا، محبوب رحمان — خوش ہے ہر اک اہل ایماں، جلتا ہے شیطان

نبی جی اللہ اللہ اللہ لا الٰہ الا ہو

ان کی امت میں ہونے کی نبیوں نے کی ہے دعا — حق نے کیا ہمیں ان کی امت، ہم ان پہ قربان

نبی جی اللہ اللہ اللہ لا الٰہ الا ہو

دے کر ایسی نعمتِ کبریٰ ہم اہلِ ایماں کو — لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ کہہ کر رب نے جتلایا احسان

نبی جی اللہ اللہ اللہ لا الٰہ الا ہو

شافع روزِ محشر وہ ہیں، صاحبِ کوثر وہ — ختمِ رسل مولائے کل ہیں محبوبِ سبحان

نبی جی اللہ اللہ اللہ لا الٰہ الا ہو

وجہِ تخلیقِ عالم ہے ان کی پیاری ذات — حق نے بنائے ان کی خاطر ہیں یہ سارے جہان

نبی جی اللہ اللہ اللہ لا الٰہ الا ہو

ان کے سبب سے ہم ہیں انساں یہ ہے بڑا انعام ان کے صدقے ہم ہیں مومن ان سے ملا ایمان

نبی جی اللہ اللہ لا الٰہ الا ہو

ان سے ملی ہے نماز بھی ہم کو حج بھی ان سے ملا ان سے ملا ہے ہم کو رمضاں ان سے ملا قرآن

نبی جی اللہ اللہ لا الٰہ الا ہو

طیبؔ ان کی خوشی میں کافر کو بھی ملے انعام ان کی خوشی میں جشن منانا بخشش کا سامان

نبی جی اللہ اللہ لا الٰہ الا ہو

جو بھی کوئی نعت خوان بھائی کسی محفل میلاد النبی ﷺ میں یہ نعت شریف پڑھے وہ مجھ گناہ گار کے حق میں دعائے خیر ضرور کرے، میں سب کے لیے دعائے خیر کرتا ہوں کہ اللہ رب العزت ہم سب کو اپنے محبوب کریم ﷺ کی سچی پکی محبت عطا فرمائے۔

محافلِ میلاد النبی ﷺ کے منانے پہ بعض اعتراضات کا جواب

اس پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہاں تو حضور ﷺ کی بعثت کو احسان قرار دیا گیا ہے، نہ کہ آپ کی ولادت کو، تو تم بعثت کی بجائے ولادت کی خوشی کیوں مناتے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور آقائے نعمت ﷺ کی ولادت بھی ربیع الاول میں ہوئی اور بعثت بھی ربیع الاول میں، علامہ ابن قیم جو وہابی علماء کے نزدیک ایک سند ہے، نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت بھی پیر کے دن بارہ ربیع الاول کو ہوئی بعثت بھی پیر کے دن بارہ ربیع الاول کو اور ہجرت بھی پیر کے دن بارہ ربیع الاول کو۔ (زاد المعاد فی سیرۃ خیر العباد علیٰ حاشیۃ زرقانی شرح المواہب جلد اول صفحہ ۵۵)

اور حضور ﷺ کی ولادت بھی رحمت ہے اور بعثت بھی، بلکہ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ امت کے لئے رحمت ہے مگر اس رحمت کا آغاز آپ کی ولادت سے ہوا۔ اس لئے اہلِ اسلام نام تو جشنِ ولادت کا لکھتے ہیں مگر اس میں آپ کی بعثت سمیت ساری زندگی مبارک کا ذکرِ خیر ہوتا ہے۔

یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ اگر واقعی جشن ولادت رسول ﷺ کی یہ اہمیت ہے تو دورِ رسالت ﷺ و دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اسے کیوں نہیں منایا جاتا تھا؟ اور جو کام رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے نہیں کیا وہ ہم کیوں کریں؟ وہ بدعت ہے یعنی ممنوع کام ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ صرف جشن ولادت ہی پہ اعتراض کیوں ہے؟ آج ہزاروں دینی کام وہ ہیں جو سب فرقے کرتے ہیں اور ان کا دورِ رسالت ﷺ یا دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی وجود نہ تھا، مثلاً عربی صرف ونحو، اصول فقہ، اصول تفسیر، اصول حدیث اور دیگر علوم تمام دینی مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں، خواہ ان کا تعلق سنی مکتب فکر سے ہو یا وہابی یا شیعہ مکاتب فکر سے اور یہ سب علوم بدعت ہیں، انکا دور رسالت وصحابہ میں کوئی وجود نہ تھا، یہی درس نظامی ہے جو اپنی موجودہ شکل میں قریباً چھٹی صدی ہجری میں معرض وجود میں آیا اور آج اسکو پڑھے بغیر کوئی شخص مستند عالم دین نہیں

بن سکتا، تو جشن ولادت رسول ﷺ کو بدعت کہنے والے علماء سے پوچھا جاسکتا ہے کہ وہ سات برس درسِ نظامی کی بدعت میں پڑے رہنے کے بعد کس منہ سے محافل میلاد النبی ﷺ کو بدعت اور حرام بتاتے ہیں؟

اگر وہ یہ کہیں کہ درس نظامی اس لیے بدعت نہیں کہ اسے قرآن وحدیث کے سمجھنے کیلیے ہی پڑھا جاتا ہے، تو ہم بھی کہتے ہیں کہ محافل میلاد النبی ﷺ کو بھی قرآن وحدیث کے سمجھنے ہی کے لئے منعقد کیا جاتا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ درسِ نظامی علماء کو قرآن وحدیث سمجھانے کیلیے ہے اور محافل میلاد عوام کو سمجھانے کیلیے، اگر درسِ نظامی والی بدعت جائز بلکہ واجب ہے تو محفل میلاد والی بدعت کیوں حرام ہوگئی؟

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس قدر پیسہ محفل میلاد پہ خرچ کیا جاتا ہے، یہ پیسہ اگر غرباء ومساکین کو دیا جائے تو زیادہ بہتر ہے، ہم کہتے ہیں ہاں غرباء ومساکین کو دینا بھی ثواب ہے اور رسول اللہ ﷺ سے اظہار محبت کے لیے محافل کا انعقاد بھی ثواب ہے اور ثواب کا ہر کام اپنانا چاہیے، دیوبندی وہابی علماء بھی اپنے مسلک کی تبلیغ اور اپنے مدارس کی تشہیر کے لیے بڑے بڑے جلسے اور کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں جن پہ لاکھوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں، وہاں یہ سوال کیوں نہیں اٹھایا جاتا کہ یہ رقم اگر غرباء ومساکین کو دیدی جاتی تو زیادہ بہتر تھا؟

یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے تھے اسوقت آپ کے خاندان کا حق تھا کہ خوشی منائیں، مگر یہ ہر سال خوشی منانے کا کیا مطلب ہے کیا آپ ہر سال پیدا ہوتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝۲ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۳ "ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا ہے، اور تم کیا جانو لیلۃ القدر کیا ہے، لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے" (اس میں عبادت کا ثواب ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے) (سورۃ قدر)

ہم پوچھتے ہیں کیا قرآن ہر سال نازل ہوتا ہے کہ ہر سال لیلۃ القدر میں عبادت کی ترغیب دلائی جارہی ہے؟ نہیں، قرآن ایک ہی بار نازل ہوا مگر جب بھی نزولِ قرآن کی رات آتی ہے تو اپنی رحمتیں اور برکتیں ساتھ لیکر آتی ہے اور اہل ایمان کو حکم حصولِ قرآن پہ شکر بجالانے کا حکم ہوتا ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ ماہ ربیع الاول میں ایک ہی بار پیدا ہوئے مگر جب بھی یہ مہینہ آتا ہے اپنی برکتیں ساتھ لاتا ہے اور اہلِ ایمان ہر سال اس میں حصولِ نسبتِ رسول ﷺ پہ شکر الٰہی بجالاتے ہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ محافل میلاد النبی ﷺ کے منانے کا جواز کیا ہے اور اس کے دلائل کیا ہیں تو اس سے قبل وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ۔ (آل عمران، ۸۱) کے تحت ہم مفصل و مدلل کلام کر آئے ہیں وہاں ضرور دیکھ لیں تا کہ مسئلہ کی پوری نوعیت سامنے آجائے۔

[216] یہاں حضور سرکار دوعالم ﷺ کی چار صفات بیان کی گئیں، اور ہر صفت اپنی جگہ ایک مستقل نعتِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔

اول: مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ یعنی جن لوگوں کی طرف حضور ﷺ مبعوث ہوئے آپ انہی میں سے ہیں۔ اگر دیکھا جائے کہ حضور ﷺ مکہ میں مبعوث ہوئے تو آپ اہل مکہ میں سے مکی ہیں۔ اگر دیکھا جائے کہ حضور ﷺ اہل عرب میں آئے تو اس طرح آپ عربی ہیں، اگر دیکھا جائے کہ حضور ﷺ مومنوں کی طرف مبعوث ہوئے تو آپ مومن و مسلم ہیں وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ۔ (انعام: ۱۶۳) اور اگر دیکھا جائے کہ حضور ﷺ سارے انسانوں کے لئے آئے تو آپ سب سے بہتر اور کامل ترین انسان ہیں، حضور آقائے دو جہاں ﷺ ایسے انسان ہیں کہ آپ کے ذریعے انسانیت اپنے نقطہ معراج کو پہنچ گئی، شبِ معراج ساری کائنات نیچے تھی اور ایک انسان اوپر تھا حضور ﷺ نے حسنِ انسانیت کا وہ نمونہ پیش کیا کہ نہ پہلے دیکھا گیا نہ بعد میں، آپ ﷺ کا مکی ہونا اہل مکہ کے لیے باعثِ افتخار ہے، عربی ہونا اہلِ عرب کے لیے وجہ عزت ہے اور انسان ہونا تمام انسانوں کے لیے عزت کا سبب ہے، اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ سے فرمایا یہ رسول معظم ﷺ تمہی میں ہیں، تم ہی میں پیدا ہوئے اور تمہارے سامنے پل کر جواں ہوئے، ان کی ساری زندگی تمہارے سامنے ہے، کیا تم نے ان کی زندگی میں کوئی عیب دیکھا ہے؟ کیا تم نے ان سے بڑھ کر کسی کو صادق وامین اور صاحبِ خلق دیکھا ہے؟ جب نہیں دیکھا تو آج تم انہیں کس منہ سے جھوٹا کہنے لگے ہو؟ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے بقول قرآن مجید ارشاد فرمایا: فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِيۡكُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ⑯ ''میں زندگی بھر تم ہی میں رہا ہوں تو تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟'' (یونس، ۱۶)

مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ میں ایک قرأت شاذہ مِنۡ اَنۡفَسِهِمۡ فاء کی زبر کے ساتھ بھی ہے جس کا معنی ہے آپ سب انسانوں سے انفس یعنی نفیس تر ہیں اور بلاشبہ حضور سید کائنات ﷺ حسب، علم اور خلق میں سب سے نفیس تر ہیں۔

دوم: يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ یعنی آپ لوگوں کو قرآن سناتے ہیں چنانچہ حضور سرکار دو عالم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن پڑھایا صحابہ نے آگے امت کو پڑھایا تو ساری امت واسطہ در واسطہ آپ کی شاگرد ہے اور آپ ساری امت کے استاذ ہیں، زہے نصیب اس امت کے جنہیں امام الانبیاء ﷺ جیسا استاذ ملا۔ چنانچہ حضور ﷺ نماز میں اور نماز کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن کریم سناتے تھے حتی کہ صحابہ آپ سے سن سن کر قرآن کو حفظ کرتے چلے گئے اور جب آپ نے وصال فرمایا تو قرآن کے ہزاروں حفاظ تیار ہو چکے تھے، اس میں ہمارے لیے یہ درسِ عمل ہے کہ ہمیں تلاوت قرآن کریم سے رغبت ہونی چاہیے، آج ایسے مسلمان بھی ہیں جو قرآن پڑھ سکتے ہیں، مگر ان کے پاس قرآن کے کھولنے کا وقت نہیں ہے۔

سوم: وَيُزَكِّيۡهِمۡ نبی محتشم ﷺ امت کو گناہوں سے پاک کرتے ہیں، چنانچہ آپ نے نیکیوں پر درجات، جنت کی بشارت دی اور برائیوں پر عذابات جہنم ذکر کئے جس سے کتب حدیث بھری پڑی ہیں اس لئے آپ ﷺ بشیر و نذیر ہیں تاکہ امت گناہوں سے دور اور نیکیوں سے معمور ہو۔ آپ نے انسانوں کا ایسا تزکیہ کیا کہ دنیا کی جاہل ترین قوم ساری

انسانیت کے لیے معلم بن گئی، آپ ﷺ نے ایسی جماعت تیار کی یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کے حسن کردار کی مثال پہلے دیکھی گئی نہ چشم فلک نے بعد میں دیکھی۔

چہارم: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ یعنی آپ امت کو صرف قرآن پڑھاتے ہی نہیں بلکہ اس کا مفہوم بھی سکھاتے ہیں اور ساتھ میں حکمت یعنی اپنی احادیث کے ذریعے قرآنی علوم کی تفسیر بھی کرتے ہیں۔ یہاں سے قرآن و حدیث کے معلمین کی فضیلت معلوم ہوئی۔ گویا حضور ﷺ سب سے پہلے معلم قرآن و حدیث ہیں مبارک ہو قرآن و حدیث کے پڑھانے والے علماء کو جن کی جماعت کے پہلے فرد سید الانبیاء ﷺ ہیں۔

[217] حضور محسن انسانیت ﷺ کی تشریف آوری سے قبل انسانیت ضلالت کے گڑھے میں گری سسک رہی تھی انسان اپنے ہاتھ کے تراشیدہ بتوں بلکہ جانوروں کے آگے سجدہ ریز تھا۔ اپنے ہاتھ سے اپنی بچیوں کو زندہ درگور کرتا تھا آپ نے آکر انسانیت کو ذلت کے گڑھے سے اٹھا کر اوجِ ثریا پہ بٹھا دیا۔

جہاں تاریک تھا ظلمت کدہ تھا سخت کالا تھا ‌ ‌ ‌ کوئی پردہ سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اجالا تھا

أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا

تو کیا جب تمہیں وہ مصیبت آئی کہ اس سے دوگنا تم (اپنے دشمنوں کو) پہنچا چکے تھے تو تم کہنے لگے یہ مصیبت کہاں سے آئی؟

قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾

آپ فرما دیں وہ خود تمہارے اپنے عمل کے سبب سے تھی بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔[218]

[218] اب پھر غزوۂ احد کی طرف رخ سخن پھر رہا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مومنو! تم نے احد میں کفار کے ہاتھوں جو تکلیف دیکھی بدر میں تم نے اس سے دوگنا تکلیف انہیں پہنچائی تھی کیونکہ اس وقت تم نے کسی حکم رسول (ﷺ) کی مخالفت نہ کی تھی پھر جب احد میں تمہیں تکلیف آئی تو تم پکار اٹھے یہ کیوں آئی؟ تو یاد رکھو یہ تمہاری اپنی ایک غلطی کے سبب سے تھی، تم نے وہ پہاڑ کیوں چھوڑا جس پر تمہیں اللہ کے رسول نے بٹھایا تھا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ کا یہ معنی بھی مروی ہے کہ غزوہ احد میں رسول اللہ ﷺ کی ذاتی خواہش تھی کہ شہر میں رہ کر لڑا جائے، مگر پرجوش نوجوان صحابہ کی خواہش تھی کہ شہر سے باہر نکل کر لڑا جائے، نبی اکرم ﷺ نے انکی پسند پہ اپنی پسند کو ترک کر دیا اور اسلحہ زیب تن کر کے نکلنے کی تیاری کر لی، بعد میں ان صحابہ کو اپنی بات پہ شرمندگی ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ جو بہتر جانتے ہیں آپ وہ کریں، آپ نے فرمایا اللہ کا نبی جب اسلحہ پہن لیتا ہے تو جہاد کیے بغیر اسے نہیں اتارتا اور عنقریب تمہیں مصیبت آنے والی ہے، چنانچہ وہ مصیبت آ کر رہی۔ (درمنثور جلد دوم صفحہ ۹۴) معلوم ہوا ہمارے مصائب اکثر ہمارے اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾

اور تمہیں جو دکھ پہنچا جس دن دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو وہ اللہ کے حکم سے تھا اور تاکہ اللہ مومنوں کو آزمائے

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ

اور منافقت کرنے والوں کو بھی آزمائے۔ [219] جبکہ ان سے کہا گیا تھا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا اپنا دفاع ہی

ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ

کرلو تو انہوں نے کہا اگر ہم جانتے کہ (یہاں) لڑائی کا کوئی فائدہ ہے تو ہم ضرور تمہاری بات مان لیتے۔ [220] اس دن وہ ایمان کے

مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ

بجائے کفر کے قریب تر تھے۔ [221] وہ زبانوں سے ایسی باتیں کہہ رہے تھے جو ان کے دلوں میں نہ تھیں جبکہ اللہ

اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا

جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں۔ [222] یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے بھائیوں کے لیے کہا اور خود (جنگ سے) بیٹھ رہے کہ اگر وہ ہماری

قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

بات مان لیتے تو مارے نہ جاتے، آپ فرمائیں تو تم خود سے موت کو دور کر کے دکھاؤ اگر تم سچے ہو۔ [223]

غزوہ احد میں منافقین کا منافقانہ کردار

[219] یعنی احد میں دونوں لشکروں کے مقابلہ میں اے مومنو! تمہیں جو تکالیف آئیں ان کا ایک سبب اللہ کے ہاں یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ مخلص مومنوں اور منافقوں کے درمیان فرق واضح کردے چنانچہ مخلص مومنین تو زخم پہ زخم سہہ کر بھی دوبارہ سید عالم ﷺ کے گرد جمع ہو گئے اور منافقین باتیں بنانے لگے کہ اگر ہماری بات مانی جاتی تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ وغیرہ

[220] یہ سردار منافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول کے کردار کا بیان ہے وہ اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ احد کی طرف نکلا پھر راستہ ہی سے مدینہ کو واپس پلٹ گیا۔ اس وقت اسے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو، نہیں تو کم از کم اپنے دفاع ہی میں لڑو، اس نے جواب دیا آج اگر لڑائی کا کچھ فائدہ ہمیں نظر آتا تو ہم ضرور تمہارے ساتھ لڑائی میں شامل ہوتے مگر آج

لڑنے کا فائدہ نہیں یعنی دشمن ہم سے کہیں زیادہ طاقتور ہے اس سے لڑنا خود کو ہلاک کرنے کے برابر ہے۔ یا یہ معنی ہے کہ ہم لڑنا ہی نہیں جانتے تو کیسے لڑیں، حالانکہ یہ ان کا جھوٹ تھا۔

[221] اللہ تعالیٰ نے منافقین کی اس بات کا جواب دیا کہ اس دن منافقین ایمان کی بجائے کفر سے قریب تر تھے یعنی یہ پہلا دن تھا جب ان کے چہروں سے نفاق کا پردہ ہٹ گیا اور وہ کھل کر سامنے آ گئے اگر ان کے دلوں میں کچھ بھی ایمانی رمق ہوتی تو وہ رسول خدا ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑتے۔ شیعہ محدث و مورخ ملا باقر مجلسی نے بھی اس جگہ لکھا ہے کہ جب عبداللہ بن ابی بن سلول اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ غزوہ احد میں راستہ سے لوٹ گیا تو مومنین اور منافقین الگ الگ ہو گئے۔ (بحار الانوار جلد ۲۰ صفحہ ۷۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) اس کے باوجود اہلِ تشیع کا مومنین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور منافقین میں گڈ مڈ کرنا کیسا ظلم عظیم ہے۔

[222] یعنی اس دن منافقین زبان سے کہتے تھے کہ وہ مسلمان ہیں مگر وہ لڑائی میں شرکت نہیں کر سکتے، مگر اللہ جانتا تھا کہ ان کے دل میں ایمان نہیں صرف کفر تھا۔

[223] منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام اسلمی رضی اللہ عنہ کا رشتہ دار تھا، جب وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ احد سے واپس مڑنے لگا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے روکا وہ نہ رکا بلکہ وہ انہیں بھی قائل کرنے لگا کہ اس جنگ میں صرف نقصان ہے، پھر جب حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ احد میں شہید ہو گئے تو ابن ابی کو بات کہنے کا موقع مل گیا وہ کہنے لگا اگر ہمارا بھائی ہماری بات مانتا تو بلاوجہ اپنی جان نہ گنواتا اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا اے منافقو اگر یوں موت سے بچا جا سکتا ہے تو تم خود کو موت سے بچا کر دکھاؤ اور اگر نہ بچ سکو تو پھر ایسے کفریہ بول کیوں بولتے ہو۔ بہر حال اس آیت میں ہمارے لیے درسِ عمل ہے کہ جب جہاد کی ضرورت ہو تو ایسے میں مسلمانوں سے الگ ہو جانے والا شخص عبد اللہ بن ابی منافق کا پیروکار ہے، اور جو ایسے موقع پر اپنی جان لڑا دے وہ عبداللہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ کا غلام ہے، یہ حضرت عبداللہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کے والد گرامی ہیں، ابن ماجہ میں ہے کہ ان کی شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا آج اللہ نے تمہارے والد سے براہ راست گفتگو فرمائی ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ

اور مت گمان کرو کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے وہ مردہ ہیں۔ [224] نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے

رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ

رب کے ہاں رزق پاتے ہیں۔[225] وہ خوش ہیں اس پہ جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا اور ان لوگوں کو بشارت دیتے ہیں

بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

جو ان کے پیچھے ان کے منصب تک نہیں پہنچے، کہ ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ

يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا

غمزدہ ہوں گے۔ [226] وہ اللہ کی نعمت اور اس کے فضل پر اظہارِ مسرت کرتے ہیں اور اللہ مؤمنوں کا

يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

اجر ضائع نہیں فرماتا۔[227]

وقف لازم

ع ۱۷

شہید سب زندہ ہیں انہیں مردہ مت کہو انہیں اللہ رزق دیتا ہے

[224] جب منافقوں نے شہداء احد کے بارہ میں کہا اگر وہ جنگ میں نہ جاتے تو نہ مارے جاتے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کون کہتا ہے کہ شہداء مردہ ہیں انہیں مردہ گمان تک نہ کرو، وہ زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں خدائی دستر خوان پر جنت میں رزق کھاتے ہیں، جو تمہارے دستر خوان پر رزق کھائے وہ زندہ ہوتا ہے، تو خدا کے دستر خوان پہ کھانے والے کیسے مردہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے بھائی احد میں شہید ہو گئے تو اللہ نے انکی ارواح کو سبز پرندوں کی صورت میں جنت میں بسا دیا، تو ان کی ارواح جنت کی نہروں پہ اڑتی اور وہاں کے میوے کھاتی تھیں اور ان سنہری قندیلوں میں آ کر ٹھہرتی تھیں جو اللہ نے ان کے لیے اپنے عرش کے نیچے لٹکائی ہیں۔ جب انہیں جنت کی ایسی لذتیں ملیں کہنے لگے اے کاش! ہمارے بھائیوں کو دنیا میں پتہ چلے کہ اللہ نے ہماری کیسی میزبانی فرمائی ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے کہا: اے کاش! ہمارے بھائی بھی جہاد میں کوشش کریں، تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے شہیدو میں تمہارا یہ پیغام ان تک پہنچاتا ہوں۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

الخ (ابوداؤد شریف کتاب الجہاد باب ۲۵)

زندگی کا معنیٰ اور شہید کیسے زندہ ہے؟

بظاہر شہید کا جسم کٹ گیا ہے، اس کے کئی ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ پھر بھی بقول قرآن مجید وہ زندہ ہے، تو کیسے زندہ ہے، اس کے تین جواب ہیں:

اول: عوام الناس کے نزدیک زندگی جسم اور روح کے اکٹھا ہونے کا نام ہے اور موت ان کے نزدیک یہ ہے کہ روح جسم سے جدا ہو جائے، مگر یہ زندگی کا حقیقی مفہوم نہیں ورنہ اللہ تعالیٰ کو زندہ نہ کہو کیونکہ اس کے لئے نہ جسم ہے نہ روح۔ زندگی کی حقیقت یہ ہے کہ جو سنے، دیکھے، سمجھے اور اپنے ارادوں پہ مختار ہو وہ زندہ ہے شہید بھی روح کے نکل جانے کے باوجود سنتا، دیکھتا، سمجھتا، حرکت کرتا، آتا جاتا اور اختیار رکھتا ہے، اس لیے زندہ ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ اس پر اپنی صفت حیات کا پرتو ڈالتا ہے۔ تو شہداء روح کے نکل جانے اور اعضاء کے کٹ جانے کے باوجود زندہ ہوتے ہیں یہی حال انبیاء وصدیقین وصالحین کا ہے۔

دوم: مرنے کے بعد بھی ہر انسان کے لیے حیات برزخی ثابت ہے۔ برزخ بھی حیات کا ایک سٹاپ ہے۔ روح عالمِ ارواح سے عالم ارحام میں آتی ہے، وہاں سے عالمِ اجسام میں پہنچتی ہے، وہاں سے عالمِ برزخ میں جاتی ہے اور وہاں سے عالم آخرت میں جائے گی اور وہ اس کا آخری سٹاپ ہے۔ وہاں روح کا سفر ختم ہو جاتا ہے، تو شہداء کی زندگی برزخی زندگی ہے۔ یہ زندگی اگرچہ سب کے لیے ثابت ہے حتی کہ کفار کے لیے بھی مگر کفار کی سب سے ضعیف تر ہے، یعنی وہ مقید عذاب ہوتے ہیں، مومنین کی برزخی زندگی ان سے بہتر ہے، پھر ان میں سے صالحین اور شہداء وانبیاء کی زندگی بتدریج اعلیٰ سے اعلیٰ ہے، حتی کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی برزخی زندگی کی مثل حیاتِ جسمانی ہے۔

سوم: جسم اور روح کے ایک دوسرے سے جدا ہو جانے کے بعد بھی ان کا باہم ایک رابطہ رہتا ہے، جس کی وجہ سے جسم میں یا اس کے بکھرے ہوئے ذرات میں سننے، سمجھنے اور دیکھنے بلکہ بسا اوقات بولنے کی صلاحیت قائم رہتی ہے، اسی لیے فرمایا گیا کہ جب قبرستان میں جاؤ تو کہو السلام علیکم دار قوم مومنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون، انتم لنا سلف ونحن بالخلف یعنی اے ایمان والو تم پہ سلام ہو، اور ان شاء اللہ ہم تمہارے پاس آنے والے ہیں، تم ہمارے پیش رو ہو اور ہم تمہارے پیچھے چل رہے ہیں۔

اور حدیث مبارکہ ہے کہ اگر مرنے والا نیک ہو تو وہ کہتا ہے مجھے جلدی لے چلو، مجھے جلدی لے چلو اور اگر برا ہو تو کہتا ہے کہ مجھے کہاں لیجا رہے ہو، مجھے کہاں لیجا رہے ہو اور اس کی آواز کو جنوں اور انسانوں کے سوا تمام مخلوق سنتی ہے۔ اسی طرح کثیر احادیث میں ہے کہ جب مردے کو قبر میں لٹایا جاتا ہے اور اس کو دفنا کر لوگ واپس جاتے ہیں تو وہ ان کے

قدموں کی آہٹ کو بھی سن رہا ہوتا ہے۔ (مسلم کتاب الجنائز حدیث ۶۸، نسائی کتاب الجنائز باب ۱۰۸) تو یہ ساری احادیث ثابت کرتی ہیں کہ مرنے والے بھی سنتے، دیکھتے اور سمجھتے ہیں اور شہداء کے لیے یہ زندگی بہت اعلیٰ ہوتی ہے، جس کے پیش نظر ان کو اللہ تعالیٰ نے احیاء فرمایا ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب

جب راہ خدا میں جان کے قربان کرنے سے حیاتِ جاودانی ملتی ہے تو پھر اس سے بہتر سودا کیا ہوسکتا ہے جان نے ایک دن جانا ہی ہے اگر راہِ خدا میں جہاد میں جائے تو موت زندگی بن جائے گی۔ اے پروردگار! ہمیں بھی اپنی راہ میں شہادت کی موت عطا فرما، جو ظاہر میں موت ہے اور حقیقت میں لازوال حیات۔ یہ بھی پتہ چلا کہ شہداء کو مردہ کہنا منافقوں کا کام ہے۔ عبداللہ بن ابی نے شہداء کو مردہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں یہ آیت مبارکہ اتاری۔ تو جو آج انہیں مردہ کہے وہ ابن ابی ہی کی معنوی اولاد کہلانے کا حقدار ہے۔

حیاتِ شہداء حیاتِ اولیاء پر دلالت کرتی ہے

صاحب روح البیان علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کفار کے خلاف لڑنا آسان ہے اور نفس بدکار و شیطان مکار کے خلاف لڑنا بہت مشکل۔ شہید ایک بار کافر کی تلوار سے قتل ہوتا ہے اور نفس سے لڑنے والا اللہ کا ولی زندگی بھر مجاہدے کی تلوار سے خود اپنی خواہشات کا خون کرتا ہے یقیناً یہ جہاد شہداء کے جہاد سے بڑا ہے لہٰذا اس کی حیات شہید کی حیات سے اعلیٰ ہے۔ (روح البیان جلد چہارم صفحہ ۱۲۶ مطبوعہ استنبول)

اور مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بار جہاد سے واپس ہو کر نماز کی طرف گئے تو فرمایا ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف جا رہے ہیں۔ (موسوعۃ اطراف الحدیث النبوی الشریف جلد ۵ صفحہ ۱۳۱ حرف را)

جب جہاد اصغر کا شہید زندہ ہے تو جہاد اکبر کا شہید کیوں زندہ نہیں؟ پھر حدیث میں ہے،

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من تمسّكَ بسُنّتی عند فسادِ اُمّتی فله اجرُ مأةِ شهيدٍ، کہ ''جس نے میری ایک سنت کو ایسے وقت میں پکڑ لیا جب میری امت میں فساد آ گیا ہو (یعنی امت اس سنت کو چھوڑ رہی ہو) اس کے لئے سو شہیدوں کا درجہ ہے۔''
(الترغیب والترہیب بروایت بیہقی وطبرانی جلد اول صفحہ ۸۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، مشکوٰۃ کتاب الایمان حدیث ۱۷۶)

اور اولیاء کاملین اور علماء ربانیین بلاشبہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں سنت کے احیاء اور بدعت کے خاتمہ میں صرف کر دیں، وہ ایک سنت نہیں سینکڑوں سنتیں زندہ کرتے ہیں تو ان کا درجہ حدیث نبوی کے مطابق ایک شہید سے سو گنا زیادہ ہے۔ جب شہید زندہ ہے اسے مردہ سمجھنا جائز نہیں تو جو شہید سے سو گنا بلند مقام پر ہے وہ کیسے مردہ ہے۔

اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بعض اولیاء اللہ ایک آن میں دنیا کے مختلف مقامات پر حاضر ہوتے ہیں یہ اس لئے ہے کہ ان کی ارواح اجسام (مثالی) سے متجسد و متشکل ہو جاتی ہیں وہ اپنے وطن میں رہتے ہوئے مکہ معظمہ، روم اور بغداد میں دیکھے جاتے ہیں۔
(مکتوبات جلد ۷ دفتر ۲ صفحہ ۲۵ مکتوب ۵۷)

حضرت قاضی ثناء اللہ فرماتے ہیں۔

شہداء و اولیاء وصال کے بعد تصرف کرتے ہیں جہان میں جہاں چاہیں جاتے آتے ہیں اپنے دوستوں کی مدد کرتے اور اپنے دشمنوں (دین کے دشمنوں) کو ہلاک کرتے ہیں۔
(تفسیر مظہری جلد اول زیر آیت ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات، جلد اول صفحہ ۲۰۰ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِنّ اولیاءَ اللّٰہِ لا یموتونَ ولکن ینۡتَقِلون من دارٍ الی دارٍ، کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر کبیر جلد ۹ صفحہ ۹۶ مطبوعہ مصر)

حیاتِ شہداء سے حیاتِ انبیاء بھی معلوم ہوئی

شہید اپنے نبی کی غلامی میں جان دیتا ہے، جب شہید زندہ ہے تو جس کی غلامی میں اس نے جان دی وہ نبی کیوں زندہ نہیں ہے۔ حیات انبیاء پر کثیر احادیث صحیحہ وارد ہیں۔

مثلاً ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جمعہ والے دن مجھ پہ زیادہ درود پڑھو، کیونکہ تمہارے درود پہ فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جیسے ہی تم میں سے کوئی شخص درود سے فارغ ہوتا ہے تو اس کا درود مجھ پہ پیش کر دیا جاتا ہے۔ ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا: کیا موت کے بعد بھی ایسا ہوگا؟ تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وبعد الموت ان اللہ حرّم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فنبیُّ اللہ حیٌّ یُرزَق، ہاں موت کے بعد بھی اور بیشک اللہ نے زمین پہ حرام قرار دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے تو اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اسے رزق دیا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ کتاب الجنائز حدیث ۱۶۳۷)

شہداء پہ ماتم کرنے کا کیا معنیٰ؟

جب شہداء کو ایسی عظیم جنتی بہاریں میسر ہیں تو پھر صدیوں تک ان پہ ماتم جاری رکھنے کا کیا معنی ہے، جیسے شیعہ لوگ آج تک امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پہ ماتم کر رہے ہیں، حالانکہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے بوقت شہادت آپ پہ ماتم نہ کرنے کی وصیت کی تھی۔ مشہور شیعہ مورخ ابو مخنف لوط بن یحیی لکھتا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت سے قبل اپنی

ہمشیرہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

یا اُختاہُ اقسمتُ علیكِ بحقّی اذا ما قُتِلتُ فلا تشُقّی علیّ جیباً ولا تخمِشی علیّ وجھاً. اے میری بہن! میں تجھے اپنے حق کی قسم دیتا ہوں کہ جب مجھے قتل کر دیا جائے تو مجھ پر گریبان مت پھاڑنا اور اپنا چہرہ مت پیٹنا۔ (مقتل ابی مخنف صفحہ ۵۰ مطبوعہ مکتبہ حیدریہ نجف اشرف) اس وصیت کے باوجود شیعہ لوگ نہ جانے ماتم حسین کر کے امام حسین رضی اللہ عنہ کی روح کو کیوں تکلیف پہنچاتے ہیں۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ارشاد ربانی وَلَا يَعۡصِيۡنَكَ فِيۡ مَعۡرُوۡفٍ (ممتحنہ، ۱۲) کے تحت فرماتے ہیں:

المعروف ان لا یشقُقنَ جَیباً ولا یلطِمن خدّاً ولا یدعون ویلاءً ولا یتخلّفنَ عند قبر ولا یسوّدنَ ثوباً ولا ینشُرنَ شعراً. یعنی ”عورتوں کو حکم الٰہی ہے کہ (کسی کی موت پہ) گریبان نہ پھاڑیں، چہرہ مت پیٹیں، واویلا مت کریں، قبر پہ ڈیرہ نہ لگائیں اور بال نہ کھولیں۔“ (فروع کافی کتاب النکاح حدیث ۶۴۱۹)

اسی طرح امام باقر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقتِ وصال قریب آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

اذا انَا مِتُّ فلا تخمِشی علیّ وجھاً ولا تنشُری علیّ شعراً ولا تنادی بالویل ولا تُقیمی علی نائحةً. ”اے بیٹی! جب میں وصال کر جاؤں تو تم مجھ پہ چہرہ مت پیٹنا، بال مت کھولنا اور واویلا مت کرنا اور نوحہ گری مت کرنا“، امام باقر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ھذا المعروف الذی قال الله عز وجل. یہ وہ معروف ہے جس کا اللہ نے قرآن میں حکم دیا ہے (یعنی فرمایا: وَلَا يَعۡصِيۡنَكَ فِيۡ مَعۡرُوۡفٍ، کہ ”عورتیں بھلائی کے کام میں آپ کی مخالفت نہ کریں۔“ (ممتحنہ ۱۲) (فروع کافی کتاب النکاح حدیث ۶۴۲۰ مطبوعہ دار المجتبیٰ نجف اشرف)

[225] شہداء کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے یہ انعامات دیئے کہ انہیں موت کی تکلیف سے بچا لیا۔ ہر کسی کو موت کی تکلیف ہوتی ہے سوا شہید کے، ان کے سب گناہ معاف کر دیئے گئے، انہیں جنت کا اعلیٰ مرتبہ دیا گیا، انہیں اللہ رب العزت کا قرب ملا عِنۡدَ رَبِّهِمۡ اور انہیں خصوصی رزق دیا گیا يُرۡزَقُوۡنَ۔

[226] شہداء جنت میں تمنا کرتے ہیں کاش ان کے اعزہ و احباب بھی ان کی طرح راہِ خدا میں جان دے کر ان کے پاس ان کے درجہ میں پہنچیں اور ان جیسی نعمتوں سے سرفراز ہوں اور وہ اپنے اعزہ کو یہ بشارت سناتے ہیں کہ ان پر کوئی خوف نہیں رہا اور نہ وہ کبھی غمزدہ ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ بشارت قرآن مجید کے ذریعہ دنیا والوں کو پہنچائی اب ہمارا کام ہے کہ اس پر ایمان لا کر اس کی برکات حاصل کریں۔

[227] یعنی شہداء جنت میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر کہ ان کے گناہ معاف کر دیئے گئے اور اس فضل پر کہ ان کے

درجات بلند کئے گئے، خوشیاں مناتے ہیں اور اپنے اعزہ و احباب کو اس کی مبارک دیتے ہیں اور اس بات کی مبارک دیتے ہیں کہ اللہ کسی مومن کا اجر ضائع نہیں فرماتا لہٰذا مومنوں کو اس راہ میں مال و جان کی کسی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔

شہید کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند ترین درجہ حدیث کی رو سے

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کے لیے چند انعامات ہیں۔ اول: جونہی اس کے خون کا پہلا قطرہ زمین پہ گرتا ہے اللہ اس کے تمام گناہ گرا (مٹا) دیتا ہے، دوم۔ وہ اسی وقت جنت میں اپنی جگہ دیکھ لیتا ہے، سوم۔ اسے ایمان کا حُلّہ (لباس) پہنایا جاتا ہے، چہارم۔ اسے عذابِ قبر سے بچالیا جاتا ہے، پنجم۔ وہ بڑی گھبراہٹ والے دن (قیامت) کی گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا، ششم۔ اس کے سر پہ عزت کا تاج رکھا جائے گا جس کا ایک موتی ساری دنیا کی نعمتوں سے بڑھ کر ہے، ہفتم۔ اسکا جنت کی بہتر حور سے نکاح کیا جاتا ہے۔ ہشتم۔ وہ اپنے اقارب میں سے ستر افراد کی شفاعت کرے گا۔ (ترمذی کتاب فضائل الجہاد باب فی ثواب الشہید)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''شہید کو اپنے قتل کی بس اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے جیسے تم میں سے کسی کو چیونٹی کاٹ لے'' (ترمذی کتاب فضائل الجہاد باب فی فضل المرابط) اور یہ معمولی سی تکلیف بھی دراصل كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کا قاعدہ پورا کرنے کے لیے ہے ورنہ یہ بھی نہ ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

کہ شہداء کی ارواح جنت میں سبز پرندوں کی شکل میں جہاں چاہیں اڑتی پھرتی ہیں، ان سے اللہ فرماتا ہے، مجھ سے کچھ مانگو، وہ کہتے ہیں کوئی حاجت نہیں، کہا جاتا ہے نہیں کچھ مانگو، وہ کہتے ہیں یا اللہ! ہمیں واپس دنیا میں بھیج تا کہ تیرے نام پہ ہم دوبارہ قتل کیے جائیں کیونکہ شہادت کا مزہ جنت میں بھی نہیں ہے (ترمذی کتاب التفسیر، مسند حمیدی صفحہ ۷۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جس شخص کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں بھلائی ہے (جنت ہے) وہ مرنے کے بعد واپس دنیا میں نہیں آنا چاہتا، خواہ اس کو دنیا و مافیہا کی سب نعمتیں دیدی جائیں، الا الشهيد لما يرىٰ من فضل الشهادة، فانه يحب ان يرجع الى الدنيا فيقتل مرة اخرىٰ۔ سوا شہید کے، کیونکہ وہ شہادت کی فضیلت جانتا ہے، وہ تمنیٰ کرتا ہے کہ واپس دنیا میں جائے اور اللہ کی راہ میں دوبارہ قتل کیا جائے (ترمذی کتاب فضائل الجہاد حدیث ۱۶۴۳)

اور امام حمیدی نے اپنی مسند میں حدیث درج کی ہے کہ اللہ تعالیٰ شہداء کی ارواح کو سبز پرندوں کی شکل میں جنتی قندیلوں میں ٹھہراتا ہے اور اجازت دیتا ہے کہ ساری جنت میں جہاں چاہیں جائیں جو چاہیں کھائیں، جب وہ اس حال

میں ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے کہ اے شہید و مجھ سے کچھ مانگو، وہ کہتے ہیں: یا اللہ! ہم اور کیا مانگیں، یہاں جنت میں ہمیں ہر نعمت میسر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، نہیں پھر بھی کچھ مانگو، جب وہ دیکھتے ہیں کہ کچھ مانگنا ہی پڑے گا تو وہ کہتے ہیں یا اللہ! ہمیں واپس دنیا میں بھیج تا کہ ہم تیری راہ میں ایک بار پھر قتل ہوں اور درجۂ شہادت پائیں کیونکہ جو لطف اس وقت ملا وہ جنت میں نہیں ہے۔

مع ۲

اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الۡقَرۡحُ ؕ لِلَّذِیۡنَ
جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا حکم پورا کر دکھایا بعد ازاں کہ انہیں زخم پہنچے ہوئے تھے تو ان میں سے
اَحۡسَنُوۡا مِنۡهُمۡ وَاتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ۚ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ
اعلیٰ اخلاص اور تقویٰ والوں کے لیے اجر عظیم ہے۔ [228] جنہیں کچھ لوگوں نے آ کر بتایا کہ بہت سے لوگ
النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَكُمۡ فَاخۡشَوۡهُمۡ فَزَادَهُمۡ اِیۡمَانًا ۖۗ وَّقَالُوۡا حَسۡبُنَا
تمہارے خلاف اکٹھے ہو چکے ہیں تو ان سے ڈرو تو اس سے ان کا ایمان بڑھ گیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ ہی
اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِیۡلُ ﴿۱۷۳﴾
کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے۔ [229]

جب زخموں سے چور چور صحابہ حکمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کفار کے تعاقب میں نکل پڑے

[228] غزوۂ احد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھوڑی دیر کے لئے تتر بتر ہونے کے بعد جب دوبارہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع ہوئے تو کفار نے جنگ سے کنی کترا کر واپس ہو جانے میں عافیت سمجھی، جب وہ کچھ سفر طے کر چکے تو انہیں شیطان نے بہکایا اور انہوں نے اپنے دل میں سوچا کہ ہم نے بہت غلط کیا ہم نے اتنا طویل سفر طے کیا، احد میں گئے، مسلمانوں کو شدید تکلیف پہنچائی اور واپس آ گئے اگر ہم تھوڑی سی کوشش اور کرتے تو ان کا مکمل خاتمہ کر سکتے تھے، تو وہ پلٹ کر دوبارہ حملہ آور ہونے کا سوچنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے ارادوں سے مطلع کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت حکم فرمایا کہ چلو کفار کا تعاقب کریں۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت زخمی حالت میں تھی مگر جب انہوں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود زخمی ہونے کے باوجود تعاقب کے لئے تیار ہیں تو انہیں اپنے زخم بھول گئے اور وہ آپ کے ساتھ چل پڑے۔ اس حقیقت پہ یہ احادیث دلالت کرتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جب مشرکین احد سے نکل کھڑے ہوئے تو راستہ میں باہم کہنے لگے تم نہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کر سکے اور نہ مسلمان لڑکیوں کو اٹھا سکے (معاذ اللہ) تم نے بہت برا کیا، ابھی پلٹو اور دوبارہ حملہ کرو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (بذریعہ وحی) ان کے ارادہ کا پتہ چلا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر ان کا تعاقب کیا اور مقام حمراء الاسد تک پہنچے، جب مشرکین کو اس کی خبر ہوئی تو وہ مکہ کو دوڑ پڑے۔ (نسائی شریف)

ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہی آیت اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ پڑھی، پھر حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے میرے بھانجے! تمہارے بزرگ زبیر بن عوام اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما انہی لوگوں میں سے تھے جنہوں نے زخمی ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کا حکم پورا کر دکھایا۔

وہ اس طرح ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احد میں جو تکلیف پہنچی وہ پہنچی، پھر مشرکین واپس ہو گئے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ مشرکین پلٹ کر حملہ کریں گے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو میرے ساتھ چلے اور ہم کفار کا تعاقب کریں، چنانچہ ستر افراد تیار ہو گئے، ابوبکر صدیق اور زبیر رضی اللہ عنہما بھی انہی میں سے تھے، یہ لوگ کفار کے تعاقب میں نکلے، جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے تو انہوں نے بھاگ کر جان بچائی، تب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کا انعام لے کر واپس لوٹے یعنی دشمن کو لڑے بغیر بھگا دیا۔ (بخاری کتاب المغازی حدیث ۴۰۷۷) یہ حدیث مسلم، ابن ماجہ، احمد ابن ابی شیبہ اور حاکم نے بھی روایت کی ہے۔

ایک صحابی کہتے ہیں میں اور میرا بھائی دونوں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کفار کے تعاقب میں نکلے میرے زخم زیادہ گہرے نہ تھے مگر میرا بھائی زخموں کے سبب چلنے سے عاجز تھا مگر وہ چل رہا تھا، جب وہ چلنے سے عاجز آجاتا تو میں اسے اٹھا لیتا۔ یوں ہم وہاں جا پہنچے جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے ساتھ پہنچے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر جاری رکھا اور حمراء الاسد پہنچ کر ڈیرہ لگایا، یہ مدینہ طیبہ سے آٹھ میل دور ایک مقام ہے آپ نے وہاں پیر منگل بدھ تین دن قیام کیا پھر واپس مدینہ چلے آئے (کفار کو جب آپ کے تعاقب کا پتہ چلا تو ان کے چھکے چھوٹ گئے اور وہ اس قدر بھاگے کہ مکہ پہنچ کر دم لیا) تب یہ آیت نازل ہوئی: اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَہُمُ الۡقَرۡحُ ؕ (ابن اسحاق، ابن جریر، ابن منذر وغیرہ) یعنی اللہ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے شدید زخمی ہونے کے باوجود اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کی ایسے محسنین و متقین کیلیے اللہ کے ہاں اجر عظیم ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبۂ اطاعت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زخمی ہونے کے باوجود حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سفر پہ نکل کھڑا ہونا ان کے عظیم حوصلہ، جذبۂ اطاعت اور ایثار و قربانی پر دلالت کرتا ہے حتیٰ کہ خود اللہ تعالیٰ نے مَاۤ اَصَابَہُمُ الۡقَرۡحُ کہہ کر ان کی تعریف فرمائی۔ ابھی دو زخمی

بھائیوں کا تذکرہ آپ نے پڑھا، تاریخ ایسے جذبہ اطاعت کی مثال لانے سے قاصر ہے۔

اہل تشیع کا امام المفسرین شیخ علی بن ابراہیم قمی اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الۡقَرۡحُ کے تحت لکھتا ہے، فخرجوا علی ما بہم من الالم والجروح یعنی صحابہ کرام اللہ اور اسکے رسول کی رضاء کے لیے اپنی تمام تر تکالیف اور زخموں کے باوجود کفار کے تعاقب میں چل پڑے۔

(تفسیر قمی سورہ آل عمران صفحہ ۱۱۳ مطبوعہ تہران ایران)

مشہور شیعہ مفسر ملا فتح اللہ کاشانی لکھتا ہے کہ جب ابوسفیان نے پلٹ کر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا تو اللہ نے رسول خدا ﷺ کو بذریعہ جبریل علیہ السلام مطلع کیا، اس وقت رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ چلے گئے تھے، آپ نے مدینہ طیبہ میں اعلان کیا کہ کفار کے تعاقب میں نکلو اور وہی شخص نکلے جو زخمی ہو وہ اپنا زخم باندھ لے اور نکل پڑے (گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عظیم امتحان لیا گیا)

''چوں اصحاب جراحت ایں خبر شنیدند جراحات خود را بستند واز مدینہ بیروں آمدند وایشاں ہفتاد کس بودند''۔ یعنی جب زخمی صحابہ کرام کو یہ خبر معلوم ہوئی تو انہوں نے اپنے زخم باندھے اور مدینہ سے باہر نکل آئے، وہ ستر افراد تھے۔ آگے ملا فتح اللہ کاشانی نے ان دو زخمی بھائیوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جن میں سے ایک نے دوسرے کو اٹھا رکھا تھا اور یوں وہ گرتے پڑتے رسول اکرم ﷺ کے پیچھے حمراء الاسد تک جا پہنچے۔ (تفسیر منہج الصادقین جلد ۳ ۸۸ مطبوعہ انتشارات اسلامیہ تہران)

اس کے علاوہ شیعہ مفسر علامہ فضل بن حسن طبرسی نے بھی یہ واقعہ اسی طرح لکھا ہے، جس کے بعض الفاظ یہ ہیں:

فخرجوا علی ما بہم من الالم والجرح، تو وہ نکل کھڑے ہوئے، حالانکہ انہیں بہت سا دکھ اور زخم پہنچ چکا تھا، پھر اس نے دو زخمی بھائیوں کا واقعہ بھی ذکر کیا ہے۔ (تفسیر مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۸۴۷ مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایسے عظیم جذبہ اطاعتِ رسول ﷺ کے باوجود اہلِ تشیع کا یہ سمجھنا کہ نبی اکرم ﷺ کی واضح نصوص کے باوجود صحابہ نے وصال نبوی کے بعد حضرت علی کو خلیفہ نہ بنایا اور ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کو خلافت دیدی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کس قدر بہتان بازی ہے، اگر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو خلافت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قیام کا حکم دیا ہوتا تو وہ اس کے قیام کے لیے اپنی جانیں لڑا دیتے، دیکھو جب وہ وصال نبوی کے بعد جھوٹے مدعیان نبوت کے عظیم لشکروں سے ٹکرا گئے تو وہ کسی جھوٹے مدعی خلافت کو کیسے برداشت کر سکتے تھے، کیا اہلِ تشیع کو یہ باتیں نظر نہیں آتیں؟ یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسی لیے خلیفہ مانا کہ رسول اللہ ﷺ خود انہیں اپنے مصلیٰ پہ کھڑا کر کے گئے تھے۔

اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خلافت علی کے ماننے کا حکم ہوتا تو وہ کبھی کسی اور کو خلیفہ نہ بناتے

قرآن مجید نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عظیم الشان جذبۂ اطاعت خدا اور رسول اس لیے بیان کیا ہے تاکہ امت مسلمہ

تا قیامت جان لے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ ورسول کی طرف سے جو حکم مل جاتا تھا اس کی تکمیل کے لیے وہ اپنی جانیں بھی لڑا دیتے تھے، وہ ہم جیسے ہمت ہارے مسلمان نہیں تھے۔ تاریخ انسانیت ان کی اطاعت و وفاداری کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، اہلِ تشیع کو یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے اسی میں ان کا بھلا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خلافت علی کے قیام کا حکم دیا ہوتا تو وہ وصال نبوی کے بعد اس خلافت کے قیام کے لیے اپنی جانیں لڑا دیتے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی دوسرے شخص کو مسند خلافت پہ ہرگز نہ بیٹھنے دیتے۔

لہٰذا خلافت علی بلا فصل کی سب روایات من گھڑت اور جھوٹی ہیں، خواہ وہ کتب شیعہ میں ہوں یا کسی طرح کتب اہل سنت میں ڈال دی گئی ہوں، کیونکہ یہ جھوٹ کا پلندہ قرآن کی نصوص صریحہ کے خلاف ہے۔ اس کے برعکس احادیث صحیحہ کثیرہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے مصلیٰ امامت پہ کھڑا کیا تھا اور اپنی ساری امت کو ان کے پیچھے کھڑا دیکھ کر خوش ہو گئے تھے۔

مومن اپنی مصیبت پر دین کی مصیبت کو ترجیح دیتا ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ہمیں درس دیتا ہے کہ مومن کو دین پر آفت آتے دیکھ کر اپنے مصائب کو بھول جانا چاہیے۔ اگر صحابہ یہ ایثار نہ کرتے تو اسلام اپنے پاؤں پر کبھی کھڑا نہ ہو سکتا اور نہ آج ہم کلمہ پڑھنے کے قابل ہو سکتے۔

[229] حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب کفار احد سے واپس لوٹے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر رعب ڈالنے کے لئے ان کا تعاقب فرمایا۔ ابوبکر عمر عثمان اور علی رضی اللہ عنہم جیسے کبار صحابہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ لشکر کفار کے امیر ابوسفیان کو جب آپ کے تعاقب کا پتہ چلا تو وہ ایک تجارتی قافلہ سے ملا اور انہیں کہا تم کسی طرح محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو واپس کر دو تو میں تمہیں اتنا مال دوں گا، تم انہیں جا کر بتاؤ کہ میں نے ان کے خلاف بڑے لشکر اکٹھے کر لئے ہیں اور میں پلٹ کر حملہ کرنے والا ہوں۔ وہ تجارتی قافلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آکر ملا اور اسی طرح کہا کہ بڑے لشکر تمہارے خلاف جمع ہو چکے ہیں ان سے ڈرو۔ آپ کی زبان مبارک سے نکلا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی سن کر یہی جملہ دہرایا اور ان کا ایمان بڑھ گیا۔ (ابن ابی حاتم جلد دوم صفحہ ۲۰۴ مطبوعہ مکہ مکرمہ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عظیم جذبۂ ایمانی

شیعہ مفسر شیخ علی بن ابراہیم قمی نے بھی اس آیت مبارکہ کا یہی شان نزول لکھا ہے، وہ لکھتا ہے کہ ابوسفیان کا بھیجا ہوا شخص نعیم بن مسعود صحابہ سے ملا۔

فقال لاصحاب محمد ﷺ این تریدون؟ قالوا قریش فقال ارجعوا فان قریشا قد اجتمعت الیهم حلفاء هم ومن کان تخلف عنهم وما اظن الا واوائل القوم قد طلعوا علیکم الساعة

فقالوا حسبنا الله ونعم الوکیل مانبالی ونزل جبریل علی رسول الله ﷺ فقال ارجع یا محمد فان الله قد ارجع قریشا ومروا لا یلوون علی شیء

اس نے اصحاب محمد ﷺ سے کہا تم کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگے قریش کے تعاقب میں، اس نے کہا: واپس لوٹ جاؤ، قریش کے حلیف قبائل اور جو ان میں سے پیچھے رہ گئے تھے وہ سب ان کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کا اگلا دستہ ابھی تم پہ طلوع ہونے والا ہے، تو انہوں نے کہا: حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ ﴿۱۷۳﴾ ہمیں پرواہ نہیں، تب جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا: یا محمد (ﷺ) آپ واپس چلے جائیں اللہ نے قریش کے دلوں میں رعب ڈال دیا ہے اور اب وہ بھاگے جا رہے ہیں مڑ کر نہیں دیکھتے۔ (تفسیر قمی صفحہ ۱۱۴ مطبوعہ تہران سن طباعت ۱۳۱۳ھ)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان ہر مشکل میں پہلے سے بڑھ جاتا تھا اور کوئی بڑے سے بڑا امتحان ان کے پائے استقامت کو ڈگمگا نہیں سکتا تھا، کیونکہ انہوں نے خود کو اطاعتِ رسول ﷺ میں ڈبو دیا تھا اور یہ بات شیعہ مفسرین کو بھی تسلیم ہے، پھر انہیں یہ کذب وافتراء کہتے ہوئے خدا کا خوف کیوں نہیں محسوس ہوتا کہ وفات رسول ﷺ کے بعد صحابہ نے رسولِ خدا کا جنازہ چھوڑ دیا اور حکم رسول ﷺ کو پسِ پشت ڈال کر علی المرتضیٰ کو چھوڑ دیا اور ابوبکر کو خلیفہ بنالیا؟

حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ کہنے کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ابراہیم علیہ السلام نے نارِ نمرود میں پھینکے جانے کے وقت اور حضور ﷺ نے کفار کے حملے کی اطلاع پر یہ الفاظ کہے: حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ تو اللہ نے دونوں کو مصائب سے محفوظ کر دیا۔ (بخاری)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب زیادہ مغموم ہوتے تو اپنے سر مبارک اور داڑھی شریف پر ہاتھ پھیرتے اور حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ پڑھتے۔

ابن مردویہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رواہت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو یہ کہے حسبنا الله ونعم الوکیل (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۱۰۳ مطبوعہ دار الفکر)

اللہ پہ بھروسہ رکھنے والے مجاہدین کفار کی کثرت سے نہیں گھبراتے

غزوہ حمراء الاسد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ڈرایا گیا کہ ان کے خلاف بہت سے لشکر جمع ہو گئے ہیں مگر وہ ذرا بھی نہیں گھبرائے، بلکہ ان کا ایمان مزید مضبوط ہو گیا۔ آج امتِ مسلمہ کو اسی جذبہ ایمانی کی ضرورت ہے، آج ہمارے پاس تعداد اور استعداد کی کمی نہیں، صرف جذبہ جہاد کی کمی ہے۔

اس جگہ یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو کفار کی کثرت سے ڈرانے والا منافق ہے، وہ مسلمانوں کا لیڈر نہیں ہوسکتا، وہ کفار کا گماشتہ اور ان کا ایجنٹ ہے۔ جیسے ابوسفیان نے چند لوگوں کو تیار کیا کہ وہ جا کر مسلمانوں کو کفار کی کثرت سے ڈرائیں، مگر آج افسوس صد افسوس ہے کہ مسلمانوں کے جتنے حکمران ہیں قریباً سبھی امتِ مسلمہ کو کفار کی کثرت اور طاقت سے ڈرا رہے ہیں، اس جگہ یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمیں بھی مشکلات میں اس قرآنی وظیفہ کی کثرت کرنی چاہیے۔

فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوۡا

تب وہ اللہ کی نعمت اور فضل لے کر لوٹے انہیں کچھ برائی نہ پہنچی اور انہوں نے رضاء الٰہی کی پیروی کی اور اللہ بڑا

رِضۡوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِيۡمٍ ۝ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيۡطٰنُ يُخَوِّفُ

فضل فرمانے والا ہے۔ [230] یہ تو شیطان ہے جو (مسلمانوں کو) اپنے دوستوں کا

اَوۡلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوۡهُمۡ وَخَافُوۡنِ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝

خوف دلاتا ہے تو تم ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو۔ [231]

غزوۂ بدر الموعد (بدر صغریٰ) کا واقعہ اور مسلمانوں کی عظیم فتح

[230] حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوسفیان نے احد سے واپس جاتے ہوئے باآواز بلند اعلان کیا تھا کہ اگلے برس ہم میدان بدر میں پھر ملیں گے جہاں اے مسلمانو تم نے ہمارے ساتھی مارے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے ضرور ملیں گے، جب اگلے برس وہی دن آئے (ماہ شوال ۴ھ آیا) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب وعدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جنگ کے لئے نکلنے کا حکم دیا۔ اس موقع پر بھی کفار مکہ کے بھیجے ہوئے لوگوں نے مدینہ طیبہ آ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ڈرایا کہ مشرکین مکہ نے تمہارے خلاف بہت بڑا لشکر تیار کیا ہے جو اندھیری رات کی طرح اُمڈ کر آنے والا ہے

مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی اور نکل کھڑے ہوئے اور ساتھ انہوں نے مال تجارت بھی لے لیا اور کہا اگر کفار مکہ آئے تو ان سے لڑائی ہوگی ورنہ ہم اس منڈی میں مال تجارت بیچ کر نفع کمائیں گے جو ہر سال ذی قعدہ میں بدر میں لگتی ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدر میں پہنچ گئے، کفار مکہ نہ آئے انہیں بدر کا رخ کرنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہاں جا کر خوب تجارت کی اور نفع کمایا۔ اسی بارہ میں یہ آیتِ مبارکہ اتری: فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِيۡمٍ ۝

(ابن ابی حاتم جلد ۳ صفحہ ۸۱۸ حدیث ۴۵۱ مطبوعہ مکہ مکرمہ)

یعنی چونکہ احد کے فوراً بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زخمی حالت میں کفار کا جو تعاقب کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اگلے برس انہیں بدر میں اس کا یہ صلہ دیا کہ وہ اللہ کی نعمت اور فضل لے کر لوٹے۔ انہیں یہ نعمتیں ملیں۔ اول، وعدہ وفائی کا اعزاز پانا۔ دوم، بغیر لڑے کفار پہ اپنی طاقت کی دھاک بٹھانا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ سوم، کفار کا ذلیل خوار ہونا کہ انہوں نے خود ہی بدر میں آنے کو للکارا اور خود ہی بھاگ گئے۔ چہارم، صحابہ رضی اللہ عنہم نے تجارت سے خوب نفع کمایا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ، یعنی وہ اللہ کی نعمت اور فضل لیکر لوٹے اور تجارت کو اللہ کا فضل کہا جاتا ہے، جیسے اللہ فرماتا ہے: وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ کہ ''نماز جمعہ سے فارغ ہو کر اللہ کا فضل ڈھونڈھو۔'' (جمعہ:۱۰) پنجم، اللہ کی رضا حاصل کی وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ۝

یہاں سے یہ بھی معلوم کہ ایفائے عہد شیوۂ اہلِ اسلام ہے اور عہد شکنی طریقۂ کفار ہے۔ کفار نے خود ہی اگلے برس آنے کا کہا اور خود ہی بھاگ گئے، جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اس لیے مقام بدر میں پہنچ گئے کیونکہ آپ نے حامی بھر لی تھی۔

[231] یعنی کفار کے بھیجے ہوئے لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ڈرانے کی بہت کوشش کی کہ مکہ والوں نے بہت بڑا لشکر ترتیب دیا ہے دراصل وہ اندر سے خود ڈرے ہوئے تھے کہ احد میں مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچی ہے اب وہ اس کا خوب بدلہ لیں گے لہٰذا خود اعلان کرنے کے باوجود کفار کو ان کے سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی مگر وہ گیدڑ بھبکیوں سے انہیں ڈرانا چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ شیطان ہے جو تمہیں ڈراتا ہے اس سے نہ ڈرو میرا ڈر رکھو۔

اللہ پر بھروسہ رکھنے والے مجاہدین کفار کی کثرت سے نہیں ڈرتے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا گیا: اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ مگر انہوں نے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ کہا، اگر آج کے مسلمان بھی یہ سبق سیکھ لیں تو کفار پہ ان کا رعب پڑ سکتا ہے اہل عراق وافغانستان نے کچھ ہمت سے کام لیا ہے تو وہاں امریکی افواج کو جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ اور گزشتہ ہی برس ۲۰۰۶ء میں لبنان میں مٹھی بھر حزب اللہ والوں نے اسرائیل کے دانت کھٹے کر دیئے تھے۔ حالانکہ اس کی فوجی طاقت کا کچھ اندازہ نہیں۔

یہاں سے خوفِ خدا کی اہمیت بھی معلوم ہوئی۔ اس لیے کہ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ سے خوفِ خدا کی اہمیت معلوم ہوئی کہ یہی جذبہ مٹھی بھر جماعتوں کو بڑے لشکروں سے ٹکراتا اور انہیں غالب کرتا ہے اور یہی جذبہ فقیروں کو بادشاہوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمۂ حق کہنے کا حوصلہ دیتا ہے۔

یہ بھی پتہ چلا کہ مسلمانوں کو کفار سے ڈرانے والا شیطان ہے۔ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ سے معلوم ہوا جو شخص مسلمانوں کو کفار کی طاقت سے ڈرا کر انہیں جہاد سے روکے وہ شیطان ہی ہو سکتا ہے۔ دورِ حاضر کے اکثر مسلم حکمران مرزا قادیانی کی تعلیم اپنا کر یہی کچھ کر رہے ہیں۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ
اور آپ کو وہ لوگ غمزدہ نہ کریں جو بڑھ چڑھ کر کفر کرتے ہیں، بے شک وہ اللہ (کے دین) کا کچھ نقصان
شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِى الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
نہیں کر سکتے اللہ چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے بڑا
عَظِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ
عذاب ہے۔ [232] بے شک جو لوگ ایمان بیچ کر کفر خریدتے ہیں وہ اللہ (کے دین) کا ہرگز کوئی نقصان
شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝
نہیں کر سکتے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔[233]

کفار و منافقین کے بارہ میں خدائی تہدید

[232] منافقین نے احد میں جو کردار ادا کیا نبی اکرم ﷺ کو اس سے بہت صدمہ ہوا اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کو یہ آیات اتاریں اور فرمایا آپ کفار کی ان حرکتوں پر نالاں نہ ہوں یہ اللہ کے دین کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تاہم اللہ ان کی آخرت بگاڑ کر رکھ دے گا۔

[233] اور اللہ ان کی آخرت کیوں برباد کرنا چاہتا ہے اس لئے کہ انہوں نے حق واضح ہو جانے کے باوجود ایمان دے کر کفر خرید لیا تو اللہ نے ان کے لئے آخرت کے عَذَابٌ اَلِيْمٌ کی سزا لکھ دی لہٰذا وہ اللہ کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ

اور کفر کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ ہم جو انہیں ڈھیل دیتے ہیں وہ ان کے لیے بہتر ہے ہم تو انہیں

لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ

اس لیے ڈھیل دیتے ہیں تا کہ وہ اپنے گناہ میں بڑھ جائیں اور ان کے لیے ذلت آمیز عذاب ہے۔[234] اللہ کی یہ شان نہیں کہ

الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا

مؤمنوں کو اسی حال پہ چھوڑ دے جس پہ تم اس وقت ہو، تا آنکہ وہ برے لوگوں کو اچھے لوگوں سے ممتاز کر دے۔[235] اور نہ ہی

كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ

اللہ تمہیں غیب پر مطلع کرنے والا ہے، بلکہ اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے اسے (علم غیب کے لیے)

يَّشَآءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

چن لیتا ہے۔[236] تو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور تقویٰ کرو گے تو تمہارے لیے اجر عظیم ہے

[234] کفار کو احد میں جو بظاہر کامیابی ملی۔ اس پر وہ بہت خوش تھے اور منافقین مدینہ کی زبانیں بھی اسلام و مسلمین کے خلاف لمبی ہو گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جواب دیا کہ کفار کو ہمارا ڈھیل دینا اس لئے ہے تا کہ وہ اپنی سرکشی میں جتنا بڑھ سکتے ہیں بڑھ لیں پھر ان کے لئے ذلت آمیز عذاب جہنم تیار ہے۔ لہٰذا وہ ہمارے ڈھیل دینے کو اپنے لئے بہتر نہ سمجھیں۔

شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کفار و منافقین کی حرکتوں سے قلب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب بھی تکلیف پہنچتی اللہ رب العزت قرآن مجید اتار کر آپ کو تسلی عطا فرماتا، جیسے یہاں فرمایا: وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ کہیں فرمایا: وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ (یونس:۶۵) اس سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ محبوبی ظاہر ہوتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کو آپ کا کسی تکلیف میں پڑنا گوارا نہیں۔ اسی لیے قرآن کریم کو ایک بار اکٹھا نہ اتارا گیا بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا اس میں یہ بات بھی شامل تھی کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب مبارک کفار کی ایذاء سے پریشان ہوتا اللہ تعالیٰ فوراً قرآن مبارک نازل کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غم دور فرما دیتا، اگر قرآن کریم سارا اکٹھا اتار دیا جاتا تو یہ بات نہ بن سکتی۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بڑا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کے لیے نازل

کیا گیا اور آپ کے ساتھیوں کی ہمت افزائی کے لیے اتارا گیا۔ اسی سورہ آل عمران کو (لے لیجئے) اس میں غزوہ احد کا کثرت سے ذکر ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو احد میں جو تکلیف آئی اللہ نے ان کے اس غم کے ازالہ کے لیے اس سورت کا اکثر حصہ نازل فرمایا، اسی سلسلہ میں فرمایا گیا وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ ''کمزور نہ پڑو، اور غم نہ کرو، اور اگر تم (مخلص) مومن ہو تو تم ہی کامیاب ہو۔'' (آل عمران، ۱۳۹)

گمراہ فرقوں کا پھلنا پھولنا ان کے لئے دلیل صداقت نہیں

اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کفار کی رسی بسا اوقات دراز کر دیتا ہے تاکہ وہ اپنی سرکشی میں جتنا بڑھ سکتے ہیں بڑھ لیں۔ آج مرزائی لوگ اور دوسرے گمراہ فرقے اپنے پھلنے پھولنے کو اپنے لئے دلیلِ صداقت کے طور پر پیش کرتے ہیں حالانکہ یہ ان کا سامان ہلاکت ہے مگر وہ سمجھتے نہیں ہیں۔

[235] یعنی اے مومنو! تم پر احد میں جو تکالیف آئیں وہ ہمیشہ رہنے والی نہیں ہیں مگر یہ صرف اس لئے واقع ہوئیں تاکہ اللہ تعالیٰ خبیث اور طیب یعنی منافقین اور مؤمنین کے درمیان تمیز کر دے۔ چنانچہ اکثر منافقین جنگ احد سے قبل راستہ ہی سے مڑ گئے اور جو تین چار منافقین جنگ میں گئے وہ ذرا سی تکلیف آنے پر کھل کر کفر بکنے لگے۔ وہ کہنے لگے: لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ (آل عمران: ۱۵۴)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب پر منافقین کا اعتراض کرنا

[236] یعنی اے مومنو! اللہ تمہیں غیب پر مطلع فرمانے والا نہیں ہے کہ وہ تم پر وحی اتار کر تمہیں غیب کی خبریں دینے لگے نہیں بلکہ یہ رسولوں کی شان ہے کہ اللہ ان میں سے جسے چاہے بذریعہ وحی غیب پر مطلع فرماتا ہے۔ اس کا شانِ نزول امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سدی (تابعی) رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری ساری امت پیش کی گئی اور میں نے پہچان لیا کہ کون مجھ پر (تاقیامت) ایمان لائے گا، کون کفر کرے گا، منافقین کو یہ بات پہنچی تو کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کے جاننے کا دعویٰ کر رہے ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے، جبکہ ہم عرصہ سے ان کے ساتھ ہیں اور وہ ہمیں تو نہ جان سکے۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منافقین کی یہ بات پہنچی تو آپ منبر پر تشریف لائے اور حمد وثناء کے بعد فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ہمارے علم کے بارہ میں باتیں کرتے ہیں، خدا کی قسم! آج تم قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کے بارہ میں جو بھی مجھ سے پوچھو گے میں تمہیں اس کی خبر دوں گا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرا باپ کون ہے (ان کی نسب پر اعتراض کیا جاتا تھا) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تمہارا باپ حذافہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اللہ کے رب ہونے اسلام کے دین ہونے قرآن کے کتاب اللہ ہونے اور آپ کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔

آپ ہم سے درگزر فرمائیں، اللہ آپ کو عظمت دے۔ نبی اکرم ﷺ نے (منافقین سے) فرمایا کیا تم باز آؤ گے، پھر حضور سرکار دو عالم ﷺ منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ اتاری: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطۡلِعَكُمۡ عَلَى الۡغَيۡبِ۔ الخ (تفسیر بغوی جلد ا صفحہ ۴۵۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

رسول اللہ ﷺ کا علم غیب

اس آیتِ مبارکہ کے شانِ نزول سے پتہ چلا کہ حضور نبی اکرم ﷺ قیامت تک آنے والے ہر شخص کے ایمان یا کفر سے واقف ہیں، یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے علم غیب پر اعتراض کرنا منافقین کا طریقہ ہے۔ اس آیت کا مضمون اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا: عٰلِمُ الۡغَيۡبِ فَلَا يُظۡهِرُ عَلٰى غَيۡبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰى مِنۡ رَّسُوۡلٍ
''خدائے غیب داں اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر جس رسول پر وہ راضی ہوا سے مطلع کرتا ہے۔'' (جن:۲۶)

وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ بِمَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ هُوَ خَيۡرًا لَّهُمۡ ؕ

اور وہ لوگ یہ گمان مت کریں جو اس چیز میں بخل کرتے ہیں جو انہیں اللہ نے اپنے فضل سے دی کہ یہ بخل ان کے لیے بہتر ہے

بَلۡ هُوَ شَرٌّ لَّهُمۡ ؕ سَيُطَوَّقُوۡنَ مَا بَخِلُوۡا بِهٖ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيۡرَاثُ

نہیں بلکہ یہ ان کے لیے بہت برا ہے عنقریب وہ چیز ان کے گلے میں ڈال دی جائے گی جس میں وہ بخل کرتے تھے قیامت میں۔ [237] اور اللہ

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع

ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی وراثت ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ [238]

[237] یعنی اے مومنو! چونکہ بدر واحد میں جنگ لڑنے کے لئے مال کی ضرورت لاحق ہوئی لہٰذا راہِ حق میں جہاد اور دیگر نیک کاموں میں مال خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لو اور جو لوگ ان کاموں میں بخل کریں وہ مت سمجھیں کہ ان کا یہ بخل انہیں فائدہ دے گا، نہیں، بلکہ یہ ان کے لئے زہر قاتل ہے روزِ قیامت ان کا یہ مال ان کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے جس مال سے زکوٰۃ نہ دی جائے وہ گنجے سانپ کی شکل میں روزِ قیامت لایا جائے گا اور زکوٰۃ نہ دینے والے کے گلے میں ڈال دیا جائے گا تو وہ اس کے منہ کو اپنے جبڑوں میں دبا لے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں پھر نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت مبارکہ پڑھی: وَالَّذِيۡنَ يَكۡنِزُوۡنَ الذَّهَبَ وَالۡفِضَّةَ وَلَا يُنۡفِقُوۡنَهَا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۳۴﴾ (بخاری کتاب التفسیر سورہ آل عمران باب ۱۴)

[238]۔ یعنی ہر چیز کا اصل مالک اللہ ہے اور ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی دی ہوئی امانت ہے لہٰذا ہمیں چاہیے کہ خدا کے دیئے ہوئے مال کو اس کی امانت سمجھ کر وہاں خرچ کریں جہاں اللہ چاہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ

تحقیق اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے کہا بے شک اللہ محتاج ہے اور ہم مالدار۔

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ

ہم لکھ لیں گے جو انہوں نے کہا اور ان کا انبیاء کو ناحق قتل کرنا بھی اور ہم کہیں گے آگ کا عذاب

الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ ج

چکھو۔ یہ اس عمل کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھ کر چکے اور بے شک اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔ [239]

شانِ خداوندی میں یہود کی گستاخی اور ان کا قتلِ انبیاء

[239] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہود کے ایک مدرسہ میں گئے، ان کا بڑا عالم فنحاص بن عازوراوہاں موجود تھا انہوں نے اسے دعوتِ اسلام دی، اس نے کہا ہم تو اللہ کے محتاج نہیں وہ ہمارا محتاج ہے۔ اگر محتاج نہ ہوتا تو ہم سے قرض نہ مانگتا (دراصل اس نے قرآن کی اس آیت مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یعنی ''کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے۔'' (بقرہ:۲۴۵) پر اعتراض کیا)، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ سن کر غصے میں آگئے اور فنحاص کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کر دیا اور کہا اگر ہمارے تمہارے درمیان عہد نہ ہوتا تو اے دشمن خدا میں تیری گردن اتار دیتا۔

وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا زناٹے دار تھپڑ کھا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور شکایت کی۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بلا کا ماجریٰ پوچھا انہوں نے ساری بات سنائی۔ فنحاص کہنے لگا میں نے تو اللہ کے بارہ میں ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ اتاری اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا الخ (ابن جریر طبری جلد ۴، صفحہ ۱۳۲ مطبوعہ مکہ مکرمہ)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے اللہ کو فقیر اور خود کو مالدار کہنے والوں کی بات سن لی ہے۔ اب وہ انکار نہ کریں ہمارے فرشتے ان کی بات لکھ لیں گے۔ اور یہی نہیں اس سے قبل یہ یہود جس طرح انبیاء کو قتل کرتے رہے وہ بھی ہمارے فرشتے لکھتے رہے ہیں، اب ہم انہیں عذابِ جہنم میں جلائیں گے۔ یہ ان کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے جبکہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم فرمانے والا نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی غیرت ایمانی

پتہ چلا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قلبِ مبارک میں اس طرح کی غیرت ایمانی تھی کہ شانِ خدا میں یہود کا بکواس سن نہ سکے اور بھری محفل میں ان کے امام کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔ ان کی اس جرأت ایمانی و غیرت دینی کو شیعہ مفسرین نے بھی لکھا ہے۔ چنانچہ شیعہ مفسر فضل بن حسن طبرسی اس آیت کے تحت لکھتا ہے،

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر کو یہود بنو قینقاع کی طرف بھیجا کہ انہیں نماز و زکوٰۃ کی دعوت دیں، ان کے عالم فنحاص نے کہا اگر اللہ قرض مانگتا ہے تو وہ فقیر ہوا اور ہم مالدار **فَغَضِبَ اَبُوْبَكْرٍ وَ ضَرَبَ وَجْهَهٗ** ابوبکر غصہ میں آئے اور اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا تب یہ آیت اتری۔ (تفسیر مجمع البیان جلد اول صفحہ ۵۴۸ مطبوعہ تہران)

اس کے باوجود اگر موجودہ اہلِ تشیع حضرات ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان پر اعتراض کریں تو سمجھو وہ خود ایمان سے خالی ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے آسمان سے بصورتِ قرآن گواہی اتری

جب فنحاص یہودی نے انکار کیا کہ اس نے شانِ خداوندی میں کوئی گستاخی نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق میں یہ آیت مبارکہ اتاری اسی طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی سیدہ عائشہ صدیقہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا پر منافقین نے تہمت رکھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی پاکدامنی پر سورہ نور کی اٹھارہ آیات نازل فرمائیں گویا یہ سارا گھرانہ ہی اللہ رب العزت کا محبوب ہے۔

تنقید برائے تنقید شیوۂ یہود ہے

یہود جانتے تھے اللہ کے ارشاد **مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا** کہ اللہ کو قرضِ حسن کون دیتا ہے، کا کیا معنی ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے اس پر اعتراض کیا۔ اسے تنقید برائے تنقید کہتے ہیں۔ پتہ چلا یہ یہود کا طریقہ ہے۔ مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے۔ اللہ کو قرض حسن دینے کا یہ معنی ہے کہ اللہ کے نام پر صدقہ و خیرات کیا جائے، یہ ایسے ہے جیسے اللہ کو قرض دیدیا کہ اللہ تعالیٰ اس کی جزا ضرور دے گا جیسے قرض لوٹایا جاتا ہے، یا اسکا یہ معنی ہے کہ اللہ رب العزت کے کسی مجبور بندے کو قرض دیا جائے، یہ ایسے ہے جیسے اللہ کو قرض دیا یعنی اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا پالی، یہود یہ معنی سمجھتے تھے پھر بھی انہوں نے اسے مسلمانوں پہ بطورِ طعن پیش کیا، تو اسکا جواب وہی تھا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیا، لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے لاتوں سے ہی مانتے ہیں۔

گناہ پہ رضا گناہ ہے اور کفر پہ رضا کفر ہے

اللہ تعالیٰ کو فقیر کہنا یہودی عالم فنحاص کی طرف سے تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اسے یہود کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ م یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات سن لی جو اللہ کو فقیر اور خود کو غنی کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر چہ یہ گستاخانہ بات ایک ہی شخص نے کہی مگر یہودی قوم نے اسے سن کر اسے برداشت کیا، اسے پھر بھی اپنا مذہبی راہنما جانا، انہیں چاہیے کہ جیسے ہی فخاص یہودی نے یہ بکواس کیا تھا، اسے مذہبی امامت سے الگ کر دیتے مگر انہوں نے ایسا کرنے کی بجائے اس کا ساتھ دیا اور نبی اکرم ﷺ کے پاس اس کے حق میں کیس لیکر آئے۔

اس میں ہم مسلمانوں کے لیے یہ درسِ ہدایت ہے کہ جو شخص گمراہی کی بات کہے خواہ وہ کتنا ہی بڑا عالم ہو اس سے لاتعلقی کا اعلان کیا جائے اور اسے منصبِ امامت پہ فائز نہ چھوڑا جائے، ورنہ سب مسلمان اس کی گمراہی یا گستاخانہ قول میں برابر کے شریک ہو جائیں گے۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ
جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم سے عہد لیا تھا کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں تا آنکہ وہ ہمارے پاس قربانی لائے
تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ
جسے آگ کھا لے۔ [240] آپ فرمائیں تحقیق تمہارے پاس مجھ سے قبل بہت سے رسول واضح معجزات لائے اور وہ
قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ
(قربانی بھی) جو تم کہتے ہو پھر تم نے انہیں کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو۔ [241] پھر اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو
كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾
آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے جو واضح نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے۔ [242]

یہود کی اسلام دشمنی اور اللہ کی انہیں تنبیہ

[240] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک بار کعب بن اشرف، فخاص بن عازورا (یہ وہی ہے جس نے کہا تھا کہ اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے تھپڑ کھایا تھا)، کعب بن اسد اور دیگر یہودی لیڈر نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے، کہنے لگے اے محمد! اللہ نے ہم سے تورات میں عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ایسی قربانی پیش نہ کرے جسے آسمان سے آگ اتر کر کھا جائے۔ اور اس آگ کی ہلکی سی آواز ہونی چاہیے۔ اگر

آپ ایسی قربانی پیش کر دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ تب یہ آیت مبارکہ اتری۔ (تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۴۴۹)
حالانکہ یہود نے یہ من گھڑت بات کہی تھی ان کا مقصد حضور ﷺ کو جھٹلانا اور یہودی عوام کو اسلام سے دور رکھنا تھا۔ ورنہ تورات میں ایسی کوئی بات نہیں لکھی، خود صاحب تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ایسی کوئی قربانی پیش نہیں کی تھی۔ اگر یہود نے ایمان لانا ہوتا تو حضور سرور کائنات ﷺ نے انہیں بیسیوں معجزات دکھائے تھے، مگر وہ ایمان نہ لائے اب اگر انہیں ایسی قربانی پیش کی جاتی جسے آسمانی آگ آ کر کھا جاتی تو بھی وہ ایمان نہ لاتے بلکہ کوئی اور معجزہ طلب کرنے لگتے۔

[241] تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نبی (ﷺ) آپ یہود سے فرمائیں اے یہود! تمہارے پاس مجھ سے قبل کئی انبیاء کرام معجزات لے کر آئے اور وہ قربانی بھی لے کر آئے جو تم کہتے ہو پھر تم نے انہیں کیوں قتل کیا معلوم ہوا ایسی نشانیاں طلب کرنے سے تمہارا مقصد ایمان لانا نہیں بلکہ کج بحثی کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام علیہم السلام پر جھوٹ باندھنا کارِ یہود ہے

یہود نے اپنی طرف سے کہہ دیا کہ اللہ نے تورات میں ہم سے عہد لیا ہے کہ ایسے رسول پر ایمان نہ لائیں جو سوختنی قربانی پیش نہ کرے۔ اللہ رب العزت نے یہود کے اس افتراء پر ان پر پھٹکار ڈالی۔

اسی لئے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''جس نے میری طرف جھوٹی حدیث منسوب کی اس نے جہنم میں اپنا ٹھکانہ تیار کر لیا۔'' (بخاری کتاب العلم باب ۳۸) یہ حدیث محققین کے نزدیک چالیس سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے جن میں تمام عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔

یاد رہے موضوع حدیثوں کی بنیاد پر کئی گمراہ فرقے وجود میں آئے اور مسلمانوں میں افتراق پیدا ہوا۔ ''الصواعق المحرقہ'' میں امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص مرتے ہوئے زار زار رو رہا تھا، جب وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا: میں نے اپنی زندگی میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں تین سو جھوٹی حدیثیں اپنی طرف سے گھڑ کر لوگوں میں پھیلا دی ہیں اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا ہے، ان میں سے اکثر خود مجھے بھول گئی ہیں کہ وہ کون کونسی ہیں اور نہ ہی یہ یاد ہے کہ میں نے کس کس کو بتائی ہیں، پتہ نہیں میرا کیا انجام ہوگا۔

یاد رہے موضوع حدیث کا مضمون خواہ قرآن وسنت کے مطابق اور بہت خوبصورت ہو بہر حال اسکا پڑھنا سننا حرام ہے، کیونکہ اس سے وضع حدیث کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

انبیاء کی طرف جھوٹے معجزات منسوب کرنا بھی یہود کا کام ہے

سوختنی قربانی کا معجزہ یہود نے ہر نبی کی طرف منسوب کیا کہ اس کے بغیر کوئی نبی نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کیا۔ معلوم ہوا انبیاء کی طرف جھوٹے معجزات منسوب کرنا گناہ ہے، آج کئی مجمع باز واعظین لوگوں کو ایسے معجزات سناتے

ہیں جو کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں ہیں یہ سخت گناہ ہے، جب سچے معجزات کی کمی نہیں تو جھوٹے معجزات سنا کر ایمان ضائع کرنے کی کیا پڑی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا وہ جہنم میں اپنی جگہ پکی سمجھے۔ (بخاری و مسلم)

واقعۂ معراج میں بتایا جاتا ہے کہ جبریل امین علیہ السلام نے اپنے کافوری ہونٹوں سے حضور سرور کونین ﷺ کے تلوے چوم کر آپ کو بیدار کیا، میں نے واقعۂ معراج کو بیشتر کتب معتبرہ میں دیکھا ہے، تمام صحاح ستہ کو دیکھا ہے، اور کثیر مسانید وسنن کو کھنگھالا ہے مجھے یہ واقعہ کسی ضعیف سے ضعیف حدیث میں بھی نہیں ملا اور میں نے بہت سے علماء سے بھی پوچھا، مگر کسی کو کچھ علم نہیں ہے، بس کسی واعظ نے یہ ہوائی اڑا دی ہے اور اب اسے ہر واعظ بڑے شد و مد سے بیان کر رہا ہے اور بلا تحقیق رسول اللہ ﷺ کی طرف کوئی واقعہ یا معجزہ منسوب کرنا حضور سید عالم ﷺ پہ افتراء کے مترادف ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ نبوت کا اثبات کسی خاص معجزہ پر موقوف نہیں۔ چنانچہ جب یہود نے سوختنی قربانی پر نبوت کا اثبات موقوف کر دیا تو قرآن حکیم نے اس کی تردید کی۔ معلوم ہوا اللہ اپنے نبی کو جو چاہے معجزہ عطا فرمادے۔

[242] اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو تسلی دے رہا ہے کہ آپ کا دل یہود کی مسلسل تکذیب سے پریشان نہ ہو۔ آپ سے قبل رسولانِ گرامی واضح معجزات، صحائف اور روشن کتاب جیسے تورات وانجیل و زبور لے کر آئے مگر انہیں جھٹلایا گیا یہ کوئی نئی بات نہیں جب آپ نے حق تبلیغ ادا کر دیا ہے تو آپ بریٔ الذمہ ہیں۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ

ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور بہرصورت تمہیں روز قیامت پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ [243] تو جو

زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا

آدمی دوزخ سے دور کر کے جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی کچھ نہیں سوا

مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ قف وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ

سامانِ فریب کے۔ [244] اے مسلمانو! تمہارے مالوں اور تمہاری جانوں میں تمہیں ضرور آزمایا جائے گا اور ان

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ

لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور شرک کرنے والوں سے تم ضرور بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔ [245]

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرو تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔ [246]

[243] اللہ رب العزت دشمنانِ اسلام کو عذابِ آخرت سے ڈرا رہا ہے تا کہ وہ موت سے قبل توبہ کر کے ایمان لے آئیں اور دوزخ کے دائمی عذاب سے بچ جائیں، تو فرمایا کہ ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے جو کسی بھی وقت چکھ سکتی ہے پھر موت کے بعد اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا یعنی کسی کے اجر میں کمی نہیں کی جائے گی اور کسی کو گناہ سے زائد عذاب نہ ہو گا ہاں اگر اللہ اپنی رحمت سے کسی کے اجر میں اضافہ یا عذاب میں کمی کر دے تو یہ اس کی رحمت ہے اور جو شخص دوزخ کے دائمی عذاب سے بچ کر جنت میں داخل ہو گیا خواہ جنت کے ادنیٰ تر درجہ میں پہنچا اس نے بہرحال بڑی کامیابی پالی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''جنت میں ایک لاٹھی رکھنے کی جگہ کامل جانا دنیا اور اس کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہے اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ'' (بخاری کتاب الجہاد)

موت کی تیاری لازم ہے

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ سے معلوم ہوا کہ موت سر پہ کھڑی ہے اور ہم اس سے قطعی غافل ہیں، تنبیہ الغافلین میں امام ابو لیث سمرقندی نے ایک بزرگ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے: مجھے انسانوں کی تین حالتوں پہ سخت تعجب ہے، اول۔ ہر انسان کہتا ہے کہ اسے مرنا ہے مگر کوئی شخص موت کی تیاری نہیں کر رہا، دوم۔ لوگ کہتے ہیں کہ رزق اللہ کے

ہاتھ میں ہے، مگر وہ اللہ کے دیے ہوئے پر قانع نہیں ہیں، سوم۔لوگ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے ہیں مگر ان کا معاملہ اللہ کے ساتھ بندوں والا نہیں ہے۔ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:اِغتَنِمْ خمساً قبلَ خمسٍ، ''پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے قبل غنیمت شمار کرلو، تونگری کو فقر سے پہلے،صحت کو بیماری سے پہلے، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، عافیت کو مصیبت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔'' (ترمذی کتاب احوال القیامہ)

[244] امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دنیا پودوں کی سرسبزی اور بچوں کے کھلونوں کی طرح ہے کہ دونوں ناپائدار ہیں، یاد رہے دنیا وہ منحوس عورت ہے جس نے یکے بعد دیگرے کئی شوہر کئے اور سب کو مارا۔ یہ پہلے اوروں کے پاس تھی پھر ہمارے پاس آئی پھر اگلے لوگوں کے پاس چلی جائے گی۔اس سے محبت کرنے والا بہت ہی احمق انسان ہے،صوفیاء فرماتے ہیں دنیا کی مثال دجال کی دونہروں کی طرح ہے، دجال کی آگ والی نہر اصل میں پانی ہوگا اور پانی والی نہر اصل میں آگ ہوگی، یونہی دنیا کی راحت اصل میں تکلیف ہے اور تکلیف اصل میں راحت،تو دانا وہ ہے جو دنیا کی راحتوں میں نہ پڑے۔

[245] انسان کے مال میں کمی کردی جاتی ہے کاروبار بیٹھ جاتا ہے یوں اسے آزمایا جاتا ہے کہ وہ صبر کرتا ہے یانہیں اور بعض کو زیادہ مال دے کر آزمایا جاتا ہے کہ وہ خدا کو یادرکھتے ہیں یانہیں اور کسی حاجت مند کی تکلیف کا احساس کرتے ہیں یانہیں یہ مالوں میں آزمایا جانا ہے اور جانوں میں آزمایا جانا یہ ہے کہ بیماریاں گھیر لیتی ہیں، جان سے پیارے قریبی عزیز اٹھا لیے جاتے ہیں ایسے میں اللہ رب العزت بندے کا صبر آزماتا ہے۔اسی طرح نماز، روزہ اور حج اور جہاد جیسی عبادات بھی جان کی آزمائش ہیں کہ بندہ اللہ کے لئے اپنی جان پہ تکلیف اٹھانا گوارا کرتا ہے یانہیں۔آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہیں اہل کتاب اور مشرکین سے کئی تکلیف دہ باتیں سننا پڑیں گی جیسے ابھی گزرا کہ یہود نے کہا اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار،صحیح بخاری میں ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی کے بارہ میں نازل ہوئی ایک بار اس نامراد نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر منہ پر کپڑا رکھ لیا اور کہا آپ اپنے خچر کے غبار سے ہماری مجالس کو خراب نہ کیا کریں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے پکڑنا چاہا مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روک دیا۔

[246] اے مسلمانو!اگر تم کفار کی ایذاؤں پر صبر وتقویٰ سے کام لو تو یہ بڑا باہمت کام ہے یعنی اگر وہ اللہ ورسول کو برا کہیں تو بدلے میں تمہیں ان کے رسولوں کو بُرا کہنے سے باز رہنا چاہئے کیونکہ ہر رسول کا احترام لازم ہے،اسی طرح اگر وہ تمہیں گالی گلوچ کریں تو بدلے میں انہیں گالی گلوچ نہیں کرنا چاہیے، یہی صبر وتقویٰ ہے۔اسی طرح مالی اور جانی صدمات پر صبر وتقویٰ بھی اللہ کے ہاں عظیم درجے کی بات ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا
اور یاد کرو جب اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ لیا جنہیں کتاب دی گئی کہ تم ضرور اسے لوگوں پر بیان کرو گے اور اسے
تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا
چھپاؤ گے نہیں، تو انہوں نے یہ وعدہ اپنی پشت پیچھے پھینک دیا اور اس کے عوض (دنیا کی) تھوڑی پونجی خریدی تو وہ کیا ہی بری چیز
يَشْتَرُوْنَ ۝۱۸۷ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا
خریدتے ہیں۔ [247] تم مت گمان کرو کہ جو لوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کام پر ان کی تعریف
بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
کی جائے جو انہوں نے نہیں کیا تم انہیں عذاب سے نجات پانے والے مت گمان کرو ان کے لیے دردناک
اَلِيْمٌ ۝۱۸۸ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۸۹ ع
عذاب ہے [248] اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ [249]

ع ۱۹ ۱۰

[247] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کو حکم دیا تھا کہ وہ نبی امی کی اتباع کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ بتایا تھا اور انہیں کہا تھا کہ وہ آپ کی صفات لوگوں کو بتائیں انہیں چھپائیں نہیں، مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو اہلِ کتاب نے یہ عہدِ الٰہی پس پشت ڈال دیا۔ انہیں مال دنیا کا لالچ تھا۔ ان کے علماء کو ڈر تھا کہ اگر ان کے عوام مسلمان ہو گئے تو ان کے نذرانے ختم ہو جائیں گے انہوں نے نذرانے نہ چھوڑے اور اللہ کا حکم چھوڑ دیا اور اس کا عہد توڑ دیا۔

وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ سے معلوم ہوا کہ علم کا چھپانا سخت گناہ ہے۔ جب کسی عالم سے شرعی مسئلہ پوچھا جائے تو اس پر اس کا بتانا لازم ہے اگر وہ جان بوجھ کر اسے چھپائے تو حدیث کے مطابق اسے آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔

[248] حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بیٹے حمید بن عبدالرحمن روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود سے کوئی بات پوچھی انہوں نے وہ چھپا دی اور اس کی جگہ کچھ اور بتا دیا اس طرح انہوں نے ظاہر کیا کہ انہوں نے درست جواب دیا ہے اور چاہا کہ آپ انہیں سراہیں تب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی (بخاری و مسلم) بخاری و مسلم ہی میں ہے کہ یہ آیت منافقین کے لئے اتری، جب وہ کسی غزوہ میں شریک جہاد نہ ہوتے تو پھر معذرت کے

لئے آتے اور اپنا اخلاص ظاہر کر کے چاہتے کہ ان کے اخلاص کی تعریف کی جائے، ممکن ہے دونوں کے بارہ میں یہ آیت اتری ہو۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو لوگ اپنے کئے پہ خوش ہوتے ہیں یعنی اپنی نیکیوں پہ اپنی تعریف چاہتے ہیں یا وہ لوگ جو اپنی نا کردہ نیکیوں کا سہرا اپنے ماتھے سجا کر اپنی جھوٹی تعریف کے طلبگار ہوتے ہیں ایسے لوگوں کو عذاب سے بچنے والے مت سمجھو۔

دکھاوے کا عمل برباد ہے

يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا سے پتہ چلا کہ اپنے عمل پہ اترانے والا عذاب کا مستحق ہے گویا دکھاوے کی نیکی حقیقت میں برائی ہے اللہ بچائے۔ ایک طویل حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ”روزِ قیامت سب سے پہلے ایک شہرت پسند قاری، ایک تعریف کے خواہاں سخی اور ایک منقبت پرست شہید کو لایا جائے گا اور فرشتوں سے کہا جائے گا کہ انہیں منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں پھینک دو۔“ (مسلم)

نا کردہ عمل پر اپنی تعریف چاہنے کی برائی

وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا کے آئینہ میں آج ہم سب کو اپنا منہ دیکھنا چاہئے بہت سے سیاسی لیڈر خود کو ہمدردِ ملت اور خادمِ عوام کہلوانا چاہتے ہیں، آج اکثر پیرانِ عظام کو خود کو راہبرِ شریعت اور شیخ المشائخ کہلوانا پسند ہے اور علماء کو خطیبِ اعظم اور مبلغِ اسلام کے القاب سے دلچسپی ہے حالانکہ وہ حقیقت میں ایسے نہیں ہیں اس کا عذاب بہت سخت ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کو عذاب سے بچنے والا مت سمجھو، آخر میں فرمایا: وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔

آج ہم ان کاموں پہ تو اپنی تعریف چاہتے ہی ہیں جو ہم نے کیے ہیں، حالانکہ وہ بھی درست نہیں ہے۔ مومن کو اپنی کسی نیکی پہ ستائش کی خواہش نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ دکھاوا اور ریاکاری ہے، جو کام ہم نے اللہ کی رضا کے لیے اپنی عاقبت کے سنوارنے کی خاطر کیا ہے اس پہ اپنی تعریف و توصیف کے سننے کی خواہش کا کیا معنی؟ مگر حد تو یہ ہے کہ ہم اپنی مدح سرائی کے اس قدر رسیا ہیں کہ جو کام ہم نے نہیں کیے ہم ان پہ بھی اپنی تعریف سننا چاہتے ہیں سیاسی لیڈرز ہر بات کا کریڈٹ لینا چاہتے ہیں، ان کی خواہش ہے کہ ہر نیکی ان کے کھاتے میں ڈال دی جائے۔ ایسے سب لوگوں کو اللہ کی آیت مبارکہ فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ کی خدائی وعید سے ڈرنا چاہیے۔

[249] یعنی اللہ کی حدود کو توڑ کر کوئی اس کی پکڑ سے نکل نہیں سکتا کیونکہ آسمان و زمین کی بادشاہی اس کی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ
بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے آنے جانے میں عظیم نشانیاں ہیں
لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ
عقل والوں کے لیے۔ [250] جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہو کر، بیٹھ کر، اور اپنے پہلوؤں پر
وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا
اور وہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں [251] (اور کہتے ہیں کہ) کہ اے ہمارے رب! تو نے یہ (نظام)
بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ
بے کار نہیں بنایا تو پاک ہے تو تو ہمیں عذابِ دوزخ سے محفوظ فرما۔ [252] اے ہمارے رب! بے شک تو جسے
فَقَدۡ اَخۡزَیۡتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۱۹۲﴾
دوزخ میں داخل کرے اسے تو نے رسوا کر دیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ [253]

نظامِ کائنات میں تفکر کرنے والے متقین کی فضیلت

[250] یہاں سے سورہ آل عمران کی آخری دس آیات شروع ہو رہی ہیں۔ اس سورت کا پہلا رکوع صفات الٰہیہ اور دعاؤں پر مشتمل تھا اور آخری رکوع بھی انہی چیزوں پر مشتمل ہے۔ سورہ آل عمران کی یہ آخری دس آیات بڑی فضیلت کی حامل ہیں۔ نبی اکرم ﷺ جب رات کو تہجد کے لئے اٹھتے تو اٹھتے ہی وضوء سے قبل ان دس آیات کی تلاوت فرماتے، ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک بار حضور سید عالم ﷺ نے ساری رات نماز میں گزار دی اور طویل قیام و رکوع و سجود کیا اور مسلسل روتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ کا سارا سینہ آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ میں نے عرض کیا آپ کو کیا چیز اتنا رلا رہی ہے؟ آپ نے فرمایا کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں اور میں کیوں نہ ایسا کروں جبکہ آج رات مجھ پر یہ آیات اتری ہیں پھر حضور ﷺ نے یہ آیات پڑھیں: اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ.. الخ پھر فرمایا اس شخص پہ افسوس ہے جو ان آیات کو پڑھے اور ان میں غور وفکر نہ کرے۔ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۴۰۹)

یعنی ان آیات میں دعوت دی گئی ہے کہ کائنات ارضی وسماوی میں انسان کو غور کرنا چاہئے یہ اتنی بڑی زمین یہ اتنا بڑا آسمان کیسے بنا اور یہ دن رات کا نظام کیسے چل رہا ہے یقیناً اس کے پیچھے بہت بڑی طاقت کارفرما ہے اور وہی طاقت والا

رب العالمین ہے۔تو عقل والے وہی لوگ ہیں جو اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہی ہماری عبادت کے لائق ہے اور ہم پر لازم ہے کہ اس کی مکمل اطاعت کریں، اس کے سب رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان لائیں اور اس کا ہر حکم پورا کریں۔

معلوم ہوا کہ عقل والے وہی ہیں جو خلق سے خالق تک پہنچیں۔ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ کے الفاظ بتاتے ہیں جو خلق کو دیکھ کر خالق تک پہنچ جائے وہی عاقل ہے اور جو خلق میں کھو گیا اور خالق سے انکار کیا اس کی مت ماری گئی۔ ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

کسی رسول کی دعوت نہ ملنے کی صورت میں بھی توحید کا سوال ہوگا

وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ کے تحت جب ساری کائنات اپنے خالق کا پتہ دے رہی ہے تو علماء فرماتے ہیں اگر کوئی شخص پہاڑ کی چوٹی پہ جیئے اور اسے کسی رسول کی تعلیم نہ پہنچے اس سے بھی روز قیامت ایمان باللہ کا سوال ہوگا۔ (اصول الشاشی فی بحث الامر والنہی)

یہ بھی معلوم ہوا کہ کائنات کی ہر چیز اپنے خالق کا پتہ دے رہی ہے، صرف عقل سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ ایک بڑھیا چرخا کات رہی تھی اس سے کسی عالم نے پوچھا کہ اے بڑھیا! کیا تم نے ساری زندگی چرخا کاتنے ہی میں گزار دی ہے یا خدا کی کچھ معرفت بھی پائی ہے؟ اس نے کہا: مجھے اسی چرخے نے میرے رب کا پتہ دیدیا ہے، وہ اس طرح کہ اگر میں اس چرخے کو نہ چلاؤں تو یہ نہیں چلتا کھڑا رہتا ہے، جب یہ چھوٹا سا چرخا چلائے بغیر نہیں چلتا تو زمین و آسمان کا اتنا بڑا چرخا از خود کیسے چل رہا ہے۔

بڑھیا نے مزید یہ کہا کہ اگر اس چرخے کو دو عورتیں چلانا شروع کر دیں تو اگر دونوں ایک سمت میں چلائیں تو وہ اتنا تیز چلے گا کہ جلدی ٹوٹ جائے گا اور اگر الگ الگ سمت میں چلائیں تو فوراً ہی اس کے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اسے ایک ہی عورت چلائے، اسی طرح اس کائنات کا چلانے والا بھی ایک ہی ہونا چاہیے۔

[251] اس کا ایک معنی یہ ہے کہ کائنات میں غور کرنے والا مومن ہر حال میں کھڑے بیٹھے لیٹے اللہ کو یاد رکھتا ہے نعمت ملنے پر سبحان اللہ کہتا ہے، تعجب آئے تو سبحان اللہ، صدمہ پہنچے تو انا للہ، کسی کی تعریف کرے تو ما شآء اللہ اور شکریہ ادا کرے تو جزاك الله الغرض ہر حالت میں اللہ ہی اللہ پکارتا ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ مومن ہر حال میں نماز پڑھتا ہے۔ ذکر بمعنی نماز ہے جیسے وَذَکَرَ اسۡمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ﴿۱۵﴾ (سورہ اعلیٰ: ۱۵) یعنی مومن اگر کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر، نہیں تو لیٹ کر پڑھتا ہے، نماز چھوڑتا نہیں ہے۔

[252] اہلِ ایمان کائنات ارضی و سماوی میں غور و فکر کرتے ہوئے پکار اٹھتے ہیں اے ہمارے رب! تو نے یہ خوبصورت کائنات بیکار نہیں بنائی۔ تو ہر عیب سے پاک ہے، ہر عجز سے پاک ہے۔ جب تو ہر عجز سے پاک ہے تو کوئی

عیب تجھ سے کیسے ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ہمارے اس ایمان کے عوض تو ہمیں عذاب جہنم سے محفوظ فرما۔ یہ مومنین کی پہلی دعا ہے۔

کائنات میں غور وفکر کی فضیلت

وَيَتَفَكَّرُوۡنَ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ سے کائنات میں غور وفکر کی دعوت دی گئی۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا سب سے افضل عبادت کون سی ہے؟ فرمایا: التفکر والاعتبار یعنی خدا کی قدرتوں میں فکر کر کے عبرت حاصل کرنا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِن قِيَامِ لَيْلَةٍ ایک گھڑی فکر کرنا رات بھر کی عبادت سے افضل ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث مرفوع مروی ہے کہ ''ایک گھڑی غور وفکر ایک برس کی عبادت سے بہتر ہے۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ ''ایک شخص نے اپنی پشت پر لیٹے ہوئے آسمان اور ستاروں میں نظر ڈالی اور کہا میں جان گیا کہ اے اللہ! تو میرا خالق اور رب ہے تو اے میرے رب! میری بخشش فرمادے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف نظر رحمت فرمائی اور اس کی بخشش فرمادی۔'' (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۴۰۹)

قرآن سائنسی انکشافات کی ترغیب دیتا ہے

وَيَتَفَكَّرُوۡنَ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ میں یہ ترغیب بھی ہے کہ انسان ارضی وسماوی حقائق میں غور وفکر کر کے قدرتہائے ربانی تلاش کرے اور یہی سائنس کا موضوع ہے۔ خواہ وہ علمِ فلکیات (ASTRONOMY) ہو، علمِ کیمیا (CHEMISTRY) ہو، علمِ ہندسہ (GEOMETRY) ہو وغیرہ، گویا قرآن کتاب سائنس بھی ہے یہی سبب ہے کہ اس قرآنی ترغیب پر کہ مومنین خلق ارض وسما میں غور کرتے ہیں۔ تاریخ میں مسلم سائنس دانوں نے کئی سائنسی علوم کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ علامہ ابو ریحان البیرونی متوفی ۴۴۰ھ کو علمِ فلکیات کا موجد مانا جاتا ہے اس کے علاوہ اسے علمِ تقسیم الارض کا بھی امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ افسوس! آج غیر مسلم قومیں سائنسی علوم کی طاقت سے ہم پر غالب ہیں اور مسلمان اس قرآنی ہدایت سے اعراض کے سبب ذلیل وخوار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بیکار نہیں بنائی

رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا سے معلوم ہوا اللہ رب العزت نے کوئی چیز بیکار نہیں بنائی حتیٰ کہ سانپ اور کیڑے مکوڑے بھی بیکار نہیں ہیں۔ زہریلے سانپ جس زمین سے گزر جائیں وہاں سے کئی زہریلے موذی جراثیم ختم ہوجاتے ہیں۔

[253] یعنی اے اللہ جسے تو کفر کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل کردے اسے تو نے مکمل رسوا کردیا اسی لئے آگے فرمایا: لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ۔ یعنی کفر وشرک جیسا ظلمِ عظیم کرنے والوں کا قیامت میں کوئی مددگار نہ ہوگا اور وہ دوزخ کی رسوائی سے کبھی نہ نکل سکیں گے، معلوم ہوا روزِ قیامت مومنوں کے کئی مددگار ہوں گے یعنی انہیں انبیاء، اولیاء، شہداء اور دیگر اہلِ تقویٰ اعزہ واقارب کی شفاعت ملے گی۔ یہ مومنین کی دوسری دعا ہے۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا

اے ہمارے رب بیشک ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کے لیے پکارتا تھا کہ اپنے رب کو مانو تو ہم ایمان لے آئے ہمارے رب

فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا

تو ہمارے گناہ معاف فرما ہماری غلطیاں محو فرما اور ہمیں نیکوں کے ساتھ موت دے [254] اے ہمارے رب ہمیں وہ دے جو تو نے

وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعہ وعدہ فرمایا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ فرما۔ [255] بے شک تو اپنے وعدہ کی مخالفت نہیں فرماتا۔ [256]

[254] یہ مومنین کی تیسری دعا ہے۔ اس منادی (ندا کرنے والے) سے رسول اللہ ﷺ مراد ہیں۔ حضور سرورِ کائنات ﷺ نے مبعوث ہو کر اہلِ دنیا کو ایمان کی دعوت دی جو ساری دنیا میں پھیل گئی۔

دلیلِ ختمِ نبوت

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا کی دعا تا قیامت ساری امتِ مسلمہ کے لئے ہے گویا تا قیامت دین کا حقیقی منادی صرف ایک ہے یعنی خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ، آپ کے بعد علماء و مشائخ دین آپ ﷺ کی ندا کو دنیا میں پھیلا رہے ہیں یہ ختم نبوت کا واضح اشارہ ہے یہ بھی پتہ چلا کہ حضور سید عالم ﷺ کی رسالت ساری نسلِ انسانی کے لئے ہے۔ یہاں سے فضیلتِ علماء بھی معلوم ہوئی۔ یہاں سے علماء کا نائبینِ رسول ہونا معلوم ہوا کہ ان کی نداء حقیقت میں نداء مصطفیٰ ﷺ ہے۔

آگے فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا فرمایا گیا، یہ مومنین کی چوتھی دعا ہے یعنی اے ہمارے رب ہمارے کبیرہ وصغیرہ دونوں گناہ معاف کر دے۔ قرآن میں لفظ سیئات کو صغائر کے لئے بولا گیا ہے۔ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ۔ (نساء: 31) آگے وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ فرمایا گیا، یہ مومنین کی پانچویں دعا ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں صالحین کے ساتھ موت دے یعنی ہمیں ان جیسے اعمال عطا فرما تا کہ ہماری موت ان جیسی ہو جائے یا ہمیں مرنے کے بعد جنت میں ان کے درجے میں پہنچا دے۔

[255] یعنی اے اللہ! تو نے انبیاء و رسل کی زبانوں پہ ہم سے اپنی رحمت و بخشش اور قبولِ توبہ کے جو وعدے فرمائے ہیں وہ ہمیں عطا فرما جیسے تو نے اپنے آخری رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان پر ہم سے یہ وعدہ فرمایا ہے: لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾ ''اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بیشک اللہ سب گناہ معاف فرما دیتا ہے بے شک وہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔'' (زمر: ۵۳) اس کا یہ معنی بھی ہے کہ اے اللہ نے

تو اپنے رسولوں کی زبانوں پر ہم سے کفار پر غلبہ کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ پورا فرما اور ہمارے دین کو کفار پر غالب فرما دے جیسے تو نے فرمایا ہے: لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ط ''میں اور میرے رسول ہی غالب آتے ہیں۔'' (مجادلہ، ۲۱)

[256] اگر کہا جائے کہ مومنین کو یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ اے اللہ! تو ہم سے اپنے وعدے پورے فرما کیونکہ تو وعدے کی مخالفت نہیں کرتا۔ جب یہ معلوم ہے کہ اللہ وحدہٗ لا شریک وعدہ کے خلاف نہیں کرتا تو پھر اس دعا کی کیا ضرورت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مومنین دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! تو ہمیں اپنے وعدے کا مستحق بنا دے یعنی اے اللہ! اگر ہم اپنے اعمال میں کوتاہی کے سبب تیرے وعدوں کے مستحق نہیں ہیں تو تو اپنی رحمت سے ہمیں ان کا مستحق کر دے۔ یا یہ معنی ہے کہ تیرے وعدے تو آنے ہی والے ہیں مگر ہمیں انتظار کا صبر نہیں ہے اے اللہ! تو اپنے وعدے جلد پورے فرما دے۔ مفسرین نے اس کے دیگر معانی بھی بیان فرمائے ہیں۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ

تو ان کے رب نے ان کی دعا قبول کر لی (اور فرمایا) کہ میں تم میں سے کسی محنت کرنے والے کی محنت ضائع

اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ

نہیں کرتا۔ [257] خواہ وہ مرد ہو یا عورت، تم آپس میں (عمل کے اعتبار سے) یکساں ہو۔ [258] تو جنہوں نے

دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ

ہجرت کی اور انہیں ان کے گھروں سے نکالا گیا اور میری راہ میں ستایا گیا اور انہوں نے جہاد کیا اور قتل کر دیئے گئے تو میں ضرور ان کے گناہ

وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ

مٹا دوں گا اور انہیں جنتی باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں یہ اللہ کی طرف سے جزاء ہے

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

اور اللہ ہی کے ہاں سب سے اچھی جزاء ہے۔ [259]

[257] یعنی جو شخص بھی نیک عمل کرے اور اس کا مقصد اللہ رب العزت کی رضا ہو نہ کہ دکھاوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اس کا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

اسلام میں عورت کا مقام

اسی لیے فرمایا گیا: مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى، یعنی اللہ کے ہاں اجر وثواب میں مرد وعورت دونوں کا مقام برابر ہے، لہٰذا اسلام پر عورت کی تذلیل کا اعتراض محض غلط اور شر پسندی ہے۔ ہاں بعض دنیوی معاملات اور انتظامی مسائل میں مرد کے کچھ اختیارات عورت سے زیادہ رکھے گئے ہیں اور ان میں عورت ہی کی بھلائی مقصود ہے جیسے نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے، عورت پر مرد کو حاکم بنایا گیا ہے۔ عورت پر پردہ لازم کیا گیا ہے وغیرہ۔

[258] یعنی مرد وعورت دونوں ایک دوسرے سے ہیں ہر مرد کسی عورت کا بیٹا اور ہر عورت کسی باپ کی بیٹی ہے۔ لہٰذا اولادِ آدم ہونے میں دونوں برابر ہیں۔ یا مرد وعورت اعمال میں ایک دوسرے کے مددگار رہیں مرد کا ایمان عورت سے کامل ہوتا ہے اور اس کا ایمان مرد سے قوت پاتا ہے۔

[259] جب اللہ تعالیٰ نے کہا میں کسی عامل کا عمل ضائع نہیں کرتا تو اب چند بڑے اعمال بطور مثال ذکر کئے جارہے ہیں۔ یعنی دین کے لئے ہجرت، ترکِ وطن، راہِ خدا میں تکالیف اٹھانا۔ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرنا اور اس راہ میں جامِ شہادت نوش کرنا اور جو لوگ دین کے لئے یہ قربانیاں دیں اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے میں ان کے گناہ مٹا دوں گا اور انہیں جنت کے اعلیٰ درجات عطا کروں گا۔

غلبۂ دین کے لئے دعا کے ساتھ جہاد کی بھی ضرورت ہے

گزشتہ آیات میں مومنین کی دعائیں ذکر کی گئیں اب دین کے لئے ان کی قربانیاں بتائی جارہی ہیں اس میں یہ درس ہے کہ اہلِ ایمان اللہ کو صرف دعاؤں سے ہی راضی نہیں کرنا چاہتے بلکہ اس کی رضا کے لئے عند الضرورت ہجرت و جہاد سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ آج ہم صرف دعاؤں سے کامیاب ہونا چاہتے ہیں اور جہاد کے لفظ سے ہمیں خوف آتا ہے مگر یوں اللہ رب العزت کی رضا نہیں مل سکتی۔ اس آیت مبارکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت، جہاد، اور ان کی مالی جانی قربانیوں کا نقشہ ہے۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِى الۡبِلَادِؕ ۝۱۹۶ مَتَاعٌ قَلِيۡلٌ قف ثُمَّ مَاۡوٰٮهُمۡ

اے سننے والے! تجھے کافروں کا شہروں میں دندناتے پھرنا دھوکہ میں نہ ڈالے۔[260] یہ تھوڑی سی پونجی ہے پھران کا ٹھکانہ

جَهَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ۝۱۹۷ لٰكِنِ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ

جہنم ہے اور وہ کیا برا بچھونا ہے۔[261] لیکن جولوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لیے جنتی باغ ہیں جن کے نیچے

مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا نُزُلًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ

نہریں چلتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کی طرف سے مہمانی ہے اور جو اللہ کے پاس ہے

خَيۡرٌ لِّلۡاَبۡرَارِ ۝۱۹۸

وہ صالحین کے لیے بہت بہتر ہے۔[262]

[260] ان آیات کے نزول کے وقت کفارِ مکہ اور یہود مدینہ مال دنیا اور تجارت کے اعتبار سے مسلمانوں سے قوی تر تھے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت غرباء پر مشتمل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تسلی دی کہ وہ کفار کی اس عارضی دنیوی شان و شوکت سے کسی دھوکہ میں نہ پڑیں کہ ان پر اللہ مہربان ہے، نہیں بلکہ اللہ وحدہٗ لاشریک نے وقتی طور پر ان کی رسی دراز کی ہے۔ معلوم ہوا آج مسلمانوں کو کفار کے موجودہ عارضی غلبہ سے بددل نہیں ہونا چاہیے۔ یہ عارضی غلبہ ہے پھر اسلام ہی کو دنیا میں غلبہ حاصل ہونے والا ہے۔

[261] کفار کے پاس دولت کی ریل پیل حقیر دنیوی پونجی ہے جو چند روزہ ہے اس کے بعد ان کا دائمی ٹھکانہ جہنم ہے حدیث طیبہ میں ہے ''اگر اللہ کے ہاں دنیا کی کچھ بھی قدر ہوتی تو وہ کفار کو اس میں سے ایک گھونٹ نہ دیتا۔''

[262] یعنی جولوگ اللہ سے ڈرتے ہیں ان کیلئے وہ جنتی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں گویا ہر جنتی کے لئے کئی باغات ہوں گے۔ جیسے فرمایا: وَلِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝۴۶ (الرحمٰن:۴۶) وہاں ان کی مہمانی ہوگی، یہ نہیں کہ انہیں جنت میں قطار میں کھڑے ہوکر قیدیوں یا فوجیوں کی طرح کھانا لینا پڑے گا بلکہ ان کی تواضع مہمانوں کی طرح ہوگی وہ جو چیز تمنا کریں گے خدام فوراً سامنے حاضر کردیں گے۔

وَاِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَمَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ وَمَاۤ اُنۡزِلَ

اور بے شک اہل کتاب میں سے بعض اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور جو تمہاری طرف نازل کیا گیا اور جو ان کی طرف

اِلَيۡهِمۡ خٰشِعِيۡنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشۡتَرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ

نازل کیا گیا اس پر ایمان لاتے ہیں، اللہ سے ڈرتے ہیں، وہ اللہ کی آیات کے عوض تھوڑی سی قیمت نہیں حاصل کرتے انہی لوگوں کے لیے

اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ۝۱۹۹ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا

ان کا اجر ان کے رب کے پاس محفوظ ہے بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ [263] اے ایمان والو!

اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝۲۰۰ ع

صبر سے کام لو اور (باطل کے سامنے) ثابت قدم رہو اور جہاد کی تیاری رکھو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیابی پاؤ۔ [264]

ع ۲۰ / ۱۱

[363] اس سورت میں اکثر اہل کتاب کے باطل نظریات کا رد کیا گیا ہے اور اسلام کے خلاف ان کے شبہات کا جواب دیا جاتا رہا ہے۔ اس لئے اب سورت کے آخر میں ان سے اسلام قبول کرنے کی صورت میں عظیم اجر کا وعدہ فرمایا جا رہا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاہ حبشہ نجاشی کے وصال پر فرمایا آؤ اپنے بھائی کی نماز جنازہ پڑھو تب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار تکبیروں کے ساتھ نجاشی کا جنازہ پڑھایا، منافقین نے کہا دیکھو ایک عیسائی کا جنازہ پڑھ رہے ہیں جسے ہم نے کبھی دیکھا نہیں۔ تب یہ آیت مبارکہ اتری: وَاِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَمَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ الخ
(ابن جریر طبری جلد ۴ صفحہ ۱۴۶ مطبوعہ مکہ)

''یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اہلِ کتاب میں سے کچھ لوگ اللہ پر ایمان لے آتے ہیں''، جیسے نجاشی شاہ حبشہ رضی اللہ عنہ کا حال ہے، گویا اسلام سے قبل اہلِ کتاب کا اللہ کو ماننا مقبول نہیں کیونکہ وہ شرک سے ملوث ہے۔ اللہ کو ماننا یہ ہے کہ اسے اس کی صفات کے مطابق مانا جائے۔ آگے فرمایا اے مومنو! ایسے اہلِ کتاب اس کتاب پر بھی ایمان لے آتے ہیں جو تمہاری طرف اتاری گئی (یعنی قرآن) اور اس کتاب پر بھی جو ان کی طرف اتاری گئی یعنی تورات وغیرہ۔

یاد رہے نجاشی شاہ حبشہ رضی اللہ عنہ اس وقت ایمان لائے جب سن بعثت چھ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گئی اور ان کی زبانی قرآن مجید کی تلاوت سن کر حضرت نجاشی زار زار رونے لگے اور ایمان لے آئے۔ پھر ۹ ھ میں حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا مدینہ طیبہ میں جنازہ پڑھا، اللہ تعالیٰ نے درمیان سے سارے حجابات اٹھا دیئے اور ان کا جنازہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کر دیا۔ لہٰذا یہ نمازِ جنازہ غائبانہ نہ تھی کیونکہ حضور

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ کر ان کا جنازہ پڑھ رہے تھے ان کے ایمان لانے کا مفصل واقعہ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ۔ (مائدہ: ۸۳) کے تحت آئے گا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اہلِ کتاب اللہ کے ڈر سے ایمان لاتے ہیں۔ یعنی وہ علماء اہلِ کتاب کی طرح نہیں ہیں جو آیات خداوندی کے بدلے حقیر دنیوی پونجی خریدتے ہیں، (گویا وہ ایمان چھوڑ دیتے ہیں نذرانے نہیں چھوڑتے) نہیں، بلکہ وہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں تو اللہ کے ہاں ان کا عظیم اجر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو اہل کتاب ایمان لائیں ان کے لئے دوہرا اجر ہے اپنی کتاب پر ایمان لانے کا بھی اور قرآن پر ایمان لانے کا بھی۔''
(بخاری کتاب الجہاد باب ۱۴۵، مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۴۱)

[264]\ لہٰذا اے مومنو! تم اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے صبر سے کام لو (نماز روزہ و دیگر احکام صحیح بجالاؤ اور اللہ کی منہیات سے باز رہو) اور باطل کے سامنے ڈٹے رہو جیسے بدر و احد میں صحابہ نے اس کا عملی مظاہرہ کیا، اصْبِرُوْا اور وَصَابِرُوْا میں یہ فرق ہے کہ اصْبِرُوْا حق پر قائم رہنا ہے اور صَابِرُوْا دشمن کے مقابلہ میں ڈٹنا ہے کیونکہ یہ باب مفاعلہ ہے جو مقابلہ کا معنی رکھتا ہے۔ آگے فرمایا: وَرَابِطُوْا یاد رہے جہاد کی تیاری کو رباط کہتے ہیں، جیسے قرآنِ مجید میں ہے: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ. (انفال: ۶۰) اسلامی سرحدوں کی حفاظت کو بھی رباط کہتے ہیں اور حدیث طیبہ میں ہے ''ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار بھی رباط ہے''، گویا رَابِطُوْا کہہ کر ان سب امور کا حکم دیا گیا۔

یعنی فرمایا گیا ہے کہ جہاد کی خوب تیاری رکھو تاکہ دشمن تمہاری غفلت سے فائدہ نہ اٹھائے اور اپنے ممالکِ اسلامیہ کی سرحدوں کی حفاظت کرو اور دشمنانِ اسلام کو یہ موقع نہ دو کہ کسی اسلامی ملک کی سرحد میں گھس کر مسلمانوں کے خلاف انتقامی کارروائی کریں اور نماز بھی قائم رکھو تب ہی تم اسلام دشمن قوتوں پہ غالب آسکتے ہو۔ مگر افسوس آج ان تمام معاملات میں ہماری حالت بہت کمزور ہے، نہ ہم جہاد کے لیے تیار ہیں، نہ اسلامی ممالک کی سرحدیں محفوظ ہیں، آئے دن امریکی ڈرون طیارے پاکستانی سرحدوں میں گھس کر بمباری کرتے اور متعدد مسلمانوں کو شہید کر جاتے ہیں۔ افسوس صد افسوس! آج مسلمانوں کا خون پانی سے بھی سستا ہو گیا ہے۔ یہ ہماری بداعمالیوں کا نتیجہ ہے اور نماز تو اکثر مسلمان نہیں پڑھتے، پھر ہماری مدد کیسے ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت عطا فرمائے۔

....

الحمدللہ آج بروز ہفتہ ۷ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۷ جنوری ۲۰۰۷ء بعد نماز فجر سورہ آل عمران کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ علی حبیبہ خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ وسلم اجمعین۔

سورۃ النسآء

سورہ نساء قرآن کریم میں ترتیب نزول کے اعتبار سے ۹۱ ویں سورت ہے اور ترتیبِ تلاوت کے اعتبار سے چوتھی سورت ہے۔ اس سورت میں ۲۴ رکوعات اور ۱۷۶ آیات ہیں، یہ چوتھے پارہ کے آخری پاؤ سے شروع ہو کر چھٹے پارہ کے پہلے پاؤ تک جاتی ہے، قریبا ڈیڑھ پارہ پہ مشتمل ہے۔

فضیلت

یہ قرآنِ کریم کی سبع طوال (سات لمبی) سورتوں میں سے تیسری سورت ہے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے یہ سات سورتیں حاصل کرلیں وہ بڑا عالم ہے۔'' (مسند احمد)
حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھے تورات کی جگہ یہ سات سورتیں دی گئی ہیں۔'' (بیہقی فی شعب الایمان)
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سات لمبی سورتوں سے بہت شغف تھا۔ عبد الرزق نے اہلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے کسی سے روایت کیا ہے کہ ایک رات انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں گزاری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات کو اُٹھ کر وضوء فرمایا اور یہ سبع طوال سورتیں تہجد کی ایک ہی رکعت میں پڑھ دیں۔ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۴۲۲) گویا اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات کا اکثر حصہ عبادت ہی میں گزار دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:
من قرأ سورة النساء فعلم مایحجب مما لا یحجب علم الفرائض۔ ''جس شخص نے سورہ نساء پڑھی اور جان لیا کہ کونسی چیز میراث میں حجاب بنتی ہے اور کونسی نہیں تو اس نے پورا علم الفرائض حاصل کرلیا۔''
(درمنثور جلد ۲ صفحہ ۴۲۲)

مضامین

یہ مدنی سورت ہے جو سورہ ممتحنہ کے بعد اور اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ سے قبل نازل ہوئی اور مدنی سورتوں میں عقائد کے حوالے سے عموماً اہلِ کتاب کے شبہات کا جواب دیا جاتا اور ان کی اعتقادی خرابیاں واضح کی جاتی ہیں اور احکام کے

حوالے سے مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق شرعی مسائل بتائے جاتے ہیں۔سورہ نسآء میں بھی یہی اندازِ کلام ہے۔

یہ سورت غزوۂ احد کے بعد نازل ہوئی، چونکہ اس غزوہ میں ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تو وہ اپنے پیچھے یتیم بچے اور بیوائیں چھوڑ گئے تو اس سورت میں بیواؤں اور یتیموں کے حقوق خصوصاً میراث پہ روشنی ڈالی گئی۔ چنانچہ اس کے ابتدائی رکوع میں نکاح، مہر، تعدادِ ازواج اور یتامیٰ کے حقوق پر بات ہوئی دوسرا رکوع احکام میراث پر مشتمل ہے، پھر عورتوں پہ ہونے والے مظالم کا انسداد کیا گیا ہے اور یہ موضوع دور تک چلا گیا ہے، اسی لئے اسے سورۂ نسآء کہتے ہیں یعنی عورتوں والی سورت۔ کیونکہ اس میں حقوقِ نسواں کے تحفظ پہ بہت کلام کیا گیا ہے۔

پھر اس میں منافقین کے رد پہ زور دیا گیا اور اسلام واہلِ اسلام کے خلاف ان کی سازشوں سے پردہ اٹھایا گیا، ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کے خلاف یہود کی سازشوں اور خفیہ کاروائیوں کی نقاب کشائی بھی کی گئی۔

جہاد بھی اس سورت کا اہم موضوع ہے اور دورانِ جہاد کبھی کوئی بے گناہ بھی مارے جاتے ہیں اس صورت میں دیت یعنی خون بہا دینا پڑتا ہے، اس لیے اس سورت میں دیت کے احکام بھی بیان ہوئے۔ (نساء، آیت ۹۲)، پھر دوران جہاد کبھی نمازِ خوف ادا کرنا پڑتی ہے، یعنی اس طرح کہ بعض مجاہدین نماز پڑھیں اور بعض دشمن کے مقابلہ میں کھڑے رہیں، تو اس سورت میں نمازِ خوف کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے (نساء، آیت ۱۰۲) اور جب جہاد کے لیے سفر کیا جاتا ہے تو سفر میں نماز قصر پڑھنا پڑتی ہے اس لیے اس سورت میں نمازِ قصر کا بھی حکم فرمایا گیا (نساء، آیت ۱۰۱) اور یہ بھی فرمایا گیا کہ خواہ تم سفرِ جہاد یا کسی سفر میں کیسے ہی مصروف ہو پھر بھی ہر نماز کو اس کے وقت ہی میں ادا کرنا ضروری ہے

اور آخر میں یہود و نصاریٰ کے عقائد باطلہ پر کلام کیا گیا ہے، جس میں عیسائیوں کا یہ خیال کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی اور یہود کا کہنا کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو مارا، کا رد کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ نے ان کو زندہ آسمان کی طرف اٹھالیا تھا۔ (نساء آیت ۱۵۷)

ماقبل سے مناسبت

جس طرح سورہ آل عمران میں یہود و نصاریٰ کے عقائدِ باطلہ کا رد ہے سورہ نساء میں بھی یہ موضوع بکثرت ہے۔ اسی طرح سورہ آل عمران میں غزوہ احد کے واقعات اور جہاد کی اہمیت کا بیان ہے سورہ نساء میں بھی جہاد پہ خوب روشنی ڈالی گئی ہے، تو یہ موضوعات کا اشتراک ان دونوں سورتوں کو یک جا کرنے کا باعث ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

اٰیاتھا ۱۷۶ ۴ سُوۡرَۃُ النِّسَآءِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۲ رکوعاتھا ۲۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے

مِنۡھَا زَوۡجَھَا وَبَثَّ مِنۡھُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡ

اس کی بیوی بنائی اور ان دونوں سے بہت سے مرد پھیلائے اور عورتیں [1] اور اللہ سے ڈرو جس کے

تَسَآءَلُوۡنَ بِہٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا ①

نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتوں کی پامالی سے ڈرو بے شک اللہ تم پر نگہدار ہے [2]

انسانی مساوات کا درس قرآنی

[1] چونکہ یہاں یتیموں، بیواؤں اور دیگر مستحقین کے حقوق بیان ہو رہے ہیں اور ان کی ادائیگی خوفِ خدا کے بغیر ممکن نہیں اس لئے یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوۡا سے بات شروع کی جا رہی ہے کہ لوگو اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان (حضرت آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی (حضرت حوا علیہا السلام) کو بنایا پھر ان دونوں سے تمام مردوں عورتوں کو دنیا میں پھیلایا۔ حضرت مجاہد (تابعی) کہتے ہیں حضرت حواء علیہا السلام کو آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کیا گیا اس وقت حضرت آدم علیہ السلام سو رہے تھے جب وہ جاگے تو تعجب سے کہا یہ میری ہم جنس کہاں سے آ گئی۔

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۴ صفحہ ۱۴۴ مطبوعہ مکہ)

اس کی تائید حدیثِ صحیح سے ہوتی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

استوصوا بالنساء فان المرأۃ خلقت من ضلع۔ ''عورتوں سے بھلائی کرو کہ عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا۔ اور مزید فرمایا کہ پسلی کا سب سے ٹیڑھا حصہ اس کا بالائی حصہ ہوتا ہے لہٰذا اگر تم عورت کو زور سے (مار کر) سیدھا کرنا

چاہو گے تو اسے توڑ دو گے۔'' (بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب اوّل)

حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) فرماتے ہیں حضرت حواء علیہا السلام کو آدم علیہ السلام کے بائیں پہلو سے پیدا کیا گیا۔ (درمنثور بروایت ابن ابی حاتم، بیہقی فی شعب الایمان جلد ۲ صفحہ ۴۲۳)

کیا حضرت حوا علیہا السلام کو آدم علیہ السلام کے پہلو سے نہیں پیدا کیا گیا؟

اس کے باوجود آج بعض گمراہ لوگ کہتے ہیں، نہیں! عورت کو بھی مرد کی طرح براہ راست مٹی سے پیدا کیا گیا اور پہلو آدم سے حوا کا پیدا کیا جانا غلط ہے، جیسا کہ محمد علی لاہوری مرزائی نے اپنی تفسیر میں اس پہ بہت زور دیا ہے مگر ایسے لوگوں کو حدیث سے کوئی ٹس مس نہیں بلکہ وہ قرآن کو بھی غور سے نہیں پڑھتے ورنہ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً کے الفاظ سے ساری حقیقت واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ تمام انسانوں کو ایک جان یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا کیا گیا اور اسی سے اس کی بیوی بنائی گئی۔ اب اس واضح نصِ قرآنی کے بعد عقلی گھوڑے دوڑانا چہ معنی دارد، پھر دیکھیے کہ قرآنِ حکیم میں ہر جگہ آدم علیہ السلام ہی کا مٹی سے پیدا کیا جانا مذکور ہے، جیسے اللہ نے فرمایا:

قَالَ ءَاَسۡجُدُ لِمَنۡ خَلَقۡتَ طِيۡنًا ﴿۶۱﴾ ''شیطان نے کہا: کیا میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا۔'' (سورہ بنی اسرائیل، آیت ۶۱)

خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ﴿۵۹﴾ ''اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا کیا پھر اسے کہا کہ زندہ ہو جا تو وہ ہو گیا۔ (آل عمران، ۵۹)

خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ ﴿۷۶﴾ ''شیطان نے کہا: اے اللہ! تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔'' (سورہ صاد، ۷۶)

حضرت حوا علیہا السلام کا مٹی سے پیدا کیا جانا کہیں مذکور نہیں، اگر پہلے مرد کی طرح پہلی عورت بھی مٹی ہی سے پیدا کی گئی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کا ذکر بھی قرآن مجید میں ضرور فرماتا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ، اگر حضرت حوا علیہا السلام بھی مٹی سے بنائی گئی ہوتیں تو یوں فرمایا جاتا: خَلَقَكُمۡ مِنۡ نَفۡسَيۡنِ۔

دلیلِ ختمِ نبوت

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ کے الفاظ بتاتے ہیں کہ قرآن تا قیامت آنے والے ہر انسان کو خطاب کرتا ہے، معلوم ہوا کہ قرآن جس رسول پہ نازل ہوا وہ تا قیامت ہر انسان کا رسول ہے اسکی رسالت ہمہ گیر و جہاں گیر ہے اور اسکی رسالت کی موجودگی میں کسی زمانہ میں کسی قوم میں کسی رسالت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

مساواتِ انسانی

جب سارے انسانوں کا ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں ہے تو پھر نسل وقبیلہ اور رنگ و علاقہ پر فخر کرنا اور دوسرے انسانوں کو اس لئے اپنے سے کم تر سمجھنا کہ وہ دوسرے قبیلہ و خاندان سے ہیں یا ان کا علاقہ دوسرا ہے محض جہالت ہے۔ اگر کوئی وجہ فضیلت ہے تو ایمان اور تقویٰ ہے۔ آج ہم کہتے ہیں کہ میں راجہ یا شیخ یا چوہدری ہوں اور فلاں موچی یا حجام یا ترکھان ہے لہٰذا وہ مجھ سے کم تر ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ ہم نے تمہارے مختلف گروہ اور قبیلے بنائے ہیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ کے ہاں تم میں سے معزز تر وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔ (حجرات، ۱۳) اور رسول اکرم ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں صاف فرمایا کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔

انسان بندروں سے بدلے ہوئے نہیں ہیں

برطانیہ کا ایک محقق گزرا ہے جس کا نام ڈارون تھا اس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان بندروں سے بگڑی ہوئی مخلوق ہے اور آج بہت سے مسلمان بھی اس نظریہ کے حامی ہیں مگر یہ قرآنِ حکیم سے متصادم نظریہ ہے قرآن فرما رہا ہے کہ اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک جان سے پیدا کیا (خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ) اور ڈارون کا یہ نظریہ درحقیقت انسانوں کی تذلیل ہے۔ کہاں بندر کہاں انسان؟ بندر آج بھی بندر ہیں وہ کیوں نہیں بدلے، ہزار ہا برس سے ہر مخلوق اپنی ہی شکل پہ چلی آ رہی ہے گدھے آج تک گدھے ہیں، گھوڑے گھوڑے ہیں، اونٹ اونٹ ہیں تو کیا وجہ ہے کہ صرف بندر کیوں بدل گئے۔

عورت بحیثیتِ انسان مرد کے برابر ہے

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً کہہ کر بتایا گیا کہ سب مرد و عورت حضرت آدم کی اولاد ہیں۔ لہٰذا عورت مرد سے ادنیٰ مخلوق نہیں ہے اور اسلام پر عورت کی تذلیل کا اعتراض کرنے والے اسلام پر بہتان تراشتے ہیں۔ اسلام نے عورت کو جو عزت دی ہے دوسری اقوام اس کا تصور نہیں کر سکتیں۔ ہاں اسلام نے عورت کو مادر پدر آزادی نہیں دی ہے کہ وہ ہر طرف اپنی عزت کی نیلامی کرتی پھرے، بلکہ اسلام نے عورت کو گھر کی ملکہ بنایا ہے۔ اس کے برعکس مغربی اقوام نے عورت کو جنس بازار بنا دیا ہے، سینکڑوں مرد اس کی عزت سے کھیلتے ہیں مگر کوئی اس کو گھر کی ملکہ بنانے کے لیے تیار نہیں ہے، اسے سب مردوں کی تسکین کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔

[2] یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو یعنی کہتے ہو مجھے اللہ کے نام پر یہ چیز

دو، اور ارحام (رشتوں) کی پامالی سے ڈرو۔ حدیث مبارکہ میں ہے "رحم (رشتہ) روزِ قیامت عرش کے پائے سے لپٹا ہو گا اور فریاد بجالائے گا اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا جس نے تجھے دنیا میں ملایا (یعنی رشتہ داروں سے اچھا سلوک کیا) میں اسے آج (خود سے) ملاؤں گا اور جس نے تجھے کاٹا میں اسے کاٹ کر رکھ دوں گا۔" (بخاری کتاب التفسیر سورہ ۴۷)

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا
اور یتیموں کو ان کے اموال دے دو [3] اور اچھے مال کے بدلے برا نہ دیدو [4] اور ان کے اموال کو اپنے اموال کے ساتھ
اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲
ملا کر نہ کھا جاؤ۔ بے شک یہ بڑا گناہ ہے [5]

[3] حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی غطفان کے ایک آدمی کے پاس اس کے یتیم بھتیجے کا بہت سا مال تھا، جب یتیم بالغ ہوا تو اس نے چچا سے اپنے مال کا مطالبہ کیا اس نے مال دینے سے انکار کر دیا۔ وہ لڑکا نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا تب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی (ابن ابی حاتم) معنی یہ ہوا کہ یتیم جب بالغ ہو جائے اور اپنا مال خود سنبھال سکے تو اس کا مال اس کے سپرد کر دینا چاہئے جیسا کہ آگے فرمایا گیا: حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ (آیت ۶)

[4] یعنی ایسا نہ کرو کہ یتیم کا عمدہ مال خود رکھ لو اور اس کے بدلے اپنا گھٹیا مال اسے دے دو۔ حضرت سدی تابعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں دورِ جاہلیت میں بعض لوگ یتیم کے مال سے موٹی تازی بکری نکال کر اس کی جگہ کمزور بکری ڈال دیتے اور کہتے ہم نے بکری کی جگہ بکری دے دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اس سے منع فرمایا۔ اس کا یہ معنی بھی ہے کہ جنت کی لازوال نعمتیں چھوڑ کر ان کی جگہ دنیا کا حرام اور گھٹیا مال مت لو یعنی حلال پر صبر کرو، یا یہ معنی ہے کہ اپنا مال ہی کھاؤ جو تمہارے لئے طیب (عمدہ) ہے، اسے چھوڑ کر اس کی جگہ یتیم کا مال مت کھاؤ جو تمہارے لئے حرام ہونے کی وجہ سے خبیث ہے۔

[5] یعنی یتیم کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر دونوں کو نہ کھا جاؤ بلکہ یتیم کا مال علیحدہ رکھو۔ حضرت حسن تابعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب یہ آیتِ مبارکہ اتری تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مالِ یتیم کے بارہ میں بہت محتاط ہو گئے انہوں نے یتیموں کا مال اپنے مال سے مکمل علیحدہ کر دیا حتیٰ کہ یتیموں کے لئے مشکلات پیدا ہو گئیں۔ اگر ان کا کھانا بچ جاتا تو اسے وہ خود ہی کھاتے یا اسے ضائع کر دیا جاتا، انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے اپنی مشکلات کا ذکر کیا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۔ "اگر تم یتیموں کا مال خود سے ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔" (بقرہ: ۲۲۰) معنی یہ ہے کہ اگر تم یتیم کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر تجارت پر لگاؤ جس سے یتیم کا مال بڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر ان کا مال اپنے ساتھ

ملانے سے ان کے مال کے ضیاع کا خطرہ ہے تو پھر نہ ملاؤ۔

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِى الۡيَتٰمٰى فَانْكِحُوۡا مَا طَابَ لَـكُمۡ مِّنَ

اور اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیموں سے انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتیں تمہیں بہتر لگیں ان سے نکاح کرو

النِّسَآءِ مَثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ‌ ۚ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً اَوۡ مَا

خواہ دو ہوں یا تین یا چار[6] پھر اگر تمہیں ڈر ہو کہ ان میں عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی آزاد عورت رکھو یا (وہ لونڈیاں)

مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ‌ ؕ ذٰ لِكَ اَدۡنٰٓى اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ۝ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ

جو تمہاری ملک میں ہیں اس طرح بہت قریب ہے کہ تم ظلم نہ کرو گے[7] اور عورتوں کو ان کے مہر ادا کرو فرض سمجھ کر[8]

نِحۡلَةً‌ ؕ فَاِنۡ طِبۡنَ لَـكُمۡ عَنۡ شَىۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَكُلُوۡهُ هَنِيۡٓــًٔـا مَّرِیۡٓــًٔـا ۝

پھر اگر وہ تمہیں اس میں سے خوش دلی سے کچھ چھوڑ دیں تو اسے تم کھا سکتے ہو جو تمہارے لیے پاکیزہ و خوشگوار ہے[9]

ایک مرد کے لئے بیک وقت چار شادیوں کی اجازت اور حق مہر کی فرضیت

[6] ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اگر اہل جاہلیت میں کوئی یتیم لڑکی اپنے ولی کے زیر سایہ ہوتی۔ اور ولی کو اس کا مال اور حسن و جمال بھا جاتا تو وہ اس سے خود نکاح کر لیتا حالانکہ وہ اس کے حق مہر اور دیگر حقوق کی ادائیگی میں مخلص نہ ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تم یتیم لڑکیوں سے انصاف نہیں کر سکتے تو ان کی بجائے دوسری عورتوں سے شادی کرو خواہ وہ دو یا تین یا چار ہوں (بخاری کتاب التفسیر سورۃ النساء باب ا) حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت میں ایک مرد جتنی عورتوں سے چاہتا شادی کر لیتا کوئی پابندی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر اسے چار عورتوں تک محدود کر دیا۔ مَا طَابَ لَكُمۡ کا یہ معنی ہے کہ جو عورتیں تمہیں حسن و جمال، ایمان و اخلاق اور حسب و نسب کے اعتبار سے اچھی لگیں ان سے نکاح کرو۔

[7] یعنی اگر تمہیں ڈر ہو کہ ایک سے زائد عورتوں سے شادی کر کے تم ان کے مابین نان و نفقہ اور ان کے ہاں شب باشی کے اعتبار سے انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی عورت سے شادی کرو بس، یا لونڈیوں سے شادی کر لو کیونکہ لونڈیوں سے شادی میں تعداد کی کوئی قید نہیں خواہ آٹھ سے کرو یا دس سے۔ اور ان میں نان و نفقہ اور دیگر معاملات میں مساوات بھی ضروری نہیں۔ (قرطبی)

لونڈی وہ عورت ہے جو حالتِ کفر میں دورانِ جنگ کفار کی فوج سے گرفتار ہو کر مسلمانوں کے پاس آئی پھر اسے کسی مسلمان نے خرید لیا یا اسے دے دی گئی اگر وہ بعد میں اسلام لے آئے تو بھی لونڈی ہی رہے گی یہی حال غلام کا ہے۔ گویا یہ لونڈی یا غلام ہونا کفر کی سزا ہے اور یہ اس لیے نافذ کی گئی تاکہ کفار کو ڈر رہے کہ اگر انہوں نے جنگ میں کسی مسلمان کو پکڑ کر غلام بنالیا تو بدلے میں ان کے قیدیوں کو بھی غلام اور لونڈیاں بنایا جاسکتا ہے۔

ایک مرد کیلئے بیک وقت چار شادیوں کی اجازت کیوں ہے

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عموماً عورت کی صحت بچوں کی پیدائش اور ماہانہ خون کے اخراج کے سبب جلدی ڈھل جاتی ہے جبکہ مرد تادیر توانا وصحت مند رہتا ہے اور اپنی بیوی کی طرف اس کی رغبت طبعاً کم ہو جاتی ہے ایسے میں اگر مرد کو کسی دوسری عورت سے شادی کی اجازت نہ دی جائے تو وہ گناہ میں مبتلا ہو سکتا ہے اور ہم نے ایسا ہوتے دیکھا ہے اور یورپ میں یہ وبا عام ہے کیونکہ وہاں دوسری شادی کی اجازت نہیں اور زنا پر کوئی قید نہیں، اسی لیے وہاں حرامی انسانوں کی تعداد تیزی سے بڑھتی جارہی ہے، یعنی وہ انسان جن کو اپنے بارہ میں کچھ معلوم نہیں کہ ان کا باپ کون ہے، تاحال ان کے تعداد نصف فی صد کے قریب پہنچ چکی ہے، یعنی یورپ میں عموماً آدھے عیسائی حرامی ہوتے ہیں۔

اسی لیے تمام یورپی ممالک کے پاسپورٹ میں ولدیت کا خانہ نکال دیا گیا ہے (خود میرے پاس بھی برطانوی پاسپورٹ ہے جس میں ولدیت کا خانہ نہیں ہے) کیونکہ وہاں آدھے لوگ بتا ہی نہیں سکتے کہ ان کا باپ کون ہے کیوں کہ وہ زنا کی پیداوار ہیں اور یہی حال امریکہ کا ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دوسری شادی پہ پابندی عائد کردی ہے، اس لیے زنا عام ہو گیا ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے زنا پر پابندی عائد کی ہے اور دوسری شادی کی اجازت دی ہے، اب ہر صاحب انصاف انسان فیصلہ کر سکتا ہے کہ کون سا راستہ درست ہے۔ اہل یورپ کا یا اسلام کا؟

پھر عورتیں عموماً ہر جگہ مردوں کی نسبت زیادہ پیدا ہوتی ہیں۔ اب اگر ایک سے زائد شادی کی اجازت نہ ہو تو جن عورتوں کو شادی کے لئے مرد میسر نہ ہو گا وہ گناہ کی طرف مائل ہوں گی اور آج یورپ وامریکہ میں یہی ہو رہا ہے۔ عورتیں رات پڑتے ہی سر بازار دعوتِ گناہ کے لئے کھڑی ہو جاتی ہیں اور جو کچھ شرافت پسند ہیں وہ بازار میں کھڑی ہونے کی بجائے پبوں کلبوں میں جا بیٹھتی ہیں اور کچھ اپنے گھروں میں بیٹھی حرام کاری میں مصروف ہیں، یوں وہاں بدکاری کا بازار ہر طرف گرم ہے وہاں ایک مرد بیک وقت کئی عورتوں سے وابستہ ہوتا ہے، مگر قانونی طریقہ سے نہیں غیر قانونی طریقہ سے۔

اسلام نے مرد کو ایک سے زائد یعنی چار تک شادیوں کی اجازت دے کر بے حیائی اور تذلیلِ انسانی کے یہ دروازے بند کر دیئے ہیں اور یوں عورت پر اسلام نے عظیم احسان کیا۔

پھر یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ بسا اوقات ایسے حالات بن جاتے ہیں کہ مرد کو دوسری شادی کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا، جیسے کسی کی بیوی ایسی بیماری میں مبتلا ہو جائے کہ اسکی صحت بحال نہیں ہو سکتی، بلکہ دن بدن کمزور ہو گی اور اس کا مرد صحت

مند ہے، اب وہ کیا کرے، کیا وہ اس بیمار بیوی کو طلاق دیدے؟ اگر وہ ایسا کرے گا تو سخت ظالم بیوفا اور خودغرض ٹھہرے گا، تو ضروری ہے کہ اسے دوسری شادی کی اجازت دی جائے ورنہ اس کا حرام کاری میں مبتلا ہو جانا قریباً یقینی ہے، یورپ وامریکہ میں حرام کاری کی کثرت کا ایک سبب شائد یہ بھی ہے۔

یونہی اگر ایک بیوی سے اولاد نہیں ہو رہی تو مرد کو دوسری شادی کی اجازت ملنی چاہیے، اور عموماً لوگ ایسی ہی مجبوریوں کے سبب دوسری شادی کرتے ہیں۔ اسلام میں چار شادیوں کی اجازت کو اہلِ یورپ اسلام کے خلاف اسقدر اچھالتے ہیں جیسے اسلام میں سب سے ضروری کام یہی ہے، حالانکہ ایک سے زائد شادی کرنے والے مسلمانوں کی تعداد اسلامی معاشروں میں شائد ایک فی صد بھی نہ ہو مگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا کہ اگر تم ایک سے زائد عورتوں سے شادی کر کے ان کے مابین انصاف نہ کر سکو تو پھر اسی میں بھلائی ہے کہ ایک عورت ہی سے شادی کرو اور حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ ''جس نے ایک بیوی کو بسایا اور دوسری کو بھلایا وہ روز قیامت یوں اٹھے گا کہ اس کا آدھا جسم لٹک رہا ہوگا۔'' (ترمذی، ابوداؤد)

یہاں سوال کیا جاتا ہے کہ ایک سے زائد شادی کرنے والے لوگ عموماً ایک بیوی کو عضو معطل بنا کر رکھ دیتے ہیں، لہذا اس پہ پابندی ہونی چاہیے۔ ہم کہتے ہیں کہ چند بدوضع لوگ ہمیشہ ہر قانون کو غلط استعمال کرتے ہیں، تو کیا چند لوگوں کی غلط کاری کی وجہ سے پورے قانون ہی کو بدل دیا جائے؟ اس طرح تو دنیا میں کوئی قانون نافذ ہی نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس طرح تو شادی ہی پہ پابندی ہونی چاہیے۔ کیونکہ لاکھوں لوگ وہ ہیں جو اپنی ایک بیوی کو نشانۂ ستم بناتے ہیں، کوئی عقل کی بات کرو۔

بعض جہلاء کہتے ہیں کہ اگر ایک مرد کو چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے تو ایک عورت کو چار شوہر رکھنے کی اجازت کیوں نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایک مرد کی چار بیویاں ہوں تو ان میں سے جو بھی بچہ پیدا ہوگا وہ اسی مرد کا ہوگا اور اگر ایک عورت کے چار شوہر ہوں تو چار آدمیوں کا پانی ایک برتن میں جمع ہو جائے گا پھر کیسے کہا جائے کہ یہ بچہ کس کا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تین چار بیویاں ایسے لگتی ہیں جیسے کسی نے جانور رکھے ہوئے ہوں، ہم کہتے ہیں کہ ایک بیوی پہ آپ کو یہ خیال کیوں نہیں آتا۔

[8] کلبی اور مجاہد سے روایت ہے کہ اہلِ جاہلیت اگر اپنے خاندان میں اپنی بیٹی کا نکاح کرتے تو سارا مہر خود کھا جاتے بیٹی کو کچھ نہ دیتے اور اگر کسی اجنبی سے اس کی شادی کرتے تو اسے اونٹ پر بٹھا کر خالی ہاتھ رخصت کر دیتے۔ رب العزت اللہ نے یہ آیت مبارکہ اتار کر مومنوں کو اس سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ عورتوں کو ان کا حق مہر خوش دلی سے دو، گویا یہ ان کا حق ہے تمہارا نہیں۔ حضرت حضرمی ﷺ فرماتے ہیں اہلِ جاہلیت نکاحِ شغار بھی کرتے تھے یعنی یوں کہتے کہ تم اپنی بہن مجھ سے بیاہ دو میں اپنی بہن تم سے بیاہتا ہوں اور نہ تم مجھے مہر دو نہ میں تمہیں دیتا ہوں اللہ تعالیٰ نے وَاٰتُوا النِّسَآءَ

صَدُقٰتِهِنَّ کہہ اس سے بھی منع فرمایا۔ (تفسیر بغوی جلد ا صفحہ ۴۷۷) اسی لئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاحِ شغار سے منع فرمایا وہ یوں کہ دو مرد اپنی بیٹیوں کو ایک دوسرے سے بیاہ دیں اور کوئی مہر مقرر نہ کریں۔
(بخاری کتاب النکاح باب ۲۸، مسلم کتاب النکاح حدیث ۵۷)

یاد رہے حق مہر واجب ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے اہم تر حق وہ ہے جس کے ساتھ تم عورت کی شرمگاہ خود پر حلال کرتے ہو (یعنی حق مہر)۔'' (بخاری کتاب النکاح باب ۵۶، مسلم کتاب النکاح حدیث ۶۳) اور حق مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے۔ (قریباً تین تولہ چاندی)۔ اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں، مگر ایسا مہر مقرر نہیں کرنا چاہیے جو شوہر کی طاقت سے باہر ہو۔

[9] یعنی اگر عورت اپنا حق مہر سارا یا اس سے کچھ معاف کر دے یعنی شوہر سے کہہ دے کہ میں حق مہر نہیں چاہتی یا اگر تم نے ضرور دینا ہے تو بس اتنا کافی ہے تو عورت ایسا کرسکتی ہے مگر عورت کے ولی یعنی باپ یا بھائی وغیرہ کو اختیار نہیں کہ حق مہر وصول کر کے خود کھا جائے یا معاف کر دے، یہ عورت کا حق ہے۔ آج بھی پاکستان، افغانستان، سعودی عرب اور دیگر اسلامی ممالک میں کئی لوگ حق مہر کے نام پر اپنی بچیوں کو فروخت کرتے ہیں، یعنی ان کے نکاح کے عوض بھاری رقمیں وصول کر کے اپنے کاروبار چلاتے ہیں پھر اگر شادی کامیاب نہ ہو تو شوہر اس عورت کو طلاق دے کر اس کا نکاح اپنے خاندان کے کسی دوسرے مرد سے کر دیتا اور اس سے وہ مال وصول کرتا ہے جو اس نے عورت کے باپ کو دیا تھا۔ الغرض وہ عورت بیوی نہیں لونڈی ہوتی ہے جو کئی بار بکتی رہتی ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ

اور نادانوں کو اپنے اموال نہ دو جو اللہ نے تمہارے لیے (زندگی کا) قیام بنائے ہیں[10] اور انہیں ان مالوں سے

فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵ وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا

کھلاؤ اور پہناؤ اور انہیں بھلائی کی بات کہتے رہو[11]اور یتیموں کی جانچ کرتے رہو یہاں تک کہ

بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ

وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں، پھر اگر تم ان میں سوجھ بوجھ دیکھو تو ان کے اموال ان کے سپرد کر دو[12]

وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِیًّا

اور انہیں فضول خرچی میں نہ اڑاؤ اور نہ اس جلدی میں کہ کہیں وہ یتیم بڑے ہو جائیں[13]اور جو سر پرست مالدار ہو وہ

فَلْیَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ

(یتیم کے مال سے) بچتا رہے اور جو فقیر ہو وہ جائز طریقہ پر کھا سکتا ہے [14] پھر جب تم انہیں

اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ۝۶

ان کے اموال دے دو تو ان پر گواہ بناؤ اور اللہ ہی حساب لینے کے لیے کافی ہے[15]

[10] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر یوں کی کہ جو مال تم نے کمایا ہے اور اللہ نے اسے تمہارے لئے وجہ قیام بنایا ہے اسے اپنی بیوی اور بچوں کے سپرد نہ کردو کہ وہ تمہیں اس میں سے خرچہ دیں بلکہ تم خود اپنا مال ان پر خرچ کرو اور دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ اپنا مال بیوی بچوں کے سپرد کر دیتے ہیں ان کا اپنے اہل وعیال پہ کنٹرول ختم ہو جاتا ہے اور وہ ان کی بہتر تربیت نہیں کر سکتے۔ یہاں بیوی بچوں کو سفہاء (نادان) کہا گیا اس لئے کہ بچے تو واقعی نادان ہیں اور عورت بھی بقولِ حدیث ناقصۃ العقل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے عورتو! میں نے عقل اور دین کے لحاظ سے تم سے زیادہ کسی کو ناقص نہیں پایا، عورتوں نے پوچھا وہ کیسے؟ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے عقل کے نقصان کی وجہ سے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے اور دین کے نقصان کی وجہ سے تم کئی دن نماز نہیں پڑھ سکتیں اور روزہ نہیں رکھ سکتیں۔'' (مسلم کتاب الایمان)

[11] یعنی اپنے اہل وعیال کو اپنے مال میں سے کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے بھلی بات کہو یعنی ان کے کھلانے پہنانے کے ساتھ ان کی دینی تربیت بھی کرو، اس لئے حدیثِ طیبہ میں ہے کہ ''جب تمہاری اولاد سات برس کی ہو تو انہیں نماز کا حکم دو اور جب وہ دس برس کے ہو جائیں تو انہیں نماز نہ پڑھنے پر سزا دو۔'' (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۱۸۰)

مرد گھر کی سلطنت کا حاکم ہے

اس سے معلوم ہوا کہ مرد گھر کی سلطنت کا حاکم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ذمہ داری رکھی ہے کہ ہے کہ اہل وعیال کو کھلائے پلائے، پہنائے اور انہیں نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ اسی لیے دوسری جگہ اسی سورت میں فرمایا گیا:
اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ''مرد اپنی بیویوں پہ حاکم ہیں، کیونکہ اللہ نے بعض لوگوں کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔'' (نساء، ۳۴)
اسی طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو نارِ جہنم سے بچاؤ۔'' (تحریم، ۶) اس آیت مبارکہ میں بھی مردوں کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ وہ اپنے اہل وعیال کی نگہداری کریں اور انہیں نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، گویا روزِ قیامت ان سے پوچھا جائے گا کہ انہوں نے اپنے اہل وعیال کو جہنم کی طرف جانے والے راستوں سے کیوں نہ روکا۔ معلوم ہوا کہ گھر کی سلطنت کا حاکم مرد ہے اور بیوی بچے اس کی رعایا ہیں۔
یہاں سے یہ اشارہ بھی ملا کہ عورت اسلام میں کسی ملک کی سربراہ بھی نہیں بن سکتی، کیونکہ دنیا میں گھروں سے شہر بنتے ہیں اور شہروں سے ملک تشکیل پاتے ہیں، تو گھر معاشرہ کا سب سے چھوٹا یونٹ ہے اور ملک سب سے بڑا یونٹ۔ جب سب سے چھوٹے یونٹ میں عورت کی حکومت جائز نہیں تو سب سے بڑے یونٹ میں اس کی حکومت کیسے جائز ہے۔

یتیموں اور بیواؤں کے حقوق کا بیان

[12] اے یتیموں کے سرپرستو! تم اپنے زیرِ کفالت یتیموں کو ان کے بالغ ہونے سے قبل آزماتے رہو مثلاً ان سے کچھ خرید وفروخت کرواؤ اور دیکھو کہ آیا ان میں اتنی سوجھ بوجھ پیدا ہوئی ہے کہ اگر بلوغت کے بعد ان کا مال ان کے سپرد کیا جائے تو وہ اسے سنبھال سکتے ہیں (بَلَغُوا النِّكَاحَ کا یہ معنی ہے کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں) چنانچہ ان کے بالغ ہونے کے بعد اگر تم ان میں اس قدر سوجھ بوجھ دیکھو تو ان کا مال ان کے سپرد کر دو۔ گویا جب دو شرطیں پائی جائیں کہ وہ بالغ بھی ہو جائیں اور ان میں اپنا مال سنبھالنے کی لیاقت بھی آ جائے تو ان کا مال انہیں دے دو۔
یاد رہے جب لڑکے کو سوتے میں احتلام یا جاگتے میں انزال ہو تو وہ بالغ ہے۔ قرآنِ حکیم میں ہے: وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ۔ (نور، ۵۹) اور جب لڑکی کو حیض آ جائے، احتلام ہو یا حمل ٹھہرے تو وہ بالغہ ہے اور اگر کوئی

علامت ظاہر نہ ہو تو ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک دونوں کے لئے پندرہ برس کی عمر مقرر ہے اور اسی پہ فتویٰ ہے اور حدیثِ مبارکہ میں بھی اس کی تائید ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خود کو چودہ برس کی عمر میں جہاد کے لیے پیش کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول نہ کیا اور پندرہ برس کی عمر میں پیش کیا تو حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول کر لیا۔ (ترمذی کتاب الجهاد باب ماجاء فی حد البلوغ) تو پندرہ برس کی عمر کو پہنچ کر لڑکا لڑکی دونوں بہر حال بالغ ہیں ان پر نماز روزہ فرض ہے۔

نابالغ بچہ مجبور ہے

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ سے پتہ چلا یتیم بچہ جب تک بالغ نہ ہو اس کا مال اس کے سپرد نہ کیا جائے، کیونکہ ابھی وہ ناپختگی عقل کے باعث بیع وشراء (خرید وفروخت) کے قابل نہیں۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تین لوگوں سے قلم اٹھا لی گئی ہے۔ مجنون سے جب تک وہ صحت مند نہ ہو، بچے سے جب تک وہ بالغ نہ ہو اور سونے والے سے جب تک وہ جاگ نہ جائے۔'' (بخاری کتاب الحدود باب ۲۲)

سمجھدار بچے کا تصرف اس کے ولی کی اجازت سے درست ہے

وَابۡتَلُوا الۡيَتٰمٰى میں بیان ہوا جب یتیم بچہ سمجھدار ہو اور بالغ نہ ہو تو اس کا ولی اس سے خرید وفروخت کروائے تاکہ معلوم ہو کہ اس میں خرید وفروخت کرنے اور اپنے مال کو سنبھالنے کی سوجھ بوجھ آئی ہے یا نہیں۔ معلوم ہوا ولی کی اجازت کے ساتھ سمجھدار بچے کی بیع وشرآء جائز ہے۔ اس کی مثال عبد ماذون جیسی ہے۔

کم عقل آدمی کا مال اس کے سپرد نہ کیا جائے

فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ رُشۡدًا سے معلوم ہوا کہ جب تک یتیم میں اپنے مال کو سنبھالنے کی سوجھ بوجھ پیدا نہ ہو تب تک اس کا مال اسے سپرد نہ کیا جائے، تاہم امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب ایسا شخص پچیس برس کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کا مال اسے بہر حال دیدیا جائے، خواہ اس کا عقل کامل ہو یا نہ ہو، تاہم قاضی کو چاہیے کہ حالات کو دیکھ کر فیصلہ کرے۔

[13] یعنی ایسے نہ کرو کہ یتیموں کا مال جلدی جلدی اڑا دو اس جلدی میں کہ کہیں وہ بڑے ہو کر اپنا مال نہ مانگ لیں لہٰذا اس سے قبل ہی ان کا مال کھا پی جاؤ۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے انسان کو یہ سوچنا چاہئے کہ اگر اسے موت آجائے اور اس کے بچے چھوٹے چھوٹے ہوں تو کیا وہ پسند کرے گا کہ کوئی شخص اس کے یتیم بچوں کا مال کھا جائے، اگر نہیں تو پھر وہ دوسرے لوگوں کے یتیم بچوں پہ ظلم کیوں کرتا ہے۔

یتیم تو اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی مدد کی جائے اس کے ساتھ یوں پیار کیا جائے کہ اس کو اپنی یتیمی کا دکھ بھول جائے۔ اسی لیے یتیم کو زکوۃ وصدقات کا مصرف قرار دیا گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یتیم کی کفالت کرنے والے کو جنت کے اعلیٰ ترین درجہ کی بشارت عطا فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

کافل الیتیم انا وھو کھاتین فی الجنۃ۔ ''میں محمد (ﷺ) اور یتیم کی کفالت کرنے والا دونوں جنت میں ایسے ہونگے جیسے یہ دو انگلیاں ہیں۔'' (بخاری کتاب الادب)

اور حدیثِ طیبہ میں ہے کہ ''مسلمانوں کے گھروں میں سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں یتیم سے پیار کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کے گھروں میں سے برا گھر وہ ہے جس میں یتیم سے بدسلوکی کی جاتی ہے۔'' مگر افسوس! ہم اللہ ورسول عزوجل وﷺ کے ارشادات کو بھول گئے ہیں، عموماً حقیقی چچے ہی اپنے یتیم بھتیجوں کا مال ہڑپ کرتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے مرحوم بھائی کی جائیداد پہ قابض ہوتے ہیں۔

[14] یعنی یتیم کا ولی اگر مالدار ہے تو وہ یتیم کے مال سے دور رہے اس میں سے کچھ نہ کھائے اور اگر غریب ومحتاج ہو تو مالِ یتیم کی حفاظت کی اجرت لے سکتا ہے۔ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا کہنے لگا میں فقیر ہوں میرے پاس کچھ نہیں۔ میرے پاس یتیم کا مال ہے حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا تم اس کے مال میں سے کچھ کھا سکتے ہو مگر حد سے نہ بڑھو (اجرت کی حد سے نہ بڑھو) نہ ہی اس کے مال سے صدقہ وخیرات کرو اور نہ ہی اپنا مال محفوظ رکھ کر اس کے مال سے کھاؤ۔ (ابوداود کتاب وصایا باب ۸، نسائی کتاب الوصایا باب ۱۱)

[15] جب یتیم بالغ ہو جائے اور تم اس کا مال اس کے سپرد کرو تو اس پر گواہ بنالو تاکہ تم سے ہر طرح کی تہمت دور ہو جائے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ
مردوں کے لیے اس مال میں سے حصہ ہے جو ان کے والدین اور قریبی رشتہ دار اپنے پیچھے چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لیے بھی
مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝
اس میں سے حصہ ہے جو ان کے والدین اور قریبی عزیز چھوڑ جائیں خواہ وہ تھوڑا ہے یا زیادہ ہے یہ حصہ مقرر کردہ ہے [16]
وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ
اور جب تقسیم کے وقت قرابت والے اور یتیم ومسکین جمع ہو جائیں تو انہیں بھی اس میں سے کچھ دے دو [17]
وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝
اور ان سے بھلائی کی بات کہو [18]

[16] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اہلِ جاہلیت مرنے والے کی بیٹیوں اور چھوٹے بچوں کو کچھ نہ

دیتے تھے۔ چنانچہ انصار میں سے ایک شخص اوس بن ثابت فوت ہوا پیچھے دو بیٹیاں اور ایک چھوٹا بیٹا چھوڑ گیا۔ مرنے والے کے دو چچازاد بھائی آئے اور اس کا سارا مال لے گئے۔ اس کی بیوہ نے ان سے کہا اگر تم میری بیٹیوں کو ان کا کچھ حصہ نہیں دینا چاہتے تو ان سے شادی کر لو تا کہ یہ بے سہارا نہ رہیں مگر وہ زیادہ خوبصورت نہ تھیں اس لئے انہوں نے انکار کر دیا وہ عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور ماجریٰ سنایا تب یہ آیت مبارکہ اتری: لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ الخ۔ تو نبی اکرم ﷺ نے مرنے والے کے دونوں چچازاد بھائیوں کو بلایا اور فرمایا تم میراث میں سے کچھ نہ چھیڑنا، پھر یہ آیات اتریں: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ (آیت،۱۱) تب رسول اللہ ﷺ نے اوس بن ثابت کا مالِ میراث منگوایا اور بیوہ کو میراث کا آٹھواں حصہ دیا اور باقی مال کو یوں تقسیم کیا کہ لڑکے کے لئے لڑکیوں سے دوہرا حصہ رکھا۔ (درمنثور)

آیت مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ والدین اور قریبی رشتہ جو مال چھوڑ کر فوت ہوں اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے عورتوں کا بھی یعنی خواہ وہ عورت بیٹی، نواسی، ماں، دادی، نانی بہن، بھتیجی، بھانجی یا بیوی میں سے کوئی ہو، ہر کسی کو قواعد کے مطابق حصہ میراث ملے گا۔ خواہ مال میراث کم ہو یا زیادہ ہو۔

اسلام میں حقوقِ نسواں کا تحفظ

اسلام سے قبل عورتوں کو مالِ میراث میں سے ایک پیسہ بھی نہیں دیا جاتا تھا ایک روایت میں ہے کہ اہلِ جاہلیت کہتے تھے عورتیں نہ مال کما سکتی ہیں نہ گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن کا مقابلہ کر سکتی ہیں بلکہ ہم انہیں کھلاتے ہیں تو میراث بھی صرف ہم لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے لِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ الخ کہہ کر عورتوں کے مالی حقوق محفوظ فرمائے، اس کے باوجود اسلام پر حقوقِ نسواں کے غصب کا الزام رکھنے والوں کے عقل کا ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔

زیادہ قریبی عزیز دور والے کو میراث سے محروم کر دیتا ہے

الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ سے پتہ چلا میراث زیادہ قرابت کی بنیاد پر تقسیم ہوتی ہے، کیونکہ الاقربون صیغۂ اسم تفضیل ہے، جسکا معنی یہ ہے کہ زیادہ قریب والا رشتہ دار پہلے وارث ہے اسکی موجودگی میں دور والا وارث نہیں بن سکتا۔ لہٰذا میت کے باپ کی موجودگی میں دادا دادی، ماں کی موجودگی میں نانا نانی اور بیٹوں کی موجودگی میں بھائی محروم ہیں، یہیں سے یتیم پوتے کی میراث کا بھی فیصلہ ہوا، میت کے بیٹوں کی موجودگی میں پوتے کو کچھ نہیں مل سکتا۔ اس لیے کہ بیٹے زیادہ قریب ہیں پوتا انکی نسبت دور ہے۔

لہٰذا بیٹوں کی موجودگی میں پوتا وارث نہیں بن سکتا، یعنی اگر ایک باپ کے بیٹوں میں سے کوئی اسکی موجودگی میں فوت ہو جائے پھر باپ فوت ہو اور اسکے فوت شدہ بیٹے کا کوئی بیٹا یعنی یتیم پوتا بھی موجود ہو تو اس یتیم پوتے کو میراث میں

سے کچھ نہیں ملے گا کیونکہ بیٹے زیادہ قریب ہیں یعنی اقربین ہیں انکی موجودگی میں پوتا میراث میں سے کچھ نہیں لے سکتا، البتہ اس صورت میں مرنے والے کو اپنے یتیم پوتے کے لئے اپنے مال کے تہائی حصہ میں سے وصیت کرنا چاہئے، اگر اس نے وصیت نہ کی ہو تو بیٹوں کو چاہئے کہ وہ اپنے حصوں سے کچھ علیحدہ کر کے اپنے مرحوم بھائی کی اولاد کے لئے حصہ بنائیں، ایسا اس لیے ضروری ہے کہ اگر قریب والے ورثاء کی موجودگی میں دور والے حصہ مانگنے لگیں تو باپ کی موجودگی میں دادا دادی، ماں کی موجودگی میں نانا نانی اور دوسرے دور کے رشتہ دار حصہ مانگیں گے پھر کس کس کو روکا جائے گا۔

[17] یعنی جب مرنے والے کی میراث بٹنے لگے اور وہ رشتہ دار بھی آ جائیں جن کا حصہ شریعت نے مقرر نہیں کیا مثلاً چچا پھوپھی، ماموں خالہ وغیرہ اور غیر رشتہ دار یتامیٰ و مساکین بھی آ جائیں تو انہیں بھی مال میں سے کچھ دے دو۔ گویا اللہ تعالیٰ نے نفلی صدقہ کی رغبت دلائی ہے۔

[18] اگر تم غیر حق دار عزیزوں اور یتامیٰ و مساکین کو کچھ نہ دینا چاہو تو بہر حال ان سے بھلائی کی بات کہو اور خوش خلقی کے ساتھ معاملہ کرو، انہیں جھڑک کر وہاں سے نہ ہٹاؤ اگر وہ تمہارے مال سے کچھ نہیں پا سکے تو تمہارے حسنِ اخلاق سے انہیں ضرور کچھ ملنا چاہئے۔

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۖ

اور وہ لوگ اللہ سے ڈریں کہ اگر وہ اپنے پیچھے اپنی ناتواں اولاد چھوڑیں تو ان کے متعلق

فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ

ضرور پر خطر ہوں گے تو وہ (یتیموں کے متعلق) اللہ سے ڈریں اور درست بات کہیں [19] بے شک، جو لوگ یتیموں کا

الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝۱۰

مال ظلم سے کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں (جہنم کی) آگ ہی بھرتے ہیں اور عنقریب بھڑکتی آگ میں جا پہنچیں گے۔ [20]

ع ۱ / ۱۲

[19] جو لوگ یتیموں کا مال بے دھڑک کھا جاتے ہیں اللہ وحدہٗ لاشریک ان کے ضمیر کو جھنجھوڑ رہا ہے کہ وہ سوچیں اگر وہ خود فوت ہونے کے قریب ہوں اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں تو کیا انہیں اپنے بعد اپنے کم سن ناتواں بچوں کے برباد ہونے کا خطرہ نہ ہو گا؟ اور اگر کوئی ان بچوں کا حق چھین لے تو کیا یہ چیز انہیں قابلِ برداشت ہے؟ اگر نہیں تو پھر کسی کے یتیم بچوں کا مال کھاتے ہوئے انہیں خدا کا خوف کیوں نہیں آتا؟ گویا خدا کی لاٹھی بے آواز ہے اگر تم کسی کے یتیموں پہ ظلم کرو گے تو خود تمہارے بچوں کو بھی ایسی ہی صورت حال کا سامنا ہو سکتا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں یہ درس ہے کہ یتیم بچوں کو اپنے بچوں جیسا سمجھنا چاہیے، ان کے بارہ میں اس کے جذبات وہی

ہونے چاہئیں جو اپنے بچوں کے بارہ میں ہیں۔

[20] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''شبِ معراج میں نے ایک قوم دیکھی جن کے ہونٹ اونٹوں جیسے تھے ایک شخص ان کے ہونٹ کھول کر ان میں آگ کے گولے ڈال رہا تھا جو ان کے نیچے والے راستے سے نکل رہے تھے اور وہ جانوروں کی طرح درد سے چیختے چنگھاڑتے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبریل یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہی ہیں جن کے بارہ میں ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۴ صفحہ ۱۸۴ مطبوعہ مکہ) اس میں دینی مدارس اور دیگر رفاہی اداروں کے ناظمین کے لیے جائے عبرت ہے، بعض ناظمین یتیم و مسکین طلبہ کے مال سے اپنی کوٹھیاں بناتے اور گاڑیاں بھگاتے پھرتے ہیں، اس لیے کہ ان کے دل خوفِ خدا سے عاری ہو گئے ہیں۔ انہیں اسی آیتِ مبارکہ سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ

اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے متعلق حکم فرماتا ہے کہ (میراث میں) مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے [21] پھر اگر

نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا

میراث پانے والی صرف بیٹیاں ہوں دو (یا اس) سے اوپر، تو ان کے لیے دو تہائی حصہ ہے اس کا جو میت نے چھوڑا ہے اور اگر ایک ہی بیٹی

النِّصْفُ ۗ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ

وارث ہو تو اس کے لیے (کل مال کا) آدھا حصہ ہے [22] اور میت کے والدین دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اس کے ترکہ میں سے

لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ

اگر اس کی اولاد ہو۔ پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے [23] پھر

كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۗ

اگر میت کے کچھ بہن بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے [24] اس وصیت کے بعد جو میت نے کی ہو یا قرض کے [25]

اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۗ فَرِيْضَةً

تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے، تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون تمہیں زیادہ نفع دینے والا ہے یہ اللہ کی طرف سے

مِّنَ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾

مقرر کردہ حصہ ہے، بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے [26]

میراث میں اولاد کا حصہ

[21] ظہورِ اسلام سے قبل عورتوں کو میراث سے محروم کر دیا جاتا تھا تو اس ظلم کے خاتمہ کے لئے یہ آیات نازل ہوئیں۔ اور سب سے قبل بیٹوں اور بیٹیوں کا حصہ میراث بتایا گیا کیونکہ انسان عموماً اسی لئے مال کماتا ہے تاکہ اس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد کے کام آئے لہٰذا سب سے قبل اولاد ہی کا حصہ بتایا جا رہا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ احد میں شہید ہو گئے ان کے چچا نے ان کے مال پر قبضہ کر لیا اور ان کی بیوی اور دو بیٹیوں کو

محروم چھوڑ دیا۔ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں شکایت کی تب یہ آیات اتریں: يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِيۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ ۚ (ترمذی کتاب الفرائض باب ۳، ابن ماجہ کتاب الفرائض باب ۲)

یہاں فِيۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ سے سگی اولاد مراد ہے۔ لے پالک، منہ بولی یا سوتیلی اولاد مراد نہیں۔ اسی طرح پوتے پوتیاں یا نواسے نواسیاں بھی مراد نہیں ہیں۔ اگر مرنے والے کی اولاد میں بیٹے بھی ہیں بیٹیاں بھی تو ہر بیٹے کو بیٹیوں کی نسبت دوہرا حصہ ملے گا مثلاً دو بیٹے دو بیٹیاں ہیں اور ترکہ چھ ہزار تو ہر بیٹے کو دو ہزار اور ہر بیٹی کو ایک ہزار ملے گا، اس میں عمر کی کوئی قید نہیں خواہ کوئی بیٹا یا بیٹی شیر خوار ہو یا جوان، سب کا حصہ برابر ہے۔ اگر اولاد کے ساتھ میت کے والدین اور بیوی بھی ہو تو پہلے والدین اور بیوی کا حصہ نکالا جائے جو آگے بیان ہو رہا ہے پھر جو بچے اس میں یہ تقسیم ہوگی کہ ہر بیٹے کو ڈبل اور ہر لڑکی کو سنگل۔

[22] اگر میت کی صرف بیٹیاں ہوں بیٹا کوئی نہ ہو تو دیکھا جائے گا اگر ایک سے زائد بیٹیاں ہیں (دو یا تین یا زیادہ) تو ان کے لئے دو تہائی حصے ہیں جو ان میں برابری کی بنیاد پر تقسیم ہوں گے اور اگر ایک بیٹی ہے تو اسے نصف حصہ ملے گا۔ باقی نصف دوسرے ورثاء کو دیا جائے گا اگر ہوں، اگر نہ ہوں تو باقی بھی بیٹیوں کو دے دیا جائے گا، کیونکہ ذوی الفروض کو انکے حصے دینے کے بعد اگر کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو باقی ماندہ میراث بھی ذوی الفروض میں انکے حصوں کے مطابق تقسیم کر دی جاتی ہے۔

یہاں تیسری صورت بیان نہیں کی گئی وہ یہ کہ میت کے صرف بیٹے ہوں بیٹی کوئی نہ ہو کیونکہ اس کا حکم واضح ہے کہ ایک بیٹا ہو تو سارے مال کا وارث ہے کیونکہ ایک بیٹی آدھے کی وارث ہوتی ہے تو بیٹا سارے مال کا وارث ہوگا کیونکہ مرد کا حصہ ڈبل ہے اگر ایک سے زائد بیٹے ہوں تو ان میں مال برابر تقسیم ہوگا۔

مرد کا حصہ عورت سے اس لئے دوہرا ہے کہ مرد کے سر پر مالی بوجھ ہے، عورت پر کوئی بوجھ نہیں شادی سے قبل عورت کی ضروریات کا کفیل اس کا باپ ہے اور شادی کے بعد اس کا شوہر ہے۔

باغِ فدک کے حوالہ سے اہلِ تشیع کا ایک غلط استدلال

اس جگہ اہلِ تشیع کا اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنۡ كَانَتۡ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصۡفُ ؕ کہ اگر میت کی ایک بیٹی ہو تو وہ مال کے نصف کی وارث ہے اور بقول شیعہ یہ حکم عام ہے اس میں نبی ﷺ بھی شامل ہیں آپ کے وصال کے بعد آپ کی وارثہ آپ کی بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تھیں انہیں نصف مال ملنا چاہئے تھا اور باغِ فدک آپ کا ترکہ تھا مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بن کر (معاذ اللہ) سب سے پہلا ظلم آلِ رسول ﷺ پر ڈھایا کہ ان کے منہ سے لقمہ چھین لیا مگر ان کا یہ اعتراض قطعی بے جا ہے۔

اصل بات یہ تھی کہ خیبر کا باغِ فدک اور مدینہ طیبہ میں یہود بنی نضیر سے ملنے والے کچھ دیگر علاقے اموالِ فیء

تھے، یعنی جو بغیر جنگ اور بغیر لشکر کشی فتح ہوئے تھے وہ رسول اللہ ﷺ کے زیر انتظام تھے، وہ سرکاری املاک تھے۔ وہ قانوناً حضور سید عالم ﷺ کی ذاتی املاک نہ تھے کہ آپ کے بعد کوئی شخص ان پہ حق وراثت کا دعوی کر سکتا، کیونکہ بغیر جنگ فتح ہونے والے علاقے بحکم قرآن اللہ و رسول عزوجل و ﷺ کے لیے ہوتے ہیں اور رسول کو اختیار ہوتا ہے کہ ان میں سے اپنے اہلِ خانہ اور اقارب کے لیے بقدرِ ضرورت رکھ لیں اور باقی کو یتیموں مسکینوں اور دیگر حاجت مندوں میں تقسیم فرما دیں، اللہ فرماتا ہے:

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ ''اللہ جس علاقہ کو اپنے رسول پر بطور مالِ فیء لوٹا دے تو وہ وہ ہے جس پر تم نے گھوڑوں اور اونٹوں کے ذریعہ کوئی لشکر کشی نہیں کی، بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس پہ چاہے، غلبہ دے دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پہ قادر ہے اور اللہ بعض بستی والوں سے جو اموال اپنے رسول کو بطور مال فیء لوٹاتا ہے تو وہ اللہ و رسول کے لیے ہوتا ہے اور رسول کے رشتہ داروں کے لیے اور یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے لیے۔'' (حشر، ۶، ۷)

یہ آیہ مبارکہ اس بات پہ نص صریح ہے کہ بغیر جنگ ملنے والے علاقوں میں جہاں رسول اللہ ﷺ کے اقارب کا حق ہے وہاں یتیموں مسکینوں اور مسافروں کا بھی حق ہے۔

اور خود کتب شیعہ کے مطابق باغ فدک بغیر جنگ فتح ہوا تھا چنانچہ اہلِ تشیع کے ہاں ساتویں امام معصوم حضرت موسیٰ کاظم رحمہ اللہ نے فرمایا: ان الله تبارك وتعالى لما فتح الله على نبيه فدكا لم يوجف عليه بخيل ولا ركاب، بیشک جب اللہ نے اپنے نبی پر فدک کو فتح کیا تو اس پہ کوئی گھوڑے یا اونٹ نہیں دوڑائے گئے تھے۔ (اصول کافی کتاب الحجہ باب الفیء والانفال صفحہ ۳۳۱ مطبوعہ دار مجتبیٰ نجف اشرف) یہی بات اہلِ تشیع کے ہاں معتبر تاریخ ناسخ التواریخ زندگانی حضرت فاطمہ صفحہ ۸۳ مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران میں بھی مذکور ہے۔

چنانچہ رسول اکرم ﷺ باغ فدک کی آمدن میں سے اپنی ازواج مطہرات اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو انکی گزر اوقات کے مطابق دیتے تھے اور باقی کو اہلِ حاجت مسلمانوں میں بانٹ دیتے تھے۔ جب حضور سرورِ کونین ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بھی ایسے ہی کروں گا، چنانچہ وہ اسی طرح تقسیم کرتے رہے اور دیگر خلفاء راشدین نے بھی اسی طرح عمل جاری رکھا خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح کرتے تھے۔ ہم اہلِ تشیع سے پوچھتے ہیں کہ اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ غلط تھا اور بقول شیعہ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ اور وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ کے خلاف تھا تو مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اسے درست کیوں نہیں کر دیا تھا؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شرعی ورثاء تھے، اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غلط

فیصلہ کیا تھا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے باغِ فدک واپس کیوں نہ لے لیا؟ اہلِ تشیع آج تک اس سوال کا کوئی معقول جوب نہیں دے سکے نہ دے سکتے ہیں۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا فدک کے بارہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے راضی ہونا

نہج البلاغہ کا شیعہ شارح علامہ کمال الدین ابن میثم بحرانی متوفی ۶۷۹ھ لکھتا ہے کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے باغِ فدک کا مطالبہ کیا تو انہوں نے کہا:

و ذالك ان لك ما كان لابيك، كان رسول الله ﷺ يأخذ من فدك قوتكم ويقسم الباقي ويحمل منه في سبيل الله، ولك على الله ان اصنع بها كما كان يصنع فرضيت بذالك واخذت العهد عليه به۔

بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فدک سے تم اہلِ بیت کا کھانا پینا نکالتے تھے (جس میں ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شامل ہیں) اور باقی کو (حاجت مندوں میں) تقسیم کردیتے تھے اور فدک ہی سے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے سواریاں بھی تیار کرتے تھے اور میں اپنے تمہارے درمیان اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں بھی ایسا ہی کرتا رہوں گا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے تھے، تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس پہ راضی ہوگئیں، اور اس پہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عہد لے لیا۔

(شرح نہج البلاغہ لابن میثم جلد ۵ صفحہ ۱۰۱ خط ۴۴ مطبوعہ دار الثقلین بیروت)

اس لیے بخاری شریف میں جہاں یہ الفاظ ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی میراث کا مطالبہ کیا تو انہوں نے حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنائی کہ ہم انبیاء کی میراث نہیں ہوتی ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے، تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا غضبناک ہوگئیں اور ان سے کلام بند کردیا، پھر تا موت کلام نہ کیا۔ (بخاری کتاب الخمس باب ۱)

یہ راوی کی غلط فہمی ہے۔ اس حدیث کی راویہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں، انہوں نے یہ کہا تھا کہ اس فیصلہ کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس موضوع پہ دوبارہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بات نہ کی، مگر راوی نے اسے غلط سمجھ لیا۔ ورنہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو ان کے والد گرامی جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سنائی جائے اور وہ غضبناک ہوکر کلام بند کردیں؟

انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے مالی میراث کا نہ ہونا کتبِ اہلسنت اور کتبِ اہل تشیع سے

دوسری بات یہ ہے کہ اگر باغِ فدک بالفرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی ملکیت ہوتا تو بھی آپ کے وصال کے بعد وہ امت کے غرباء پہ صدقہ ہوجاتا، کیونکہ حدیث مشہور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا نورث ما تركناه صدقة۔ ''ہم گروہ انبیاء کی کوئی مالی میراث نہیں ہوتی ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔''

اسے ابوعبیدہ بن جراح اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما کے سوا تمام عشرہ مبشرہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے (یعنی جملہ خلفاء راشدین، طلحہ زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہم اس کے راوی ہیں)

(بخاری کتاب الخمس باب اول حدیث ۳۰۹۱، مسلم کتاب الجہاد حدیث ۴۹، ابوداؤد کتاب الخراج باب ۱۸، ترمذی کتاب السیر باب ۴۴، نسائی کتاب الفیءِ باب ۹)

اسی حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وصالِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو آپ کی مالی میراث نہیں دی، نہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اور نہ ازواجِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو۔

پھر یہ حدیث ائمہ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم سے کتب اہلِ تشیع میں بھی مروی ہے۔ امام جعفر صادق نے فرمایا:

ان العلماء ورثة الانبياء وذالك ان الانبياء لم يورثوا درهما ولا دينارا وانما اورثوا احاديث من احاديثهم فمن اخذ منها بشيء فقد اخذ حظا وافرا۔

''علماء وارثانِ انبیاء ہیں کیونکہ انبیاء کی میراث درہم و دینار نہیں بلکہ ان کی احادیث ان کی میراث ہیں جس نے وہ لے لیں اسے بڑا خزانہ مل گیا۔'' (اصول کافی جلد اول صفحہ ۲۲ کتاب فضل العلم مطبوعہ دار مجتبیٰ نجف اشرف)

اسی طرح امام محمد باقر رضی اللہ عنہ اپنے آباء سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان العلماءَ ورثةُ الانبياء ان الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما ولكن ورثوا العلمَ فمن اخذ منه اخذ بحظ وافر۔

''علماء انبیاء کے وارث ہیں، انبیاء درہم و دینار کی بجائے علم چھوڑ کر جاتے ہیں جس نے وہ لے لیا اسے بڑی دولت مل گئی۔'' (امالی شیخ صدوق صفحہ ۷۳ مجلس ۱۵ مطبوعہ قم طبع قدیم) تو اس حدیث نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وان كانت واحدةً فلها النصف سے مستثنیٰ کر دیا کیونکہ حدیثِ مشہور کے ساتھ کتاب اللہ کی تخصیص جائز ہے۔

اگر اہلِ تشیع کہیں کہ ہم تو قرآن پیش کر رہے ہیں، لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ اور وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ تو اس کے مقابلہ میں حدیث کا پیش کرنا کیسے جائز ہے، تو جواب یہ ہے کہ خود شیعہ بھی مانتے ہیں کہ یہ آیات اپنے عموم پر نہیں ہیں، کیونکہ جو شخص اپنے قریبی کو قتل کر دے وہ مقتول کی میراث نہیں پا سکتا اور وہ ان سے مستثنیٰ ہے، چنانچہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا ميراث للقاتل، ''قاتل کے لیے میراث نہیں ہے اور فرمایا: ايما رجل ذى رحم قتل قرابته لم يرثه، جس بھی رشتہ دار نے اپنے قریبی کو قتل کر دیا تو وہ اس کا وارث نہیں بنے گا۔''

(تہذیب الاحکام کتاب الفرائض والمواریث صفحہ ۷۹۴ مطبوعہ دار مجتبیٰ نجف اشرف)

اسی طرح جو شخص مرتد ہو جائے وہ بھی اپنے قریبی مسلمانوں کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے۔

(تہذیب الاحکام کتاب الفرائض والمواریث صفحہ ۷۹۲)

تو جیسے قاتل اور مرتد کا وارث نہ ہونا ان آیات سے مستثنیٰ ہے اسی طرح نبی کی میراث کا اس کے اقارب کو نہ ملنا ان آیات سے مستثنیٰ ہے۔اس موضوع پہ مزید بحث سورہ اسراء رکوع ۳ اور سورہ حشر رکوع اول کے تحت آئے گی ان شاءاللہ۔

سچ یہ ہے کہ یہ ایک یہودی سازش تھی کہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں اہلِ اسلام کو بدگمان کرنے کی تا کہ مسلمانوں میں باہم جنگ وجدال کا سلسلہ ہمیشہ جاری کیا جائے، کیونکہ انہی کے ذریعہ امت تک دین پہنچا ہے، جب وہی ظالم اور حق اہلِ بیت مارنے والے تھے تو دین کی حقانیت کا کیا اعتبار رہا؟ چنانچہ جن لوگوں کا ذہن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں زہر آلود ہو گیا وہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہ طعنہ زنی کرتے ہیں، کبھی ان پہ غصبِ خلافت کا الزم رکھتے ہیں، کبھی ان پہ غصبِ فدک کا بہتان باندھتے ہیں، کبھی حدیثِ قرطاس کا الزام لیکر بیٹھ جاتے ہیں۔ الغرض ان کے دلوں میں یارانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بغض اس قدر جاگزیں ہو گیا ہے کہ ان کے نزدیک سب سے بڑی نیکی اصحابِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ طعنہ زنی ہے اور ان کو گالیاں بکنا اور ان پہ تبرا بھیجنا ان کے نزدیک حب اہل بیت کا اولیں تقاضا ہے۔

میراث میں والدین کا حصہ

[23] اگر میت کے دونوں والدین زندہ ہوں اور میت کی اولاد بھی ہو تو والدین میں سے ہر ایک کو چھٹا چھٹا حصہ ملے گا۔ اولاد میں بیٹا بیٹی پوتا پوتی سب شامل ہیں خواہ بچے ہوں یا بڑے۔ یاد رہے کہ والدین کے ساتھ اولاد کے وارث بننے کی تین صورتیں ہیں۔

اول۔ اگر صرف نرینہ اولاد ہو تو والدین کو چھٹا چھٹا حصہ دیا جائے گا، باقی ماندہ بیٹوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ اس صورت میں بیٹے عصبہ ہیں، یعنی ایسا وارث کہ ذوی الفروض سے جو بچے وہ اس کا ہے۔

دوم۔ اگر صرف بیٹیاں ہوں تو ایک بیٹی کی صورت میں وہ آدھا مال لے گی، اگر ایک سے زائد ہوں تو دو تہائی جیسے پیچھے گزرا اور ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ ملے گا (اگر بیٹیوں کے ساتھ صرف ماں ہو تو ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا اور بیٹیوں کو دو تہائی اور باقی ماندہ بھی بیٹیاں لے جائیں گی، اگر بیٹیوں کے ساتھ صرف باپ ہو تو بیٹیوں کو انکا حصہ دینے کے بعد باقی ماندہ سارا مال باپ لے جائے گا، کیونکہ وہ عصبہ ہے اور عصبہ وہ وارث ہے کہ ورثاء سے جو بچے وہ سارا اسی کا ہوتا ہے)

سوم۔ اگر بیٹے بیٹیاں دونوں ہوں تو پہلے والدین کو چھٹا چھٹا حصہ دیا جائے گا اور باقی ماندہ مال میں یوں تقسیم کی جائے گی کہ ہر لڑکی کو سنگل اور ہر لڑکے کو ڈبل حصہ دیا جائے گا اور اگر میت کی کوئی اولاد نہ ہو، صرف والدین ہی وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ ملے گا باقی دو تہائی حصہ باپ لے جائے گا کیونکہ وہ عصبہ ہے۔

[24] اگر میت کے ایک سے زائد یعنی دو یا تین یا زیادہ سگے بہن بھائی ہوں خواہ دونوں بھائی یا دونوں بہنیں یا ایک بھائی ایک بہن ہو تو وہ ماں کے حصہ کو ایک تہائی سے چھٹے کی طرف لے جاتے ہیں مگر باپ کی موجودگی میں انہیں کچھ نہیں

ملے گا مثلاً ایک میت کے ماں باپ ہیں اور دو بہن بھائی تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا باقی سارا باپ لے جائے گا اور اگر باپ نہ ہو تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا باقی بہن بھائی کو ملے گا جن کا حصہ آگے بیان ہو رہا ہے۔

[25] اولاد اور والدین یا دوسرے ورثاء میں میراث کی تقسیم سے پہلے میت پر جو قرض ہو یا اس نے جو وصیت کی ہو اسے پورا کیا جائے گا اور وصیت کل مال کے تہائی حصہ سے زائد نہیں ہو سکتی جبکہ قرض کے لئے کوئی قید نہیں ممکن ہے وہ سارے مال کو گھیر لے ترتیب یہ ہے کہ پہلے قرض دیا جائے پھر وصیت جاری کی جائے پھر میراث تقسیم کی جائے۔

[26] اولاد اور والدین کا حصہ میراث بیان کرنے کے بعد فرمایا جا رہا ہے کہ اے لوگو! تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون تمہارے لئے زیادہ نفع مند ہے ممکن ہے جسے تم زیادہ مددگار جانو وہ تمہارے لئے نقصان دہ ہو اس لئے اللہ تعالیٰ نے والدین اور اولاد کے لئے حصے مقرر کئے ہیں تمہاری صوابدید پر نہیں چھوڑے وہ سب سے زیادہ علم و حکمت والا ہے۔

بیٹا اور باپ عصبہ بنفسہٖ ہیں

اولاد کی میراث بتاتے ہوئے صرف بیٹیوں کا حصہ بتایا گیا اور والدین کی میراث میں صرف والدہ کا، بیٹوں اور باپ کا حصہ نہیں بتایا گیا جو اس امر کا اشارہ ہے کہ باقی ماندہ انہی کا ہے۔

دو افراد بھی جماعت کے حکم میں ہیں

لفظِ اِخْوَةٌ صیغہء جمع ہے اور یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ کوئی سے دو بہن بھائی کی موجودگی ماں کے حصے کو تہائی سے گھٹا کر چھٹے کی طرف لے جاتی ہے۔ گویا دو افراد بھی جمع ہی کے حکم میں ہیں اسی لئے دو افراد بھی مل کر نماز پڑھیں تو انہیں جماعت کا ثواب ملتا ہے اور حدیثِ طیبہ ہے اثنان فما فوقھما جماعة ''دو اور اس سے زائد جماعت ہی ہے۔'' (بیہقی جلد ۲ صفحہ ۶۹ کتاب الصلوٰۃ)

شریعت کا حکم واجب العمل ہے خواہ حکمت سمجھ میں نہ آئے

اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ۔ الخ سے معلوم ہوا کہ ہمیں ہر شرعی حکم پر عمل کرنا ہے خواہ اس کی حکمت ہمیں سمجھ میں آئے یا نہ، کیونکہ جس رب نے شریعت اتاری ہے وہ سب سے زیادہ علم و حکمت والا ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ

اور تمہارے لیے آدھا حصہ ہے اس کا جو کچھ تمہاری بیویوں نے چھوڑا اگر ان کی اولاد نہ ہو پھر اگر ان کی

لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ

اولاد ہو تو تمہارے لیے چوتھا حصہ ہے اس کا جو وہ چھوڑیں اس وصیت کے بعد جو وہ کریں یا قرض کے بعد [27]

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ

اور ان کے لیے چوتھا حصہ ہے، اس کا جو تم چھوڑو اگر تمہاری اولاد نہ ہو پھر اگر تمہاری

فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ

اولاد ہو تو ان کے لیے آٹھواں حصہ ہے اس کا جو تم چھوڑو، اس وصیت کے بعد جو تم کرو یا قرض کے بعد [28] اور اگر

كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ

کسی ایسے مرد کی میراث بٹے جس کی کوئی اصل ونسل موجود نہ ہو یا کسی ایسی عورت کی میراث بٹے اور (ماں کی طرف سے) کوئی بھائی یا بہن ہو تو

مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ

دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے، پھر اگر وہ ایک سے زیادہ ہوں تو وہ تیسرے حصہ میں

مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ

برابر کے شریک ہیں [29] اس وصیت کے بعد جو کی جائے اور قرض کے بعد جو کسی کو نقصان نہ دے، یہ اللہ کا حکم ہے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ؕ ﴿۱۲﴾

اور اللہ علم والا حلم والا ہے [30]

میراث میں میاں بیوی کا حصہ

[27] یعنی اگر کسی شخص کی بیوی فوت ہو جائے اور اس عورت کی کوئی اولاد نہ ہو، نہ بیٹا نہ بیٹی نہ پوتا نہ پوتی تو اس کو اپنی بیوی کے چھوڑے ہوئے مال کا نصف حصہ ملے گا اور اگر اس عورت کی اولاد ہو خواہ بیٹا یا بیٹی پوتا یا پوتی اور خواہ اسی مرد سے

ہو یا پہلے شوہر سے تو بہر حال اس شخص کو بیوی کے ترکہ میں سے چوتھا حصہ ملے گا بیوی کے ترکہ سے مراد یہ ہے کہ اگر اس کے پاس زیور ہو یا اس کے نام پر جائیداد ہو تو اس میں مذکورہ تقسیم جاری ہوگی اور یہ تقسیم قرض اور وصیت کے بعد جاری کی جائے گی، پہلے قرض اتارا جائے گا پھر وصیت جاری کی جائے گی جو کل مال کے ایک تہائی سے زائد نہیں ہو سکتی اس کے بعد میراث تقسیم کی جائے گی۔

[28] اور اے مردو! اگر تمہیں موت آئے اور تمہاری اولاد نہ ہو نہ بیٹا نہ بیٹی نہ پوتا نہ پوتی تو تمہاری بیوی کو تمہارے ترکہ سے چوتھائی حصہ ملے گا۔ باقی تین حصے دوسرے ورثاء میں تقسیم ہوں گے۔ مثلاً ایک آدمی مرا اور بیوی اور والدین چھوڑ گیا تو بیوی کو چوتھائی اور ماں کو تہائی حصہ ملے گا باقی باپ کا، تقسیم بارہ پہ ہوگی تین حصے بیوی کے، چار ماں کے اور باقی پانچ باپ کے اور اگر اے مردو! تمہیں یوں موت آئے کہ تمہاری کوئی اولاد ہو خواہ بیٹا بیٹی یا پوتا پوتی تو تمہاری بیوی کو تمہارے ترکہ سے آٹھواں حصہ ملے گا۔ گویا اولاد کی وجہ سے بیوی کا حصہ چوتھائی سے گھٹا کر آٹھویں تک کر دیا گیا۔ تاکہ اولاد کو بھی ان کا حق مل سکے۔ یاد رہے شوہر کی میراث میں بیوی بہر حال حقدار ہے خواہ اس کے ساتھ خلوت ہوئی یا نہ، اسی طرح بیوی کی میراث میں شوہر بہر حال حقدار ہے خواہ خلوت ہوئی یا نہ، اگر بیوی کو رجعی طلاق ہوگئی پھر زوجین سے کوئی مر گیا تو وراثت جاری ہوگی مگر بائنہ یا مغلظہ طلاق کی صورت میں نہیں۔ اگر ایک سے زائد بیویاں ہوں تو سب پر آٹھواں یا چوتھائی حصہ تقسیم کیا جائے گا۔

میراث میں اخیافی بہن بھائیوں کا حصہ

[29] کَلٰلَۃ اس مرد یا عورت کو کہتے ہیں جو اس حالت میں دنیا سے جائے کہ اس کے اصول و فروع میں سے کوئی نہ ہو یعنی نہ والدین نہ اولاد۔ البتہ ماں کی طرف سے اس کا کوئی بھائی یا بہن ہو تو اسے اس کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ ملے گا اور اگر ایک سے زائد ایسے بہن بھائی ہوں تو وہ سب اس کے ترکہ کے ایک تہائی حصہ میں برابر کے شریک ہیں پھر چھٹے یا تہائی حصہ سے جو بچے وہ دوسرے ورثاء کا ہے۔

یاد رہے یہاں اَخٌ اَوْ اُخْتٌ سے وہ بھائی یا بہن مراد ہے جو صرف ماں کی طرف سے ہو جسے اخیافی بہن بھائی کہتے ہیں، جبکہ صرف باپ کی طرف سے جو بہن بھائی ہوں انہیں علاتی اور ماں باپ دونوں کی طرف جو بہن بھائی ہوں انہیں حقیقی یا عینی کہا جاتا ہے۔ اس پر امت کا اجماع ہے کہ یہاں علاتی یا حقیقی یعنی صرف باپ یا ماں باپ دونوں کی طرف سے سگے بھائی بہن مراد نہیں ہیں کیونکہ ان کی میراث اسی سورہ نساء کی آخری آیت میں بیان کی گئی ہے کہ بہن کو اپنے بھائی کے مال کا نصف ملتا ہے اور بھائی اپنی بہن کے سارے مال کا وارث ہے اگر کوئی اور وارث نہ ہو اور دو بہنیں اپنے بھائی کے مال کے دو تہائی حصوں کی حقدار ہیں اور اگر مرنے والے کے کئی بہن بھائی ہوں تو ہر مرد کو دوہرا اور عورت

کو اکہرا حصہ ملے گا۔ (دیکھئے سورہ نساء آخری آیت)

[30] مگر یہ میراث کے حصے وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد ہی جاری ہوں گے لیکن وہ وصیت یا قرض ایسا نہ ہو جو ورثاء کو ضرر دے۔ مثلاً وصیت تیسرے حصہ سے زائد نہ ہو اور کسی وارث کے لئے نہ ہو یعنی ایسے رشتہ دار کے لئے نہ ہو جس کا حصہ میراث خود اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرما دیا۔ اسی طرح قرض بھی اس نیت سے نہ اٹھایا گیا ہو کہ وارثوں کو نقصان پہنچے یا جھوٹ سے اقرار کر لیا جائے کہ میں نے فلاں آدمی کے اتنے پیسے دینے ہیں تا کہ ورثاء کی بجائے اس آدمی کو فائدہ ہو۔

علمِ فرائض کی اہمیت

علمِ میراث کو علم الفرائض کہتے ہیں۔ اس رکوع میں اسی علم کے بنیادی قواعد بتائے گئے ہیں۔ اگر یہ علم زندہ نہ رہے تو دنیا ظلم وتعدی سے بھر جائے اور ایک شخص کے مرنے پر لوگ اس کی دولت پہ گِدھوں کی طرح ٹوٹ پڑیں اور ایک دوسرے کو ماردیں۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے اس علم کے سیکھنے پر زور دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فرائض اور قرآن کو مجھ سے سیکھ لو اور لوگوں کو سکھاؤ، کیونکہ ایک دن مجھے اٹھا لیا جائے گا'' (ترمذی کتاب الفرائض باب ۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''فرائض سیکھو اور سکھاؤ کہ یہ نصف علم ہے اور یہ علم بھول جاتا ہے اور میری امت میں سے یہی علم پہلے اٹھایا جائے گا۔'' (ابن ماجہ حدیث ۲۷۲۱)

میراث میں سے کسی کا حق مارنا ظلم ہے

اللہ تعالیٰ نے یہاں بار بار وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ، فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ فرمایا کہ جو کسی وارث کا حق مارے اس نے اللہ کے فریضہ اور وصیت کو توڑا گویا یہ غیرتِ الٰہی کو للکارنا ہے۔ آج ہمارے معاشرہ میں بھائی عموماً بہنوں کی میراث دبا لیتے ہیں، یہ ظلم ہے۔

بیوہ کی میراث کی کمی اس کے لیے نکاحِ ثانی کی ترغیب ہے

شوہر کی اولاد نہ ہو تو بیوی کو چوتھائی اور اولاد ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ دیا گیا اور بیوی کی اولاد نہ ہو تو شوہر کو نصف اور اولاد ہو تو چوتھائی حصہ دیا گیا یہ اسی لئے ہے تا کہ بیوہ ہونے کے بعد عورت نکاحِ ثانی کی طرف راغب ہو۔ دوسرا شوہر اس کا بوجھ اٹھائے مرد نے چونکہ اپنا بوجھ خود اٹھانا ہوتا ہے اس لئے اسے عورت کی نسبت ڈبل حصہ دیا گیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ۔ یعنی ''اپنے میں سے بیوہ عورتوں کا نکاح کرو۔'' (نور، ۳۲)

مرد عورت پہ حاکم ہے

آیت ۱۲ میں روئے سخن مردوں کی طرف رکھا گیا (لَکُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَكَ اَزۡوَاجُکُمۡ۔ الخ) اور عورتوں کا غائبانہ ذکر کیا گیا (وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ۔ الخ) تا کہ معلوم ہو کہ مرد کا کام اجراء حکم ہے عورت کا کام حکم سننا ہے۔

تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ يُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ
یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اسے اللہ ان باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے
مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ وَذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ۝۱۳ وَمَنۡ
نہریں بہتی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ عظیم کامیابی ہے [31] اور جو
يَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ يُدۡخِلۡهُ نَارًا خَالِدًا فِيۡهَا ۖ
اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اللہ کی حدوں سے آگے گزر جائے تو اللہ اسے دوزخ میں داخل کرے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا
وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ۝۱۴ ع
اور اس کے لیے ذلت آمیز عذاب ہے [32]

[31] یعنی ابتداء سورت سے اب تک جو احکام بیان ہوئے جیسے یتامیٰ سے شفقت، بیویوں کے مابین قیام عدل، حق مہر کی ادائیگی اور احکامِ میراث یہ سب اللہ کی حدود ہیں اور جو شخص ان حدود کی پابندی کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بجالائے اللہ تعالیٰ اسے جنتی باغات میں داخل کرے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔

ختمِ نبوت

اس آیت میں وَرَسُوۡلَهٗ اسم معرفہ ہے جو ایک ہی ذات پر بولا جا سکتا ہے اور وہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں یعنی قرآن جن لوگوں کے لئے اتارا گیا ان کے لئے ایک ہی رسول ہے اس سے زائد کوئی رسول نہیں ورنہ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرُسُلَهٗ کہا جاتا۔

پھر اس آیتِ مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو حصولِ جنت اور فلاحِ آخرت کی ضمانت قرار دیا گیا ہے گویا جس نے آپ کی اطاعت کر لی اسے کسی دوسری شخصیت کی اطاعت کی ضرورت نہیں، یعنی حضور ختم الرسل ﷺ ہی وہ آخری شخصیت ہیں جن کی اطاعت اللہ کی طرح مطلقاً لازم ہے۔ (حاکم کی اطاعت اصل میں آپ ہی کی اطاعت

ہے) خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی ایسی شخصیت نہیں آئے گی جو کہے کہ میری اطاعت پہ نجات موقوف ہے، جو میری اطاعت کرے اس کے لیے جنت ہے جو نہ کرے وہ کافر و جہنمی ہے۔

اس نقطہ کو ہم دوسرے لفظوں میں یوں سمجھا سکتے ہیں کہ حضور سیدِ عالم ﷺ کے بعد دعویٰ نبوت کرنے والے شخص کی اطاعت کیا ہر حال میں لازم ہے خواہ اسکا حکم قرآن وسنت کے منافی ہو؟ اگر لازم ہے تو پھر قرآن ہمیشہ کیلیے نازل شدہ نہ ہوا، اگر وہ ہمیشہ کیلیے نازل شدہ ہوتا تو اسکے مقابلہ میں کسی کا حکم نہ چل سکتا اور یہ بات تو قادیانیوں کو بھی مسلم ہے کہ قرآن ہمیشہ کیلیے نازل ہوا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ ۝ (حجر،۹) اسی طرح پھر حضور سرور کونین ﷺ کی اطاعت بھی ہمیشہ کے لیے لازم نہ رہی، حالانکہ آپکی اطاعت تا قیامت لازم ہے جیسا کہ پیش نظر آیت اور ایسی ہی صدہا آیات سے واضح ہے۔

اور اگر حضور خاتم المرسلین ﷺ کے بعد دعویٰ نبوت کرنے والے شخص کی اطاعت مطلقاً لازم نہیں تو پھر وہ نبی نہیں ہے کیونکہ نبی کا ہر حکم ہر حال میں واجب الاطاعۃ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ ''اور ہم نے جو بھی نبی بھیجا وہ اسی لیے تھا تا کہ اسکی اطاعت کی جائے۔'' (النساء ۶۴)

حجیت حدیث

وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح اللہ وحدہٗ لاشریک کا ہر حکم واجب التسلیم ہے اسی طرح حضور سید عالم ﷺ کا ہر حکم بھی واجب التسلیم ہے لہٰذا آپ کی جو حدیث ہمیں صحیح سند کے ساتھ مل جائے اس پر عمل واجب ہے اور اس سے انکار کھلی گمراہی اور اس کی سزا جہنم ہے جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے۔

رسول کا معصوم ہونا ضروری ہے

جب رسول کی اطاعت کو حصولِ جنت کی ضمانت اور رسول کی نافرمانی کو دخولِ نار کا سبب قرار دیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ رسول خواہشِ نفس سے پاک ہوتا ہے، اس کے دل، دماغ اور زبان اور تمام جسم پہ اللہ کا پہرہ ہے، وہ مرضی خدا سے ہٹ کر کچھ کہہ سکتا ہے نہ کر سکتا ہے، کیونکہ اگر اس کا عمل نفس وشیطان کی خواہش سے پاک نہ ہوتا تو اللہ اپنی اطاعت کی طرح رسول کی اطاعت کو مطلقاً فرض نہ قرار دیتا۔ یہ منصب ومقام کسی معصوم انسان ہی کا ہوسکتا ہے۔ اگر رسول معصوم نہ ہوتا تو یوں کہا جاتا کہ اس کی وہی بات مانو جو حکم خداوندی کے مطابق ہے، جو اس سے ہٹ کر ہے وہ مت مانو کیونکہ وہ بات اس نے معاذ اللہ شیطان کے بہکانے یا نفس امارہ کے اکسانے سے کہی ہے، مگر رسول کا ایسا معاملہ نہیں ہے۔ رسول کو مطلقاً مطاع بنایا گیا ہے، یہ اس کے معصوم عن اغواء الشیطان والنفس ہونے کی بین دلیل ہے؟

رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی انسان منصوص من اللہ یا معصوم نہیں ہے

اس جگہ صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے حصولِ جنت کو وابستہ کیا گیا ہے اور ان کی نافرمانی کو دخولِ نار کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں جو رسول کی طرح اللہ کا مقرر اور منصوص کردہ ہو اور اس کا ہر حکم اور عمل نفس و شیطان کی خواہش سے پاک ہو، لہٰذا شیعہ فرقہ کا بارہ اماموں کو منصوص من اللہ اور معصوم کہنا قرآن کے خلاف ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا: ومن یطع اللہ ورسولہ والامام یدخلہ جنات۔ الخ یعنی جو اللہ اور رسول اور امام کی اطاعت کرے اسے اللہ جنت میں داخل کرے گا، مگر سارے قرآن میں اللہ رب العزت نے ایسا کہیں نہیں فرمایا۔

شیعہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پہ رسالت کے ختم ہو جانے کے بعد امامت کا منصب جاری کیا ہے، اور امام کا وہی منصب ہے جو رسول کا ہے بلکہ امام کی اہمیت رسول سے بھی کہیں زیادہ ہے (معاذ اللہ)، ہم کہتے ہیں اگر یہی بات ہے تو اللہ نے سارے قرآن میں رسول کے ساتھ کہیں امام کا ذکر کیوں نہیں کیا؟، لہذا ماننا پڑے گا کہ صرف رسول ہی منصوص و معصوم ہوتا ہے۔

[32] یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کسی ارشاد سے انکار کرنے والا اور ان کی بیان کردہ حدود میں اپنی مرضی سے تبدیلی کرنے والا کافر ہے جو ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور اس کے لئے ذلت آمیز عذاب جہنم تیار ہے۔

وَالّٰتِیۡ یَاۡتِیۡنَ الۡفَاحِشَۃَ مِنۡ نِّسَآئِکُمۡ فَاسۡتَشۡہِدُوۡا عَلَیۡہِنَّ اَرۡبَعَۃً

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی (زنا) کا ارتکاب کریں تو ان پر چار گواہ

مِّنۡکُمۡ ۚ فَاِنۡ شَہِدُوۡا فَاَمۡسِکُوۡہُنَّ فِی الۡبُیُوۡتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰہُنَّ الۡمَوۡتُ

طلب کرو جوتم (مسلمانوں) میں سے ہوں پھر اگر وہ گروہ گواہی دے دیں تو عورتوں کو گھروں میں بند کردو تا آنکہ موت ان کا خاتمہ کردے

اَوۡ یَجۡعَلَ اللّٰہُ لَہُنَّ سَبِیۡلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ یَاۡتِیٰنِہَا مِنۡکُمۡ فَاٰذُوۡہُمَا ۚ فَاِنۡ

یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راستہ بنا دے [33] اور جو مرد و عورت اس بے حیائی کا ارتکاب کریں تو انہیں زبانی ایذا دو پھر اگر

تَابَا وَاَصۡلَحَا فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡہُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا ﴿۱۶﴾

وہ توبہ کریں اور خود کو سنوار لیں تو ان سے درگذر کرو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا رحم والا ہے [34]

عورتوں کے لئے اسلام میں زنا کی ابتدائی سزا عمر قید

[33] اسلام جہاں حقوقِ خواتین کا محافظ ہے وہاں انہیں اخلاقی ضابطوں کا پابند بھی بناتا ہے اس لئے یہاں حقوقِ خواتین بیان کرتے ہوئے درمیان میں ان سے بدکاری کے صدور پر ان کی سزا بھی بتائی جا رہی ہے تو فرمایا کہ (اے حاکمو) تمہاری (مسلمان) عورتوں میں سے جو بے حیائی (زنا) کا ارتکاب کریں تم ان پر چار گواہ طلب کرو یعنی جو لوگ ان پر زنا کا الزام رکھیں ان سے کہو کو چار گواہ لاؤ جو کہیں کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے فلاں عورت کو فلاں مرد کے ساتھ حالت زنا میں دیکھا ہے اگر چار مرد ایسی گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند کردو یہاں تک کہ انہیں موت آ جائے یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ بنادے یعنی نئی سزا نازل فرمادے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پہلے یہ حکم تھا کہ اگر کوئی عورت زنا کرتی تو اسے گھر میں قید کر دیا جاتا تا آنکہ اسے موت آ جائے، بعد میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیۡ فَاجۡلِدُوۡا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا مِائَۃَ جَلۡدَۃٍ کہ ''زنا کار مرد اور عورت کو سو کوڑے لگاؤ'' (نور، ۲) نازل فرمائی، پھر اس کے بعد یہ حکم ہوا کہ اگر شادی شدہ مرد وعورت زنا کریں تو انہیں سنگسار کرو، تو یہ ہے وہ راستہ جو اللہ نے بعد میں ایسے مرد وعورت کے لئے بنا دیا۔ (ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۱۹۸) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک بار آثارِ وحی طاری ہوئے پھر افاقہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سنو اللہ نے عورتوں کے لئے نیا حکم اتار دیا ہے۔ پھر فرمایا اگر شادی شدہ عورت و مرد زنا کریں تو

انہیں پتھروں سے سنگسار کرو اور اگر وہ غیر شادی شدہ ہوں تو سو کوڑے لگاؤ اور سال بھر کے لئے جلا وطن کر دو۔ (مسلم کتاب الفضائل حدیث ۸۸) یہ حدیث مسند احمد، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں بھی ہے۔ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۴۵۸) یاد رہے ابتداء میں صرف عورت کو زنا کے ارتکاب پر گھر میں قید کرنے کی سزا دی گئی اور مرد کو اس سے مستثنیٰ رکھا گیا تاکہ وہ مال کما کر بیوی بچوں کو کھلا سکے بعد میں مرد و عورت کے لئے زنا کی یکساں سزا نافذ کر دی گئی، یعنی سو کوڑے یا سنگساری۔

ضروری ہے کہ زنا کے گواہ چار عاقل بالغ مسلمان مرد ہوں

فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا میں جمع مذکر کے صیغے بتاتے ہیں کہ زنا کے گواہوں کا مرد ہونا ضروری ہے اور مِّنْكُمْ سے ان کا مسلمان ہونا بھی لازم ٹھہرا۔ امام زہری فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت ہے کہ حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۶۰) اور گواہی عاقل بالغ شخص ہی دے سکتا ہے، مجنون یا بچہ کیا گواہی دے گا۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی پردہ پوشی پسند ہے

زنا کے ثبوت کے لئے چار گواہ لازم کئے گئے حالانکہ چار گواہیوں سے زنا کا اثبات قریباً ناممکن ہے مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے لئے کسی مومن کی عزت کا اچھالنا آسان نہ ہو، جو لوگ اسلامی سزاؤں کو بہت سخت کہتے ہیں کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اسلام نے جرائم کے اثبات کے لیے کس قدر کڑی شہادات کا قیام ضروری قرار دیا ہے؟

رجم کا ثبوت

اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا کے تحت آپ نے مسلم کی روایت پڑھی کہ اللہ تعالیٰ نے شادی شدہ مرد و عورت کے لئے رجم کی سزا جاری کی ہے۔ آج بعض مغرب زدہ مسلمان اس کی شرعی حیثیت سے انکار کرتے ہیں مگر یہ گمراہی ہے، رجم پہ مزید تفصیلی گفتگو ان شاء اللہ العزیز سورہ نور کے ابتدائی رکوع کے تحت آئے گی، جہاں حد زنا کی تمام تفصیلات لکھی جائیں گی۔

[34] حضرت عبداللہ بن عباس، سعید بن جبیر، عطاء بن ابی رباح اور سدی رضی اللہ عنہم سے اس کا یہ معنی مروی ہے کہ ابتداء میں حکم تھا کہ زنا کار مرد و عورت کو زبانی زجر و توبیخ کی جائے یعنی انہیں کہا جائے تمہیں شرم کیوں نہ آئی تم خدا سے کیوں نہیں ڈرے وغیرہ۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے زنا کی حد سورہ نور میں اتار دی۔ (ابن جریر اور ابن ابی حاتم وغیرہ) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ابتداء میں زنا کار مرد و عورت کو زبانی ایذاء دی جاتی اور عورت کو قید بھی کیا جاتا تھا بعد میں ان کے لئے کوڑوں اور سنگساری کی حد جاری کی گئی۔ (ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۱۹۸) آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر زنا کار مرد و عورت سچی توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں یعنی ان کے طرزِ عمل سے ظاہر ہو کہ وہ واقعتاً اپنے گناہ پر شرمندہ ہیں تو انہیں زبانی ایذاء دینا

بند کر دو کیونکہ اللہ توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

اِنَّمَا التَّوۡبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السُّوۡٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوۡبُوۡنَ
توبہ تو اللہ کے ذمۂ کرم پر انہی لوگوں کے لیے ہے جو ناسمجھی میں برائی کرتے پھر جلد توبہ کر لیتے ہیں
مِنۡ قَرِيۡبٍ فَاُولٰٓـئِكَ يَتُوۡبُ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۱۷﴾
تو انہی لوگوں کی توبہ اللہ قبول فرماتا ہے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے [35]
وَلَيۡسَتِ التَّوۡبَةُ لِلَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ
اور ان لوگوں کے لیے توبہ نہیں جو مسلسل برائیاں کرتے رہتے ہیں تا آنکہ جب ان میں سے کسی کو موت
الۡمَوۡتُ قَالَ اِنِّىۡ تُبۡتُ الۡـئٰنَ وَلَا الَّذِيۡنَ يَمُوۡتُوۡنَ وَهُمۡ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓـئِكَ
آجاتی ہے تو وہ کہتا ہے میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ ہی ان کے لیے توبہ ہے جو کافر ہی مر جاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں
اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۱۸﴾
جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے [36]

[35] جب یہ کہا گیا کہ زنا کار مرد و عورت توبہ کر لیں تو ان سے درگزر کرو تو اب مطلقاً بتایا جا رہا ہے کہ توبہ کب قابل قبول ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ جو لوگ جہالت یعنی غفلت و اغواء نفس سے گناہ کر لیں پھر جلد ہی توبہ کی طرف مائل ہوں تو ان کی توبہ اللہ کے ذمہ کرم پر ہے، اللہ رب العزت پر کوئی چیز واجب نہیں مگر اس نے اپنی رحمت سے توبہ کا قبول کرنا خود پر لازم کیا ہے۔ وہ فرماتا ہے: كَتَبَ عَلٰى نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ ؕ (انعام، ۱۲)

اس جگہ بِجَهَالَةٍ کا یہ معنی نہیں کہ آدمی کو کسی کام کا گناہ ہونا معلوم نہ ہو تب اس کی توبہ قبول ہو گی ورنہ نہیں، بلکہ جہالت سے مراد غفلت اور نفس و شیطان کا بہکانا ہے کہ یہ جہالت ہی کی ایک قسم ہے۔ ابو العالیہ تابعی کہتے تھے اصحاب رسول ﷺ کے نزدیک ہر گناہ جہالت ہی ہے اور عَنۡ قَرِيۡبٍ کا مفہوم رسول اللہ ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ جب تک موت کا غرغرہ (موت کے وقت منہ سے نکلنے والی آواز، جو فرشتۂ موت کے دیکھنے کے وقت منہ سے نکلتی ہے) نہ آئے تب تک اللہ توبہ قبول کرتا ہے۔ (ترمذی کتاب الدعوات باب ۹۸)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ثُمَّ يَتُوۡبُوۡنَ مِنۡ قَرِيۡبٍ سے وہ وقت مراد ہے جو فرشتۂ موت کے

دیکھنے سے قبل ہے۔(ابن جریر ج ۴ صفحہ ۱۹۰)

توبہ کی شرائط اور اس کے آداب

یاد رہے توبہ کی قبولیت چار شرائط سے مشروط ہے۔

اول۔سخت ندامت، یعنی گناہ ہو جانے کے بعد اس پہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر معافی کا طلب گار ہونا۔یعنی صرف لفظی توبہ قابلِ قبول نہیں ہے بلکہ دل کے اندر بھرپور احساس ندامت آنا چاہیے اور سارے جسم سے ندامت کی کیفیت نظر آئے ،یعنی سر جھک جائے آنکھیں بہہ پڑیں اور جسم پہ لرزہ طاری ہو۔

دوم۔گناہ کا مکمل ترک کر دینا اور اس کے اسباب سے بھی دور ہو جانا یعنی اس ماحول سے دور ہو جانا جو انسان کو دوبارہ گناہ میں مبتلا کر سکتا ہو، جو شخص اس ماحول سے باہر نہ نکلے تو سمجھو کہ اس نے ابھی سچی توبہ نہیں کی ہے اس کی توبہ ابھی محض رسمی ہے جو قابلِ قبول نہیں ہے۔

سوم: آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم اور اللہ تعالیٰ سے حیاء نہ کہ لوگوں کا خوف۔

چہارم: اگر اس گناہ کا حقوق العباد سے تعلق ہے تو جس شخص کا حق مارا ہے اس کو حق کا مکمل لوٹانا اور اگر حق کا لوٹانا اس سے ممکن نہ ہو تو اس سے معافی مانگی جائے۔

اسی طرح توبہ کے کچھ آداب ہیں جو جلد قبولیت لاتے ہیں جیسے رسول اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء و اولیاء کا وسیلہ پکڑنا، اللہ کے حضور گڑگڑانا، آنسو بہانا، آنسو نہ بہیں تو کم از کم رونے والی صورت بنانا، کسی متبرک وقت میں توبہ کرنا جیسے بروزِ جمعہ بعد عصر، نمازِ فرض کے بعد اور ختمِ قرآن کے بعد وغیرہ۔اگر توبہ کی مذکورہ بالا شرائط کو پورا کیا جائے اور ان آداب کا لحاظ رکھا جائے تو ایسی ہی توبہ کے بارہ میں فرمایا گیا التائب من الذنب کمن لا ذنب له ''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔'' (سنن ابی ماجہ کتاب الزھد باب ۳۰)

[36] جو لوگ مسلسل برائیاں یا کفر کرتے رہیں حتیٰ کہ انہیں فرشتۂ موت نظر آ جائے اور عالمِ آخرت سے پردہ اٹھ جائے، اس وقت وہ کہیں کہ ہم توبہ کرتے ہیں تو ان کی توبہ قبول نہیں نہ گناہوں سے نہ کفر سے۔اسی طرح جو لوگ کفر پر مر گئے ان کی توبہ بھی قبول نہیں یعنی ان کی بخشش نہیں ہو سکتی یہ اس لئے فرمایا کہ جو شخص گناہوں میں مبتلا ہو اور بغیر توبہ مر جائے اسے کسی کی دعا یا اس کی کوئی نیکی نہیں پہنچ سکتی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا يَحِلُّ لَكُمۡ اَنۡ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرۡهًا ؕ وَلَا

اے ایمان والو! تمہارے لیے حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ [37] اور نہ ہی

تَعۡضُلُوۡهُنَّ لِتَذۡهَبُوۡا بِبَعۡضِ مَاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيۡنَ بِفَاحِشَةٍ

ان کو روک رکھو تاکہ ان سے وہ مہر واپس لے لو جو تم نے انہیں دیا تھا مگر یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا

مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ فَاِنۡ كَرِهۡتُمُوۡهُنَّ فَعَسٰۤى اَنۡ

ارتکاب کریں [38] اور ان سے ہر معاملہ بھلائی کے ساتھ کرو کہ اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو ممکن ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو

تَكۡرَهُوۡا شَيۡـًٔـا وَّيَجۡعَلَ اللّٰهُ فِيۡهِ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ﴿۱۹﴾

اور اللہ نے اس میں بہت سی بھلائی رکھی ہو [39]

اسلام سے قبل عورتوں پہ ڈھائے جانے والے مظالم کا سد باب

[37] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں دورِ جاہلیت میں جب کوئی شخص مر جاتا تو اس کے ورثاء اس کی بیوی کے بھی وارث بن جاتے ان میں سے کسی کا جی چاہتا تو اس سے شادی کر لیتا، نہیں تو وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہتے اس کی شادی کر دیتے۔ نہ چاہتے تو یونہی پڑا رہنے دیتے اور وہ عورت کے گھر والوں (والدین) سے بڑھ کر اس کے حقدار بن جاتے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ اتاری: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا يَحِلُّ لَكُمۡ۔ الخ
(بخاری کتاب التفسیر سورہ نساء)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث نہ بن جاؤ، گویا اسلام سے قبل مرنے والے کے اونٹوں، بکریوں اور گائیوں کی طرح اس کی بیویاں بھی ورثاء کی تحویل میں چلی جاتی تھیں کہ انہیں جہاں چاہیں استعمال کریں بلاشبہ اسلام سے قبل عورت کی حیثیت بھیڑ بکری سے زیادہ نہ تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اسلام نہ آتا تو انسانیت ظلم واستبداد کے شکنجوں میں ہمیشہ کے لیے جکڑی رہتی، خصوصاً عورتیں، کیونکہ صنف نازک ہیں۔ آج دشمنانِ اسلام یہ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اسلام میں عورت کو بھیڑ بکری بنا دیا گیا ہے، اسے چار دیواری میں قید کر دیا گیا ہے، وغیرہ مگر یہ سب جھوٹ ہے۔ اسلام سے پہلے عورت کے ساتھ بھیڑ بکری جیسا سلوک کیا جاتا تھا، اسلام نے آکر اسے گھر کی ملکہ بنایا اور اس کی عزت کو چار چاند لگائے۔

بالغہ لڑکی کی شادی اس کے مرضی کے خلاف نہیں کی جاسکتی

اس جگہ لَا يَحِلُّ لَكُمۡ اَنۡ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرۡهًا سے معلوم ہوا کہ بالغہ لڑکی کی شادی اس کی مرضی کے بغیر نہیں کی جاسکتی اور ایسا کرنا دورِ جاہلیت کے کفار کا طریقہ ہے۔ دورِ رسالت مآب ﷺ میں کئی عورتوں کی شادیاں ان کی مرضی کے بغیر زبردستی کی گئی تھیں نبی اکرم ﷺ نے وہ شادیاں ختم کروادیں۔ اس کی تفصیل ہم پیچھے وَلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوۡا ۚ (بقرہ،۲۳۱) کے تحت لکھ آئے ہیں، وہاں دوبارہ دیکھا جاسکتا ہے۔

افسوس آج مسلمانوں میں وہ جہالتیں پھر پیدا ہوگئی ہیں جن کے خاتمہ کے لیے اسلام آیا تھا۔ آج کئی جاہلانہ معاشرے ہیں جہاں عورتوں کو ان کے اولیاء جہاں چاہیں بھیڑ بکریوں کی طرح کھونٹے سے باندھ دیتے ہیں، بلکہ حق مہر کے نام پر ان کو فروخت کر دیا جاتا ہے۔ کئی علاقوں میں ایسا ہے کہ اگر کسی کمزور قبیلہ کے لڑکے نے کسی بڑے قبیلہ کی لڑکی سے عدالتی نکاح کر لیا یا اس سے ناجائز تعلق بنالیا تو وہاں پنچائت بیٹھتی ہے اور حکم ہوتا ہے کہ کمزور قبیلہ والے بطورِ سزا اپنی فلاں فلاں لڑکی کو یا اتنی لڑکیوں کو بڑے قبیلہ کے فلاں فلاں مرد کے نکاح میں دیدیں، اس میں ان لڑکیوں سے پوچھنے کی کچھ ضرورت نہیں، ان کو کسی دوسرے کے گناہ کی سزادیدی جاتی ہے۔

[38] دورِ جاہلیت میں اگر کسی کی بیوی بوڑھی ہو جاتی اور اس کا دل کسی جوان عورت کی طرف راغب ہو جاتا تو وہ بوڑھی عورت کے قریب جانا چھوڑ دیتا اور اسے آزاد بھی نہ کرتا تا آنکہ وہ اپنا مہر واپس کر دیتی اور یہ اسے آزاد کر کے اس رقم سے دوسری شادی کر لیتا۔ (قرطبی جلد ۴ صفحہ ۹۴) یعنی یہ عورت پر دوہرا ظلم تھا ایک اس سے مال لینا دوسرا اسے چھوڑ دینا، بلاشبہ اسلام نے عورتوں کو تحفظ دیا اور ان پر ہونے والے مظالم کا خاتمہ کیا۔

مگر آج بھی کئی عورتوں کے ساتھ یہ ظلم کیا جاتا ہے کہ انہیں طلاق دینے سے قبل ان سے وہ سارا زیور لے لیا جاتا ہے جو انہیں نکاح پر پہنایا گیا تھا، پھر انہیں طلاق دے کر نکال دیا جاتا ہے۔ یہ ظلم عظیم ہے، اس پہ وہ عدالت سے رجوع کر سکتی ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِلَّآ اَنۡ يَّاۡتِيۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ یعنی اگر عورتیں کھلی بے حیائی کریں تو تب تم انہیں سزا دے سکتے ہو یعنی انہیں کہہ سکتے ہو کہ ہم تمہیں تمہارے غلط کردار کی وجہ سے ناپسند رکھتے ہیں تم ہمیں اتنا پیسہ دے دو تو ہم تمہیں آزاد کر دیں گے تم جہاں چاہو دوسری شادی کرو، کھلی بے حیائی سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے عورت کی نافرمانی مراد لی ہے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے زنا مراد لیا ہے۔

[39] اللہ نے مردوں کو حکم دیا کہ اپنی بیویوں سے بھلائی کا برتاؤ کرو اور اگر تمہیں ان کا کوئی طریقہ پسند نہیں تو ضروری نہیں کہ انہیں طلاق ہی دے دی جائے ممکن ہے تم کسی چیز کو ناپسند جانو اور اللہ نے تمہارے لئے اس میں بھلائی رکھی ہو یعنی ممکن ہے اسی بیوی سے اللہ تمہیں ایسی صالح اولاد دے دے جو تمہاری دنیا و تمہارا دین دونوں سنوار دے۔ اسی طرح اگر تم عورت کو ناپسند رکھنے کے باوجود اگر اس کے حقوق ادا کرتے رہو تو اللہ تمہیں اس صبر و ایثار پر جو اجر و ثواب دے گا وہ

تمہارے تصور سے باہر ہے۔ الغرض یہاں بیویوں سے بھلائی کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور حدیث میں اس پر بہت تاکید وارد ہے، حضور سیدِ عالم ﷺ نے فرمایا ''تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے اچھا ہے اور میں اپنے گھر والوں کیلئے سب سے اچھا ہوں۔'' (ابن ماجہ کتاب النکاح باب ۵۰)

وَاِنۡ اَرَدۡتُّمُ اسۡتِبۡدَالَ زَوۡجٍ مَّكَانَ زَوۡجٍ ۙ وَّاٰتَيۡتُمۡ اِحۡدٰٮهُنَّ قِنۡطَارًا
اور اگر تم چاہو کہ ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرو اور تم نے ایک کو ڈھیروں مال دیا ہو
فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَيۡـئًا ‌ؕ اَتَاۡخُذُوۡنَهٗ بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِيۡنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيۡفَ
تو اس سے کچھ واپس نہ لو کیا تم اسے بہتان اور کھلے گناہ کے ساتھ واپس لو گے [40] اور تم اسے
تَاۡخُذُوۡنَهٗ وَقَدۡ اَفۡضٰى بَعۡضُكُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ وَّاَخَذۡنَ مِنۡكُمۡ
واپس لے بھی کیسے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے پاس تنہائی پا چکے اور عورتوں نے تم سے (بصورت نکاح)
مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ﴿۲۱﴾
مضبوط عہد لے لیا [41]

[40] اہل جاہلیت عورتوں پر یہ ظلم بھی روا رکھتے تھے کہ جب ان کا ایک بیوی سے جی بھر جاتا تو انہوں نے اسے حق مہر کی جو خطیر رقم دی ہوتی تھی وہ اس سے واپس لے کر اسے طلاق دے دیتے اور اس رقم سے دوسری شادی کر لیتے اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا اگر تم ایک بیوی کو چھوڑ کر اس کی جگہ دوسری بیوی کرنا ہی چاہتے ہو کیونکہ تمہیں نئی بیوی چاہئے تو اس میں پہلی بیوی کا کیا قصور ہے لہٰذا اس سے حق مہر مت واپس لو خواہ تم نے اسے ڈھیر مال حق مہر میں دیا ہو کیا تم بہتان اور گناہ کے ذریعے اس سے رقم واپس لو گے؟ قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں دورِ جاہلیت میں لوگ جب ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی کرنا چاہتے تو پہلی بیوی پر بدکاری کا الزام رکھ دیتے اور اسے کہتے کہ اگر عزت بچانا چاہتی ہو تو ہمارا حق مہر واپس کرو کیونکہ اس کے بغیر انہیں حق مہر واپس نہیں مل سکتا تھا۔

زیادہ سے زیادہ حق مہر کی کوئی حد مقرر نہیں

وَّاٰتَيۡتُمۡ اِحۡدٰٮهُنَّ قِنۡطَارًا سے معلوم ہوا کہ حق مہر میں ڈھیر مال دیا جا سکتا ہے۔ روایات میں ہے کہ حضرت امام عالی مقام امام حسن رضی اللہ عنہ نے بعض خواتین سے نکاح کرتے ہوئے انہیں ہزاروں دینار حق مہر میں دیئے۔ مروی ہے

کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں بڑے بڑے حق مہر مقرر کرنے کی روش دیکھی تو حق مہر کی زیادہ سے زیادہ حد چار سو درہم مقرر کرنا چاہی، تب ایک عورت نے اسی آیت وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا کا حوالہ دیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فوراً ارادہ بدل لیا اور بطورِ اظہارِ عجز فرمایا کہ افسوس ایک عورت عمر سے زیادہ سمجھدار نکلی۔ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۴۶۶ بروایت مسند ابی یعلی)

اہلِ تشیع کے سوال کا جواب

اہلِ تشیع اس جگہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اتنا علم نہ تھا جتنا ایک عام عورت کے پاس ہوسکتا ہے تو ان کو خلیفہ کیوں بنا دیا گیا؟ شیعہ مورخ مرزا محمد تقی سپہر نے ''ناسخ التواریخ'' میں اس پہ کافی لے دے کی ہے۔ مگر یہ سوال تعصب اور جہالت پہ مبنی ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول مبنی بر عجز وانکسار ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگر یہ قانون جاری کر دیتے کہ اتنی مقدار سے زیادہ حق مہر نہ دیا جائے تو اس سے قرآن کی کوئی مخالفت لازم نہ آتی بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا کہ ان لوگوں کی حوصلہ شکنی کی جائے جو بڑھ چڑھ کر حق مہر مقرر کرتے تھے، گویا وہ سنتِ نکاح کو مشکل بنا رہے تھے، جب لوگ کسی قانون کو غلط استعمال کر رہے ہوں تو ان کی حوصلہ شکنی کے لیے عارضی طور پر اس کی کوئی خاص صورت مقرر کر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے جب قرآنِ کریم کی آیت پڑھی گئی تو آپ اس کے احترام میں خاموش ہو گئے اور ایک عاجزانہ جملہ بول دیا، ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے علماء بطورِ عجز خود کو سب سے کم فہم، سب سے بے مایہ اور سب سے ادنیٰ طالب علم قرار دیتے ہیں تو کیا واقعی ان کو ایسا ہی سمجھ لیا جائے؟ اور جو ان کو واقعی ایسا سمجھے وہ خود دنیا کا سب سے بڑا جاہل اور احمق انسان ہے۔

ایک بڑا پیر و مرشد اپنے مرید کو خط لکھتا ہے جس میں وہ اپنا نام یوں لیتا ہے: از طرف فقیر حقیر پر تقصیر فلاں بن فلاں الخ، تو اس کا یہ لکھنا مبنی بر عجز ہے، اب اگر وہ مرید اپنے پیر و مرشد کے ان الفاظ کو مبنی بر حقیقت سمجھ کر جواب میں لکھے: بخدمت فقیر حقیر پر تقصیر فلاں بن فلاں، تو وہ پرلے درجے کا جاہل اور احمق ہے، وہ جوتوں کے لائق ہے۔

اگر نباہ نہ ہو سکے تو بیوی بدلی جاسکتی ہے

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ اگر میاں بیوی کے درمیان کسی وجہ سے نہ بن آئے یعنی مزاج باہم نہ ملیں تو ساری زندگی الجھنوں کا شکار رہنے کی بجائے پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری بیوی کر لینا چاہئے۔ اس طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں کے لئے بہتری کر دے مرد کو اچھی بیوی مل جائے اور عورت کو اچھا شوہر۔ البتہ اس صورت میں اگر بیوی بے قصور ہے تو اس سے حق مہر واپس نہیں لینا چاہئے نہ ہی کوئی اور مالی معاوضہ وصول کرنا چاہئے۔

[41] یعنی جب عورت نے نکاح کے بعد خود کو تمہارے تصرف میں دے دیا اور تم نے اس سے وہ فائدہ اٹھالیا جو مہر کا بدلہ ہے تو اب اس سے حق مہر واپس لینا کیسے جائز ہے پھر جب نکاح ہوا تو بیوی نے تم سے مضبوط عہد لیا کہ تم اس سے بھلائی کرو گے اب تم اس عہد کی مخالفت کیسے کر سکتے ہو۔

یاد رہے نکاح مرد و عورت کے مابین ایک معاہدہ ہے کہ وہ اکٹھے زندگی بسر کریں گے اور ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا: ''لوگو! عورتوں کے بارہ میں اللہ سے ڈرو تم نے انہیں اللہ کی امان کے ساتھ اپنے نکاح میں لیا اور اللہ کے کلمہ کے ساتھ ان کا جسم خود پر حلال کیا۔''

(مسلم کتاب الحج عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ)

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادا نے پہلے کیا، البتہ جو پہلے ہو چکا وہ ہو چکا بے شک یہ

فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝۲۲

بے حیائی اور نفرت والا کام ہے اور سخت برا طریقہ ہے [42]

[42] اہلِ جاہلیت اپنے باپ کے مرنے کے بعد اپنی سوتیلی ماؤں سے بھی نکاح کر لیتے تھے، مروی ہے کہ ایک شخص ابو قیس مرا اس کا بیٹا قیس ایک صالح انصاری مسلمان تھا، اس نے اپنے باپ کی ایک بیوی (اپنی سوتیلی ماں) کو پیغام نکاح دیا، اس نے کہا میں نے تجھے بیٹا بنایا ہے اور تم اپنی قوم کے صالح لوگوں میں سے ہو۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر یہ بات پوچھوں گی، وہ عورت حضور سیدِ عالم ﷺ کے پاس آئی اور اس بارہ میں سوال کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی: وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔ (بغوی جلد ۱ صفحہ ۵۰۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا ہو تم ان سے نکاح نہیں کر سکتے کیونکہ یہ بے حیائی ہے کہ جس عورت کو شریعت تمہاری ماں بنائے اور تم اسے ماں کہہ کر پکارو پھر اس سے نکاح کرو اور یہ کام اللہ کے غضب کو دعوت دیتا ہے اور اللہ کے ہاں بہت برا طریقہ ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں میرے ماموں میرے پاس سے گزرے ان کے ہاتھ میں جھنڈا تھا میں نے پوچھا تم کدھر جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا مجھے نبی اکرم ﷺ نے بھیجا ہے کہ جس مرد نے بھی اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا ہو میں اس کا سر اتار کر لے آؤں۔ (تفسیر بغوی جلد ۱ صفحہ ۵۰۱) امام ابن کثیر فرماتے ہیں اس بات پہ اجماع ہے کہ باپ جس عورت سے نکاح کرے بیٹا اس سے نکاح نہیں کر سکتا خواہ باپ نے اس عورت سے صحبت نہ کی ہو، صرف زبانی نکاح کیا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ فرمایا ہے، یعنی جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا تم ان سے نکاح مت کرو۔ (تفسیر ابن کثیر) یاد رہے کہ نانا کا

کسی عورت سے نکاح کرنا اس عورت کو نواسے کے لیے حرام کر دیتا ہے، کیونکہ آباء میں نانا بھی شامل ہے۔ (مظہری)

حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ اُمَّهٰتُكُمۡ وَبَنٰتُكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ وَعَمّٰتُكُمۡ وَخٰلٰتُكُمۡ

تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں

وَبَنٰتُ الۡاَخِ وَبَنٰتُ الۡاُخۡتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىۡۤ اَرۡضَعۡنَكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ

اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں [43] اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری رضاعت کی

مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمۡ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِىۡ فِىۡ حُجُوۡرِكُمۡ مِّنۡ

بہنیں [44] اور تمہاری بیویوں کی مائیں [45] اور تمہاری سوتیلی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہوں تمہاری ان بیویوں سے

نِّسَآئِكُمُ الّٰتِىۡ دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ

جن کے ساتھ تم تنہائی میں داخل ہو چکے پھر اگر تم ان کے ساتھ (تنہائی میں) داخل نہیں ہوئے تو (ان کی بیٹیوں سے نکاح میں)

عَلَيۡكُمۡ ۚ وَحَلَآئِلُ اَبۡنَآئِكُمُ الَّذِيۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِكُمۡ ۙ وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا

تم پر کوئی گناہ نہیں [46] اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو خود تمہاری پشت سے پیدا ہوئے [47] اور یہ حرام کیا گیا کہ تم دو بہنیں

بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۙ﴿۲۳﴾

اپنے نکاح میں جمع کرو مگر جو پہلے ہو چکا [48] وہ ہو چکا، بے شک اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے

ایک مرد کے لئے کس کس عورت سے نکاح حرام ہے

[43] گزشتہ آیتِ مبارکہ میں بیان ہوا کہ باپ دادا کی منکوحہ عورت سے نکاح حلال نہیں اب اس مناسبت سے کسی مرد کی وہ تمام رشتہ دار عورتیں بتائی جارہی ہیں جن سے اس مرد کا نکاح حرام ہے تو پہلے وہ عورتیں بتائی گئیں جو خونی رشتے کی وجہ سے کسی مرد پہ حرام کی گئی ہیں، تو فرمایا:

اول: تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئی ہیں اس میں دادی نانی پردادی پرنانی اور سوتیلی مائیں سب داخل ہیں حتیٰ کہ زنا سے پیدا ہونے والے بیٹے پر اس کی ماں بھی حرام ہے۔

دوم: اور تم پر تمہاری بیٹیاں حرام ہیں اس میں پوتیاں نواسیاں پر پوتیاں پرنواسیاں سب داخل ہیں بلکہ زنا سے پیدا

ہونے والی بیٹی بھی اس مرد پر حرام ہے جس کے نطفے سے وہ پیدا ہوئی۔

سوم: اور تم پر تمہاری بہنیں حرام ہیں، اس میں حقیقی، علاتی (صرف باپ کی طرف سے سگی) اور اخیافی (صرف ماں کی طرف سے سگی) بہنیں بھی شامل ہیں۔

چہارم: اور تم پر تمہاری پھوپھیاں اور خالائیں حرام ہیں یعنی باپ کی بہنیں اور ماں کی بہنیں خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی، علاوہ ازیں دادا دادی اور نانا نانی کی بہنیں بھی حرام ہیں۔

پنجم: اور تم پر بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں بھی حرام ہیں۔ یعنی بھتیجیاں، بھانجیاں، اس میں یہ بھی عام ہے کہ بھائی یا بہن خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی بہرحال ان کی بیٹیاں حرام ہیں اور بیٹیوں میں نواسیاں اور پوتیاں بھی داخل ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ نسب کے ذریعے سات رشتہ دار عورتوں سے نکاح حرام ہے۔ ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی۔

یونہی کسی عورت پر نسب کے اعتبار سے سات مردوں سے نکاح حرام ہے۔ اول۔ باپ جس میں دادا نانا پردادا پرنانا اور سوتیلا باپ بھی شامل ہیں۔ دوم۔ بیٹا جس میں پوتا، پرپوتا، نواسا، پرنواسا اور سوتیلا بیٹا بھی شامل ہے۔ سوم۔ بھائی خواہ وہ حقیقی ہو، یا علاتی یا اخیافی۔ چہارم پنجم۔ چچا ماموں یعنی باپ اور ماں کے بھائی، خواہ وہ حقیقی بھائی ہوں یا علاتی یا اخیافی۔ ششم ہفتم۔ بھتیجا بھانجا، یعنی بھائی اور بہن کا بیٹا خواہ وہ بہن بھائی حقیقی ہو یا علاتی یا اخیافی۔

[44] اب وہ عورتیں بتائی جا رہی ہیں جن کا رشتہ نسب سے نہیں کسی اور سبب سے ہے، انہیں سببی رشتے کہتے ہیں۔ سببی رشتوں میں سے سب سے اول رضاعت (دودھ) کے رشتے سے ماں اور بہن کا حرام ہونا بتایا گیا ہے کہ جن ماؤں نے تمہیں دودھ پلایا وہ تم پر حرام ہیں اور تمہاری دودھ کی بہنیں تم پر حرام ہیں یعنی تمہاری رضاعی ماں کی بیٹیاں خواہ سگی یا رضاعی۔

رضاعت سے ہر وہ رشتہ حرام ہو جاتا ہے جو نسب سے حرام ہے

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الرَّضَاعَةَ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ۔ ''بے شک رضاعت ہر اس رشتہ حرام کو کر دیتی ہے جس کو ولادت (نسب) حرام کرتی ہے۔'' (بخاری کتاب الخمس باب ۴، مسلم کتاب الرضاعہ حدیث ۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی میرے لیے حلال نہیں ہے، آگے فرمایا: یَحرُمُ من الرَّضاعةِ ما یحرم منَ النَّسَبِ، رضاعت سے وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ (بخاری کتاب الشہادات باب ۷ حدیث ۲۶۴۵) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لیے فرمایا کہ امیر حمزہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے۔

تو اس آیت اور ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رضاعی ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی ان سب سے

نکاح حرام ہے۔اسی طرح کسی عورت پر اسکا رضاعی باپ، بیٹا، بھائی، چچا، ماموں، بھتیجا اور بھانجا حرام ہیں۔

رضاعت وہ معتبر ہے جو دو برس کی عمر کے دوران ہو

یاد رہے یہ رشتے تب حرام ہوتے ہیں کہ کسی بچے نے دو برس کی عمر کے دوران کسی عورت کا دودھ پیا۔ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ میرے گھر تشریف لائے تو وہاں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا، نبی اکرم ﷺ کو اس سے بہت ناگواری ہوئی، جو آپ کے چہرے میں دیکھی گئی، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! یہ میرا رضاعی بھائی ہے، حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: یہ دیکھا کرو کہ تمہارے رضاعی بھائی کیسے ہیں، پھر آپ نے فرمایا:

انما الرضاعة من المجاعة. ''رضاعت وہی (باعثِ حرمت) ہے جو بھوک مٹائے۔''

(مسلم کتاب الرضاعہ حدیث ۳۲)

یعنی بچہ جب ماں کا دودھ پیتا ہے تو اس کی بھوک مٹتی ہے اور دودھ سے اس کی غذا بنتی ہے اور اس کی حد دو برس تک ہے۔لہٰذا اس عمر کے بعد اگر کسی عورت کا دودھ پیا جائے تو اس سے کوئی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رضاعت وہی ہے جو دو برسوں کے دوران ہو خواہ وہ ایک گھونٹ ہی ہو کہ وہ بھی رشتہ کو حرام کر دیتا ہے۔(موطا امام مالک کتاب الرضاع حدیث ۶ صفحہ ۴۳۳)

اور قرآنِ مجید میں دودھ پلانے کی مدت دو سال ہی بتائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ. ''مائیں اپنی اولاد کو دو سال مکمل دودھ پلائیں۔'' (بقرہ: ۲۳۳)

[45] سبھی رشتوں میں سے رضاعی رشتے کے بعد نکاح کے رشتہ کی وضاحت کی جا رہی ہے تو فرمایا تم پر تمہاری بیوی کی ماں حرام ہے۔اس میں بیوی کی دادی، نانی بلکہ رضاعی ماں اور رضاعی دادی نانی بھی داخل ہیں جیسا کہ ابھی گزرا کہ رضاعت ہر وہ رشتہ حرام کر دیتی ہے جو نسب سے حرام ہے۔

یاد رہے جس عورت سے کسی مرد نے زنا کیا اس عورت کی ماں بھی اس مرد پر حرام ہے بلکہ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر کوئی مرد کسی عورت کو شہوت سے چھو لے یا اس کی شرم گاہ کو دیکھ لے تو اس عورت کی ماں اور بیٹی بھی اس پر حرام ہے اور اس مضمون کی حدیث بھی ہے۔ حضرت ابو ہانی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مَنْ نَظَرَ اِلٰی فَرْجِ اِمْرَأَةٍ لَمْ تَحِلَّ لَهٗ اُمُّهَا وَلَا اِبْنَتُهَا. ''جس نے کسی عورت کی شرمگاہ دیکھی اس پر اس کی ماں اور بیٹی حلال نہیں ہے۔'' (ابن ابی شیبہ عن ابی ہانی جلد ۳ صفحہ ۴۰۳ حدیث ۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[46] یعنی جس عورت سے تم نے نکاح کیا پھر اس کے ساتھ تم نے خلوت صحیحہ کر لی۔یعنی تم اسے تنہائی میں لے گئے تا کہ اس سے وظیفہ زوجیت ادا کرو یا تم نے ان سے دخول کر لیا (وہ فائدہ اٹھا لیا جو ایک مرد اپنی بیوی سے اٹھاتا ہے) تو تم پر اس عورت کی وہ بیٹی حرام ہے جو اس کے پہلے شوہر سے ہو اور اگر تم اس عورت کے قریب نہیں گئے نہ ہی اس کے ساتھ

خلوت صحیحہ کی ہے پھر تم نے اس عورت کو طلاق دے دی یا وہ فوت ہوگئی تو تم اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتے ہو۔

[47] سببی رشتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے صلبی بیٹے کی حلیلہ یعنی بیوی سے بھی نکاح حرام ہے، بیٹے میں پوتا بھی داخل ہے، یہاں مِنۡ اَصۡلَابِکُمۡ کہہ کر بتا دیا کہ یہ حکم صلبی بیٹے کے لئے ہے منہ بولے یا سوتیلے بیٹے کے لئے نہیں ہے۔ اگر کسی کا منہ بولا بیٹا اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس سے وہ آدمی نکاح کر سکتا ہے جیسے حضور سید عالم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مطلقہ حضرت سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا، سورہ احزاب کے رکوع ۵ میں اس کی تفصیل آ رہی ہے اسی طرح مِنۡ اَصۡلَابِکُمۡ سے سوتیلا بیٹا بھی نکل گیا۔

[48] دو عورتیں جو خونی طور پر یا دودھ کے اعتبار سے باہم بہنیں ہوں ان سے بیک وقت ایک شخص کا نکاح حرام ہے اگر ایک عورت سے کسی کا نکاح ہے تو اس نکاح کے دوران میں اس عورت کی سگی یا رضاعی بہن سے اس کا نکاح منعقد نہیں ہوتا، ہاں اگر مرد اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو عدت کے بعد وہ اپنی مطلقہ بیوی کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے۔

یاد رہے جس طرح دو بہنوں کا ایک نکاح میں جمع ہونا حرام ہے اسی طرح کوئی بھی ایسی دو عورتیں کہ اگر ان میں سے ایک کو مرد اور دوسری کو عورت فرض کیا جائے تو ان کا باہم نکاح حلال نہ ہو وہ دونوں کسی مرد کے نکاح میں بیک وقت جمع نہیں ہو سکتیں جیسے پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کسی عورت کو اس کی پھوپھی یا خالہ کے ساتھ نکاح میں جمع نہیں کیا جا سکتا۔“

(بخاری کتاب النکاح باب ۲۷، مسلم کتاب النکاح حدیث ۳۳، ابوداؤد کتاب النکاح باب ۱۲، ابن ماجہ کتاب النکاح باب ۳۱)

تو مذکورہ آیات میں سات نسبی رشتوں کی وجہ سے نکاح کی حرمت بیان کی گئی ہے اور سات ہی سببی رشتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو حرمتِ نکاح کا سبب ہیں، سوتیلی ماں، رضاعی ماں، رضاعی بہن، ساس، سوتیلی بیٹی، بہو اور دو بہنوں کا بیک وقت ایک نکاح میں جمع کرنا۔

ان چودہ رشتوں کی حرمت کا فلسفہ

ان چودہ رشتوں کی حرمت کا فلسفہ یہ ہے کہ ماں، دادی، نانی پھوپھی اور خالہ سے نکاح اس لیے حرام ہے کہ یہ بزرگ خواتین ہیں، ان کی عظمت اور بزرگی اس سے کہیں بلند ہے کہ ان سے نکاح کا تصور بھی کیا جائے، ان سے نکاح کی صورت میں انسان حیوان بن جائے گا اور دنیا سے ماں اور دوسری بزرگ خواتین کے تقدس کا تصور مٹ جائے گا، جبکہ بیٹی پوتی نواسی وغیرہ کے دل میں باپ دادا کا احترام لازم ہے اور باپ داد کے دل میں ان کے لیے محبت و پیار ضروری ہے، اگر ان سے نکاح حلال قرار دیا جائے تو باپ کا لفظ اپنا تقدس کھو دے گا اور بیٹی سے پیار کا تصور مٹ جائے گا۔ جبکہ بہن اگر چھوٹی ہو تو بیٹی کے حکم میں ہے اور بڑی ہو تو ماں کے حکم میں، تو وہی فلسفہ آ گیا، ساس اور سوتیلی بیٹی میں بھی یہی ماں اور بیٹی کے تقدس کا فلسفہ ہے، جبکہ دو بہنوں کے ایک نکاح میں جمع کرنے کی حرمت اس لیے ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کی سوکن بنیں گی اور ان میں بہن والا رشتۂ محبت کمزور ہوگا۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ

اور تم پر شوہروں والی عورتیں حرام کی گئیں، سوا ان عورتوں کے جو کافروں سے تمہارے قبضہ میں آئیں [49] یہ اللہ کا

عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ

تم پر فریضہ ہے اور ان کے سوا باقی عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں [50] کہ تم انہیں اپنے مالوں کے ساتھ

مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ

حاصل کرو [51] پاکدامنی حاصل کرتے ہوئے نہ کہ بدکاری کرتے ہوئے تو تم نے ان (مذکورہ) عورتوں سے جو فائدہ اٹھایا اس کے عوض

اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ

انہیں ان کا مہر دے دو [52] جو ایک فریضہ ہے اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ باہم کسی چیز پر رضامندی کر لو مہر مقرر ہونے

الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

کے بعد، بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے [53]

نکاح کی ترغیب اور متعہ و زنا کا رد

[49] اَلْمُحْصَنٰتُ کا لغوی معنی محفوظ عورتیں ہے جبکہ اصطلاحِ شرع میں اس کا معنی اس جگہ یہ ہے کہ وہ عورتیں جنہوں نے شادی کر کے خود کو برائی میں پڑنے اور لوگوں کی طعنہ زنی سے محفوظ کر لیا یعنی شادی شدہ عورتیں۔ یہ اُحْصِنَّ بمعنی قلعہ سے ہے قلعہ حفاظت کے لئے ہوتا ہے گویا شادی شدہ عورت کی عزت شریعت کے حفاظتی قلعے میں آ جاتی ہے۔ معنی یہ ہے کہ جو عورتیں پہلے سے شادی شدہ ہیں وہ بھی تم پر حرام ہیں (جب تک کہ انہیں طلاق نہ ہو جائے یا ان کے شوہر فوت نہ ہو جائیں تم ان سے نکاح نہیں کر سکتے)۔

آگے فرمایا گیا سوا ان لونڈیوں کے جن پر تمہارے ہاتھ قابض ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جنگ حنین میں کفار سے کئی لونڈیاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قبضہ میں آئیں جن کے شوہر موجود تھے (وہ صحابہ میں تقسیم کر دی گئیں) جب کوئی مسلمان ان کے قریب جانا چاہتا (اپنی لونڈی سے صحبت کرنا چاہتا) تو وہ کہتی کہ اس کا شوہر موجود ہے، تب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی: وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ (درمنثور)

یعنی شوہر والی عورت سے نکاح حرام ہے البتہ کفار سے جو عورتیں تمہارے قبضہ میں آئیں اور حکومتِ اسلامی انہیں

لونڈیاں بنانے کا فیصلہ کرے پھر انہیں فوجیوں میں بانٹ دیا جائے یا فروخت کر دیا جائے تو ان کا اپنے کفار شوہروں سے نکاح ٹوٹ گیا اب تم ان سے صحبت کر سکتے ہو۔

یاد رہے اگر حکومتِ اسلامی چاہے تو کافر جنگی قیدیوں کو آزاد بھی کر سکتی ہے جیسے جنگ بدر کے قیدیوں کو آزاد کر دیا گیا اور چاہے تو انہیں غلام اور لونڈیاں بھی بنا سکتی ہے، جیسے غزوہ مصطلق اور غزوہ خیبر کے قیدیوں کو غلام اور لونڈیاں بنا لیا گیا اور یہ ان کے کفر کی سزا ہے۔ اور اسلام نے جنگی قیدیوں کو غلام اور لونڈیاں بنانے کا جواز اس لئے رکھا کہ یہ کفار کے لئے بڑی دھمکی تھی تا کہ وہ مسلمان قیدیوں کو غلام یا لونڈیاں نہ بنائیں، اگر یہ دھمکی نہ رکھی جاتی تو مسلمانوں کو اس سے نا قابلِ تلافی نقصان پہنچتا اور کوئی قوم ایسا نقصان برداشت نہیں کر سکتی، پھر اس کے ساتھ غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کرنے کا ثواب بھی بتایا گیا تا کہ کوئی انسان ہمیشہ کے لئے غلام یا لونڈی نہ رہے۔ چنانچہ فرمایا کہ ''جس نے کسی غلام کی گردن آزاد کی اللہ اس کی گردن کو نارِ جہنم سے آزاد کر دے گا۔'' (بخاری کتاب الکفارات باب ۶ مسلم کتاب العتق حدیث ۲۲)

نکاح کی فضیلت واہمیت

اس جگہ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ میں نکاح کی فضیلت واہمیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، کیونکہ نکاح والی عورتوں کو المحصنات (محفوظ عورتیں) اور مردوں کو المحصنین (محفوظ مرد) کہا گیا اور بلاشبہ نکاح سے عورت اور مرد کی عزت وناموس محفوظ ہو جاتی ہے کہ لوگ ان کے کردار پہ انگلی نہیں اٹھاتے اور وہ نفس وشیطان کے حملوں سے بھی محفوظ ہو جاتے ہیں اور برائی کی طرف مائل نہیں ہوتے، جب گھر میں گنگا بہہ رہی ہو تو دریا پہ جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اسی لیے غیر شادی شدہ مرد وعورت کی زنا کاری پہ سو کوڑے سزا ہے اور شادی شدہ مرد وعورت کی زنا کاری پہ سنگساری کی سزا، جو سو کوڑوں سے کہیں زیادہ سخت تر ہے، کہ جب کوئی شادی کر کے محفوظ ہو گیا تو پھر اس کا برائی کرنا زیادہ سنگین جرم ہے اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے نوجوانو! جو تم میں سے نکاح کر سکتا ہے وہ ضرور نکاح کرے، کیونکہ یہ نظر کو جھکا دینے اور شرمگاہ کو محفوظ کر دینے والا ہے اور جو نکاح نہیں کر سکتا وہ روزے رکھے۔'' (ابن ماجہ کتاب النکاح باب اول)

[50] یعنی مذکورہ عورتوں کے سوا کسی عورت سے نکاح حرام نہیں ہے یعنی نکاح کی حرمت کے جو اسباب تھے وہ یہاں سب بیان کر دیئے گئے ہیں جبکہ مشرکہ عورت سے نکاح کی حرمت از خود واضح ہے، کیونکہ یہ حکم مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے تو مشرکہ عورت عقلی طور پر خارج ہے اور دوسری جگہ واضح کر دیا گیا وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ط ''مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔'' (بقرہ، ۲۲۱)

منہ بولی بہن یا بیٹی سے نکاح حلال ہے

اگر کسی عورت یا لڑکی کو کوئی شخص محض محبت وشفقت سے بیٹی بہن، پھوپھی، حتیٰ کہ ماں کہتا ہے تو وہ محض اظہارِ محبت

ہے اس سے وہ اس پر شرعاً حرام نہیں ہوتی۔اس سے نکاح حلال ہے اور اس سے پردہ واجب ہے، کیونکہ اس جگہ منہ بولے رشتوں کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ سگے رشتوں یا دودھ کے رشتوں یا نکاح کے رشتوں کا ذکر ہے۔ یونہی جس بچے کو منہ بولا بیٹا بنالیا جائے وہ حقیقی بیٹا نہیں ہے، وہ اپنی منہ بولی بہنوں سے نکاح کرسکتا ہے۔

مذکورہ عورتوں کے سوا ہر مسلمان عورت سے کوئی بھی مسلمان مرد نکاح کرسکتا ہے

اس میں کسی خاندان قبیلہ یا نسل کی کوئی تخصیص نہیں ہے خواہ کوئی قریشی ہو، ہاشمی ہو، خان ہو، مغل ہو اور کسی علاقہ یا کسی پیشہ سے تعلق رکھتا ہو، کوئی مسلمان گھرانہ اپنی بیٹی کا نکاح جس مسلمان سے چاہے شرعاً کرسکتا ہے، ان رشتوں کے علاوہ کوئی رشتہ حرام نہیں ہے۔ ہاں مناسب یا غیر مناسب اور پسند وناپسند کی بات اور ہے۔لہٰذا اگر حسب ونسب اور علم وفضل کے اعتبار سے معزز گھرانہ اپنی بچی کا رشتہ اپنے سے کم تر شخص سے کردیں تو کرسکتے ہیں، بلکہ اگر سادات کرام اپنی بچی کا رشتہ کسی غیر سید لڑکے سے کردیں تو وہ نکاح درست ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ۔ اس پہ نص صریح ہے اور اس نکاح کو کسی عدالت یا پنچایت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔

البتہ مناسب یہی ہے کہ سادات کرام اپنی بچیوں کا نکاح سادات ہی میں کریں، کیونکہ نسب کا اختلاف بسا اوقات میاں بیوی میں ذہنی تفاوت پیدا کردیتا ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن حضرت سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا قریش کے عالی نسب خاندان سے تھیں۔ جب ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ نے اپنے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے بعض دینی مصالح کی وجہ سے کیا تو ان میں ذہنی ہم آہنگی پیدا نہ ہوسکی اور بیوی کو جس طرح شوہر کی اطاعت کرنا چاہیے وہ حضرت زید کی اطاعت نہ کرسکیں، آخر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے انہیں طلاق دینا ہی بہتر جانا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کیا اور اس کا ذکر اللہ رب العزت نے قرآنِ مجید میں فرمایا: فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔ ''جب زید رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے اپنی خواہش ختم کردی تو ہم نے اس کا نکاح (اے محبوب) آپ سے کر دیا'' (احزاب، ۳۷)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن کا نکاح اپنے غلام سے اسی مقصد کے لیے کیا تاکہ امت کو یہ درس دیا جائے کہ قرآن میں جو رشتے حرام قرار دیئے گئے ہیں ان کے سوا کسی بھی مسلمان مرد کا نکاح کسی بھی مسلمان عورت سے ہوسکتا ہے اور اسلام میں اصل کفو اسلام ہی ہے، تاہم اگر کوئی لڑکی والدین کی مرضی کے بغیر ازخود کسی شخص سے نکاح کرلے اور یہ نکاح والدین کے لیے باعث عار وننگ ہو تو وہ بذریعہ عدالت اسے فسخ کرواسکتے ہیں، مگر نکاح بہرحال منعقد ہوجاتا ہے اور عموماً دیکھا گیا ہے کہ عدالت کے ذریعہ نکاح کا فسخ کرنا فتنہ وفساد ہی پیدا کرتا ہے، بچیوں کی تربیت ہی اسطرح کرنی چاہیے کہ وہ والدین کی مکمل اطاعت گزار ہوں اور اگر وہ تربیت کی کمی اور خرابی کی وجہ سے خدانخواستہ اپنی مرضی سے عدالتی نکاح کرلیں تو پھر حالات سے سمجھوتہ کرلینا ہی بہتر ہوتا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنی سگی بیٹیوں سیدہ زینب وسیدہ رقیہ وسیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن کا نکاح ابو العاص اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما سے کیا حالانکہ وہ دونوں غیر ہاشمی غیر اہل بیت اور غیر سید تھے، پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی سگی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کیا۔ (بخاری کتاب الجہاد جلد اول صفحہ ۴۰۳، بخاری کتاب المغازی جلد دوم صفحہ ۵۸۳ مطبوعہ کراچی) اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی غیر ہاشمی اور غیر سید تھے، پھر امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہما کا نکاح عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پوتے عبداللہ بن عمرو بن عثمان سے ہوا، اور آپ کی دوسری بیٹی سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہما کا نکاح مصعب بن زبیر سے ہوا، اور وہ دونوں بھی غیر ہاشمی اور غیر سید تھے۔ (مسالک الافہام صفحہ ۱۲۰ جلد اول) خلاصہ یہ ہے کہ اگر سادات کرام اپنی بچی کا نکاح غیر سید مرد سے کرنا چاہیں تو یہ ضرور دیکھیں کہ وہ مرد عالم دین متقی اور صاحبِ فضیلت ہو۔

[51] مذکورہ عورتوں (جن سے نکاح کی حرمت بیان کی گئی) کے سوا تم جس عورت سے چاہو شادی کرو، مگر یہ لحاظ رکھو کہ اپنے مال سے بیوی کا مہر ضرور ادا کرو اور بیوی کے دیگر مالی حقوق بھی بجا لاؤ اور یہ بھی نہ بھولو کہ نکاح کا مقصد اپنی پاکدامنی کی حفاظت ہے نہ کہ شہوت رانی۔

متعہ کی حرمت پہ قرآنی دلیل

جب نکاح کا مقصد محض شہوت رانی نہیں ہے تو جس میں صرف شہوت رانی مقصد ہو وہ نکاح نہیں ہے، جیسے متعہ اور زنا، موجودہ متعہ بھی زنا ہی کی ایک صورت ہے۔ ابتداء میں متعہ کچھ عرصہ جائز رہا جیسے ابتداء میں شراب حلال تھی بعد میں اسے حرام کر دیا گیا۔ متعہ کی مفصل بحث اگلی آیات کی تفسیر میں آرہی ہے۔

حق مہر کا مال ہونا ضروری ہے

اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ سے معلوم ہوا حق مہر کا مال ہونا لازم ہے لہٰذا اگر کسی عورت سے یوں کہا گیا تمہارا حق مہر یہی ہے کہ شوہر دس برس تک تمہاری خدمت کرے گا یا تمہیں تعلیم دیگا تو اس سے مہر ادا نہ ہوا ایسی صورت میں مہر مثل لازم ہے۔ اور جن احادیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے بعض عورتوں کی شادی اس شرط پہ کر دی کہ انکا شوہر انکو قرآن سکھائیگا تو وہ حق مہر نہ تھا بلکہ اسکے سوا شرط تھی۔

[52] چونکہ پہلے سے نکاح کی بات چل رہی ہے تو اب فرمایا گیا اے مردو! تم مذکورہ عورتوں کے سوا جس بھی عورت سے نکاح کرو اسے بہر حال اس کا مہر ضرور ادا کرو، یہ اللہ کی طرف سے فریضہ ہے (اُجُوْرَهُنَّ کا لفظ اگر چہ حق مہر ہی کے لئے بولا گیا ہے مگر اپنی معنوی وسعت کے اعتبار سے یہ بیویوں کے نان ونفقہ کو بھی محیط ہے کہ وہ بھی حق مہر کی طرح لازم ہے) لہٰذا اس جگہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ میں استمتاع (فائدہ اٹھانا) سے مراد نکاح ہے، یعنی جن عورتوں سے تم نکاح کا فائدہ اٹھاؤ، انہیں انکے اجور یعنی مالی حقوق ضرور ادا کرو۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس

آیت کے تحت فرمایا: والاستمتاعُ هو النکاح۔ یعنی یہاں عورتوں سے فائدہ اٹھانے سے مراد ان سے نکاح کرنا ہے۔ (ابن ابی حاتم جلد ۳ صفحہ ۹۱۹ حدیث ۵۱۳۱ مطبوعہ مکہ مکرمہ)

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ سے متعہ کے مراد لینے کا رد

اہلِ تشیع یہاں فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ سے متعہ مراد لیتے ہیں، یعنی وہ اس کا معنی یہ کرتے ہیں کہ جن عورتوں سے تم متعہ کرو انہیں انکا کرایہ یعنی پے منٹ ادا کر دو۔ حالانکہ اس آیت کا متعہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ گزشتہ آیات میں نکاح ہی کی بات آ رہی ہے تو یہاں بھی نکاح ہی مراد ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر ہم نے ابھی بتا دی اور اُجُوْرَهُنَّ کا لفظ بھی فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ سے نکاح کا مراد ہونا ہی واضح کرتا ہے، کیونکہ یہ لفظ عموماً نکاح کے ساتھ ہی بولا جاتا ہے جیسے اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ یعنی ''جن عورتوں سے تم نکاح کرو انہیں انکے اجور ضرور دو۔'' (نساء، ۲۵) ایک اور جگہ پر فرمایا گیا: وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ ''تمہیں ان عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب تم انہیں ان کے مہر ادا کر دو۔'' (ممتحنہ، ۱۰) لہٰذا فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ سے نکاح ہی مراد ہو سکتا ہے، اس کا متعہ سے کوئی تعلق نہیں۔

متعہ کی حرمت پہ قرآنِ حکیم سے دلائل

جبکہ متعہ کا حرام ہونا قرآنِ حکیم کی کثیر آیات سے واضح ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ جو لوگ نکاح کی طاقت نہیں رکھتے وہ پاکدامن رہیں (صبر کا دامن نہ چھوڑیں اور کسی برائی میں مبتلا نہ ہوں) تا آنکہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے (اور وہ نکاح کر سکیں)۔ (نور، ۳۳) اگر نکاح کے علاوہ متعہ سمیت قضاء شہوت کا کوئی بھی اور طریقہ جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے نکاح کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں اس کی طرف راہنمائی کیوں نہ فرمائی۔ معلوم ہوا کہ قضاء شہوت کا جائز طریقہ قرآن کی روشنی میں صرف اور صرف نکاح ہے، نہ متعہ ہے نہ کچھ اور ہے۔

مزید فرمایا گیا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۵ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ''اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوا اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے۔'' (مؤمنون، ۶) گویا بیوی اور لونڈی کے سوا کسی عورت سے قضاء شہوت جائز نہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ ''جو شخص تم میں سے آزاد مومنہ عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھے وہ تمہاری مومنہ لونڈیوں میں سے کسی سے نکاح کرے جن پر تمہارے

ہاتھ مالک ہیں۔" (نساء، ۲۵) معلوم ہوا صرف بیوی اور لونڈی سے جنسی تعلق جائز ہے کسی اور عورت سے جائز نہیں۔

متعہ کا تعارف کتبِ شیعہ سے

جبکہ متعہ والی عورت نہ بیوی ہے نہ لونڈی۔ کیونکہ اس کا لونڈی نہ ہونا تو ظاہر ہے، جبکہ وہ بیوی اس لیے نہیں ہے کہ بقول شیعہ امام جعفر صادق نے کہا: لا بأس بالتزویج بغیر شهود متعہ کے لئے کسی گواہ کی ضرورت نہیں۔
(الاستبصار جلد ۳ صفحہ ۱۴۳ مطبوعہ تہران)

اور شیعہ کہتے ہیں: عن ابی جعفر علیہ السلام فی المتعة قال: لیست من الاربع لانها لا تطلّق ولا ترث ولا تورث وانما هی مستأجرة۔

یعنی امام جعفر نے متعہ کے بارہ میں کہا: متعہ والی عورت ان چار عورتوں میں سے نہیں ہے جن سے ایک وقت میں نکاح کیا جا سکتا ہے، کیونکہ نہ اسے طلاق دینے کی ضرورت ہے (بس جب جی بھر جائے تو چھوڑ دو) نہ وہ متعہ کرنے والے مرد کی وارث بن سکتی ہے، نہ وہ اس کا وارث بنتا ہے، بلکہ وہ صرف کرایہ پر لی گئی عورت ہے۔
(فروع کافی جلد ۵ صفحہ ۴۵۱ کتاب النکاح مطبوعہ تہران)

اسی طرح شیعہ راوی کہتا ہے: ذکرت له المتعة اهی من الاربع ؟ فقال تزوج منهن الفا فانهن مستأجرات،

میں نے امام جعفر سے متعہ کے بارہ میں پوچھا کیا یہ چار عورتوں میں سے ہے؟ کہا: اگر تم چاہو تو ہزار عورتیں متعہ میں رکھ لو وہ تو بس کرایہ پر لی گئی ہیں۔ (فروع جلد ۵ صفحہ ۴۵۲ کتاب النکاح) اور امام جعفر کے مطابق متعہ والی عورت کو طلاق دینے کی ضرورت نہیں نہ اس پر عدت لازم ہے۔ (فروع کافی جلد ۵ صفحہ ۴۵۵)

جب متعہ کے لیے کسی گواہ کی ضرورت نہیں اور متعہ والی عورت کو نہ طلاق کی ضرورت ہے، نہ وہ متعہ کرنے والے مرد کی میراث پاسکتی ہے نہ وہ اسکی میراث پاتا ہے، نہ ہی متعہ والی عورت ان چار عورتوں میں سے ہے جن سے بیک وقت ایک مرد نکاح کرسکتا ہے تو پھر متعہ کا نکاح سے کیا واسطہ ہے؟ بلکہ اس میں اور زنا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی لیے آج زنا کار عورتیں اپنے کاروبار کو متعہ کہہ کر جائز قرار دیتی ہیں، دوسرے لفظوں میں متعہ نے زنا کے کاروبار کو تحفظ دے رکھا ہے۔

اگر علماء شیعہ متعہ پر زور نہ دیتے تو جسم فروش عورتوں کو اپنے دھندہ کے لیے کوئی جھوٹا بہانہ نہ ملتا، اسی طرح شیعوں کے نزدیک مجوسی عورتوں سے بھی متعہ جائز ہے، یعنی غیر اہل کتاب کافرہ عورتیں جیسے ہندو سکھ وغیرہ، (الاستبصار ابواب المتعة صفحہ ۵۱۰) صاف معلوم ہوا کہ متعہ کا نکاح سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر یہ نکاح کی اقسام میں سے کوئی قسم ہوتا تو مجوسی عورتوں سے متعہ کو حلال نہ جانا جاتا۔ تو یہ ہے شیعوں کے متعہ کا تعارف لہٰذا متعہ والی عورت بیوی نہیں کہلا سکتی اور لونڈی تو وہ ہے ہی نہیں اور قرآن بیوی اور لونڈی کے سوا کسی عورت سے جسمانی تعلق کے قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتا تو پھر متعہ

کی حرمت میں کیا شک باقی ہے؟

متعہ کی حرمت پہ کتب اہلِ سنت واہلِ تشیع سے احادیث

متعہ کی حرمت پہ کتب اہل سنت اور کتب شیعہ سب میں کثیر احادیث وارد ہیں جو واضح طور پہ متعہ کو حرام قرار دیتی ہیں، ہم چند ایک بیان کرتے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نھی رسول اللہ ﷺ عن متعۃ النساء یوم خیبر، ''رسول اکرم ﷺ نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کی نہی کا اعلان فرمایا۔''

(مسلم کتاب النکاح صفحہ ۴۵۲ مطبوعہ کراچی)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رخص رسول اللہ ﷺ عام اوطاس فی المتعۃ ثلاثا ثم نھی عنھا، ''رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر صرف تین دن کے لیے متعہ کو جائز کیا پھر اس سے نہی فرمادی۔''

(مسلم کتاب النکاح باب نکاح المتعۃ صفحہ ۴۵۱)

حضرت سبرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا:

یا ایھا الناس انی قد آذنت لکم فی الاستمتاع من النساء وان اللہ قد حرم ذالک الی یوم القیامۃ فمن کان عندہ منھن شیء فلیخلّ سبیلھا۔ یعنی ''اے لوگو! میں نے تمہیں (تین دن کے لیے) عورتوں سے متعہ کی اجازت دی تھی اور بیشک اسے اللہ نے روزِ قیامت تک حرام قرار دیا ہے تو جس کے پاس کوئی ایسی عورت ہو وہ اسے آزاد کردے۔'' (مسلم کتاب النکاح باب المتعۃ صفحہ ۴۵۱)

ان روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر صرف تین دن کے لیے متعہ حلال کیا گیا پھر اسے تا قیامت سختی سے حرام قرار دیا گیا، نہ وہ اس سے قبل حلال تھا نہ اس کے بعد۔ یہ اسی طرح ہے جیسے فتح مکہ کے موقع پر رسول اکرم ﷺ کے لیے ارض حرم میں قتال حلال کیا گیا پھر اسے تا قیامت حرام قرار دیا گیا نہ اس سے پہلے حلال تھا نہ اس کے بعد اسی طرح کتب اہلِ تشیع میں بھی حرمتِ متعہ کی احادیث موجود ہیں، چنانچہ

عن زید بن علی عن آباء ہ عن علی علیہ السلام قال حرّم رسول اللہ ﷺ لحوم الحمر الاھلیۃ ونکاح المتعۃ، یعنی حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہ اپنے آباء کے ذریعہ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گھریلو گدھوں اور نکاح متعہ کو حرام قرار دیا۔

(الاستبصار کتاب النکاح ابواب المتعہ حدیث ۵۹۶ ۳ صفحہ ۵۰۹ مطبوعہ دار المجتبیٰ نجف اشرف)

ایک راوی مفضل بن عمر کہتا ہے میں نے امام جعفر سے متعہ کے بارہ میں پوچھا، آپ نے فرمایا:

دعوھا اما یستحیی احدکم ان یُری فی موضع العورۃ فیحمل ذالک علی صالحی اخوانہ واصحابہ، یعنی متعہ چھوڑ دو کیا تم میں سے کسی کو اس بات سے حیا نہیں آتی کہ اسے قابل شرم مقام پہ دیکھا جائے پھر اس کے

نیک سیرت بھائیوں اور ساتھیوں تک بات پہنچے۔ (فروع کافی کتاب النکاح ابواب المتعۃ صفحہ ۸۵۳ مطبوعہ دار المجتبی نجف اشرف) گویا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے متعہ کو بے حیاء لوگوں کا کام قرار دیا ہے، شرم وحیاء والا شخص اس کے قریب نہیں جا سکتا۔

جواز متعہ پر اہل تشیع کے بعض دلائل اور ان کا رد

اس جگہ اہلِ تشیع قراءت ابی بن کعب سے دلیل پکڑتے ہیں کہ وہ اس آیت کو یوں پڑھتے تھے: فما استمتعتم به منهن الى اجل مسمى۔ (یعنی جن عورتوں سے تم ایک مدت تک کے لیے نکاح کرو)۔ یونہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایسی ہی قراءت مروی ہے۔ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۴۸۴) معلوم ہوا کہ یہ آیت نکاح متعہ کو جائز بتا رہی ہے۔

مگر اہلِ تشیع کا یہ استدلال غلط ہے، اس لیے کہ یہ قراءت قراءت شاذہ ہے اور قرآن کریم کی قراءات سبعہ متواترہ یا ثلاثہ مشہورہ میں اس کا نام ونشان نہیں ہے، تو قراءت متواترہ ومشہورہ کو چھوڑ کر ایک شاذ قراءت سے استدلال لانا کہاں کا انصاف ہے؟

پھر دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس شاذ قراءت کو درست بھی مان لیا جائے تو بقول امام ابو بکر جصاص آیت کا مفہوم یہ ہے: فما دخلتم به منهن الى اجل مسمى فآتوهن مهورهن عند حلول الاجل، یعنی جن عورتوں سے تم یوں نکاح کرو کہ ایک مقرر مدت تک تم انکا حق مہر دیدو گے تو مقرر مدت کے آنے پر انکے مہر انہیں ضرور ادا کر دو۔

(تفسیر احکام القرآن جلد دوم صفحہ ۴۸ مطبوعہ بیروت)

گویا جس شاذ قراءت میں الی اجل مسمیً کا لفظ آیا ہے تو وہاں اس کا تعلق مہر کی ادائیگی سے ہے نہ کہ نکاح سے اہل تشیع اس بات کو بھی اچھالتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما متعہ کو حلال جانتے تھے، حالانکہ یہ بھی بہتان ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما واقعتاً کچھ عرصہ حلتِ متعہ کے قائل رہے تھے، وہ دراصل اس وقت موجود نہ تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمتِ متعہ کا اعلان فرمایا۔ پھر جب حضرت علی حضرت عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے بات کی تو ان کا شبہ دور ہو گیا اور وہ حرمتِ متعہ کے نہ صرف قائل ہو گئے بلکہ انہوں اس حرمت کو دلائل سے ثابت کیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خود فرماتے ہیں:

انما كانت المتعة فى اول الاسلام حتى نزلت الآية الا على ازواجهم او ماملكت ايمانهم، قال ابن عباس فكل فرج سواهما فهو حرام،

یعنی متعہ آغاز اسلام میں تھا حتی کہ یہ آیت اتری کہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو سوا بیویوں یا لونڈیوں کے، تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بیوی اور لونڈی کے سوا کوئی عورت حلال نہیں۔

(ترمذی شریف جلد اول ابواب النکاح صفحہ ۱۳۳ مطبوعہ دہلی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

كانت المتعة فی اول الاسلام حتى نزلت هذه الآية حرمت عليكم امهاتكم الى آخر الآية فحُرّمت المتعة وتصديقها من القرآن الاعلى ازواجهم اوماملكت ايمانهم وما سوا هذا الفرج فهو حرام۔

یعنی متعہ ابتداء اسلام میں تھا پھر جب یہ آیت اتری: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ تو متعہ حرام کر دیا گیا اور قرآن میں اسکی تصدیق موجود ہے، وہ یہ کہ اللہ نے فرمایا مومنین اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوا اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے، تو ان دو کے سوا ہر شرم گاہ حرام ہے۔ (بیہقی شریف جلد ۷ صفحہ ۲۰۵ کتاب النکاح مطبوعہ مکہ مکرمہ)

متعہ کے بارہ میں مزید کچھ بحث سورہ مؤمنون کی پہلی آیت کے تحت بھی آئے گی ان شاء اللہ وہاں بھی دیکھ لیں، تا کہ اس بارہ میں اہلِ سنت واہلِ تشیع کا موقف آپ پہ مزید واضح ہو جائے۔

[53] یعنی مہر کے تقرر کے بعد اگر تم اس کے بعض حصہ یا کل مہر کے معاف کرنے پر باہمی رضامند ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں یعنی مہر بیوی کا حق ہے اگر وہ سارا مہر یا اس کا کچھ حصہ اپنی مرضی سے معاف کرنا چاہے تو وہ کر سکتی ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ

اور جو شخص یہ طاقت نہ رکھتا ہو کہ آزاد مومنہ عورتوں سے شادی کرے تو ان سے نکاح کرے جن پر تمہارے

مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ

ہاتھ قابض ہیں یعنی تمہاری مومنہ لونڈیاں [54] اور اللہ تمہارے ایمان سے خوب واقف ہے

بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

تم آپس میں ایک ہی ہو [55] تو ان لونڈیوں سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کر لو اور انہیں ان کے

بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ

مہر دے دو بھلائی کے ساتھ جبکہ وہ پاکدامن ہوں بدکاری کرنے والی نہ ہوں اور نہ یار بنانے والی ہوں [56] پھر جب

اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ

ان کی شادی کر دی جائے پھر اگر وہ بدکاری کریں تو ان پر وہ نصف سزا ہے جو آزاد عورتوں پر پڑتی

الْعَذَابِ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ

سزا ہے [57] یہ اس کے لیے ہے جو تم میں سے گناہ میں پڑنے سے ڈرتا ہو اور تمہارا صبر کرنا تمہارے لیے

لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

بہتر ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے [58]

[54] نکاح کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ اے مومنو! اگر تم میں سے کوئی آزاد مومنہ عورت سے نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ کسی مومنہ لونڈی ہی سے نکاح کر لے۔ یعنی اگر وہ نکاح کرنا چاہتا ہو تو کسی لونڈی سے نکاح کر لے، اس لیے کہ آزاد عورت کی نسبت لونڈی کے مصارف نان و نفقہ وغیرہ تھوڑے ہوتے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہاں مومنہ کی قید اتفاقی ہے اور المؤمنات کا لفظ اس لیے بولا گیا ہے کہ مسلمان عام طور پر مومنہ عورت ہی سے نکاح پسند کرتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی غیر مومنہ آزاد عورت یا لونڈی سے نکاح جائز نہیں۔ کیونکہ کتابیات (یہودی و عیسائی عورتوں) سے نکاح خود قرآن مجید نے جائز رکھا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے: وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اَلْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ۔ "جنہیں تم سے قبل کتاب دی گئی ان کی پاکدامن عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں" (مائدہ: 5) اس میں لونڈی یا آزاد کی کوئی تفریق نہیں۔ اسی طرح امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ آیت صرف نکاح کا شوق دلانے کے لئے ہے کہ بہرحال نکاح کرو آزاد سے نہیں کر سکتے تو لونڈی سے کرو اس کا یہ معنی نہیں کہ اگر آزاد سے نکاح کی طاقت ہو تو لونڈی سے نکاح جائز نہیں۔

حرمتِ متعہ پر روشن قرآنی دلیل

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ الخ

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے آزاد عورت سے شادی کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں لونڈی سے شادی کی رغبت دلائی ہے معلوم ہوا مرد کے لئے بہرحال نکاح ہی ذریعہ تسکین جسمانی ہے، نہ کہ متعہ۔ اگر متعہ کی گنجائش ہوتی تو اللہ وحدہٗ لاشریک اس کا بھی ذکر فرماتا۔ بلکہ اس سے قبل مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ = کہہ کر متعہ کا باب بند کر دیا گیا، کیونکہ متعہ کرنے والے ہی اصل مسافحین ہیں۔ سَفَحَ يَسْفَحُ کا معنی پانی بہانا ہے۔

متعہ کرنے والا بھی صرف پانی بہاتا ہے، نکاح نہیں کرتا اور متعہ کو نکاح کی ایک شکل قرار دینا غلط ہے خود شیعہ علماء بھی متعہ والی عورت کو ان چار عورتوں میں شمار نہیں کرتے جن سے ایک مرد بیک وقت شادی کر سکتا ہے۔ ان کے نزدیک ایک وقت میں ہزار عورتوں سے عقد متعہ جائز ہے۔ (فروع کافی کتاب النکاح جلد ۵ صفحہ ۴۵۲ مطبوعہ تہران) متعہ میں ان کے نزدیک کسی گواہ یا اعلان کی ضرورت نہیں (جیسے نکاح میں ہوتی ہے) (تہذیب الاحکام جلد ۷ صفحہ ۲۶۱ کتاب النکاح مطبوعہ تہران) تو پھر متعہ اور زنا میں کیا فرق رہا۔

کتابیات سے نکاح کی کراہت

اَلْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ اور فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ میں یہ اشارہ ہے کہ مومن کو مومنہ عورت سے ہی شادی کرنا مناسب ہے کتابیات (یہودی و عیسائی عورتوں) سے نکاح کا صرف جواز ہے اور اس کی بھی شروط ہیں جو (مائدہ، ۵) کے تحت بیان ہوں گی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہودی عیسائی عورت کی کوکھ سے جنم والی اولاد کے لیے بہت خطرہ ہے کہ وہ اپنی ماں کے خیالات وعقائد سے متاثر ہو اور اسی کا مذہب اختیار کر لے۔

اگر سوال کیا جائے کہ جب خطرات موجود تھے تو پھر اس نکاح کی اجازت ہی کیوں دی گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نکاح کا جواز اس لیے رکھا گیا تا کہ یہودی عورتوں کو اسلام سے قریب کیا جائے، کیونکہ عورت اپنے شوہر کے زیر سایہ اور اس کی من وجہ محکوم ہوتی ہے اور محکوم پہ حاکم کے خیالات کا اثر قائم ہوتا ہے اور چونکہ یہ دو مذاہب دوسرے دو مذاہب کی بہ نسبت اسلام سے قریب تر ہیں اس لیے اس نکاح کی اجازت دی گئی، مگر اس بارہ میں شدید احتیاط کی ضرورت ہے

[55] یعنی اگر آزاد عورت سے نکاح کی طاقت نہیں تو لونڈی سے نکاح میں عار نہیں رکھنی چاہئے کیونکہ تمہارے ایمان سے اللہ خوب واقف ہے وہ بہتر جانتا ہے کہ کون زیادہ مضبوط ایمان والا ہے آزاد یا غلام یا لونڈی ؟ اور ممکن ہے تمہاری لونڈی بیوی آزاد بیوی سے زیادہ ایمانی صفات والی ثابت ہو، آگے فرمایا تم آپس میں ایک ہو یعنی سب انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں خواہ آزاد ہوں یا غلام۔ یہاں سے انسانی مساوات اور غلاموں کی عظمت معلوم ہوتی، بلکہ اس سے قبل وَاللہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِکُمْ کہہ کر بتا دیا گیا کہ سب انسان برابر ہیں صرف ایمان ہی وجہ فضیلت ہے۔

[56] یعنی لونڈیوں سے شادی ان کے مالکوں کی باقاعدہ اجازت سے کرو اور ان کا بھی مہر ادا کرو یہ نہیں کہ لونڈیاں صرف شہوت رانی کا ذریعہ بنالی جائیں یا انہیں داشتہ بنا کر رکھا جائے ظاہر ہے جب لونڈی کا آقا اپنی نگرانی میں اس کا نکاح کسی مرد سے کرے گا تو پھر صرف شہوت رانی یا داشتہ بنانے کے امکانات ختم ہو جائیں گے۔

[57] معنی یہ ہے کہ اگر لونڈی یا غلام شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے تو اس کی سزا آزاد شخص کی سزا سے بہر حال نصف ہے۔ آزاد شخص کی حد زنا شادی شدہ ہونے کی صورت میں سنگساری اور غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں سو کوڑے ہے۔ جب کہ سنگساری کا نصف ممکن نہیں تو غلام اور لونڈی کے لئے بہر حال پچاس کوڑے ہی متعین ہو گئے خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر لونڈی زنا کرے تو اسے کوڑے مارو پھر زنا کرے تو کوڑے مارو پھر زنا کرے تو اسے بیچ دو خواہ ایک رسی کے بدلے۔'' (بخاری کتاب العتق)

گویا حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لونڈی کے لئے صرف کوڑے ہی سزا بیان کی رجم کا نام تک نہیں لیا، اگر اس کے لئے رجم ہوتا تو آپ ضرور اس کا ذکر فرماتے۔

[58] یعنی لونڈی سے نکاح اس شخص کے لئے مناسب ہے جو نکاح نہ کرنے کی صورت میں گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رکھے اور جسے یہ اندیشہ نہ ہو اسے صبر کرنا چاہئے تا آنکہ وہ آزاد عورت سے شادی کر سکے۔ گویا آزاد مرد کو آزاد عورت ہی سے شادی کرنا مناسب ہے کیونکہ جب کوئی شخص لونڈی سے نکاح کرے تو اسکے بطن سے پیدا ہونے والے بچے لونڈی کے مالک کے غلام اور لونڈیاں بن جاتے ہیں۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ

اللہ چاہتا ہے کہ تمہیں (ان کا دین) بیان کرے اور تمہیں ان لوگوں کے طریقے بتائے جو تم سے پہلے تھے اور تمہاری توبہ

عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫

قبول فرمائے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے [59] اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمائے

وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ

اور وہ لوگ چاہتے ہیں جو خواہشات کی پیروی کرتے ہیں کہ تم (حق سے) دور ہٹ جاؤ [60] اللہ چاہتا ہے کہ

اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

تمہارے لیے آسانی فرمائے اور انسان کو کمزور بنایا گیا ہے [61]

[59] معنی یہ ہے کہ اللہ تمہیں تمہارے دین کے احکام بتانا چاہتا ہے جیسے اس نے وہ رشتے بتائے جن سے نکاح حرام ہے اور نکاح کے دیگر احکام بتائے اور پہلی امتوں میں بھی یہ رشتے حرام کئے گئے تھے تو اسی طریقہ پر تمہیں تعلیم دی گئی ہے اور اس سے قبل ان رشتوں کا جو تقدس تم نے جاہلیت میں پامال کیا اس پر تمہیں معافی دینا چاہتا ہے اور وہ علم وحکمت والا ہے۔

[60] یعنی احکامِ شرع کے بتائے جانے کے بعد تم سے جو کوتاہیاں ہوئیں اللہ ان پر بھی تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے جبکہ خواہشات کی پیروی کرنے والے لوگ تمہیں راہِ حق سے ہٹانا چاہتے ہیں، مراد یہ ہے کہ بے حیائی پھیلانے والے لوگ چاہتے ہیں کہ تم نکاح کے احکام سے روگردانی کر کے زنا یا بے حیائی کے دوسرے کاموں کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

[61] احکامِ شرعیہ کے نفاذ میں یہ حکمت بھی ہے کہ اے امتِ محمد ﷺ اللہ تمہارے لئے تخفیف چاہتا ہے۔ اس نے پہلی امتوں پر جو سخت احکام نافذ کئے تھے وہ تمہارے لئے آسان کر دیئے دوسری جگہ ارشاد ہوا: وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ رسول اللہ ﷺ لوگوں سے بوجھ اور وہ پابندیاں دور کرتے ہیں جو ان پر پہلے تھیں (اعراف: ۱۵۷) آگے فرمایا کہ انسان کو ضعیف پیدا کیا ہے یعنی اس میں بشری وجنسی تقاضے رکھے گئے ہیں، تو مرد عورت کی طرف راغب ہے عورت مرد کی طرف۔ لہٰذا ان رغبتوں کو نکاح کی صورت میں پابند احکام بنایا گیا ہے کہ تم کس عورت سے نکاح کر سکتے ہو کس سے نہیں اور کتنی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو اور بیوی اور شوہر کے حقوق کیا ہیں، یہی احکام گزشتہ آیات میں بتائے گئے ہیں۔

دین میں سختی نہیں نرمی ہے

یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ سے احکام شرعیہ کا نرم ہونا معلوم ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا: یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ، ''اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے۔'' (بقرہ، ۱۸۵) اور حدیث نبوی ﷺ ہے: اَلدِّیْنُ یُسْرٌ، ''دین آسانی کا نام ہے۔'' (بخاری)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ
اے ایمان والو! اپنے اموال آپس میں ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ [62] مگر یہ کہ تجارت ہو،
تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ
تمہاری باہمی رضامندی سے [63] اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو، بے شک اللہ تم پر
رَحِیْمًا ۝۲۹ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِیْهِ نَارًا ؕ
مہربان ہے [64] اور جو شخص ایسا کرے سرکشی اور ظلم کے ساتھ، تو عنقریب ہم اسے نار جہنم میں پہنچائیں گے
وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا ۝۳۰
اور یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔[65]

[62] خانگی معاملات میں راہنمائی کے بعد مالی معاملات میں راہنمائی فرمائی جارہی ہے، تو فرمایا گیا اے مومنو! آپس میں ایک دوسرے کے اموال ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ یعنی سود، جوا، چوری، رشوت، دھوکہ اور خیانت وغیرہ سے دوسروں کے اموال ہڑپ نہ کرو۔ آج ہمارے وطن عزیز پاکستان میں رشوت کا دور دورہ ہے، بلکہ کثیر اسلامی ممالک میں رشوت عام ہوگئی ہے۔

رشوت لینے دینے کا عذاب

حالانکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رشوت لینے اور دینے والے دونوں پہ لعنت کرتے تھے۔ (ترمذی کتاب الاحکام باب ۹)

رشوت خور انسان ایک لٹیرا ہے، جو لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر ان کا مال لوٹتا ہے۔ وہ انسان نما ایک درندہ ہے۔ اسی لیے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی لعنت کا مستحق ہے۔ یاد رہے اگر رشوت دینے والا مجبور ہو تو اللہ درگزر

فرمائے گا، کیونکہ نیت پہ اعمال کا مدار ہے۔

اسی طرح ہمارے ملک میں جھوٹے عاملوں، نجومیوں اور قسمت کا حال بتانے والے اور ہر مشکل کو آسان کر دینے کا دعویٰ کرنے والے شعبدہ بازوں کا بھی دور دورہ ہے جو لوگوں کا مال اور ایمان دونوں لوٹ رہے ہیں، انہیں بھی لَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ کی خدائی تنبیہ سے ڈرنا چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص حالتِ حیض میں عورت کے پاس گیا یا کسی کاہن (قسمت کا حال بتانے والے) کے پاس گیا۔ فقد كفر بما انزل على محمد۔ اس نے اس دین سے انکار کیا جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پہ نازل کیا گیا ہے۔'' (ترمذی کتاب الطہارۃ باب ۲)

اسی طرح جوئے کے ذریعہ بھی کچھ لوگ دوسروں کا مال کھانے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے، حالانکہ یہ طریقہ بھی اللہ وحدہٗ لاشریک کے ہاں سخت ناپسندیدہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو کبوتری کے پیچھے بھاگ رہا تھا (یعنی شرط لگا کر کبوتر کو اڑایا گیا تھا کہ اگر یہ فلاں جگہ نہ پہنچا تو میں تمہیں اتنا مال دوں گا اور اگر پہنچا تو تم مجھے اتنا مال دو گے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دیکھو ایک شیطان دوسرے شیطان کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔'' (درمنثور بروایت ابن ابی الدنیا جلد ۳ صفحہ ۱۷۰)

[63] یعنی آپس میں ایک دوسرے کے مال سے فائدہ اٹھانے کا جائز طریقہ یہ ہے کہ تم باہم تجارت کرو جس میں دونوں طرف سے رضامندی شامل ہو۔ اس میں اللہ نے تجارت کی فضیلت واہمیت کی طرف توجہ دلائی ہے، مگر ساتھ میں یہ بھی واضح کر دیا کہ تجارت میں دھوکہ، فریب، وعدہ خلافی اور خیانت وغیرہ کی گنجائش نہیں ہے، بلکہ تجارت کی بنیاد باہمی رضا مندی کو قرار دیا۔ اسی لیے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: التاجر الصدوق الامين مع الانبياء والصديقين والشهداء يوم القيامة، ''سچا اور امانت دار تاجر روزِ قیامت انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔'' (ترمذی، کتاب البیوع باب ۴، ابن ماجہ کتاب التجارات باب ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا سب سے افضل عمل کیا ہے؟ فرمایا: ''اپنے ہاتھ سے کمائی کرنا اور ہر سچی خرید وفروخت کرنا۔'' (سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۶۳)

پگڑی کے مروج کاروبار کا شرعی حکم

جب یہ فرمایا گیا کہ ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ تو ضروری ہے کہ چند نئے مروج کاروباری طریقوں پہ غور کیا جائے، جیسے پگڑی، انشورنس اور بیمہ وغیرہ، کہ ان کا شرعی حکم کیا ہے؟ تو پگڑی کی کچھ ناجائز صورتیں ہیں اور کچھ جائز، پگڑی کی قطعی جائز صورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنی دوکان یا مکان کو کرایہ پر دیتا ہے۔ اسے ایک بڑی رقم کی ضرورت ہے، وہ کرایہ دار سے مثلاً دس لاکھ روپے پیشگی لے لیتا ہے اور مکان کو دس سال کے لیے کرایہ دار کو دیدیتا ہے کہ

ہر سال کا کرایہ ایک لاکھ کے حساب سے وصول ہوگیا، یہ جائز طریقہ ہے، اب وہ کرایہ دار کو دس سال تک مکان سے نکال نہیں سکتا کیونکہ وہ دس سال کا کرایہ وصول کر چکا ہے۔ البتہ اس میں یہ طے کرلینا چاہیے کہ اگر اس مدت میں مالک مکان کو مکان کے بیچنے کی یا اپنے لیے استعمال کی ضرورت پڑ جائے تو وہ نہ صرف باقی ماندہ مدت کا کرایہ واپس کرے گا بلکہ کرایہ دار کو وہاں سے نکلنے اور دوسری جگہ منتقل ہونے میں جو مالی اور ذہنی صدمہ ونقصان ہوا اس کا عوضانہ بھی دے گا جو پہلے سے طے کرلیا جائے۔

اسی طرح اگر کرایہ دار کو اس مدت میں وہاں سے اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے نکلنا پڑے تو مالک مکان کو اپنا مکان نئے کرایہ دار کو دینے کے لیے جو اخراجات کرنا پڑیں گے اور اسے جو ذہنی دھچکا لگا اور پریشانی ہوئی، کرایہ دار اس کا کچھ عوضانہ دے گا اور وہ عوضانہ کتنا ہوگا یہ چیز وہ دونوں باہمی رضامندی سے پہلے طے کرلیں اور تحریر میں لے آئیں۔

پگڑی کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ کرایہ دار سے زرضمانت (Security Deposit) وصول کیا جائے اور کرایہ داری کی مدت مقرر ہو کہ کتنے برسوں یا مہینوں کے لیے ہے، جب کرایہ دار مکان یا دوکان چھوڑے گا اسے اس کا زرضمانت واپس کردیا جائے گا یہ زرضمانت اس لیے لیا جاتا ہے کہ اگر کرایہ دار نے پراپرٹی میں کوئی نقصان پیدا کیا یا کسی ماہ کا کرایہ نہ دیا تو اسے زرضمانت میں سے کاٹ لیا جائے گا، پگڑی کا یہ طریقہ بھی علماء نے جائز قرار دیا ہے اور زرضمانت کو رہن میں شمار کیا ہے۔

پگڑی کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مالک مکان کرایہ دار سے ایک بڑی رقم پیشگی لے لیتا ہے جو ناقابل واپسی ہوتی ہے جس کے عوض مالک مکان کرایہ دار کو مکان سے نکالنے کے حق سے دستبردار ہوجاتا ہے، البتہ اس سے ماہانہ کرایہ وصول کرتا رہتا ہے، مگر چونکہ وہ اس سے ایک ناقابل واپسی بڑی رقم الگ سے وصول کرچکا ہے، اس لیے وہ اسے مکان سے کبھی نکال نہیں سکتا، پگڑی کی اس صورت کو بہت سے علماء ناجائز قرار دیتے ہیں کیونکہ مالک مکان نے ناقابل واپسی مال لے کر بدلے میں کرایہ دار کو کچھ دیا نہیں اور یہ طریقہ جھگڑوں کو جنم دیتا ہے۔ اس طرح کرایہ دار دوسرے لفظوں میں خود کو پراپرٹی کا مالک سمجھ لیتا ہے، تو اس سے کئی جھگڑے جنم لیتے ہیں۔ مگر بعض علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے کیونکہ کرایہ دار نے ایک رقم پیشگی دے کر اپنے لیے ذہنی سکون خریدا ہے اور عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب مالک مکان پگڑی وصول کر لیتا ہے تو پھر وہ کرایہ دار کو نکالنے سے معذور ہوتا ہے۔

ہمارے خیال میں بھی یہ جائز ہے مگر ایک شرط کے ساتھ، کیونکہ اس کا معنی یہ بنتا ہے کہ مالک مکان یا دوکان نے اپنی پراپرٹی کو خالی کرانے کا حق کرایہ دار کے ہاتھ پہ فروخت کردیا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ مگر جھگڑوں کے سد باب کے لیے ایک معاہدہ تحریر تیار کیا جانا ضروری ہے جس میں لکھا جائے کہ اگر کسی وقت مالک مکان کو مکان کی ضرورت پڑے تو وہ نہ صرف پگڑی کی رقم واپس کرے گا بلکہ کرایہ دار کو مکان کی منتقلی پہ جو مالی و ذہنی صدمہ ونقصان ہوا اس کے

عوض اسے مزید رقم بھی دے گا جو پہلے سے لکھی جائے کیونکہ انسان کو اپنی رہائش یا تجارت کی منتقلی پہ ہزاروں پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں، تو ان کا مداوا ہونا چاہیے اور اس معاہدہ میں یہ بھی لکھا جائے کہ کرایہ دار کسی اور شخص کو یہ مکان یا دوکان آگے کرایہ پر نہ دے سکے گا۔ اگر یہ باتیں طے ہو جائیں تو پھر یہ پگڑی بھی کاروبار کے سر پہ باندھی جاسکتی ہے۔

انڈیا میں ۸ دسمبر ۱۹۸۹ھ میں جامعہ ہمدرد نیو دہلی میں مختلف مسالک کے ستر سے زائد جید علماء پہ مشتمل ایک فقہی سیمینار منعقد ہوا، جو چار دن جاری رہا جس میں مختلف جدید پیچیدہ مسائل پہ طویل غور و خوض کے بعد چند فیصلے کیے گئے جن میں پگڑی کی مروجہ صورتوں پہ بھی جو فیصلہ کیا گیا اس کا اقتباس نمبر ۲ یہ ہے:

۲۔ اگر کوئی مکان یا دوکان کرایہ پہ دی جائے اور مالک مکان مروجہ پگڑی کے نام پہ اصل ماہوار کرایہ کے علاوہ بھی نقد رقم کرایہ دار سے وصول کرے تو سمجھا جائے گا کہ مالک مکان نے بحیثیت مالک اپنے مکان کو کرایہ دار سے واپس لینے کے حق سے دست برداری کا عوض وصول کرلیا ہے، یہ رقم اس کے لیے اس حق سے عوض ہونے کی بنیاد پر جائز ہوگیا۔ اب اگر مالک مکان کرایہ دار سے مکان واپس لینا چاہے تو کرایہ دار کو اس کا حق ہوگا کہ وہ مکان خالی کرنے کے عوض جس پہ ہر دو فریق راضی ہو جائیں مالک مکان سے وصول کرلے اور اس صورت میں کرایہ دار کے حق میں باہمی طے شدہ رقم کے عوض اپنے اس حق سے جو اس نے مالک سے عوض دے کر خریدا تھا دست بردار ہوسکتا ہے۔

(اہم فقہی فیصلے دوسرا فقہی سیمینار صفحہ ۱۱ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

املاک کی انشورنس (Insurance) کا شرعی حکم

یہ دور جدید کی ایجاد ہے آج دنیا کا اکثر کاروبار اور تجارتی نظام انشورنس کے سہارے چل رہا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ تو ضروری ہے کہ دور جدید کی انشورنس کا شرعی حکم بھی ڈھونڈھا جائے، مگر پہلے اس نظام کا مطلب سمجھ لینا چاہیے۔

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو اپنی املاک جیسے کار، موٹر سائیکل، سامان تجارت، زیورات اور دیگر املاک کی چوری اور آتش زدگی کے خطرات لاحق رہتے ہیں۔ بسا اوقات چوری اور آتش زدگی میں کسی شخص کی زندگی بھر کی جمع شدہ پونجی برباد ہو جاتی ہے اور وہ نان جویں کا محتاج ہو جاتا ہے، عموماً بجلی کی تاریں جل اٹھتی ہیں جس سے پورا مکان، دوکان یا گودام جل جاتا ہے اور لاکھوں کروڑوں کا نقصان ہو جاتا ہے۔ ایسے میں لوگ انشورنس کمپنیوں سے اپنی املاک کو انشورڈ کروا لیتے ہیں، مثلاً ایک کمپنی سے ہزاروں لوگ وابستہ ہیں، جو اسے اپنی املاک کے تحفظ کے لیے مقرر سالانہ رقوم دیتے رہتے ہیں، یوں کمپنی کے پاس لاکھوں کروڑوں کا سرمایہ جمع ہو جاتا ہے۔ اب اگر ان میں سے کسی شخص کی املاک چوری ہو جاتی یا جل جاتی ہیں تو کمپنی اسے سارا نقصان ادا کر دیتی ہے، یوں اس کی زندگی کی گاڑی پھر چل پڑتی ہے۔ اگر اس نے اپنی دوکان یا دیگر املاک کو انشورڈ نہ کروایا ہوتا تو ممکن تھا یہ حادثہ اس کی زندگی بھر کی جمع کردہ پونجی کو تباہ و برباد کر کے

رکھ دیتا اور یہ حادثہ اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوتا، جیسا کہ یہ بات مشاہدے میں آتی رہتی ہے۔ البتہ اس میں کمپنی کے کھاتہ دار لوگوں کے نقصان کا پہلو یہ ہے کہ اگر کوئی حادثہ نہ ہوا تو جس کھاتہ دار نے کمپنی کو سالہا سال سے جو رقوم دی ہیں وہ اسے واپس نہیں ملیں گی۔

تو کیا املاک کی انشورنس کروانا جائز ہے؟ اس بارہ میں علماء کے درمیان اختلاف چلا آ رہا ہے، بعض علماء اسے ناجائز کہتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ انشورنس کمپنیاں لوگوں سے کروڑوں اربوں کی رقوم جمع کرتی ہیں اور ان کا پچاس فیصد بھی لوگوں کو واپس نہیں کرتیں، باقی ساری رقوم وہ خود کھا جاتی ہیں ان کا یہ خیال بھی ہے کہ کمپنیاں ان رقوم کو سودی کاروبار میں لگاتی ہیں، یوں سود کو فروغ ملتا ہے۔ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ کسی انشورنس کمپنی کو ایک شخص نے مثلاً ایک سال اپنایا اور اپنی کار کو انشورڈ کروا کر سالانہ رقم دیدی جو مثلاً دس ہزار تھی، پھر اسی سال اس کی کار چوری ہوگئی تو کمپنی اسے کار کی پوری مالیت ادا کر دیتی ہے جو مثلاً تین لاکھ ہے تو دس ہزار دے کر تین لاکھ وصول کرنا ایک سود ہے۔

مگر دوسرے علماء املاک کی انشورنس کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ انشورنس سے انسان اپنی املاک کے تحفظ کے بارہ میں ذہنی سکون خریدتا ہے کہ اگر اس کا نقصان ہوا تو کمپنی اسے پورا کرے گی۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے آپ اپنے گودام، دوکان یا دیگر املاک کی حفاظت کے لیے کسی حفاظتی کمپنی (Cecuring Compny) کی خدمات حاصل کرتے ہیں، جو دوکان یا مکان پہ پہریدار بٹھاتے ہیں، مختلف الارمز لگواتے ہیں اور اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور اس کے عوض وہ آپ سے ماہانہ یا سالانہ بھاری رقم وصول کرتے ہیں اور آپ ان کو خوشی سے وہ رقم دیتے ہیں کیونکہ اس طرح آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کی املاک محفوظ ہوگئی ہیں اور کسی ممکنہ نقصان سے بچ گئی ہیں، حالانکہ اس میں نقصان کا اندیشہ پھر بھی ہے کیونکہ ہزار حفاظتی انتظامات کے باوجود چوری و آتشزدگی کا خطرہ باقی رہتا ہے، جبکہ انشورنش کی صورت میں آپ کو اپنے نقصان کا عوض ضرور ملے گا۔ تو اس میں ذہنی سکون زیادہ ہے، تو جیسے حفاظتی کمپنی یا فرد کی خدمات لی جاسکتی ہیں یونہی انشورنس کمپنی کی خدمات بھی لی جاسکتی ہیں۔

بلکہ اسی نقطہ کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص حفاظتی کمپنی سے ایک مقرر مدت کا معاہدہ کر لیتا ہے کہ میں تم کو اس قدر ماہانہ یا سالانہ بھاری رقم دوں گا جو عموماً اس مد میں لوگ کم دیتے ہیں۔ اگر اس کے باوجود حفاظت میں دیے گئے اموال میں نقصان ہوا تو کمپنی ان کی ضمان دے گی اور کمپنی اس کو تسلیم کر لیتی ہے تو اس میں کونسی شرعی قباحت ہے۔ اگرچہ کمپنی پہ شرعاً ضمان لازم نہیں، مگر چونکہ اسے عمومی نرخ سے بڑھ کر معاوضہ دیا جا رہا ہے اس لیے وہ ازخود اس کی ذمہ داری اٹھا لیتی ہے تو اس میں کیا حرج ہے۔ اسی طرح جب لوگ انشورنس کمپنی کو بھاری رقوم حفاظت کی مد میں دیتے ہیں اور کمپنی یہ ذمہ داری لے لیتی ہے کہ اس کے کھاتہ داروں کا جو نقصان ہو وہ کمپنی اٹھائے گی تو اس میں کیا حرج ہے؟ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان

انشورنس کے بارہ میں شبہات کا ازالہ

رہا یہ کہنا کہ انشورنس کمپنیاں اپنے ہاں جمع شدہ رقوم کا صرف نصف یا اس سے کم لوگوں کو لوٹاتی ہیں باقی خود کھا جاتی ہیں، تو یہ بے دلیل بات ہے۔ کئی کمپنیاں ایسی بھی سننے میں آتی ہیں جو نقصانات کے دعویٰ جات کو پورا نہ کرسکیں اور انہوں نے یہ کام ہی بند کر دیا، حقیقت یہ ہے کہ تمام دیگر کاروباروں کی طرح انشورنس میں بھی اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے۔ اگر نقصانات کے دعویٰ جات بڑھ گئے تو کمپنی کو نقصان ہو گیا، اگر دعویٰ جات کم ہوئے تو کمپنی کو نفع ہو گیا۔ اور یہ جو کہا گیا کہ انشورنس کمپنیاں اپنے ہاں جمع شدہ رقوم کو سودی کاموں میں لگاتی ہیں تو یہ بھی بے دلیل دعویٰ ہے اور اگر لگائیں بھی تو یہ ایک الگ معاملہ ہے، اس سے انشورنس کی حرمت کیسے ثابت ہو سکتی ہے۔ اگر ایک مالدار شخص مختلف تجارتوں سے پیسہ کما کر اس کا کچھ حصہ سود پہ لگاتا ہے تو کیا اس کے ساتھ کسی قسم کی تجارت اور خرید وفروخت سب مسلمانوں پہ حرام ہے؟

پھر جو یہ کہا گیا کہ انشورنس کروانے والا شخص بسا اوقات تھوڑی سی رقم دیتا ہے اور بدلے میں بہت بڑی رقم پا لیتا ہے، لہٰذا یہ سود ہے، تو یہ بھی غلط بات ہے۔ کیونکہ انشورنس والے پالیسی ہولڈر کو نقد کچھ نہیں دیتے صرف اس کا نقصان ہی پورا کرتے ہیں اور اگر نقد بھی دیں تو اتنا ہی دیتے ہیں جس سے وہ اپنی املاک کا نقصان پورا کرلے۔ تو اس میں صرف نقصان ہی پورا ہوا، مالی نفع کہاں سے آیا، تو اسے سود کیسے کہہ دیا گیا؟

پھر سود کی دو قسمیں ہیں، ربا الفضل اور ربا النسیئۃ، ربا الفضل یہ ہے کہ ناپ تول میں آنے والی کسی چیز کو اسی کی جنس سے کمی بیشی سے بیچا یا خریدا جائے اور ظاہر ہے کہ انشورنس ربا الفضل کی قسم سے نہیں ہے کیونکہ ربا الفضل ایک بیع ہے جس میں متعاقدین میں سے ہر ایک کے پاس ایک جنس ہے جو وہ دوسرے فریق کو دیتا ہے اور عوض میں اس سے وہی جنس کمی بیشی کے ساتھ لیتا ہے۔

اسی لیے حدیث میں ربا الفضل کی حرمت کا جہاں بھی ذکر آیا ہے لفظ بیع کے ساتھ ہی آیا ہے، جیسے فرمایا گیا: لا تبیعوا الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ الا سواء بسواء۔ (بخاری کتاب البیوع باب ۷۷، مسلم کتاب المساقاۃ حدیث ۷۵) لا تبیعوا الدینار بالدینارین۔ (مسلم کتاب المساقاۃ حدیث ۷۸، موطاء امام مالک کتاب البیوع باب ۳۲)

جب کہ انشورنس بیع کی کوئی قسم نہیں ہے، بلکہ یہ از قسم اجارہ ہے کہ ایک شخص انشورنس کمپنی سے اپنی املاک کی حفاظت کا نفع حاصل کرتا ہے اور طے کرتا ہے کہ وہ کمپنی کو ہر سال اتنی رقم دے گا تاکہ وہ اس بات کی ذمہ داری لیں کہ وہ اس کی املاک میں کسی ممکنہ نقصان سے اسے بچائیں گے اور دیکھا گیا ہے کہ کمپنی والے نقصان کا عوض نقد میں دینے کی بجائے اس کے نقصان کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یعنی املاک میں جو عیب آیا ہوا سے دور کروا دیتے ہیں۔ اگر مکان کو آگ لگی ہو تو جو حصہ جلا اسے درست کروا دیتے ہیں۔ اگر کار کو نقصان ہوا تو اسے درست کروا دیتے ہیں، ہاں اگر کوئی منقولہ چیز جیسے کار وغیرہ چوری ہو جائے اور کسی صورت بازیاب نہ ہو تو پھر بامر مجبوری اس کی قیمت ادا کرتے ہیں،

یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ انشورنس میں پیسے کے بدلے پیسہ نہیں ہے کہ اسے سود کہا جائے بلکہ پیسے کے بدلے نفع ہے اور یہی اجارہ کا مفہوم ہے۔

پھر ربا میں اصل حق پر ایک مقرر اضافہ مشروط ہوتا ہے، خواہ وہ ربا کی کوئی قسم ہو جبکہ انشورنس میں کوئی مقرر اضافہ نہیں ہوتا، اس لیے بھی اسے سود کی کسی قسم میں نہیں ڈالا جا سکتا۔

جبکہ انشورنس کا ربا النسیئہ نہ ہونا بھی ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ کیونکہ ربا النسیئہ یہ ہے کہ کسی کو قرض دو اور ایک مقرر مدت گزرنے پر مقروض سے اصل قرض کے ساتھ ایک مقرر اضافہ وصول کرو، اسی کو ربا الجاھلیۃ کہتے ہیں اور یہی دور حاضر کا تجارتی سود ہے جو آج کل کے بینک لوگوں سے اپنے قرضوں پہ وصول کرتے ہیں، یا لوگوں کی رقموں پہ انہیں دیتے ہیں۔

امام ابوبکر جصاص حنفی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۷۰ھ ربا الجاھلیۃ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ربا الجاهلية هو القرض المشروط فيه الاجل وزيادة مال على المستقرض، یعنی ربا الجاھلیۃ وہ قرض ہے جس میں ایک مقرر مدت ہو اور مقروض پہ مال کی زیادتی کا لزوم ہو۔

(احکام القرآن جلد ۱ صفحہ ۴۶۹ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جاہلیت میں اگر کسی شخص پہ ایک مقرر مدت تک کے لیے سو درھم قرض ہوتا تو جب مدت پوری ہوتی اور اس کے پاس ادائیگی کے لیے رقم نہ ہوتی تو قرض خواہ اس سے کہتا: تم میرے لیے مال میں اضافہ کرو میں تمہارے لیے مدت میں اضافہ کرتا ہوں، پھر جب دوسری مدت آجاتی تو اسی طرح کیا جاتا یوں وہ شخص ایک سو درہم کے عوض اس سے کئی گنا زیادہ وصول کرتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ”سود کو کئی گنا بڑھا کر نہ کھاؤ۔“

(تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۶۳ ۳ مطبوعہ دار الحدیث ملتان)

اور امام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جب قرض کی ادائیگی کا وقت آتا تو یا قرض دینا پڑتا یا اس پہ سود لگا دیا جاتا، پھر اگر ادائیگی کر دی جاتی تو بہتر، ورنہ قرض خواہ مدت میں اضافہ کر دیتا اور مقروض مال میں۔ یوں ہر سال سود بڑھتا جاتا، حتیٰ کہ بسا اوقات تھوڑا سا مال بڑھ کر کئی گنا زیادہ ہو جاتا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۱ صفحہ ۱۹۹ مطبوعہ الطباعۃ المنیریہ، مصر)

جب کہ انشورنس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ کوئی مدت مقرر کی جاتی ہو کہ اگر اس دوران قرض واپس نہ کیا گیا تو اس پہ سود لگا دیا جائے گا اور اگر فلاں مدت تک اصل قرض مع سود نہ دیا گیا تو سود مزید بڑھ جائے گا۔ انشورنس کا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں، بلکہ یہ ایک اجارہ اور کفالہ ہے، یعنی انشورنس کروانیوالے کے حق میں اجارہ ہے اور کمپنی کے حق میں کفالہ۔ الغرض انشورنس کا ربا کی کسی قسم سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ میری ایک رائے ہے۔ ان كان صواباً فمن الله وان كان خطأً فمني۔

انشورنس دورِ حاضر کی ایک ضرورت بن گئی ہے جس کے بغیر چلنا مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔ علماء محققین کو چاہیے کہ وسعت نظری کے ساتھ اس جیسے جدید مسائل میں امت کے اجتماعی مفادات کو مدنظر رکھ کر ان کا شرعی حل ڈھونڈھیں اور یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ۔ (بقرہ، ۱۸۵) کا ارشاد پیش نظر رکھیں اور شریعت کے دائرہ میں رہ کر جدید مسائل میں امت کے لیے جو آسانی اور گنجائش پیدا ہو سکتی ہے ضرور پیدا کریں۔

اسی لیے شام کے نامور محقق عالم دین علامہ مصطفیٰ الزرقاء نے کہا:

اگر پرانے فقہاء ہمارے آج کے دور میں زندہ ہوتے اور ان خطرات کا مشاہدہ کرتے جو جدید وسائل سے پیدا ہو گئے ہیں، جیسے تیز رفتار کاریں اور ان کے ایکسیڈینٹ وغیرہ اور ان کے سامنے انشورنس کی تجویز رکھی جاتی اور ان کو وہ ضرورت پیش آتی جو آج ہمیں اقتصادی معاملات میں پیش آ رہی ہے تو وہ انشورنس کو ایک شرعی نظام قرار دینے میں ایک لمحہ بھی تردد نہ کرتے۔ (جدید فقہی مباحث جلد ۴ صفحہ ۲۹۵ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

املاک کی انشورنس کو جوئے اور لاٹری سے بھی تشبیہ دی گئی ہے اور اس بناء پر اسے ناجائز کہا جاتا ہے کہ اس میں جوا ہے، حالانکہ یہ بھی غیر حقیقت پسندانہ خیال ہے۔ جوئے میں یا تو مال ہاتھ آ جاتا ہے یا اپنا مال بھی جاتا ہے، جبکہ انشورنس میں صرف نقصان پورا کیا جاتا ہے، مالی نفع کچھ نہیں دیا جاتا۔

اور اگر جوئے سے انشورنس کی من وجہ تشبیہ ہی اس کی حرمت کی دلیل ہے تو پھر امدادی فنڈز کے قیام کو کیوں جائز کہا جاتا ہے، جیسے برطانیہ میں بعض پاکستانی برادریوں نے فیونرل فنڈز بنا رکھے ہیں جن میں برادری کا ہر شخص ہر ماہ مثلاً تین یا چار پونڈز ڈالتا رہتا ہے اور اگر ان میں سے کسی کی موت واقع ہو جائے تو اس کی میت کو پاکستان بھجوانے کے اخراجات اس فنڈ سے ادا کیے جاتے ہیں، ان فنڈز میں بھی تو جوئے سے من وجہ تشبیہ موجود ہے۔ کیونکہ لوگ ان امدادی فنڈز میں ہر ماہ یا ہر سال بلکہ زندگی بھر رقوم ڈالتے رہتے ہیں، اگر کبھی ان میں سے کسی کی موت ہو تو اس کے اخراجات پورے کر دیے جاتے ہیں ورنہ جس قدر رقوم وہ ڈالتے رہے ان میں سے انہیں کچھ واپس نہیں دیا جائے گا، تو کیا یہ بھی جوا نہ ہو گیا؟ اگر یہ جوا نہیں ہے تو انشورنس کیسے جوا ہو گئی؟ اگر کہا جائے کہ امدادی فنڈز میں تو لوگ اس لیے رقوم ڈالتے ہیں تاکہ سب کا فائدہ ہو جائے تو میں کہتا ہوں کہ انشورنس پالیسیاں بھی سب کی فلاح ہی کے لیے بنائی جاتی ہیں، مگر چونکہ فلاحی کاموں کے لیے لوگ وقت نہیں نکال پاتے اس لیے ضرورتاً ان کمپنیوں کو تجارتی بنیاد پہ چلایا جانے لگا ہے۔

مگر اس جگہ احتیاط کی ضرورت ہے کہ جس کمپنی سے انشورنس کروائی جائے وہ بااعتماد ادارہ ہو جیسے بینک ہیں، غیر معروف کمپنیاں بسا اوقات لوگوں کا سرمایہ جمع کر کے بھاگ جاتی ہیں اور انشورنس کروانے والے کا مقصد بھی اپنی املاک کا تحفظ ہونا چاہیے نہ کہ مال بٹورنا۔ یہ اسی طرح ہے جیسے لوگ خرید و فروخت میں دھوکہ دہی کرتے ہیں، جیسے وہ قابل مذمت ہیں اسی طرح انشورنس کے ذریعہ دھوکہ دہی کرنے والے بھی مجرم ہیں۔ ہر تجارت اور کاروبار میں مجرم عناصر آ گھستے

ہیں، اس سے اس کاروبار کی افادیت اور اس کے جواز سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

بہتر تو یہ تھا کہ اہلِ اسلام اپنے مابین مواسات و ہمدردی کی بنیاد پر انشورنس سسٹم بناتے، یعنی ایسا فنڈ قائم کیا جائے جس میں لوگ ماہانہ یا سالانہ حصہ ڈالتے رہیں اور جب ان میں سے کسی کو کوئی مصیبت درپیش ہو تو اس فنڈ میں سے اس کی مدد کی جائے۔ جیسے گزشتہ ادوار میں دیت کی ادائیگی کے لیے ہر قبیلہ ایک فنڈ قائم کر دیتا تھا، تاکہ اگر کسی فرد قبیلہ پہ خون بہا کی ادائیگی آ پڑے تو اس فنڈ سے اس کی مدد کی جا سکے یا جیسے آج برطانیہ میں اموات کو پاکستان بھجوانے کے لیے مختلف برادریوں کی طرف سے فیونرل کمیٹیاں بنی ہوئی ہیں۔

اگر اس قسم کی رفاہی و امدادی انشورنس کمپنیاں بنائی جائیں تو اس سے بہتر کوئی بات نہیں، مگر چونکہ ایسے کاموں کے لیے وقت کی قربانی دینا پڑتی ہے اور آج کے مصروف دور میں ایسا کرنا مشکل ہو گیا ہے، اس لیے تجارتی بنیاد پہ انشورنس کمپنیاں معرض وجود میں آ گئی ہیں جو لوگوں سے سرمایہ جمع کرتی رہتی ہیں۔ جب ان میں سے کسی کو مالی حادثہ پیش آ جاتا ہے تو وہ اس کا نقصان پورا کر دیتی ہیں۔ اس لیے بامر مجبوری ان سے کام چلانے میں کوئی حرج نہیں۔

لائف انشورنس (بیمۂ زندگی) کا شرعی حکم

لائف انشورنس یہ ہے کہ ایک آدمی کسی انشورنس کمپنی سے مثلاً بیس لاکھ روپے کی پالیسی لے لیتا ہے اور معاہدہ کر لیتا ہے کہ وہ انہیں ہر سال ایک لاکھ روپے دیتا رہے گا یوں وہ انہیں بیس سال میں بیس لاکھ روپے دے گا اگر اس دوران اس کی موت واقع ہو گئی تو بیمہ کمپنی اس شخص کے نامزد آدمی کو بیس لاکھ روپے دیدے گی، خواہ اس نے ابھی ایک لاکھ ہی کمپنی کو دیا ہو، یعنی اس کی باقی ماندہ اقساط معاف ہو گئیں اور اگر اس دوران اس کی موت واقع نہ ہوئی تو اسے اس کا بیس لاکھ مکمل واپس مل جائے گا اور ساتھ میں ایک مقرر اضافہ بھی ملے گا۔ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ اگر بیمۂ زندگی کروانے والا شخص چند اقساط ادا کرنے کے بعد مزید ادائیگی سے عاجز آ جاتا ہے اور بیمہ پالیسی کو جاری نہیں رکھ سکتا تو بیمہ کمپنی اس کی ادا کردہ تمام اقساط کو ضبط کر لیتی ہے اور ان میں سے اسے کچھ واپس نہیں کرتی۔

اس نظام کے اکثر پہلو شریعت سے متصادم ہیں۔ سب سے پہلے اس میں سود پایا جاتا ہے کہ ایک شخص نے بیس لاکھ کی پالیسی لی، ابھی اس نے ایک ہی قسط ادا کی تھی کہ اس کی موت واقع ہو گئی تو اس کے نامزد شخص مثلاً بیوی یا بڑے بیٹے کو بیس لاکھ مل جائے گا، یہ صریح سود ہے اور اس بیمہ پالیسی میں حفاظت کا کوئی ایسا معنیٰ نہیں جو املاک کی انشورنس میں تھا۔ اس لیے اسے حرام کہے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اس کے علاوہ بھی اس میں حرمت کی کئی وجوہ ہیں، مثلاً کھاتہ داروں کی طرف سے پالیسی کو جاری نہ رکھ سکنے کی صورت میں کمپنی کا ان کی سابقہ ادا شدہ اقساط کو ضبط کر لینا ایک ظلم ہے۔ اسی طرح پالیسی کی تکمیل پر اصل رقم کے ساتھ مقرر اضافہ کا دینا اور کھاتہ داروں کا اسے لینا شرعاً ناجائز اور سود میں داخل ہے۔

یونہی کھاتہ دار شخص کا اپنے کسی قریبی عزیز مثلاً بیوی یا بیٹے کو نامزد کرنا کہ اس کے مرنے کے بعد وہ اس کی بیمہ پالیسی

کی رقم وصول کرے گا شرعی ضابطہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ مرنے والے کا جو مال اس کے مرنے کے بعد وصول ہوا وہ اس کے ترکہ میں شامل ہے جو اس کے تمام ورثاء کا حق ہے، وہ کسی ایک وارث کو دیدینا جائز نہیں ہے۔

تاہم کبھی مجبوریاں حرام کو حلال بنادیتی ہیں۔ فقہی قاعدہ ہے الضرورات تبیح المحضورات، مثلاً ایک مجبوری یہ ہے کہ ایک شخص محنت مزدوری، ملازمت یا کاروبار کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہے۔ اس کے پاس کوئی مستقل ذریعہ آمدن نہیں، جو اس کے مرنے کے بعد اس کی فیملی کا بوجھ اٹھا سکے، وہ اگر لائف انشورنس کروالیتا ہے تو اس کو تسلی ہوتی ہے کہ اس کی موت کے بعد اس کے بیوی بچوں کو ایک معقول رقم مل جائے گی جس سے ایک عرصہ تک ان کا گزر اوقات ہوتا رہے گا اور وہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے پہ مجبور نہ ہونگے۔

کیونکہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ غریب آدمی کے مرتے ہی قریبی اعزہ بھی اس کے بیوی بچوں سے آنکھیں چرانے لگتے ہیں کہ کہیں یہ ہم سے کچھ مانگ نہ لیں اور وہ بیچارے دردر کی ٹھوکریں کھانے پہ مجبور ہو جاتے ہیں، ایسے میں لائف انشورنس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

آج یہ بھی دیکھا جا رہا ہے کہ پاکستان میں چوری، ڈاکہ، راہزنی اور ٹارگٹ کلنگ آئے دن کا کھیل ہے، کسی کی جان و مال کی حفاظت نہیں ہے۔ کراچی میں قتل و غارت کا بازار کئی سالوں سے گرم ہے کوئی دن نہیں جاتا جب دس بارہ لوگوں کو مار نہیں دیا جاتا اور افغانستان سے ملحقہ پاکستانی علاقوں میں بین الاقوامی طاقتیں اپنے مکروہ عزائم کے ساتھ خونی کھیل کھیل رہی ہیں، روزانہ بیسیوں بے گناہ لوگ بم دھماکوں، ڈرون حملوں اور نامعلوم افراد کی فائرنگ سے ہلاک کر دیے جاتے ہیں، بعد میں ان کی فیملیوں اور بیوی بچوں پہ کیا گزرتی ہے کوئی نہیں جانتا۔

حکومتِ پاکستان کا حالات پہ کنٹرول نہ ہونے کے برابر ہے۔ پاکستان بین الاقوامی اسلام دشمن طاقتوں کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بن کر رہ گیا ہے۔ ایسے میں لائف انشورنس اور املاک انشورنس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور علماء کو اس بارہ میں دینی ہمدردی، مواسات اسلامی اور امت کی خیر خواہی کے جذبات کے ساتھ معاملہ کا جائزہ لینا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ اس نظام میں جو امور ان کی نظر میں خلافِ شریعت ہیں ان کی اصلاح کی تجاویز دیں۔

انڈیا میں جب مسلم کش فسادات شروع ہوئے اور مسلمانوں کی جان و املاک کو ہلاک کیا جانے لگا تو وہاں کے علماء بلا امتیازِ مسلک باہم مل کر بیٹھے اور انہوں نے مسلمانانِ ہند کی جان و املاک کے تحفظ کے لیے ناگزیر حالات میں لائف انشورنس اور املاک انشورنس کے جواز کا فتویٰ دیا اور اس پر پچاس سے زائد محقق علماء نے دستخط کیے، جو درج ذیل ہے:

''مروج انشورنس اگرچہ شریعت میں ناجائز ہے، کیونکہ وہ ربوا، قمار، غرر جیسے شرعی طور پر ممنوع معاملات پہ مشتمل ہے۔ لیکن ہندوستان کے موجودہ حالات میں جبکہ مسلمانوں کی جان و مال صنعت و تجارت وغیرہ کو فسادات کی وجہ سے ہر آن شدید خطرہ لاحق رہتا ہے۔ اس کے پیش نظر الضرورات تبیح المحضورات (مجبوریاں ممنوع چیزوں کو جائز

کر دیتی ہیں) رفع ضرر، دفع حرج اور جان و مال کے تحفظ کی شرعاً اہمیت کی بناء پر ہندوستان کے موجودہ حالات میں جان اور مال کا بیمہ کرانے کی شرعاً اجازت ہے۔''

(اہم فقہی فیصلے پانچواں فقہی سیمنار منعقدہ ۳۰۔۱۴ کتوبر ۱۹۹۲ جامعہ الرشاد اعظم گڑھ انڈیا، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

تو جیسے انڈیا کے علماء نے فیصلہ کیا پاکستان کے علماء کو بھی اس بارہ میں فیصلہ کرنا چاہیے اور لوگوں کی مجبوریوں کو سمجھ کر ان کا حل نکالنا چاہیے۔ ورنہ ایک وقت آئے گا کہ حالات اپنا راستہ خود بنالیں گے اور علماء کو بامر مجبوری جواز کا فتویٰ دینا پڑے گا۔ جیسے آج سے ایک عرصہ قبل لاؤڈ سپیکر کی آواز پہ نماز میں جماعت کی اقتداء کی حرمت کا فتویٰ دیا جاتا تھا، اب حالات نے علماء کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ جواز کا فتویٰ دیں، تو بہتر یہ ہے کہ وسعتِ نظری سے کام لے کر بروقت فیصلہ کیا جائے۔

جو لوگ لائف انشورنس کو جوا کہتے ہیں وہ حقیقت پسندی سے کام نہیں لیتے بلکہ جذباتی اندازِ فکر رکھتے ہیں۔ قمار (جوا) کی تعریف میں یہ بات شامل ہے کہ کسی عقد میں فریقین میں سے کسی ایک کو نفع اور دوسرے کو نقصان لازم ہو، اور یہ معلوم نہ ہو کہ نفع کس کو ہو گا اور نقصان کس کو، جیسے مثلاً پاکستان اور انڈیا کے درمیان میچ ہو تو جواری لوگ اس پہ جوا لگا لیتے ہیں کہ مثلاً زید کہتا ہے کہ اگر پاکستان جیت گیا تو میں تجھے ایک لاکھ روپے دوں گا اور بکرا سے کہتا ہے کہ اگر انڈیا جیت گیا تو میں تجھے ایک لاکھ دوں گا، یہ جوا ہے جس میں کوئی نہیں جانتا کہ اسے کچھ ملے گا یا نہیں۔

جبکہ لائف انشورنس کروانے والا جانتا ہے کہ اسے یہ رقم ملے گی۔ الغرض لائف انشورنس کا مکمل طریقہ کار ہی قمار سے جداگانہ ہے، اس کا اس سے کوئی جوڑ ہی نہیں۔ لائف انشورنس میں یہ بھی ضرور ہونا چاہیے کہ مرنے والے کو انشورنس سے جو رقم ملے وہ اس کے تمام ورثاء میں ان کے حقوق کے مطابق تقسیم کی جائے، اس پہ کوئی فردِ واحد قابض نہ ہو جائے۔

اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ لائف انشورنس کا جواز عمومی حالات میں ہرگز نہیں ہے، صرف مخصوص حالات میں ہے۔ جب کسی علاقہ میں جان و مال کا تحفظ نہ ہو جیسے آج کل پاکستان میں ہے اور پالیسی ہولڈر اس حالت میں مرے کہ اپنے پیچھے کوئی مستقل ذریعہ آمدن نہ چھوڑے۔ گویا یہ پاکستان جیسے غریب اور نامساعد حالات سے دوچار ممالک کے ان غریب عوام کے لیے ہے جو اپنے پیچھے اپنی نابالغ اولاد کے لیے کوئی مستقل ذریعہ آمدن نہیں چھوڑ کر جاتے اور ان کے مرنے کے بعد ان کی اولاد کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا۔

مگر جو لوگ اپنے بعد اپنی اولاد کے لیے معقول جائیداد، کاروبار اور مستقل ذرائع آمدن چھوڑ کر جاتے ہیں یا جو لوگ برطانیہ جیسی فلاحی مملکت میں رہتے ہیں جہاں گورنمنٹ ہر شخص کے لیے کھانے پینے اور رہائش مہیا کرنے کی ذمہ دار ہے ان لوگوں کے لیے لائف انشورنس کا کوئی شرعی جواز نہیں ہے۔

اسی طرح اگر ایک غریب آدمی کے بچے پل کر جوان ہو گئے ہیں اور اپنی محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پال لیتے ہیں، اس کے لیے بھی لائف انشورنس کا جواز نہیں ہے۔ جبکہ املاک کی انشورنس کا معاملہ اس سے الگ ہے۔ اس میں امیر

وغریب کا کوئی فرق نہیں ہے بلکہ وہ املاک کی حفاظت کا ایک ذریعہ ہے، جس کی ضرورت ہر امیر وغریب کو ہے۔

املاک کی انشورنس اور لائف انشورنس کے بارہ میں یہ ہماری ایک رائے ہے، فتویٰ نہیں ہے۔ علماء اس پہ مزید بحث کریں، ممکن ہے کوئی اس سے بہتر رائے سامنے آ جائے، تو ہمیں دلائل کی روشنی میں اسے قبول کرنے سے تردد نہ ہوگا۔

[64] یعنی ایک دوسرے کا مال کھا کر آپس میں ایک دوسرے کا معاشی قتل نہ کرو یا دوسروں کا مال کھا کر خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو کہ جس نے ایسا کیا اس نے گویا خود کو قتل کیا، یا یہ معنی ہے کہ نہ ایک دوسرے کا مال کھاؤ نہ ایک دوسرے کی جان لو، یعنی ایک دوسرے کے مال وجان کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤ۔ نبی اکرم ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا: ''تمہارے اموال اور تمہاری جانیں اور عزتیں ایک دوسرے کے لئے ایسے ہی محترم ہیں جیسے آج کا دن، آج کا مہینہ اور آج کی جگہ۔'' (بخاری ومسلم)

خودکشی کی حرمت کا بیان

لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (اپنے آپ کو قتل نہ کرو) میں خودکشی کی حرمت کا مفہوم بھی داخل ہے اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خودکشی کرنے والے شخص کا خود جنازہ نہیں پڑھا تھا بلکہ لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ تم پڑھو۔ (ترمذی کتاب الجنائز باب ۶۸ حدیث ۱۰۶۸)

اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک آدمی کو زخم تھا اس نے تنگ آ کر خودکشی کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس بندے نے مجھ سے پہلے اپنی جان لے لی، تو میں نے اس پہ جنت حرام کر دی۔'' (بخاری کتاب الجنائز باب ۸۳)

[65] یعنی جو لوگ ایک دوسرے کا مال ناحق کھائیں، ایک دوسرے کا جسمانی یا معاشی قتل کریں یا خودکشی کا ارتکاب کریں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کرے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے مشکل کام نہیں۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ
اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو ہم تمہاری چھوٹی غلطیاں محو کر دیں گے
مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾
اور تمہیں عزت کے مقام میں داخل کریں گے [66]

[66] جن گناہوں سے تمہیں روکا گیا ہے اگر تم ان میں سے بڑے گناہوں سے بچو تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ یونہی مٹا دیں گے اور تمہیں عزت کے مقام (جنت) میں داخل کریں گے۔ نُكَفِّرْ کا معنی مٹانا ہے کفر کو اسی لئے کفر کہتے ہیں کہ

وہ سب نیکیاں مٹا دیتا ہے یعنی بڑے گناہوں سے بچنے کی برکت سے چھوٹے گناہ نہ صرف معاف کئے جاتے ہیں بلکہ نامۂ اعمال سے محو کر دیئے اور مٹا دیئے جاتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو شخص پانچ نمازیں پڑھے روزۂ رمضان رکھے اور زکوۃ دے (یعنی حقوق اللہ وحقوق العباد بجالائے) اور سات بڑے گناہوں سے بچے اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے پھر نبی اکرم ﷺ نے یہی آیت پڑھی اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ... الخ (نسائی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ کتاب الزکوۃ باب ۱)

صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی معافی میں کیا فرق ہے؟

یاد رہے صغائر (چھوٹے گناہ) جیسے کبائر (بڑے گناہوں) سے بچنے کی برکت سے معاف ہوجاتے ہیں، یونہی فرائض کی ادائیگی کی برکت سے بھی معاف ہوجاتے ہیں۔ اسی لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''پانچ نمازیں اور جمعہ کے بعد دوسرا جمعہ اور رمضان کے بعد دوسرا رمضان یہ اپنے درمیان والے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں جب تک کبیرہ گناہوں سے بچا جائے۔'' (مسلم کتاب الطہارۃ حدیث ۱۶)

گویا نماز پنجگانہ اور جمعہ اور روزہ ءرمضان کی برکت سے کبیرہ گناہ تو معاف نہیں ہوتے، مگر صغیرہ گناہ ضرور معاف ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ کبیرہ گناہ سچی توبہ سے معاف کئے جاتے ہیں اور صغیرہ گناہ محض اس برکت سے مٹا دیئے جاتے ہیں کہ آدمی فرائض کی پابندی کرے اور بڑے گناہوں سے بچے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ غلام اگر اپنے آقا کے عائد کردہ فرائض بجالائے اور کسی بھی بڑی غلطی سے بچے تو آقا اس کی چھوٹی غلطیوں سے خود ہی درگزر کر دیتا ہے خواہ غلام معافی نہ بھی مانگے، ہاں اگر کوئی بڑی غلطی ہوجائے تو اس کے لئے اسے معافی مانگنا پڑتی ہے۔ اسی طرح کبیرہ گناہوں کی معافی کے لیے اگر اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر معافی مانگی جائے تو وہ معاف فرما دیتا ہے جبکہ صغیرہ گناہ کے لیے معافی کی بھی ضرورت نہیں۔ اگر بندہ کبیرہ گناہوں سے بچے اور فرائض کی تکمیل کرتا رہے تو اسی کی برکت سے صغیرہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

صغیرہ اور کبیرہ گناہ میں کیا فرق ہے؟

رہا یہ سوال کہ کبیرہ گناہ کیا ہے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہر وہ گناہ جس پر اللہ تعالیٰ نے نارِ جہنم، غضب، لعنت یا عذاب کا ذکر فرمایا وہ کبائر میں سے ہے۔ ضحاک (تابعی) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس گناہ پر آخرت میں عذاب یا دنیا میں شرعی سزا بیان کی گئی ہو وہ کبیرہ گناہ ہے اور جس گناہ کی صرف حرمت بیان کی گئی اور عذاب نہ بتایا گیا وہ صغیرہ ہے۔ (ابن جریر)

یاد رہے کہ عموماً صغیرہ گناہوں کے ذریعہ انسان کبیرہ گناہ تک پہنچتا ہے، مثلاً کسی عورت کو بری نظر سے دیکھنا یا اس کو کسی طرح گناہ کی طرف مائل کرنا یہ سب صغیرہ گناہ ہیں اور سب حرام ہیں اور انہی کے ذریعہ انسان بڑے گناہ یعنی زنا

تک پہنچتا ہے۔ اگر بندہ نماز پنجگانہ کی پابندی اور دیگر فرائض دینیہ کی بجا آوری کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے صغیرہ گناہوں کو معاف کر دے گا خواہ بندہ ان کے لیے معافی نہ بھی مانگ سکے۔ اسی لیے فرمایا گیا: اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ. لیکن اگر انسان سے بڑا گناہ سرزد ہو گیا تو اس کے لیے استغفار لازم ہے۔

مگر یہ بھی ایک عمومی قاعدہ ہے۔ بسا اوقات اللہ تعالیٰ بندے کے کسی ادنیٰ عمل سے اسقدر راضی ہوتا ہے کہ زندگی بھر کے بڑے بڑے گناہ معاف فرما دیتا ہے، جیسے حدیثِ طیبہ میں ہے کہ ایک فاحشہ (بدکار) عورت نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلا کر اسکی جان بچائی تو اللہ تعالیٰ نے اسی سے اسکی بخشش فرما دی اور ایک شب زندہ دار عورت نے ایک بلی کو کمرہ میں بند کر کے بھوکا مار دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو جہنم میں ڈال دیا۔

(بخاری کتاب احادیث الانبیاء حدیث ۳۴۶۸، مسلم کتاب التوبۃ حدیث ۲۵)

یاد رہے کہ صغیرہ گناہ پہ اصرار کرنا یعنی بے خوف ہو کر اسے بار بار کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَنۡ يَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ وَلَمۡ يُصِرُّوۡا عَلٰى مَا فَعَلُوۡا، ''اللہ کے سوا کون گناہ معاف فرماتا ہے اور وہ اپنے گناہ پہ اصرار نہیں کرتے۔'' (آل عمران، ۱۳۵) اسی لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لا كبيرة مع الاستغفار ولا صغيرة مع الاصرار، استغفار کے ساتھ کبیرہ گناہ باقی نہیں رہتا (معاف ہو جاتا ہے) اور اصرار کے ساتھ صغیرہ نہیں رہتا (کبیرہ بن جاتا ہے)۔ (ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۴۳) تو مومن کو چاہیے کہ کسی گناہ پہ اصرار نہ کرے، نہ صغیرہ پہ نہ کبیرہ پہ۔ بس جب گناہ ہو جائے تو استغفار کی طرف جلدی کرے، خصوصاً کبیرہ گناہ کے صدور پہ گڑگڑا کر معافی مانگنا اور توبہ کرنا چاہیے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ
اور اس چیز کی تمنا نہ کرو کہ اللہ نے اس کے ساتھ تم میں سے بعض کو دوسروں پر فضیلت دی [67] مردوں کے لیے اس کا حصہ ہے
مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَ سْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ
جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے اس کا حصہ ہے جو وہ کمائیں [68] اور اللہ سے اس کا
فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۳۲﴾ وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا
فضل مانگو بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اور ہم نے ہر کسی کے وارث بنائے ہیں اس مال میں جو والدین
تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَ الَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ
اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں [69] اور جن سے تمہاری قسمیں بندھ چکیں انہیں ان کا
نَصِیْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ﴿۳۳﴾ ع
حصہ دے دو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے [70]

[67] ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرد جہاد کرتے ہیں اور (بڑا ثواب کماتے ہیں) عورتیں جہاد نہیں کرتیں، پھر ہمارے لئے میراث میں سے نصف حصہ ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ اتاری: وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ۔ الخ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ نساء، حدیث ۳۰۲۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مردوں کو حصولِ ثواب کے جو ذرائع دیئے گئے ہیں عورتوں کو ان کی تمنا نہیں کرنی چاہیے اور عورتوں کو جو ذرائع دیئے گئے ہیں مردوں کو ان کی تمنا نہیں کرنی چاہیے۔ اگر اللہ نے مردوں کو جہاد کا حکم دیا ہے عورتوں کو نہیں دیا تو اس لئے کہ جہاد مرد ہی کر سکتے ہیں۔ جہاد کے لیے عزم و حوصلہ، ہمت و جواں مردی اور مضبوط اعصابی قوت کی ضرورت ہے وہ عورتوں میں عموماً نہیں ہے۔ اسی لیے مرد کو قوم کی قیادت و سیادت کا حق دیا گیا ہے، چنانچہ وہ جماعت کا امام بنتا ہے، سربراہ حکومت بنتا ہے۔ یہ امور عورتوں کو نہیں دیے گئے، کیونکہ یہ ان کی پردہ داری کے خلاف ہیں۔

اسی طرح عورتوں کے لئے الگ نیکیاں ہیں جو عورتیں ہی کر سکتی ہیں جیسے بچے کی ولادت کے وقت عورت جو تکلیف اٹھاتی ہے پھر بچے کو دودھ پلانے اور اس کی پرورش میں جو تکالیف سہتی ہے اور شوہر کی خدمت کرتی ہے اسکے اجر و ثواب کا وہ اندازہ نہیں کر سکتی۔ بسا اوقات عورت اپنے امور کی بجا آوری میں اس قدر اجر لیجاتی ہے کہ مردوں کی وہاں تک رسائی نہیں ہے اور یہ ثواب مرد نہیں حاصل کر سکتا۔

عورتوں کو ہر کام میں مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کا خبط چھوڑ دینا چاہیے

معنی یہ ہوا کہ معاشرہ کی گاڑی کے ہر پرزہ کو چاہیے کہ وہ اپنی جگہ میں رہتے ہوئے اپنا وہ کردار ادا کرے جو اس کے ذمہ لگایا گیا ہے۔ مرد بھی اس گاڑی کا ایک پرزہ ہے اور عورت بھی اور دونوں کے ذمہ الگ الگ کام ہیں، کوئی پرزہ دوسرے پرزے کا کام نہیں کرسکتا، ورنہ گاڑی تباہ ہوجائے گی۔ مثلاً گاڑی کے پہیے میں ایک ٹائر ہے، ایک ٹیوب ہے، ٹیوب میں ہوا بھری جاتی ہے اور اس ہوا کی طاقت سے ٹائر چلتا ہے۔ ٹائر سخت ہے اس لیے وہ باہر رہتا ہے اور ٹیوب نرم ہے وہ اندر رہتی ہے۔ اب اگر ٹیوب کہے کہ ہوا کی طاقت تو میری ہے لہٰذا میں بھی باہر رہ کر کام کروں گی تو گاڑی نہیں چل سکتی۔ اسی طرح عورت نرم ہے مرد سخت ہے اس لیے مرد کو گھر سے باہر کے کام دیے گئے اور عورت کو گھر میں رہ کر امورِ خانہ داری دیے گئے۔ اگر عورت بھی باہر نکل کر مردوں کی بھیڑ میں گھس جائے گی تو گاڑی تباہ ہوجائے گی اور عورت کی عزت وناموس کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔ آج یورپ وامریکہ کی گاڑی اخلاقی لحاظ سے تباہ ہوگئی ہے لہٰذا اس سے وہ عورتیں عبرت پکڑیں جو ہر کام میں مردوں کے شانہ بشانہ ہی چلنا چاہتی ہیں۔

شلوار اور کرتا دونوں ایک ہی کپڑے سے بنے اور ایک ہی درزی نے بنائے ہیں شلوار نیچے پہننے کے لیے ہے اور قمیص اوپر پہننے کے لیے، اب اگر شلوار کہے کہ میں بھی قمیص کے شانہ بشانہ ہی چلوں گی تو یہ بات نہیں مانی جاسکتی۔

[68] یعنی مرد جو کام کرتے ہیں انہیں ان کا اجر ملے گا عورتیں جو کام کرتی ہیں انہیں ان کا اجر دیا جائے گا لہٰذا ایک دوسرے کے اجر کی تمنا کرنے کی بجائے اللہ سے اس کا فضل مانگو۔ معلوم ہوا حصولِ اجر میں اللہ تعالیٰ کے ہاں عورت مرد کے برابر ہے۔ البتہ دنیوی اور خانگی امور میں مرد کو عورت پر حاکمیت دی گئی ہے تاکہ گھر کا نظام بہتر چلے اور اس میں عورت ہی کا بھلا ہے۔

[69] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب مہاجرین مدینہ طیبہ آئے تو ان کے اور انصار کے مابین مواخات قائم کی گئی ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا منہ بولا بھائی قرار دیا گیا چنانچہ وہ ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے اس وقت قریبی رشتہ دار وارث نہ بنتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ مبارکہ اتاری: وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ط تو مواخات منسوخ ہوگئی۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ نساء)

لفظ موالی مولیٰ کی جمع ہے۔ اس کا معنی دوست، مددگار، حاکم، قریبی رشتہ دار یا وارث ہے۔ اس جگہ مولیٰ بمعنی وارث ہے۔ یعنی ہم نے ہر شخص کے لئے ورثاء بنائے ہیں جو اپنے والدین اور دوسرے قریب ترین رشتہ داروں (مثلاً اولاد، بہن، بھائی، زوجین وغیرہ) کے چھوڑے ہوئے مال کے وارث بنتے ہیں۔ گویا انہی کا حق ہے کہ وارث بنیں کسی منہ بولے بھائی بہن یا بیٹے بیٹی کو وراثت میں سے کچھ نہ دیا جائے گا۔ اس جگہ والاقربون اسمِ تفضیل سے پتہ چلا کہ سب سے قبل قریب ترین رشتہ دار میت کے مال کے وارث ہوتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں ان سے دور والے رشتہ دار

وارث نہیں بن سکتے لہٰذا بیٹوں کی موجودگی میں پوتا وارث نہیں بن سکتا۔

[70] یعنی جن کے بارہ میں تم وصیت کر چکے انہیں وصیت ادا کرو اور باقی ماندہ مال ورثاء کو دیدو۔ اسکا یہ معنی بھی ہے کہ جن سے تم خرید وفروخت اور دیگر تجارتی معاہدات کرو انہیں ان کا حق دو۔ اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ
مرد حاکم ہیں عورتوں پر [71] اس لیے کہ اللہ نے لوگوں میں سے بعض کو دوسروں پر فضیلت دی ہے
وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا
اور اس لیے کہ مرد اپنے اموال (عورتوں پر) خرچ کرتے ہیں تو نیک عورتیں وہ ہیں جو اطاعت کریں [72] خاوند گھر میں نہ ہو
حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى
تو حفاظت رکھیں جیسے اللہ نے حفاظت کا حکم دیا ہے، اور جن عورتوں کی نافرمانی کا
الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ
تمہیں ڈر ہے انہیں سمجھاؤ پھر ان کے بستر الگ کردو۔ پھر انہیں سزا دو پھر اگر وہ تمہاری فرمانبرداری کرلیں تو ان پر کوئی زیادتی نہ کرو بے شک
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝۳۴ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ
اللہ بہت بلند ہے بہت بڑا ہے [73] اور اگر (اے خاندان والو) تمہیں میاں بیوی کے درمیان جھگڑے کا ڈر ہو تو ایک فیصلہ کرنے والا
اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ
بھیجو مرد کے خاندان سے اور ایک فیصلہ کرنے والا عورت کے خاندان سے [74] اگر وہ اصلاح چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت فرمادے گا۔
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝۳۵
بے شک اللہ علم والا ہے سب خبر رکھتا ہے۔

شوہر اپنی عورتوں پہ حاکم ہیں عورتیں ان کی اطاعت کریں

[71] گزشتہ رکوعات میں عورتوں کے حقوق بتائے گئے ممکن تھا کسی کو غلط فہمی ہو جائے کہ عورت ہی گھر میں حاکم ہے یا

مرد کے برابر ہے تو اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے فرمایا گیا کہ مرد عورتوں پہ حاکم ہیں۔ قَوّام قیام سے نکلا ہے یعنی کسی نظام کا قائم کرنے والا۔ معنی یہ ہے کہ مرد عورتوں پہ منتظم ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کا معنی ہے اُمَرَآءُ عَلَیْهِنَّ یعنی مرد بیویوں کے امیر ہیں، مطلب یہ کہ گھر کی حکومت کا سربراہ مرد ہے، بیوی بچے اس کے زیر حکومت ہیں۔ البتہ عورت اس حکومت میں وزیر کا درجہ رکھتی ہے۔ اسے چاہئے کہ حاکم کو مشورہ دے مگر حکم مرد ہی کا نافذ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شوہر کو بیوی پہ حاکم کیوں بنایا ہے؟ اس کا فلسفہ

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یعنی یہ اس لئے ہے کہ اللہ نے دنیا میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے کہ کسی کو امیر بنایا کسی کو غریب، کسی کو بادشاہ بنایا کسی کو فقیر اور کسی کو حاکم بنایا کسی کو محکوم۔ تو اس اللہ نے گھر میں مرد کو حاکم بنایا اور عورت کو اس کی محکوم۔ کیونکہ اس کے بغیر نظامِ دنیا چل ہی نہیں سکتا۔ اگر اللہ سب کو ایک جیسا مالدار بنادے، سب کو ایک جیسا علم دیدے اور ایک جیسی طاقت دیدے تو کوئی کسی کا حکم ماننے کو تیار نہ ہو تو پھر نظام دنیا کیسے چلے؟ اسی طرح اگر گھر میں مرد اور عورت کا ایک ہی اختیار رکھا جائے تو دونوں ایک دوسرے پہ حکم چلانے کی کوشش کریں گے اور اسی چکر میں گھر تباہ ہو جائے گا۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے مرد کو گھر میں سربراہی اور حکومت دی ہے کیونکہ وہ اپنی قوت فیصلہ، مضبوط اعصابی قوت اور اپنے پختہ عزم و حوصلہ کے سبب عورت کی نسبت سے سربراہی کا زیادہ اہل ہے۔ جدید تحقیق سے ثابت ہو گیا ہے کہ جیسے مرد کا سارا جسم عورت سے مضبوط تر ہے اسی طرح مرد کا دماغ بھی عورت سے مضبوط تر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ذرہ سی ہنگامی صورت حال میں عورت کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اور وہ بچوں کی طرح رونا چلانا شروع کر دیتی ہے اور اسکے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت جواب دیدیتی ہے، جبکہ مرد ہنگامی حالات میں اپنے جذبات پہ قابو رکھتا اور حالات کو قابو میں لانے کی کوشش کرتا ہے۔

پھر عورت دل پھینک واقع ہوئی وہ بہت جلد کسی چیز پہ فریفتہ ہو جاتی ہے اور فیصلہ کرنے میں بہت جلد باز ہے، اسکی یہی کمزوری بعض اوقات اسکے گوہر عصمت کے لٹ جانے کا سبب بنتی ہے۔ لہٰذا مرد ہی اس بات کا حقدار ہے کہ اس کے ہاتھ میں گھر کا کنٹرول دیا جائے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ

یعنی اس لئے بھی مردوں کو عورتوں پہ حکومت دی گئی کہ مرد مال کما کر لاتے اور عورتوں پہ خرچ کرتے ہیں تو جو مال خرچ کرے وہی حاکم ہونے کا حقدار ہے۔ اگر کہا جائے کہ عورت کو یہ منصب کیوں نہیں دیا گیا کہ وہ مال کما کر لائے اور اپنے شوہر اور بچوں کو کھلائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کو پسند نہیں کہ عورت کارزارِ حیات میں اترے اور فیکٹریوں دفتروں اور دوکانوں میں مردوں میں گھل مل کر کام کرے، اسطرح اس کی عزت و عصمت خطرے میں پڑ جاتی

ہے اور آج یورپین معاشرہ میں جس طرح عورت کی عزت وناموس کا جنازہ نکلا ہے اس کا سبب یہی ہے کہ انہوں نے عورت کو گھر سے نکال کر فیکٹریوں دفتروں کارخانوں اور دکانوں میں مردوں کی بھیڑ میں داخل کر دیا اور یوں اس کی عزت تارتار ہوگئی۔

اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ عورت جسمانی طور پہ کمزور ہے۔ اس لیے اس کے ذمہ گھر کا کام کاج ہی مناسب ہے، وہ بچے جنتی ہے اور ان کی پرورش کرتی ہے۔ اب اگر کسبِ معاش کے لیے گھر سے باہر کی بھاگ دوڑ بھی اس کے ذمہ لگادی جائے تو عورت جیسی صنف نازک پہ ظلم ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مرد کے ذمہ یہ کام رکھا کہ وہ مال کما کر لائے اور اپنی بیوی اور بچوں کو کھلائے، اس لیے وہی سربراہ خانہ ہونے کا حقدار ہے۔

عورت کی ملکی سربراہی کی ممانعت

یہاں سے معلوم ہوا کہ عورت سربراہِ مملکت نہیں بن سکتی۔ کیونکہ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ میں صاف حکم ہے کہ گھروں میں شوہر اپنی عورتوں پر حاکم ہیں اور گھر معاشرے کا سب سے چھوٹا یونٹ ہے۔ پھر گھروں سے شہر اور شہروں سے ملک بنتے ہیں جب گھر میں عورت کی سربراہی جائز نہیں ہے تو پورے ملک پر عورت کی سربراہی کیسے جائز ہے۔

اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے سنا کہ ایرانیوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنی ملکہ بنالیا ہے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لن یُفلِحَ قومٌ ولّوا امرَھُم امرأۃً۔ کہ ''وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جنہوں نے اپنی حکومت کسی عورت کے سپرد کر دی۔'' (بخاری کتاب الفتن باب ۱۸، ترمذی کتاب الفتن باب ۷۵، نسائی کتاب القضاء باب ۸ مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۴۳)

اسی لیے اسلام عورت کو اجازت نہیں دیتا کہ مردوں کو نماز پڑھائے۔ حالانکہ مسجد کی امامت امامتِ صغریٰ ہے اور ملک کی سربراہی امامتِ کبریٰ، جب عورت کو امامتِ صغریٰ (چھوٹی امامت) نہیں مل سکتی تو امامتِ کبریٰ کیسے مل سکتی ہے اور اسی لیے عورت کو نبوت نہیں دی گئی اور ان سب احکام کا فلسفہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ عورت مردوں کی نظروں کا مرکز بنے اور سب اس کے چہرے اور جسم میں نظریں گاڑیں اس سے بے حیائی اور بے شرمی ہی پھیلتی ہے۔ حالانکہ مسجد اور نماز کا ماحول پاکیزگی اور تقدس کا ماحول ہوتا ہے۔ اس کے باوجود وہاں بھی عورت کو مردوں کی نظروں کا مرکز نہیں بننے دیا گیا تو دوسرے مقامات کا ذکر ہی کیا ہے۔ پھر نبوت سے بڑھ کر کوئی مقدس مقام نہیں، مگر یہ بھی عورت کو نہ دیا گیا کیونکہ اگر عورت نبی بنے تو اسے کارِ دعوت وتبلیغ کی انجام دہی کے لیے مردوں کی محفل میں کھڑے ہونا پڑے گا اور یہ بات اللہ وحدہٗ لاشریک کو پسند نہیں۔

عورت اگر سربراہِ مملکت ہوگی تو اسے روزانہ مردوں کے ہجوم میں داخل ہوکر ان سے بات کرنا پڑے گی بلکہ ان سے خطاب کرنا پڑے گا چنانچہ وہ ہر وقت مردوں کے ہجوم میں شمع محفل رہے گی اور مردوں کے دلوں میں شیطان وسوسے

پیدا کرے گا کہ اس کا ہاتھ تھاما جائے اس کو چھوا جائے اور اس کا قرب حاصل کیا جائے اور یہیں سے مفاسد کا دروازہ کھلتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان ۔ ''عورت چھپانے کی چیز ہے، جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس میں نظریں گاڑ لیتا ہے۔'' (ترمذی کتاب الرضاع باب ۱۸ حدیث ۱۱۷۳)

عورت کا کسبِ معاش کے لیے نکلنا اللہ کو پسند نہیں

وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ سے معلوم ہوا کہ مال کما کر لانا اور بیوی بچوں پہ خرچ کرنا یہ مرد کی ذمہ داری ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے یہ نظام قائم فرمایا ہے کہ مرد گھر سے باہر نکل کر رزقِ حلال کمائے اور اپنا گھر چلائے اور عورت گھر میں رہ کر بچوں کی پرورش اور خانگی امور کو سنبھالے۔ یہ عورت کی ذمہ داری نہیں کہ وہ بھی باہر نکل کر مال کمائے اور جب عورت بھی مرد کے ساتھ مال کمانے نکل کھڑی ہوتی ہے تو جہاں اس کی عزت و ناموس خطرے میں پڑ جاتی ہے وہاں اس کا اپنے شوہر سے رشتہ اور بچوں کی پرورش کا سلسلہ بھی خطرات سے دوچار ہو جاتا ہے۔ تو جان بوجھ کر خطرات میں کودنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہاں اگر اپنے گھر میں رہ کر فارغ وقت میں وہ کوئی ایسا کام کر لے جس سے وہ گھر کے اخراجات میں شوہر کا ہاتھ بٹا سکے تو اس میں کیا حرج ہے یا کسی محفوظ جگہ میں جہاں عورتیں ہی کام کرتی ہوں اگر ایک عورت باپردہ رہ کر کام کاج کرے، بشرطیکہ اسکی گھریلو ذمہ داریوں میں فرق نہ آئے تو اس میں کیا حرج ہے۔ مگر یہ اسکی اصل ذمہ داری نہیں ہے۔ بلکہ اسلامی حکومتوں کو چاہیے کہ عورتوں کے لیے باپردہ ماحول میں ایسی jobs پیدا کریں جہاں وہ پردے میں رہ کر کام کاج کر لیں۔ سنا ہے کہ ایرانی گورنمنٹ نے اس طرف توجہ کی اور ایرانی انقلاب کے بعد یعنی رضا شاہ پہلوی کے دور کے بعد عورتوں کے کام کاج کے لیے ایسے باپردہ مراکز بنائے گئے جہاں عورتوں کو ملازمتیں دی گئیں جس کی وجہ سے ایرانی معیشت کو خوب خوب فائدہ ہوا، ایران پہ امریکہ نے جنگ مسلط کر دی پھر بھی اس کی معیشت کمزور نہ ہوئی۔

[72] جب مرد حاکم ٹھہرا اور اس کے ذمہ باہر نکل کر مال کمانا ہے تو نیک سیرت عورتیں وہ ہیں جو شوہر کی اطاعت کریں اور اس کی غیر موجودگی میں اس کے گھر، اس کی عزت و ناموس، اولاد اور مال کی حفاظت کریں جیسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

بحکمِ قرآن بیوی پہ مرد کی اطاعت لازم ہے

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ سے معلوم ہوا کہ عورت محکوم ہے شوہر حاکم اور عورت پہ ہر جائز کام میں اپنے شوہر کی اطاعت لازم ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو عورت پانچ نمازیں پڑھے، رمضان کے روزے رکھے اپنی عزت کی حفاظت اور شوہر کی اطاعت کرے وہ یقیناً جنت میں جائے گی۔'' (مسند بزار)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں ایک بار عورتوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ مرد جہاد پر جاتے اور لڑائی اور شہادت سے بڑا درجہ پاتے ہیں جبکہ عورتیں صرف ان کے گھر کی حفاظت کرتی ہیں انہیں کیا ملتا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو عورت اپنے شوہر کی اطاعت اور اس کے حق کا اعتراف کرے تو یہ کام مردوں کے جہاد کے برابر ہے۔ (مسند بزار، طبرانی)

اور ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو عورت پانچ نمازیں پڑھے، بے حیائی سے باز رہے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہوگی۔'' (ابن حبان)

یہ شوہر کی اطاعت کا ثواب ہے، جبکہ اسکی نافرمانی کرنے کا گناہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے پھر مرد غضبناک ہو کر سو جائے تو ساری رات فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔'' (بخاری کتاب بدأ الخلق باب ۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جب عورت اپنے گھر سے نکلے اور اس کا شوہر اس کے نکلنے پر راضی نہ ہو تو اس پر آسمان کا ہر فرشتہ لعنت کرتا ہے اور جس چیز کے قریب سے وہ گزرے وہ اس پر لعنت کرتی ہے سوا جنوں اور انسانوں کے۔'' (طبرانی اوسط) شوہر کی اطاعت کے وجوب اور نافرمانی کے عذاب پر کتبِ حدیث میں کثیر ذخیرہ موجود ہے ہم اسی پہ اکتفاء کرتے ہیں۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ شادی سے قبل عورت پہ اس کے والدین کی اطاعت سب سے زیادہ لازم ہے اور شادی کے بعد اس پہ شوہر کی اطاعت سب سے زیادہ لازم ہوجاتی ہے حتی کہ والدین سے بھی۔ اگر اس کا شوہر اسے والدین کے پاس جانے سے روکے تو روک سکتا ہے۔ البتہ ہفتہ میں ایک بار والدین کے پاس جانا عورت کا حق ہے، اس سے شوہر نہیں روک سکتا مگر وہاں رات گزارنا اس کا حق نہیں۔

کئی جہلاء چھوٹی چھوٹی باتوں پہ اپنی بچیوں کو گھر بٹھا لیتے ہیں، یہ ناجائز ہے۔ شوہر کا شرعی حق والدین سے فائق ہے۔ اگر شوہر مارتا، پیٹتا اور ظلم کرتا ہے تو وہ الگ بات ہے تب والدین کا حق ہے کہ اپنی بچی کو اس کے ظلم سے بچائیں، مگر ہر جگہ ایسا نہیں ہوتا۔ یورپ میں شوہر کے حقوق پامال کیے گئے ہیں اس کے نتیجہ میں وہاں ازدواجی زندگی فساد کا شکار ہوگئی ہے۔ وہاں عورت کو یہ حق دیدیا گیا ہے کہ وہ شوہر کو گھر سے نکال سکتی ہے اور عورت تو جذباتی مخلوق ہے، غصہ اس کے قابو میں نہیں ہوتا، اس لیے وہاں شوہر اکثر گھر سے بے دخل ہوجاتے ہیں اور بعد میں بدکاریوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور ان کی بیویاں بھی بدکاریوں کا شکار ہوجاتی ہیں۔ الغرض یورپی معاشرہ پہ شیطان پوری طرح مسلط ہے۔ اگر انسانیت کو پناہ اور عافیت مل سکتی ہے تو دامنِ اسلام میں ہی مل سکتی ہے۔

عورت کی ذمہ داری گھر کا سنبھالنا ہے

حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ کے مفہوم میں یہ بات داخل ہے کہ عورت اپنے شوہر کے گھر بار، مال واسباب اور بچوں کی حفاظت کرے، یہی ذمہ داری اللہ جل وعلا اس پہ عائد فرما رہا ہے، نہ یہ کہ وہ مردوں کے ہجوم میں داخل ہو کر مال کمائے اور اپنی متاعِ حیات کو خطرات سے دوچار کرے۔ یورپ وامریکہ کی عورتوں نے گھروں کو خیر آباد کہہ کر فیکٹریوں، دفتروں اور دوکانوں میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنا شروع کیا، اس سے انکو دولت تو زیادہ مل گئی مگر عورت کی عزت وناموس کے چیتھڑے جس طرح ہوا میں اڑے وہ کون نہیں جانتا، کیا مسلمان عورت بھی اپنی عزت کا جنازہ اسی طرح نکلوانا چاہتی ہے؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے بہتر بیوی وہ ہے کہ جب تم اسے دیکھو تو وہ تمہیں خوش کرے، جب تم اسے حکم دو تو تمہاری اطاعت کرے، جب تم گھر سے غائب ہو تو تمہارے مال اور اپنی جان کی حفاظت کرے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی آیتِ مبارکہ پڑھی: حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ ط''

(درمنثور بروایت ابن منذر، ابن جریر، حاکم جلد ۲ صفحہ ۵۱۴)

[73] اگر بیوی شوہر کی بات نہ سنے اور نافرمانی پر اترے مثلاً نماز نہ پڑھے، شرعی پردہ نہ کرے، یا شوہر کے والدین سے بدتمیزی وبدکلامی کرے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پہلے اسے زبانی سمجھاؤ مثلاً اسے کہو اے نیک بخت! تمہارا یہ رویہ ٹھیک نہیں اس کے نتائج اچھے نہ ہوں گے اور اسے قرآن وحدیث کے ذریعے شوہر کی اطاعت کی اہمیت وفرضیت بتاؤ قرآن وحدیث کو سن کر بہت ممکن ہے وہ سمجھ جائے۔ عموماً عورتوں کو ان کی نادان سہیلیاں سبق دیتی ہیں کہ مرد کو اپنے رعب میں رکھو گویا وہ اپنی ناسمجھی سے حاکم کو اپنا محکوم بنانے کی سعی کرتی ہیں۔

حالانکہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لو کنت آمرا بشرا ان یسجد لبشر لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا۔ ''اگر میں کسی بشر (انسان) کے لیے کسی انسان کے سجدے کا حکم دینے والا ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے۔''

(مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۲۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر بیوی زبانی سمجھانے سے نہ سمجھے تو اس کا بستر الگ کر دو حضرت عکرمہ اور مجاہد فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ ان سے بول کلام بند کر دو کیونکہ اگر بول کلام جاری رہے گا تو بستر علیحدہ نہ ہو سکے گا۔ اگر عورت کے دل میں شوہر کی محبت ہوگی تو وہ اس کی ناراضگی اور اس کا نہ بولنا برداشت نہیں کر سکے گی اور خود ہی معافی مانگ کر اسے راضی کر لے گی۔

بیوی کو مارنے کی شرعی حدود وقیود

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر وہ اس طرح بھی نافرمانی سے باز نہ آئے تو آخری حربہ کے طور پر تم اسے مار سکتے ہو۔

یہ مارنے کی صرف اجازت ہے مارنے کا وجوب نہیں ہے کہ ضرور مارو، پھر مارنے سے یہ مراد نہیں کہ مار مار کران کی چمڑی ادھیڑ دو اور ہڈیاں توڑ دو یا جسم پہ نشان لگادو۔

بلکہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر عورت نافرمانی کرے تو معروف طریقہ سے مارو کہ نشان نہ پڑے حضرت عطا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مسواک یا ایسی ہی چیز سے مارنا ہے۔'' (درمنثور)

جو مرد اپنی عورتوں کو ڈنڈوں، جوتوں اور لاتوں سے مارتے ہیں وہ بہت احمق و نادان ہیں اور حرام کا ارتکاب کرتے ہیں، عورت کو اختیار ہے کہ ایسے شوہر کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرے۔

حضرت عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا:

''اے لوگو! اپنی عورتوں کو بھلائی کا حکم دو وہ تمہاری مددگار ہیں تم ان کے مالک نہیں ہو، سوا اس کے کہ وہ کھلا برا کام کریں۔ تب تم انہیں سمجھاؤ ان سے بستر الگ کرو یا انہیں مارو مگر ایسے کہ نشان نہ پڑے پھر اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان پر مت کوئی زیادتی کرو''۔ (ترمذی)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تم میں سے اس شخص کو حیاء نہیں آتی جو اپنی بیوی کو غلاموں کی طرح مارتا ہے پھر دن کے پچھلے پہر اسی عورت سے جماع کرتا ہے۔'' (بخاری کتاب النکاح باب ۹۳)

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''چار اسباب سے شوہر اپنی بیوی کو مار سکتا ہے، بیوی اپنے شوہر کے لیے زینت نہ کرے (اچھا لباس نہ پہنے اور خود کو صاف ستھرا نہ رکھے) شوہر اسے بستر پہ بلائے اور وہ نہ آئے، شوہر اسے نماز کا حکم دے اور وہ نہ پڑھے اور وہ بلا عذر شرعی گھر سے باہر نکلے۔'' (روح المعانی جلد ۵ صفحہ ۲۵)

[74] یعنی اے حاکمو! یا اے علاقہ کے ذمہ دار لوگو جب تم کسی میاں بیوی کے مابین جھگڑے کے طول کھینچنے کا خطرہ دیکھو تو مرد کے گھر والوں میں سے ایک حَکَم (فیصلہ کرنے والا) اور عورت کے گھر والوں سے ایک حَکَم بھیجو تا کہ وہ دونوں میاں بیوی کی باتیں سن کر ان میں صلح کروائیں۔ اگر دونوں حَکَمین اصلاح چاہیں گے تو اللہ میاں بیوی کے درمیان ضرور موافقت پیدا کر دے گا۔

یہ حکمین کا تقرر نہ صرف میاں بیوی کے جھگڑے میں مفید ہے بلکہ معاشرہ میں جہاں بھی دو گروہوں یا دو انسانوں میں اختلاف ہو جائے تو ہر طرف سے ایک حکم مقرر کیا جائے جو باہم مل کر اخلاص کے ساتھ بیٹھیں تو ہر معاملہ سدھر سکتا ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي
اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ [75] اور اچھا سلوک کرو والدین سے اور
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ
رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے [76] اور قریبی پڑوسی سے اور دور والے پڑوسی سے
وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ
اور پہلو کے ساتھی اور مسافر سے اور ان (غلاموں) سے جن پر تمہارے ہاتھ قابض ہیں [77] بے شک
اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ ۝ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ
اللہ اسے پسند نہیں رکھتا جو تکبر کرنے والا فخر کرنے والا ہو، جو لوگ کنجوسی کرتے اور لوگوں کو کنجوسی کا
النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا
حکم دیتے ہیں اور چھپاتے ہیں جو ان کو اللہ نے اپنے فضل سے دیا اور ہم نے کافروں کے لیے
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝
ذلت والا عذاب تیار کیا ہے [78]

[75] حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: میں ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے سواری پر سوار تھا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے معاذ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پہ کیا ہے اور بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک نہ کرے اسے اللہ عذاب نہ دے۔ (بخاری، مسلم)

والدین، رشتہ داروں، یتامیٰ، مساکین، پڑوسیوں، ساتھیوں، مسافروں اور غلاموں کے حقوق:

[76] حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد بتائے جا رہے ہیں سب سے پہلے والدین کا حق ہے کہ ان سے احسان کرو، ان سے احسان کرنا یہ ہے کہ ہر جائز کام میں ان کا حکم مانا جائے اگر خدانخواستہ ان کا حکم خلافِ شرع ہو تو اسے نہ مانا جائے مگر

بے ادبی پھر بھی نہ کی جائے۔ اگر والدین حاجتمند ہوں تو ان کی مالی اعانت اولاد پر لازم ہے۔ والدین کے بعد قریبی رشتہ داروں کا حق ہے کہ ان سے بھلائی کی جائے اگر حاجتمند ہوں تو ان کی مدد کی جائے جو بسا اوقات واجب ہے مصیبت میں ہوں تو ان کے کام آیا جائے۔ اگر زیادتی کریں تو حتی الوسع درگزر کیا جائے۔ پھر عام مسلمانوں میں سے یتامی و مساکین کا حق ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا ہم دونوں جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح اکٹھے ہوں گے۔'' (بخاری کتاب الطلاق باب ۲۵)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس قوم کے دسترخوان پر یتیم بھی شامل ہو شیطان اس دسترخوان کے قریب نہیں آتا۔'' (طبرانی اوسط)

پاک و ہند میں دینی مدارس میں یتامی و مساکین زیرِ تعلیم ہوتے ہیں اسی طرح دیگر رفاعی ادارے بھی یتیم پروری کرتے ہیں ایسے ادروں کی مدد لازم ہے۔

اس آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حقوق اللہ کے بعد انسان پر حقوق العباد لازم ہیں اور ان میں سب سے بڑا حق اس کے والدین کا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی عبادت کے بعد ہمیں والدین کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ہمارا حقیقی خالق ہے اور والدین ہمارے مجازی خالق ہیں اللہ تعالیٰ ہمارا حقیقی پالنے والا ہے اور والدین مجازی پالنے والے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اس کا ناک خاک آلود ہو جائے، اس کا ناک خاک آلود ہو جائے، اس کا ناک خاک آلود ہو جائے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کس کی بات فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا جس نے اپنے بوڑھے والدین پائے یا ان میں سے کسی کو بوڑھا پایا پھر ان کی خدمت کر کے جنت نہ حاصل کی۔'' (مسلم)

[77] عوام الناس میں سے پڑوسی کا بھی اپنے پڑوسی پر حق ہے کہ اس سے حسنِ سلوک کیا جائے خواہ پڑوسی قریب والا ہو یا دور والا۔ (جُنُبٌ کا معنی اجنبی ہے) یعنی پڑوسی خواہ رشتہ دار ہو یا اجنبی، بہرحال اس سے حسن سلوک کیا جائے۔ یا یہ معنی ہے کہ پڑوسی خواہ قریب والا ہو کہ جس کا دروازہ متصل ہے یا دور والا جس کا دروازہ دور ہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے دو پڑوسی ہیں میں کس کو ہدیہ بھیجوں؟ فرمایا جس کا دروازہ قریب ہے۔ (بخاری کتاب الادب) حسن تابعی فرماتے ہیں چالیس گھر دائیں بائیں آگے پیچھے سب پڑوسی ہیں۔ (الادب المفرد)

بعض نے یہاں وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ میں قریبی پڑوسی سے مسلمان پڑوسی مراد لیا ہے اور اجنبی سے غیر مسلم، یعنی پڑوسی سے بہرحال حسن سلوک کرو خواہ اس کا کوئی دین ہو۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا غلام

بکری کا گوشت پکا رہا تھا آپ نے فرمایا او غلام! جب سالن تیار ہو جائے تو ہمارے یہودی پڑوسی کو اس میں سے ضرور دینا۔ ایک آدمی نے کہا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا نبی اکرم ﷺ نے پڑوسی کے بارہ میں اس قدر تاکید فرمائی کہ ہمیں ڈر ہوا شائد آپ ہمسائے کو ہمارا وارث بنا دیں گے۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب ۱۲۳)

پڑوسی سے حسنِ سلوک کی اسلام میں اہمیت

ایک انصاری صحابی کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملنے گیا، آپ کے پاس ایک آدمی کھڑا باتیں کر رہا تھا۔ اُس نے بہت دیر کر دی، تا آنکہ مجھے خیال آنے لگا کہ اتنی دیر کھڑا رہنے سے آپ کو تکلیف ہو رہی ہو گی اور یہ آدمی آپ کو چھوڑ ہی نہیں رہا۔ بعد میں میں نے آپ سے اس آدمی کا ماجریٰ کہا، تو حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے اس شخص کو دیکھا تھا؟ میں نے کہا: ہاں، فرمایا وہ جبریل امین تھے اور مجھے حکم دے رہے تھے کہ پڑوسی سے حسن سلوک کیا جائے، تا آنکہ مجھے یوں لگا کہ وہ پڑوسی کو میرا وارث بنا دیں گے، پھر حضور ﷺ نے فرمایا: اگر تم انہیں سلام کہتے تو وہ تمہیں سلام کا جواب دیتے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۸۷)

حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اللہ اور روزِ آخرت پہ ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی سے ضرور اچھا سلوک کرے۔'' (گویا جو شخص ایسا نہیں کرتا وہ ایمان کا تقاضا پورا نہیں کرتا اور اس کا عمل اس کے اسلام کی نفی کرتا ہے) (مسلم کتاب الایمان حدیث ۷۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا وہ جنت میں نہ جائے گا جس کے شر سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔'' (بخاری کتاب الادب باب ۲۹، مسلم کتاب الایمان حدیث ۷۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا: ''فلاں عورت رات بھر قیام کرتی اور ہر روز روزہ رکھتی ہے اور بہت زیادہ صدقات کرتی ہے۔ لیکن اپنی زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے، حضور سرورِ کونین ﷺ نے فرمایا: لا خیر فیھا ھی من اھل النار، اس میں کوئی بھلائی نہیں وہ اہل جہنم میں سے ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ فلاں عورت صرف فرض نماز پڑھتی اور صرف رمضان کا روزہ رکھتی ہے اور معمولی صدقہ کرتی ہے، مگر کسی کو تکلیف نہیں دیتی۔ آپ نے فرمایا: ھی من اھل الجنۃ۔ وہ اہلِ جنت میں سے ہے۔''
(الادب المفرد صفحہ ۵۴ باب ۶۶ حدیث ۱۱۹ مطبوعہ بیروت)

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''تم زنا کے بارہ میں کیا کہتے ہو؟ کہنے لگے: وہ تو تا قیامت حرام ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کسی آدمی کا دس عورتوں سے زنا کرنا اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنے سے کم تر گناہ ہے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا: تم چوری کے بارہ میں کیا کہتے ہو؟ کہنے لگے: اسے اللہ اور اسکے رسول نے تا قیامت حرام قرار دیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کسی آدمی کا

دس گھروں میں چوری کرنا ہمسائے کے گھر میں چوری کرنے سے کم تر گناہ ہے۔" (الادب المفرد صفحہ ۵۰ باب ۵۶ حدیث ۱۰۳، مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۸) گویا ہمسائے سے کسی قسم کی بدسلوکی کا گناہ عام مسلمانوں کی بنسبت دس گنا بڑا گناہ ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ

یعنی پہلو کے ساتھی سے بھلائی کرو۔ بعض نے اس سے سفر کا ساتھی مراد لیا ہے کہ اسے تنگ نہ کرو (جیسے کچھ لوگ سگریٹ نوشی سے بس یا ٹرین میں دوسرے مسافروں کو اذیت دیتے ہیں، حالانکہ یہ حرام ہے) اور اس کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آؤ اور اس میں شک نہیں کہ بسا اوقات چند گھنٹوں یا دنوں کی ہمسفری لوگوں کو زندگی بھر کا ساتھی بنا دیتی ہے۔

ابن ابی فدیک سے مروی ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی صحابی سفر پہ تھا، دونوں کی سواری الگ الگ تھی، تو ٹہنیوں کی ضرورت پڑی۔ حضور سید عالم ﷺ جھاڑیوں کے ایک جھرمٹ میں داخل ہوئے اور دو ٹہنیاں توڑ لائے، ایک ٹہنی سیدھی تھی دوسری ٹیڑھی۔ آپ نے ٹیڑھی خود رکھ لی اور سیدھی اپنے ساتھی کو دیدی۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ پہ میرے والدین قربان، آپ سیدھی ٹہنی کے زیادہ حقدار ہیں۔ حضور سرور کونین ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں، جو آدمی کسی کا ساتھی بنتا ہے، اس سے اسکی صحبت کے بارہ میں پوچھا جائے گا خواہ وہ ایک لمحہ کی صحبت ہو۔
(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۴ صفحہ ۸۵)

بعض مفسرین نے وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ (پہلو کے ساتھی) سے مہمان مراد لیا ہے کہ اس کی بہتر تواضع کرو اور یہ تفسیر بھی درست ہے، چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفه ومن کان یؤمن باللہ الیوم الآخر فلیقل خیرا او لیصمت۔ "جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت پہ ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کو مت ستائے اور جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پہ ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی تکریم کرے اور جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پہ ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے ورنہ چپ رہے۔" (بخاری کتاب الادب باب ۳۱)

بعض نے کہا پہلو کا ساتھی ہر وہ شخص ہے جس کے ساتھ تم اکٹھے کام کرتے ہو مثلاً افسر اور اس کا ملازم کہ دونوں کو ایک دوسرے کے لئے مخلص ہونا چاہئے۔ استاذ اور شاگرد کہ دونوں کو ایک دوسرے کا ہمدرد ہونا چاہئے۔ اسی طرح میاں بیوی بھی پہلو کے ساتھی ہیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا: وَابْنِ السَّبِيْلِ کہ مسافر سے حسن سلوک کرو۔ یاد رہے کہ مسافر اپنے گھر میں خواہ امیر و کبیر ہو اگر وہ سفر میں حاجتمند ہے تو اس کی اعانت لازم ہے حتیٰ کہ اسے زکوٰۃ بھی دی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف میں وَابْنِ السَّبِيْلِ یعنی مسافر کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ (براءت، ۶۰) اس کی مثال دینی مدارس کے طلباء سے بھی دی جاسکتی ہے کہ اگر وہ اپنے گھر میں مالدار بھی ہوں تو بھی راہِ خدا نکلے ہونے اور حالتِ سفر میں انکی تہی دامنی کے باعث

ان پر زکوٰۃ خرچ کی جا سکتی ہے۔

آخر میں وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فرمایا گیا کہ غلاموں سے حسن سلوک کرو۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''یہ تمہارے بھائی تمہارے غلام ہیں اللہ نے انہیں تمہارے قبضہ میں دیا ہے تو جس کے پاس غلام ہو وہ جو خود کھائے وہ غلام کو کھلائے جو خود پہنے وہ غلام کو پہنائے۔ اور طاقت سے زیادہ ان سے خدمت مت لے۔'' (بخاری کتاب الایمان باب ۲۲)

حضور سید عالم ﷺ کا ارشاد ہے غلاموں سے اچھا سلوک نہ کرنے والا جنت میں نہ جائے گا۔

(بیہقی عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک پر آخری وقت یہ الفاظ تھے: الصلوٰۃ و ما ملکت ایمانکم، ''نماز کا اور اپنے غلاموں کا خیال رکھنا۔ یہ کہتے کہتے حضور تاجدار رسالت ﷺ نے وصال فرمایا۔'' (ابوداود کتاب الادب باب ۱۲۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وصال کے وقت رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک پہ یہی الفاظ تھے: الصلوٰۃ وماملکت ایمانکم، کہ نماز ادا کرو اور غلاموں سے حسن سلوک کرو، یہاں تک کہ جب آپ کی زبان لڑکھڑا رہی تھی تب بھی آپ کے سینہ مبارک سے یہی آواز آ رہی تھی (اللہ اکبر) (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۱۷)

[78] حقوق اللہ وحقوق العباد کے بعد بخل سے بچنے کی تلقین کی جا رہی ہے کہ بخل ہی انسان کو اللہ کا اور لوگوں کا حق مارنے پر اکساتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت یہود کے بارہ میں نازل ہوئی۔ ہمسائیگی کی بنیاد پر بعض مسلمانوں کے ان سے روابط تھے، انہوں نے مسلمانوں کو راہ جہاد میں خرچ کرنے سے روکا کہ سوچ سمجھ کر خرچ کرو پتہ نہیں آئندہ کیا حالات ہونے والے ہیں تب یہ آیت اتری (ابن جریر)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا درس دیتے ہیں اور اللہ کا دیا ہوا چھپاتے ہیں ایسے کافروں یعنی ناشکروں کے لئے ذلت آمیز عذاب تیار ہے۔ اور عموماً بخیل آدمی یہی کہتا ہے کہ میرے پاس تو دینے کو کچھ نہیں وہ اللہ کے دیئے ہوئے سے انکار کرتا ہے ایسے ناشکروں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ
اور جولوگ اپنے اموال خرچ کرتے ہیں لوگوں کے دکھاوے کو اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ ہی روز آخرت پر اللہ انہیں پسند
الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ۝۳۸ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ
نہیں رکھتا اور جس کا شیطان ساتھی ہو تو وہ کیا برا ساتھی ہے [79] اور ان کا کیا نقصان تھا اگر وہ
اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ
اللہ اور روز آخرت پر ایمان لاتے اور اس میں سے خرچ کرتے جو انہیں اللہ نے دیا اور اللہ انہیں خوب
عَلِيْمًا ۝۳۹ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا
جانتا ہے [80] بے شک اللہ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں فرمائے گا۔ اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے بڑھا دے گا
وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۴۰
اور اپنی طرف سے اجر عظیم عطا فرمائے گا [81]

[79] یہ آیت منافقین مدینہ کے بارہ میں اتری ان کا حال یہود سے بدتر تھا یہود تو راہ خدا میں خرچ کرتے ہی نہ تھے منافقین خرچ تو کرتے تھے مگر رضاء الٰہی کے لئے نہیں، بلکہ لوگوں کے دکھانے کے لئے۔ وہ اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ نہ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں نہ قیامت کے اجر وثواب کے لیے، بلکہ صرف دکھاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں تاکہ دنیا میں انکی شہرت ہو جائے۔ گویا جو مومن دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اسکا حال منافقین والا ہے۔

بخل کی برائی

بخل بدترین اخلاقی مرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں بخیل کے لئے عذاب مہین کا ذکر فرمایا ہے۔ یاد رہے جو بخل انسان کو فرائض سے دور کرے جیسے زکوٰۃ، صدقاتِ واجبہ، غریب والدین اور رشتہ داروں کے حقوق ہیں ایسے بخل پر عذاب اور سزا ہے۔ جبکہ صدقاتِ نافلہ سے بخل ناپسندیدہ ہے مگر اس پر عذاب نہیں۔ تو بخل یہ ہے کہ مستحق کو اس کا حق نہ دینا خواہ وہ حق فرض ہو یا نفل۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

السخی قریب من الله قریب من الجنة قریب من الناس بعید من النار والبخیل بعید من الله بعید من الجنة بعید من الناس قریب من النار ۔ الجاهل السخی الحب الی الله من عابد بخیل ۔
یعنی سخی اللہ تعالیٰ، جنت اور لوگوں سے قریب اور دوزخ سے دور ہے جبکہ بخیل اللہ، جنت اور لوگوں سے دور اور دوزخ سے قریب ہے اور جاہل سخی اللہ تعالیٰ، کو عابد بخیل سے پیارا ہے۔ (ترمذی کتاب البر باب ۴۰ حدیث ۱۹۶۱)
حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
خصلتان لا تجتمعان فی مؤمن البخل وسوء الخلق ۔ ''دو خصلتیں کسی مومن میں جمع نہیں ہوسکتیں، بخل اور بد خلقی''۔ (ترمذی کتاب البر والصلة حدیث ۱۹۶۲)
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
لا یدخل الجنة خَبٌّ ولا بخیل ولا منّان ۔ ''جنت میں دغاباز آدمی نہیں جائے گا، نہ ہی بخیل اور نہ احسان جتلانے والا''۔ (ترمذی کتاب البر والصلة حدیث ۱۹۶۳)

اگر اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دے تو اسے چھپانا نہیں چاہیے

وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ سے یہ سبق ملا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کا چھپانا اللہ کو سخت ناپسند ہے۔
مروی ہے کہ ایک صحابی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے ان کے بال غبار آلود اور کپڑے پرانے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا تمہارے پاس مال ہے؟ انہوں نے کہا اللہ کا دیا ہوا ہر طرح کا مال ہے تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
اذا آتی الله عبد انعمة فلیر علیه منها اثر ۔ ''اللہ تعالیٰ جب بندے کو نعمت دیتا ہے تو چاہتا ہے کہ وہ نعمت اس پر دیکھی بھی جائے''۔ (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۷۷)
اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾ کہ ''اپنے رب کی نعمت کا تذکرہ کرو''۔ (سورہ ضحیٰ، ۱۱)

دکھاوے کا صدقہ کارِ منافقین ہے

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ الخ منافقین مدینہ کے لئے اتری گویا یہ منافقوں کا کام ہے، مومن کو صرف اللہ رب العزت کی رضا کے لئے مال خرچ کرنا چاہیئے۔
[80] اگر منافقین اللہ اور قیامت پر ایمان لاتے ہوئے اللہ کی رضا اور آخرت کی بہتری کے لئے مال خرچ کرتے تو اس میں انہی کا فائدہ تھا مگر وہ نادان دنیا و آخرت کے خسارہ میں رہے۔
[81] اللہ رب العزت کی یہ شان ہے کہ وہ اپنے بندوں پہ ذرہ برابر ظلم نہیں فرماتا۔ کیونکہ وہ تو اپنے بندوں پہ رحیم و کریم ہے لہٰذا وہ کسی کی نیکی ضائع نہیں فرماتا، منافقین اور کافرین کی نیکیاں اگر ضائع ہوتی ہیں تو وہ اپنے نفاق اور کفر کی

وجہ سے اپنی نیکیاں خود ضائع کرتے ہیں۔ بلکہ اس کی شان یہ ہے کہ اس کی رضا کے لئے جو نیکی کی جائے وہ ادنیٰ بھی ہو تو اسے اللہ خوب بڑھا دیتا ہے اور اس پر اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے ''روز قیامت ایک شخص پیش ہوگا کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں ہے جس جس نے اس سے اپنا حق لینا ہے آ کر لے لے، تو اس کے والدین بیوی بچے سب آئیں گے اور اپنا اپنا حق مانگیں گے اور کچھ معاف نہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے بندے! ان کا حق لوٹاؤ! وہ کہے گا یا اللہ! میرے پاس تو کچھ نہیں کیا لوٹاؤں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا فرشتو دیکھو اگر اس کے پاس کچھ نیکیاں ہیں تو حق داروں کو دے دو، اس کی نیکیاں حق داروں کو دے دی جائیں گی۔ اس کے پاس صرف ایک نیکی رہ جائے گی جو ذرہ برابر ہو گی۔ اللہ فرمائے گا اسے میرے بندے کے لئے بڑھا دو اور اسے میری رحمت سے جنت میں بھیج دو۔'' (ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۹۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ ایک نیکی کو بیس لاکھ نیکیوں تک بڑھا دے گا۔'' (اللہ اکبر)۔ (ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۹۴)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ کے تحت اگر سوال کیا جائے کہ کئی لوگ زندگی بھر اپاہج اندھے اور معذور یا انتہائی غربت وافلاس میں رہتے ہیں اور ساری زندگی تکلیف وآلام میں گزار دیتے ہیں۔ اگر اللہ کسی پہ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا تو ان کو کس جرم کی سزا دی گئی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر سارے لوگ امیر و کبیر ہوں تو محنت و مزدوری کون کرے اور کاروبارِ حیات کیسے چلے، پھر اگر کوئی مریض نہ ہو تو صحت و عافیت کی قدر کیسے معلوم ہو، غربت نہ ہو تو امارت و مالداری پہ شکر کیسے ادا کیا جائے۔ اگر کوئی اندھا نہ ہو تو بیناؤں کو اپنی آنکھوں کی نعمت کا احساس کیسے ہو اور جس نے دنیا میں جتنی تکلیف اٹھائی ہے اسے آخرت میں اتنی ہی راحت و نعمت میسر آئے گی۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ

تو کیا وہ سماں ہو گا جب ہم ہر امت سے گواہ لائیں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر

شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ

لائیں گے [82] اس دن وہ لوگ تمنا کریں گے جنہوں نے کفر کیا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نافرمانی کی کہ اے کاش! ان پر زمین

الْاَرْضُ ط وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ ع

برابر کر دی جائے اور وہ اللہ سے کوئی چیز چھپا نہ سکیں گے [83]

[82] اس کا یہ معنی ہے کہ ہر امت میں سے ان کا نبی گواہ بن کر آئے گا جو گواہی دے گا کہ اس نے اپنی امت کو اللہ کا پیغام پہنچایا تھا اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سب انبیاء پر گواہ بن کر آئیں گے۔ وہ اس طرح کہ جب انبیاء کی امتیں ان کی

تبلیغ سے انکار کر دیں گی تو آپ کی امت انبیاء کے حق میں گواہی دے گی پھر آپ اپنی امت کی صداقت پر گواہی دیں گے چنانچہ سورہ بقرہ میں فرمایا گیا: وَ كَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدًا ؕ ''اور اس طرح ہم نے تمھیں سب سے افضل امت بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر (دوسری امتوں پر) گواہ بن جاؤ اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ بن جائیں۔'' (بقرہ، ۱۴۳) دوسری جگہ اللہ نے فرمایا: وَيَوۡمَ نَبۡعَثُ فِىۡ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيۡدًا عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَجِئۡنَا بِكَ شَهِيۡدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ ''اور وہ دن یاد کریں جب ہم ہر امت سے ایک گواہ اٹھائیں گے اور اے رسول (ﷺ) پھر ہم ان سب پہ آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے۔'' (نحل، ۸۹)

اس آیت کی بہت فضیلت ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے فرمایا: ''مجھ پر قرآن پڑھو، میں نے عرض کیا آپ پر تو قرآن اترا ہے کیا میں آپ کے سامنے قرآن پڑھوں؟ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا ہاں میں دوسروں سے سننا پسند رکھتا ہوں، کہتے ہیں میں نے حضور ﷺ کو سورہ نساء سنانا شروع کی۔ جب میں اس آیت پر پہنچا: فَكَيۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيۡدٍ۔ الخ تو میں نے دیکھا کریم آقا ﷺ کی آنکھوں سے چھم چھم آنسو برسنے لگے۔'' (بخاری ومسلم)

حضور سرورِ کونین ﷺ افضل الانبیاء ہیں

ہر نبی گواہ بن کر آئے گا اور حضور ﷺ سب انبیاء پر گواہ بن کر آئیں گے یہ آپ کے سید الانبیاء ہونے کی دلیل ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بزم محشر شان محمدی ﷺ کے اظہار کے لئے سجے گی۔ اللہ تعالیٰ علیم بذات الصدور ہے وہ اپنے علم سے کفار کو دوزخ میں بھیج سکتا ہے مگر اس نے انبیاء کے حق میں اپنے حبیب ﷺ کو گواہ بنا کر پیش کیا تا کہ آپ کی شان و عظمت ظاہر ہو۔ سچ ہے ؎

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزم محشر کا — کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

[83] روزِ قیامت کفار تمنا کریں گے کاش انہیں زمین میں ملا دیا جائے مگر دوزخ میں نہ ڈالا جائے۔ مروی ہے کہ جب جانوروں کو روزِ قیامت جنت کی مٹی بنا دیا جائے گا تو کفار تمنا کریں گے کاش انہیں بھی جنت کی مٹی ہی بنا دیا جائے قرآنِ حکیم میں ہے: وَيَقُوۡلُ الۡكٰفِرُ يٰلَيۡتَنِىۡ كُنۡتُ تُرٰبًا ۟ (النبا، ۴۰)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا

اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ جبکہ تم نشے میں ہو تا وقتیکہ تم جانو کہ کیا

تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ

کہہ رہے ہو[84] اور نہ ہی ناپاکی کی حالت میں (نماز کے قریب جاؤ) سوا اس کے کہ تم مسافر ہو تاوقتیکہ غسل کرلو[85] اور اگر تم

مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ

بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی پاخانہ پیشاب کر کے آئے یا تم عورتوں سے

النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ

جماع کر لو۔ پھر تم پانی نہ پاؤ تو تیمّم کرو پاک زمین سے، تو اپنے چہروں پہ ہاتھ پھیرو

وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝۴۳

اور بازوؤں پہ، بے شک اللہ بہت معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے[86]

نشے اور جنابت میں نماز کے قریب نہ جاؤ

[84] اس سے قبل حقوق اللہ و حقوق العباد کی بات کی گئی اب حقوق اللہ میں سے نماز کے چند احکام بتائے جا رہے ہیں۔ اس آیت کا شان نزول حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ ایک بار انصار میں سے ایک شخص نے ہماری دعوت کی، لوگوں نے وہاں شراب پی۔ اس وقت شراب حرام نہ کی گئی تھی، ساتھ ہی نماز کا وقت ہو گیا، ایک شخص نے امامت کی اور یوں پڑھنا شروع کر دیا: قل یا ایھا الکافرون لا اعبد ما تعبدون و نحن نعبد ما تعبدون، تب یہ آیت اتری: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى۔

(المستدرک للحاکم کتاب التفسیر سورہ نساء جلد ۲ صفحہ ۳۳۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترمذی میں ہے کہ اس واقعہ میں نشہ میں نماز پڑھانے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ خود تھے، مگر تحقیق یہ ہے کہ وہ حضرت علی نہ تھے بلکہ انصار میں سے کوئی آدمی تھا جیسا کہ حاکم کی اس روایت میں مذکور ہے بلکہ حاکم نے اس حدیث کے بعد اس جگہ لکھا ہے کہ خوارج اس حدیث میں نشہ میں قراءتِ قرآن کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جبکہ اللہ نے ان کو اس سے بری رکھا ہے۔ تو گویا ترمذی شریف میں نشہ میں قراءتِ قرآن کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف

منسوب کیا جانا کسی خارجی راوی کی وجہ سے ہے، خود امام ترمذی کا دامن بھی اس سے مبرا ہے۔
بہرحال اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم شراب پی لو تو جب تک اس کا نشہ نہ اتر جائے اور تم کو شعور نہ ہو جائے کہ کیا کہہ رہے ہو تب تک تم نماز کے قریب نہ جاؤ۔
یاد رہے شراب تین مراحل میں حرام کی گئی سب سے اول کہا گیا کہ شراب میں منافع بھی ہیں مگر اس کے نقصانات زیادہ ہیں۔(بقرہ، ۲۱۹) یہ سن کر کئی لوگوں نے شراب چھوڑ دی پھر یہی زیر تفسیر آیت اتری کہ نشہ میں نماز کے قریب نہ جاؤ، یہ سن کر مزید بہت سے لوگ شراب سے دست کش ہو گئے، انہیں احساس ہوا کہ شراب بری چیز ہے یہ انسان کو نماز سے روکتی یا اس میں خلل ڈالتی ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۹۰ شراب چھوڑ دو تا کہ کامیابی پاؤ۔(مائدہ، ۹۰) اور فرمایا: فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝۹۱ یعنی کیا تم شراب اور جوئے سے باز آؤ گے یا نہیں؟ (مائدہ: ۹۱) یہ آیت سن کر ہر کسی نے شراب اٹھا کر گندی نالی میں بہا دی۔

اگر قراءت کا معنی بدل جائے تو نماز نہ ہوگی

حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ سے پتہ چلا نماز اس طرح پڑھنا ضروری ہے کہ قرآن کی قراءت درست ہو اور پڑھنے والا جانتا ہو کہ وہ صحیح پڑھ رہا ہے اور معنی میں تبدیلی نہیں ہو رہی، اگر اس طرح پڑھا جائے کہ معنی بدل جائے تو نماز نہ ہو گی جیسا کہ شانِ نزول میں ہوا کہ پڑھنے والے نے کچھ کا کچھ پڑھ دیا۔ آج ہم عجمی ہندی لہجے کی وجہ سے قرآنِ مجید کا تلفظ غلط کرتے ہیں جس سے کبھی معنی بھی بدل جاتا ہے جیسے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ (کہہ دو اللہ ایک ہے) کی جگہ کُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھا جاتا ہے جس کا معنی ہے کھاؤ اللہ ایک ہے۔ جان بوجھ کر ایسا پڑھنا کفر ہے اور جس کا تلفظ درست نہ ہو وہ درستگی کی کوشش کرے اور جب تک درست نہ پڑھے اس کی نماز فی ذاتہٖ مقبول ہے مگر وہ درست پڑھنے والوں کو امامت نہیں کرا سکتا۔

نیند کے غلبہ میں نماز نہیں پڑھنی چاہئے

جیسے نشہ میں نماز نہیں پڑھنی چاہئے، اسی طرح نیند کے غلبہ میں بھی نہیں پڑھنی چاہئے تا کہ غلط نہ پڑھا جائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی نماز میں اونگھ رہا ہو تو جا کر سو جائے تا آنکہ اسے خبر ہو کہ کیا پڑھ رہا ہے۔'' (بخاری کتاب الوضوء باب ۵۳)

[85] جُنُب اسے کہتے ہیں جس پر نہانا فرض ہو یعنی جب تم پر نہانا فرض ہو تو نہائے بغیر نماز کے قریب نہ جاؤ۔ اِلَّا یہ کہ تم راستہ عبور کرنے والے (مسافر) ہو۔ یعنی سفر میں اگر تمہیں پانی نہ ملے تو نہانے کی جگہ تیمم کر لو جیسا کہ آگے تیمم کا طریقہ بتایا گیا۔

تیمم کے احکام

[86] یعنی اے مسلمانو! اگر تم اس قدر بیمار ہو کہ نماز کے لئے وضوء کرنے یا غسل واجب ہونے کی صورت میں نہانے کی وجہ سے تمہاری جان جاسکتی یا بیماری مزید لمبی ہوسکتی ہے یا تم سفر پہ ہو اور وہاں تمہیں وضو یا غسل کی ضرورت پڑے اور پانی میسر نہ ہو تو ان صورتوں میں تم زمین کی پاک سطح (یعنی مٹی، ریت، پتھر وغیرہ) سے تیمم کرلو۔

تیمم کا طریقہ

تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے زمین پہ دونوں ہاتھ مارو پھر انہیں جھاڑ کر چہرے پر ملو پھر انہیں زمین پہ مار کر جھاڑ لو اور بازوؤں پہ کہنیوں تک اچھی طرح مل لو، تو تم پاک ہوگئے اگر تم بے وضوء تھے تو تمہارا وضوء ہوگیا اور اگر بے غسل تھے تو غسل ہوگیا اب تم نماز پڑھ سکتے ہو۔ ابوداود کتاب الطہارۃ میں ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ پر ایک بار سفر میں جنابت لاحق ہوئی تو وہ زمین پہ لوٹ پوٹ ہوئے اور سارے جسم پہ مٹی مل لی، بعد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی تمہارے لیے دو ضربیں ہی کافی تھیں ایک ضرب منہ کے لیے دوسری بازوؤں کے لیے۔

کس صورت میں تیمم جائز ہے کس صورت میں نہیں

یاد رہے جب آدمی پانی سے ایک میل دور ہو یا شدید سردی کے باعث ٹھنڈے پانی سے جان جاسکتی ہو یا بخار وغیرہ میں وضوء یا غسل سے بیماری کے بڑھ جانے کا خطرہ ہو یا مسافر کے پاس اتنا کم پانی ہو کہ اگر وضوء یا غسل کرے تو پیاسا رہ جائے گا یا کنوئیں سے پانی نکالنے کے لئے ڈول نہ ہو تو ان تمام صورتوں میں تیمم کی اجازت ہے یہ سب صورتیں لَمْ تَجِدُوْا مَآءً کے تحت داخل ہیں۔

جس شخص کو معلوم ہو کہ اس کے قریب کہیں پانی ہے تو اسے پانی کی تلاش کرنی چاہیے، تاوقتیکہ کہ نماز کا وقت کم رہ جائے، اگر تب تک پانی نہ ملے تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔

اگر نمازِ جنازہ حاضر ہو یا نمازِ عید، اب اگر کوئی شخص باوضو نہ ہو اور وضو کرنے کی صورت میں نماز جنازہ اور نماز عید اس سے رہ جائے گی تو وہ تیمم کر کے نماز میں شامل ہوسکتا ہے۔ اگر نماز پنجگانہ یا نمازِ جمعہ کا وقت کم ہو کہ وضو کرنے میں وقت جاتا رہے گا تو اس صورت میں تیمم جائز نہیں، کیونکہ نماز پنجگانہ کا نعم البدل نماز قضاء اور جمعہ کا نعم البدل نماز ظہر موجود ہے، جبکہ نماز جنازہ اور نماز عید کا نعم البدل نہیں ہے۔

محض بیماری پیدا ہونے کے خوف سے تیمم جائز نہیں

اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى سے معلوم ہوا کہ جو واقعتاً بیمار شخص ہو اسکو بیماری کی نوعیت کے مطابق تیمم کی اجازت ہے۔

محض بیماری پیدا ہونے کے خوف کا کچھ اعتبار نہیں، ہاں شدید ٹھنڈا پانی جو غسل کرنے والے کو مار سکے یا بیمار کر سکے اس کی جگہ تیمم کی اجازت ہے۔

تیمم میں ارادہ شرط ہے

یہاں فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا فرمایا گیا اور تیمم کا معنی ہی ارادہ کرنا ہے۔ لہٰذا اگر کسی کے چہرے یا ہاتھوں پہ خود ہی غبار آ لگے اس نے خود نہیں لگایا یا خود لگایا مگر تیمم مقصود نہ تھا تو اس کا اعتبار نہیں نہ اس سے نماز جائز ہے۔

جنسِ زمین سے تیمم جائز ہے

صَعِيْدًا سطح زمین کو کہتے ہیں جس میں مٹی، ریت، پتھر، چونا، غبار سب داخل ہیں۔ یاد رہے جو چیز جلانے سے نہ جلے اور پگھلانے سے نہ پگھلے وہ جنس زمین سے ہے اس سے تیمم جائز ہے۔ لہٰذا لوہے، تانبے، لکڑ، کپڑے وغیرہ پہ تیمم جائز نہیں کہ یہ جلنے یا پگھلنے والی چیزیں ہیں ہاں اگر ان چیزوں پہ زیادہ غبار لگا ہوا ہو تو غبار سے تیمم جائز ہے۔

معلوم ہوا کہ پتھر، اینٹ یا گارے وغیرہ سے بنی ہوئی دیوار پہ تیمم جائز ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص ہسپتال یا گھر میں مریض پڑا ہے اور وہ بستر سے اتر نہیں سکتا نہ وہاں اسے کوئی وضو کرانے والا ہے تو وہ اپنے ساتھ ایک چھوٹا سا پتھر یا اینٹ کا ٹکڑا رکھ لے، جب تیمم کرنا ہو تو اس پہ دونوں ہاتھ پھیر کر انہیں چہرے اور بازوؤں پہ مل لے، اس کا تیمم ہو گیا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ
کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا کہ گمراہی خرید رہے ہیں
وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى
اور چاہتے ہیں کہ تم بھی سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ [87] جبکہ اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ ہی
بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾
کافی دوست اور کافی مددگار ہے [88]

یہود کی اسلام دشمن کاروائیاں اور ان پہ اللہ کی پھٹکار

[87] یہ آیتِ یہود کے بارہ میں ہے انہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا جب تورات اتری تو انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا تب اللہ تعالیٰ نے اس کا اکثر حصہ واپس اٹھا لیا صرف احکام والا حصہ رہنے دیا۔ یہ یہود کی محرومی کی طرف

اشارہ ہے یا یہ معنی ہے کہ انہوں نے تورات کا بہت سا حصہ خود ہی نکال دیا ہے۔ان کی حالت بتائی گئی کہ وہ ہدایت دے کر گمراہی خرید رہے ہیں اور اے مسلمانو! وہ تمہیں بھی راہِ حق سے بھٹکانا چاہتے ہیں، لہٰذا ان کے قریب نہ جاؤ۔

[88] جب اللہ تمہارا مددگار و کارساز ہے تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھو۔ یہ آیتِ مبارکہ آج مسلمانوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہے ہمارا حکمران طبقہ یہود و نصاریٰ کی محبت میں مرا جارہا ہے اور اپنی خارجہ پالیسیاں ان کی مرضی کے مطابق ترتیب دیتا ہے۔جس میں دنیا و آخرت دونوں کا خسارہ ہے۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا

یہودیوں میں سے کچھ وہ ہیں جو الفاظ کو ان کی حقیقی جگہ سے ہٹاتے ہیں [89] اور کہتے ہیں ہم نے سن تو لیا مگر مانا نہیں

وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ

اور کہتے ہیں اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سنو! تمہاری کوئی نہ سنے، اور راعنا کہتے ہیں زبانوں کو پھیر کر اور دین میں رخنہ ڈالنے کی خاطر [90]

وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

اور اگر وہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے) عرض کرتے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور آپ ہماری بات سنیں اور ہماری طرف نظر فرمائیں تو یہ ان کیلئے بہتر

وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ يٰۤاَيُّهَا

اور درست تھا، مگر اللہ نے ان پر لعنت کی ان کے کفر کے سبب، تو وہ بہت کم ایمان لاتے ہیں [91] اے وہ لوگو

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ

جن کو کتاب (تورات) دی گئی تھی اس (کلام) پر ایمان لاؤ جو ہم نے (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اتارا جبکہ وہ تمہاری کتاب کی تصدیق کرتا ہے

اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ

اس سے پہلے کہ ہم (تمہارے) چہرے بگاڑ دیں اور انہیں پیچھے کی طرف موڑ دیں یا ان پر لعنت کریں جیسے ہم نے ہفتہ والوں پر

السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝

لعنت کی تھی اور اللہ کا کام تو ہو کر ہی رہتا ہے [92]

[89] یہ علماء یہود کے متعلق ہے انہوں نے اپنی کتاب میں تحریف کی، حقیقی کلمات کو مٹا کر ان کی جگہ نئے کلمات لکھ

دیئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں تورات میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ یوں لکھا ہوا تھا: آنکھوں میں قدرتی سرمہ، کشادہ آنکھیں، میانہ قد، گھنگھریالے بال اور خوبصورت چہرہ۔ جب حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو علماء یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوب پہچان لیا مگر چونکہ آپ بنی اسرائیل میں سے نہ تھے اس لئے وہ جل بھن گئے اور تورات میں آپ کا حلیہ بدل کر یوں لکھ دیا ''دراز قد والے، نیلی آنکھوں والے اور سیدھے بالوں والے۔'' پھر انہوں نے یہودی عوام سے کہا کہ یہ وہ نبی نہیں ہے جس کی بشارت تورات میں ہے۔ (تفسیر مظہری)

یہاں سے عظمت قرآن کا پتہ چلا، تورات میں تحریف کر دی گئی مگر قرآن اللہ رب العزت کی حفاظت میں ہے۔ قرآنِ مجید میں ہرگز کوئی تحریف نہیں کی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ۝۹ (حجر،۹)

[90] یہودِ مدینہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں تین طرح کی گستاخیاں روا رکھتے تھے۔

اول (سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا) یعنی جب وہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں کوئی بات سن کر اٹھتے تو اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر کہتے ہم نے بات سن تو لی ہے مگر مانی نہیں، یعنی جب ان کے ساتھی انہیں ملامت کرتے کہ تم وہاں کیوں گئے تھے تو وہ کہتے کہ سننے میں کیا حرج ہے ہم ان کی بات ماننے والے تھوڑے ہی ہیں۔ اب جس شخص نے دل میں پہلے ہی سے ٹھان رکھی ہو کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو صرف سننا ہے، ماننا نہیں ہے تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت ہی کا مستحق ہے۔

دوم (وَاسۡمَعۡ غَيۡرَ مُسۡمَعٍ) یعنی یہود زبان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہتے کہ آپ ہماری بات سنیں۔ اور دل میں آپ کو بددعا دیتے ہوئے کہتے کہ اللہ کرے تمہاری بات اللہ کے ہاں نہ سنی جائے۔

سوم (رَاعِنَا) وہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رَاعِنَا کہتے تھے، دراصل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی بارگاہ میں لفظ راعنا کہتے تھے جس کا معنی ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری رعایت فرمائیں، یعنی ہمیں یہ بات پھر سمجھا دیں۔ یہ لفظ یہود کی زبان میں ایک گالی تھا، صحابہ سے یہ لفظ سن کر یہود اسے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گستاخی کے ارادے سے بولنے لگے بظاہر وہ ادب سے یہ لفظ بولتے مگر دل میں گستاخی ہوتی۔ (لَيًّا بِاَلۡسِنَتِهِمۡ وَطَعۡنًا فِي الدِّيۡنِ کا یہ معنی ہے کہ یہود زبان سے بات کو پھیرنا چاہتے تھے تاکہ سننے والے سمجھیں کہ وہ بڑے ادب سے راعنا کہہ رہے ہیں مگر ان کے دل میں دین پہ طعن یعنی گستاخی رسول ہوتی) تب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم ہوا کہ وہ راعنا کی بجائے انظرنا کہا کریں یعنی اے رسول خدا صلی اللہ علیک وسلم ہم پہ نظرِ عنایت فرمائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا وَقُوۡلُوا انۡظُرۡنَا وَاسۡمَعُوۡا ؕ وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ۝۱۰۴

''اے ایمان والو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں راعنا مت کہو بلکہ انظرنا کہو اور پہلے ہی بات کو غور سے سنو اور کافروں کے

لیے دردناک عذاب ہے۔" (بقرہ، ۱۰۴)

[91] یعنی اگر یہود مذکورہ گستاخیاں کرنے کی بجائے سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کی جگہ یوں کہتے: سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ط کہ ہم نے حکم رسول سنا اور مان لیا اور اسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ کہنے کی بجائے صرف اسْمَعْ کہتے غَيْرَ مُسْمَعٍ نہ کہتے اور رَاعِنَا کی بجائے اُنْظُرْنَا کہتے تو اس میں ان کا بھلا ہوتا کیونکہ یہ الفاظ تعظیم رسول ﷺ کے تقاضوں کے مطابق ہیں اور جہاں بھر کی بھلائی آپ کی تعظیم میں بند ہے۔ مگر جب یہود نے گستاخی رسول کا راستہ اپنایا تو اللہ نے ان پر لعنت فرمائی لہٰذا اس لعنت کا نتیجہ ہے کہ یہود کم ہی ایمان لاتے ہیں۔ چنانچہ تاریخِ اسلام میں یہود کے ایمان لانے کی بہت ہی کم مثالیں ہیں۔ وجہ یہی ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ کے پیارے محبوب ﷺ سے بغض وعناد ہے۔

اللہ رب العزت بارگاہِ مصطفوی کے آداب سکھاتا ہے

اللہ تعالیٰ نے یہود کو بتایا کہ بارگاہ مصطفیٰ ﷺ میں عرض ومعروض کے کیا آداب ہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآنِ کریم میں مومنوں سے کہا گیا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۲ یعنی "اے مومنو! نبی (اکرم ﷺ) کی بارگاہ میں آپ کی آواز سے اپنی آواز کو مت اونچا کرو اور ان کو ایسے مت پکارو جیسے ایک دوسرے کو بلند آواز سے پکار لیتے ہو ایسا نہ ہو کہ (ایسی بے ادبی کی وجہ سے) تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں شعور بھی نہ ہو۔" (حجرات، ۲)

اسی طرح بعض مواقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے سوالات کیے جو ضرورت سے زائد تھے، آپ کے طبع مبارک پہ اس کی وجہ سے بوجھ آیا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کر کے فرمایا:

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ط "کیا تم چاہتے ہو کہ رسول اللہ (ﷺ) سے ایسے سوالات کرو جیسے موسیٰ (علیہ السلام) سے کیے گئے؟" (بقرہ، ۱۰۸)

بادشاہوں کے درباروں کے آداب ان کے کارندے سکھاتے ہیں مگر بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ وہ ہے جس کے آداب اللہ تعالیٰ خود سکھاتا ہے، تاکہ وہ اپنے محبوب کی شان کو بلند کرے۔

گستاخِ رسول ﷺ کافر وملعون ہے

یہود کی مذکورہ گستاخیوں پہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ کہ اللہ نے انکے کفر کے سبب ان پر لعنت فرمائی، اسی لیے شریعت میں گستاخیٔ رسول ﷺ کی سزا قتل ہے۔

[92] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک بار نبی اکرم ﷺ نے علماء یہود سے گفتگو فرمائی اور انہیں

بتایا کہ تم خوب جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور قرآن منزل من اللہ ہے۔ انہوں نے کہا ہم اس بارہ میں کچھ خبر نہیں رکھتے تب یہ آیتِ مبارکہ اتری: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ۔ الخ (ابن ابی حاتم) یعنی اے وہ یہود جنہیں کبھی کتاب دی گئی تھی (یعنی اب انہوں نے اسے بدل ڈالا ہے) تم اس کتاب (قرآن) پر ایمان لاؤ جو تمہارے پاس موجود تورات کی تصدیق کرتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے چہرے بگاڑ دیئے جائیں یا انہیں موڑ کر پیچھے کی طرف کر دیا جائے یا تم پر اس طرح لعنت کی جائے جیسی لعنت تمہارے آباء واجداد میں سے ان لوگوں پہ کی گئی جنہوں نے ہفتہ کے دن شکار کر کے غضبِ الٰہی کو پکارا اور انہیں بندر بنا دیا گیا اس کا مفصل ذکر بقرہ آیت ۶۵ کے تحت گزر گیا اور آگے اعراف آیت ۱۶۳ کے تحت بھی آ رہا ہے۔

چونکہ یہ آیتِ مبارکہ سن کر بعض یہود ایمان لے آئے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور یہود کی شکلیں نہ بگاڑی گئیں حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو یہود کے بڑے عالم تھے، کے کانوں میں یہ وعید پہنچی: اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا کہ اے یہود اس سے قبل کہ تمہارے چہرے بگاڑ دیئے جائیں ہماری نازل کردہ کتاب پر ایمان لے آؤ، تو وہ بھاگ کر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے وہ اس وقت اپنا چہرہ ٹٹول رہے تھے کہ کہیں بدل تو نہیں گیا۔ وہ فوراً ایمان لے آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے امید نہ تھی کہ آپ تک صحیح سلامت پہنچ جاؤں گا۔ (تفسیر بغوی جلد اول صفحہ ۵۴۲)

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ جو تمام آسمانی کتب کے عالم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت سے خوب واقف تھے، نے ایمان لانے میں تاخیر کر دی حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ ایک دن انہوں نے عہدِ فاروقی میں یہی آیتِ مبارکہ سنی تو جلدی سے اٹھے اور غسل کر کے ایمان لے آئے اس وقت وہ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر رہے تھے کہ کہیں بگڑ تو نہیں گیا۔ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۵۵۵)

تو چونکہ بعض یہود ایمان لے آئے اس لئے قوم یہود کے چہرے نہ بگاڑے گئے علاوہ ازیں قربِ قیامت میں بعض لوگوں کے چہرے بگاڑے جائیں گے ممکن ہے ان میں یہود بھی ہوں۔ گویا قربِ قیامت سے قبل تک اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے یہود جیسے دشمنانِ اسلام کو بھی اس عذاب سے بچا لیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ
بے شک اللہ یہ معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اور اس سے کم تر گناہ معاف کر دیتا ہے جس کے لیے چاہے اور جو
یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِیْمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ
اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے اس نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا۔ [93] کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہ دیکھا جو خود کو
اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ وَ لَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَیْفَ
پاکیزہ ٹھہراتے ہیں۔ نہیں، بلکہ اللہ جسے چاہے پاکیزہ بناتا ہے اور ان پر ادنیٰ سا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا [94] دیکھئے اے حبیب! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ كَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۵۰﴾ ع
یہ لوگ اللہ پر کیسا جھوٹ باندھتے ہیں اور یہ چیز کھلا گناہ ہونے کے لیے کافی ہے [95]

[93] گزشتہ آیت میں یہود کو دنیا میں چہروں کے بگڑنے کی دھمکی سنائی گئی اب بتایا جا رہا ہے کہ اگر وہ دنیوی عذاب سے بچ بھی گئے تو اخروی عذاب سے بہر حال نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ روزِ قیامت اللہ رب العزت ہر گناہ بخش دے گا جس کے لئے چاہے مگر شرک معاف نہیں کرے گا، یہاں شرک کا معنی مطلقاً ہر طرح کا کفر ہے۔ کیونکہ قیامت میں کسی طرح کا کفر معاف نہیں کیا جائے گا چنانچہ قرآنِ حکیم میں کئی بار آیا:

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ (بقرہ،۳۹۔تغابن،۱۱۔بینہ،

۶) ایک جگہ ارشاد ہوا:

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا۔ الخ (آل عمران،۹۱) اور یاد رکھنا چاہئے کہ ہر کفر ایک لحاظ سے شرک ہے کیونکہ جس نے اللہ اور رسول کی بات سے انکار کر کے کسی دوسرے کی بات مانی اس نے گویا اسے اللہ سے زیادہ اہم سمجھا۔

یہاں سے ایمان کی اہمیت معلوم ہوئی کہ اس کی برکت سے بڑے بڑے گناہ معاف ہو جائیں گے اور اس کی عدم موجودگی کے باعث کچھ بھی معاف نہ ہوگا۔

[94] کلبی نے روایت کیا کہ ایک بار یہود اپنے بچوں کو لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا جیسے یہ بچے گناہوں سے پاک ہیں ہم بھی اسی طرح پاک ہیں، ہمارے دن کے گناہ رات آنے سے قبل اور رات کے گناہ دن چڑھنے سے پہلے معاف ہو جاتے ہیں۔ تب یہ آیتِ مبارکہ اتری: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ۔ الخ (تفسیر بغوی

جلد ۲ صفحہ ۵۴۴) یعنی یہود اپنی زبانی اپنی پاکیزگی کا اعلان کرتے ہیں حالانکہ یہ صرف اللہ کی شان ہے کہ وہ جسے چاہے پاک قرار دے چنانچہ اس نے انبیاء کرام علیہم السلام کو معصوم قرار دیا اور اس نے اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزگی کا اعلان فرمایا جو محفوظیت کے معنی میں ہے نہ کہ معصومیت کے معنی میں۔ آگے فرمایا گیا: وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا۔ فتیل کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں موجود باریک ریشے کو کہتے ہیں یعنی اللہ کسی پر فتیل کے برابر بھی ظلم نہیں فرماتا۔

[95] یعنی یہود خود کو گناہوں سے پاک قرار دے کر اللہ پہ افتراء کرتے ہیں اور اس سے کھلا کوئی گناہ نہیں۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ اللہ پر افتراء کس قدر خوفناک عمل ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کسی کو جنتی قرار دینا اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی شان ہے یہود نے خود کو گناہوں سے پاک قرار دیا اللہ نے اس کا رد کیا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہ دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا کہ وہ بتوں

وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور شیطان پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ایمان والوں سے زیادہ ہدایت پر ہیں اپنے

سَبِيْلًا ۝۵۱ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ

راستے میں؟ [96] یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی، اور جس پر اللہ لعنت کرے اس کے لیے تم کوئی مددگار

نَصِيْرًا ۝۵۲ ؕ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۝۵۳ ۙ

نہ پاؤ گے۔ [97] کیا ان کے لیے حکومت کا کوئی حصہ ہے جب تو یہ لوگوں کو کوئی ادنیٰ چیز بھی نہ دیں گے [98]

یہود مردود بے بہبود کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حسد و بغض

[96] اس آیتِ کے شانِ نزول میں وارد مختلف روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ ہجری ۴ میں یہود مدینہ کے ایک قبیلہ بنو نضیر کو ان کی عہد شکنی کی وجہ سے مدینہ طیبہ سے نکالا گیا۔ کیونکہ انہوں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کی کوشش کی تھی وہ خیبر میں جا کر آباد ہوئے، انہوں نے اس کا بدلہ لینے کے لئے اہلِ مکہ کے پاس جا کر ان کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی، یہود مدینہ کا دوسرا قبیلہ بنو قریظہ بھی اس میٹنگ میں موجود تھا۔ سردار قریش ابوسفیان نے ان سے کہا اے یہود تم بھی اہلِ کتاب ہو اور مسلمان بھی اہل کتاب ہیں۔ ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں یہ تمہاری باہمی چال نہ ہو، ممکن ہے

ہم مسلمانوں پر حملہ کریں توتم ان کا ساتھ دو۔ اگرتم چاہتے ہو کہ ہم تمہارے ساتھ مل کر لڑنے کونکلیں تو ہمارے ان دو بتوں کو سجدہ کروتب ہمیں یقین ہوگا کہ تم ہمارے ساتھ مخلص ہو، تو دو یہودی سرداروں کعب بن اشرف اور حُیی بن اخطب نے اٹھ کرسجدہ کر دیا۔

پھر اہلِ مکہ نے یہود سے پوچھا بتاؤ ہم ہدایت والے ہیں یا محمد (ﷺ)؟ کیونکہ ہم سخی لوگ ہیں مہمانوں کی میز بانی، بیت اللہ کی خدمت اور حجاج کی تواضع ہمارا شیوہ ہے جبکہ محمد (ﷺ) نے رشتے کاٹ دیئے۔ ہمارے آباء و اجداد کو جاہل قرار دیا اور وہ اپنا شہر چھوڑ کر نکل گیا۔ یہود نے کہا تم ہی ہدایت والے ہو (حالانکہ وہ حضور ﷺ کی صداقت سے خوب واقف تھے) تب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ۔ الخ (بغوی، خازن، درمنثور، مدارج النبوت) جِبْت بت کو کہتے ہیں جادوگر اور کاہن کو بھی جِبْت کہا جاتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہود کی حالت تو دیکھو ان کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا کیونکہ یہ لوگ اپنی کتاب میں سے حضور ﷺ کی بشارت والی آیات کو پہلے ہی نکال رہے تھے صرف توحید والی آیات ہی رہ گئی تھیں اب انہوں نے ان سے بھی منہ موڑتے ہوئے بتوں اور شیطان کے آگے سجدہ کر دیا۔ (شیطان سے وہ جن مراد ہے جو ہر بت کے ساتھ وابستہ تھا یا خود شیطان اکبر مراد ہے کیونکہ بت کو سجدہ کرنا اصل میں شیطان کو سجدہ کرنا ہے کیونکہ وہی انسانوں کو بت پرستی پہ لگاتا ہے) اور انہوں نے بت پرستوں سے کہا کہ وہ اہل ایمان کی نسبت زیادہ سیدھی راہ پر ہیں یہ کیسی شقاوتِ قلبی ہے کہ وہ ان کو ہدایت یافتہ کہہ رہے ہیں جو کسی کتاب، کسی نبی اور کسی روزِ جزا کے قائل ہی نہیں ہیں اگر وہ ہدایت پر ہیں تو یہود خود کو کیسے ہدایت پر قرار دے سکتے ہیں۔

حسد کی برائی

نبی اکرم ﷺ سے یہود کے حسد نے انہیں بتوں کے آگے سجدہ ریزی تک پہنچادیا، گویا حسد برائیوں کی جڑ ہے جو انسان کو کفر تک بھی پہنچا دیتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا مسلمانوں کی دشمنی میں یہود کسی حد تک بھی جا سکتے ہیں، یہ انکے سب سے بڑے دشمن ہیں۔

[97] معلوم ہوا یہود پر اللہ کی لعنت ہے۔ ابھی پیچھے گزرا کہ اللہ تعالیٰ نے مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا کہہ کر یہود کا نام لیا پھر فرمایا: وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ، اسی طرح قرآنِ حکیم میں فرمایا گیا: ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ ''ان پر ذلت مسلط کر دی گئی ہے۔'' (آل عمران، ۱۱۲) فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ''یہ لوگ غضب پہ غضب کے حقدار ٹھہرے۔'' (بقرہ، ۹۰) آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا، یعنی تم یہود کا کوئی مددگار نہیں پاؤ گے اور آج جو لوگ بظاہر ان کے مددگار نظر آتے ہیں ان کے اپنے مفادات ہیں اور جلد یا بدیر اس نامراد قوم پر اللہ کے غضب کی تلوار چمکنے والی ہے اور ان کی موت ان کے مددگاروں کے ہاتھوں ہی ہوگی اور آخرت میں تو کسی کافر کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

[98] یہود کا گمان ہے کہ نبوت ان سے خاص ہے اور دنیا کے ایک حصہ پہ حکومت ان کا حق ہے۔ تو ہم اس بارہ میں عرب لوگوں کی پیروی کیوں کریں، یعنی محمد عربی ﷺ کے پیچھے کیوں چلیں۔ دراصل فلسطین یہود کا آبائی علاقہ ہے۔ کنعان میں حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے یہیں ان کی اولاد ہوئی اور انہی سے تمام بنی اسرائیل زمین پہ پھیلے، انہی کو یہود کہا جاتا ہے۔ اور فلسطین میں کئی صدیاں ان کی حکومت رہی، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے کچھ عرصہ بعد رومی گورنمنٹ کے ہاتھوں ختم کردی گئی اور یہود دنیا میں تتر بتر ہوگئے۔

یہود کا خیال تھا کہ جس آخری نبی کے بارہ میں تورات میں بشارات موجود ہیں، وہ یہود میں سے آئے گا تاکہ وہ انہیں ان کے آبائی علاقہ کا کھویا ہوا اقتدار واپس دلائے۔ مگر جب رسول اللہ ﷺ غیر یہود میں پیدا ہوئے تو یہود کا خواب پورا نہ ہوا اور وہ حضور سید عالم ﷺ کے دشمن ہوگئے اور آج بھی یہود نے فلسطین پہ ظلم وتشدد کے ذریعہ اسی لیے حکومت قائم کی ہے تاکہ ان کے دیرینہ خواب کی تکمیل ہو اور ان کا ارادہ یہ ہے کہ جہاں جہاں ان کے آباء واجداد کی حکومت رہی ہے، جیسے مصر، شام، اردن اور جنوبی سعودیہ وغیرہ وہاں وہ اقتدار حاصل کریں۔ یہ ان کا حق ہے، خواہ اس کے لیے انہیں کوئی بھی حربہ استعمال کرنا پڑے۔ یہود کے اس زعم باطل کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کہاں لکھا ہے کہ زمین کے کسی خاص حصہ پہ حکومت یہود ہی کا حق ہے؟ اور اگر ایسا ہو کہ کسی جگہ ملک (حکومت) انہی کا حق ہو تو یہ دوسرے لوگوں کو اپنے بخل اور لالچ کے باعث بھوکا مار دیں گے اور انہیں کھجور کی گٹھلی کا چھلکا بھی نہیں دیں گے۔ چنانچہ آج یہود نے اپنے زیر تسلط علاقہ میں مسلمانوں پہ ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہے اور آئے دن آٹھ دس مسلمانوں کو گولی مار دیتے ہیں۔

اَمۡ یَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰىہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ۚ فَقَدۡ اٰتَیۡنَاۤ اٰلَ

کیا وہ لوگوں سے (نبی ﷺ سے) اس نعمت پر حسد رکھتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمائی؟ تو ہم نے اولاد

اِبۡرٰہِیۡمَ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ اٰتَیۡنٰہُمۡ مُّلۡکًا عَظِیۡمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنۡہُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ

ابراہیم (علیہ السلام) کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور ہم نے انہیں عظیم بادشاہت بخشی۔ [99] تو اہل کتاب میں سے بعض اس پر

بِہٖ وَ مِنۡہُمۡ مَّنۡ صَدَّ عَنۡہُ ؕ وَ کَفٰی بِجَہَنَّمَ سَعِیۡرًا ﴿۵۵﴾

ایمان لائے اور بعض نے اس سے روکا، اور ان کے جلانے کو جہنم ہی کافی ہے۔ [100]

[99] حضرت مجاہد، عکرمہ اور عطیہ جیسے کبار تابعین کے نزدیک یہاں النَّاس سے مراد حضور سید عالم ﷺ کی ذات ہے۔ یعنی یہود کو حسد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنے فضل سے نبوت وکتاب کیوں عطا فرمائی ہے حالانکہ اس میں حسد کی کیا بات ہے آپ آل ابراہیم علیہ السلام ہیں یعنی آپ ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی نسل

سے ہیں جبکہ ابراہیم علیہ السلام کے چھوٹے بیٹے اسحاق علیہ السلام کی نسل میں اللہ تعالیٰ نے ہزاروں انبیاء بھیجے اور ان پر کتابیں اتاریں اور انہیں حکمت وحکومت عطا فرمائی۔ اب اگر اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے نسلِ اسماعیل علیہ السلام میں نبی آ گیا ہے تو اس سے حسد کا کیا معنی۔

اسلام میں نسلی تفاخر کا کوئی تصور نہیں

اَمۡ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ مِّنَ الۡمُلۡكِ کے تحت بتایا گیا کہ یہود اپنی نسل پہ فخر کرتے ہوئے عربی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لائے اس کے برعکس اسلام کہتا ہے کہ کسی عربی کو عجمی پر یا کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں (مسند احمد) یعنی اسلام نسل پرستی کے خلاف ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلاصہ انسانیت ہیں

اَمۡ يَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ میں النَّاسَ سے حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکیلے سب انسانوں کے برابر ہیں کیونکہ آپ خلاصہ انسانیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام ممکن انسانی اخلاقی، علمی، نسبی، جسمانی، روحانی اور ظاہری و باطنی خوبیاں آپ میں جمع کر دی ہیں۔ اسی لئے دوسری جگہ آپ کو الانسان کہا گیا: خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ ﴿۴﴾ (الرحمن، ۳) یعنی آپ سب سے کامل ترین انسان ہیں۔

[100] یعنی اولاد ابراہیم علیہ السلام میں اللہ نے جو کتابیں اور نبوتیں اتاریں ان پر بعض یہود ایمان لائے اور بعض نے ان سے روکا تو ایسے منکروں کے جلانے کے لئے جہنم کافی ہے۔ معنی یہ ہے کہ یہود اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بنی اسماعیل میں سے ہونے کے سبب آپ پر ایمان نہیں لاتے تو بنی اسحاق (جنہیں بنی اسرائیل بھی کہا جاتا ہے) میں جو انبیاء آئے اور کتابیں اتریں ان سے یہود نے کیوں انکار کیا جیسے عیسیٰ علیہ السلام بنی اسحاق ہی میں سے تھے ان پر انجیل اتری مگر یہود انہیں قتل کرنے کو دوڑے گویا یہود اپنی نسل سے زیادہ اپنے مفاد سے مخلص ہیں۔ اگر وہ اپنی نسل سے مخلص ہوتے تو کم از کم اپنی نسل والے کسی نبی سے انکار نہ کرتے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ

بے شک جو لوگ ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں ہم انہیں عنقریب آگ میں داخل کریں گے جب بھی ان کی

جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

چمڑیاں جل جائیں گی تو ہم ان پر نئی چمڑیاں چڑھا دیں گے تا کہ وہ عذاب چکھتے رہیں، بے شک اللہ غالب ہے

عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ

حکمت والا ہے۔ [101] اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال بجا لائے ہم انہیں عنقریب جنتی

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ

باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ [102] ان کے لیے وہاں پاک

مُّطَهَّرَةٌ ز وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا

بیویاں ہیں اور ہم انہیں گھنے سائے میں داخل کریں گے۔ [103] بے شک اللہ تمہیں حکم فرماتا ہے

الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا لا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ

کہ امانتیں ان کو دے دو جو ان کے حقدار ہیں۔ [104] اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو

اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝

بے شک اللہ تمہیں بہت ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے، بے شک اللہ سننے دیکھنے والا ہے۔ [105]

[101] یعنی یہود کی طرح جو بھی لوگ ہماری آیات سے انکار کریں انہیں ہم آگ میں داخل کریں گے۔ آیات سے مراد قرآنِ مجید کی آیات، یا حضور سید عالم ﷺ کے بارہ میں تورات کی آیات یا معجزات محمدیہ مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب جہنم میں منکرین آیات خداوندی کی چمڑیاں بھن بھن کر جل جائیں گی اور مزید جلنے کا امکان نہیں رہے گا تو وہ اتر جائیں گی اور نئی چمڑیاں آ جائیں گی اور یہی عمل ان پر ہمیشہ بار بار دہرایا جاتا رہے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک گھنٹہ میں کفار کی چمڑیاں سو بار اتریں گی اور نئی چڑھیں گی۔

اس کے علاوہ جہنم میں کفار کے جسم بہت بڑے کر دیئے جائیں گے تا کہ زیادہ سے زیادہ آگ ان پر لپٹے اور جلائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کافر کے کندھوں کے مابین اتنا فاصلہ کر دیا جائے گا کہ تیز رفتار گھوڑا تین دن میں طے کر سکے۔'' (اللہ کی پناہ) (بخاری کتاب الرقاق باب ۵۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جہنم میں کافر کی ایک داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی اور جلد کی موٹائی تین روز کی راہ کے برابر ہوگی۔'' (مسلم کتاب صفۃ الجنۃ حدیث ۴۴) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے معلوم ہوا جہنم کے بڑے عذابات کفار کے لئے ہیں جیسے بار بار چمڑیوں کا جل جل کر اترنا۔ لہٰذا مومن اگر خدانخواستہ جہنم میں گیا تو اسے ایسے خوفناک عذابات نہ ہوں گے۔

[102] جبکہ ایمان اور عمل صالح والوں کے لئے باغات، نہریں اور دیگر لازوال جنتی نعمتیں ہوں گی۔ معلوم ہوا دوزخ سے بچنے کے لئے ایمان اور عملِ صالح دونوں کی ضرورت ہے۔

[103] جنتی نعمتوں میں سے پاکیزہ بیویاں بھی ہیں جو پاخانہ، پیشاب، حیض اور دیگر جسمانی غلاظتوں اور اخلاقی خرابیوں سے پاک ہوں گی اور وہ اس چیز سے بھی پاک ہونگی کہ اپنے شوہروں سے لڑائی جھگڑا کریں، میاں بیوی کا جھگڑا عموماً اس لئے ہوتا ہے کہ شوہر بیوی کی فرمائشیں پوری نہیں کر سکتا اور جنت میں ہر خواہش لبوں پہ آتے ہی پوری ہو جائے گی تو جھگڑا کیسا۔ معلوم ہوا وفا شعار محبت کرنے والی بیوی جنتی نعمت ہے جسے مل جائے اس کی دنیا جنت نظیر ہے۔

آگے فرمایا: وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۔ کہ ہم ایمان و عمل صالح کرنے والے لوگوں کو گھنے سائے میں داخل کریں گے، جنت کے سائے بہت گھنے ہوں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں اگر کوئی گھڑسوار سو برس تک چلے تو اسے طے نہ کر سکے اسے ''شجرۃ الخلد'' کہتے ہیں۔'' (ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۱۴۷)

[104] روایات کے مطابق یہ آیتِ مبارکہ فتح مکہ کے موقع پر اتری۔ مختلف روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ دور جاہلیت میں کعبہ شریف کی چابی عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ کے پاس ہوتی تھیں۔ جب حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو قریش مکہ کی اکثریت نے آپ سے انکار کیا ان میں یہ عثمان بھی تھا۔ ایک بار حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے چابی مانگی تاکہ آپ کعبہ کے اندر جا کر عبادت کریں، اس نے چابی نہ دی۔ آپ نے فرمایا ایک دن آنے والا ہے جب ہم دونوں یہیں کھڑے ہوں گے میں تم سے چابی مانگوں گا اور تم دو گے، پھر میں جسے چاہوں گا چابی دے دوں گا۔ یہ بات عثمان کے دل میں بیٹھ گئی، آخر مکہ فتح ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اور عثمان سے کہا چابی لاؤ وہ چابی بھی لایا اور اس نے کلمہ بھی پڑھا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ انہیں چابی دے دی جائے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ مبارکہ اتاری: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ (یعنی اللہ نے حکم فرمایا کہ جو امانت کا حق دار ہو

اسے امانت دو)، چنانچہ حضور سید عالم ﷺ نے عثمان کو بلا کر فرمایا: اے اولادِ طلحہ لو یہ چابی ہمیشہ تمہارے ہی پاس رہے گی تم سے کوئی ظالم ہی اسے لے گا۔ (ابن کثیر، بغوی، مظہری) امام ابن کثیر فرماتے ہیں وہ چابی آج تک اولادِ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ ہی کے پاس ہے (موجودہ دور کی ہمیں تحقیق نہیں، ممکن ہے آج بھی کعبہ کے کلید بردار لوگ اولادِ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ ہی میں سے ہوں)۔

اس آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوا جو شخص جس منصب کا اہل ہو اسے وہ دیا جانا چاہئے اگر وہ منصب نا اہل کو دیا جائے تو اس سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ آج کل مسلم معاشروں میں یہ بدعنوانی عام ہے کہ رشتہ داری و مفادات کی بنیاد پر کسی کو منصب دیا جاتا ہے، اہلیت کو نہیں دیکھا جاتا۔

[105] عدل کی تعریف یہ ہے کہ ہر صاحبِ حق کو اس کا مکمل حق دیا جائے۔ اس میں کوئی کمی نہ کی جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے حاکمو یعنی اے بادشاہو، گورنرو، قاضیو، مفتیو اور عالمو! جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو، یہ وہ سب سے اچھی نصیحت ہے جو اے حاکمو! اللہ تم سے فرما رہا ہے اور سن لو کہ اللہ تمہارے ہر فیصلہ کو سن اور دیکھ رہا ہے۔

عدل کی اہمیت قرآن وحدیث سے

آج ملتِ اسلامیہ کی زبوں حالی کا سبب یہی ہے کہ ہر جگہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون چل رہا ہے۔ یہ نہیں کہ ہر شخص کو اس کا جائز حق ملے اور کوئی طاقت ور اپنے حق سے بڑھ کر دوسروں کا حق نہ مار سکے، جب تک امت مسلمہ عدل و انصاف کو قائم کرنے والی رہی دنیا پہ اسکی حکومت تھی۔ پھر حالات نے کروٹ بدلی کہ مسلمانوں کا یہ طریقہ جو قرآن وسنت کا عطا کردہ ہے اغیار نے اپنا لیا اور وہ دنیا پہ چھا گئے اور مسلمان قوم ناانصافیوں میں مبتلا ہو کر دنیا میں ذلیل وخوار ہوگئی۔ جبکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ ''اے ایمان والو! اللہ کا قانون نافذ کرنے والے اور انصاف قائم کرنے والے بن جاؤ اور کسی قوم سے دشمنی تمہیں اس بات پہ نہ ابھارے کہ تم عدل نہ قائم کرو، عدل سے کام لو کہ یہی تقوی کے قریب تر ہے۔'' (مائدہ، ۸)

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ ''اور جب تم بات کہو تو عدل سے کام لو خواہ قریبی رشتہ دار کا معاملہ ہو۔'' (انعام، ۱۵۲)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ ''اے ایمان والو! انصاف قائم کرنے اور اللہ کی رضا کے مطابق گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ تمہیں اپنے خلاف یا اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف گواہی دینا پڑے۔'' (نساء، ۱۳۵)

ابن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قاضی تین طرح کے ہیں، ان میں سے دو جہنمی ہیں اور ایک جنتی، جس نے جان بوجھ کر ناحق فیصلہ کیا یا قضاء کا علم نہ ہونے کے باوجود یہ منصب سنبھالا وہ جہنم میں جائے گا اور جس نے حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کیا وہ جنت میں جائے گا۔ (ترمذی کتاب الاحکام باب اول)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''روزِ قیامت اللہ کا سب سے محبوب اور قریب تر شخص وہ ہوگا جس نے عدل کے ساتھ حکومت قائم کی اور اللہ کے ہاں سب سے ناپسندیدہ اور سب سے دور تر وہ شخص ہوگا جس نے ظلم کی حکومت قائم کی۔'' (ترمذی کتاب الاحکام باب ۴)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں سے اختیار والے ہیں۔ [106]

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ

پھر اگر تم کسی معاملہ میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف پھیرو، اگر تم واقعتاً اللہ پر اور روز

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ۧ

آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی بہتر ہے (تمہارے لیے) اور اس کا انجام خوب ہے۔ [107]

ع ۸ ۵

[106] گزشتہ آیت میں حاکموں سے کہا گیا کہ جب فیصلہ کرو تو عدل سے کرو۔ اب کہا جا رہا ہے کہ اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرو۔ یاد رہے کہ اللہ کی اطاعت اس لئے لازم ہے کہ وہ ہمارا خالق و مالک و رازق ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اس لئے کہ آپ کی زبان پر وحی الٰہی جاری ہے آپ کا ہر حکم وحی خدا سے ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (نجم، ۳) بلکہ حضور سید عالم ﷺ کی اطاعت کے بغیر اللہ کی اطاعت ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ آپ ہی کے ذریعے اللہ کا حکم ہم تک پہنچ سکتا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ (آل عمران، ۳۱) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (نساء، ۸۰)

آگے فرمایا گیا: وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ

کہ تم میں سے جو حکم نافذ کرنے والے ہیں ان کی بھی اطاعت کرو، اس سے مراد وہ حکام اسلامی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام نافذ کرتے ہیں یعنی اسلامی حکومت کا حاکم اعلیٰ، پھر اس کے گورنرز، پھر گورنروں کے آگے ہر محکمہ کے سرکاری افسران، سب اُولِي الْاَمْرِ ہیں۔ کیونکہ وہ سب اپنی اپنی سطح پہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم نافذ کرنے والے ہیں۔ اسی طرح اسلامی عدالتیں، مفتیانِ اسلام اور علماءِ شریعت بھی اولی الامر ہیں کہ وہ بھی اللہ اور اس کے رسول

ﷺ کا حکم بتانے والے ہیں۔ اسی طرح شوہر اپنی بیوی کے لئے، باپ اپنے بچوں کے لئے، آقا اپنے غلام کے لئے اور ہر صاحب اختیار اپنے زیر دست کے لئے اُولِی الْاَمْرِ میں سے ہے۔ اور اس کا ہر وہ حکم ماننا ضروری ہے جو قرآن وسنت کے مطابق ہو کہ وہ اس کا حکم نہیں اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے۔ گویا اُولِی الْاَمْرِ کی اطاعت کوئی الگ چیز نہیں بلکہ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کا ایک عملی نمونہ ہے۔ اسی لیے اُولِی الْاَمْرِ کے ساتھ الگ اَطِیْعُوا کا لفظ نہیں لایا گیا۔

حاکم اسلامی کی اطاعت کی فرضیت اور اس کے چند احکام

تاہم اُولِی الْاَمْرِ کا سب سے بڑا مصداق اسلامی حکومت کا حاکم اعلیٰ ہے اسی لئے اسے امیر المومنین کہا جاتا ہے یعنی مومنوں میں سے امر والا۔ امیر کی اطاعت پہ کثیر احادیث وارد ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔'' (بخاری کتاب الاحکام باب اول) حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''حکم سنو اور عمل کرو خواہ تم پر ایک حبشی کو حاکم بنا دیا جائے جس کا سر خشک انگور (منقی) جیسا ہو۔'' (بخاری کتاب الاحکام باب اول)

یہاں پانچ امور کا لحاظ ضروری ہے۔

اول: اگر ایک حاکم اپنی ذات میں بدعمل ہے مگر قانون شریعت کا نفاذ کرتا ہے تو اس کی اطاعت لازم ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بدتر حاکم وہ ہے جسے تم ناپسند رکھو وہ تم پر لعنت کرے تم اس پر لعنت کرو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کیا ہم ایسے حاکموں کے خلاف تلوار نہ اٹھائیں؟ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: نہیں، جب تک وہ تمہارے اندر نماز قائم کریں۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم اپنے حاکموں سے کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھو تو اس عمل کو برا جانو مگر ان کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچو (بغاوت نہ کرو) (مسلم کتاب الامارۃ حدیث ۶۵) حدیث میں بدعمل حاکموں کے خلاف بغاوت نہ کرنے کا حکم اس لئے ہے تاکہ مسلمانوں کی اجتماعیت اور ان کی سیاسی قوت کا شیرازہ نہ بکھرے، اگر حاکم کی ہر برائی کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا جائز کر دیا جائے تو مسلمانوں کا شیرازہ یوں بکھرے گا کہ وہ کفار کے لئے لقمۂ تر بن جائیں گے۔

دوم: بدعمل ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق ضرور کہا جائے، یعنی ظالم وفاسق حاکم کے خلاف اگرچہ بغاوت نہ کی جائے مگر اس کی بدعملی اور ظلم کے خلاف آواز ضرور اٹھائی جائے اور اس کے سامنے کلمۂ حق ضرور کہا جائے، تاکہ وہ اپنی اصلاح کرے۔ اگر سب لوگ اس کی برائیوں پہ خاموش ہو جائیں گے تو سب اس کے ساتھ عذاب میں گرفتار ہو جائیں گے، مگر افسوس یہ ہے کہ تاریخ اسلام میں اکثر فاسق وفاجر اور ظالم حاکموں اور بادشاہوں کی قصیدہ خوانی کی گئی اور ان کے سامنے کلمۂ حق کہنے والا لاکھوں میں کوئی ایک تھا، اس لیے اصلاحِ احوال نہ ہو سکی۔ جبکہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے افضل جہاد یہ ہے کہ ظالم سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہا جائے۔''
(ترمذی کتاب الفتن باب ۱۳)

سوم: ظالم حاکم کے خلاف بغاوت نہ کرنے کا حکم اس فلسفہ کی بنیاد پہ ہے تاکہ مسلمانوں کی اجتماعی سیاسی قوت کے ٹکڑے نہ ہوں۔ اس لیے اگر ایسی صورت ہو کہ ظالم حاکم کو اتارنے کے اسباب واضح طور پہ میسر ہوں تو اسے اتارا جانا چاہیے اور اگر واضح اسباب میسر نہ ہوں تو اس کے خلاف بغاوت کر کے مسلمانوں کی جانیں بے مقصد ہلاک نہ کی جائیں اور ان کی اجتماعی سیاسی قوت کو منتشر نہ کیا جائے اور اس چیز کی راہنمائی اس حدیث سے ملتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبقلبه فان لم يستطع فبلسانه، وذالك اضعف الايمان، ''تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اگر اس کو ہاتھ سے (طاقت سے) روک سکتا ہے تو روکے، اگر ایسا نہ کر سکے تو زبان سے روکے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے اسے دل سے برا جانے اور یہ کمزور تر ایمان ہے۔''
(مسلم کتاب الایمان حدیث ۷۸، ابوداود کتاب الصلوٰۃ باب ۲۳۲، نسائی کتاب الایمان باب ۱۷، ابن ماجہ کتاب الفتن باب ۱۵۵)

امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کے یزید کے خلاف نکلنے کی شرعی حیثیت

اس حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں ہم کہتے ہیں کہ امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف اس لیے نکلے کہ کوفیوں کے ہزارہا خطوط کی وجہ سے آپ کو گمان غالب تھا کہ آپ کو کامیابی ملے گی اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس لیے یزید کے خلاف نہ نکلے کہ ان کے نزدیک یزید کے خلاف کامیابی نہیں مل سکتی تھی۔ کیونکہ انہیں کوفیوں کے خطوط اور ان کے عہد و پیمان پہ کچھ بھروسہ نہ تھا، گویا ہر ایک کا اپنا اپنا اجتہاد تھا اور سب کو اپنے اجتہاد کا اجر ملا، نہ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے نکلنے پہ کوئی اعتراض ہو سکتا ہے، نہ دیگر صحابہ کے نہ نکلنے پر۔

اسی لیے رئیس المورخین امام عبدالرحمان بن خلدون متوفی ۸۰۸ھ فرماتے ہیں:

جب یزید فسق و فجور میں مبتلا ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دو جماعتیں ہو گئیں بعض نے اس کی بیعت توڑ کر اس کے خلاف جنگ کا فیصلہ کیا جیسا کہ امام حسین اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھیوں نے کیا، لیکن بعض یہ سوچ کر جنگ سے باز رہے کہ اس سے ملک میں فتنہ و فساد برپا ہوگا اور ناحق لوگوں کا کثرت سے خون ہوگا، کیونکہ یزید کا مقابلہ آسان نہ تھا مسلمانوں کی اکثریت کی رائے یہی تھی، تو دونوں جماعتیں مجتہد تھیں اور دونوں میں سے کسی کو بھی برا نہیں کہا جا سکتا۔
(ملخصاً) (مقدمہ ابن خلدون جلد دوم صفحہ ۲۴ فصل ۲۹ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

شیعہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہ طعن کرتے ہیں کہ انہوں نے امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ کیوں نہ دیا اور خارجی لوگ امام عالی مقام پہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے یزید کے خلاف خروج کیوں کیا، مگر اہل سنت و جماعت کسی پہ اعتراض نہیں کرتے، بلکہ صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم دونوں کا احترام لازم جانتے ہیں۔ ہم اہل سنت و جماعت خارجیوں سے

پوچھتے ہیں کہ بتاؤ کس صحابی نے یزید کو امام عادل اور صالح و متقی قرار دے کر اس کے خلاف بغاوت کو حرام کہا تھا؟ اگر کوئی ہے تو بتاؤ، مگر وہ نہیں بتا سکتے اور ہم اہلِ تشیع سے پوچھتے ہیں کہ بتاؤ حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ جو باپ کی طرف سے حضرت امام حسین کے سگے بھائی تھے اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ جو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر اور حضرت امام حسین کے چچا زاد بھائی تھے، یہ دونوں امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کربلا میں کیوں نہیں گئے؟ جو اعتراض تم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہ کرتے ہو وہ بعض اہل بیت رضی اللہ عنہم پہ بھی آتا ہے، تو اس کا کیا جواب ہے؟ تو الحمدللہ راہ حق وہی ہے جس پہ اہل سنت گامزن ہیں۔

چہارم: یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حاکم خواہ نیک ہو یا بد، اس کا وہی حکم مانا جائے گا جو قرآن و سنت کے مطابق ہو۔ اسی لیے اس آیت میں اولی الامر سے پہلے اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ کا حکم فرمایا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہر مسلمان پہ حاکم کی اطاعت لازم ہے خواہ وہ اسے پسند کرے یا نہ، جب تک وہ گناہ کا حکم نہ دے اگر گناہ کا حکم دے تو نہ سنو نہ مانو۔'' (بخاری کتاب الاحکام باب ۴)

پنجم: اگر کوئی حاکم صریح کفر کرے تو پھر اس کی اطاعت ختم ہو گئی اور مسلمانوں پر اس کا اتارنا لازم ہے کیونکہ کسی کافر کو مومنوں پہ کوئی اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰهُ لِلۡكٰفِرِیۡنَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا۔ یعنی ''اللہ کافروں کو مومنوں پر ہرگز کوئی اختیار نہیں دے گا۔'' (نساء، ۱۴۱) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ظالم حاکم سے بھی جھگڑا نہ کرو (بغاوت نہ کرو) مگر یہ کہ جب تم کھلا کفر دیکھو جس میں تمہارے پاس (بغاوت کی) کھلی دلیل ہو۔'' (مسلم کتاب الامارۃ حدیث ۴۲)

دلیلِ ختمِ نبوت

اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ سے دو طرح حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری نبی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اول: لفظ الرسول سے معلوم ہوا کہ قرآن کے مخاطبین کے لئے صرف ایک ہی رسول ہے اگر ایک سے زائد رسول ہوتے تو اطیعوا الرسل کہا جاتا کہ رسولوں کی اطاعت کرو۔ اللہ تعالیٰ نے الرسول جو صیغۂ واحد اور معرف باللام ہے، استعمال کر کے بتا دیا کہ اب جب تک قرآن ہے صرف ایک ہی رسول ہے۔ دوم: وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی اور رسول نہیں آئیگا بلکہ آپکے بعد امراء و خلفاء ہونگے جو آپکا دین نافذ کریں گے اور انکے ذمے آپکی شریعت کا نفاذ ہوگا۔

اسی لے حدیث مبارک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل میں جب ایک نبی فوت ہو جاتا تو اسکی جگہ دوسرا نبی آ جاتا، وانه لانبی بعدی وسیکون خلفآء فیکثرون، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے بلکہ میرے بعد خلفاء ہونگے جو کثیر ہونگے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بارہ میں آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟

حضور ﷺ نے فرمایا جو خلیفہ پہلے ہو پہلے اسکی بیعت کرو پھر جو اسکے بعد ہو پھر اس کی بیعت کرو۔
(بخاری کتاب الانبیاء باب ۵۰، مسلم کتاب الامارۃ حدیث ۴۴)

اس حدیث نے اس آیت کی تفسیر بھی کردی اور یہ بھی بتادیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم ﷺ کے بعد ہر طرح کی نبوت کو ختم کر کے اسکی جگہ سلسلہء خلافت کا اجراء فرمایا اور نفاذ شریعت کا جو کام بنی اسرائیل میں انبیاء سے لیا جاتا تھا امت محمدیہ میں وہ کام خلفاء کے سپرد کیا گیا ہے۔ گویا اس امت میں کوئی غیر تشریعی نبی یعنی امتی نبی بھی نہیں آسکتا جو مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح یہ کہے کہ میں کوئی نئی شریعت نہیں لیکر آیا بلکہ شریعت محمدیہ ہی کا متبع ہوں۔ الغرض اس آیت اور اس حدیث نے قادیانیت کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے۔

حجیتِ حدیث

اللہ تعالیٰ نے اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ کہہ کر واضح کردیا کہ جس طرح اللہ کے ہر حکم کی اطاعت ضروری ہے یونہی رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم کی اطاعت بھی ضروری ہے اور قرآن کی طرح حدیث بھی مومن کیلیے حجت ہے اسی لیے اللہ کی طرح رسول کے لیے بھی لفظ اَطِیۡعُوا الگ لایا گیا مگر اولی الامر کے لیے الگ لفظ اَطِیۡعُوا نہیں لایا گیا کیونکہ اولی الامر کی اطاعت الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ انکی اطاعت اسی بات میں لازم ہے جو اللہ و رسول عزوجل و ﷺ کے حکم کے مطابق ہو۔

اہلِ تشیع کی مزعومہ امامتِ منصوصہ کا رد

اہلِ تشیع وَاُولِی الۡاَمۡرِ سے بارہ ائمہ اہل بیت کو مراد لیتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ نبوت کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد اللہ نے امامت کا سلسلہ شروع کردیا، پہلے امام حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں پھر حسنین کریمین پھر امام حسین کی اولاد میں سے یکے بعد دیگرے نو امام ہیں، جن میں سے آخری امام محمد مھدی ہے جو ۲۵۰ ھ میں پیدا ہوا اور غائب ہوگیا، وہ امام غائب ہے اور ان اماموں کا درجہ تمام انبیاء سے افضل ہے۔ (معاذ اللہ) اور ان پہ ایمان لانا بھی اللہ و رسول پہ ایمان لانے کی طرح ضروری ہے جو ایمان نہ لائے وہ کافر ہے اور انکی اطاعت بھی اللہ و رسول کی اطاعت کی طرح لازم ہے اور اس آیت میں وَاُولِی الۡاَمۡرِ سے یہی بارہ امام مراد ہیں۔

مگر یہ اہلِ تشیع کے باطل خیالات ہیں۔ اولی الامر کا بارہ اماموں سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر بارہ ائمہ کی امامت کا منکر کافر ہے تو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں انکا نام لے کر ان پہ ایمان لانے اور انکی اطاعت کرنے کا حکم کیوں نہیں دیا، اس کا جواب پرانے شیعہ علماء تو یہی دیتے تھے کہ صحابہ نے قرآن کو جمع کرتے ہوئے ان آیات کو نکال دیا ہے جن میں بارہ اماموں کے نام تھے۔

جیسے ملا عیاشی نے حضرت امام محمد باقر رحمہ اللہ کی طرف یہ جھوٹا قول منسوب کیا ہے کہ اگر قرآن میں کمی بیشی نہ کردی جاتی تو ہمارا (بارہ اماموں کا) حق کسی پہ مخفی نہ رہتا۔ (تفسیر عیاشی جلد اول صفحہ ۱۳) مگر آج اہل تشیع امت مسلمہ کی پھٹکار کے خوف سے تحریف قرآن کا نام نہیں لیتے مگر ان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے کہ اگر بارہ اماموں پہ ایمان اور انکی اطاعت مثل خدا اور رسول لازم ہے تو قرآن میں بارہ اماموں کے نام کیوں نہیں ہیں؟

یا کم از کم اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں نہیں فرمایا: اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واطیعوا الائمۃ الاثنی عشر من اهل بیته کہ اللہ ورسول کی اطاعت کے بعد رسول کے اہل بیت میں سے جو بارہ امام ہیں ان کی اطاعت کرو۔ یا اگر اتنا کہنا بھی طویل کلام تھا تو اللہ تعالیٰ سارے قرآن میں کہیں یہ کیوں نہیں فرمایا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واطیعوا الامام ؟ ہم اہل تشیع سے یہ سوال یہاں برطانیہ میں ہونے والے کثیر ٹی وی مباحثوں مجادلوں مناظروں میں پوچھ چکے ہیں مگر کسی کے پاس جواب نہیں ہے

رہا لفظ اولی الامر تو اسکا بارہ اماموں سے کیا تعلق ہے؟ اس سے وہ ارباب اقتدار واختیار مراد ہیں جو لوگوں سے اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ پہ عمل کرواتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انکی اطاعت کا بھی حکم دیا مگر مطلقاً نہیں بلکہ اس شرط کے ساتھ کہ انکا کوئی حکم حکم خدا اور رسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معارض نہ ہو اسی لیے آگے فرمادیا: فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ، پھر اس آیت سے ماقبل بھی ارباب اقتدار ہی کا ذکر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ. جب تم لوگوں میں فیصلے کرو تو عدل کے ساتھ کرو، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اولی الامر سے تمام اسلامی حکمران ہی مراد ہیں نہ کہ کوئی خاص بارہ شخصیات۔

[107] یعنی اے حاکمو! اگر کسی معاملہ میں تمہیں قرآن وحدیث سے واضح حکم نہ ملے اور تم میں تنازع ہو کہ اس کا حکم کیا ہونا چاہئے تو اسے اللہ اور اس کے رسول یعنی قرآن وحدیث کی طرف لوٹاؤ یعنی قرآن وحدیث کی روشنی میں اجتہاد سے کام لو، پھر اجتہاد سے جو حکم ملے اسے اپنالو، اس طرح تم بالواسطہ اللہ اور اس کے رسول ہی کی اطاعت کروگے، یا یہ معنی ہے کہ اے مسلمانو! اگر اولی الامر (حاکموں) کا کوئی حکم تمہیں غلط لگے تو اسے اللہ ورسول کی طرف یعنی قرآن وحدیث کی طرف لوٹاؤ۔ اگر وہ قرآن وحدیث کے منافی ہے تو اسے نہ مانو اگر منافی نہ ہو تو بلاوجہ اسے رد نہ کرو اور جھگڑا نہ بناؤ۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ

اے نبی! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہ دیکھا جو یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ اس وحی پر ایمان لائے جو آپ کی طرف اتاری گئی

قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا

اور جو آپ سے پہلے اتاری گئی، پھر وہ چاہتے ہیں کہ شیطان سے فیصلہ کروائیں حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس کی بات

بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝۶۰ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ

نہ مانیں اور شیطان تو چاہتا ہے کہ تمہیں دور کی گمراہی میں ڈال دے۔ [108] اور جب انہیں کہا جائے کہ

تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ

آؤ اس کتاب کی طرف جو اللہ نے اتاری اور آؤ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ آپ سے

عَنْكَ صُدُوْدًا ۝۶۱ؕ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ

منہ موڑتے ہیں۔ [109] پھر ان کا کیا برا حال ہوتا ہے جب ان پر مصیبت آجاتی ہے ان کے گزشتہ کرتوتوں کے سبب

ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ۝۶۲ اُولٰٓئِكَ

تو پھر آپ کے پاس اللہ کی قسمیں اُٹھاتے ہوئے آتے ہیں کہ ہم نے تو یہی چاہا تھا کہ بھلائی ہو اور دونوں گروہوں میں

الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۖ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ

موافقت ہو۔ [110] یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جانتا ہے ان کے دلوں میں کیا ہے تو آپ ان سے درگزر کریں، انہیں سمجھائیں اور

لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ۝۶۳

وہ بات کہیں جو ان کے دلوں میں اتر جانے والی ہو۔ [111]

اطاعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم اور منافقین کی نافرمانی

[108] حضرت شعبی روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی اور ایک منافق کے مابین کوئی تنازع تھا۔ یہودی نے کہا چلو

تمہارے نبی (ﷺ) سے فیصلہ کرواتے ہیں اسے علم تھا کہ آپ رشوت نہیں لیتے اور حق فیصلہ کرتے ہیں مگر منافق اس پر راضی نہ ہوا آخر دونوں ایک کاہن (جادوگر) کے پاس چلے گئے۔ تب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا۔ الخ (ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۱۰۶) دوسری روایت یہ ہے کہ یہودی نے حضور سرور کونین ﷺ سے فیصلہ کروانا چاہا اور منافق نے یہودی سردار کعب بن اشرف سے، کیونکہ وہ رشوت خور تھا۔ (ممکن ہے وہ خیانت بھی کرتا ہو لہٰذا دونوں روایات کا ایک ہی مفہوم ہے)

گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے رسول! ذرا دیکھیں یہ منافق لوگ اپنے زعم باطل میں سمجھتے ہیں کہ وہ قرآن اور اس سے پہلے نازل شدہ کتابوں پہ ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ ایک کاہن کے پاس جا کر اس سے اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرواتے ہیں جو شیطان کا پیروکار ہے۔ حالانکہ ایک مومن پہ لازم ہے کہ وہ شیطان کا قطعی انکار کرے۔ کیونکہ شیطان انسانوں کو دور کی گمراہی میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔

قرآن وسنت کو چھوڑ کر کسی دوسرے قانون کو جاری کرنے والے منافقین ہیں

اس آیتِ مبارکہ میں ارشاد باری تعالیٰ: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿٦١﴾ سے معلوم ہوا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ کی کتاب اور اسکے رسول ﷺ کی سنت کا قانون چھوڑ کر کسی دوسرے قانون سے اپنے معاملات کا فیصلہ کروائے۔ مگر افسوس! ہم آج تک ملک پاکستان میں جو اسلام کے نام پہ بنا قرآن وسنت کا قانون نافذ نہ کر سکے۔ کہنے کی حد تک کہا جاتا ہے کہ آئین پاکستان کی کوئی شق قرآن وسنت سے متصادم نہیں ہوسکتی۔ مگر عملاً قرآن وسنت کی کثیر شقوق معطل ہیں اور ان کی جگہ غیر اسلامی قوانین جاری ہیں۔

سب سے اہم بات یہ کہ حدود اسلامیہ کو معطل رکھا گیا ہے یعنی مختلف جرائم پہ قرآن وسنت نے جو سزائیں مقرر کی ہیں وہ معطل ہیں، زنا پہ شادی شدہ کو رجم اور غیر شادی شدہ کو سو کوڑے کی سزا خود قرآن نے بیان کی ہے (سورہ نور ۲)، تہمت زنی پہ اسی کوڑوں کی سزا بیان کی ہے (نور، ۴) راہزنی اور ڈاکہ ڈالنے کی سزا قتل، سولی ہاتھ پاؤں کاٹنے اور قید کرنے کی صورت میں خود قرآن نے بیان کی ہے (مائدہ، ۳۳) چوری کرنے والے مرد یا عورت کا ہاتھ کاٹنے کی سزا خود قرآن نے بیان کی ہے (مائدہ، ۳۸) شراب نوشی پہ اسی کوڑوں کی سزا کثیر احادیث صحیحہ مرفوعہ میں بیان کی گئی ہے۔

تو قرآن وسنت کی مقرر کردہ ان نصوص کو معطل رکھ کر ان کی جگہ انگریزوں کی مقرر کردہ سزائیں نافذ کرنے والے نام نہاد مسلم حکمران قرآن کی اس نص صریح کی روشنی میں منافقین ٹھہرتے ہیں یا نہیں؟ یہ فیصلہ اس جگہ ہر مسلمان کو کرنا چاہیے۔ یہود نے صرف ایک شرعی حد یعنی رجم کو چھوڑ کر اس کی جگہ زانی کا منہ کالا کرنے اور اسے بازاروں میں گھمانے کی سزا نافذ کی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان پہ پھٹکار ڈالی اور سورہ مائدہ کا چوتھا پانچواں اور چھٹا تین رکوع ان

کے رد میں نازل فرمائے جیسا کہ سورہ مائدہ میں بیان ہوگا، ان شاء اللہ اور یہاں ہم پاکستان میں تمام اسلامی حدود کو معطل کر کے ان کی جگہ انگریزی سزائیں چلا رہے ہیں، گویا ہم نے یہود کا بھی نمبر کاٹ دیا ہے۔
یہاں سے کاہنوں نجومیوں کے پاس جانے کی حرمت بھی معلوم ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص اپنی عورت کے پاس حالت حیض میں یا اس کے پچھلے راستے میں گیا یا کسی کاہن کے پاس (غیب کی خبریں لینے) گیا اس نے محمد (ﷺ) پر اترنے والے دین کا انکار کیا۔'' (ترمذی)

[109] جب منافقین سے کہا جائے کہ آؤ اللہ نے جو کتاب اتاری ہے اور جو رسول بھیجا ہے اس سے (یعنی رسول کی سنت سے) فیصلہ کرواؤ تو اے حبیب ﷺ منافقین آپ کی طرف سے منہ موڑتے ہیں۔ یَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا سے پتہ چلا کہ جو شخص سنتِ رسول اور حدیثِ مصطفیٰ ﷺ کو حجت نہ مانے وہ منافق ہے۔

[110] منافقین یہود کے پاس جاتے ان سے فیصلے کرواتے اور ان سے مسلمانوں کے خلاف چالیں سیکھتے تھے مگر انہوں نے اپنے چہروں پہ نفاق کا نقاب اوڑھ رکھا تھا۔ ایسے میں قرآن اترتا اور ان کے چہروں سے پردۂ نفاق اتار کر ان کا اصل مکروہ چہرہ مسلمانوں پہ ظاہر کر دیا جاتا اس وقت ان کی ذلت و رسوائی قابل دید ہوتی۔ تب وہ رسول پاک ﷺ کے پاس آکر قسمیں اٹھانے لگتے کہ ہم یہود کے پاس اس لئے گئے تھے تاکہ ان سے بھلائی کا رشتہ اور مختلف مذاہب کے مابین موافقت اور رواداری قائم ہو مگر یہ سب جھوٹ تھا۔ دراصل ان کے دلوں میں بغضِ رسولِ خدا ﷺ تھا جو ان کو دشمنانِ رسول ﷺ یعنی یہود کے پاس لے جاتا تھا۔

[111] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے دلوں میں جو اسلام دشمنی ہے ہم اس سے خوب واقف ہیں لہٰذا اے پیارے حبیب آپ ان سے اعراض فرمائیں ان پر قتل یا کسی سزا کا حکم نہ دیں، بلکہ آپ انہیں بہتر نصیحت فرمائیں تاکہ وہ صدقِ دل سے اسلام میں داخل ہوں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا

اور ہم نے جو بھی رسول بھیجا ہے تو وہ اس لیے تھا تا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔[112] اور اگر ایسا ہوتا کہ جب لوگ اپنی

اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا

جانوں پر ظلم کر لیتے تو اے نبی (ﷺ) آپ کے پاس آجاتے پھر اللہ سے بخشش مانگتے اور رسول (ﷺ) ان کے لیے شفاعت کرتے تو وہ اللہ کو

اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ

توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔[113] تو قسم ہے آپ کے رب کی یہ مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک آپ کو حاکم نہ مان لیں ہر اس جھگڑے میں

بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾

جو ان کے درمیان اٹھے۔ پھر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں آپ کے کسی فیصلہ سے اور اسے دل و جان سے تسلیم کریں۔[114]

[112] کوئی رسول دنیا میں اسی لئے بھیجا جاتا ہے تا کہ اس کی اطاعت کی جائے وہ جو بھی حکم دے اسے مانا جائے کیونکہ وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے بولتا ہے۔ اس کے کسی حکم سے انکار کفر ہے۔ اور اس کے حکم کی موجودگی میں کسی اور سے حکم حاصل کرنا مومن کا کام نہیں منافق ہی کا کام ہوسکتا ہے۔

ختمِ نبوت

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ سے عقیدۂ ختم نبوت کھل کر سامنے آتا ہے۔ حضور خاتم النبیین ﷺ کے بعد اگر کسی رسول و نبی کا آنا فرض کیا جائے تو سوال ہے کہ اس کے تمام احکام قرآن وسنت کے مطابق ہوں گے یا کوئی حکم ان کے خلاف بھی ہوسکتا ہے اگر خلاف بھی ہوسکتا ہے تو ایسے حکم کی اطاعت لازم ہوگی یا نہ ہوگی؟ اگر لازم ہوگی تو پھر قرآن وسنت منسوخ ہوگئے، یعنی پھر قرآن وسنت کی اطاعت لازم نہ رہی بلکہ نئے رسول کی اطاعت لازم ہوگئی اور اگر قرآن وسنت کے خلاف نئے رسول کی اطاعت لازم نہیں تو پھر وہ رسول ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ اور اگر نئے رسول کے تمام احکام قرآن وحدیث کے مطابق ہی ہوں گے تو پھر اس میں اور دیگر علماء شریعت میں کیا فرق ہے پھر وہ نبی نہیں صرف عالم شریعت ہے۔

اہلِ تشیع کی مزعومہ امامتِ منصوصہ کا رد

اس میں شیعہ فرقہ کی مزعومہ امامت منصوصہ کا رد بھی آجاتا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ انکے مزعومہ بارہ ائمہ کے ہر حکم کی

اطاعت انکے نزدیک اطاعت رسول کی طرح کیوں لازم ہے، کیا کسی امام کا ایسا حکم بھی ماننا ضروری ہے جو قرآن وسنت سے متصادم ہو؟ اگر ضروری ہے تو پھر قرآن وسنت قابل نسخ ہو گئے اور مسلمانوں کے لیے آخری حجت نہ رہے اور اگر امام کے کسی ایسے حکم کا ماننا ضروری نہیں جو قرآن وسنت سے متصادم ہو تو پھر ان بارہ اماموں اور دیگر علماء شریعت میں کیا فرق ہے؟

رسول معصوم ہوتا ہے، وہ گناہ نہیں کرسکتا

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ سے معلوم ہوا جب رسول اسی لیے بھیجا جاتا ہے تاکہ اس کی اطاعت کی جائے یعنی وہ جو کچھ کہے اسے مانا جائے اور جو کچھ کرے اس کی پیروی کی جائے تو ثابت ہوا کہ رسول کسی گناہ کے کام کا نہ حکم دے سکتا ہے نہ گناہ کرسکتا ہے، اگر انبیاء و رسل علیہم السلام سے گناہوں کا صدور ممکن ہو تو اللہ تعالیٰ یہ ہرگز نہ فرمائے کہ رسول کی اطاعت مطلقاً لازم ہے۔

اگر بخشش و رحمت خدا چاہئے تو در مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ آجاؤ

[113] یعنی منافقین نے جب کاہن یہود کے پاس جا کر اپنی جان پہ ظلم کر ہی لیا تھا تو انہیں نادم ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنا چاہئے تھا، اگر وہ آپ کے پاس آکر اللہ سے بخشش مانگتے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی شفاعت کرتے تو وہ اللہ کو تواب و رحیم پا لیتے۔ معنی یہ ہے کہ اگر کوئی منافق و کافر اپنے نفاق و کفر پہ نادم ہو کر آپ کی بارگاہ میں آجائے تو آپ کی شفاعت سے وہ بھی رحمتِ خداوندی کا حقدار ہو جاتا ہے تو پھر اپنے غلاموں پہ آپ کی رحمت کا کیا کہنا ہے۔ تو اس آیت میں مومنوں کو رغبت دلائی گئی ہے کہ جب ان سے کوئی گناہ ہو جائے تو انہیں چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوں یہاں وہ اللہ سے بخشش مانگیں اور آپ ان کے لیے شفاعت فرمادیں تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحیم پائیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ منافقوں سے فرما رہا ہے کہ اگر وہ سچے طریقہ سے آپ کے پاس آجائیں اور آپ سے سفارش کروائیں تو اللہ ان پہ رحم فرمائے گا تو مومنین تو اس انعام کے زیادہ حقدار ہیں۔

دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ با دشمنان نظر داری

نجدی علماء اس آیتِ مبارکہ کو صرف اپنے شان نزول سے خاص مانتے ہیں کہ صرف انہی منافقین کے لئے آپ کی شفاعت کو باعث رحمت قرار دیا گیا، ان کے علاوہ کسی اور کے لئے یہ آیت نہیں ہے مگر یہ نجدی نظریہ غلط ہے۔ قرآن مجید قیامت تک آنے والے مومنین کے لئے اترا ہے اس کی آیات کو اپنے شانِ نزول سے خاص کرنا جہالت و ضلالت ہے۔

روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ حاضر ہو کر آپ سے فریاد کرنے کا جواز قرآن وحدیث سے

نجدی علماء جماعت مفسرین میں سے علامہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ کو بہت معتبر کہتے ہیں کیونکہ وہ شیخ ابن تیمیہ کے

شاگرد ہیں (تاہم وہ اسکی طرح متعصب نہیں ہیں)، علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ الخ کے تحت لکھتے ہیں کہ امام ابومنصور صباغ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الشامل میں وہ مشہور حکایت درج کی ہے جو ائمہ کی جماعت نے نقل کی ہے، وہ یہ کہ امام عتبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں قبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ایک اعرابی آیا کہنے لگا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر سلام ہو میں نے یہ آیتِ قرآن سنی ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ اور میں آپ کے پاس اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے آیا ہوں پھر اس نے یہ اشعار کہے۔

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُهٗ   فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ

نَفْسِي الْفِدَآءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ   فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

یعنی اے وہ عظیم تر ذات! جس کے جسم مقدس کو اس جگہ دفن کیا گیا تو اس کی برکت سے یہاں کی مٹی اور پہاڑ سب خوشبودار ہو گئے میری جان اس قبر پر قربان جس میں آپ جلوہ فرما ہیں اس قبر سے ہمیں پناہ ملتی ہے اور جود و کرم ملتا ہے۔

امام عتبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ کہہ کر وہ اعرابی چلا گیا مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا حضور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: یاعُتبی اِلحق الاعرابیَّ فبشِّرہُ بالجنّۃ۔ اے عتبی دوڑ کر جاؤ اس اعرابی سے کہو اللہ نے اس کی بخشش فرما دی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اول صفحہ ۶۳۲ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

الحمد للہ یہ عربی اشعار آج بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنہری جالیوں (مواجہہ شریف) کے دائیں بائیں دونوں سفید ستونوں پر لکھے ہوئے ہیں اللہ نے انہیں نجدی حکومت کی دست برد سے محفوظ رکھا ہے۔ تفسیر ابن کثیر نجدیوں کے نزدیک اس قدر معتبر ہے کہ سعودی عرب کی اکثر مسجدوں میں مفت رکھی جاتی ہے تاکہ لوگ اس سے استفادہ کریں۔ نجدیوں کو کم از کم امام ابن کثیر کی بات مان کر لوگوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طلب شفاعت اور توسل کی ترغیب دینی چاہئے مگر وہ توسل کو شرک قرار دیتے ہیں ایسے تو امام ابن کثیر بھی توسل کو جائز مان کر مشرک ہو گئے۔ اگر وہ مشرک نہیں ہیں تو دوسرے مسلمانوں کو مشرک کیوں قرار دیا جاتا ہے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی متوفی ۶۷۱ھ رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک اور روایت یوں لکھی ہے:

ابوصادق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کر چکے تو تین دن بعد ایک دیہاتی شخص آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر پہ گر پڑا اور قبر کی مٹی اپنے سر پہ ڈال لی اور عرض کرنے لگا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم اس کتاب پہ ایمان لائے جو آپ اللہ کی طرف سے لے کر آئے، اس میں یہ آیت بھی ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ اور یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے بھی اپنی جان پہ ظلم کیا ہے اور آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں، آپ میرے لیے شفاعت فرمائیں، فَنُوْدِيَ مِنَ

الْقَبرِ قد غُفِرَلَكَ، توقبرِ انور سے ندا کی گئی کہ تمہاری بخشش کردی گئی ہے۔
(تفسیر الجامع الاحکام القرآن جلد ۵ صفحہ ۲۶۶ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

یہی روایت امام عبداللہ نسفی علیہ الرحمہ متوفی ۷۱۰ ھ نے اپنی تفسیر مدارك التنزيل جلد اول صفحہ ۳۶۸ میں اورامام ابوحیان اندلسی غرناطی متوفی ۷۵۸ ھ نے اپنی تفسیر البحر المحیط جلد ۲ صفحہ ۶۹۳ میں بھی نقل کی ہے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مشہور دیوبندی عالم دین مولانا سرفراز خاں صفدر اپنے دیوبندی اکابر علماء کی تصریحات پیش کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

"عتبی کی حکایت مشہور ہے اور تمام مذاہب کے مصنفین نے مناسک کی کتابوں میں اور مورخین نے اس کا ذکر کیا ہے اور سب نے اسے مستحسن قرار دیا ہے اور مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: مواہب میں بسند امام ابومنصور صباغ وابن نجار وابن عساکر وابن جوزی روایت کیا ہے کہ محمد بن حرب ہلالی کہتے ہیں: میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آ گیا اور اس نے یہی آیت پڑھی: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ۔ الخ پھر اس نے کہا میں اپنے گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں اور یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کرتا ہوں، اور محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ ھ میں ہے۔ الغرض یہ خیر قرون کا زمانہ تھا اور کسی نے اس پہ انکار نہ کیا، لہٰذا حجت ہو گیا۔ (نشر الطیب ص ۲۵۴)

اور مولانا قاسم نانوتوی یہ آیت کریمہ لکھ کر کہتے ہیں:

کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں اور ہو بھی کیسے؟، خواہ حضور ﷺ کے ہم عصر لوگ ہوں یا بعد کے امتی ہوں، سب کے لیے آپ کی رحمت یکساں ہے، لہٰذا پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور آپ سے بخشش کی دعاء کروانا جب ہی متصور ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہوں۔ (آب حیات ص ۴۰)

اور مولانا ظفر احمد عثمانی یہ سابق واقعہ لکھنے کے بعد کہتے ہیں:

پس ثابت ہوا کہ اس آیتِ کریمہ کا حکم رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔ (اعلاء السنن جلد ۱۰ ص ۳۳۰)

ان علماء کے بیان سے معلوم ہوا کہ قبر مبارک پہ حاضر ہو کر شفاعت ومغفرت کی درخواست کرنا قرآن کریم کے عموم آیت سے ثابت ہے اور خیر القرون میں یہ واقعہ ہوا اور کسی نے اس سے انکار نہ کیا، جو اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔"
(تسکین الصدور صفحہ ۳۶۵ مطبوعہ ادارہ نصرۃ الاسلام گوجرانوالہ)

توسل کا جواز

رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضری عظیم تر سعادت ہے اور اس موقع پر وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ الخ کے مطابق آپ سے حصولِ شفاعت کی فریاد کرنی چاہئے یہی حکمِ قرآن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ فرمایا ہے حالانکہ ماقبل صیغۂ خطاب جَآءُوْكَ کے مطابق واستغفرت لھم ہونا

چاہئے تھا (اس طرح معنی یہ ہونا چاہیے تھا کہ وہ آپ کے پاس آجائیں اور آپ ان کے لیے بخشش مانگیں) مگر اسکی بجائے وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ کہہ کر بتایا گیا کہ آپ کا شفاعت کرنا آپ کے منصب رسالت کی وجہ سے ہے تو کیا اب آپ کا منصب رسالت معاذ اللہ ختم ہو گیا ہے؟ نہیں، آپ آج بھی رسول ہیں اور ہمیشہ کے لئے رسول ہیں لہٰذا آپ کا بابِ شفاعت بھی ہمیشہ کے لئے کھلا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زائرین کے احوال اور ارادوں سے واقف ہیں

اس آیتِ مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زائرین و حاضرین کے حال سے اور ان کے طلب شفاعت سے آگاہ ہیں، اگر آگاہ نہ ہوں تو شفاعت کیسے کر سکتے ہیں اور اگر آگاہ نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے طلبِ شفاعت کا حکم کیوں فرمایا ہے۔ اسی لئے امام ابن الحاج فاسی مالکی متوفی ۷۳۷ھ مدفون قاہرہ فرماتے ہیں:

ان الزائر یشعر نفسه بانه واقف بین یدیه ﷺ کما هو فی حیاته اذ لا فرق بین موته وحیاته اعنی فی مشاهدته لامته ومعرفته باحوالهم وعزائمهم وخواطرهم وذالك منجلی عنده لا خفاء فیه۔

حاضر دربار رسالت ہونے والے کو جاننا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی حاضری اور اس کے حال سے واقف ہیں کیونکہ اپنی امت کے احوال، ان کی نیات اور ان کے عزائم کے جاننے میں آپ کی موت وحیات میں کوئی فرق نہیں ہے، آپ پر ہر چیز آج بھی منجلی ہے۔ (المدخل جلد اول صفحہ ۲۵۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور ابن الحاج نے جو کچھ فرمایا ہے اس کی تائید حدیثِ طیبہ سے بھی ملتی ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب بھی کوئی شخص مجھ پہ سلام پڑھتا ہے تو اللہ میری روح کو اس کی طرف متوجہ کرتا ہے تا آنکہ میں اسے اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔'' (ابوداؤد کتاب المناسک باب زیارۃ القبور)

بلکہ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تو بہت بلند شان ہے، ہر مومن کی یہ حالت ہے کہ جب اسکی قبر پہ آکر اسے سلام کہا جائے تو وہ سنتا ہے، سلام کا جواب دیتا ہے اور اپنے زائر سے مانوس ہوتا ہے اس پہ کثیر احادیث موجود ہیں۔

چنانچہ ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب بھی کوئی شخص اپنے بھائی کی قبر پہ جاتا اور وہاں بیٹھتا ہے تو قبر والا اس سے مانوس ہوتا اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔'' (شرح الصدور لجلال الدین السیوطی صفحہ ۲۷۳ باب زیارۃ القبور مطبوعہ دار ابن کثیر دمشق)

مواجہہ شریف پہ پیش کرنے کے لیے مفسر کی لکھی ہوئی ایک منظوم التجاء

جب ہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو وہاں آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس یقین کے ساتھ عرض

ومعروض کرنی چاہیے کہ آپ ہماری التجاؤں کو اپنے گوش مبارک سے سماعت فرمار ہے ہیں، اس موقع پر اگر مجھ گناہگار کی لکھی ہوئی یہ نعت جو بصورت مناجات ہے پڑھی جائے تو ایک ذوق پیدا ہوگا۔ میں نے عرض کیا ہے۔

اتنا کرم فرمائیں آقا پھر بھی در پہ بلائیں آقا
بے کل دل ہے بے چین آنکھیں جلوہ اپنا دکھائیں آقا
سختی نزع کی جب ہو طاری میرے بالیں آئیں آقا
تیرہ قبر میں جب گھبراؤں رخ کا چراغ جلائیں آقا
میری تنگ لحد میں آکر اس کو نوری بنائیں آقا
چھوڑ دیں جس دم مجھ کو اپنے کرم وہاں فرمائیں آقا
قبر کو میری باغ جنت کا اک ٹکڑا بنائیں آقا
آپ کے صدقے محشر میں ہم جنت میں جب جائیں آقا
آپ کے سامنے بیٹھ کے پیارے آپ کی نعتیں سنائیں آقا
جام کوثر ہم کو پلا کر ساری پیاس بجھائیں آقا
گرمی محشر میں طیبؔ کو زیر سایہ چھپائیں آقا

مفسر کے قلم سے حاضری بارگاہ اعظم پر ایک ایمان افروز فارسی نعت

اسی حاضری بارگاہ اعظم واکرم کے لیے میں نے ایک فارسی کلام بھی لکھا ہے اہل علم اس کو پڑھ کر اپنا ایمان تازہ کر سکتے ہیں، اس میں ان کے لیے بہت سا سامان افزونی ایمان ہے، یوں بھی اپنی خلوتوں میں بارگاہ شفیع مذنبین ﷺ کی حاضری کا تصور جما کر اسے پڑھا جائے تو اسمیں ازدیاد ایمان اور حصول بخشش کا سامان ہے۔

اے شاہ مرسلین ببابت رسیدہ ام جز باب بارگاہت درے را ندیدہ ام
رحمے خدا را برمن مسکین ومضطرب نامت رحیم داری ز قرآں شنیدہ ام
جَآءُوْكَ نص آیۂ قرآن محکم است زیں وجہ سوئے کہف پناہت دویدہ ام
بر انداز یک نگاہِ کرم بر فقیر در بسیار بارکلفت دوراں کشیدہ ام
چہ قدر بار عصیاں بر سر نہادہ ام بشتاب آقا صاحبِ پشت خمیدہ ام
امید وارم آقا ز نظر عنایتت داماں عز وعفت خود را دریدہ ام
اے دلبرم بفرما سامان مغفرت ہرجرم وہر خطا را بدامن چنیدہ ام
طیبؔ را زیر دامن رحم خودت بپوش زعصیاں تباہ حال ودل تپیدہ ام

کیا مواجہہ شریف پر دعاء کے لیے رو بقبلہ کھڑا ہونا چاہیے؟

حاضری دربار رسالت مآب ﷺ کے موقع پر کچھ لوگ آپ کی جالی مبارک کی طرف پشت کر کے دعاء کے لیے رو بقبلہ کھڑے ہو جاتے ہیں یہ عجیب حماقت ہے کہ بیٹا باپ سے ملنے آئے اور باپ کی طرف پشت کر کے کھڑا ہو جائے، جب باپ سے یہ بے ادبی نہیں کی جاسکتی تو رسول اللہ ﷺ سے کیسے کی جاسکتی ہے؟

امام مالک رحمہ اللہ سے خلیفۂ وقت نے پوچھا کہ وہ حاضری دربار رسالت مآب ﷺ کے وقت جالی شریف کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو یا قبلہ کی طرف؟ آپ نے فرمایا:

و کیف تصرفُ وجهَك عنه وهو وسيلتُك ووسيلةُ ابيك آدمَ عليه الصلوة والسلام۔ تم حضور ﷺ سے کیسے منہ پھیر سکتے ہو؟ جبکہ حضور ﷺ تمہارے لئے بھی وسیلہ ہیں اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کے لئے بھی وسیلہ ہیں۔ (المدخل جلد اول صفحہ ۲۶۰)

سرکار دو عالم ﷺ کی جالی شریف کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا چاہئے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: يَقِفُ كما يقفُ في الصلوٰة وہاں آدمی یوں کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑے ہوتا ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد اول صفحہ ۲۶۴ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)

بعض نجدی علماء وہاں ہاتھ نہیں باندھنے دیتے بلکہ زبردستی کھول دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہاتھ باندھنے میں نماز سے مشابہت ہے اور نماز صرف اللہ کے لیے ہے، لہٰذا نماز سے مشابہت نہیں بنانی چاہیے۔ ہم کہتے ہیں: نماز سے مشابہت کیسے ہوگئی، جالی شریف کے سامنے کھڑا ہونے والے آدمی کی پشت کعبہ کی طرف ہوتی ہے، تو کیا کوئی ایسی نماز ہے جس میں کعبہ کی طرف پشت ہو؟

حاضری دربار رسالت مآب ﷺ کی اہمیت وثواب

اس آیتِ مبارکہ میں گناہگاروں کو دربار رسالتمآب ﷺ کی حاضری کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے حجاج کو اپنی قبر منور کی حاضری کی تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من زار قبري وجبت له شفاعتي، ”جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔“ (سنن دارقطنی جلد ۲ صفحہ ۲۱۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے میرے وصال کے بعد میری (قبر کی) زیارت کی اس کے لیے ایسے ہی ثواب ہے جیسے اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور جو شخص

حرمین میں مرجائے اسے روزِ قیامت عذاب سے بے خوف کر کے اٹھایا جائے گا۔'' (حوالہ مذکورہ)

سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''جس نے میری قبر کی زیارت کی میں روز قیامت اس کا شفیع یا گواہ ہوں گا۔'' (بیہقی کتاب الحج باب زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جلد ۵ صفحہ ۲۴۵ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اطاعتِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اہمیت

[114] بخاری شریف کے مطابق یہ آیت اس وقت اتری جب ایک نو مسلم انصاری کو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک فیصلہ پر اطمینان نہ ہوا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ نساء) جبکہ حکیم ترمذی نے ''نوادر الاصول'' میں حضرت مکحول (تابعی) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک مسلمان اور ایک منافق کے مابین تنازع تھا، دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منافق کے خلاف فیصلہ فرمایا، وہ یہ جھگڑا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔ انہوں نے کہا جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیصلہ سے مطمئن نہ ہو میں اسے کیسے مطمئن کر سکتا ہوں۔ تب وہ منافق یہ جھگڑا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔ دونوں نے اپنا اپنا موقف بتایا، وہ کہنے لگے ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔ وہ اندر گئے اور شمشیر برہنہ لے کر نکلے اور منافق کا سر قلم کر دیا، پھر کہا: هٰكَذَا اَقْضِيْ لِمَنْ لَمْ يَرْضَ بِقَضَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ جو شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیصلے سے راضی نہ ہو میں اس کا فیصلہ یوں کرتا ہوں۔ اتنے میں جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا اللہ نے عمر کی زبان پر حق و باطل میں فرق کر دیا ہے پھر اس دن سے وہ فاروق مشہور ہو گئے۔ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۵۸۶)

ابن ابی حاتم نے روایت کیا کہ اس منافق کے گھر والے حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس قصاص کے لئے حاضر ہوئے اور کہا عمر نے ایک مومن کو قتل کر دیا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ الخ
(ابن ابی حاتم جلد ۳ صفحہ ۹۹۴ حدیث ۵۵۶۰ مطبوعہ مکتبہ نزار مکہ مکرمہ)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ہمیں اس بات کی قسم ہے کہ ہم آپ کے رب ہیں (سبحان اللہ) یہ منافقین خود کو مومن کہلانے کے حقدار نہیں ہیں۔ کیونکہ جب تک کوئی شخص آپ کو اپنے ہر تنازع میں حاکم نہ مان لے، پھر آپ کے کسی فیصلہ پر دل میں تنگی محسوس نہ کرے اور اسے یوں نہ مانے جیسے ماننے کا حق ہے تب تک وہ مومن نہیں کہلا سکتا۔ لہٰذا عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے کسی مومن کو نہیں ایک شر پسند منافق کو قتل کیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ربوبیتِ خدا کے مظہر اتم ہیں

فَلَا وَرَبِّكَ کے الفاظ قابل غور ہیں۔ اللہ ساری کائنات کا رب ہے وہ فلا و رب العالمین بھی کہہ سکتا ہے مگر وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رب ہونے کی قسم اٹھا کر بتا رہا ہے کہ آپ ساری کائنات میں اس کی ربوبیت کا سب سے بڑا مظہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے بہتر کوئی چیز کائنات میں تخلیق نہیں فرمائی گویا اسے آپ کا رب ہونے پر ناز ہے وہ اس پر فخر و

مباہات فرماتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں کسی جگہ یہ نہیں فرمایا کہ ہمیں آسمان کا رب ہونے کی قسم، ہمیں زمین کا رب ہونے کی قسم، یا ہمیں کائنات کا رب ہونے کی قسم، ہاں اللہ تعالیٰ نے یہ ضرور فرمایا ہے کہ ہمیں آپ ﷺ کا رب ہونے کی قسم، اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ رب العزت نے اس کائنات میں حضور تاجدارِ رسالت ﷺ سے بہتر کوئی مخلوق پیدا ہی نہیں فرمائی۔

قرآن وسنت کی موجودگی میں غیر اسلامی قانون کا نفاذ کفر ہے

اس منافق نے رسول خدا ﷺ کے فیصلہ کے باوجود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کروانا چاہا تو آپ نے اسے کافر قرار دے کر قتل کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید میں قرآن اتارا۔ افسوس آج مملکتِ خداداد پاکستان اور دیگر کثیر اسلامی ممالک میں قرآن وسنت کی موجودگی میں انگریزی قوانین کا نفاذ ہے، جنکی کثیر دفعات قرآن وسنت سے متصادم ہیں مثلاً انگریزی قانون کا نظام شہادت مکمل طور پر قرآن وسنت سے منافی ہے، جرم وسزا کے قوانین مکمل طور پر قرآن وسنت سے متصادم ہیں ان میں حدودِ شرعیہ کا کوئی ذکر نہیں، قانون وراثت کی بعض دفعات قرآن کے خلاف ہیں، قانون نکاح وطلاق کی کثیر دفعات غیر اسلامی ہیں، پھر جو لوگ خود کو مسلمان کہلانے کے باوجود قرآن وسنت سے متصادم قوانین نافذ کرتے ہیں انکے منافقین ہونے میں کیا شک ہے۔

شانِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

یہ آیتِ مبارکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی، جب انہوں نے ایک منافق کا سر اتارا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے عمل کی تائید میں قرآن اتارا اور قرآن کی بہت سی آیات آپ کی رائے کے موافق اتریں۔ اسی لیے حدیثِ طیبہ ہے کہ ''عمر (رضی اللہ عنہ) کی زبان اور اس کے دل پہ حق اترتا ہے۔''

(تاریخ اصفہان لابی نعیم جلد ۱ حدیث ۵۴۰ ۳ بحوالہ الموسوعہ لاطراف الحدیث جلد اول صفحہ ۶۱)

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا
اور اگر ہم ان پر فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنے شہروں سے ترک وطن کر جاؤ
فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا
تو وہ ایسا نہ کر سکتے سوا ان میں سے چند کے۔ [115] اور اگر وہ کر دیتے جو انہیں حکم دیا جائے تو یہ ان کے لیے
لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾
بہتر تھا اور ان کا ایمان خوب پختہ ہو جاتا۔ اور تب ہم انہیں اپنی طرف سے عظیم اجر عطا فرماتے
وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾
اور انہیں سیدھی راہ پر ثابت قدم کر دیتے۔ [116]

[115] ایک بار یہود نے بطور فخر کہا جب ہمیں اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم ہوا تو ہم نے بے دھڑک خود کو قتل کرنا شروع کر دیا تھا ایک صحابی ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا اگر اللہ ہمیں بھی یہی حکم دے تو ہم بھی خود کو قتل کرنے سے دریغ نہیں کریں گے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ مبارکہ اتاری: وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ ۔ الخ (ابن جریر و ابن ابی حاتم)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: امت محمدیہ کو ہمارا شکر گزار ہونا چاہئے کہ ہم نے ان پر سخت احکام نافذ نہیں کئے اگر ہم مختلف گناہوں کی سزا میں ان پر لازم کر دیتے کہ خود کو قتل کریں یا گھر بار چھوڑ کر ترک وطن کریں تو تھوڑے ہی لوگ ایسا کر پاتے یعنی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح پکے اور مخلص مومن ہوتے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ منافقوں سے یہ کہا گیا کہ یہود کے پاس فیصلہ کے لئے جانے کے جرم پر اگر وہ صرف بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر معافی مانگیں تو انہیں معاف کر دیا جائے گا۔ اگر اللہ چاہتا تو انہیں خود کو قتل کرنے یا ترک وطن کا حکم فرما دیتا مگر اس نے اپنی رحمت سے صرف زبانی معافی مانگنے پر بخشش عطا کرنے کا وعدہ فرمایا، مگر وہ بدبخت اتنا بھی نہ کر سکے۔

[116] یعنی اگر اللہ تمہیں خود کو قتل کرنے یا ترک وطن کا حکم دیتا تو ایسے میں مومنوں کے لئے اسی میں بہتری ہوتی کہ وہ ایسا کر گزریں اور جو ایسا کر گذرتے اللہ انہیں اجر عظیم عطا فرماتا۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے عمر فاروق، عبداللہ بن مسعود، عمار بن یاسر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا واللہ اگر اللہ ہمیں حکم دے تو ہم بھی یہود کی طرح خود کو قتل کرنے یا گھر بار چھوڑنے سے دریغ نہیں کریں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت میں بعض لوگ (صحابہ کی طرح) وہ ہیں جن کا ایمان بلند پہاڑوں سے بھی مضبوط تر ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس آیتِ مبارکہ کے نزول پر ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ اگر آپ مجھے ایسا کرنے کا حکم کرتے تو میں ایسا ضرور کر گزرتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقت یا ابابکر اے ابوبکر! تم نے سچ کہا۔ ایک حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر ایسا حکم اترتا تو ابن ام عبد انہی میں سے ہوتا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۳ صفحہ ۹۹۶ حدیث ۵۵۶۵ تا ۵۵۶۷) معلوم ہوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر خود کو قتل کرنے کے لئے تیار تھے، گویا انہیں اپنی جان سے بڑھ کر حکمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیارا تھا۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو یہ لوگ جنت میں ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا

النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ

یعنی انبیاء، صدیقین، شہداءاور نیکوکار لوگ [117] اور ان لوگوں کی سنگت

رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾

کیا خوب ہے۔[118] یہ فضل اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کافی ہے جاننے والا۔[119]

[117] ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک صحابی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے (روایات کے مطابق وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ تھے) عرض کرنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے آپ سے اپنے والدین اور اولاد بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ پیار ہے، آپ کو دیکھے بغیر مجھے قرار نہیں آتا۔ میں سوچتا ہوں آپ جنت میں بہت بلند مقام میں ہوں گے اور میں اگر جنت میں گیا تو آپ کو وہاں کیسے دیکھ سکوں گا اور آپ کے بغیر مجھے وہاں کیسے قرار آئے گا؟ تب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ۔ (طبرانی، ابن مردویہ)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والے لوگ روزِ قیامت جنت میں اللہ کے انعام یافتہ بندوں کے ساتھ ہوں گے جن میں سب سے پہلے انبیاء ہیں، پھر صدیقین، پھر شہداء، پھر صالحین اور ان کی سنگت کیا خوب ہے۔ اس میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے سوال کا جواب ہو گیا کہ جب وہ اللہ ورسول کی اطاعت کرنے والے ہیں تو وہ جنت میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گے، وہاں انہیں دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوگا۔

بعض مفسرین نے یہاں النبیین سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو مراد لیا ہے کیونکہ قرآن کا خطاب امت محمدیہ سے ہے اور وہ جنت میں اپنے ہی نبی کے ساتھ ہوگی اور شانِ نزول اس معنی کی تائید کرتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والے لوگ جنت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار وصحبت سے اور صدیقین وشہداء وصالحین کے

دیدار و صحبت سے فیض یاب ہونگے۔ جیسے ایک حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سچا اور امانت دار تاجر روزِ قیامت انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا اور انکی سنگت کیا خوب ہے۔'' (مسند احمد)

ختمِ نبوت

وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے لیے قرآن نازل ہوا ہے ان کے لیے صرف ایک ہی رسول بھیجا گیا ہے اسی لیے الرسول جو صیغۂ واحد اور معرف باللام ہے بولا گیا جو صرف ایک ہی ذات پہ صادق آسکتا ہے اور وہ ہیں خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ، یعنی صرف آپ ہی کی ذاتِ مبارکہ وہ ہے جن کی اطاعت سے نجاتِ اخروی وابستہ کردی گئی ہے، آپ کے بعد ایسی ہستی کا ماننا گویا آپ کے منصبِ رسالت سے انکار کرنا ہے۔

افضلیتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

یاد رہے کہ صدیقین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے انبیاء کی تصدیق کی اور ان کا ساتھ دیا، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ان کا درجہ ہر امت میں انبیاء کے بعد سب سے زیادہ ہے۔ انہی کے لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيۡقُوۡنَ، ''تو جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پہ ایمان لائے وہ صدیقین ہیں۔'' (الحدید، ۱۹) اس لیے رسول اللہ ﷺ نے نص فرمائی کہ ان کا درجہ ساری امت سے زیادہ ہے۔

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میرے صحابہ کو برا نہ کہو، اگر تم میں سے کوئی شخص راہ خدا میں احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ میرے صحابہ میں سے کسی کے ایک مد (قریباً چار سیر) یا نصف مد (دوسیر) غلہ خرچ کرنے کے برابر نہیں ہوسکتا۔''

(بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب ۴ حدیث ۳۶۷۳، مسلم کتاب فضائل الصحابہ حدیث ۲۲۱، ابوداود کتاب السنہ باب ۱۰، ترمذی کتاب المناقب باب ۵۸)

معلوم ہوا وہ صدیقین جنکا درجہ نبیین کے بعد ذکر کیا گیا ہے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور وہ باقی ساری امت سے افضل ہیں بلکہ ان کی ادنیٰ نیکی باقی امت کی تمام نیکیوں پہ بھاری ہے۔ کیونکہ وہ انبیاء کے ساتھی بنے اور ان کے پیچھے چلے اور باقی امت صحابہ کے پیچھے چلی اور حضور سیدِ عالم ﷺ کے صحابہ کی فضیلت دوسرے انبیاء کے صحابہ پہ اسی طرح ہے جیسے خود رسول اللہ ﷺ کی فضیلت تمام انبیاء پہ ہے۔

چونکہ نبوت کے بعد مقام صدیقیت ہے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امام الصدیقین ہیں، اسی لیے ان کو صدیق اکبر کہا جاتا ہے، لہٰذا انبیاء کے بعد ساری مخلوق میں وہ سب سے افضل ہیں۔ اسی لئے ان کا لقب ہی صدیق ٹھہرا، جس طرح رسولوں میں رسول اللہ ﷺ سب سے افضل ہیں اس لیے آپ کا لقب ہی رسول اللہ ٹھہرا، جبکہ دیگر انبیاء میں سے کسی کو نجی اللہ، کسی کو صفی اللہ اور کسی کو خلیل اللہ کہا گیا، یہی حال صدیق اکبر رضی اللہ عنہم کا ہے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد پہاڑ پر کھڑے تھے، حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم تھے، احد پہاڑ (خوشی سے) لرزنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اُثبُت اُحُدُ! فما عليك الا نبیٌّ و صدیقٌ و شهیدانِ، ''اے احد! ٹھہر جا تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔'' (بخاری کتاب فضائل النبی باب ۵)

اس میں نبی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود تھے، صدیق ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور دو شہید عمر و عثمان رضی اللہ عنہما تھے، گویا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام ہی صدیق ہے، دوسرے صحابہ کا صدیقین میں داخل ہونا عموماً ہے اور آپ کا داخل ہونا خصوصاً ہے، بلکہ نص رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے، تو جو منصوص ہے وہ غیر منصوص سے افضل ہے۔

امام محمود آلوسی علیہ الرحمہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ مولانا خالد نقشبندی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

کاملین کے مراتب چار ہیں، اول نبوت ہے اور اس کے قطب مدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، دوم صدیقیت ہے اس کے قطب مدار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، سوم شہادت ہے اس کے قطب مدار عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں، چہارم صالحیت ہے اور یہی ولایت ہے، اس کے قطب مدار مولا علی المرتضی رضی اللہ عنہ ہیں، تو حاضرین نے ان سے پوچھا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا کیا مقام ہے؟ انہوں نے فرمایا: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صدیقیت شہادت اور صالحیت تینوں سے حصہ پایا ہے۔

(روح المعانی جلد ۵ صفحہ ۷۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام قرطبی علیہ الرحمہ اس آیتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں:

صدیقین انبیاء کے جلیل القدر صحابہ کو کہتے ہیں اور یہاں اس لفظ کا اشارہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف ہے اور شہداء کا اشارہ عمر فاروق عثمان غنی اور علی المرتضی رضی اللہ عنہم کی طرف ہے اور صالحین کا اشارہ باقی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف ہے۔

(تفسیر قرطبی جلد ٦ صفحہ ٢٧٢ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

الغرض افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہر شک سے بالاتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

كنا نخيّر بين الناس فی زمان رسول الله ﷺ فنخيّرُ ابابكر ثم عمرَ ثم عثمانَ رضی الله عنهم ۔ یعنی ہم (صحابہ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں سب لوگوں سے افضل ابوبکر کو سمجھتے تھے، پھر عمر کو پھر عثمان (رضی اللہ عنہم) کو۔ (بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث ۳۶۵۵)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، ہم زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کہا کرتے تھے:

ان افضل هذه الامة بعد نبيها ابوبكر و عمر و عثمان، کہ ''اس امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنتے اور ہمیں منع نہ فرماتے۔'' (طبرانی اوسط حدیث ۱۳۱۳۲ مطبوعہ

داراحیاء التراث العربی بیروت) اور ایک روایت میں ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے الفاظ ہیں۔
(ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب فضائل اصحاب الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد ۸ صفحہ ۱۴۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہ احادیث بتا رہی ہیں کہ افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے، پھر اسی اجماع کی وجہ سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشیں مقرر کیا اور آپ پوری امت مسلمہ کے متفق علیہ خلیفہ اول قرار پائے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ما طلعت الشمس علی احد منکم افضل من ابی بکر، ''سورج کسی ایسے شخص پہ طلوع نہیں ہوا جو ابوبکر سے افضل ہو۔'' (طبرانی اوسط حدیث ۷۳۰۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت) یہ حدیث افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہ نص صریح ہے۔

افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہ خصوصی گفتگو سورۃ اللیل کے تحت آئے گی ان شاء اللہ العزیز اور وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝۳۲ (فاطر، ۳۲) کے تحت بھی اس پہ کچھ بات ہوگی۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق کتب شیعہ سے

شیعہ کتب میں بھی آپ کا لقب صدیق پایا جاتا ہے۔امام باقر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ غار ثور میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر کی آنکھوں پہ ہاتھ پھیرا تو انہیں حضرت جعفر طیار نظر آ گئے جو اپنے ساتھیوں کیساتھ کشتی میں بیٹھ کر مدینہ طیبہ کی طرف محوسفر تھے،تب آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَنْتَ الصِّدِّيْقُ تم صدیق ہو۔(تفسیر قمی صفحہ ۲۶۰ مطبوعہ ایران)

امام باقر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کیا تلوار کے دستے پر سونا لگانا جائز ہے؟ فرمایا جائز ہے کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لگایا تھا۔سائل نے پوچھا کیا آپ بھی انہیں صدیق کہتے ہیں؟ امام باقر رضی اللہ عنہ غصہ کے ساتھ کھڑے ہو گئے،قبلہ کی طرف رخ کرلیا اور فرمایا: نعم الصدیق نعم الصدیق نعم الصدیق، ومن لم یقل له الصدیق فلا صدّق الله له قولا فی الدنیا ولا فی الآخرۃ۔

ہاں وہ صدیق ہیں ہاں وہ صدیق ہیں ہاں وہ صدیق ہیں اور جو انہیں صدیق نہ مانے اللہ دنیا و آخرت میں اس کا کوئی قول سچا نہ کرے۔(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد ۲ صفحہ ۲۶۲ مطبوعہ مکتبہ الفجر بیروت)

ایک یہودی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ چل پڑتے تھے،تمہارے نبی کا اس کے مقابلہ میں کیا شان ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اس سے بھی اعلیٰ ہے،ایک بار ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کوہ حراء پہ تھے تو وہ لرز پڑا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے پہاڑ! ٹھہر جا، تجھ پہ نبی یا صدیق یا شہید ہی تو ہے۔(احتجاج طبرسی جلد اول صفحہ ۲۲۰ مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت)

[118] چنانچہ جن کو انبیاء کرام علیہم السلام کی صحبت مل گئی وہ صدیقین (صحابہ) بن گئے جن کو صدیقین کی صحبت مل گئی وہ تابعین بن گئے،جن کو شہیداء و صالحین کی صحبت مل گئی وہ بھی اللہ والے بن گئے کیونکہ صالحین کی صحبت انسان کو صالح بنا دیتی

ہے۔اسی لئے فرمایا گیا: كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ کہ ''سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔'' (توبہ ۱۱۹) اس سے معلوم ہوا کہ اچھی صحبت اختیار کرنی چاہئے۔اچھوں کی صحبت اچھا اور بروں کی صحبت برا کر دیتی ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

صحبت عالم ترا عالم کند صحبت ظالم ترا ظالم کند

[119] یعنی کسی کو نبی بنانا، صدیق بنانا (یعنی نبی کا صحابی بنانا) کسی کو درجہ شہادت دینا یا اسے صالحین میں شامل کرنا اللہ کا عظیم فضل ہے اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون کس درجہ کا مستحق ہے۔

قادیانی جماعت کی طرف سے قرآنِ کریم کی تحریف

اس آیت اور گزشتہ آیت کو سورہ فاتحہ کے الفاظ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کے ساتھ ملا کر قادیانی لوگ عجیب وغریب استدلال کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے سورۃ فاتحہ میں انعام یافتہ لوگوں کے راستہ پر چلنے کا حکم دیا ہے اور انعام یافتہ لوگ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں تو جس طرح صدیقین کے راستہ پر چلنے والا صدیق بن سکتا ہے اور شہداء وصالحین کے راستہ پر چلنے والا شہید وصالح بن سکتا ہے تو انبیاء کے راستہ پر چلنے والا نبی کیوں نہیں بن سکتا۔مرزا قادیانی نے اپنی کتابوں میں اس دلیل کو بڑے شدومد کے ساتھ بیان کیا ہے، دیکھیے ''تریاق القلوب''، ''ایام الصلح''، ''حقیقۃ المھدی'' ودیگر کتب۔

ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ کیا ضابطہ ہے کہ جو جس کے راستہ پہ چلے وہ اسی جیسا بن جاتا ہے، دیکھو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میرے راستہ پر چلو۔وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ یہ ''میرا سیدھا راستہ ہے اس کی پیروی کرو۔'' (انعام، ۱۵۳) تو پھر خدا کے راستہ پر چلنے والے کو خدا بن جانا چاہئے، تو یہ عجیب استدلال ہے۔اللہ کے بندو! جب نبوت کا دروازہ ہی بند ہو گیا ہے تو اب کوئی نبی کیسے بن سکتا ہے۔بلکہ ہم مرزائیوں سے کہتے ہیں کہ جب یہی بات ہے تو پھر تم نے صرف نبوت ہی پہ کیوں اکتفاء کیا ہے، ذرا اور ہمت سے کام لو اور مرزا قادیانی کو درجۂ خدائی پہ بٹھاؤ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۝

اے ایمان والو! (جہاد کے لیے) اپنی تیاری رکھو پھر خواہ ٹولیاں بن کر نکلو یا اکٹھے نکلو۔ [120]

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ

اور یقیناً تم میں کوئی وہ بھی ہے جو جان بوجھ کر (جہاد سے) سستی کرتا ہے۔ [121] پھر اگر تمہیں وہاں مصیبت آجائے تو کہتا ہے

اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۝ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ

اللہ نے مجھ پر انعام کیا کہ میں ان کے ساتھ (میدان جہاد میں) حاضر نہ ہوا۔ [122] اور اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فضل ملے

لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ

تو وہ یوں گویا ہوتا ہے جیسے تمہارے اور اس کے درمیان کبھی محبت نہ تھی کہ اے کاش! اگر میں بھی ان کے ساتھ ہوتا

فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

تو بڑی کامیابی حاصل کرتا۔ [123]

اللہ کی راہ میں اور مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لئے جہاد کا حکم

[120] گزشتہ رکوع میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر زور دیا گیا اب راہ خدا میں جہاد کا حکم ہو رہا ہے کیونکہ یہ اطاعت کی بہترین مثال ہے تو فرمایا کہ اے مومنو! جہاد کے لئے ہمہ وقت اپنی تیاری مکمل رکھو حِذْر بمعنی جنگ کی تیاری ہے، جیسے دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ۔ ''اہل ایمان کو اپنی جنگی تدبیر اور اسلحہ کو تیار رکھنا چاہیے۔'' (نسآء، ۱۰۲) یعنی کفار کے مقابلہ میں جہاد کے لئے اپنا اسلحہ اور تیاری مکمل رکھو تا کہ وہ تمہیں غافل پا کر تم پر حملہ نہ کر سکیں پھر جب لڑائی کے لئے نکلنا پڑے تو خواہ چھوٹے چھوٹے گروہوں کی صورت میں نکلو یا اکٹھے مل کر بڑے لشکر کی صورت میں نکلو جیسے مناسب سمجھو ضرور نکلو۔ ثُبَاتٍ ثبۃٌ کی جمع ہے بمعنی چھوٹی جماعت چنانچہ کبھی حضور ﷺ نے جہاد کے لئے چھوٹی جماعتیں بھیجیں جنہیں سَرِیّہ کہتے ہیں اور کبھی سارے صحابہ کو لے کر نکلے جیسے بدر احد اور حنین وغیرہ کے غزوات ہیں۔

دور حاضر میں ان دونوں صورتوں کی مثال یہ ہے کہ کبھی گوریلا کارروائیوں کی صورت میں خفیہ طریقہ پر کفار سے لڑا جاتا ہے جیسے اب تک کشمیر میں بھارتی فوج سے لڑائی جاری رہی ہے۔ اب امریکی دباؤ کے تحت پاکستان نے اس سے

ہاتھ کھینچ لیا ہے اور کبھی علانیہ طور پر ملکی سطح پر لڑا جاتا ہے جیسے ۶۵ء اور ۷۱ء کی پاک بھارت جنگیں ہیں۔

آج امت مسلمہ پہ ایٹمی اسلحہ کا تیار کرنا لازم ہے

دورِ حاضر میں خُذُوْا حِذْرَكُمْ اور اس جیسی دیگر آیات کی روشنی میں امتِ مسلمہ پہ لازم ہے کہ وہ ایٹمی اسلحہ تیار کریں۔ آج اگر پاکستان کے پاس ایٹمی اسلحہ نہ ہوتا تو بھارت کب کا اس پہ حملہ آور ہو چکا ہوتا۔ آج اگر امریکہ کو ایران پہ حملہ کی جرأت نہیں ہو رہی تو اسی لیے کہ اسے خدشہ ہے شائد ایران ایٹمی اسلحہ بنا چکا ہے، یہی خوف اسے ایران کے قریب نہیں آنے دے رہا۔ اسی طرح ۲۰۰۱ء میں عراق پہ حملہ کرنے سے قبل امریکہ نے عراق کا ایٹمی پلانٹ اسرائیل کے ذریعہ تباہ کیا، اگر عراق ایٹمی اسلحہ بنانے میں کامیاب ہو جاتا تو امریکہ کو اس پہ حملہ کی جرأت نہ ہوتی۔

اس لیے آج حکم ربانی خُذُوْا حِذْرَكُمْ کے مطابق ایٹمی اسلحہ بنانا ہر مسلمان ملک کا نہ صرف حق ہے بلکہ اس پہ لازم اور فرض ہے۔ آج طاغوتی طاقتیں مسلم ممالک کو ایک ایک کر کے تباہ کر رہی ہیں، افغانستان اور عراق کا حشر ہمارے سامنے ہے، ان کا راستہ صرف اسی طرح روکا جا سکتا ہے کہ اہلِ اسلام کے پاس بھی وہی جنگی قوت ہو جو دشمنانِ اسلام کے پاس ہے۔

[121] یہ الفاظ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارہ میں اترے، یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مومنو! کچھ لوگ صورتاً تم میں سے ہیں مگر وہ جہاد سے کنی کتراتے ہیں کیونکہ ان کا ایمان مفاد پرستی پر مبنی ہے۔ وہ اللہ اور اس کے رسول کے دین سے مخلص نہیں ہیں۔

[122] منافقین کا یہ حال ہے کہ اگر مسلمانوں کو جہاد میں مصیبت آئے جیسے احد میں آئی تھی تو وہ خوش ہو کر کہتے ہیں اللہ نے ہم پر مہربانی کی جو ہم اس لڑائی میں شامل نہ تھے ورنہ ہم بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ گویا منافقوں کا یہ اعتقاد ہی نہیں کہ راہِ خدا میں جہاد کے دوران آنے والی ہر تکلیف پر بے پناہ اجر و ثواب ہے۔ اس لئے وہ ایسی خودغرضانہ گفتگو کرتے ہیں۔

[123] اور اگر مومنوں کو جہاد میں اللہ کا فضل یعنی فتح و نصرت اور مالِ غنیمت ہاتھ آئے تو منافق لوگ کف افسوس ملتے ہوئے کہتے ہیں کاش ہم بھی شامل جہاد ہوتے تو مال کا کچھ حصہ ہمیں بھی مل جاتا گویا ان کے اور تمہارے درمیان محبت کا کوئی رشتہ نہیں انہیں صرف اپنے مطلب سے غرض ہے۔

پتہ چلا مسلمانوں کی کامیابی سے پریشان اور ان کی تکلیف پر خوش ہونے والا منافق ہے مومن نہیں۔ مومن کی خوشی و غمی ملت کے اجتماعی مفاد سے وابستہ ہوتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن اللہ کے لئے لڑتا ہے مال غنیمت کے لئے نہیں، یہ منافقوں کا حال تھا کہ جہاد میں مال ملے تو خوش تھے نہ ملے تو پریشان۔ مومن مال کے لئے نہیں بلکہ حسن مآل کے لئے لڑتا ہے۔ ؎

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ

تو چاہیے کہ اللہ کے راستے میں وہ لوگ جنگ کریں جو دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچ دیتے ہیں۔ [124]

وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا

اور جو اللہ کی راہ میں جنگ کرے پھر قتل ہو جائے یا غالب آئے تو عنقریب ہم اسے اجر عظیم

عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ

عطا فرمائیں گے۔ [125] اور تمہیں کیا عذر ہے کہ نہ لڑو اللہ کی راہ میں [126] اور ان مظلوم مردوں عورتوں

الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ

اور بچوں کے لیے جو دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے

الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا

ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حمایتی پیدا فرما اور ہمارے لیے اپنی طرف سے

مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ؕ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ

کوئی مددگار پیدا فرما۔ [127] جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور

كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ

کفر کرنے والے شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں تو تم شیطان کے دوستوں سے لڑو، بے شک

كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ ع

شیطان کا داؤ کمزور ہے۔ [128]

ع ۱۰

[124] يَشْرُوْنَ شریٰ یشری سے ہے جس کا معنی بیچنا ہے (وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ۔ یوسف، ۲۰) یعنی مومنین وہ ہیں جنہوں نے آخرت کی بہتری کے لئے دنیوی زندگی کا آرام وسکون فروخت کر دیا وہ آخرت کی بہتری کے لئے جان دینے اور مال لٹانے سے دریغ نہیں کرتے ایسے لوگوں کو میدان جہاد میں اترنا چاہئے۔ منافقوں کو نہیں جو ہر وقت دنیوی

مفاد سوچتے ہیں۔

[125] یعنی راہِ خدا میں لڑنے والا کسی صورت نقصان میں نہیں رہتا خواہ اسے قتل کر دیا جائے یا وہ کفار کو قتل کرے دونوں صورتوں میں اللہ اسے اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے اس تجارت میں نفع ہی نفع ہے تو اے مومنو! شوق سے یہ تجارت کرو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑩ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ''کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے؟ تم اللہ اور اس کے رسول پہ ایمان لاؤ اور اپنی جانوں اور اپنے اموال کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔'' (صف،۱۱)

[126] جہاد کا پہلا مقصد اللہ کی راہ میں لڑنا ہے تاکہ اللہ کا دین سربلند ہو، کفر کا زور ٹوٹے، خدا کی زمین پر خدا کا دین غالب آئے اور ظلم کا خاتمہ ہو اور سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ انسان اللہ کا دیا ہوا رزق کھا کر اس کی دی ہوئی طاقت کے ساتھ اس کی پیدا کردہ زمین پر اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرے اور جو اللہ کو ایک مانتے ہیں ان سے لڑائی کرے۔ کیونکہ شیطان نے انسانوں کو کافر و مشرک بنا کر اللہ کی بجائے پتھروں ستاروں اور جانوروں کے آگے جھکا دیا۔ گویا انسان کو جانوروں سے بدتر بنا دیا لہٰذا جہاد کا پہلا مقصد یہ ہے کہ دنیا سے اس ظلم کا خاتمہ ہو اور توحید و رسالت کا پرچم سب دنیا پر لہرائے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا: وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ ''اور کفار سے لڑو حتیٰ کہ فتنۂ کفر ختم ہو جائے اور دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے۔'' (بقرہ، ۱۹۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مجھے حکم دیا گیا ہے لوگوں سے جہاد جاری رکھوں تا آنکہ وہ گواہی دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔'' (مسلم کتاب الایمان حدیث ۳۲)

[127] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ سے آخر تک یہ آیت مکہ کے ان مظلوم مسلمانوں کے حق میں اتری جو ہجرت نہ کر سکے اور کفار کے نرغے میں تھے اور کئی مسلمان غلاموں کو ان کے کافر مالکوں نے ہجرت نہ کرنے دی اور کچھ کمزور مسلمان اس لئے ہجرت نہ کر سکے کہ کہیں راستے میں قتل نہ کر دیئے جائیں وہ جان بچا کر وہیں بیٹھے ہوئے تھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں اور میری والدہ انہی مسلمانوں میں سے تھے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ نساء باب ۱۴)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مسلمانو! تم ان مظلوم مردوں عورتوں اور بچوں کی مدد کے لئے جہاد کیوں نہیں کرو گے جو اللہ سے فریاد کرتے ہیں کہ اے مولا ہمیں اس بستی سے نکال جہاں کے باشندے ہم پر ظلم کرتے ہیں اور ہمیں اپنی طرف سے مددگار عطا فرما۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کا مددگار بنایا اور انہوں نے رمضان المبارک ۸ھ میں حملہ کر کے مکہ مکرمہ فتح کیا اور وہاں اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔

یہ جہاد کا دوسرا مقصد بتایا جا رہا ہے کہ جب دنیا کے کسی خطہ میں مسلمان مردوں عورتوں اور بچوں پہ ظلم ہو رہا ہو تو دوسرے مسلمانوں پہ ان کی مدد کے لئے جہاد فرض ہے۔ جیسے آج کشمیر، فلسطین، عراق اور افغانستان میں کفار مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں تو پوری دنیا کے مسلمانوں پہ ان کی مدد کے لئے جہاد لازم ہے۔ مگر افسوس ۵۲ اسلامی ممالک کے حکمران طاغوتی طاقتوں کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں جبکہ قرآن انہیں اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کے لئے پکار رہا ہے۔

اللہ کی راہ میں قتال کا اجر وثواب قرآن وحدیث سے

ان آیات میں راہِ خدا میں قتال کا حکم دیا گیا اور قتال اور جہاد میں فرق یہ ہے کہ جہاد کا معنی دین کے لیے مطلقاً جد وجہد کرنا ہے خواہ وہ اسلحہ کے ساتھ ہو یا قلم کے ساتھ یا زبان کے ساتھ، جبکہ قتال کا معنی اسلحہ کے ساتھ دشمنانِ اسلام سے جنگ کرنا، یہاں قتال کا حکم ہوا ہے۔ اس لیے ہم یہاں اس کے چند فضائل بیان کرتے ہیں:

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ ''تو جو لوگ ہجرت کریں اور انہیں ان کے علاقوں سے نکالا جائے اور وہ اللہ کی راہ میں جنگ کریں اور شہید کیے جائیں تو ہم ان کے گناہ مٹا دیں گے اور انہیں ان جنتی باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ اللہ کی طرف سے ثواب ہے اور اللہ کے ہاں بہتر ثواب ہے۔'' (آل عمران، ۱۹۵)

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾

''تم میں جنہوں نے فتح (مکہ) سے قبل راہ خدا میں مال لٹایا اور جنگ کی، وہ بعد والوں کے برابر نہیں ہو سکتے، ان کا درجہ ان سے بلند تر ہے جنہوں نے (فتح مکہ کے بعد) مال خرچ کیا اور جنگ کی اور اللہ نے سب سے بھلائی (جنت) کا وعدہ کیا اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔'' (الحدید، ۱۰)

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾

''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا تو اللہ کے ہاں ان کا عظیم درجہ ہے اور یہی لوگ کامیاب ہیں، ان کا رب ان کو اپنی طرف سے رحمت اور اپنی رضا اور جنت کے باغات کی بشارت دیتا ہے جہاں ان کے لیے دائمی نعمت ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، بے شک اللہ کے ہاں اجر عظیم ہے۔'' (توبہ، ۲۰ تا ۲۲)

یہ آیاتِ بینات جہاں راہِ خدا میں دشمنانِ اسلام سے جنگ کرنے کا اجر وثواب بیان کر رہی ہیں وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبۂ جہاد اور مالی وجانی قربانیوں کا نقشہ بھی کھینچ رہی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال اور اللہ ہی جانتا ہے کہ اس کی راہ میں کون جہاد کرنے والا ہے، مسلسل روزہ رکھنے اور عبادت میں لگے رہنے والے کی طرح ہے اور اللہ اسے شہادت کی صورت میں جنت عطا فرمائے گا، یا ثواب اور مالِ غنیمت کے ساتھ گھر کو لوٹائے گا۔''

(بخاری کتاب الجہاد حدیث ۲۷۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جنت میں سو درجات ہیں جو اللہ نے اس کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے بنائے ہیں، ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین وآسمان میں۔''

(بخاری کتاب الجہاد حدیث ۲۷۹۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لغدوۃ اور روحۃ فی سبیل اللہ خیر من الدنیا ومافیہا۔ ''اللہ کی راہ میں صبح یا شام کے وقت نکلنا دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔''

(بخاری کتاب الجہاد حدیث ۲۷۹۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے اللہ پہ ایمان رکھنے اور اس کے وعدوں کی تصدیق کرنے کی وجہ سے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے گھوڑا تیار کیا تو وہ جس قدر کھاتا پیتا ہے اور جس قدر بول وبراز کرتا ہے تو یہ سب اس شخص کی نیکی کے پلہ میں رکھ دیا جائے گا۔'' (بخاری کتاب الجہاد حدیث ۲۸۵۳)

[128] یعنی اللہ چاہتا ہے کہ اس کی زمین پہ اس کا دین غالب ہو اور انسانوں کی پیشانیاں انکے خالق و مالک و رزاق کے آگے جھکیں جبکہ شیطان اللہ کی زمین سے اس کا دین مٹانا اور اللہ کے بندوں کو پتھروں اور جانوروں کے آگے جھکانا چاہتا ہے یعنی اولادِ آدم کی تذلیل کر کے اپنے اس جذبۂ انتقام کی آگ بجھانا چاہتا ہے جو اس کے سینے میں روزِ اول سے بھڑک رہی ہے جب حضرت آدم کی وجہ سے اسے جنت سے نکالا گیا تھا تو وہ انسان کو جس قدر ذلیل ورسوا کرے اسی قدر اسے خوشی ہوتی ہے، شیطان نے انسان کو سمجھایا کہ وہ جانوروں کو خدا بنائے۔ چنانچہ آج کروڑوں انسان اس کے کہنے پر گائے کو خدا بنا رہے ہیں، اس کے آگے جھک رہے ہیں اور اس کے گوبر اور پیشاب کو متبرک سمجھ کر کھا پی رہے ہیں۔ اب مومنین اس لیے جہاد کرتے ہیں تا کہ اللہ کا دین زمین پہ غالب آئے اور زمین پہ اس رب کا حکم چلے جس نے یہ زمین بنائی ہے اور انسانوں کی پیشانیاں ان کے رب کے آگے جھکیں اور کفار کی لڑائی مسلمانوں کے ساتھ اس لیے ہے تا کہ لوگوں کی عبادت کی بجائے پتھروں اور جانوروں وغیرہ کی عبادت ہو اور شیطان خوش ہو۔

تو مومنین اللہ کی فوج ہیں جو اس کا دین زمین پر غالب کرنا چاہتے ہیں اور کفار شیطان کی فوج ہیں جو شیطان کے مقاصد پورے کرنا چاہتے ہیں اور شیطان کا داؤ کمزور ہے کیونکہ مومنوں کا مددگار اللہ ہے جو سب قوتوں کا مالک ہے۔

معلوم ہوا اسلامی جہاد دہشت گردی نہیں بلکہ دہشت گردی ختم کرنے کا نام ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

کیا آپ نے وہ لوگ نہ دیکھے جن سے کہا گیا کہ اپنے ہاتھ (جہاد سے) روکے رکھو اور نماز قائم رکھو

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ

اور زکوٰۃ دیتے رہو، پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو تب ان میں سے ایک گروہ لوگوں سے یوں ڈرنے لگا

النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا

جیسے اللہ سے ڈرتے ہیں یا اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگا ہے۔[129] اور وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! تو نے ہم پر لڑنا

الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ

کیوں فرض کیا تو نے ہمیں ایک قریب مدت تک مہلت کیوں نہ دے دی آپ فرمائیں سامانِ دنیا بہت تھوڑا ہے،

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾

اور اس شخص کے لیے آخرت بہتر ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو اور تم پر معمولی سا بھی ظلم نہیں کیا جائے۔[130]

جہاد کی ترغیب اور اس سے کنی کترانے والے منافقین کا رد

[129] حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ ہجرت سے قبل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرکوں سے جہاد کرنے کی اجازت چاہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے ابھی جہاد کا حکم نہیں دیا گیا۔ پھر ہجرت کے بعد جب جہاد فرض ہوا تو کچھ لوگ اسے ناپسند کرنے لگے تب یہ آیات نازل ہوئیں: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ۔ الخ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۵۹۶) یعنی مکی دور میں مسلمانوں سے کہا گیا کہ ابھی تم جہاد سے ہاتھ روکے رکھو ابھی صرف نماز پڑھو اور زکوٰۃ دیا کرو یعنی دیگر فرائض بجالاتے رہو یہاں زکوٰۃ سے مطلقاً راہ خدا میں کچھ دینا مراد ہے کیونکہ مکی دور میں راہِ خدا میں کچھ نہ کچھ دینا فرض تھا یہی زکوٰۃ تھی، باقاعدہ زکوٰۃ اپنے احکام کے ساتھ ۲ ھ میں فرض ہوئی۔

[130] پھر جب ۲ ھ میں جہاد فرض ہوا تو کچھ نئے مسلمان سخت گھبرانے لگے اور کہنے لگے اے اللہ تو نے کچھ دیر مزید جہاد فرض نہ کیا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے حبیب! آپ ان سے فرمادیں دنیا کی زندگی مختصر اور اس کی بہار تھوڑی سی ہے اور آخرت لازوال ہے اور اسکی نعمتیں ابدی ہیں، دنیا کی ساری نعمتیں مل کر جنت کی سب سے ادنیٰ نعمت کا

مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ لہٰذا اللہ سے ڈرنے والے لوگ دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے ہیں، یعنی وہ جہاد میں جان و مال کی قربانی دے کر آخرت کی بہاریں حاصل کرنے کو اصل کامیابی سمجھتے ہیں اور اللہ ان پر فتیل (کھجور کی گٹھلی پر چڑھے چھلکے) کے برابر بھی ظلم نہیں فرمائے گا یعنی ان کی کوئی مالی یا جانی قربانی رائیگاں نہیں جائے گی۔

یاد رہے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جہاد فرض ہونے پر ابتداء میں کچھ گھبرانا طبعی امر تھا، جس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو جب پہلی بار فرعون کی طرف بھیجا گیا تو انہیں خوف لاحق ہوا قرآنِ مجید میں ہے: قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنۡ یَّفۡرُطَ عَلَیۡنَآ اَوۡ اَنۡ یَّطۡغٰی ﴿۴۵﴾ ''موسیٰ و ہارون نے کہا ہمیں ڈر ہے کہ فرعون ہم پر زیادتی کرے گا یا سرکشی سے کام لے گا۔'' (طٰہٰ، ۴۵) جب یہ طبعی خوف عصمت انبیاء کے خلاف نہیں تو عدالت صحابہ کے خلاف کیسے ہوسکتا ہے۔ پھر اس ابتدائی خوف کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یوں بے خوف ہو کر جہاد میں اترے کہ ان کی تلواروں نے قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں الٹ کر رکھ دیں۔ یہ سب انہی آیات کے نزول کی برکت تھی۔ اگر اللہ تعالیٰ ان آیات کے ذریعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خوف دور نہ کرتا تو سلسلۂ جہاد کیسے شروع ہوتا۔

مکی دور میں جہاد اس لئے فرض نہ کیا گیا کہ یہ دنیا عالم اسباب ہے، مکہ میں جہاد کے لئے اسباب میسر نہ تھے، اہل ایمان کی تعداد بہت قلیل تھی اور مسلمانوں کو کوئی آزاد خطۂ زمین حاصل نہ تھا اور وہ محکوم تھے، مدینہ طیبہ میں جب انہیں آزاد اسلامی ریاست حاصل ہوئی اور تعداد بڑھی تو جہاد لازم ہوا۔

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ

تم جہاں بھی ہو گے تمہیں موت آ پہنچے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔[131] اور اگر

تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا

انہیں بھلائی پہنچے تو کہتے ہیں: یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں برائی پہنچے تو کہتے ہیں:

هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ

یہ آپ کی طرف سے ہے۔[132] آپ فرما دیں، سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے، تو ان لوگوں کو کیا ہے

لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝۷۸ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ

کہ قریب نہیں کہ کوئی بات سمجھیں۔[133] تجھے جو بھی بھلائی ملے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو

اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ

تجھے برائی پہنچے وہ خود تیرے اپنے عمل کے سبب ہے۔[134] اور اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے آپ کو سب لوگوں کے لیے رسول بنایا ہے

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۷۹

اور اللہ ہی بطور گواہ کافی ہے۔[135]

[131] شہداء احد کے ساتھ بعض منافقین کی خاندانی رشتہ داری تھی، جب وہ احد میں شہید ہوئے تو ان منافقین نے کہا اگر ہمارے یہ رشتہ دار ہماری مان کر جنگ پہ نہ جاتے تو نہ مارے جاتے تب یہ آیتِ مبارکہ اتری: اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ. (مظہری جلد ۲ صفحہ ۱۷۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا فرشتہ موت کا راستہ مضبوط قلعے بھی نہیں روک سکتے۔ لہٰذا منافقوں کا یہ کہنا کس قدر غلط ہے کہ اگر شہداء احد جنگ میں نہ جاتے تو موت سے بچ جاتے۔ موت تو اپنے وقت پر آ ہی جائے گی خواہ کوئی مضبوط قلعوں میں چھپ کر بیٹھا ہو، تو کیا اس سے یہ بہتر نہیں کہ انسان اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر کے حیاتِ ابدی حاصل کر لے۔

معلوم ہوا مومن لوگوں کے خوف سے اللہ کے فرائض ترک نہیں کرتا۔ جہاد اللہ کی طرف سے فرض ہے اسے جان کے خوف سے ترک کرنے کا مشورہ کوئی منافق ہی دے سکتا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے انگریزوں کے خوف سے ان کے خلاف جہاد کا حکم منسوخ قرار دیا۔ پھر اس پر لوگوں کا خوف اس قدر سوار تھا کہ حج کرنے بھی نہ نکلا گویا اسکا نبی ہونا تو

درکنار ہے اس کی حالت منافقوں سے مشابہ تھی۔

[132] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہود اور منافقین نے کہا پہلے تو ہمارے پھلوں میں بہت برکت تھی مگر جب سے یہ شخص (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اس کے ساتھی ہمارے ہاں آئے ہیں ہمارے پھل گھٹ گئے ہیں اور کھیتی کم اگنے لگی ہے۔تب یہ آیتِ مبارکہ اتری: وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّقُوۡلُوۡا۔ الخ (مظہری جلد ۳ صفحہ ۱۷۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر یہود اور منافقین کو اچھائی ملے یعنی پھلوں اور کھیتی میں برکت ہو تو اسے اللہ کی رحمت سمجھتے ہیں اور اگر برائی ملے، پھل اور کھیتی گھٹ جائے تو اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت وہ کہتے ہیں کہ یہ آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔

[133] حالانکہ سب رحمت وزحمت اللہ کی طرف سے ہے مگر یہ احمق لوگ بات سمجھنے کے قریب نہیں ہیں، اگر وہ عقل سے کام لیں تو دیکھیں جب سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ آئے ہیں یہاں رحمتوں کی برسات ہونے لگی ہے، انصار مدینہ کے باغات پہلے سے زیادہ پھل دینے لگے ہیں یہاں کی بیماریاں نکل گئی ہیں اور یہ جگہ یثرب (بیماری کی آماجگاہ) سے بدل کر مدینہ بن گئی ہے، آخر صرف یہود اور منافقین کے ہی پھل کیوں گھٹ گئے ہیں وہ غور کریں کہیں یہ ان کے عناد اور کفر کی وجہ سے تو نہیں۔

اپنی برائی کی ذمہ داری بے قصور لوگوں پہ ڈالنا کافرانہ طرزِ عمل ہے

منافقین اور یہود مدینہ نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے پھلوں میں کمی کا سبب قرار دیا اور قرآن کے مطابق ہر امت کے کفار نے اپنے انبیاء کو اپنی پریشانی اور رزق میں کمی کا سبب قرار دیا۔قرآن میں قوم فرعون کے بارہ میں ہے۔وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوۡا بِمُوۡسٰى وَمَنۡ مَّعَهٗ ؕ ''اگر انہیں برائی پہنچتی تو اسے وہ موسیٰ (علیہ السلام) اور انکے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔'' (اعراف، ۱۳۱) قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا: اطَّيَّرۡنَا بِكَ وَبِمَنۡ مَّعَكَ ؕ ''اے صالح ہم تمہاری وجہ سے اور تمھارے ساتھیوں کی وجہ سے نحوست میں پڑ گئے ہیں۔'' (نمل، ۴۷) یہ جہالت آج بھی ہے۔اگر ایک لڑکی کسی خاندان میں بہو بن کر آئی پھر اتفاق سے خاندان پر کئی مصائب آ گئے تو کئی جہلاء اس بے گناہ لڑکی کو مصائب کی وجہ قرار دینے لگتے ہیں اس سے بچنا لازم ہے بلکہ اپنے اعمال پر غور کرنا چاہئے۔اسی لیے اسلام میں بدشگونی حرام قرار دی گئی ہے۔

[134] یعنی اے انسان! تجھے جو بھی بھلائی ملے وہ اللہ کی طرف سے آتی ہے اور جو پریشانی یا زحمت آئے وہ تمہاری اپنی کسی غلطی کے باعث ہوتی ہے، مطلب یہ ہے کہ جب کسی مومن سے گناہ سرزد ہوتے ہیں تو اللہ اسے آخرت کی سزا سے بچانے کے لیے دنیا کی پریشانیوں اور مصائب میں مبتلا کرتا ہے اور یوں اس سے اس کے گناہ جھاڑ دیتا ہے۔

انسان پہ مصائب کیوں آتے ہیں اس کا فلسفہ

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَآ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ؕ﴿۳۰﴾ ''اور تمہیں جو مصیبت آئے تو وہ تمہارے ہاتھوں کے کیے ہوئے کا نتیجہ ہوتی ہے اور بہت سے گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتا ہے۔'' (شوریٰ،۳۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیتِ مبارکہ اتری: مَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا يُّجۡزَ بِهٖ، کہ جو شخص بھی کوئی برا کام کرے اسے اس کی سزا ضرور دی جائے گی، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہ بہت غم طاری ہوگیا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لوگو! اللہ کا قرب ڈھونڈو اور سیدھے راستہ پہ گامزن رہو، مومن کو جو بھی مصیبت آتی ہے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، حتیٰ کہ اس کے پاؤں میں چبھنے والا کانٹا یا پاؤں کو لگنے والی ٹھوکر بھی اس کے کسی گناہ کا کفارہ بن جاتی ہے۔'' (ترمذی کتاب التفسیر، سورہ نساء باب ۲۵)

اس جگہ اگر سوال کیا جائے کہ اللہ کے بعض نیک بندوں پہ بھی مصائب آجاتے ہیں، جیسے امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ پر کربلا میں مصائب کے پہاڑ ٹوٹے، تو اس کی کیا وجہ ہے؟ اسی طرح مجاہدین اسلام کو راہِ جہاد میں تکالیف آتی ہیں تو کیا وہ بھی ان کے گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض صالح اور بے گناہ لوگوں کو راہ حق میں جو مصائب آتے ہیں وہ ان کی بلندی درجات کے لئے ہوتے ہیں جیسے انبیاء و اولیاء اور وہ اس آیت سے مستثنیٰ ہیں، انہیں قرآنِ حکیم نے مستثنیٰ کیا ہے، کیونکہ قرآنِ مجید میں ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ لَا يُصِيۡبُهُمۡ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخۡمَصَةٌ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوۡنَ مَوۡطِئًا يَّغِيۡظُ الۡكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوۡنَ مِنۡ عَدُوٍّ نَّيۡلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمۡ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۙ﴿۱۲۰﴾ ''اللہ کی راہ میں انہیں جو بھی بھوک پیاس آتی ہے اور وہ کفار کو غصہ دلانے والی جو بھی گھاٹی طے کرتے ہیں اور وہ دشمن سے جو بھی تکلیف اٹھاتے ہیں تو اس کے عوض ان کے لیے ایک نیکی ضرور لکھی جاتی ہے، بیشک اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔'' (توبہ،۱۲۰)

یاد رہے مَآ اَصَابَكَ مِنۡ حَسَنَةٍ کا خطاب بظاہر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے مگر مراد آپ کی امت ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ نہیں کہا جارہا ہے کہ آپ کو جو بھلائی ملے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی ملے اور وہ خود آپ کی طرف سے ہے، بلکہ یہ آپ کی امت سے فرمایا جارہا ہے اور قرآنِ کریم کا بہت بڑا حصہ ہے جس میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرکے آپ کی امت سے خطاب کیا گیا ہے جیسے اللہ فرماتا ہے:

اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوۡلًا

كَرِيْمًا﴿۲۳﴾ یعنی ”اگر تمہارے والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو جائیں تو انہیں اف تک نہ کہو اور انہیں مت جھڑکو اور ان سے نرمی کی بات کرو۔“ (بنی اسرائیل، ۲۳) اب اس سے امت ہی مراد ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے والدین تو آپ کے بچپن ہی میں وصال فرما گئے تھے۔

بندے کی تقدیر میں اس کے عمل کا بھی دخل ہے

وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ سے پتہ چلا انسان کی بداعمالیاں اس کے لئے مصائب لاتی ہیں۔ گزشتہ امتوں کا ان کی سرکشی کے سبب ہلاک ہونا بھی اس کی مثال ہے۔ اور جس طرح بداعمالیوں سے بندے پر مصائب آتے ہیں اسی طرح اچھے اعمال سے اللہ کی رحمت بھی اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ۔ ”اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہارے لیے نعمت میں اضافہ کر دوں گا۔“ (ابراہیم، ۷)

مصائب میں مومن کو اللہ سے شکوہ نہیں کرنا چاہیے

وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ میں یہ درس ہے کہ مومن کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں مبتلائے مصائب کرتا ہے تاکہ وہ آخرت کے عذاب سے بچ جائے۔ یوں مصائب بھی اس کے لئے اللہ کی رحمت ہیں، اس لیے مومن کو مصائب میں اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنے کی بجائے اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا چاہیے۔

[135] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ ہم نے آپ کو سب انسانوں کے لئے رسول بنایا ہے اور اس پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔ اگر کوئی انسان بھی اس کی گواہی نہ دے تو آپ کی رسالت میں کوئی فرق نہیں آتا جب اللہ کی گواہی موجود ہے گویا ہر کوئی آپ کا محتاج ہے آپ کسی کے محتاج نہیں آپ صرف اپنے رب کے محتاج ہیں۔ یاد رہے: وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ اسی طرح ہے جیسے: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴿۱﴾ یعنی جیسے اللہ سب انسانوں کا رب ہے آپ سب انسانوں کے رسول ہیں حتیٰ کہ امام سیوطی و امام قسطلانی کے نزدیک انبیاء بھی آپ کی امت میں ہیں، اس کی وضاحت لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ (آل عمران، ۸۱) کے تحت ہم نے کر دی ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ
جو شخص رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے اس نے (حقیقت میں) اللہ کی اطاعت کی اور جو اس سے منہ پھیرے تو اے نبی! ہم نے
عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾
آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا۔ [136]

[136] محی السنہ امام ابو محمد حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے

"جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی۔" اس پر بعض منافقین نے کہا یہ شخص (حضور ﷺ) تو بس یہ چاہتا ہے کہ ہم اسے یوں رب مان لیں جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کو رب مان لیا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی تصدیق میں یہ آیتِ مبارکہ اتاری: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (تفسیر معالم التنزیل للبغوی جلد اول صفحہ ۵۶۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

گویا ارشاد خدا ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال و احکام کو اپنا لیا اس نے اللہ کی بندگی کا حق ادا کیا کیونکہ آپ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے نہ کرتے ہیں، بلکہ حضور سرورِ کونین ﷺ کی یہ شان ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴ (نجم، 3) لہٰذا جو آپ کی اطاعت سے منہ پھیرے اس نے اللہ سے منہ پھیرا اور اے پیارے محبوب! ہم نے آپ کو لوگوں پہ نگران بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ زور بازو سے انہیں جبراً اللہ کے آگے جھکائیں آپ کا کام صرف پیغام کا پہنچانا ہے۔

حجّیتِ حدیث

جب حضور ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے تو آپ کی ہر ارشاد فرمودہ حدیث جو صحیح سند کے ساتھ ہم تک پہنچے اس پر اسی طرح عمل واجب ہے جیسے قرآن کی کہی ہوئی بات پر عمل واجب ہے۔ اگر حدیثِ رسول ﷺ کا کچھ اعتبار نہ ہوتا تو اللہ کی اطاعت ہی ذکر کی جاتی اطاعتِ رسول ﷺ کا ذکر ہی نہیں ہونا چاہیے تھا، اسی لیے فرمایا گیا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ اے نبی (ﷺ) آپ فرمادیں اے لوگو! اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو، تب اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا۔ (آلِ عمران، ۳۱)

ختمِ نبوت

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ میں الرَّسُوْلَ اسم معرفہ ہے جو صرف ایک رسول پر صادق آسکتا ہے اور وہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ معلوم ہوا قرآن کے مخاطبین کے لئے آپ ہی رسول ہیں۔ اگر آپ کے سوا بھی اس امت کے لیے کوئی رسول ہوتا تو اللہ تعالیٰ ومن یطع الرسول کی بجائے ومن یطع الرسل فرماتا، لہٰذا یہ آیتِ مبارکہ اس بات پہ نص ہے کہ اس امت کے لیے حضور ﷺ کی ذات گرامی ہی پہ لفظ رسول بولا جاسکتا ہے، یعنی وہ رسول جس کا انکار کفر ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت میں آپ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ رسول مطاع مطلق ہوتا ہے، جیسے فرمایا گیا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ "ہم اسی لیے کوئی رسول بھیجتے ہیں تاکہ اس کی اطاعت کی جائے۔" (نساء، ۶۴) اور رسول اس لیے مطاعِ مطلق ہوتا ہے کہ رسول معصوم ہے، وہ کوئی بات

نفس وشیطان کے اغوائ سے نہیں کہہ سکتا، وہ جو کہتا ہے۔حکم ربی ہی سے کہتا ہے، اس لیے اس کی اطاعت حقیقت میں اللہ ہی کی اطاعت ہے اور یہ منصب اس آیت کے مطابق اس امت میں صرف رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا ہے، لہذا آپ ہی اس امت کے رسول ہیں، آپ ہی اس امت میں معصوم ہیں اور آپ ہی مطاع مطلق ہیں۔اب آپ کے سوا جو شخص بھی دعوائے رسالت کرے تو گویا وہ کہہ رہا ہے کہ اب رسول اللہ ﷺ مطاع مطلق نہیں ہیں، اب وہ مطاع مطلق ہے، وہ آپ کے منصب پہ ڈاکہ ڈال رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ ہر گناہ سے معصوم ہیں

کیونکہ حضور سید عالم ﷺ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے، یعنی فرمایا گیا ہے کہ آپ جو بھی حکم فرمائیں اسے بجالاؤ اور جو بھی عمل کریں اسے اپناؤ۔ اگر آپ بالفرض کوئی گناہ کر سکتے ہوں تو اللہ تعالیٰ یوں مطلقاً آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت نہ قرار دیتا۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی انسان منصوص من اللہ یا معصوم نہیں ہے

مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف رسول اللہ ﷺ ہی وہ ہستی ہیں جن کی اطاعت مطلقاً فرض ہے آپ کے بعد ایسا کوئی انسان نہیں ہے جس کی اطاعت ہر حال میں اللہ کی اطاعت ہو۔ کیونکہ آپ ہی اللہ کے مقرر اور منصوص کردہ اس کے نمائندہ ہیں لہٰذا شیعہ فرقہ کا آپ کے بعد بارہ اماموں کو انبیاء کی طرح منصوص من اللہ اور معصوم کہنا اور ان کی اطاعت کو انبیاء کی طرح مطلقاً فرض قرار دینا قرآن کے خلاف ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد بارہ ائمہ نہیں بارہ انبیاء بنا رکھے ہیں۔(معاذ اللہ)

اگر امام کی حیثیت بھی انبیاء والی ہوتا تو ضرور اللہ تعالیٰ یوں فرماتا: من یطع الرسول والامام فقد اطاع الله، جس نے رسول اور امام کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، مگر اللہ تعالیٰ نے سارے قرآن میں ایسا کہیں نہیں فرمایا۔

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ
اور منافقین کہتے ہیں ہمارا کام اطاعت ہے پھر جب وہ آپ کی بارگاہ سے باہر نکلتے ہیں، تو اُن میں سے
الَّذِيْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ
ایک گروہ رات کو منصوبہ بناتا ہے اس سے ہٹ کر جو اس نے (دن میں) کہا اور اللہ لکھ رہا ہے جو وہ منصوبہ بناتے ہیں۔[137] تو آپ ان سے
عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝۸۱ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ
چشم پوشی کریں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں اور اللہ کافی ہے کارساز۔[138] کیا وہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے، اگر یہ
مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝۸۲
غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بہت سا اختلاف دیکھتے۔[139]

[137] بَيَّتَ کا معنی رات کی تاریکی میں چھپ کر خفیہ منصوبہ بندی کرنا ہے یعنی اے پیارے محبوب ﷺ منافقین آپ کے سامنے کہتے ہیں کہ ہمارا کام ہی آپ کی اطاعت ہے مگر آپ کے پاس سے اٹھ کر وہ اس کے برعکس خفیہ منصوبہ بندی کرتے ہیں اور اللہ کے فرشتے ان کی ہر حرکت لکھ رہے ہیں۔ معلوم ہوا دورخی پالیسی رکھنا منافقوں کا کام ہے۔ مومن کی یہ شان نہیں، مومن کی ایک ہی زبان اور ایک ہی پہچان ہوتی ہے۔

[138] لہٰذا اے پیارے رسول! آپ ان سے اعراض فرمائیں یعنی ان پر کوئی سزا جاری نہ کریں آپ اللہ پہ بھروسہ رکھیں کیونکہ جس کا بھروسہ اللہ پر ہو اسے دشمنوں کی سازشیں کچھ نقصان نہیں دے سکتیں اس لئے کہ اللہ ہی کارساز حقیقی ہے۔

[139] یعنی منافقین قرآن کو سرسری نظر سے پڑھتے ہیں اس میں غور نہیں کرتے کیونکہ ان کا اس پہ ایمان نہیں لہٰذا اس میں دلچسپی نہیں لیتے۔ اگر وہ اسے غور وفکر کے ساتھ پڑھیں تو ان پر اس کا منزل من اللہ ہونا واضح ہو جائے اور ان پر یہ حقیقت منکشف ہو کہ اگر قرآن اللہ کی طرف سے اترا ہوا نہ ہوتا بلکہ اسے محمد عربی ﷺ نے معاذ اللہ اپنی طرف سے بنایا ہوتا تو اس میں بہت سے اختلافات ہوتے، کیونکہ انسان کو علم نہیں ہوتا کہ کل کیا ہونے والا ہے اگر آج وہ ایک جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے تو ممکن ہے کچھ عرصہ بعد نئے حالات پیدا ہو جائیں اور اسے نیا جھوٹ گھڑنا پڑے جو پہلے دعویٰ سے ٹکرا جائے مگر قرآن پاک جو تیس پاروں ایک سو چودہ سورتوں اور چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات پر مشتمل ہے، میں ایک آیت بھی دوسری آیت سے متصادم نہیں۔ کیا یہ اس امر کی روشن دلیل نہیں کہ یہ کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں بلکہ اللہ کا نازل کردہ کلام ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے

گویا حضور سید عالم ﷺ کی نبوت و رسالت کے اثبات کے لئے اگر کوئی اور معجزہ نہ بھی ظاہر کیا جاتا تو صرف قرآن ہی آپ کی صداقت وعظمت پر کافی و وافی دلیل ہے۔ دراصل پہلے انبیاء کی شرائع اور دعوت محدود عرصہ کے لئے تھی اس لئے انہیں ایسے ہی معجزات دیئے گئے جن کا مشاہدہ اسی دور کے لوگ کر سکے۔ مگر سید المرسلین ﷺ کی نبوت تا قیامت ہے اس لئے آپ کو قرآن کی صورت میں لازوال اور زندۂ جاوید معجزہ دیا گیا جس کا نور ہمیشہ چمکتا رہے گا اور نبوت محمدی کے پرچم بلند کرتا رہے گا۔

مرزا قادیانی کے تضادات اس کے جھوٹا ہونے پر دلیل ہے

قرآن منزل من اللہ ہے لہٰذا اس میں تضاد نہیں ہو سکتا۔ معلوم ہوا جس کے کلام میں تضاد ہو وہ شخص سچا نہیں ہے۔ اسی طرح مرزا قادیانی نے کہا جھوٹے آدمی کے کلام میں تناقض ضرور ہوتا ہے۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۱۲)

یونہی اس نے کہا: تناقض بے عقلی، بے دینی اور خبط الحواسی کی دلیل ہے (انجام آتھم صفحہ ۸۳)

اور یہی اصول مرزا قادیانی کے جھوٹا ہونے کی واضح دلیل ہے۔

پہلے وہ کہتا تھا ''ہم بھی مدعیٔ نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں'' (تبلیغ رسالت جلد ۶ صفحہ ۳۰۶) مگر بعد میں اس نے دھڑلے سے دعویٰ نبوت کیا اور کہا کہ اللہ نے میرا نام محمد اور رسول اللہ رکھا ہے۔ (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۱۲ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۷)

پہلے وہ کہتا تھا جبریل کا پیرایۂ وحی میں آنا مسدود ہو چکا ہے۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۴۳۲ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۳) مگر بعد میں اس نے کہا میرے پاس جبریل آیا اور مجھے کہا کہ تمہارے دشمنوں سے خدا تمہاری حفاظت کرے گا۔

(مواہب الرحمان صفحہ ۴۳)

پہلے اس نے کہا صحیح مسلم میں ہے جب حضرت مسیح آسمان سے اتریں گے تو دو زرد چادریں ان کے زیب تن ہوں گی۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۸۱) مگر بعد میں اس نے کہا حدیث میں عیسیٰ علیہ السلام کے لئے آسمان سے اترنے کا کوئی لفظ کہیں موجود نہیں۔

(حمامۃ البشریٰ صفحہ ۱۹۱ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۷)

مرزا قادیانی پہلے کہتا تھا کہ عربی کے سوا دوسری زبانیں کثیف اور تاریکی کے گڑھے میں گری ہوئی ہیں اور اس قابل نہیں ہیں کہ خدا تعالیٰ کا کامل و محیط کلام اس میں نازل ہو (یعنی غیر عربی میں وحی نہیں اتر سکتی)

(آریہ دھرم مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۸)

مگر اس کے بعد مرزا قادیانی نے فارسی، اردو، انگریزی اور عبرانی میں اپنی وحی کے دعوے کیے، جیسا کہ حقیقۃ الوحی تذکرہ مجموعہ الہامات وغیرہ میں اس کی صراحت ہے۔ ان تضادات کی موجودگی میں مرزا قادیانی کے کذاب و وضاع ہونے میں کوئی شک نہیں۔

وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ
اور جب ان کے پاس کوئی خبر امن یا خوف سے متعلق آتی ہے تو اسے فوراً پھیلا دیتے ہیں اور اگر وہ اُسے
اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ
رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مسلمانوں میں سے صاحب اختیار لوگوں کے پاس لے جاتے تو اس کی حقیقت وہ لوگ ضرور جان لیتے جو
مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا
ان میں سے اجتہاد کر سکتے ہیں۔[140] اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم شیطان کے پیروکار ہو جاتے سوا چند
قَلِيْلًا ۝ فَقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ
ایک کے۔[141] تو اے نبی! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔ آپ سے صرف اپنی ذات کے متعلق پوچھا جائے گا۔[142]
الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ
اور آپ مؤمنوں کو جہاد کی ترغیب دیں قریب ہے کہ اللہ کافروں کی سختی روک دے اور اللہ سخت
بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ۝
پکڑ والا اور سخت عذاب والا ہے۔[143]

[140] امام بغوی فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف جنگی مہمات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جہادی لشکر بھیجتے تھے (جنہیں سرایا کہا جاتا تھا) منافقین اپنے طور پر ان کے بارہ میں خبر حاصل کرنے کی کوشش کرتے تا کہ پتہ چلے کیا بنا؟ کامیابی ہوئی یا ناکامی اور انہیں جو سچی جھوٹی خبر ملتی کہ اسلامی لشکر امن میں ہے یا خوف میں ہے تو اسے مدینہ میں فوراً اڑا دیتے اور اس امر کا انتظار نہ کرتے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود لشکر کے بارہ میں اعلان فرمائیں، اس طرح وہ مسلمانوں کے دل کمزور کرتے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی: وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ۔ الخ۔ (معالم التنزیل)

جب یہ افواہ اڑی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج کو طلاق دیدی ہے

مسلم شریف میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیتِ مبارکہ اس موقع پر نازل ہوئی جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواجِ پاک سے چند دن کے لئے علیحدگی فرمائی۔ اس دوران یہ مشہور ہو گیا کہ آپ نے ازواج پاک کو

طلاق دے دی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور اس بارہ میں سوال کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے طلاق نہیں دی، میں مسجد میں آیا اور بلند آواز سے کہا لوگو سن لو آپ نے اپنی ازواج کو طلاق نہیں دی، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (مسلم کتاب الطلاق حدیث ۳۰) ممکن ہے ایسے مختلف واقعات کے بعد یہ آیتِ مبارکہ اتری ہو، لہٰذا دونوں روایات درست ہیں۔

معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا منافقین ہر اچھی بری خبر بلا تحقیق اڑا دیتے ہیں اگر وہ اس سے قبل اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا مسلمانوں میں سے اہل علم کے پاس لے جائیں تو چونکہ وہ اجتہادی ملکہ رکھتے ہیں اس لئے وہ معاملہ کی حقیقت جانچ سکتے اور تحقیق کر سکتے ہیں کہ خبر سچی ہے یا جھوٹی، تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ اور جھوٹی خبر کے پھیلانے سے کئی نقصانات ہو سکتے ہیں مثلاً اگر وہ اسلامی لشکر کی شکست کی جھوٹی خبر بلا تحقیق پھیلاتے ہیں تو اس سے مسلمانوں میں بددلی پھیلے گی اور اگر فتح کی جھوٹی خبر پھیلاتے ہیں تو مسلمان ضرورت سے زیادہ بے خوف ہوں گے اور اگر اس جھوٹی خبر کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق ہے تو اس سے آپ کو اذیت ہوگی۔

ہر سنی سنائی بات کا اڑا دینا گناہ ہے

اس آیتِ مبارکہ کا مفاد یہ ہے کہ ٹھوس معلومات کے بغیر ہر سنی سنائی بات کا پھیلانا گناہ ہے، چنانچہ حفص بن عاصم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کفی بالمرأ کذبا ان یحدث بکل ما سمع۔ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ جو سنے اسے آگے بتانے لگے۔ (مسلم شریف مقدمہ حدیث ۵)

مطلب یہ ہے انسان جو کچھ سنے اسے چاہیے کہ پہلے اس کی تحقیق کرے، ایسا نہ ہو کہ بلا تحقیق سنی سنائی بات آگے پہنچانے کی وجہ سے اسے بعد میں شرمندگی اٹھانا پڑے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۞ ''اے ایمان والو! جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ تم جہالت سے کسی قوم کو نقصان دیدو اور بعد میں تمہیں اپنے کیے پہ نادم ہونا پڑے۔'' (حجرات، ۶)

اور جھوٹی خبریں ایسا فتنہ پھیلاتی ہیں کہ بھائی بھائی کا گلا کاٹ دیتا ہے، اللہ بچائے۔

قیاس کی حجیت

لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ سے معلوم ہوا یہ اہل علم کا کام ہے کہ قرآن وحدیث کی نصوص سن کر ان کی حقیقت تک پہنچیں اور ان سے مسائل کا استنباط کریں، یہی قیاس ہے۔ اور قیاس ہی کے ذریعہ ہر دور میں پیدا ہونے والے نئے مسائل کا شرعی حل قرآن وسنت کی روشنی میں ثابت کیا جاتا ہے۔

وجوب تقلید

جب ہر سنی سنائی بات کا اڑانا گناہ ہے تو ہر حدیث و روایت کا بلا تحقیق قبول کر لینا بھی کئی مسائل کھڑے کرتا ہے کیونکہ جھوٹی حدیثیں بھی بہت گھڑی گئی ہیں، عوام الناس پہ لازم ہے کہ وہ کسی فقہی مسلک کے پیچھے چلیں تا کہ اس مسلک کا امام پہلے یہ جانچ کرے کہ وہ حدیث یا روایت ناسخ ہے یا منسوخ، صحیح ہے یا ضعیف و موضوع۔ عوام الناس یہ تحقیقات نہیں کر سکتے انہیں کسی مسلک کی تقلید ہی میں عافیت ہے۔

جب دور تابعین میں کئی فقہی مسالک نکل آئے حتیٰ کہ بعض نے محرمات کو حلال بنا دیا تو دوسری صدی ہجری میں ائمہ دین نے چار فقہی مسالک حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کے سوا باقی مسالک پہ عمل ممنوع قرار دیا۔ اب جس علاقہ میں ان چار میں سے کسی فقہ کی شہرت زیادہ ہو وہاں کے عوام المسلمین کو اس کی تقلید کرنی چاہئے، چونکہ پاک و ہند میں حنفی مسلک کی شہرت ہے تو یہاں کے لوگوں پر حنفی فقہ کی پیروی لازم ہے۔

[141] یعنی اے مومنو! اگر اللہ اپنے فضل خاص اور رحمت خاصہ سے تم میں رسول ﷺ کو نہ بھیجتا تو تم شیطان ہی کے پیروکار ہوتے، سوا ان چند ایک کے جو اپنی خداداد صلاحیت سے توحید کا راز پا لیتے جیسے کہ قلیس بن ساعدہ، زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یہ لوگ دور جاہلیت میں بھی شرک و کفر سے دور رہے تھے۔ ایسے چند لوگوں کے سوا باقی ساری نسل انسانی کفر و شرک کرنے والی ہوتی۔

حضور سید عالم ﷺ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہیں

کہ آپ کے آنے سے انسان اپنے خالق کے آگے جھکنے لگا۔ آپ کا فضل ہونا قرآنِ حکیم میں یوں بیان ہوا: اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ ''اے نبی (ﷺ) ہم نے آپ کو گواہ، بشارت سنانے والا، ڈرانے والا، اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور چمکانے والا آفتاب ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور آپ مومنوں کو بشارت دے دیں کہ ان کے لئے (اس میں) اللہ کا بڑا فضل ہے۔'' (احزاب ۴۵)

اور حضور ﷺ کا رحمت ہونا قرآن میں یوں بیان ہوا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء، ۱۰۷) تو چونکہ آپ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہیں تو اہل اسلام آپ کے ماہ ولادت ربیع الاول میں اللہ کے اس فضل و رحمت کا شکر بجا لانے کے لئے محافل میلاد النبی ﷺ کا انعقاد کرتے ہیں۔

[142] غزوۂ احد کے اختتام پر ابو سفیان نے کہا تھا کہ ہم اگلے برس اسی ماہ میں مقام بدر پر ملیں گے حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ چنانچہ اگلے برس سن ۴ ہجری میں جب ماہ ذی قعدہ آیا تو نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو جنگ کے

لئے چلنے کی دعوت دی جو بعض لوگوں پر بھاری گزری۔ تب یہ آیتِ مبارکہ اتری: فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ۚ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نبی ﷺ آپ اللہ کی راہ میں ضرور جہاد کریں ہم صرف آپ کو تکلیف دے رہے ہیں کہ ضرور جہاد کے لئے نکلیں، یعنی اگر بالفرض کوئی بھی شخص آپ کے ساتھ نہ نکلے تو بھی آپ تنہا نکلیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ سب لوگوں سے بڑھ کر بہادر اور جنگی امور کے ماہر ہیں۔ اسی لئے اللہ نے آپ کو تنہا جہاد پر نکلنے کا حکم دیا۔

[143] چنانچہ اگلے برس وعدہ کے مطابق نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مقام بدر پر پہنچ گئے تمام صحابہ کبار آپ کے ساتھ تھے۔ کفار نہ آئے اور قرآن کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی کہ قریب ہے اللہ کافروں کی سختی تم سے دور کر دے کیونکہ وہ سب سے زیادہ پکڑ والا اور عذاب والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ انہیں بدر کا رخ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً

جو آدمی اچھائی میں کسی کی مدد کرے گا اسے اس (کے ثواب) میں سے حصہ ملے گا اور جو

سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۝٨٥ وَاِذَا

برائی میں کسی کی مدد کرے گا اسے اس برائی میں سے بوجھ (گناہ) ملے گا اور اللہ ہر چیز کا روزی رساں ہے۔ [144] اور جب

حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ

تمہیں کسی لفظ سے سلام کہا جائے تو تم اس سے بہتر لفظوں کے ساتھ اس کا جواب دو یا وہی لفظ لوٹا دو۔ بے شک اللہ ہر چیز کا

شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝٨٦ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

حساب لینے والا ہے۔ [145] اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تم سب کو روزِ قیامت میں جمع فرمائے گا،

لَا رَيْبَ فِيْهِ ۗ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝٨٧ ع

جس میں کوئی شک نہیں اور اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہے۔ [146]

النصف ع ۱۱ ۸

ایک دوسرے کو مدد دینے اور سلام کہنے کی فضیلت

[144] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کو جہاد پر ابھارتے اور ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے اور منافقین اپنے ساتھیوں

کو جہاد سے روکتے تھے تو جہاد کے ذکر میں یہ نصیحت فرمائی جارہی ہے کہ جس نے کسی کے لئے اچھی سفارش کی یعنی نیک کام میں اس کی مدد کی اسے بھی اس نیکی میں سے حصہ ملے گا۔ مثلاً ایک شخص مسجد جانا چاہتا ہے دوسرا اسے اپنی گاڑی میں مسجد لے جاتا ہے۔ کسی کا کوئی ضروری کام رکا ہوا ہے تو اس کا مومن بھائی اس کی سفارش کرتا ہے اور اس کا کام ہو جاتا ہے۔ یونہی کسی کے لئے سحری وافطاری کا انتظام، مجاہدین کے لئے اسلحہ کا انتظام، مسجد و مدرسہ یا ہسپتال کی تعمیر میں مدد، دینی کتب کی اشاعت میں تعاون یا امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور دیگر ایسے صدہا کام اسی شفاعۃً حسنۃً میں شامل ہیں۔

اور جس نے کسی کام میں بری سفارش کی یعنی برے کام میں مدد کی اسے اس برائی میں سے بوجھ اٹھانا پڑے گا۔ مثلاً برے کام میں کسی کی حوصلہ افزائی کر کے اسے دلیر کرنا کسی ڈاکو چور بدعنوان شخص کو الیکشن میں ووٹ دینا، نااہل شخص کو کسی منصب پر لگانا یا لگوانا جس سے اس محکمہ یا ادارہ کو نقصان ہو اور لوگوں کی پریشانیاں بڑھیں یہ سب شفاعۃً سیئۃً کی صورتیں ہیں۔

[145] تَحِيَّةٌ کا معنی کسی کی حیات کے لئے دعا کرنا ہے اہل عرب باہمی ملاقات کے وقت کہتے تھے حَيَّاكَ الله، الله تجھے زندگی دے اس سے لفظ تحیّت نکلا جو بعد میں مطلقاً سلام کہنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تمہیں سلام کہا جائے تو تم اس سے بہتر لفظوں کے ساتھ سلام کا جواب دو مثلاً السلام علیکم کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہو اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہو۔ اگر ایسا نہ کر سکو تو کم از کم جس قدر الفاظ کہے گئے وہی لوٹا دو اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے اس میں یہ تنبیہ ہے کہ اللہ سلام کا جواب نہ دینے والے کا سخت حساب لے گا۔

سلام کہنے کے چند شرعی آداب

سلام کہنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا فرض کفایہ ہے۔ اگر کسی مجلس کو سلام کہا جائے تو اہل مجلس میں سے کسی ایک کا جواب دے دینا سب کی طرف سے کفایت کرتا ہے اگر کوئی بھی جواب نہ دے تو سب مجرم ہوئے۔

اگر راستے میں ملاقات ہو جائے تو سوار پیدل کو سلام کہے، پیدل چلنے والا راستہ میں بیٹھے ہوئے کو سلام کہے، تھوڑے لوگ زیادہ کو سلام کہیں اور چھوٹا بڑے کو، اگر دونوں پیدل یا سوار ہوں اور دونوں قریبا ہم عمر ہوں تو جو سلام میں پہل کرے گا وہ زیادہ ثواب پائیگا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سلام میں پہل کرنے میں مسابقت کی دوڑ لگی رہتی تھی کہ کون پہلے سلام کہتا ہے، مگر افسوس آج ہم میں سے بعض لوگوں میں اس قدر غرور وتکبر ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ انہیں پہلے سلام کہا جائے، وہ سلام میں پہل کرنے کو اپنے لیے کسر شان سمجھتے ہیں۔

جو آدمی گفتگو سے قبل سلام نہ کہے اس کی بات کا جواب نہیں دینا چاہئے۔ جوان عورت کو سلام نہیں کہنا چاہئے اگر وہ

سلام کہہ دے تو جواب دینا لازم نہیں، مگر دینے میں حرج نہیں۔

کافر کو سلام کہنا ممنوع ہے اگر وہ سلام کہہ دے جیسے یہاں برطانیہ میں کئی انگریزوں نے السلام علیکم سیکھ لیا ہے تو ان کے جواب میں صرف وعلیکم کہنا چاہئے۔

جو شخص قضاء حاجت، یا غسل کر رہا ہو (اگر برہنہ ہو) یا نماز میں مصروف ہو اسے سلام کہنا ممنوع ہے اور ایسی حالت میں سلام کا جواب بھی نہیں دینا چاہئے۔ اگر کوئی شخص نماز میں سلام یا اس کا جواب کہے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

ہر کسی کو سلام کہنا چاہیے خواہ باہمی تعارف ہو یا نہ

سلام کہنے میں لوگ عموماً یہ غلطی کرتے ہیں کہ صرف جان پہچان والے کو سلام کہتے ہیں حالانکہ سب کو سلام کہنا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اسلام میں سب سے اچھا عمل کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا: تُطعِمُ الطعامَ وتقرأُ السّلامَ علی من عرَفتَ وعلی من لم تعرِفْ. وہ یہ ہے کہ "تم کھانا کھلاؤ اور ہر کسی کو سلام کہو خواہ تم اسے پہچانتے ہو یا نہیں پہچانتے۔" (بخاری کتاب الاستیذان حدیث ۶۲۳۶)

کئی جہلاء گھر والوں کو سلام نہیں کہتے یعنی اپنے بچوں یا بیوی کا سامنا ہو تو سلام نہیں کہتے، حالانکہ سلام کہنا سلامتی کی دعا دینا ہے اور ہمارے اہل خانہ ہماری دعاء کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، اگر گھر والوں کو فون کیا جائے تو سب سے پہلے فون پہ سلام کہنا چاہیے بعد میں باقی بات کی جائے۔

سلام کہنے کے تلفظ میں غلطیوں کی تصحیح

سلام کا تلفظ بھی صحیح ہونا چاہیے، عموماً یوں کہا جاتا ہے: سلامَ لیکم یا سامَ لیکم، یا منہ ہی میں کہہ دیا جاتا ہے سام، یہ سب غلط طریقے ہیں، صحیح تلفظ یوں ہے: اَلسَّلامُ عَلَیْکُم. اسی طرح سلام کا جواب بھی صحیح تلفظ کے ساتھ نہیں دیا جاتا، بلکہ کہا جاتا ہے وَالَیکم سلام، یہ قطعی غلط تلفظ ہے، اس کا کوئی معنی یا مفہوم نہیں ہے۔ صحیح تلفظ یوں ہے: وَعَلَیْکُمُ السَّلامُ۔

یہ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ ہم اسلام کا بنیادی تقاضا یعنی ایک دوسرے کو سلام کہنے کا صحیح طریقہ بھی نہ جانتے ہوں، یہ سب سے بڑی جہالت ہے اور آج اس میں ہم عجمی مسلمانوں کی اکثریت مبتلا ہے۔

[146] جب اللہ کہہ رہا ہے کہ قیامت آنے والی ہے تو پھر اس کے آنے میں کوئی شک نہیں اس دن نیکی میں مدد کرنے والے کو جزا اور برائی میں مدد کرنے والے کو سزا اور سلام اور اس کا جواب کہنے والوں کو عطا سے نوازا جائے گا۔

فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِیْدُوْنَ

تو تمہیں کیا ہوا کہ منافقوں کے بارے میں تم دو گروہ ہو گئے جبکہ اللہ نے انہیں الٹا لوٹا دیا ہے ان کے اعمال کے سبب،

اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا ﴿۸۸﴾

کیا تم اسے ہدایت دینا چاہتے ہو جسے اللہ نے گمراہ کردیا اور جسے اللہ گمراہ کرے تو تم اس کے لیے کبھی راہ ہدایت نہ پاؤ گے۔[147]

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِیَآءَ

وہ تو چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جیسے انہوں نے کفر کیا تاکہ تم ان کے برابر ہو جاؤ تو تم ان میں سے اپنے دوست نہ بناؤ۔

حَتّٰی یُهَاجِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ

جب تک وہ راہ خدا میں ہجرت نہ کریں۔ [148] تو اگر وہ اس سے منہ پھیریں تو انہیں پکڑو اور قتل کرو

حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۸۹﴾ۙ

جہاں بھی انہیں پاؤ [149] اور ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ اور نہ مددگار۔[150]

مرتدین کے قتل اور معاہدۂ امن والے کفار سے ایفاء عہد کا حکم

[147] گزشتہ رکوعات میں جہاد کی ترغیب دی گئی اب اسی سلسلہ میں کچھ احکام جہاد بیان کئے جا رہے ہیں۔ سب سے پہلے مرتدین کے قتل کا حکم بتایا جا رہا ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ کچھ لوگ مدینہ آئے خود کو مسلمان ظاہر کیا پھر وہ مرتد ہو گئے۔ انہوں نے حضور ﷺ سے اجازت لی کہ وہ مکہ سے اپنا سامان لے آئیں، پھر وہ واپس نہ آئے ان کے بارہ میں صحابہ میں اختلاف ہوا بعض نے انہیں مسلمان اور بعض نے منافقین کہا۔ تب یہ آیت مبارکہ اتری۔ (قرطبی جلد ۵ صفحہ ۳۰۷)

تو اس آیت میں مسلمانوں سے فرمایا گیا کہ وہ ان مرتدین کے بارہ میں دو رائے نہ رکھیں ایک رائے بنائیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ نے ان کے جرائم کے سبب انہیں الٹا پھیر دیا ہے۔ لہٰذا تم ان کے بارہ میں نرم رویہ رکھ کر انہیں ہدایت نہیں دے سکتے۔ کیونکہ اللہ نے بطور سزا ان کے دلوں پر گمراہی کی مہر لگا دی ہے۔

معلوم ہوا کہ جو شخص اسلام لائے پھر مرتد ہو کر دین سے پھر جائے تو مسلمانوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس سے کوئی دوستی یا کوئی رشتہ ناطہ رکھیں۔ کیونکہ اس سے رشتہ رکھنا گویا اسلام کو کھلونا بنانے کے برابر ہے، ایسے آدمی کا حکم یہ ہے کہ

اسے سمجھایا جائے۔ اگر وہ باز آجائے اور سچے دل سے دوبارہ مسلمان ہوجائے تو بہتر، ورنہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو مسلمان گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اس کا خون حلال نہیں ہے مگر تین طریقوں سے، اگر وہ قتل کرے تو بدلے میں اسے قتل کیا جائے، شادی شدہ ہو کر زنا کرے تو اسے رجم کیا جائے اور جو اپنے دین کو چھوڑ کر مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہوجائے۔'' (بخاری کتاب الدیات حدیث ۶۸۷۸)

[148] یعنی یہ مرتدین تمہیں بھی اپنی طرح کفر میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں تا کہ تم بھی مرتد ہو کر ان جیسے ہوجاؤ جب ان کے کفر کا یہ حال ہے تو تم انہیں کیسے ہدایت دے سکتے ہو؟ لہٰذا ان کے بارہ میں تذبذب کا شکار نہ ہو اور ان سے محبت مت رکھو۔ الّا یہ کہ وہ بھی دوسرے مومنوں کی طرح اللہ کی راہ میں ہجرت کریں یعنی کفار سے مکمل ناطہ توڑ کر مسلمانوں کے پاس آجائیں۔ اگر ان کا رہنا سہنا کفار کے ساتھ ہے اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنا انہیں قبول نہیں تو پھر وہ کس طرح مسلمان تصور کئے جاسکتے ہیں۔

[149] لہٰذا اگر وہ توبہ کر کے راہِ راست پر نہ آئیں بلکہ دین حق سے منہ موڑیں تو ان کا حکم مرتدین والا ہے انہیں جہاں پاؤ مار ڈالو کیونکہ ایمان لانے کے بعد کفر کرنے کی یہی سزا ہے۔

[150] اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار مت بناؤ۔ یعنی ان کے قتل سے تمہیں ان کی محبت مت روکے۔ یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے۔

ملحدین و زندیقین سے دوستی حرام ہے

جو لوگ دعویٰ ایمان رکھنے کے باوجود کافرانہ نظریات کے حامل ہوں جیسے پیش نظر آیات کے شان نزول میں مذکور ہے، ایسے لوگوں سے دوستی حرام ہے۔ اس لئے فرمایا گیا: فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ اور وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میری امت کے آخر میں ایسے لوگ آئیں گے جو تمہیں ایسی حدیثیں سنائیں گے جو تم یا تمہارے باپ دادا نے کبھی نہ سنی تھیں تم ان سے دور رہو اور وہ تم سے دور رہیں۔'' (مسلم کتاب الایمان)

پہلے ایمان پھر قوم و وطن

حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ سے معلوم ہوا کہ جب مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کا حکم دیا گیا تو جس نے اس حکم کو جان بوجھ کر بلا عذر ترک کیا اللہ نے انہیں منافقین و مرتدین قرار دیا۔ گویا بتایا گیا کہ وطن اور قوم کو ایمان پر قربان کرنا چاہئے ایمان کو ان چیزوں پہ قربان نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں دین پر عمل نہ ہو سکے وہاں سے ہجرت واجب ہے، یعنی یہ بھی معلوم ہوا کہ جس خطے میں مسلمانوں کو اسلامی عبادات و شرائع پہ عمل کی اجازت نہ ہو وہاں سے ہجرت

واجب ہے خواہ وہاں کعبۃ اللہ موجود ہو۔

مرتد کی سزا قتل ہے اور منکرِ ختم نبوت کا مرتد ہونا

جو لوگ اسلام لا کر پھر کفار سے جا ملے ان کے لئے قتل کا حکم جاری ہوا: فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ کی توحید اور میری رسالت پہ ایمان رکھنے والے شخص کا خون حلال نہیں مگر تین طریقوں سے۔ قتل کے بدلے قتل، وہ شادی شدہ ہو کر زنا کرے یا اپنا دین چھوڑ کر نیا دین اپنا لے۔'' (بخاری کتاب الدیات باب ۶)

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد جب کئی قبائل جھوٹے مدعیانِ نبوت کے گرد جمع ہو گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے قتال پہ اتفاق کیا اور ان کے قلع قمع کے لیے جانوں کے نذرانے پیش کیے۔ معلوم ہوا کہ مرتدین کے قتل پہ تمام صحابہ کرام کا اجماع ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ختم نبوت وہ بنیادی اسلامی عقیدہ ہے جس کا منکر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کے ساتھ مرتد اور واجب القتل ہے، بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسیلمہ کذاب سے فرما دیا تھا کہ میں اپنی امت کے ہاتھوں تمہارا قتل دیکھ رہا ہوں، چنانچہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی۔

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ

مگر انہیں قتل نہ کرو جو اس قوم سے جاملیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو۔ [151] یا وہ تمہارے پاس

حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

یوں آئیں کہ ان کے سینے اس سے تنگ ہوں کہ تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے لڑیں [152] اور اگر اللہ چاہتا

لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ

تو انہیں تم پر غالب کر دیتا پھر وہ تم سے ضرور لڑتے تو اگر وہ تم سے الگ رہیں اور تم سے نہ لڑیں

وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝۹۰

اور تمہاری طرف پیغام صلح ڈالیں، تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر حملے کا کوئی راستہ نہیں رکھا۔ [153]

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ۭ كُلَّمَا

عنقریب تم ایک اور قوم پاؤ گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں۔ جب بھی انہیں

رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ

فتنہ (جنگ) کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو اس میں اوندھے ہو جاتے ہیں تو اگر وہ تم سے الگ نہ رہیں اور تمہاری طرف

السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۭ

پیغام صلح نہ ڈالیں اور اپنے ہاتھ (جنگ سے) نہ روکیں تو انہیں پکڑو اور قتل کرو جہاں بھی انہیں پاؤ،

وَاُولٰۗىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝۹۱ ع

یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم نے تمہیں ان پر کھلا اختیار دیا ہے۔ [154]

ع ۱۲ / ۹

[151] امام بغوی فرماتے ہیں بنوسلام کے سردار ہلال بن عویمر کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کا معاہدہ تھا کہ وہ نہ تو آپ کی مدد کرے گا نہ آپ کے مقابلہ میں کسی قوم کی مدد کرے گا (الگ تھلگ رہے گا) اور جو اس کی پناہ میں آجائے اسے بھی وہی امن حاصل ہوگا جو خود ہلال بن عویمر کو حاصل ہے۔ (معالم التنزیل جلد اول صفحہ ۴۷۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مومنو! تم

مرتدین کو ضرور قتل کرو لیکن جو مرتدین ایسی قوم کے پاس جا پہنچیں کہ ان کے اور تمہارے درمیان باہمی معاہدۂ امن ہو تو ایسے مرتدین کو بھی وہی امن حاصل ہے لہٰذا وہ جہاں ملیں انہیں کچھ نہ کہو۔ امام ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ کئی لوگ مکہ سے مدینہ آئے ایمان قبول کیا پھر مرتد ہو کر سامان لانے کے بہانے مکہ گئے اور ہلال بن عویمر کی پناہ میں جا پہنچے تو مسلمانوں کو ان سے تعرض نہ رکھنے کا حکم دیا گیا تاکہ معاہدۂ امن کی خلاف ورزی نہ ہو۔

[152] سراقہ بن مالک مدلجی کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو میری قوم بنی مدلج پر حملہ کرنے کا حکم فرمایا، میں حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا آپ میری قوم سے یہ معاہدہ کرلیں کہ اگر آپ کی قوم (قریش) ایمان لے آئے تو میری قوم کے لوگ بھی ایمان لے آئیں گے اور اگر وہ ایمان نہ لائے تو آپ میری قوم پہ سختی نہ کریں گے۔ حضور سید عالم ﷺ نے سراقہ بن مالک کی بات مان کر اس سے یہ عہد فرمالیا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو حملے سے روک دیا۔ اس موقع پر یہ آیت اتری: اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۶۱۳) یہ حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ بعد میں اپنی قوم سمیت ایمان لے آئے تھے۔

آیتِ مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو! جو قوم تم سے نہیں لڑنا چاہتی اور کفار سے لڑنا بھی انہیں پسند نہیں پھر وہ تم سے نہ لڑنے کا معاہدہ کر لیتے ہیں تم ان سے کوئی لڑائی مت رکھو بلکہ معاہدۂ امن کی پاسداری کرو۔

[153] یعنی جن کفار نے اے مسلمانو تم سے معاہدۂ امن کیا ہے اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پہ غالب کرتا مگر اللہ نے ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈالا جیسے سراقہ بن مالک کو جب مسلمانوں کے حملہ کی خبر ہوئی تو وہ خوفزدہ ہو کر آیا اور صلح کی بھیک مانگی۔ ایسے لوگ اگر اپنے معاہدہ پر قائم رہیں اور لڑائی کی بجائے تمہارے ساتھ امن کا راستہ اپنائیں تو اسلام کا مقصد ہی امن قائم کرنا ہے تو اللہ نے تمہیں ایسی قوم سے لڑنے کا کوئی حق نہیں دیا۔

کفار سے ایفاءِ عہد کا حکم

فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا کہہ کر اللہ تعالیٰ نے کفار سے کئے ہوئے معاہدۂ امن کی پاسداری کا حکم فرمایا اور تاریخ اسلام شاہد ہے کہ مسلمانوں نے کفار سے کبھی بدعہدی نہیں کی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ حدیبیہ میں کفار کی طرف سے عائد کردہ ظالمانہ شرائط کو جب خدائی مصلحت کے تحت مان لیا اور وہ شرائط لکھ لی گئیں تو حضور ﷺ نے ان کی مکمل پاسداری کی۔ ان میں سے یہ شرط بھی تھی کہ اگر اہل مکہ میں سے کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ پہنچ جائے تو اسے واپس مکہ بھیجنا ہوگا، یہ انتہائی ظالمانہ شرط تھی۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے اسے مان لیا کیونکہ آپ ہی جانتے تھے کہ یہ شرط بعد میں مسلمانوں کے لیے مفید رہے گی، تاہم حضور ﷺ نے اس ظالمانہ شرط کی بھی مکمل پاسداری کی اور کئی لوگ اس کے بعد اسلام لا کر مکہ سے بھاگے اور مدینہ طیبہ آئے مگر آپ نے انہیں پناہ نہ دی، انہوں نے ساحل سمندر پہ جا کر اجتماع کرلیا اور کفار مکہ کی تجارتی شاہراہ مسدود کردی اور کفار کو لینے کے دینے پڑ گئے۔

البتہ کفار کی تاریخ مسلمانوں سے عہد شکنی کرنے سے بھری ہوئی ہے۔ کفار مکہ نے معاہدۂ حدیبیہ توڑتے ہوئے بنو بکر پر حملہ کیا حالانکہ بنو بکر کو نبی اکرم ﷺ نے پناہ دے رکھی تھی اس کے بدلے میں حضور سید عالم ﷺ نے مکہ پر حملہ کر کے اسے فتح کیا اور وہاں سے ہمیشہ کے لئے کفر کا خاتمہ کر دیا۔ یہود مدینہ نے کئی بار آپ سے معاہدۂ امن کر کے اس کی دھجیاں اڑائیں۔ آج بھارت کشمیر میں استصواب رائے کرانے کے بارہ میں کئی بار اقوام متحدہ میں وعدہ کر کے اس سے منحرف ہو چکا ہے۔ یہی حال اسرائیل کا ہے اور آج امریکہ اقوام متحدہ کے تمام معاہدات کو پاؤں کے نیچے روندتے ہوئے کبھی افغانستان پر حملہ کرتا ہے کبھی عراقی مسلمانوں کا قتل عام کرتا ہے۔ مگر اسلام ایفاء عہد کی تعلیم دیتا ہے اور جب امت مسلمہ دنیا کی غالب قوت تھی تو مسلمانوں نے کفار پر کبھی زیادتی نہیں کی تھی، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کفار سے وعدہ وفائی اس قدر لازم ہے تو مسلمان کا مسلمان سے ایفاء عہد کس قدر ضروری ہے یہ واضح ہے۔

اسلام امن کا مذہب ہے اور دہشت گردی کفار کا شیوہ ہے

جن قوموں سے مسلمان معاہدۂ امن کر لیں ان سے لڑائی حرام قرار دی گئی۔ اور فرمایا گیا: فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا۔ گویا اسلام کا مقصد زمین پر قیام امن ہے اور وہ کفار سے لڑنا نہیں چاہتا، بلکہ امن سے رہنا چاہتا ہے مگر جب وہ غارت گری سے باز نہ آئیں تو اسلام انہیں سبق سکھا کر چھوڑتا ہے۔ ؎

جنگ مسلم سنت پیغمبری ست   جنگ کافر فتنہ و غارت گری ست

[154] یعنی اے مومنو! تم ایسے کفار بھی پاؤ گے جو چاہتے تو ہیں کہ تم سے بھی نہ لڑیں اور اپنی قوم (کفار) سے بھی امن میں رہیں اس لئے وہ تم سے معاہدۂ امن کر لیتے ہیں مگر جب انہیں دوسرے کفار مسلمانوں سے عہد شکنی پر اکساتے ہیں تو وہ عہد شکنی پہ اتر آتے اور فتنے میں اوندھے منہ جا گرتے ہیں۔ اگر ایسے لوگ فتنہ انگیزی سے باز نہ آئیں اور معاہدۂ امن کو بھول جائیں اور اپنے کئے پر نادم ہو کر معذرت نہ کریں تو پھر انہیں جہاں پاؤ ختم کر دو، اللہ نے تمہیں ان سے لڑنے کا کھلا اختیار دیا ہے۔

آج امتِ مسلمہ پہ فرض ہے کہ اقوامِ متحدہ میں سے باہر نکل کر مسلم اقوام متحدہ بنائے

جب اقوام متحدہ میں عالمی معاہدۂ امن طے پا چکا ہے کہ کوئی ملک کسی دوسرے ملک پہ حملہ آور نہ ہوگا اور نہ اس کی زمین پر قبضہ کرے گا تو اس کے بعد اسرائیل کا شام لبنان اور فلسطین کے علاقوں پہ قبضہ، بھارت کا کشمیر پر تسلط اور امریکہ کا عراق و افغانستان پر حملہ اقوام متحدہ کے عالمی معاہدۂ امن کی صریح خلاف ورزی ہے اور قرآن ایسی عہد شکن قوموں سے جہاد کا حکم فرماتا ہے۔ اس لیے فرمایا: فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ ''اگر وہ تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور صلح و سلامتی کا ہاتھ نہ بڑھائیں اور تم پہ دست

درازی سے باز نہ آئیں تو انہیں جہاں پاؤ پکڑو اور قتل کرو۔'' (نساء،۹۱)

بلکہ مسلمانوں پہ لازم ہے کہ وہ اقوام متحدہ سے باہر نکل آئیں اب یہ ادارہ امریکہ کے ایک غلام کا کردار ادا کر رہا ہے مسلمانوں پہ لازم ہے کہ اپنی مسلم اقوام متحدہ (Muslim United Nations) بنائیں۔آج صورتِ حال یہ ہے کہ اقوام متحدہ کا ادارہ مسلمانوں کو مروانے کا کام سرانجام دے رہا ہے، ۱۹۹۰ء میں عراقی صدر صدام حسین نے کویت پہ حملہ کیا تو امریکہ نے یہ بہانہ بنا کر کہ اقوام متحدہ کے معاہدۂ بقاء باہمی کی مخالفت کی گئی ہے، عراق پہ حملہ کر دیا اور ہزرواں عراقی مسلمان مار ڈالے اور اقوام متحدہ کے ادارہ نے امریکی اقدام کی نہ صرف اجازت دی بلکہ تائید کی۔اس کے برعکس اسرائیل اپنے ہمسایہ ممالک شام، اردن اور مصر کے کئی علاقے ہتھیا چکا ہے، مگر اقوام متحدہ کے کانوں پہ جوں تک نہیں رینگی۔اگر ایران، یا عراق یا لیبیا ایٹمی اسلحہ بنانے کی کوشش کرے تو اقوام متحدہ اس کے خلاف میدان عمل میں اتر آتا ہے جبکہ امریکہ، برطانیہ روس، چائنہ سب کے پاس وافر ایٹمی اسلحہ ہے بلکہ دوسری عالمی جنگ میں امریکہ ایٹمی اسلحہ کو استعمال کر کے جاپان کو تباہ کر چکا ہے اور آئندہ بھی موقع ملنے پر وہ ایسی حرکت سے باز نہیں آئے گا، مگر اقوام متحدہ نے کبھی ان طاقتور ممالک کے ایٹمی اسلحہ پہ بات نہیں کی، بلکہ اسرائیل کے پاس چار سو سے زائد ایٹمی بم موجود ہیں اور وہ اقوام متحدہ کو نظر نہیں آتے تو جب غیر مسلم قوتیں مسلمانوں کے خلاف بار بار معاہدۂ امن کو توڑ رہی ہیں تو ایسے میں قرآنِ مجید کا حکم یہی ہے جو اللہ نے فرمایا:

فَاِنۡ لَّمۡ یَعۡتَزِلُوۡكُمۡ وَیُلۡقُوۡۤا اِلَیۡكُمُ السَّلَمَ وَیَكُفُّوۡۤا اَیۡدِیَهُمۡ فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَیۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ ؕ ''اگر کفار تمہیں نہ چھوڑیں اور تمہارے ساتھ معاہدۂ امن برقرار نہ رکھیں اور تم سے اپنے ہاتھ نہ روکیں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ انہیں قتل کر دو۔'' (نساء،۹۱)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰهِ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا فَهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِیۡنَ عٰهَدۡتَّ مِنۡهُمۡ ثُمَّ یَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَهُمۡ فِیۡ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمۡ لَا یَتَّقُوۡنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثۡقَفَنَّهُمۡ فِی الۡحَرۡبِ فَشَرِّدۡ بِهِمۡ مَّنۡ خَلۡفَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ یَذَّكَّرُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنۡ قَوۡمٍ خِیَانَةً فَانۢبِذۡ اِلَیۡهِمۡ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الۡخَآئِنِیۡنَ ﴿۵۸﴾

''اللہ کے ہاں زمین پہ چلنے والی سب سے بدتر مخلوق وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور ایمان نہیں لاتے، جن سے تم معاہدہ کرتے ہو اور وہ اسے ہر بار توڑ دیتے ہیں اور انہیں کچھ ڈر نہیں۔تو اگر تم انہیں جنگ میں پاؤ تو ایسا مارو کہ انکے پچھلوں کو بھی بھگا دو، تا کہ انہیں سبق حاصل ہو اور جب تمہیں کسی قوم سے بدعہدی کا ڈر ہو تو ان کا معاہدہ ان کی طرف برابری کی بنیاد پہ پھینک دو، بیشک اللہ دغابازوں کو پسند نہیں رکھتا۔(الانفال، ۵۵ تا ۵۸)

ان تمام آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام پرامن مذہب ہے، وہ دنیا میں امن قائم کرنا چاہتا ہے اور دوسری قوموں کے ساتھ امن کے معاہدات قائم کرنے کا خواہاں ہے اور اللہ مسلمانوں کو بار بار حکم فرما رہا ہے کہ جب تم کسی غیر مسلم قوم سے معاہدۂ امن کر لو تو اسے مت توڑو، لیکن جو قوم تمہارے ساتھ معاہدہ کر کے اس کی آڑ میں تمہیں نقصان دے اسے کوئی رعائت نہ دو، بلکہ انہیں عبرت ناک سزا دو تا کہ وہ آئندہ دنیا کا امن تباہ نہ کریں۔

مگر افسوس! آج ملتِ اسلامیہ ان قرآنی احکام پہ عمل کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی، وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے درمیان باہمی اتحاد نہیں ہے۔ضروری ہے کہ وہ پہلے متحد ہوں، اپنی مالی، سیاسی اور جنگی قوت کو مجتمع کریں، پھر وہ دشمنان اسلام کے مقابلہ میں کھڑے ہوں تو وہ پھر دنیا کی سب سے بڑی سیاسی قوت بن سکتے ہیں اور ان کا خون محفوظ ہو سکتا ہے، بلکہ تمام اقوام عالم کا خون محفوظ ہو سکتا ہے اور جب تک وہ ایسا نہیں کرتے ان کا خون بہتا رہے گا ان کی عزتیں لٹتی رہیں گی، ان پہ حملے ہوتے رہیں گے اور وہ ذلت کے گڑھے سے کبھی باہر نہیں نکل سکیں گے۔لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں، ان شاء اللہ عنقریب پردۂ غیب سے اسباب نصرت ظاہر ہونے والے ہیں، علامہ اقبال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ ؎

رنگ گردوں کا تو دیکھ کہ عنابی ہے — یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے
تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے — نشۂ مئے کو تعلق نہیں پیمانے سے
ہے عیاں قصۂ تاتار کے افسانے سے — پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے
قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے — دہر میں اسمِ محمد سے اجالا کر دے

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا
اور کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ کسی دوسرے مومن کو قتل کرے، سوا غلطی کے اور جو کسی مومن کو غلطی سے مار دے تو اس پر ایک مومن غلام
خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ
آزاد کرنا اور خون بہا دینا لازم ہے جو مقتول کے گھر والوں کے سپرد کیا جائے، سوا اس کے کہ وہ معاف کر دیں۔ [155]
فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ
پھر اگر مقتول تمہاری دشمن قوم سے ہو اور وہ خود مومن ہو، تو (صرف) ایک غلام آزاد کرنا ضروری ہے۔ [156]
وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ
اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ امن ہے تو خون بہا دینا چاہیے جو اس کے گھر والوں کے سپرد کیا جائے
وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ز
اور ایک غلام بھی آزاد کرنا چاہیے۔ [157] پھر جو غلام نہ پائے تو اس پر لگا تار دو مہینوں کے روزے لازم ہیں،
تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾
یہ توبہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔ [158]

قتل خطا اور قتل عمد کی سزا

[155] گزشتہ رکوعات میں جہاد کا ذکر ہوا اور جہاد میں کبھی مسلمانوں کے ہاتھوں غلطی سے کوئی مسلمان بھی مارا جاتا ہے لہٰذا اب غلطی سے مارے جانے والے مسلمان کی دیت (خون بہا) اور اسکا کفارہ بتایا جا رہا ہے۔

اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک شخص حرث بن یزید مکہ میں ابوجہل کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو ایذاء دیتا تھا پھر وہ ایمان لایا اور حضور ﷺ کی طرف ہجرت کی۔ ایک بار مدینہ سے باہر وہ بعض مسلمانوں کو نظر آ گیا انہیں اس کے اسلام لانے کی خبر نہ تھی انہوں نے اسے قتل کر دیا بعد میں انہیں اپنی غلطی کا علم ہوا تو وہ حضور سید عالم ﷺ کے پاس نادم ہو کر آئے تب یہ آیتِ مبارکہ اتری: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ (ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۲۰۵) اس کے شانِ نزول میں دیگر روایات بھی ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کوئی شخص مومن ہوتے ہوئے کسی مومن کو قتل نہیں کرسکتا اور اگر غلطی سے ایسا ہو جائے مثلاً جنگ میں کسی کافر کو گولی ماری گئی مگر وہ مسلمان کو جا لگی یا مومن کو کافر سمجھ کر قتل کر دیا گیا یا کسی بھی وجہ سے کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے ہاتھوں بلا ارادہ مارا گیا جیسے ایکسیڈنٹ میں لوگ مارے جاتے ہیں تو اسے قتل خطاء کہتے ہیں۔

اس میں ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا اور مقتول کے ورثاء کو دیت (خون بہا) ادا کرنا لازم ہے اگر ورثاء دیت معاف کر دیں تو کر سکتے ہیں یہ ان کا حق ہے البتہ غلام کا آزاد کرنا اللہ کا حق ہے وہ کرنا ہی ہوگا، اگر غلام نہ ملے جیسے آج کل دنیا سے غلامی کی رسم ختم ہوگئی ہے تو اس کی جگہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا لازم ہے۔ قاتل قتلِ خطاء میں غلام آزاد کر کے اُخروی عذاب سے بچ جاتا ہے کیونکہ حدیثِ مبارکہ کے مطابق جس نے غلام آزاد کیا اللہ نے غلام کے ہر عضو کے بدلے اس کے ہر عضو کو جہنم سے آزاد کر دیا (بخاری کتاب کفارات باب ۶ عن ابی ہریرہ ؓ) اور دیت ادا کر کے قاتل دنیا کے عذاب (قتل) سے بچ جاتا ہے۔

دیت کیا ہے اور اس کی شرعی مقدار کیا ہے

دیت یہ ہے کہ خواہ سو اونٹ دے دو یا سونے کے ایک ہزار دینار یا چاندی کے دس ہزار درہم۔ دو سو درہم کی چاندی ۵۲ تولہ بنتی ہے جو زکوٰۃ کا نصاب ہے اس حساب سے ایک درہم کی چاندی ۲۶۰، تولہ ہے اگر اسے دس ہزار سے ضرب دیا جائے تو ۲۶۰۰ تولے بنتے ہیں جو دس کلو اور پندرہ تولے چاندی کے برابر ہے۔

اس جگہ یاد رکھنا چاہیے کہ فقہاء اربعہ کے نزدیک عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے یعنی پچاس اونٹ، یا پانچ سو دینار یا پانچ ہزار درہم اور یہ حضور سید عالم ﷺ کا واضح حکم ہے۔ چنانچہ معاذ بن جبل ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دِيَةُ الْمَرْأَةِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ دِيَةِ الرَّجُلِ۔ ''عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔''
(بیہقی جلد ۸ صفحہ ۹۵ باب ماجآء فی دیۃ المرأۃ)

[156] یعنی اگر اسلامی لشکر کسی کافر قوم پر حملہ کرے اور وہاں ان میں کوئی مسلمان بھی ہو جو حملے میں مارا جائے اور مارنے والوں کو اس کا مسلمان ہونا معلوم نہ ہو تو ایسے میں دیت لازم نہیں صرف غلام آزاد کرنا کافی ہے اور غلام نہ ملنے کی صورت میں ساٹھ روزے لازم ہیں۔

اس صورت میں دیت اس لیے معاف کر دی گئی کہ وہ شخص کفار کے ساتھ یوں مل جل کر کیوں مقیم تھا کہ جب ان پہ حملہ ہوا تو وہ بھی ساتھ میں مارا گیا، تاہم چونکہ وہ مسلمان ہے تو اس کے خون کی اس قدر قیمت چکائی گئی کہ غلام آزاد کیا جائے یا ساٹھ روزے رکھے جائیں۔

[157] یعنی جس کافر قوم کا مسلمانوں سے معاہدۂ امن ہو چکا ہو اور وہ اپنے معاہدہ کی پاسداری کرتے ہوں تو ان میں سے کسی کافر کا قتل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر ان میں سے کسی کو غلطی سے قتل کر دیا جائے تو وہ ایسے ہی ہے جیسے کسی مسلمان کو

قتل کر دیا لہٰذا اس میں پوری دیت لازم ہے اور غلام کا آزاد کرنا بھی اور آج دنیا بھر کے تمام کفار سے مسلمانوں کا اقوام متحدہ کے تحت معاہدۂ امن ہے۔

لہٰذا آج کسی پر امن کافر کو قتل کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر کفار معاہدہ کر کے اس کی خلاف ورزی کرتے اور مسلمانوں کی جانوں سے کھیلتے ہوں تو پھر ان کے لئے کوئی معاہدۂ امن نہیں ہے۔ جیسے آج اقوام متحدہ کے تحت یوں تو مسلمانوں کا تمام کافر اقوام سے معاہدۂ امن ہے مگر جو ممالک مسلمانوں پہ مظالم ڈھا رہے ہیں جیسے اسرائیل امریکہ وغیرہ ایسے کفار کے لئے شرعاً کوئی امن نہیں ہے تو ان میں سے جو کفار مسلمانوں کے خلاف فوجی کارروائیوں میں مصروف ہوں وہ جہاں ملیں ان کا قتال جائز ہے جیسا کہ ابھی معاہدہ شکن کفار کے بارہ میں کہا گیا: فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ (آیت ۹۱)

مگر یہ حکم صرف امریکی واسرائیلی اور بھارتی فوجیوں کے لیے ہے جو مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگ رہے ہیں یا رنگنے والوں کی مدد کر رہے ہیں۔ رہے عام پر امن امریکی، اسرائیلی اور بھارتی شہری تو انکا قتال کسی صورت جائز نہیں ہے، کیونکہ اسلام حالت جنگ میں بھی کفار کے بچوں بوڑھوں عورتوں اور جنگ سے لاتعلق لوگوں کے قتل کی اجازت نہیں دیتا۔

[158] یاد رہے مذکورہ تمام صورتوں میں اگر کفارہ کے لئے غلام آزاد کرنے کو نہ ملے تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا لازم ہے، اگر درمیان میں ایک روزہ بھی چھوڑ دیا تو نئے سرے سے ساٹھ روزے رکھے جائیں لہٰذا یہ روزے یوں شروع کئے جائیں کہ درمیان میں رمضان نہ آئے کیونکہ رمضان میں رمضان ہی کا روزہ ادا ہوسکتا ہے اگر درمیان میں رمضان آ گیا تو اس کے بعد نئے سرے سے ساٹھ روزے رکھے جائیں اگر عورت کو درمیان میں حیض آ جائے تو اس سے کوئی انقطاع لازم نہیں آتا کیونکہ یہ اختیار سے باہر چیز ہے۔

اسلام میں معاہدۂ امن والے کافر کی جان کی اہمیت

یہاں معاہدۂ امن والے کافر کے قتل کی سزا مسلمان کے قتل کے برابر رکھی گئی یہ دنیوی سزا ہے اور اخروی سزا کے بارہ میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے کسی عہد یافتہ کافر کو مار دیا وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے آئے گی۔'' (بخاری کتاب الجزیہ باب ۵) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت کی خوشبو سو برس کی مسافت سے آئے گی اور جس نے کسی معاہدہ والے کافر کو مار دیا اللہ نے اس پہ جنت حرام قرار دی اور وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔'' (نسائی کتاب القسامہ باب ۱۵)

اس کے باوجود اسلام کو دہشت گردی کا مذہب کہتے ہوئے دشمنانِ اسلام کو کچھ حیاء محسوس نہیں ہوتی یا پھر وہ اسلامی تعلیمات سے بے خبر ہیں۔ اور ان احادیث کی یہ تاثیر ہے کہ غیر مسلم اقلیتیں ہر جگہ اسلامی ممالک میں مکمل محفوظ رہی ہیں اور رہ رہی ہیں۔

غلامی کا سلسلہ ختم کرنے میں اسلام کا کردار

اسلام نے کئی انسانی غلطیوں پر غلام آزاد کرنے کا حکم دیا جیسے کفارۂ قسم، کفارۂ قتل خطاء، کفارۂ ظہار اور روزہ توڑنے کا کفارہ وغیرہ۔ اسلام کی ان تعلیمات کے باعث دنیا سے غلام قریباً ناپید ہو گئے اور آخر میں اقوام متحدہ کے عالمی معاہدۂ امن کے سبب یہ رسم مکمل ختم ہو گئی لہٰذا اسلام پر مسئلہ غلامی کے حوالے سے تنقید بے جا ہے۔

روزے کی اہمیت

قتل خطاء، ظہار اور قسم توڑنے کی صورتوں میں روزے رکھنے کا حکم بتاتا ہے کہ اللہ کے ہاں روزے کی کیا اہمیت ہے۔ روزہ نفس سرکش کی سرکوبی کا سب سے بہتر ذریعہ ہے اسی لئے تمام کفارات میں روزہ ہی رکھا گیا ہے نماز یا کوئی اور بدنی عبادت نہیں۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ
اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ نے
عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾
غضب کیا اور لعنت کی اور اس کے لیے عظیم عذاب تیار کیا۔[159]

[159] اس جگہ قتلِ عمد کی صرف اخروی سزا بتائی جا رہی ہے دنیوی سزا کا ذکر سورہ بقرہ آیت ۱۷۵ میں گزر چکا ہے کہ قتل کا بدلہ قتل ہے تو فرمایا جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر مار دے اس کی سزا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا کیونکہ اگر اس نے اپنے فعلِ قتل کو جائز سمجھا تو وہ کافر ہے اور کافر ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور اگر ناجائز سمجھا تو پھر ہمیشہ جہنم میں رہنے سے مراد لمبے عرصے تک وہاں رہنا ہے خَلَدَ يَخْلُدُ کا معنی لمبے عرصے تک رہنا بھی قرآن میں ہے جیسے وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ''اور تم محلات بناتے ہو تاکہ ان میں ہمیشہ رہو'' (شعرآء، ۱۲۹) یہاں ہمیشہ رہنا لمبے عرصے تک رہنے کے معنی میں ہے۔ بعض مفسرین نے یہاں خَالِدًا فِيْهَا کا یہ معنی کیا ہے کہ قتل کی سزا تو جہنم میں ہمیشہ رہنا ہی ہونا چاہئے مگر اللہ اپنی رحمت سے کسی مومن کو ہمیشہ جہنم میں نہیں رکھے گا۔

قتلِ ناحق کا مرتکب کافر نہیں ہے، تاہم اس کی اُخروی سزا اشد یدتر ہے

خلاصہ یہ ہے کہ قتل قابلِ معافی جرم ہے اور اس کی وجہ سے کوئی انسان کافر نہیں ہو جاتا اور نہ ہی وہ کفار کی طرح ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اس کے چند دلائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ

فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ ''تو جس قاتل کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دیدی جائے تو بھلائی سے تقاضا کیا جائے۔'' (بقرہ، ۱۷۸) اس آیت میں قاتل کو مقتول کے ورثاء کا اسلامی بھائی قرار دیا گیا ہے، اگر قاتل اپنے قتل کے سبب کافر ہوجاتا تو اسے مقتول کے ورثاء کا بھائی نہ قرار دیا جاتا۔

دوسری جگہ قرآنِ مجید میں ہے: وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ ''اگر مسلمانوں کے دو گروہ باہم کشت وخون کریں تو ان میں صلح کراؤ۔'' (حجرات، ۹) اس آیت میں بھی ایک دوسرے کا قتل کرنے والے دو مسلمان گروہوں کو مومنین کہا گیا ہے، معلوم ہوا کہ قتل ناحق کے ارتکاب سے کوئی شخص کافر نہیں ہوجاتا، لہٰذا اسے ہمیشہ جہنم میں نہیں رہنا ہوگا۔

قتل کا گناہ اور عذاب قرآن وحدیث کی روشنی میں

تاہم جان بوجھ کر قتلِ ناحق سنگین تر جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں قاتل پر چار طرح سے پھٹکار ڈالی ہے۔ وہ جہنم میں عرصہ دراز رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب ہے اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ ''جس نے کسی جان کو کسی جان کے بدلے کے بغیر یا زمین میں فساد کے بغیر قتل کردیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کردیا اور جس نے ایک جان بچالی اس نے گویا تمام انسانوں کو بچالیا۔''
(مائدہ، ۳۲)

اور حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ اگر بالفرض تمام اہل ارض وسما ایک مومن کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ سب کو اکٹھا جہنم میں پھینک دے گا۔ (بیہقی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ایک مسلمان کا قتل ناحق اللہ کے ہاں سب دنیا کو تباہ کرنے سے بدتر ہے۔''
(ترمذی کتاب الدیات باب ۷، ابن ماجہ کتاب الدیات باب اول)

اس سے قتلِ ناحق کی سنگینی معلوم ہوئی مگر افسوس آج مسلمان معمولی باتوں پر ایک دوسرے کو یوں مار دیتے ہیں جیسے کوئی کتا بلا مار دیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوۡا وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ
اے ایمان والو! جب تم راہ خدا میں جہاد کے لیے نکلو تو تحقیق کر لو اور اس شخص کو یہ نہ کہو
اَلۡقٰٓى اِلَيۡكُمُ السَّلٰمَ لَسۡتَ مُؤۡمِنًا ۚ تَبۡتَغُوۡنَ عَرَضَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ز
جو تمہیں سلام کہے کہ تم مومن نہیں ہو۔ [160] تم دنیوی زندگی کا سامان چاہتے ہو
فَعِنۡدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيۡرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ
تو اللہ کے ہاں بہت سی غنیمتیں ہیں۔ تم بھی تو اس سے قبل ایسے ہی تھے، تب اللہ نے تم پر
فَتَبَيَّنُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ﴿۹۴﴾
احسان کیا، تو خوب تحقیق کرو بے شک اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ [161]

[160] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص اپنی بکریاں لئے جا رہا تھا اسے مسلمانوں کی ایک جماعت ملی (جو جہاد پر تھی) اس نے السلام علیکم کہا۔ اس کے باوجود انہوں نے اسے قتل کر دیا انہوں نے سمجھا کہ وہ محض جان بچانے کے لئے جھوٹ سے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کر رہا ہے اور انہوں نے اس کی بکریوں پر قبضہ کر لیا جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شدید دکھ ہوا تب یہ آیت اتری: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ۔ الخ (بغوی، خازن، قرطبی، درمنثور وغیرہ) مروی ہے کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو جنہوں نے اس شخص کو قتل کیا تھا غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ تو آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے مسلمانو! جب تم جہاد کے لئے راہ خدا میں نکلو تو کسی پر تلوار اٹھانے سے قبل تحقیق کر لو اور بدگمانی نہ رکھو کہ ایک شخص تمہیں سلام کہے اور تم اسے کافر سمجھ کر مار دو اور کہو کہ تم مسلمان نہیں ہو۔

کسی مسلمان کو کافر کہنے کی برائی

لَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰٓى اِلَيۡكُمُ السَّلٰمَ لَسۡتَ مُؤۡمِنًا سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کو کافر کہنا اور بلاتحقیق مسلمانوں کو کافر قرار دینا بہت بڑی فتنہ انگیزی اور گناہ عظیم ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ ''جب کوئی اپنے بھائی کو کافر کہے تو دونوں میں سے ایک ضرور کافر ہے'' (یعنی جس کو کافر کہا گیا اگر وہ کافر نہیں تو پھر کہنے والا کافر ہوا) (بخاری کتاب الادب باب ۷۳، مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۱۱) مگر افسوس آج ہم ایک دوسرے کو مشرک اور کافر کہنے میں بہت جلدی دکھاتے ہیں۔

بدگمانی کی مذمت

یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسروں کے بارہ میں بدگمانی نہیں رکھنی چاہئے۔ بدگمانی کی وجہ سے انسان دوسروں کی غیبت، عیب جوئی، ہتک عزت اور جان و مال کے اتلاف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

[161] یعنی اگر تم مالِ غنیمت چاہتے ہو تو اللہ کے ہاں کثیر اموال غنیمت ہیں جو وہ تمہیں آئندہ دے گا لہٰذا کسی کے مال پر قبضہ کرنے کے لئے اسے کافر قرار دے کر قتل کرنے کی کوشش نہ کرو، اس سے قبل تم بھی اپنا ایمان مشرکوں کے خوف سے چھپاتے پھرتے تھے لہٰذا تحقیق کر لو، ممکن ہے کوئی شخص خفیہ طور پر مومن ہو مگر مجبوراً کفار میں رہتا ہو لہٰذا اگر وہ تمہیں سلام کہے یا کلمہ پڑھے تو اسے کافر سمجھنے کی غلطی نہ کرو۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ
برابر نہیں ہیں (جہاد سے) بیٹھ جانے والے مسلمان جنہیں کوئی تکلیف بھی نہیں، اور وہ مسلمان جو اللہ کی
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ
راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں۔ اللہ نے ان کو فضیلت دی ہے جو اپنے
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ
مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں، بیٹھ جانے والوں پر مرتبہ کے اعتبار سے۔ [162] اور سب سے اللہ نے
الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ لا
بھلائی (جنت) کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ نے مجاہدوں کو بیٹھ جانے والوں پر فضیلت دی کہ ان کے لیے اجر عظیم ہے۔ [163]
دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ ع
اللہ کی طرف سے درجات ہیں اور مغفرت و رحمت ہے اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ [164]

۱۳ ع ۵ ۱۰

[162] بدر و احد اور دیگر غزوات میں کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بعض مجبوریوں کے سبب شامل نہ ہو سکے انہیں اس کا قلق تھا اور بعض لوگ یونہی چند غزوات سے رہ گئے اور اپنی مصروفیات میں لگے رہے انہیں کوئی مجبوری نہ تھی بعد میں وہ نادم ہوئے اللہ تعالیٰ نے ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تسلی کے لئے یہ آیتِ مبارکہ اتاری اور فرمایا جو لوگ کسی تکلیف (یعنی اندھا یا اپاہج پن اور بیماری وغیرہ) کے بغیر جہاد سے پیچھے بیٹھ رہتے ہیں وہ اللہ کی راہ میں مال و جان کے ساتھ جہاد کرنے والوں کے

برابر نہیں ہو سکتے یعنی ان کا درجہ مجاہدین سے کم ضرور ہے مگر درجہ ایمان بہر حال ان کا بھی قائم ہے۔

جب ایک نابینا صحابی کی دلداری کے لیے قرآن میں خصوصی الفاظ اتارے گئے

حدیثِ طیبہ میں ہے جب یہ آیتِ مبارکہ اتری تو اس میں غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ کے الفاظ نہ تھے، وحی ختم ہونے پر جب نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت پڑھی تو نابینا صحابی عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جو پاس ہی بیٹھے تھے، کہنے لگے میں تو نابینا ہوں میں جہاد میں نہیں جا سکتا (یعنی کیا مجھے بھی مجاہدین سے کم درجہ ملے گا؟) تو فوراً حضور سید عالم ﷺ پر دوبارہ آثار وحی ظاہر ہوئے، وحی ختم ہونے پر حضور ﷺ نے یہ آیت دوبارہ پڑھی تو غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ کے الفاظ بھی پڑھے۔ تب وہ نابینا صحابی خوش ہو گئے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ النساء باب ۱۸)

یعنی نابینا صحابی عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی دلداری و پاسداری کے لیے فرمایا گیا کہ جس شخص کو کوئی ضرر نہ پھر وہ جہاد میں شامل نہ ہو تو اس کا درجہ مجاہدین کے برابر نہیں ہے اور جس شخص کو ضرر ہو یعنی وہ نابینا یا اپاہج ہو اسے جہاد میں شامل ہوئے بغیر ہی مکمل جہاد کا اجر دیا جائے گا، کیونکہ اس کے دل میں جہاد میں شمولیت کی تڑپ موجود ہے اور ہر انسان کو اس کی نیت اور دلی ارادہ کے مطابق اجر دیا جائے گا۔

اللہ کے ہاں کمزور لوگوں کی اہمیت اور قدر و قیمت

گویا ایک نابینا صحابی کی دلداری کے لئے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ بڑھا دیئے یہاں سے مقام صحابہ بھی ظاہر ہوا اور یہ بھی کہ کئی کمزور لوگ اللہ کے ہاں بہت قوی ہوتے ہیں۔

یہی وہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ہیں، جو ایک بار نبی اکرم ﷺ کے پاس اس وقت حاضر ہوئے جب قریش کے بعض سردار بیٹھے تھے اور آپ ان کو دعوت اسلام دے رہے تھے۔ حضرت عبداللہ کو پتہ نہ چلا اور انہوں نے آتے ہی رسول اللہ ﷺ سے کچھ پوچھنا شروع کر دیا، حضور ﷺ کے چہرے پہ ملال کے آثار نمودار ہوئے اور آپ کے قلب مبارک میں خیال ہی آیا کہ آپ حضرت عبداللہ کو محفل سے ہٹائیں تا کہ آپ ان لوگوں کو دعوت اسلام دے سکیں تو فوراً وحی نازل ہوئی اور سورہ عبس کی ابتدائی آیات میں آپ سے کہا گیا کہ آپ اس کو کیوں اٹھائیں گے یہ تو حصول تزکیہ کا متمنی ہے اور آپ ان لوگوں کی طرف متوجہ نہ رہیں جو دین سے بے نیازی برتتے ہیں، بلکہ اس نابینا شخص کی طرف توجہ فرمائیں۔ تب رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی طرف خصوصی توجہ فرمایا کرتے تھے، انہیں آتا دیکھ کر آپ فرماتے، اس شخص کو مرحبا جس کی وجہ سے اللہ نے مجھے تنبیہ فرمائی، مزید تفصیل سورہ عبس کے تحت آئے گی، انشاء اللہ۔

جو شخص تمنا کے باوجود نیکی نہ کر سکے اسے نیکی کا پورا اجر دیا جاتا ہے

معلوم ہوا جب کوئی شخص خواہش کے باوجود بامرِ مجبوری نیکی نہ کر سکے تو اسے نیکی مل جاتی ہے، اس لئے غَيْرُ أُولِي

الضَّرَرِ کے الفاظ بڑھائے گئے اور بتایا گیا کہ اگر کسی ضرر کے سبب کوئی شخص جہاد سے رہ جائے تو اس کا درجہ جہاد کرنیوالوں سے کم نہیں ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے ''جب بندہ بیمار ہو جاتا ہے تو اللہ فرماتا ہے اے فرشتو! میرے بندے کے لئے وہی عمل لکھتے رہو جو وہ صحت میں کرتا تھا۔'' (موطا امام مالک)

[163] اللہ نے جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے والے صحابہ کو بلا عذر جہاد میں شامل نہ ہونے والوں پر فضیلت دی ہے مگر اللہ نے سب سے حسنیٰ یعنی جنت کا وعدہ فرمایا ہے خواہ کوئی جہاد میں جائے یا نہ کیونکہ جہاد فرض کفایہ ہے۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جنتی اور ساری امت سے افضل ہونا

یہ آیت خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے ہے کہ ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے حُسْنٰی یعنی جنت کا وعدہ فرمالیا ہے۔ دوسری جگہ کہا گیا: لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ؕ یعنی ''اے صحابہ رضی اللہ عنہم تم میں سے جس نے فتح (مکہ) سے قبل راہ خدا میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا وہ دوسروں کے برابر نہیں ہے ایسے لوگ درجے میں ان لوگوں سے عظیم تر ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا اور جہاد میں شامل ہوئے اور اللہ نے سب سے حسنیٰ (جنت) کا وعدہ فرمالیا ہے۔'' (حدید،۱۰)

اور حُسْنٰی کو قرآن میں جنت سے تعبیر کیا گیا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓی ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ یعنی ''جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے حسنیٰ (جنت) کا وعدہ ہو چکا ہے وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔'' (انبیاء،۱۰۱)

یہاں سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جنتی ہونا معلوم ہوا اور یہ کہ ان کی جانی و مالی قربانیاں اللہ کے حضور قبول ہو چکی ہیں، لہٰذا کسی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا کہنا اپنی عاقبت برباد کرنا ہے خواہ وہ حضرت امیر معاویہ، ابوسفیان، عمرو بن العاص، حضرت وحشی یا کوئی اور صحابی ہوں رضی اللہ عنہم۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لو انفق احدکم مثل احد ذهبا ما بلغ مد احدهم ولا نصیفه، ''اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو میرے کسی صحابی کے ایک مُد (قریباً چار سیر) یا نصف مد جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہو سکتا۔'' (بخاری کتاب الفضائل باب ۵، مسلم کتاب الفضائل حدیث ۲۲۱) اور کتب شیعہ میں بھی امام جعفر صادق کی روایت سے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔

اور ملا فتح اللہ کاشانی شیعہ نے اس کا ترجمہ فارسی میں ان الفاظ میں کیا ہے: حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درحق ایشان فرمود اگر انفاق کند یکے از شما مثل کوہ احد طلا رانرسد بمرتبہ انفاق مد یکے از سابقان مہاجر وانصار ونہ نصف آن، ''اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ مہاجرین وانصار صحابہ میں سے سابقون اولون کے ایک مد یا نصف مد

غلہ خرچ کرنے کے برابر نہیں ہو سکتا۔'' (تفسیر منہج الصادقین سورہ حدید زیر آیت لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ)

[164] یعنی جہاد اگرچہ فرض کفایہ ہے مگر اللہ رب العزت نے مجاہدین کے لئے جو درجات عظیم رکھے ہیں انہیں دیکھ کر ہر مسلمان کو جہاد میں شامل ہونا چاہئے۔ ضروری نہیں کہ ہر آدمی بندوق اٹھائے، بلکہ ہر مسلمان جہاد کے لئے جو کر سکتا ہے اسے کرنا چاہئے۔ مجاہدین کے اسلحہ کے لئے مال مہیا کرنا بھی جہاد میں شمولیت ہے اور آج امت مسلمہ پر فلسطین، کشمیر، افغانستان اور عراق میں کفار جس قدر ظلم کر رہے ہیں اس کا علاج صرف جہاد ہے۔ اگر حضور سید عالم ﷺ جہاد نہ کرتے تو کفار کی دہشت گردی دینِ اسلام کا گلا گھونٹ دیتی۔ آپ نے جہاد ہی کے ذریعے طاغوتی طاقتوں کا مقابلہ کیا اور انہیں شکست دے کر اسلام کو غالب کیا۔

اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے عظیم جنتی درجات

پھر حضور ﷺ نے اپنی امت کو جہاد کے عظیم فضائل و درجات بتائے اور اس آیت کی وضاحت فرمائی

چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو اللہ کے رب ہونے اسلام کے دین ہونے اور محمد (ﷺ) کے رسول ہونے پر راضی ہوا اس کے لئے جنت واجب ہو گئی، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو اس پر بہت تعجب ہوا، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ بات پھر دوہرائیں۔ آپ ﷺ نے اسے دوہرایا اور فرمایا ایک چیز اور بھی ہے جس کے ذریعے اللہ اپنے بندے کو جنت میں سو درجات عطا فرماتا ہے ان میں سے ہر دو درجات کے درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ ہے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد۔ (مسلم کتاب الامارہ حدیث ۱۱۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، نماز قائم کرے، زکوٰۃ دے، روزۂ رمضان رکھے اور حج ادا کرے اللہ کا حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے خواہ وہ راہ خدا میں جہاد کرے یا اپنے علاقہ میں بیٹھا رہے جس میں وہ پیدا ہوا صحابہ نے عرض کیا: کیا ہم لوگوں کو اس بات کی بشارت نہ دیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: مگر یاد رکھو مجاہدین کے لئے اللہ نے سو درجات رکھے ہیں جن میں سے ہر دو درجات میں زمین و آسمان کا فاصلہ ہے۔''

(بخاری کتاب الجہاد باب ۴، نسائی کتاب الجہاد باب ۱۸)

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ
بے شک جن لوگوں کی فرشتے اس حالت میں جان لیتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں
قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ
تو فرشتے ان سے کہتے ہیں تم کس حالت میں تھے؟ وہ کہتے ہیں ہم زمین میں مجبور تھے۔ [165] فرشتے کہتے ہیں
وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ
کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی، کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ [166] تو ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ
مَصِيْرًا ۙ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا
برا انجام ہے۔ [167] سوا ان کے جو حقیقتاً مجبور ہوں مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے جو (ہجرت کی) کوئی تدبیر
يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۙ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ
نہیں کر سکتے اور نہ کوئی راہ پاتے ہیں۔ تو یہ وہ لوگ ہیں کہ قریب ہے اللہ انہیں
يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾
معاف فرمائے اور اللہ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔ [168]

ہجرت کے واجب ہونے کے بعد اس میں غفلت کرنے والوں کا انجام

[165] اس سے قبل جہاد کی فرضیت بتائی گئی اب ہجرت کی فرضیت بتائی جا رہی ہے کیونکہ دونوں کا مفہوم اللہ کی راہ میں نکلنا اور جان و مال کی قربانی دینا ہے۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کچھ مسلمان (مکہ میں) مشرکین کے ساتھ رہتے تھے وہ جنگوں میں مشرکین کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آ جاتے تھے وہ لڑتے نہ تھے صرف فوج مشرکین کی تعداد بڑھاتے تھے تو انہیں بھی مسلمانوں کے تیر آ لگتے یا وہ ان کی تلواروں کی زد میں آ کر مارے جاتے ان کے بارہ میں یہ آیتِ مبارکہ اتری: اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ الخ
(بخاری کتاب التفسیر سورہ النساء، باب ۱۹)

ابن زید نے روایت کیا کہ مکہ میں کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے اگر ہمیں کفار کا ڈر نہ ہو تو ہم ضرور اسلام لے

آئیں ہمارا دل کہتا ہے کہ اللہ ایک ہے اور آپ اس کے رسول ہیں۔ یہ لوگ ایسی ہی باتیں کہتے رہے اور ہجرت نہ کی۔ جب بدر کا موقع آیا تو مشرکین نے کہا جو شخص ہمارے ساتھ جنگ پر نہ گیا ہم اس کا گھر گرا دیں گے اور اسکا مال لوٹ لیں گے۔ تو یہ لوگ بھی مشرکین کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں نکل آئے، پھر ان میں سے کچھ قتل ہو گئے اور کچھ گرفتار، تو جو قتل ہو گئے ان کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۔ الخ
(جامع البیان للطبری جلد ۴ صفحہ ۲۳۷)

تو آیت کا مفہوم یہ ہے کہ بعض لوگوں کو اس حالت میں موت آتی ہے کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں یعنی ہجرت واجب ہونے کے بعد وہ ہجرت نہیں کرتے حالانکہ انہیں کوئی عذر نہیں ہوتا بلکہ وہ کفار کے ساتھی بنے رہتے ہیں۔

[166] تو موت کے وقت فرشتے ان سے پوچھتے ہیں تم نے ہجرت کیوں نہ کی وہ کہتے ہیں ہم مجبور تھے یعنی جھوٹا عذر (Excuse) کرتے ہیں، فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی تم نے وہ شہر یا علاقہ چھوڑ کیوں نہ دیا جہاں تم کو کفار کا ساتھ دینا پڑتا تھا اور تمہیں وہاں دین پر عمل کرنے کی اجازت نہ تھی۔ معلوم ہوا تمہیں دین سے بڑھ کر اپنے وطن، خاندان اور مال دنیا سے محبت تھی، اس لیے تم نے ہجرت نہ کی۔

[167] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے مکار حیلہ ساز ایمان فروشوں کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے گویا جو مدعی اسلام شخص محض اسباب دنیا کے لئے کفار کا ساتھ دے اور مسلمانوں سے لڑے وہ کافروں میں شمار ہے اس کا ایمان ضائع ہو گیا یہ مقام دور حاضر کے نام نہاد مسلم حکمرانوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہے جو دشمنانِ اسلام کا آلۂ کار بن کر مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں کر رہے ہیں۔

جہاں مسلمان اپنے دین پر عمل نہ کر سکیں وہاں سے ہجرت واجب ہے

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً کہہ کر مسلمانوں کو اس علاقہ سے ہجرت کا سختی سے حکم دیا گیا ہے جہاں وہ اپنے دین پر عمل نہ کر سکیں تاہم آج عملاً دنیا میں ایسی کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ اللہ کے ہاں جھوٹے عذر بہانے نہیں چلتے، وجوبِ ہجرت کے بعد ہجرت نہ کرنے والوں نے اپنی مجبوری کا جھوٹا بہانہ پیش کیا جو فرشتوں نے رد کر دیا۔ اسی طرح آج کئی لوگ نماز روزہ حج زکوٰۃ اور دیگر دینی فرائض سے بھاگنے کے لئے جھوٹے بہانے تراشتے ہیں مگر یہ عذابِ الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

وطن، جائیداد اور خاندان ہر چیز سے عزیز تر چیز دین ہے

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں دین پہ عمل نہ ہو سکے وہاں سے دین کو بچا کر لیجانے کے لئے اپنے وطن، خاندان جائیداد اور تمام اسباب دنیا کی قربانی دینا ضروری ہے۔ بلکہ دین کے لیے جان کی قربانی بھی دینا پڑے تو زہے

نصیب۔تاہم آج کا ماحول ایسا ہے کہ ہر ملک کے لوگ اپنی حدود میں بلا ویزہ رہ سکتے ہیں۔اگر وہ اپنے ملک کی سرحد سے بلاویزہ باہر نکلیں تو انہیں پکڑ لیا جائے گا۔اس صورت میں ان کا حکم انہی مسلمانوں جیسا ہے جو مکہ مکرمہ میں تھے اور ہجرت نہیں کر سکتے تھے،یعنی ان پہ ہجرت نہ کرنے کا کچھ گناہ نہیں ہے، بلکہ کفار کی سختیاں سہنے پر ان کے لیے اجر عظیم ہے۔البتہ دوسرے مسلمانوں پہ ضروری ہے کہ ان کی مدد کے لیے جہاد کریں، جیسا کہ پیچھے اسی سورت کی آیت نمبر ۷۵ میں گزر چکا ہے۔

[168] ہاں جو لوگ جسمانی طور پر معذور ہیں کہ ہجرت کر ہی نہیں سکتے مثلاً کوئی ستر سالہ بوڑھا ہے کہ نہ سواری پر بیٹھ سکتا ہے نہ کفار کی نظر سے بچ کر بھاگ سکتا ہے، یا ایسے ہی عورتیں اور بچے ہیں کہ وہ کفار کے نرغے سے نکل کر ہجرت نہیں کر سکتے اگر ایسے لوگ ہجرت نہ کر سکیں اور کفار ہی میں رہ کر اپنے ایمان پر استقامت رکھیں تو قریب ہے ایسے لوگوں کو اللہ معاف کر دے۔ایسا اس لئے کہا گیا تا کہ وہ محتاط رہیں کہیں معمولی عذر کے سبب ہجرت سے کنارہ کش ہو کر خدائی پکڑ میں نہ آ جائیں۔

ایسے مجبور و مقہور مسلمانوں کی مدد کے لئے دوسرے مسلمانوں پر جہاد فرض ہے جیسے پیچھے یہ آیت گزری: وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿٧٥﴾ ''ور تمہیں کیا عذر ہے کہ اللہ کی راہ میں ان مظلوم مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے جہاد نہیں کرتے ہو جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں اس علاقہ سے نجات دے جہاں کے لوگ ظالم ہیں اور ہمیں اپنی طرف سے کوئی حمایتی اور مددگار عطا فرما۔'' (نساء، ۷۵) آج یہ آیت دنیا بھر کے مسلمانوں کو کشمیر، فلسطین، عراق اور افغانستان کے مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لئے پکار رہی ہے۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ

اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے وہ زمین میں بہت سی پناہ اور گنجائش پائے گا۔ [169]

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ

اور جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کرنے کو نکلتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھر اسے (راستہ میں) موت آ جاتی ہے

فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٠﴾ ع

تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ آ گیا۔اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔[170]

ع ۱۴

[169] مُراغَم باب مفاعلہ کا اسم ظرف ہے یعنی وہ جگہ جہاں انسان دشمن کی زد سے بچ جائے اور دشمن ناکام و رسوا

ہو کر رہ جائے۔ یعنی جو شخص راہ خدا میں ہجرت کرے اللہ اسے اپنی زمین میں جائے پناہ بھی دیتا ہے اور وسعت رزق بھی۔ چنانچہ جب صحابہ ہجرت کر کے حبشہ گئے تو انہیں پناہ بھی ملی رزق بھی ملا پھر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو پہلے سے زیادہ آسودہ حال ہو گئے۔ قیام پاکستان کے وقت ۱۹۴۷ء میں جو لوگ بھارت سے ہجرت کر کے پاکستان آئے وہ پہلے سے زیادہ خوشحال ہو گئے، پھر ماضی قریب میں جب روس نے افغانستان پر حملہ کیا تو لوگ اپنا ایمان اور اپنی جان بچانے کے لئے افغانستان سے پاکستان آ گئے تو بڑی تجارتوں کے مالک بن گئے۔

ہجرت کا ثواب قرآن وحدیث کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ ''جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی بعد ازاں کہ ان پہ ظلم کیا گیا، تو ہم ضرور انہیں دنیا میں بھلائی دیں گے اور آخرت کا اجر بہت بڑا ہے اگر وہ جانیں۔'' (نحل، ۴۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قریب ہے کہ ایسا وقت آئے جب ایک مسلمان کا سب سے اچھا مال اس کی بکریاں ہوں جنہیں وہ لے کر پہاڑ کی چوٹی پہ چڑھ جائے، تا کہ وہ اپنا دین فتنے سے بچا سکے۔'' (ابوداود کتاب الفتن باب ۴)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اسلام اپنے سے قبل والے گناہ مٹا دیتا ہے اور ہجرت اپنے سے ماقبل والے سارے گناہ مٹا دیتی ہے اور حج اپنے سے ماقبل والے سارے گناہوں کو گرا دیتا ہے۔'' (مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۹۲)

ثعلبی نے امام حسین رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اپنا دین لے کر ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف بھاگا خواہ وہ ایک بالشت کے لیے ہو اس کے لیے جنت واجب ہو گئی اور اس کے دادا ابراہیم علیہ السلام اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے لیے شفیع ہوں گے۔''

(مظہری جلد ۳ صفحہ ۱۳۵)

ہجرت کی راہ میں موت آنے کی مثال ہمارے زمانہ میں یہ ہے کہ آج دنیا بھر میں مسلمانوں پہ ظلم وستم کا بازار گرم ہے، وہ ہجرت کرنے پہ مجبور ہیں۔ فلسطین، افغانستان اور کشمیر کے مہاجرین کیمپوں میں جانوروں کی سی زندگی گزارنے پہ مجبور ہیں، ان میں سے ہزاروں لوگ مختلف بیماریوں کا شکار ہو کر اور سردی سے ٹھٹھر کر مر جاتے ہیں۔ یہ سب لوگ ہجرت کی راہ میں مرنے والے ہیں اور اللہ کے ہاں ان کا عظیم اجر ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ ہجرت کی طرح جو شخص بھی کسی ایسی راہ پہ نکلا جس میں دین کی سربلندی مقصود ہے اور اس راہ میں اسے موت آ گئی تو اس کا حال بھی اللہ کے ہاں راہ ہجرت میں مرنے والے کی طرح ہے، یعنی اسے بھی تا قیامت اسی نیکی کا

ثواب ملتا رہے گا جس نیکی میں اسے موت آئی۔آگے ہم اس کو حدیث کی روشنی میں واضح کر رہے ہیں۔
اس کی مثال یہ ہے کہ جو شخص علم دین کی طلب میں گھر سے نکلا پھر اسے اس راہ میں موت آگئی تو وہ گویا اللہ کی راہ میں مرنے والا ہے۔اس کی مثال یہ ہے کہ برصغیر پاک وہند میں مختلف علاقوں کے لوگ حصول علم دین کے لیے نکلتے ہیں اور کسی دینی مدرسہ میں داخل ہو کر چھ سات برس میں علوم اسلامیہ کی تکمیل کرتے ہیں، ایسے میں ان میں سے کئی کو اس راہ میں موت آجاتی ہے یہ لوگ بھی اللہ کی راہ میں مہاجر ہیں اور ان کی موت بھی راہ ہجرت میں واقع ہوئی۔
[170] یعنی ہجرت کے راستہ پر موت بھی آجائے تو وہ شہادت کی موت ہے کہ اللہ کی راہ میں آئی ہے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کا شان نزول یہ بتاتے ہیں کہ حضرت ضمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے اس طرح ہجرت کی کہ گھر والوں سے کہا مجھے اونٹ پر بٹھا کر اسے شہر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ کی طرف چلا دو تو ایسے ہی کیا گیا مگر راستہ میں ان کی موت واقع ہوگئی تب یہ آیت اتری: وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا ۔الخ (ابن ابی حاتم) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص ہجرت کے لیے نکلے پھر اسے راستہ ہی میں موت آجائے اور وہ منزل پہ نہ پہنچ سکے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے آگیا۔

نیکی کے راستہ میں مرجانے والے کو تا قیامت اس نیکی کا ثواب ملتا رہتا ہے

فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ کے تحت محدثین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو شخص حج کے لئے نکلے اور راستے میں مرجائے اللہ اس کے لئے تا قیامت حج کا ثواب لکھتا رہتا ہے جو عمرے کے لئے نکلے اور مرجائے اس کے لئے تا قیامت عمرہ اور جو جہاد کے لئے نکلے اس کے لئے تا قیامت جہاد کا ثواب لکھا جاتا رہتا ہے۔" (ابویعلی، بیہقی فی شعب الایمان) اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیثِ طیبہ کے مطابق جو شخص جس حالت میں مرے اسے اسی حالت میں اٹھایا جائے گا۔

نیکی کی راہ میں موت شہادت کی موت ہے

فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ کے تحت امام ابن کثیر نے طبرانی سے یہ روایت لی ہے کہ حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "جو شخص تلاش رزق (حلال) میں نکلا اور مرگیا یا مار دیا گیا یا اسے جانور نے گرا کر یا کسی موذی چیز نے ڈس کر مار دیا یا وہ بستر ہی پہ مرگیا وہ شہید ہے۔" (تفسیر ابن کثیر جلد اول صفحہ ۵۵۷)

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ نماز میں

الصَّلٰوةِ ۖۗ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا

قصر کرو۔ [171] اگر تمہیں ڈر ہو کہ تمہیں وہ لوگ فتنہ میں ڈالیں گے جنہوں نے کفر کیا۔ بے شک کفار تو

لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾

ہیں ہی تمہارے کھلے دشمن۔[172]

نمازِ مسافر، نمازِ خوف اور دیگر احکام نماز کا بیان

[171] اس سے قبل جہاد اور ہجرت کی فرضیت بتائی جارہی تھی اور ان دونوں میں سفر کرنا پڑتا ہے تو ضروری تھا کہ سفر کی نماز کا طریقہ بتایا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تاجروں کی ایک جماعت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سفر میں نماز کا طریقہ پوچھا تو یہ آیت اتری: وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ۔ (ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۲۴۵) معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو! جب تم سفر پہ نکلو تو نماز میں قصر کرنے کے سبب تم پر کوئی گناہ نہیں، قصر کا معنی کسی چیز کو کاٹ کر چھوٹا کر دینا ہے جیسے احرام کھولنے کے لئے بال چھوٹے کروانے کو قصر کہتے ہیں۔ تو سفر میں نماز کی قصر یہ ہے کہ ظہر عصر اور عشاء کی چار فرض رکعات کی جگہ دو رکعات پڑھی جائیں۔ البتہ فجر کی دو اور مغرب کی تین رکعات میں قصر نہ کئے جانے پر ساری امت متفق ہے۔ امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک مسافر کو قصر کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے اس بارہ میں دو اقوال ہیں ایک میں اختیار ہے ایک میں نہیں۔

سفر میں نماز کے قصر کے وجوب پر دلائل

جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مسافر پر نماز کی قصر واجب ہے مکمل پڑھنا جائز نہیں ہے اور یہ مسلک حدیث کے مطابق قوی تر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پہلے سفر و حضر دونوں حالتوں میں (پانچوں نمازوں میں) دو دو رکعات ہی فرض کی گئیں بعد میں حضر کی نماز بڑھا دی گئی (ظہر و عصر و عشاء کے فرض چار اور مغرب کے تین کر دیئے گئے) اور فجر کی نماز دو رکعت ہی رکھی گئی۔ (بخاری کتاب الصلوۃ باب ۶، مسلم کتاب صلوۃ المسافرین حدیث ۱) گویا سفر میں فرض ہی دو رکعات ہیں تو زائد پڑھنے کا محل ہی نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سفر میں دو رکعات کے ساتھ نماز ظہر پڑھائی پھر دیکھا کہ کچھ لوگ کھڑے ہو کر نماز

پوری کر رہے ہیں آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کئے آپ نے کبھی دو رکعات سے زیادہ نہ پڑھی پھر میں ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے ساتھ سفر کرتا رہا وہ بھی دو رکعات سے زائد نماز ادا نہیں کرتے تھے اور اللہ فرماتا ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (احزاب، ۲۱) (مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین حدیث ۸)

سفر میں قصر صلوٰۃ کے چند احکام

یاد رہے مسافر جب اپنے شہر کی آبادی سے نکل جائے تو قصر شروع کر دے اور جب اپنے شہر کی آبادی میں واپس داخل ہو تو قصر چھوڑ دے۔ وہ سفر کم از کم ۵۸ میل یا قریباً سو کلومیٹر ہونا چاہئے۔ خواہ یہ سفر پیدل ہو یا کار پر یا ہوائی جہاز میں۔

مسافر جب کسی شہر میں پندرہ یا اس سے زائد دن ٹھہرنے کا ارادہ کر لے تو وہ وہاں مقیم متصور ہے لہٰذا پوری نماز پڑھے قصر جائز نہیں۔ اگر پندرہ دن سے کم رہنے کا ارادہ ہو تو قصر کرے البتہ اگر وہاں مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھے تو پوری پڑھے۔ سفر میں حتیٰ الوسع مؤکدہ سنتیں نہیں چھوڑنی چاہیں یہی سنت رسول ﷺ ہے ہاں اگر جلدی ہو جیسے بس، ٹرین یا فلائٹ جا رہی ہے تو انہیں چھوڑا جا سکتا ہے۔

[172] یعنی اگر تمہیں ڈر ہو کہ سفر میں چار رکعات پر مشتمل لمبی نماز پڑھنے کے دوران کفار تم پر حملہ کر دیں گے تو تم نماز میں قصر کر لو چار کی جگہ دو پڑھ لو۔ یہ اس لئے فرمایا کہ اس آیت کے نزول کے وقت کفار سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جنگیں ہو رہی تھیں اور عموماً حضور ﷺ صحابہ کے ساتھ جنگ ہی کے لئے سفر پر نکلتے تھے اور سفر میں نماز بہر حال با جماعت پڑھی جاتی تھی ایسے میں ڈر رہتا تھا کہ کفار دوران نماز کہیں حملہ نہ کر دیں تو چار رکعات والی نمازوں میں قصر کر دی گئی بعد میں وہ ماحول نہ رہا مگر سفر میں نماز میں قصر کا حکم بہر حال باقی رکھا گیا۔

حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ (یعنی اگر تمہیں ڈر ہو کہ کفار تمہیں فتنہ میں ڈالیں گے تو نماز میں قصر کرو) کے الفاظ سے مجھے تعجب ہوا، میں نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ انہوں نے کہا مجھے بھی تعجب ہوا تھا میں نے حضور ﷺ سے پوچھا آپ نے فرمایا یہ قصر اللہ کا صدقہ ہے فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ تو اس کا صدقہ قبول کرو (یعنی یہ ضروری نہیں کہ کفار کے فتنہ کا خوف ہو تب ہی قصر کرو، بلکہ اس صدقہ قصر کو ہر حال میں قبول کرو۔
(مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین حدیث ۴)

اس سے نماز کی اہمیت معلوم ہوئی کہ وہ سفر میں بھی معاف نہیں

کئی بے نماز لوگ سفر میں نماز پر ناک بھویں چڑھاتے ہیں۔ یہ کافرانہ طرز عمل ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا گیا کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں یعنی کفار کی قومی پالیسی کبھی مسلمانوں کے حق میں نہیں ہو سکتی انفرادی دوستی الگ چیز ہے اس میں بھی احتیاط لازم ہے۔

وَاِذَا كُنۡتَ فِيۡهِمۡ فَاَقَمۡتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلۡتَقُمۡ طَآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ مَّعَكَ

اور (اے پیارے رسول ﷺ) جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں پھر آپ ہی انہیں نماز پڑھائیں تو چاہیے کہ ان میں سے ایک گروہ

وَلۡيَاۡخُذُوۡۤا اَسۡلِحَتَهُمۡ ۚ فَاِذَا سَجَدُوۡا فَلۡيَكُوۡنُوۡا مِنۡ وَّرَآئِكُمۡ ۖ

آپ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہو جائے اور وہ اپنا اسلحہ اٹھائے رہیں پھر جب وہ سجدہ کر لیں تو وہ تم سے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ

وَلۡتَاۡتِ طَآئِفَةٌ اُخۡرٰى لَمۡ يُصَلُّوۡا فَلۡيُصَلُّوۡا مَعَكَ وَلۡيَاۡخُذُوۡا

(نماز پڑھنے کو) آجائے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تو وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اور وہ اپنی حفاظت

حِذۡرَهُمۡ وَاَسۡلِحَتَهُمۡ ۚ وَدَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ تَغۡفُلُوۡنَ عَنۡ اَسۡلِحَتِكُمۡ

اور اسلحہ پکڑے رکھیں۔ [173] کفار تو یہی چاہتے ہیں کہ کاش تم اپنے اسلحہ

وَاَمۡتِعَتِكُمۡ فَيَمِيۡلُوۡنَ عَلَيۡكُمۡ مَّيۡلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ اِنۡ

اور اسباب جنگ سے غافل ہو تو وہ تم پر یک بارگی حملہ کر دیں۔ [174] اور تم پر کوئی گناہ نہیں اگر

كَانَ بِكُمۡ اَذًى مِّنۡ مَّطَرٍ اَوۡ كُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤى اَنۡ تَضَعُوۡۤا اَسۡلِحَتَكُمۡ ۚ

تمہیں تکلیف ہو بارش کی وجہ سے یا تم مریض ہو کہ اپنا اسلحہ جسم سے اتار رکھو

وَخُذُوۡا حِذۡرَكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا مُّهِيۡنًا ﴿۱۰۲﴾

اور اپنی حفاظت پوری رکھو۔ بے شک اللہ نے کافروں کے لیے ذلت والا عذاب تیار کیا ہے۔ [175]

[173] ایک بار حضور سید عالم ﷺ نے سفر میں نماز ظہر پڑھائی کفار نے نماز میں ان پر حملہ کرنا چاہا مگر نہ کر سکے پھر وہ اگلی نماز کا انتظار کرنے لگے تب عصر سے قبل جبریل امین علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے: وَاِذَا كُنۡتَ فِيۡهِمۡ فَاَقَمۡتَ۔ الخ اور بتایا کہ دشمن سے خوف کی حالت میں نماز کیسے پڑھی جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ ایک رکعت پڑھی پھر وہ کفار کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور جو لوگ وہاں کھڑے تھے انہوں نے آکر حضور ﷺ کے پیچھے دوسری رکعت پڑھی۔ (بعد میں دونوں گروہوں نے اپنی اپنی ایک رکعت پڑھ کر نماز مکمل کی) (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ۱۸۵)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب ﷺ جب آپ لشکر اسلامی میں موجود ہوں تو انہیں حالت خوف میں یوں نماز پڑھائیں کہ ایک گروہ دشمن کے مقابلہ میں کھڑا ہو جائے دوسرا گروہ آپ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہو جائے اور وہ نماز میں اسلحہ زیب تن رکھیں، پھر وہ سجدہ کر کے چلے جائیں اور دوسرا گروہ آ جائے جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی اور وہ آپ کے پیچھے دوسری رکعت پڑھیں۔ وہ بھی دوران نماز اسلحہ پہنے رکھیں اور اپنی حفاظت سے غافل نہ ہوں، بعد میں دونوں گروہ اپنی اپنی نماز پوری کر لیں۔

لیکن اگر چار رکعت والی نماز ہو تو پہلا گروہ امام کے ساتھ پہلی دو رکعات پڑھے اور دوسرا گروہ دوسری دو رکعات، بعد میں ہر گروہ علیحدہ اپنی نماز مکمل کرے۔

مگر یہ اس وقت ہے جب سارا لشکر ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتا ہو جیسے صحابہ کرام حضور ﷺ کی موجودگی میں کسی دوسرے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کو تیار نہ تھے۔ اور مروی ہے کہ جنگ کابل میں عبدالرحمان بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے، جنگ طبرستان میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے اور جنگ ہریر میں مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح صلوٰۃ الخوف پڑھائی کہ ایک گروہ کو ایک رکعت پڑھائی اور دوسرے کو دوسری رکعت۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الخوف)

یونہی امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ نے میدان کربلا میں دس محرم کو کوفیوں سے نماز ظہر کے لیے وقفہ مانگا انہوں نے نہ دیا، تب آپ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز ظہر کو صلوٰۃ الخوف کے طریقہ پر پڑھا کہ ایک گروہ کو دو رکعات پڑھائیں اور دوسرے گروہ کو آخری دو رکعات۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۸۹ مطبوعہ دارالریان بیروت)

امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کے سجدے میں سر کٹانے کی تحقیق

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جو واعظین میں مشہور ہے کہ امام حسین نے دشمنوں کے نرغے میں نماز پڑھی، حتیٰ کہ انہوں نے سجدہ میں آپ کا سر کاٹ لیا، درست نہیں ہے اور نہ ہی یہ چیز کسی مستند حوالہ سے کہیں ثابت ہے۔ بلکہ مستند کتب تاریخ میں آپ کی شہادت کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ آپ بوقت شہادت دشمنوں کے نرغہ میں تھے، ایک موذی نے آپ کے دائیں کندے پر تلوار ماری، دوسرے نے بائیں پر اور آپ کا جسم مقدس جھولنے لگا۔ تب سنان نخعی یا شمر بن ذی الجوشن نے آپ کو نیزہ مارا جس نے آپ گر گئے اور شمر نے بڑھ کر آپ کا سر کاٹ لیا (انا للہ وانا الیہ راجعون)

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۸۹ مطبوعہ دارالریان، تاریخ طبری ۳ صفحہ ۳۳۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

مگر آپ کی فضیلت کے لیے یہی کیا کم ہے کہ آپ نے عین وقت شہادت سے پہلے نماز قائم کی اور اپنے نانا جان رحمت عالم ﷺ کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے اسے صلوٰۃ الخوف کے طریقہ پہ پڑھا اور آپ کی امت کو بتایا کہ اہل بیت رسول ﷺ یوں جان پہ کھیل کر نماز ادا کرتے ہیں۔

الغرض اگر ایسی صورت نہ ہو اور ہر گروہ الگ الگ امام کے پیچھے نماز پڑھنے پہ راضی ہو تو بہتر یہ ہے کہ ایک گروہ

ایک امام کے ساتھ مکمل نماز پڑھے اور دوسرا گروہ دوسرے امام کے ساتھ مکمل نماز، تا کہ نماز کے دوران آنا جانا اور جائے نماز سے ہٹنا نہ پڑے۔

اہمیتِ نماز

گویا جب جان کا خوف لاحق ہو تب بھی نماز معاف نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جہاد میں جان پر کھیل کر بھی نماز ترک نہ کی اسی لئے وہ ہر میدان سے کامیاب لوٹے۔ آج ہمارے فوجیوں میں سے کم ہی افراد کو حالت جنگ میں نماز کا خیال ہوتا ہے، تو پھر کامیابی کیا ملیگی؟۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔ ؎

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز
بندہ وصاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

آج ہمارے بہت سے فوجی جوان میدان جنگ میں نماز کی پابندی کرنے کی بجائے لہو ولعب میں منہمک ہوتے اور گانے سننے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہیں۔

نماز با جماعت کی اہمیت

یہ بھی پتہ چلا کہ نماز با جماعت کس قدر اہم ہے سخت خوف وخطر میں بھی اکیلے نماز پڑھنے کی بجائے با جماعت پڑھنے کا حکم ہوا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنگوں میں ایسا ہی کرتے تھے اور انہوں نے قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں الٹ کر رکھ دیں۔ آج ہماری اسلامی افواج میں یہ چیزیں نہیں ہیں اسی لئے اکثر مار کھا کر آتی ہیں جو خدا کے آگے جھکتا ہے اس کے آگے ساری خدائی جھک جاتی ہے۔ ؎

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

یہ بات مسلمانوں کو اچھی طرح ذہن نشیں کر لینی چاہیے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں جو راستہ عملاً چل کر دکھایا ہم اگر اس راستہ کو اپنائیں گے تو کامیابی ہماری ہے اور جب ہم اس راہ کو چھوڑیں گے تو ہمارے لیے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ ؎

دو جہاں میں مومنو مقصود گر آرام ہے ان کا دامن تھام لو جن کا محمد نام ہے

نماز میں عارضہ لاحق ہونے سے نماز نہیں ٹوٹتی

اس آیت میں حکم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے سامنے جا کھڑے ہوں اور دوسرا گروہ آ کر آپ کے پیچھے دوسری رکعت پڑھے پتہ چلا اگر نماز میں کوئی عارضہ آ جائے اور نمازی اسے دور کرنے کے لئے وہاں سے ہٹے تو اس سے نماز میں حرج نہیں آتا چنانچہ اگر نماز میں وضو ٹوٹ جائے تو نمازی کو چاہئے کہ جا کر وضوء

کرے اور اس کے بعد وہیں سے نماز شروع کرے جہاں وضو ٹوٹا تھا اور یوں نماز مکمل کرلے بشرطیکہ اس نے دوران وضوء کسی سے کلام یا کوئی خلاف نماز کام نہ کیا ہو، نماز خوف میں مجاہدین کے لئے بھی یہی حکم ہے۔

اسباب کا جمع کرنا خلاف توکل نہیں

صحابہ کا اللہ تعالیٰ پر مضبوط تر توکل تھا مگر انہیں نماز میں اسلحہ پہنے رکھنے کا حکم ہوا لہٰذا چاہئے کہ پہلے اسباب جمع کئے جائیں پھر ان پر توکل رکھنے کی بجائے اللہ پر بھروسہ رکھا جائے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو جہادی تیاری سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔ صحابہ کو ہر وقت کفار سے ہوشیار اور مسلح رہنے کی تاکید کی گئی۔ آج ہم نے شمشیر جہاد پھینک دی ہے اس لئے پٹتے جارہے ہیں۔

[174] یعنی کفار چاہتے ہیں کہ نماز میں تم پر حملہ کر کے تمہیں ختم کرڈالیں لہٰذا حالت خوف میں نماز میں اسلحہ زیب تن رکھو۔

[175] اور اگر بارش سے تیر وتلوار کا ترکش و نیام بھیگ جائے اور گیلے کپڑوں سے اسلحہ اٹھانا مشکل ہو تو اسلحہ اتار کر نماز پڑھ لو مگر اپنی حفاظت سے بے خبر نہ رہو۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ
تو جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کا ذکر کرو کھڑے بیٹھے اور پہلو پہ لیٹے ہوئے۔ [176]
فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
پھر جب تم حالت اطمینان میں ہو تو نماز کو (اس کے طریقہ پر) قائم رکھو بے شک نماز مومنوں پر فرض کی گئی ہے
كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾
مقرر وقت پر۔ [177]

[176] اے مجاہدو! نماز مکمل کرنے کے بعد اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے اللہ کا ذکر کرو یا اس کا یہ معنی ہے کہ ہر وقت اللہ کو یاد رکھو یہ نہ ہو کہ نماز کے بعد اللہ کو بھول کر برے کاموں میں لگ جاؤ۔

نماز کے فوراً بعد ذکر بالجہر کا جواز

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ میں فاء برائے تعقیب مع الوصل ہے یعنی نماز کے فوراً بعد اللہ کا ذکر کسی بھی صورت میں کیا جا سکتا ہے خواہ آہستہ یا بلند آواز سے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عھد النبی ﷺ، حضور سید عالم ﷺ کے

زمانہ میں فرض نماز سے سلام کہنے کے بعد لوگ بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔ (مسلم کتاب المساجد باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

[177] یعنی جب حالت خوف نہ رہے تو تم نماز کو اس کے عام طریقہ پر اس کی جملہ شرائط و فرائض کے ساتھ ادا کرو، اور ان میں سے یہ بھی ہے کہ ہر نماز کو اس کے وقت پر پڑھا جائے کیونکہ ہر نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا ہی فرض کیا گیا ہے۔

نماز پنجگانہ کے اوقات اور ضرورت حدیث

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ مبارکہ میں فرمایا: اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا. بیشک نماز مومنوں پہ مقرر وقت کے ساتھ فرض کی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے احادیث صحیحہ کثیرہ میں ہر نماز کا وقت مقرر فرمایا ہے۔ چنانچہ نماز فجر طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ہے، نماز ظہر وقت زوال کے بعد سے لیکر ہر چیز کا سایہ اس کی دو مثل ہونے تک ہے، نماز عصر دو مثل سایہ سے لیکر غروب آفتاب تک ہے، نماز مغرب غروب آفتاب سے لیکر شفق ابیض کے غروب تک ہے (شفق ابیض وہ سفیدی ہے جو افق میں سرخی کے بعد تھوڑی دیر کے لیے پیدا ہوتی ہے) اور نماز عشاء کا وقت شفق ابیض کے غروب سے لیکر ساری رات ہے تا آنکہ صبح صادق طلوع ہو جائے۔ اب یہ ساری تفصیل حدیث میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو صرف یہ فرمایا کہ ہر نماز مقرر وقت پہ فرض ہے، مگر اللہ نے اوقات نہیں بیان فرمائے۔ اب اگر حدیث کی ضرورت نہیں ہے صرف قرآن ہی کافی ہے تو بتایئے کہ کس نماز کو کس وقت میں پڑھا جائے؟ یہ قرآن سے حدیث کی مدد کے بغیر کیسے معلوم کیا جا سکتا ہے؟

ایک وقت میں دو نمازوں کا جمع کرنا جائز نہیں ہے

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا: اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا، بیشک نماز مومنوں پہ مقرر وقت کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔ اس سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے استدلال فرمایا کہ ہر نماز اپنے مقرر وقت ہی میں پڑھی جا سکتی ہے، نہ اس سے پہلے پڑھی جا سکتی ہے نہ اس کے بعد۔ جبکہ باقی ائمہ اس بات کو جائز سمجھتے ہیں کہ سفر کے دوران ظہر کے ساتھ ظہر کے وقت میں عصر پڑھی جائے اور مغرب کے ساتھ مغرب کے وقت میں عشاء، ان کا استدلال یہ ہے کہ حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ سفر میں اسی طرح کرتے تھے۔

جبکہ امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں ظہر کو اس کے آخری وقت میں اور عصر کو اس کے ابتدائی وقت میں پڑھ کر دونوں کو یوں ملاتے تھے، یعنی ایک ہی بار سفر میں پڑاؤ کرتے اور اس میں دونوں نمازیں پڑھ لیتے، ایسا ہی آپ مغرب و عشاء کو ملاتے تھے اور ایسا آپ اس لیے کرتے تھے تاکہ ہر نماز اپنے وقت میں ادا ہو جائے اور بار بار سفر کو روکنا بھی نہ پڑے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں میں نے حضور سید عالم ﷺ کے ساتھ آٹھ اور سات

رکعات کو جمع کر کے پڑھا ہے (آٹھ سے ظہر وعصر کی فرض رکعات مراد ہیں اور سات سے مغرب وعشاء کی فرض رکعات) راوی کہتا ہے میں نے کہا اے ابن عباس! کیا حضور ﷺ ظہر کو موخر اور عصر کو مقدم اسی طرح مغرب کو موخر اور عشاء کو مقدم کرتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں میں سمجھتا ہوں کہ ایسے ہی کرتے تھے۔ (مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین حدیث ۵۵)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں ظہر کو پیچھے اور عصر کو پہلے کرتے تھے اور مغرب کو پیچھے اور عشاء کو پہلے کرتے تھے۔ (طحاوی جلد ا صفحہ ۱۶۴ مطبوعہ بیروت)

معلوم ہوا حضور ﷺ سفر میں بھی ہر نماز کو اس کے وقت ہی میں پڑھتے تھے البتہ انہیں صورتاً جمع کر دیتے تھے نہ کہ حقیقتاً۔ یعنی دیکھنے میں وہ اکٹھی نظر آتی تھیں حقیقت میں وہ اپنے اپنے وقت ہی میں ہوتی تھیں۔

اہلِ تشیع کا ایک وقت میں دو نمازوں کو جمع کرنا اور اس کا رد

جبکہ اہل تشیع کا مسلک عجیب تر ہے، ان کے نزدیک ظہر اور عصر کا وقت مشترک ہے۔ اسی طرح مغرب اور عشاء کا وقت مشترک ہے، سفر وحضر میں ہر جگہ دونوں کو اکٹھا پڑھا جا سکتا ہے۔ مگر یہ مسلک قرآن کے صریحاً خلاف ہونے کے ساتھ ائمہ اہل بیت کے اقوال کے بھی صریحاً خلاف ہے۔ چند اقوال ملاحظہ ہوں:

یزید بن خلیفہ کہتا ہے میں نے امام جعفر صادق سے کہا عمر بن حنظلہ نے ہمیں آپ کا یہ قول پہنچایا ہے کہ ظہر کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے جیسا کہ اللہ فرماتا ہے: اقم الصلوٰة لدلوك الشمس، پھر تب تک اس کا وقت رہتا ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس کی قامت کے برابر ہو جائے، پھر جب سایہ قامت کے برابر ہو جائے عصر کا وقت داخل ہو جاتا ہے اور دو قامت کے برابر سایہ ہونے تک اس کا (غیر مکروہ) وقت رہتا ہے۔ امام جعفر نے فرمایا: وہ سچ کہتا ہے۔
(تہذیب الاحکام باب فی اوقات الصلوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۰ مطبوعہ تہران، وسائل الشیعہ جلد سوم صفحہ ۱۱۴ کتاب الصلوٰۃ)

امام جعفر نے فرمایا: ان اول وقت الظهر زوال الشمس وآخروقتها قامة من الزوال واول وقت العصر قامة وآخر وقتها قامتان، بیشک ظہر کا ابتدائی وقت زوال آفتاب ہے اور اس کا آخری وقت ہر شیء کی قامت (کے برابر سایہ کا ہونا) ہے اور عصر کا ابتدائی وقت قامت ہے اور آخری وقت دو قامتیں ہے۔ راوی کہتا ہے میں نے پوچھا کیا سردی وگرمی دونوں کا ایک ہی حکم ہے؟ فرمایا: ہاں۔
(فروع کافی جلد سوم کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۲۷۵، تہذیب الاحکام جلد ۲ صفحہ ۲۵۱ تذکرۃ فی المواقیت)

اب ''فروع کافی'' اور ''تہذیب الاحکام'' اہل تشیع کی بنیادی کتب حدیث ہیں، جیسے اہل سنت کے ہاں صحاح ستہ ہیں۔ ان میں امام جعفر صادق رحمہ اللہ واضح فرما رہے ہیں کہ ظہر کا وقت الگ ہے عصر کا الگ اور یہی حکم قرآن کے مطابق ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ یَاْلَمُوْنَ كَمَا

اور سستی نہ کرو کافروں کی تلاش میں، اگر تم (جنگ میں) تکلیف پاتے ہو تو وہ بھی تکلیف پاتے ہیں جیسے

تَاْلَمُوْنَ ۚ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا یَرْجُوْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا

تم پاتے ہو اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے جو وہ نہیں رکھتے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔ [178]

حَكِیْمًا ۠ؒ (۱۰۴) اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَاۤ

ع ۱۵ / ۱۲

بے شک ہم نے (اے پیارے رسول! ﷺ) آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری، تاکہ آپ لوگوں کے درمیان

اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآىٕنِیْنَ خَصِیْمًا ۙ (۱۰۵) وَّ اسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

فیصلہ کریں جیسے اللہ نے آپ کو دکھایا اور آپ خیانت کرنے والوں کے طرف دار نہ بنیں اور اللہ سے بخشش مانگیں بے شک اللہ

كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۚ (۱۰۶)

بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ [179]

[178] یعنی اے مسلمانو! کفار کے عزائم کا پیچھا کرنے میں سستی اور غفلت مت کرو تاکہ تمہارا خوف اور رعب ان پر قائم رہے کیونکہ وہ جب بھی موقع پائیں مسلمانوں کو ایذاء دینے سے باز نہیں آتے۔ آج کشمیر، فلسطین، عراق اور افغانستان میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ کفار کے ارادوں سے مسلمانوں کی غفلت کے باعث ہے آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مسلمانو! اگر جنگ میں تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو کیا کفار کو نہیں پہنچتی؟ پھر اللہ سے جو تم ثواب آخرت کی امید رکھتے ہو وہ وہ نہیں رکھتے، وہ صرف دنیا کے لئے لڑتے ہیں جب وہ دنیا کے لئے اس قدر تکالیف اٹھاتے ہیں تو تم آخرت کے بلند درجات کے لئے تکلیف کیوں نہیں اٹھا سکتے یہ جہاد کے لئے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہایت حکیمانہ ترغیب ہے۔

چوروں اور خائنوں کی حمایت نہ کرنے کی ہدایت

[179] اس سے قبل نماز کی بات ہو رہی تھی اب ان بعض برائیوں سے اجتناب کی بات ہو رہی ہے جن سے نماز روکتی ہے یا یہ کہ پہلے جہاد اور ہجرت کی فرضیت بتائی جا رہی تھی اب امانت، دیانت اور عدالت کا درس دیا جا رہا ہے۔ گویا پہلے مومنوں کا اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ہونا بتایا جا رہا تھا اب ان کا رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ ہونا بتایا جا رہا ہے۔

ان آیات کا شانِ نزول امام بغوی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا ہے کہ ایک منافق طعمہ بن اُبیرق

نے اپنے پڑوسی قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے گھر سے زرہ چوری کی، وہ زرہ آٹے کی بوری میں رکھی ہوئی تھی جب وہ بوری لے کر بھاگا تو آٹا راستے میں گرتا گیا۔ پہلے وہ زرہ کو اپنے گھر لے گیا، اس کے بعد اس نے وہ بوری ایک یہودی کے ہاں رکھوائی حضرت قتادہ نے آٹے کے نشانات سے طعمہ کو جا پکڑا اس نے جھوٹی قسم اٹھا کر انکار کر دیا کہ اسے زرہ کی کچھ خبر نہیں، اس کے بعد آٹے کے نشانات اس یہودی کے گھر تک جاتے تھے جب یہودی سے بات ہوئی تو اس نے کہا میرے پاس یہ بوری طعمہ بن بیرق نے امانت رکھی ہے۔ ادھر طعمہ کی قوم (جو اکثر منافقین تھے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا آپ ہماری طرف داری کریں ورنہ ہمارا ساتھی طعمہ رسوا ہو جائے گا تب یہ آیات اتریں جو اَمْ مَّنْ یَّكُوْنُ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا تک ہیں۔ (تفسیر بغوی جلد اول صفحہ ۵۹۳)

یعنی اس مقدمہ کے ظاہری دلائل طعمہ یہودی کے حق میں تھے کیونکہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی گواہ نہ تھا، طعمہ قسم اٹھا کر چوری سے صاف انکار کر رہا تھا اور آٹے کے نشانات یہودی کے گھر تک جاتے تھے لہٰذا اس سے قبل کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طعمہ کے حق میں فیصلہ کریں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما کر اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حقائق سے آگاہ فرمایا:

کیونکہ اللہ رب العزت کو منظور نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں کوئی ایسا فیصلہ صادر ہو جس میں کسی بے قصور کو مجرم اور مجرم کو بے قصور قرار دیا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے آپ کی طرف برحق کتاب اتاری ہے تاکہ آپ لوگوں میں اللہ کی ہدایت کے مطابق فیصلے فرمائیں اور خائن لوگوں کی حمایت سے دور رہیں اور آپ اللہ سے اپنی امت کے لئے بخشش مانگتے رہیں وہ غفور و رحیم ہے۔ چنانچہ ترمذی میں ہے کہ بعد میں وہ زرہ طعمہ کے گھر ہی سے برآمد ہوئی۔ اس نے صرف آٹے کی بوری یہودی کے گھر رکھی تھی اور زرہ اس سے نکال لی تھی اور اسنے ایسا اس لیے کیا تاکہ سارا الزام یہودی پر آئے، تب طعمہ مدینہ سے بھاگ گیا اور کفار مکہ سے جا ملا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جھوٹی قسمیں اٹھانا مسلمان کا کام نہیں یہ منافقوں کا کام ہے، منافقوں نے جھوٹی قسموں ہی کے ذریعہ سے اپنے آپ کو مسلمانوں کی صف میں داخل کر رکھا تھا۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ ① یعنی "جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں (اللہ کو گواہ بنا کر کہتے ہیں) کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹ کہتے ہیں۔" (منافقون، ۱)

مگر افسوس صد افسوس! آج ہم مسلمانوں کی اکثریت طعمہ بن اُبیرق منافق کا کردار اپنا چکی ہے۔ آج مسلمانوں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو اپنے حقیر دنیوی مقاصد کے لیے جھوٹی قسم اٹھانے سے باز نہیں آتے، بلکہ ہمارے ملک

پاکستان میں عدالتوں کے باہر کرائے کے گواہ میسر ہیں ان سے ریٹ طے کرلو اور جس طرح کی جھوٹی گواہی چاہیے ان سے حاصل کرلو، یعنی جھوٹی قسم اٹھانا ان کا کاروبار ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ

اور آپ ان لوگوں کی طرف سے جھگڑا نہ کریں جو اپنے آپ سے خیانت کرتے ہیں بے شک اللہ کسی خیانتی گناہگار کو

كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۚ ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ

پسند نہیں رکھتا۔ [180] یہ منافقین لوگوں سے چھپتے ہیں اور اللہ سے حیا نہیں رکھتے حالانکہ وہ

مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ

ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ خفیہ بات بناتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اسے

مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَاۤءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۟ فَمَنْ

گھیرے ہوئے ہے۔ [181] یہ تم ہو جو ان کی طرف سے جھگڑتے ہو دنیا کی زندگی میں۔ تو اللہ کے سامنے

يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾

ان کی طرف سے روزِ قیامت کون جھگڑے گا یا کون ان کا وکیل ہوگا۔ [182]

[180] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! آپ ان منافقین کی حمایت نہ کریں جو خود سے خیانت کرتے ہیں یعنی کسی سے خیانت کرنے والا اصل میں خود کو عذاب میں ڈال کر اپنی ذات سے خیانت کرتا ہے اور اللہ ایسے خیانتی لوگوں کو ہرگز پسند نہیں رکھتا۔

[181] یعنی خیانتی لوگ دوسرے لوگوں سے چھپ کر کام کرتے ہیں مگر انہیں اللہ سے حیا نہیں آتا جو ان کی ناپسندیدہ خفیہ منصوبہ بندی کے وقت ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ منافق طعمہ بن بیرق اور اس کے خاندان کے کردار کی طرف اشارہ ہے انہوں نے خفیہ منصوبہ بندی کی کہ طعمہ کو چوری کے الزام سے بچانے کے لئے اگر انہیں جھوٹی قسم اٹھانا پڑی تو اٹھائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے حق میں جھوٹی قسم اٹھائی کہ انہوں نے آج تک طعمہ کے کردار میں ایسی کوئی حرکت نہیں دیکھی حالانکہ اللہ کو ہر چیز کا پورا علم ہے کہ کون کس کردار کا مالک ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ اپنے خاندان کے آدمی کی بے جا حمایت کرنا خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا مسلمانوں کا شیوہ نہیں یہ

منافقین کا طریقہ ہے۔ آج اگر ہمارے خاندان کا کوئی شخص الیکشن پہ کھڑا ہو تو سارا خاندان اسی کو ووٹ ڈالے گا، خواہ وہ ڈاکو ہو، چور ہو، لٹیرا ہو، کچھ بھی ہو اور اس کے مقابلہ میں جو شخص کھڑا ہے ہم اسے ہرانے بلکہ راستہ سے ہٹانے کے لیے ہر حربہ اپناتے ہیں خواہ وہ کس قدر صالح ہو متقی ہو، اور تعلیم یافتہ ہو، بتائیے پھر ہمارے کردار اور طعمہ بن ابیرق منافق کے منافقین رشتہ داروں میں کیا فرق ہے۔

[182] یعنی اے وہ لوگو! جو خیانتی اور مجرم لوگوں کی طرف سے محض کسی دنیوی مفاد یا دوستی یا رشتہ داری کی بنیاد پر جھگڑتے ہو بتاؤ روز قیامت اللہ کے حضور ان کی طرف سے کون جھگڑے گا، لہٰذا جب قیامت میں کوئی کسی مجرم کو بے قصور ثابت نہ کر سکے گا تو دنیا میں تم کسی کے لئے جھوٹ بول کر اپنی عاقبت کیوں برباد کرتے ہو۔

نبی اکرم ﷺ کی زبان سے غلط فیصلہ کا نکلنا اللہ کو پسند نہیں

طعمہ بن ابیرق ظاہری حالات کے مطابق سچا قرار پاتا تھا اور بے گناہ یہودی بظاہر مجرم نظر آتا تھا۔ اگر حضور سید عالم ﷺ کے سوا کوئی دوسرا جج ہوتا تو ضرور طعمہ کو بری اور یہودی کو مجرم قرار دیتا مگر اللہ تعالیٰ کو آپ کا غلط فیصلہ کرنا منظور نہیں۔ اس لئے قرآن اتار کر حقیقت واضح کر دی گئی اور یہ جو حدیثِ طیبہ میں ہے کہ ''میں ایک انسان ہوں اور جو سنتا ہوں وہی فیصلہ کرتا ہوں اور اگر کوئی شخص اپنی چرب زبانی سے مجھ سے کسی کا حق دوسرے کو دلوا دے تو وہ جان لے کہ میں اسے جہنم کا ٹکڑا ہی کاٹ کر دوں گا'' (بخاری کتاب الشہادات)، تو یہ ارشاد نبوی ﷺ تواضع کی بناء پر ہے۔ دوسرا اس میں یہ درس ہے کہ جو شخص جھوٹ بول کر قاضی سے اپنے حق میں فیصلہ کروالے وہ اپنے لیے نارِ جہنم جمع کرتا ہے جسقدر چاہے کر لے۔ اسے دیکھ کر بعض لوگوں کا حضور ﷺ کو عام جج کی سطح پر لانا ان کی فہمِ دین سے دوری اور مقامِ نبوت سے بے خبری کی دلیل ہے۔

اسلام میں ذمی کفار کی رعایت

اس واقعہ سے بظاہر یہودی پر سارا الزام آتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید اتار کر بے گناہ یہودی کو الزام سے بری کر دیا۔ اس سے اسلامی معاشرہ میں ذمی کفار کی محفوظیت اور اسلام کی رواداری وعدل پسندی کا پتہ چلتا ہے۔ گویا اسلامی قانونِ عدل میں اپنے پرائے اور مسلم وغیر مسلم کی تفریق نہیں بلکہ سب کے لیے یکساں انصاف ہے۔

مجرموں کی طرف داری کرنے والے بھی مجرم ہیں

جب منافق طعمہ کے خاندان نے اس کی بیجا حمایت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پہ پھٹکار ڈالی اور فرمایا: هٰٓاَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلۡتُمۡ عَنۡهُمۡ۔ الخ۔ گویا ایسا کرنا منافقوں کا کام ہے نہ کہ مسلمانوں کا۔ مگر آج ہمارا حال یہ ہے کہ اگر ہمارے خاندان کا کوئی آدمی کسی جرم میں ملوث ہو تو ہم اسے قانون کی گرفت سے بچانے کے لیے اس کے حق میں جھوٹ بولنے

سے ذرا نہیں گھبراتے اور وہی کردار ادا کرتے ہیں جو طعمہ کی منافق برادری نے ادا کیا تھا۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم کس قسم کے مسلمان ہیں۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا
اور جو شخص کوئی برا کام کرے یا اپنی جان پہ ظلم کرے پھر اللہ سے معافی مانگے تو اللہ کو بخشنے والا
رَّحِيْمًا ۝١١٠ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ
مہربان پائے گا۔ [183] اور جو شخص گناہ کماتا ہے تو اس کی یہ کمائی اسی کے اوپر پڑتی ہے اور اللہ
عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝١١١ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ
علم والا حکمت والا ہے۔ [184] اور جو شخص کوئی غلطی یا گناہ کرے پھر اس کا الزام کسی بے قصور پر لگائے تو اس نے
احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝١١٢ ع
اپنے سر بڑا بہتان اٹھایا اور کھلا گناہ۔ [185]

[183] يَّعْمَلْ سُوْٓءًا سے مراد حقوق العباد ہیں اور يَظْلِمْ نَفْسَهٗ سے مراد حقوق اللہ میں خیانت کرنا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اللہ ان دونوں حقوق میں معاف فرما دیتا ہے۔ مگر اس کے لئے سچی ندامت، آئندہ کے لئے خیانت سے مکمل اجتناب کا پکا عہد اور جن کا حق مارا انہیں ان کا حق لوٹانا ضروری ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں امتِ محمدیہ کے لیے عظیم اعلان بخشش و مغفرت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے کہا، بنی اسرائیل بھلائی میں تھے۔ جب وہ رات کو گناہ کرتے تو صبح ان کے دروازوں پہ لکھا ہوتا کہ اس شخص نے آج رات یہ گناہ کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ نے تم پہ جو انعام کیا ہے وہ بنی اسرائیل سے بہت بہتر ہے۔ اللہ نے تم سے فرمایا: وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝١١٠

(جامع البیان جلد ۴ صفحہ ۲۷۲)

[184] یعنی گناہ کرنے والا اللہ کا کچھ نہیں بگاڑتا بلکہ اپنی ہی عاقبت خراب کرتا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے وہ اپنے علم کے مطابق جس کو چاہے اس کے گناہوں پر دنیا میں سزا دیتا ہے اور جسے چاہے آخرت میں اور جسے چاہے توفیقِ توبہ دیتا ہے۔

[185] جو شخص چھوٹی خطاء یا بڑا گناہ کرے پھر اس کا الزام کسی بے گناہ شخص پر رکھ دے وہ مخلوق پر بڑے بہتان اور

خالق کے حق میں بڑے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ آج ہمارے معاشرہ میں یہ جرم عام ہے، جرم کوئی کرتا ہے اور الزم کسی اور پہ رکھ دیا جاتا ہے، اور جھوٹی گواہیاں دینے والے بکثرت مل جاتے ہیں جو اصل مجرم کو چھڑوا دیتے اور بے گناہوں کو پکڑا دیتے ہیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ
اور اگر (اے پیارے نبی! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو منافقین میں سے ایک گروہ آپ کو بہکانا چاہتا تھا۔
وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ
حالانکہ وہ خود ہی کو گمراہ کر رہے ہیں اور وہ آپ کو کچھ نقصان نہیں دے سکتے۔ [186] جبکہ اللہ نے آپ پر
عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ
کتاب اور حکمت اتاری اور جو کچھ آپ نہ جانتے تھے وہ آپ کو بتا دیا۔ [187] اور آپ پر
اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾
اللہ کا فضل عظیم ہے۔ [188]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ کا فضل عظیم

[186] یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! منافق طعمہ بن ابیرق اور اس کے منافقین ہم قبیلہ لوگوں نے مصمم ارادہ کیا تھا کہ جھوٹی قسموں کے ذریعے آپ سے غلط فیصلہ کروائیں مگر آپ پر اللہ کا فضل عظیم و رحمت کاملہ اس قدر ہے کہ کوئی آپ کی زبان اقدس سے ناحق فیصلہ کروا ہی نہیں سکتا اور منافقین خود ہی کو گمراہ کر رہے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے مکروفریب سے آگاہ کر دیتا ہے اور وہ اس دھوکہ میں رہتے ہیں کہ انہوں نے آپ پر داؤ چلایا ہے جیسے فرمایا: يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ۔ یا یہ معنی ہے کہ ان کی منافقانہ چالوں کا وبال خود انہی پر گرنے والا ہے لہٰذا وہ آپ کو کیا نقصان دیں گے وہ اپنی ہلاکت ہی کا سامان کر رہے ہیں۔

[187] کیونکہ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ آپ پر کتاب اور حکمت اتار رہا ہے اور یوں اس نے آپ کو وہ سب کچھ بتا دیا جو آپ نہ جانتے تھے۔ امام خازن وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ کے تحت فرماتے ہیں، اللہ نے آپ کو احکام شرع، امور دین، مخفی امور، دلوں کے چھپے رازوں اور منافقین کے احوال سے آگاہ فرمایا۔ (تفسیر خازن جلد اول صفحہ

الثلثة

۵۹۶ مطبوعہ دارالفکر بیروت) امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ فرماتے ہیں: وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ مِنْ خَبَرِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ اللہ نے حضور ﷺ کو تمام پہلوں اور پچھلوں کی خبریں عطا فرما دیں۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۴ صفحہ ۲۷۵) امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اللہ نے حضور سید عالم ﷺ کو تمام اولین و آخرین کی خبریں عطا فرما دیں جو آپ نہ جانتے تھے اور منافقین کے حیلے اور مکر منکشف کر دیئے اس لئے فرمایا آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔
(تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۲۱۷)

حضور سید عالم ﷺ کا علمِ محیط

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ میں مَا برائے عموم ہے یعنی جو کچھ آپ نہ جانتے تھے وہ اللہ نے آپ کو بتا دیا یعنی آپ جو جانتے تھے وہ تو جانتے ہی تھے اور جو نہ جانتے تھے وہ بھی بتا دیا۔ اسی لئے قرآنِ مجید میں فرمایا: وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ ''اور ہم نے آپ پر کتاب اتاری جو ہر چیز کا واضح بیان ہے۔'' (نحل، ۸۹) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا كَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ۔ ''یہ قرآن گھڑی ہوئی بات نہیں بلکہ یہ اپنے سے ماقبل کی تصدیق اور ہر چیز کی تفصیل ہے۔'' (یوسف، ۱۱۱)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور ہمیں ابتداءِ خلق سے لے کر بتانا شروع کیا اور آئندہ کے متعلق سب کچھ بتا دیا تا آنکہ اہل جنت جنت میں داخل ہوئے اور اہل دوزخ دوزخ میں۔ (بخاری کتاب بدأ الخلق باب اول) یعنی آپ نے سب مَا كَانَ وَمَا یَكُوْنُ کی خبر دے دی۔

حضرت عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں ایک بار نماز فجر پڑھائی تو منبر پہ تشریف لے گئے اور ظہر تک خطبہ دیا، نماز ظہر کے بعد پھر منبر پہ تشریف لے گئے اور عصر تک خطبہ دیا، پھر عصر پڑھانے کے بعد منبر پہ بیٹھ گئے اور خطبہ دینا شروع کیا تا آنکہ سورج غروب ہو گیا، فَاَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا، تو ہم میں سے وہی بڑا عالم تھا جس نے وہ خطبہ زیادہ یاد رکھا۔ (مسلم کتاب الفتن حدیث ۲۵) معلوم ہوا حضور ﷺ کو جو ہو چکا ہے اور جو ہو گا سب کا علم دیا گیا ہے۔

اگر یہاں سوال کیا جائے کہ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط اسی طرح ہے جیسے اللہ نے فرمایا: وَیُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ، ''اور رسول اللہ ﷺ تمہیں وہ کچھ سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے۔'' (بقرہ، ۱۵۱) اب اگر اس سے حضور ﷺ کے علم کلی پر استدلال کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ آپ کی امت کا ہر فرد علم کلی رکھتا ہے اور یہ قطعی غلط ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے امت کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو وہ نہ جانتے تھے، مگر ضروری نہیں کہ کلاس کا ہر طالب علم وہ سب کچھ جان جائے جو استاذ نے پڑھایا۔ بلکہ یہ ہوتا ہے کہ کسی نے کوئی بات یاد کر لی اور کسی نے کوئی، تو حفاظ نے قرآن کے الفاظ یاد کر لیے، علماء نے قرآن کے احکام یاد کر لیے اور اولیاء اللہ نے اس کے اسرار

اٹھالیے۔ مگر جب اللہ نے پڑھایا اور اسکے رسول نے پڑھا اور اللہ نے فرمایا: وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ تو وہ کونسی چیز باقی رہ گئی جس کا علم آپ کو نہ ملا؟

[188] حضور سرورِ کونین ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے، وہ فضل عظیم کیا ہے اس کی اللہ تعالیٰ نے تفصیل نہیں بیان کی، تاکہ عموم باقی رہے۔ حق یہ ہے کہ آپ پہ اللہ کا جو فضل ہے اسے کوئی زبان اور قلم بیان نہیں کرسکتی۔ اسی لیے امام بوصیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

فانّ فضلَ رسولِ اللہ لیس لہ حدٌّ فیُعرِبُ عنہ ناطقٌ بِفَمِ

یعنی رسول اللہ ﷺ کے فضل (فضیلت) کی کوئی ایسی حد ہی نہیں جسے کوئی بولنے والا بیان کرسکے۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ

کوئی بھلائی نہیں ان کی اکثر سرگوشیوں میں ہاں جو صدقے کا حکم دے یا کسی نیکی یا

اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ

لوگوں میں صلح کرانے کا حکم دے (تو اس کی سرگوشی میں بھلائی ہے۔) [189] اور جو شخص یہ کام کرے اللہ کی رضا حاصل کرنے کو،

فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ

تو ہم اسے عنقریب اجر عظیم دیں گے۔ [190] اور جو آدمی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ اس پر

لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ

راہ حق واضح ہوچکا اور وہ مؤمنوں کے (اجماعی) راستے سے ہٹ کر چلے تو ہم اسے ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھرا اور اس کو

جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ ع

جہنم میں ڈالیں گے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔ [191]

ع ۱۷ / ۱۴

[189] یعنی منافقین کی اکثر خفیہ مشاورتیں شرانگیزی پہ مبنی ہوتی ہیں جیسے طعمہ بن اُبیرق کے بارہ میں اس کے ہم قبیلہ منافق لوگوں نے خفیہ میٹنگ کرکے طعمہ کو جھوٹی قسموں کے ذریعے چھڑوانے اور ایک بے قصور شخص کو پکڑوانے پر اتفاق کیا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا خفیہ مشاورت وہ بہتر ہے جو صدقہ، بھلائی اور صلح کے لئے ہو۔ یعنی خفیہ صدقہ دینا تاکہ ریا نہ پیدا ہو، کسی کو خفیہ بھلائی کا حکم دینا تاکہ وہ برائی سے باز آجائے اور اس کی عزت نفس بھی مجروح نہ ہو۔ اور دو دوستوں،

بھائیوں یا جماعتوں میں صلح کے لئے ان میں سے ہر ایک سے الگ اور علیحدہ ملنا تا کہ وہ ناراضگی چھوڑ کر مصالحت کر لیں، ایسی خفیہ مشاورتوں میں خیر ہی خیر ہے۔

[190] چنانچہ صدقہ، امر بالمعروف اور اصلاح بین الناس میں سے ہر ایک عمل کے ثواب پر کتبِ حدیث بھری پڑی ہیں اور کثیر قرآنی آیات ان موضوعات پر وارد ہیں۔ جو شخص کسی کو خفیہ طور پر نیکی کا حکم کرتا اور برائی سے روکتا ہے وہ چاہتا ہے اس کا ساتھی لوگوں میں رسوا بھی نہ ہو اور برائی کو چھوڑ کر نیکی کو اپنا لے۔ اسی طرح صلح کرانے کے لیے بھی بسا اوقات خفیہ مشاورت کرنا پڑتی ہے۔

[191] رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی کئی صورتیں ہیں آپ پر ایمان نہ لانا، ایمان لا کر مرتد ہو جانا، دعوئ ایمان رکھنے کے باوجود آپ کی تعلیمات کو ملحدانہ تاویلات کے ذریعے مسخ کر کے پیش کرنا جیسے منکرینِ ختم نبوت، منکرینِ حدیث اور روافض وخوارج وغیرہ کے گمراہ کن کافرانہ عقائد ہیں یا آپ کی ذات مبارکہ یا آپ کی کسی سنت کا استہزاء، اسی طرح آپ کی کسی سنت کے مقابلہ میں بدعت ایجاد کرنا بھی آپ سے مخالفت کرنا ہے، جس پر جہنم کی وعید وارد ہے۔

اور وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ سے یہ مراد ہے کہ جن نظریات پر ساری امت کا اجماع ہے ان سے متصادم نظریہ اپنانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ایسے گمراہوں کو ہم ادھر ہی پھیر دیتے ہیں جدھر وہ پھریں۔ دوسری جگہ فرمایا: فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ ''جب وہ ٹیڑھے چلے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے۔'' (صف، ۵) اور فرمایا: بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ اللہ نے ان کے دلوں پر ان کے کفر کے سبب مہر لگا دی۔

ختمِ نبوت

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ سے پتہ چلا قرآن جن لوگوں سے مخاطب ہے ان کا رسول صرف ایک ہے اسی لئے الرسول معرف باللام بولا گیا جو صرف ایک ہی ذات پہ صادق آ سکتا ہے یعنی ذاتِ مصطفیٰ ﷺ۔ اور حضور سید عالم ﷺ ہی کی یہ شان ہے کہ جو آپ سے نافرمانی کرے اس کے لیے سزائے جہنم ہے۔

عصمتِ رسول ﷺ

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام اقوال وافعال کی اطاعت لازم ہے، کیونکہ اگر آپ کے کسی قول وعمل میں شیطان کا دخل ممکن ہوتا تو آپ کی اطاعت یوں لازم نہ کی جاتی۔

بدعت کی مذمت

انہی الفاظ سے بدعت کی برائی بھی معلوم ہوئی یعنی ہر وہ نیا کام جو قرآن وسنت کے خلاف ہو۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''جس نے ہمارے دین میں ایسی نئی چیز پیدا کی جو اس میں سے نہ ہو

(قرآن وحدیث سے اس کا جواز نہ ملے) وہ مردود ہے۔'' (بخاری کتاب الصلح باب ۵) بدعت کی مثال یہ ہے کہ جیسے گمراہ فرقے وجود میں آئے اور انہوں نے قرآن وسنت سے ہٹ کر عقائد ایجاد کیے۔

حجیتِ اجماع

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ سے معلوم ہوا امت مسلمہ کے اجماع کی پیروی لازم ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی اور اگر تم اختلاف دیکھو تو تم پر بڑی جماعت کی پیروی لازم ہے۔'' (ابن ماجہ کتاب الفتن باب ۸) یعنی جن نظریات وعقائد پر امت کا ہمیشہ سے اجماع چلا آ رہا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معراج جسمانی، حیات انبیاء، جواز توسل، حیات عیسیٰ علیہ السلام، عدالت صحابہ، موزوں پر مسح کا جواز، افضلیت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ، حجیتِ حدیث، ختمِ نبوت، عورت کی شہادت ودیت کا نصف ہونا اور ایک مجلس میں تین طلاقوں کا تین ہونا وغیرہ ایسے امور سے انکار کرنیوالا شخص گمراہ وبددین اور اہل سنت سے خارج ہے بلکہ ان میں سے بعض کا منکر کافر ہے، جیسے ختمِ نبوت، حجیتِ حدیث اور مسجدِ حرام سے مسجد اقصیٰ تک معراج جسمانی۔

خلافت راشدہ کی حقانیت

جب اجماع کی حقانیت واضح ہوگئی تو پتہ چلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد تمام مہاجرین وانصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خلفاء راشدین (صدیق اکبر عمر فاروق عثمان غنی اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم) کی خلافت پر اجماع اس کی صداقت کی مضبوط دلیل ہے، ان کی خلافت کو برحق نہ ماننے والے گمراہ اور وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ کا مصداق ہیں۔ البتہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اختلاف اجتہادی خطاء تھی جس پہ وہ مطعون نہیں ہیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ہر صحابی کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں بخشش کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ط ''اللہ نے سب (صحابہ) سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔'' (سورہ حدید، ۱۰)

تو کسی صحابی کو برا کہنا اپنا ایمان برباد کرنے کے برابر ہے اور یہ بھی معلوم رہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے منکر نہ تھے، وہ صرف خونِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کرتے تھے اگر قاتلانِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف جلدی کاروائی کی جاتی اور انہیں پکڑا جاتا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاملات یہاں تک طول نہ پکڑتے مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی اپنی جگہ مجبوریاں تھیں۔ اس لیے دونوں فریقوں میں سے کسی کے بارہ میں لب کشائی نہیں کرنی چاہیے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ

بے شک اللہ یہ معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم تر گناہ معاف کر دے گا جس کے لیے چاہے اور جو

يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۱۱۶ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ

اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ دور کی گمراہی میں جا گرا۔[192] یہ مشرکین اللہ کو چھوڑ کر چند عورتوں (دیویوں) کی ہی

اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝۱۱۷ۙ

پوجا کرتے ہیں اور شیطان سرکش ہی کی پرستش کرتے ہیں۔[193]

وقف لازم

ایمان کی جزا اور کفر و شرک کی سزا

[192] اس سے قبل جہاد اور ہجرت کے احکام بیان ہوئے اب ان کا فلسفہ بتایا جا رہا ہے کہ جہاد کے ذریعے کفر و شرک کا زور ٹوٹتا ہے اور یہ اس لئے ضروری ہے کہ اللہ رب العزت ہر گناہ معاف کر دیتا ہے مگر شرک معاف نہیں فرماتا اور شرک کرنے والا انسان کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

یاد رہے شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات یا عبادت میں دوسروں کو شریک کیا جائے، جیسے ہندوؤں نے کئی دیوتا اور دیویاں مان رکھی ہیں۔ کوئی دیوتا بارش برسانے والا، کوئی اولاد دینے والا، کوئی رزق تقسیم کرنے والا، کوئی مصائب ٹالنے والا۔ ہندوؤں کی ایک دیوی اوما ہے جو ان کے نزدیک وبائیں، بیماریاں، طوفان اور زلزلے لاتی ہے جب زلزلہ یا طوفان آئے تو ہندو اوما دیوی کی مورتی کے چرنوں میں گر جاتے اور فریاد کرتے ہیں کہ وہ رحم کرے اور طوفان واپس لے لے۔ (اسلام اور مذاہب عالم مصنف علامہ دلبر حسین خان صفحہ ۴۳ مطبوعہ یونائیٹڈ پبلشرز کراچی) تو اس قسم کے شرکیہ عقائد بہت بڑی گمراہی (ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا) اور اللہ کے ساتھ کھلی بغاوت ہے اور یہ اصول ہے کہ کوئی بادشاہ لوگوں کی طرف سے ہونی والی قانون شکنیاں معاف کر دیتا ہے لیکن اگر اس کی بادشاہت و حاکمیت کو چیلنج کیا جائے تو یہ نا قابلِ معافی جرم ہے اور شرک اللہ کی حاکمیت کو چیلنج کرنا ہے۔ اس لیے شرک کی معافی نہیں ہے۔

معلوم رہے کہ یہاں شرک سے ہر طرح کا کفر مراد ہے کیونکہ قرآن مجید میں بار بار فرمایا گیا ہے جو لوگ کفر یہ مر جائیں ان کے لئے کوئی بخشش نہیں۔ وہی مفہوم یہاں مراد ہے، جیسے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۶۱ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ (بقرہ، ۱۶۲)، وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ (نساء، ۱۸)، ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ (آل عمران،

۹۰)۔ دراصل ہر کفر ہی ایک طرح کا شرک ہے کیونکہ جس نے کسی کے کہنے پر اللہ کے کہے کا انکار کیا اس نے اسے اللہ کے برابر یا اس سے برتر جانا اور یہ بدتر شرک ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ کافر کی سزا دائمی جہنم اس لئے ہے کہ قانون ہے انما الاعمال بالنیات، اگر کافر کو بالفرض دائمی و ابدی زندگی دی جائے تو اس کی نیت دائمی کفر کی ہے لہٰذا عذاب بھی دائمی ہے جبکہ باقی گناہوں میں دائمی نیت نہیں ہوتی کیونکہ ان میں احساس گناہ ساتھ ہوتا ہے لیکن کافر و مشرک اپنے کفر و شرک کو نیکی گردانتا اور اس کی تبلیغ میں کوشاں ہوتا ہے لہٰذا دائمی سزا کا مستحق ہے۔

کسی کافر کے لئے نمازِ جنازہ یا دعا مغفرت جائز نہیں

جب کافر کی بخشش ہی نہیں تو اس کے لئے دعا مغفرت کرنا گویا اسے مومن ماننے کے مترادف ہے جو کفر ہے۔ لہٰذا کسی کافر کا جنازہ پڑھنے یا اس کے لئے دعاء مغفرت کرنے والا اگر اس کے کفر پہ مطلع ہے تو وہ خود کافر ہو گیا، وہ توبہ کر کے ازسرنو کلمہ پڑھے اور اگر شادی شدہ ہے تو بیوی سے دوبارہ نکاح کرے پہلا نکاح کفر کی وجہ سے ٹوٹ گیا، جیسے کسی مرزائی کا جنازہ پڑھ دیا یا ایسے رافضی کا جو صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین اور امہات المومنین رضی اللہ عنہم کو کافر کہتا اور ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کو انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل جانتا ہے۔

اور اگر اسے اس کے کفر پہ اطلاع ہی نہ تھی اور انجانے میں اسے صحیح العقیدہ سمجھ کر اس کا جنازہ پڑھ دیا تو اس پہ یہ حکم نہیں ہے، مگر ایسی غفلت اللہ کے ہاں سخت ناپسندیدہ ہے۔

[193] چنانچہ کفار مکہ نے اپنے بتوں کے نام عورتوں والے رکھے تھے جیسے اَللّٰتَ، العزّٰی اور المناۃ، یہ اللّٰہُ، اَلْاَعَزّ اور المنان کی مونث ہیں، علاوہ ازیں وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے اور ان کی پوجا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ ''انہوں نے فرشتوں کو جو اللہ کے بندے ہیں عورتیں ٹھہرا لیا۔'' (زخرف،۱۹)

آج بھی ہندو لوگ دیویوں یعنی عورتوں کے پجاری ہیں جیسے اوما دیوی کا ذکر ہوا، حالانکہ اللہ وحدہٗ لاشریک تذکیر و تانیث سے پاک ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین کا دیوتاؤں اور دیویوں کو ماننا شیطانی تعلیم کے سوا کچھ نہیں اور وہ اصل میں شیطان کے پجاری ہیں، یعنی یہ سب مورتیاں اور بت شیطان ہی کے مظاہر ہیں۔

معلوم ہوا کہ کفار عرب کا شرک یہ تھا کہ انہوں نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بنا لیا تھا اور ان کی عبادت کرتے تھے، یعنی وہ سمجھتے تھے کہ فرشتے اللہ کی خدائی میں شریک ہیں کیونکہ اس کی اولاد ہیں۔ اس لیے وہ ان سے فریاد کرتے اور ان سے مرادیں مانگتے تھے۔ الحمد للہ کوئی مسلمان ایسے شرک میں مبتلا نہیں ہو سکتا، جو لوگ مسلمانوں پہ چھوٹی چھوٹی باتوں کی

وجہ سے شرک کے فتوے لگاتے ہیں ان جہلاء نے شرک کا مفہوم سمجھا ہی نہیں اور اپنی کم فہمی کی بنیاد پہ اہلِ اسلام کو کافر و مشرک کہنا شروع کر دیا۔ یہ اہلِ اسلام کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہے۔

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾
اللہ نے اس پر لعنت کی اور اس نے کہا: اے اللہ! میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر حصہ ضرور اپنی گرفت میں لے لوں گا۔[194]
وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ
اور انہیں گمراہ کروں گا اور انہیں جھوٹی امیدیں دلاؤں گا تو وہ جانوروں کے کان چیریں گے اور انہیں حکم دوں گا
فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ
تو وہ اللہ کی تخلیق بدل دیں گے۔[195] اور جو شیطان کو اپنا مددگار بناتا ہے اللہ کو چھوڑ کر تو وہ کھلے نقصان میں جا پڑا۔[196]
خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ؕ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا
شیطان انہیں وعدے دیتا اور آرزوؤں میں ڈالتا ہے اور شیطان انہیں محض جھوٹے
غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾
وعدے دیتا ہے۔[197] ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ اس سے کچھ چھٹکارا نہ پائیں گے

[194] اللہ تعالیٰ نے شیطان پر لعنت کی کہ اسے جنت سے نکالا زمین پہ پھینکا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ شیطان پہ پھٹکار ڈالو چنانچہ قرآنِ حکیم پڑھنے سے قبل اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہہ کر اس پہ پھٹکار ڈالی جاتی ہے، شیطان کو جنت سے نکالتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾ ''جنت سے نکل جاؤ تم مردود ہو اور تم پر تا روزِ انصاف لعنت برسے گی۔'' (حجر، ۳۵)

تو شیطان نے کہا اے اللہ میں اس کا بدلہ اولادِ آدم سے لوں گا انہیں گمراہ کروں گا اور انہیں جھوٹی امیدوں میں پھنسا دوں گا، جیسے مشرکین اپنے بتوں سے جھوٹی امیدیں وابستہ رکھتے ہیں کہ وہ ان کے مصائب دور کر دیں گے۔ آگے شیطان نے کہا: وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ۔ کہ میں لوگوں کو حکم دوں گا تو وہ جانوروں کے کان چیر دیں گے چنانچہ مشرکین جس جانور کو بتوں کے لئے وقف کرتے اس کے کانوں میں چیرا دے دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اب اس جانور پر سواری جائز نہیں نہ اس کا گوشت کھانا جائز ہے۔ کیونکہ یہ بتوں کے نام منسوب ہو گیا ہے۔

[195] شیطان نے مزید کہا کہ اے اللہ! میں لوگوں کو یہ حکم بھی دوں گا کہ وہ اللہ کی تخلیق کو بدل دیں تو وہ ایسا کریں گے۔ اب اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو جس مقصد کے لیے بنایا ہے اسے اس سے ہٹا دینا، تو اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

اول۔ اللہ کے جاری کردہ شرعی اصول و ضوابط میں تبدیلی کرنا جیسے اللہ کے حلال کو حرام یا حرام کو حلال قرار دینا، یہ اللہ کی تخلیق کو بدلنا ہے، کسی کو حق نہیں کہ اللہ کے کسی حلال کو حرام یا حرام کو حلال کہے۔

دوم۔ اسی طرح کفار کا اپنے بچوں کو دین فطرت دینِ اسلام سے ہٹا کر اپنے مذہب پر لگا دینا، یہ بھی اللہ کی تخلیق کو بدلنا ہے۔ چنانچہ حدیثِ طیبہ میں ہے کہ ''ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔'' (بخاری کتاب الجنائز باب ۸۰، مسلم کتاب القدر حدیث ۲۲)

سوم۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جانوروں کی جو شکلیں جس طرح بنائی ہیں ان میں تبدیلی کرنا اللہ کے ہاں سخت ناگوار ہے، کیونکہ یہ بھی اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کرنا ہے اور حدیث میں اس پہ اللہ کی لعنت وارد ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا: سمعت رسول الله ﷺ يلعن المتنمصات والمتفلجات والواشمات اللاتی یغیرن خلق الله۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ چہرہ گودنے والی اور ابرو باریک کرنے والی اور اپنے دانتوں کو رگڑ کر باریک کرنے والی عورتوں پر لعنت کرتے تھے۔ کیونکہ وہ اللہ کی تخلیق کو بدلنے والی ہیں۔
(نسائی کتاب الزینۃ باب ۲۶ حدیث ۵۱۱۱۔ مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۴۱۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:
لعن الله المتنمصات والمتوشمات والمتفلجات اللاتی یغیّرن خلق الله۔ ''اللہ تعالیٰ چہرہ گودنے والی، ابرو باریک کرنے والی اور دانتوں کو باریک کرنے والی عورتوں پہ لعنت فرماتا ہے۔''
(نسائی کتاب الزینۃ حدیث ۵۱۱۲)

خوبصورتی کے لئے چہرے کی پلاسٹک سرجری حرام ہے

آج کل مالدار عورتیں اپنے بڑھاپے کو چھپانے کے لئے چہرے کی پلاسٹک سرجری کرواتی ہیں یا خوبصورتی کے لئے چہرہ بدلواتی ہیں، بلکہ بعض مرد بھی ایسا کرنے لگے ہیں، یہ حرام ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کی تخلیق کو بدلنے کی بدتر مثال ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے دانتوں اور ابروؤں کو باریک کرنے اور چہرے کو گدوا کر اس کی رنگت کے تبدیل کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے کیونکہ وہ اللہ کی تخلیق کو تبدیل کرنے والی ہیں تو پلاسٹک سرجری کر کے چہرے کو بدلنا اس سے کہیں بڑھ کر موجب لعنت ہونا چاہیے، کیونکہ اس میں تغییر بہت زیادہ ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے انسان کا چہرہ جیسا بنایا ہے اسے تبدیل کرنے والا دوسرے لفظوں میں اللہ کی بنائی ہوئی تصویر کو خراب سمجھ کر اس کو بدلنا چاہتا ہے، اس لیے اس پہ

اللہ ورسول کی لعنت ہے اور یہ کفار کے طور طریقے ہیں جو مسلمانوں میں آرہے ہیں۔

داڑھی کا مونڈنا بھی اللہ کی تخلیق کو بدلنا ہے

اللہ تعالیٰ نے مرد کا چہرہ داڑھی والا بنایا ہے یہ اللہ کی تخلیق ہے اب جو داڑھی مونڈے وہ اللہ کی تخلیق کو بدلتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی عورت اپنے چہرے پر داڑھی لگالے، جیسے عورت کا داڑھی لگانا گناہ ہے یونہی مرد کا داڑھی منڈوانا گناہ ہے۔ جب عورتوں کا اپنے ابرو کے بالوں کو ہلکا سا باریک کرنا اللہ کی تخلیق میں تبدیلی ٹھہرا تو کیا مردوں کا سارے چہرے کو مونڈنا کوئی تبدیلی نہیں ہے۔

[196] لہٰذا جو شخص اللہ کی تخلیق میں تبدیلی لاتا ہے جس کی صورتیں ہم نے ابھی بتائی ہیں وہ شیطان کا دوست اور بہت بڑے خسارے میں پڑنے والا ہے اسی لئے ابھی ہم نے حدیث کی روشنی میں بتایا ہے کہ چہرہ گودنے اور گدوانے، ابرو باریک کرنے اور کروانے اور مصنوعی بال لگانے اور لگوانے والی عورتوں پر اللہ لعنت فرماتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

اور حضور سید عالم ﷺ نے یمن کے ایک داڑھی منڈے کافر کو دیکھ کر نفرت سے اپنا چہرہ دوسری طرف کرلیا تھا اور پوچھا تم نے داڑھی کیوں مونڈی ہے؟ اس نے کہا مجھے میرے رب (بادشاہ یمن) نے ایسا کرنے کو کہا ہے آپ نے فرمایا تمہارے رب نے تمہیں داڑھی مونڈنے کا کہا ہے اور میرے رب نے مجھے داڑھی رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔

(تاریخ خمیس بروایت سیرت ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۳۵ مطبوعہ بیروت)

[197] شیطان لوگوں کو جھوٹے وعدے اور امیدیں دلاتا ہے اس نے یہود کو قوم پرستی میں الجھا کر مارا، نصاریٰ کو تثلیث کا عقیدہ سمجھایا اور اس کے ماننے پر انہیں نجات کا موقوف ہونا بتایا اسی طرح بت پرستوں کو شیطان نے بت پرستی میں ہر طرح کی خیر مضمر بتائی۔ الغرض ہر باطل فرقے کے ساتھ اس نے یہی ہاتھ کیا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

اور جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں ہم انہیں عنقریب جنتی باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ

نہریں بہتی ہیں وہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ سے بڑھ کر

مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ

کس کی بات سچی ہے۔[198] نہ تمہاری آرزوؤں پہ نجات موقوف ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر، جو بھی برا کام کرے

سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾

اسے اس کی سزا دی جائے گی اور وہ اپنے لیے اللہ کے مقابلہ میں کوئی حمایتی پائے گا نہ مددگار۔[199]

[198] تو شیطان کے پیروکاروں کا ٹھکانا جہنم ہے اسی لئے دوسری جگہ ارشاد ہوا: لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾ (ص، ۸۵) جبکہ شیطان سے دور رہ کر ایمان لانے اور اچھے اعمال کرنے والوں کے لئے جنت ہے جہاں ابدی بہاریں ہیں یہ ان سے اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہو سکتی ہے۔

[199] اَمَانِی اُمْنِيَّةٌ بمعنی آرزو کی جمع ہے۔ اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ کچھ مسلمان اور یہود و نصاریٰ جمع ہوئے۔ یہود نے کہا ہمارا دین سب سے پہلے ہے اور ہم سب سے پرانی کتاب رکھتے ہیں لہٰذا نجات صرف ہماری ہے۔ عیسائیوں نے بھی ایسی ہی باتیں کہیں اور مسلمانوں نے کہا ہمارا دین سب سے آخری ہے لہٰذا نجات ہماری ہے۔ تب یہ آیتِ مبارکہ اتری: لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ (ابن جریر طبری جلد ۴ صفحہ ۲۸۸)

یعنی فرمایا گیا کہ اے مسلمانو! تمہارے صرف اتنا مان لینے سے کہ تمہارا دین آخری ہے اور تمہاری کتاب اور رسول آخری ہے تمہاری نجات نہ ہوگی بلکہ تمہیں اس کتاب پر عمل بھی کرنا پڑے گا اور جو اس پر عمل نہ کرے اسے سزا بھگتنا ہوگی اور نہ ہی اہل کتاب صرف اتنا کہنے سے نجات پالیں گے کہ ان کی کتابیں اور ان کے رسول پہلے ہو گزرے ہیں بلکہ انہیں اپنی کتابوں پہ عمل بھی کرنا ہوگا اور ان کی کتابیں نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانے کا حکم دیتی ہیں تو ان پر عمل کرتے ہوئے انہیں آپ پر ایمان لانا ہوگا، تب ان کی نجات ہوگی۔ اسی لئے آگے فرمایا: مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ کہ جس نے بھی کوئی برائی کی اسے اس کی سزا سہنا ہوگی۔

حدیثِ مبارکہ میں ہے جب یہ الفاظ اترے: مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ (کہ جو شخص کوئی برا کام کرے اسے

اس کی سزا دی جائے گی) تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یوں لگا جیسے خوف سے ان کی کمر ٹوٹ جائے گی یہی حال دیگر صحابہ کا بھی ہوا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے کون ہے جس سے کوئی نہ کوئی برائی نہ ہوئی ہو تو کیا اس آیت کے مطابق ہر برائی پہ سزا ضرور ہو گی؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن کو جو بھی مصیبت آئے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اس کے پاؤں میں کانٹا چبھے یا ٹھوکر لگے تو وہ بھی کسی گناہ کا کفارہ بن جاتی ہے۔

(ترمذی کتاب التفسیر سورہ نساء باب ۲۵)

مومن کے لیے ہر مصیبت دراصل ایک نعمت ہے

مطلب یہ ہے کہ مومن کو اس کی ہر برائی پر سزا ضرور ہوتی ہے مگر بہت سے گناہ مصائب کے ذریعے جھڑ جاتے ہیں یعنی ان کی سزا اسے آخرت میں دینے کی بجائے دنیا میں مصائب کی صورت میں دے دی جاتی ہے۔ مگر یاد رہے یہ اس صورت میں ہے جب بندہ توبہ نہ کرے تب اسے دنیا یا آخرت میں گناہ کی سزا ملتی ہے اگر سچے دل سے توبہ کر لے تو سزا معاف۔ اسی لئے فرمایا گیا: مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ یعنی ”تمہیں جو بھی مصیبت آتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کے کیے ہوئے کی وجہ سے ہوتی ہے اور اللہ تمہارے بہت سے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔“ (شوریٰ، ۳۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک درخت کو پکڑ کر جھنجوڑا تو اس کے جتنے پتے اللہ نے چاہا جھڑ گئے، تب آپ نے فرمایا: جتنی تیزی سے میں نے یہ پتے جھاڑے ہیں بیماریاں اور مصائب انسانوں کے گناہوں کو اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ جھاڑ دیتے ہیں۔ (بیہقی)

معلوم ہوا مومن کے لئے تکالیف بھی نعمت ہیں، کہ ان کے ذریعے اس کے گناہ جھڑتے ہیں اور اخروی عذاب سے چھٹکارا ملتا ہے اور کافر کے لئے ہر تکلیف حقیقی تکلیف ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ

اور جو بھی اچھے اعمال بجا لائے خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مؤمن ہو تو یہی لوگ

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿١٢٤﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ

جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا۔ [200] اور اس سے بہتر کس کا دین ہو سکتا ہے جس نے

وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ

اپنا چہرہ اللہ کے حضور جھکا دیا اور وہ مخلص ہو اور اس نے دین ابراہیم کی پیروی کی جو ہر باطل سے جدا تھے۔ [201] اور اللہ نے

اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿١٢٥﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

ابراہیم علیہ السلام کو اپنا گہرا دوست بنا لیا۔ [202] اور اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ نے

بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿١٢٦﴾ ع

ہر چیز کا احاطہ کیا ہے۔ [203]

۱۸ ع ۱۱ ۱۵

[200] جیسے ہر گناہ پر پکڑ ہوگی یونہی ایمان اور عمل صالح اختیار کرنے والے لوگ جنت میں جائیں گے وہاں ان پہ کچھ ظلم نہ ہوگا یعنی ان کا کوئی دنیوی عمل صالح ضائع نہ ہوگا۔ گویا انہیں انکے ایمان کی وجہ سے جنت میں داخلہ ملے گا اور اعمال صالحہ جس قدر ان کے پاس ہوں گے اس قدر وہاں بلندی درجات حاصل ہوگی۔

اسلام میں عورت کا مقام

مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى کہہ کر بتایا گیا کہ ایمان وعمل کے اعتبار سے عورت مرد سے کم تر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اچھے اعمال کے ذریعہ جو بلندی مرد کو دیتا ہے وہی بلندی وہ عورت کو دیتا ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ اگر مرد نماز پڑھے تو اسے ثواب زیادہ ملے اور عورت پڑھے تو اسے ثواب کم ملے۔

صرف گھریلو زندگی میں بعض انتظامی مصالح کی وجہ سے مرد کو عورت پر حاکم بنایا گیا ہے۔ کیونکہ عورت میں وہ حوصلہ وقوتِ فیصلہ نہیں جو مرد میں ہے اور چونکہ مرد ہی کما کر لاتا اور بیوی بچوں کی کفالت کرتا ہے تو سربراہی بھی اسی کو ملنی چاہیے۔ اس کا یہ مفہوم نہیں کہ عورت کوئی گھٹیا مخلوق ہے یا اس کے ایمان میں کوئی کمی ہے۔

[201] یعنی سب سے اچھا دین اسلام ہے جس کا معنی اللہ کے ہر حکم پر سر جھکانا اور اطاعت بجالانا ہے اس لئے فرمایا گیا

کہ جو شخص اللہ کے ہر حکم پر اپنا چہرہ جھکا دے اور وہ مخلص ہو اس سے اچھا دین کس کا ہو سکتا ہے۔ وَهُوَ مُحْسِنٌ کا یہ معنی ہے کہ اس کا ایمان خالص ہو منافقانہ نہ ہو اور اعمال میں بھی ریاء کی بجائے اخلاص ہو۔

ملتِ ابراہیمی دین اسلام کی پہچان ہے

آگے وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ کہہ کر یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ کو حقانیتِ اسلام سے آگاہ کیا گیا اور انہیں یہ دعوت فکر دی گئی کہ آؤ ہم سب کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو دین ہے اس پر ہم سب جمع ہو جائیں اور وہ اسلام ہی ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے زندگی بھر کفر و شرک کے خلاف جہاد کیا بت توڑے اور دعوت توحید دی۔

اب یہ وراثت ابراہیمی دنیا میں صرف دامن محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ملتی ہے جو اپنے جد اعلیٰ کے دین کے حقیقی وارث ہیں، کیونکہ نصاریٰ بت پرستی میں مبتلا ہو کر دین توحید سے بہت دور جا پڑے اور یہود نے بھی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مان کر وہی شرک کر ڈالا۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس خانۂ خدا کی تعمیر کی اور اسکا حج جاری کیا اور رسم قربانی جاری کی اس کے وارث بھی غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں، پھر یہود و نصاریٰ کس طرح خود کو دین ابراہیم علیہ السلام پہ قائم بتا سکتے ہیں۔

[202] ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عظیم امتحانات میں ڈالا تو انہوں نے ہر امتحان میں کامیابی حاصل کی انہوں نے رضا الٰہی کے لئے نار نمرود میں چھلانگ لگائی، جوان بیٹے کے گلے پہ چھری رکھ دی، اللہ کے حکم پر وطن قربان کیا، بیوی بچے کو بے آب و گیاہ جگہ پہ چھوڑا، بڑھاپے میں تیشے سے حکم خدا پر اپنا ختنہ کر ڈالا اور دیگر سخت تر احکام بجالائے تب اللہ تعالیٰ نے اس کے صلہ میں انہیں اپنا خلیل قرار دیا یعنی گہرا دوست۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کب لقب خلیل اللہ عطا فرمایا؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت مہمان نواز تھے۔ ہر نو وارد کو کھانا کھلاتے تھے۔ ایک بار قحط ہو گیا، لوگ کھانا لینے آپ کے دروازہ پہ جمع ہو گئے۔ آپ مصر میں اپنے ایک دوست سے غلہ منگوایا کرتے تھے۔ آپ کے غلام اس مصری شخص سے غلہ لینے گئے مگر قحط کی وجہ سے اس نے غلہ نہ دیا۔ آپ کے غلاموں نے راستہ میں اپنی خالی بوریوں کو مٹی سے بھر لیا، تاکہ خالی بوریاں دیکھ کر کھانا مانگنے والوں کو مایوسی نہ ہو۔ جب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں (فلسطین) پہنچ کر آپ کو صورت حال سے آگاہ کیا تو آپ مغموم ہوئے اور گھر والوں کو کچھ نہ بتایا اور مغموم سو گئے۔ مگر جب آپ کی بیوی حضرت سارہ نے بوریاں کھولیں تو ان میں بہترین آٹا بھرا ہوا تھا، انہوں نے روٹیاں پکا کر لوگوں میں تقسیم کیں۔ جب ابراہیم علیہ السلام بیدار ہوئے تو پوچھا یہ کھانا کہاں سے آیا ہے؟ حضرت سارہ نے کہا: یہ وہی ہے جو آپ کے مصری خلیل نے بھیجا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بے ساختہ فرمایا: نہیں، یہ مصری خلیل نے نہیں

بھیجا، بلکہ میرے عرش والے خلیل نے بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو آپ کا یہ جملہ ایسے پسند آیا کہ آپ کا لقب خلیل اللہ رکھ دیا۔
(تفسیر معالم التنزیل للبغوی جلد اول صفحہ ۶۰۳)

خلیل اللہ اور حبیب اللہ میں فرق

یاد رہے حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں تو سید الانبیاء ﷺ حبیب اللہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ آدم صفی اللہ ہیں، موسیٰ کلیم اللہ ہیں، ابراہیم خلیل اللہ ہیں، عیسیٰ روح اللہ ہیں اتنے میں حضور سید عالم ﷺ تشریف لے آئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم نے جو کچھ کہا سب ٹھیک ہے مگر اَلَا وَاَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَلَا فخر سن لو کہ میں حبیب اللہ ہوں اور مجھے کوئی فخر نہیں۔ پھر فرمایا روزِ قیامت میں ہی سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور مجھے کوئی فخر نہیں، سب سے پہلے میرے ہی لئے جنت کھلے گی اور مجھے کوئی فخر نہیں اور میں اولین و آخرین میں اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عزت والا ہوں اور مجھے کوئی فخر نہیں۔ (ترمذی کتاب المناقب باب اول)

خلیل اللہ اور حبیب اللہ میں فرق یہ ہے کہ خلیل اللہ وہ ہیں جو خود آگ میں گئے تو آگ سرد ہو گئی اور حبیب اللہ وہ ہیں کہ وہ جس رات دنیا میں تشریف لائے تو ایران میں ہزار برس سے جلنے والا عظیم آتش کدہ از خود بجھ گیا پھر کبھی جل نہ سکا حالانکہ اسے جلانے کی ہزار کوشش کی گئی۔ (حجۃ اللہ علی العالمین صفحہ ۲۲۵) خلیل اللہ نے اپنے ہاتھ سے بت توڑے اور حبیب اللہ کے دنیا میں آنے پر بتانِ کعبہ از خود ٹوٹ کر اوندھے منہ گر گئے۔

تیرا آنا تھا کہ اصنامِ حرم ٹوٹ گئے	تیرے رعب سے شاہ زوروں کے دم ٹوٹ گئے
تیرے اوصاف کا اک باب بھی پورا نہ ہوا	ہو گئیں زندگیاں ختم قلم ٹوٹ گئے

خلیل اللہ وہ ہیں جنہوں نے کعبہ بنایا اور حبیب اللہ وہ ہیں جنہوں نے کعبہ بسایا۔ بلکہ خلیل اللہ کعبہ بنا کر دعا کرتے ہیں رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱۲۹ ''اے ہمارے رب ان میں وہ عظیم رسول بھیج جو انہی میں سے ہوگا، انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے گا اور انہیں کتاب و سنت کی تعلیم دے گا، بیشک تو ہی عزت والا حکمت والا ہے۔'' (بقرہ، ۱۲۹)

یعنی خلیل اللہ مرید ہیں اور حبیب اللہ ان کے مراد ہیں، تو جو مرید و مراد میں فرق ہے وہی خلیل و حبیب میں فرق ہے۔

[203] یعنی یہ جو کہا گیا کہ جو اللہ کے لیے اپنا چہرہ جھکائے اس کا دین سب سے اعلیٰ ہے، تو اس کا سبب یہ ہے کہ آسمان و زمین کی ہر چیز کا مالک اللہ ہے اور اس نے ہر چیز کو اپنے علم و اختیار سے گھیر رکھا ہے۔ لہٰذا ہر چیز کا حق ہے کہ اللہ کے حضور اپنا چہرہ جھکائے۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ

اور لوگ آپ سے عورتوں کے متعلق فتویٰ چاہتے ہیں، آپ فرمائیں ان کے متعلق تمہیں اللہ فتویٰ دیتا ہے۔[204] اور وہ احکام بھی

فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ

موجود ہیں جو تم پر قرآن میں پڑھے جاتے ہیں، ان یتیم عورتوں کے متعلق جنہیں تم وہ حق نہیں دیتے جو ان کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور تم

اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى

ان سے نکاح کی رغبت بھی رکھتے ہو اور مظلوم بچوں کے متعلق اور اللہ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ

بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

انصاف کرو۔[205] اور تم جو بھی بھلائی کرو تو اللہ اسے جاننے والا ہے۔[206]

عورتوں، یتیم لڑکیوں اور یتیم بچوں کے حقوق کا تحفظ

[204] حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسلام سے قبل عرب میں صرف بالغ مرد ہی میراث کے حقدار سمجھے جاتے تھے چھوٹے بچوں اور عورتوں کو اس میں سے کچھ نہ دیا جاتا تھا۔ جب احکام میراث نازل ہوئے تو بعض لوگ حیران ہوئے کہ جو بچے مال سنبھال نہیں سکتے اور عورتیں جو مال کمانے میں کچھ کردار ادا نہیں کرتیں کیا وہ مردوں کے ساتھ میراث میں شامل ہوں گی؟ تو انہیں انتظار تھا شائد اس بارہ میں کوئی نیا حکم آئے جب کوئی حکم نہ آیا تو انہوں نے اس بارہ میں حضور ﷺ سے سوال کیا۔ تب یہ آیتِ مبارکہ اتری: وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ الخ (تفسیر ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۲۹۸)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے رسول ﷺ! لوگ آپ سے عورتوں کے بارہ میں فتویٰ مانگتے ہیں آپ فرمائیں جب اللہ تعالیٰ نے فتویٰ دے دیا تو اب اس پر عمل کرو۔

[205] یعنی یتیم لڑکیوں کے بارہ میں تمہیں قرآن میں جو بتایا گیا ہے وہ پہلے سے تمہارے علم میں ہے اس پر عمل کرو، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے: وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔ (نساء،۳) آپ فرماتی ہیں: اگر کوئی یتیم لڑکی کسی شخص کی کفالت میں ہوتی اور حسن و جمال والی ہوتی تو اس کا ولی اس سے زبردستی نکاح کر لیتا اور اسے مہر وغیرہ بھی نہ دیتا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت (وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا) اتار کر فرمایا کہ اگر تم یتیم لڑکیوں سے انصاف نہیں کر سکتے تو ان کی بجائے دوسری عورتوں سے نکاح کرو جو بھی تمہیں پسند ہوں، خواہ دو یا تین یا چار۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ نساء)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یتیم لڑکی اگر حسن والی ہوتی تو اس کا ولی اس سے خود نکاح کرتا اور اس کی میراث اور مہر خود کھا جاتا اور اگر حسن والی نہ ہوتی تو کہیں اس کا نکاح نہ کرتا پھر اس کے مرنے کے بعد اس کی میراث پہ قبضہ کر لیتا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ. الخ (ابن جریر) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم یتیم لڑکیوں سے نکاح کی رغبت بھی رکھتے ہو اور انہیں ان کا حق بھی نہیں دینا چاہتے یعنی میراث اور مہر، یہ صریح ظلم ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ یعنی اللہ نے قرآن میں یتیم بچوں کے بارہ میں جو فرمایا ہے وہ تمہارے علم میں ہے اس پر عمل کرو جیسے اسی سورہ نساء کے شروع میں فرمایا گیا:

فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ ''جب یتیم سمجھ دار ہو جائیں تو ان کا مال ان کے سپرد کر دو اور ان کا مال ان کے سمجھ دار ہونے سے قبل فضول خرچیوں میں نہ اڑا دو۔'' (نساء،٦) پھر فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا، الخ، یعنی ''جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں نار جہنم بھرتے ہیں اور وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں جا گریں گے۔'' (نساء،١٠)

[206] یعنی اللہ تمہیں یتیموں سے انصاف کرنے کا حکم فرماتا ہے اور تم یتیموں سے جو بھی بھلائی کرو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ یا یہ کہ اللہ تمہارے ہر نیک عمل سے واقف ہے وہ ضرور اس کا اجر دے گا۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ

اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف سے نفرت اور روگردانی کا ڈر رکھتی ہو تو زوجین پر کوئی گناہ نہیں

اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ

کہ باہم معاملات پر مصالحت کرلیں اور صلح (جدائی سے) بہتر ہے۔[207] اور لوگوں کے دلوں میں (قدرت کی طرف سے)

الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾

خود غرضی ڈالی گئی ہے اور اگر تم اخلاص اور تقویٰ اختیار کرو تو یاد رکھو اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔[208]

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ

اور یہ تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ بیویوں میں (ہر معاملہ میں) عدل کرسکو خواہ تم ایسا کرنے کی شدید تمنا رکھتے ہو تو

الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ

(ایک بیوی کی طرف سے) پورا نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو لٹکتا چھوڑ دو اور اگر تم اصلاح اور تقویٰ سے کام لو تو اللہ بخشنے والا

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

رحم فرمانے والا ہے۔[209] اور اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی قدرت سے بے نیازی دے دے گا اور اللہ

وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

وسعت والا حکمت والا ہے۔[210]

[207] حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے کچھ ناگواری محسوس کی اور اسے طلاق دینے کا ارادہ کرلیا، بیوی نے ان سے کہا آپ مجھے طلاق نہ دیں اور میرے لئے جتنا حصہ مناسب سمجھیں مقرر کردیں میں اس پہ صبر کرلوں گی۔تب یہ آیتِ مبارکہ اتری: وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ۔ الخ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۷۱۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر کوئی عورت یہ خوف رکھتی ہے کہ اس کا شوہر اس سے نفرت یا اعراض برتتا ہے اور ممکن ہے طلاق دے دے تو اس میں کوئی گناہ نہیں کہ میاں بیوی باہم مصالحت کرلیں مثلاً یہ طے کرلیں کہ شوہر دوسرا نکاح کرلے اور

پہلی بیوی کو بھی ساتھ رکھے مگر اسے کم وقت دے اور نئی بیوی کو زیادہ اور باہمی صلح اس سے بہتر ہے کہ بیوی کو طلاق دی جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایک مرد کے پاس دو بیویاں ہوں ایک بوڑھی ہو یا خوش شکل نہ ہو اور اس کا شوہر اسے چھوڑنا چاہے تو یوں مصالحت کی جاسکتی ہے کہ اس کے لئے ایک رات مقرر کردی جائے اور دوسری بیوی کے لئے زیادہ راتیں مگر اسے طلاق نہ دی جائے۔ (مسند ابی داؤد طیالسی)

حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت (از کتب شیعہ)

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ام المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی کسی بات سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہوئے اور انہیں طلاق دینے کا ارادہ کرلیا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ مجھے طلاق نہ دیں اور میری باری والی رات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دے دیں۔ چنانچہ آپ نے انہیں طلاق نہ دی اور ان سے خوش ہو گئے پھر باقی ازواج مطہرات کے ہاں آپ ایک رات ٹھہرتے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں دو رات، کیونکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنا حصہ انہیں دے دیا تھا۔ بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ آیت اسی ہی بارہ میں نازل ہوئی۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورۃ النساء)

یہی بات شیعہ مفسر ملا فتح اللہ کاشانی نے لکھی ہے، وہ کہتا ہے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

یا رسول اللہ میخواہم کہ فردائے قیامت در زمرۂ زنان تو محشور شوم، ونوبت خود را بعائشہ مے بخشم،، حضرت بوے رجعت نمود، ونوبت او در خانہ عائشہ میبود، واین آیہ در قصۂ وے نازل شد،

یعنی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں چاہتی ہوں کہ کل قیامت کو آپ کی بیویوں میں سے اٹھوں، لہٰذا میں اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتی ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے رجوع فرمالیا اور ان کی باری کے دن آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر ہوا کرتے تھے اور یہ آیت (فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا) اسی قصہ میں نازل ہوئی۔ (تفسیر منہج الصادقین جلد ۳ صفحہ ۱۲۳ مطبوعہ انتشارات اسلامیہ تہران ایران)

اور بعینہ یہی تفصیل دوسرے شیعہ مفسر علامہ طبرسی نے لکھی ہے۔

(تفسیر مجمع البیان جلد ۸ صفحہ ۱۷۳ مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت)

علاوہ ازیں اسی علامہ طبرسی نے اعلام الوری میں بھی لکھا ہے:

وكانت سودة قد وهبت ليلتها لعائشة حين اراد طلاقها وقالت لا رغبة لى فى الرجال وانما اريد ان احشر فى ازواجك،

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیدی تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں طلاق دیدینے کا ارادہ کرلیا تھا، تو انہوں نے کہا مجھے مردوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ روزِ قیامت آپ کی ازواج میں اٹھائی جاؤں۔ (اعلام الوری باعلام الھدیٰ صفحہ ۱۵۷ مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ازواج رسول اللہ ﷺ بروز قیامت جنت میں بھی آپ کی ازواج ہوں گی۔ اسی بنیاد پہ حضور ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو طلاق نہ دی اور اس سے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عظمت کا بھی پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی تمام ازواج میں سے ان کے ساتھ سب سے زیادہ محبت تھی، حتی کہ حضرت سودہ نے ان کے لیے اپنی باری قربان کر کے رضاء رسول ﷺ حاصل کی اور یہ بات ہم نے انتہائی معتبر شیعہ کتب سے نقل کی ہے۔

وصال کے وقت رسول اللہ ﷺ کا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر مستقل رہائش فرمانا۔ از کتب شیعہ

اسی طرح جب رسول اکرم ﷺ کا وقت وصال قریب آیا اور آپ کے لیے ہر روز ایک زوجہ کے پاس باری باری جانا مشکل ہو گیا تو آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر مستقل رہائش اختیار فرمائی۔

چنانچہ شیعہ مورخ مرزا محمد تقی سپہر لکھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تمام ازواج سے فرمایا اب میں ہر شب تمہارے پاس باری باری نہیں جا سکتا، (اگر خواہید در خانہ عائشہ باشم و ہمہ گاں در آنجا مرا پرستاری کنید)، اگر تم پسند کرو تو میں عائشہ کے گھر رہائش اختیار کرلوں اور تم سب وہیں میری مزاج پرسی کر لیا کرو۔ تو سب نے کہا درست ہے، اسوقت رسول اللہ ﷺ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھے۔

آگے مرزا تقی شیعہ لکھتا ہے:

رسول خدا از خانہ میمونہ بیروں شد یکدست بردوش علی علیہ السلام ودست دیگر بردوش عباس یا فضل بن عباس داشت، وپائے مبارک را برزمیں مے کشید، وبدینگونہ تا خانہ عائشہ آمد۔

یعنی رسول خدا ﷺ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے نکلے، ایک ہاتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر رکھا دوسرا ہاتھ عباس یا فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کے کندھے پر رکھا اور آپ اپنے پاؤں مبارک زمین پہ گھسیٹ رہے تھے۔ اس طرح حضور ﷺ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر تک پہنچے۔ (ناسخ التواریخ احوال پیغمبر جلد ۴ صفحہ ۱۱۷ مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ ایران تہران)

توصد افسوس ہے اہل تشیع پر کہ جس زوجہ مطہرہ سے رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبت تھی یعنی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وہ انہی کو سب سے زیادہ گالیاں دیتے ہیں، کیسی گمراہی و بدبختی ہے۔

جو شخص کسی کی بیوی کو برا بھلا کہے وہ اس کی غیرت کو للکارتا ہے، کوئی غیرت مند شخص برداشت نہیں کرتا کہ کوئی دوسرا آدمی اٹھ کر اس کی بیوی کو یونہی گالیاں بکنے لگے۔ چہ جائیکہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کو گالیاں بکی جائیں، ان کو برا بھلا کہا جائے اور ازواج رسول ﷺ تو تمام مومنین کی مائیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ ”نبی ﷺ مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ انکے قریب ہیں یا ان پہ مختار ہیں اور آپ کی ازواج مطہرات سب مومنوں کی مائیں ہیں۔“ (احزاب، ۶)

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت وعظمت پہ سیر حاصل گفتگو ان شاء اللہ عزوجل سورہ نور کے ضمن آئے گی ، پھر کچھ تذکرہ سورہ احزاب کے ضمن میں بھی آئے گا۔

میاں بیوی کو مصالحت اور تقویٰ کا راستہ اپنانا چاہیے

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا میں میاں بیوی کو مصالحت کی بنیاد پر گھریلو زندگی استوار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اور یہ تب ہوتا ہے جب دل میں تقویٰ ہو۔ اس لیے آگے فرمایا: وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا۔ اور اس کے لیے ضروری یہ ہے کہ ضد کو چھوڑا جائے اور جذبہ ایثار سے کام لیا جائے ، جیسے اس آیتِ مبارکہ کے شانِ نزول کے مطابق ام المؤمنین سیدہ سوداء رضی اللہ عنہا نے قربِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعمت عظمیٰ کو قائم رکھنے کے لیے عظیم ایثار سے کام لیا، انہوں نے قیامت تک آنے والی مسلمان خواتین کو مثال پیش کی کہ شوہر کی محبت وقربت پانے کے لیے کیسے جذبہ قربانی کی ضرورت ہے۔

طلاق اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ چیز ہے

وَالصُّلْحُ خَيْرٌ میں کہا گیا ہے کہ زوجین کو حتی الوسع طلاق سے بچ کر مصالحت کرنی چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''حلال چیزوں میں اللہ کے ہاں سب سے ناپسندیدہ طلاق ہے۔''
(ابوداؤد کتاب الطلاق باب ۳)

یعنی طلاق اللہ کے ہاں بہت ناپسندیدہ کام ہے۔ مگر اسے اس لیے جاری کیا گیا ہے کہ بسا اوقات اس کے بغیر چارہ کوئی نہیں رہتا اور اسے سب سے آخری ہتھیار کے طور پہ استعمال کرنا چاہیے مگر یہ کیسی بدبختی ہے کہ ناسمجھ لوگ طلاق کو سب سے پہلے ہتھیار کے طور پر استعمال کر دیتے ہیں اور تین طلاقیں اکٹھی دیدیتے ہیں، اس کے بعد پریشان ہو کر فتویٰ حاصل کرنے نکل پڑتے ہیں۔

[208] شُحَّ کا معنی خودغرضی یا بخل ہے، قرآنِ مجید میں ہے: وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ یعنی ''جو شخص اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا۔'' (حشر،۹) تو معنی یہ ہے کہ خواہ شوہر ہو یا بیوی ہر حال وہ انسان ہے اور انسانوں کی طبائع میں اپنے مقصد کے لئے خودغرض ہونا ڈالا گیا ہے اگر یہ جائز طریقہ سے ہو تو برا نہیں مگر بہتر بھی نہیں اور ناجائز طریقہ سے ہو تو حرام ہے۔ بہتر یہ ہے کہ خودغرضی کی بجائے احسان اور تقویٰ سے کام لیا جائے یعنی دوسروں کی خوشی کے لئے اپنے مقصد کی قربانی دے دی جائے اسی لئے آگے فرمایا گیا: وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا۔ مطلب یہ ہوا کہ بیوی کو شوہر کے لئے اور شوہر کو بیوی کے لئے خودغرض ہونے کی بجائے احسان کرنے والا ہونا چاہیے۔ اسی طرح ہی گھر کی گاڑی بہتر طرح چل سکتی ہے۔

[209] یعنی اے شوہرو! تم ایک سے زائد بیویوں کے درمیان ہر معاملہ میں برابری نہیں کر سکتے کیونکہ ہر بیوی خوش خلقی، صحت اور شکل میں ایک جیسی نہیں ہوسکتی تو یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک شوہر سب بیویوں کے درمیان ایک جیسا پیار بانٹے ،لہٰذا اگر ایک بیوی سے محبت زیادہ اور دوسری سے کم ہو تو اس میں گناہ نہیں مگر یہ لازم ہے کہ کھانے پینے رہنے سہنے اور باری

مقرر کرنے میں مساوات رکھی جائے اس لئے آگے فرمایا کہ ایک بیوی کی طرف سے اس قدر اعراض نہ کرو کہ وہ لٹکی ہوئی چیز بن جائے یعنی نہ اسے آزاد کرو کہ دوسرا نکاح کرلے اور نہ اسے بیوی کی طرح بساؤ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا محبوبہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواج کے درمیان ہر چیز کو انصاف سے تقسیم فرماتے پھر دعا کرتے اللھم ھذا قسمی فیما املك فلا تلمنی فیما تملك ولا املك۔ ''اے اللہ! جو میرے اختیار میں ہے میں اس کو برابر تقسیم کرتا ہوں (یعنی بیویوں میں نان ونفقہ برابر تقسیم کرتا ہوں) مگر جو چیز میرے اختیار میں نہیں ہے (یعنی محبت) اور وہ صرف تیرے اختیار میں ہے اس میں مجھ پر پکڑ نہ فرمانا۔''

(ابوداؤد کتاب النکاح باب ۳۸، نسائی کتاب النکاح باب ۲، ابن ماجہ کتاب النکاح باب ۴۷، مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۴۴)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا اس لئے فرماتے تھے کہ آپ کو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ سب ازواج سے زیادہ محبت تھی۔ یعنی آپ دعاء فرماتے تھے کہ عائشہ صدیقہ سے جو میری محبت ہے وہ تیری طرف سے ہے وہ میرے بس میں نہیں ہے۔

بلکہ امام ابن ابی شیبہ، امام ابن جریر، اور امام ابن ابی حاتم و دیگر محدثین نے ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ یہ آیت لَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارہ میں ہی نازل ہوئی۔

(درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۱۷)

فضیلت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

ان کے حق میں اس آیت کا نزول ان کے محبوبہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کی دلیل ہے اور سب صحابہ اس سے بخوبی آگاہ تھے اس لئے حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ لوگ اس دن کے انتظار میں رہتے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر آرام فرما ہوں۔ اس دن لوگ آپ کی خدمت میں زیادہ تحائف وہدایا بھیجتے، یہ چیز دیگر ازواج مطہرات نے محسوس کی اور ان سب کی طرف سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ لوگوں سے ارشاد فرمائیں وہ تحائف بھیجنے میں کسی خاص زوجہ کی باری کا انتظار نہ کیا کریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ام سلمہ! مجھے عائشہ کے بارہ میں تکلیف مت دو اللہ کی قسم! جب میں تم میں سے کسی کے بستر پر موجود ہوں تو مجھ پر وحی نہیں اترتی سوا عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے بستر کے۔ (بخاری کتاب الفضائل باب فضائل عائشہ رضی اللہ عنہا)

بیویوں کے درمیان حقوق کی مساوی تقسیم کا وجوب

فَلَا تَمِيۡلُوۡا كُلَّ الۡمَيۡلِ سے پتہ چلا ایک سے زائد بیویوں کے درمیان نان ونفقہ اور سکنیٰ اور لباس میں برابری لازم ہے اس میں کنواری بیوہ اور نئی پرانی میں کوئی فرق نہیں۔ ہر بیوی کے پاس برابر جانا ضروری ہے مجامعت ضروری نہیں

وہ جسمانی تقاضوں پہ منحصر ہے۔ بہر حال فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ سے معلوم ہوا کسی بیوی کے جائز حقوق کی عدم ادائیگی حرام ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کی طرف مائل ہو جائے۔ (دوسری سے منہ پھیر لے) تو روز قیامت اس کے جسم کا ایک حصہ لٹک رہا ہوگا۔

(نسائی کتاب عشرۃ النساء باب ۲)

[210] اگر میاں بیوی کے مابین نبھ نہ آئے تو راستے جدا کر لینے میں کوئی حرج نہیں ایسے میں اللہ مرد کو اچھی بیوی اور عورت کو اچھا شوہر دے دے گا وہ بڑی وسعت والا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَلَقَدۡ وَصَّيۡنَا الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا

اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور تحقیق ہم نے ان لوگوں کو وصیت کی جنہیں تم سے قبل

الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَاِيَّاكُمۡ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنۡ تَكۡفُرُوۡا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا

کتاب دی گئی اور تمہیں بھی وصیت کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو۔ [211] اور اگر تم نہ مانو تو بے شک اللہ ہی کے لیے جو کچھ

فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيۡدًا ۝۱۳۱ وَلِلّٰهِ مَا فِی

آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ تو بے نیاز ہے ہر تعریف کا حقدار ہے۔ [212] اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ۝۱۳۲ اِنۡ يَّشَاۡ يُذۡهِبۡكُمۡ

آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ کافی ہے کارساز۔ [213] اور اگر وہ چاہے تو تمہیں اٹھا لے

اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاۡتِ بِاٰخَرِيۡنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيۡرًا ۝۱۳۳ مَنۡ

اے لوگو! اور (تمہاری جگہ) دوسرے لوگ لے آئے اور اللہ اس پر قادر ہے۔ [214] جو

كَانَ يُرِيۡدُ ثَوَابَ الدُّنۡيَا فَعِنۡدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ

صرف دنیا کا صلہ چاہتا ہے تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت کا صلہ موجود ہے اور اللہ

اللّٰهُ سَمِيۡعًا ۢ بَصِيۡرًا ۝۱۳۴

ہر چیز سنتا دیکھتا ہے۔ [215]

١٩ ع ٨ ١٦

[211] یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلی کتابوں میں اور قرآنِ مجید میں خوفِ خدا کی تعلیم دی ہے اور بتایا ہے کہ آسمان وزمین کی

ہر چیز اللہ کی ملک ہے، لہٰذا اس کے حکم سے ہرگز سرتابی نہیں کرنی چاہئے۔

[212] اور اے انسانو! اگر تم اللہ کی اطاعت کی بجائے نافرمانی اور کفر کرو تو اس سے تم اللہ کا کوئی نقصان نہیں کر سکتے ارض وسما کی ہر چیز اسی کی ملک میں ہے اور اس کی تسبیح کہہ رہی ہے وہ سب سے بے پرواہ ہے اور اپنی ذات میں لائقِ حمد ہے خواہ کوئی اس کی حمد کہے یا نہ۔ پھول کسی کی تعریف کا محتاج نہیں نہ ہی اس کا حسن کسی کی تعریف سے قائم ہے جب مخلوق کی بے نیازی یہ ہے تو خالق کی بے نیازی کیسی ہوگی۔

[213] جب ارض وسما کی ہر چیز اللہ ہی کی ملک میں ہے تو پھر انسانوں کو جان لینا چاہئے کہ اللہ سے بہتر ان کا کارساز کون ہو سکتا ہے لہٰذا ہر وقت اس کی اطاعت میں مگن اور اس کی نافرمانی سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

[214] جب ہر چیز اس کی ملک میں ہے تو وہ اپنی ملک میں جو چاہے کر سکتا ہے۔ اے انسانو! وہ اگر چاہے تو تم کو ہلاک کر کے تمہاری جگہ دوسرے لوگ لے آئے لہٰذا اس کے غضب کو مت للکارو یتیموں بیواؤں اور اپنی بیویوں سے ناانصافی مت کرو اس کی پکڑ سے ڈرتے رہو۔

[215] یعنی جو لوگ اپنی نیکیوں کا صلہ صرف دنیا ہی میں چاہتے ہیں اور ان نیکیوں پر لوگوں کی ستائش وتعریف کے طلبگار رہیں وہ نہایت کم ظرف، کوتاہ نظر اور ناعاقبت اندیش ہیں۔ اگر وہ اسکی بجائے اللہ کی رضا کے لئے کام کریں تو اللہ انہیں دنیا میں نیک نامی بھی دے گا اور آخرت میں جنت کی بہاریں بھی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى

اے ایمان والو! خوب انصاف قائم کرنے والے بن جاؤ اللہ کی رضا کے لیے گواہی دینے والے، خواہ وہ گواہی خود تمہارے خلاف

اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى

ہو یا تمہارے والدین اور قریبوں کے خلاف ہو۔ [216] اگر کوئی مالدار یا فقیر ہے تو اللہ ان کا کارساز ہے۔ [217]

بِهِمَا ۗ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

تو تم خواہش کی یوں پیروی نہ کرو کہ راہ حق سے ہٹ جاؤ اور اگر تم (حق کہنے سے) پہلو تہی کرو گے یا مکمل اعراض کرلو گے تو بے شک

كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٣٥﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

اللہ تمہارے اعمال سے خوب خبردار ہے۔ [218] اے ایمان والو! ایمان رکھو اللہ پر اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر

وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ

اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی اور ہر اس کتاب پر جو اس سے پہلے نازل ہوئی۔ [219]

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ

اور جو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز آخرت کا انکار کرے تو وہ گمراہی میں

ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿١٣٦﴾

بہت دور نکل گیا۔ [220]

قیام عدل، استحکام ایمان اور نفاق سے براءت کا حکم

[216] اس سے قبل میاں بیوی اور یتامیٰ کے حقوق میں انصاف کا حکم دیا جا رہا تھا اب عامۃ الناس کے حقوق میں قیام عدل پر زور دیا جا رہا ہے تو فرمایا اے مومنو! خوب عدل قائم کرنے والے بن جاؤ، قسط کا معنی عدل ہے، جیسے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ، عدل یہ ہے کہ ہر صاحب حق کو اس کا پورا حق دیا جائے خواہ وہ اللہ کا حق ہو یا بندوں کا۔ اللہ کا حق یہ ہے کہ اسی کی عبادت کی جائے اس کے ساتھ شرک نہ کیا جائے اور اس کے جملہ احکام کو مانا اور پورا کیا جائے یہی لفظ اسلام کا معنی ہے۔ اور بندوں کے حقوق میں قیام عدل یہ ہے کہ میاں بیوی، والدین و اولاد، غلام و آقا، ملازم و آفیسر، آجر و

اجیر، حاکم ومحکوم، استاذ وشاگرد، دوکاندار وخریدار اور مالک مکان وکرایہ دار، الغرض معاشرے کے تمام طبقات میں لوگ ایک دوسرے کا حق ادا کریں کوئی کسی پہ ظلم نہ کرے۔ یہ ہے: کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: شُھَدَآءَ لِلّٰہِ کہ اللہ کی رضا کے لئے گواہی دینے والے بن جاؤ خواہ وہ گواہی خود تمہارے اپنے خلاف ہو یعنی اس گواہی سے تمہارے مفادات کو نقصان ہو، خواہ وہ تمہارے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہو یعنی اگر تمہارے والدین اور قریبی عزیز کسی پر ظلم کریں تو تم ان کی بجائے مظلوم کے حق میں گواہی دو اگر تم نے جان بوجھ کر ظالم والدین اور قریبی عزیزوں کے حق میں گواہی دی تو تم بھی ان کے ظلم میں برابر شریک ہو گے جیسے منافق طعمہ بن ابیرق کے خاندان والوں نے اس کے حق میں جان بوجھ کر جھوٹی قسم اٹھائی۔ یاد رہے اگر کسی کے والدین اور اقرباء کسی پر ظلم کریں اور دوسرا کوئی گواہ نہ ہو تو اس پر مظلوم کے حق میں والدین اور عزیزوں کے خلاف گواہی دینا فرض عین ہے اور اگر کوئی دوسرا گواہ بھی ہو تو پھر فرض کفایہ ہے۔

حق بات کہی جائے خواہ والدین یا قریبی عزیزوں کے خلاف ہو

آج ہم برادری اور رشتہ داری کی بنیاد پر ظالموں، چوروں، قاتلوں اور بدکردار لوگوں کو ووٹ دے کر انکے ہاتھ میں ملک کی زمام اقتدار دیدیتے ہیں تاکہ وہ قوم کا سرمایہ جی بھر کر لوٹیں۔ اسی طرح ہم رشتہ داری نبھانے کے لیے مقدمات میں اپنے رشتہ داروں کے حق میں عدالتوں میں گواہی دیکر انہیں چھڑواتے اور بیگناہ لوگوں کو پھنسواتے ہیں گویا ہم میں اور منافق طعمہ بن ابیرق کے ہم قبیلہ منافقین میں کوئی فرق نہیں، مگر مومن کا کام یہ ہے کہ حق کا ساتھ دے خواہ وہ والدین یا عزیزوں کے خلاف ہو۔

ایمانی رشتہ جسمانی رشتے سے اہم تر ہے

اللہ تعالیٰ نے ایمانی رشتے کے استحکام کے لئے جسمانی رشتوں کو قربان کرنے کا حکم فرمایا ہے یعنی یہ درس دیا ہے کہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف گواہی دے کر مسلمان بھائی کی مدد کرو مگر آج ایسا کون کرتا ہے لاکھوں میں کوئی ایک ہوسکتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت جائز نہیں

والدین کی اطاعت فرض ہے لیکن اگر وہ کسی پہ ظلم کا حکم دیں تو ان کا ساتھ دینا جائز نہیں بلکہ ان کے خلاف گواہی دینی چاہئے اسی لئے حدیثِ طیبہ میں ہے: لَاطَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ ''اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں اطاعت تو جائز کام ہی میں کی جاسکتی ہے۔'' (بخاری کتاب الامارۃ حدیث ۳۹) کئی لوگ بیوی کے

کہنے پر ماں باپ کے نافرمان بن جاتے ہیں اور کئی وہ ہیں جو ماں باپ کے کہنے پر بیوی پہ ظلم کرتے ہیں، یہ دونوں گناہ کے طریقے ہیں۔ مومن پہ ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کا حکم بجالانا ضروری ہے۔

[217] یعنی اگر تمہارا رشتہ دار مالدار ہے تو اس کے مال سے مرعوب ہو کر اور اگر غریب ہے تو اس پر ترس کھا کر اس کے حق میں گواہی نہ دو اگر وہ ظالم ہو، بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لئے حقدار کے حق میں گواہی دو کیونکہ اللہ سب امیروں اور غریبوں کا کارساز ہے۔

[218] یعنی کسی سے محبت یا نفرت تمہیں قیام عدل اور سچی گواہی سے نہ روکے اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے وہ تمہیں اس کی سزا دے گا۔

[219] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے بارہ میں نازل ہوئی جو یہودیت چھوڑ کر اسلام لائے تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم صرف آپ اور آپ کی کتاب پر اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب پر ایمان لائیں گے اس کے سوا کسی پر ایمان نہیں لائیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ مبارکہ اتاری: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ یعنی جو وہ کہیں اسے ماننا ایمان ہے اور جب آپ کہتے ہیں کہ تمام انبیاء سابقین اور ان کی کتابوں پر ایمان ضروری ہے تو تم آپ سے پہلے اترنے والی تمام کتابوں پر ایمان لاؤ تب تم مومن ہو۔

ختمِ نبوت

فآمنوا باللہ ورسولہ میں لفظ رسولہ معرفہ باضافت ہے اور معرفہ ایک ہی ذات پہ بولا جاسکتا ہے اور وہ یہاں محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے، یعنی قرآنِ کریم جس امت کے لیے نازل ہوا اس میں صرف حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ ہی اللہ کا رسول کہلانے کی حقدار ہے، یعنی اس آیت کی روشنی میں صرف آپ ہی کا حق ہے کہ فرمائیں کہ لوگو میں اللہ کا رسول ہوں مجھ پہ ایمان لاؤ، جو مجھ پہ ایمان لائے اس کے لیے نجات ہے اور جو مجھے رسول نہ مانے اس کے لیے جہنم ہے۔ لہٰذا حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا اس امت میں سے جو شخص بھی یہ دعویٰ کرے وہ جھوٹا کذاب ہے۔ تو یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ ختمِ نبوت کی واضح دلیل ہے۔ اور اس مفہوم کی آیات سے سارا قرآنِ کریم بھرا ہوا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں قدم قدم پہ فرما رہا ہے کہ اللہ پہ ایمان لاؤ اور اس کے رسول پہ ایمان لاؤ، گویا سارا قرآن گواہ ہے کہ اس امت کا ایک ہی رسول ہے۔

[220] چنانچہ جب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی تو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا، ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کی ہر بات) پر ایمان رکھتے ہیں اور قرآن سے قبل والی ہر کتاب اور ہر رسول پر اور سب فرشتوں اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

یاد رہے جن رسولوں کا قرآن یا حدیث میں صراحتاً ذکر آ گیا ان پر تفصیلاً اور جن کا نام نہیں آیا ان پر اجمالاً ایمان رکھنا

لازم ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ پہلی کتابوں پہ صرف ایمان رکھنا ضروری ہے مگر تلاوت صرف قرآن کی کی جائے گی اور اسی پر عمل کیا جائے گا۔ کیونکہ قرآن کی کامل ہدایت کے بعد کسی آسمانی کتاب سے ہدایت لینے کی ضرورت نہیں اور یوں بھی پہلی کتابوں میں انسانوں نے بہت سی سے تحریفات کر دی ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ایک بار تورات کے چند صفحات ملے جو وہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پڑھنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ انور غضب ناک ہو گیا آپ نے فرمایا آج اگر موسیٰ علیہ السلام خود زندہ ہوں تو انہیں میری ہی اتباع کرنا پڑے گی۔ (مسند احمد)

رسولوں کے بعد اماموں پہ ایمان لانا کچھ ضروری نہیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام ایمانیات کا ذکر فرمایا ہے، یعنی بتایا گیا کہ اللہ پہ، اس کے فرشتوں پہ، اسکی کتابوں پہ، اس کے رسولوں پہ اور روز آخرت پہ ایمان رکھنا ہر مومن کے لیے فرض ہے۔ شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے نبوت ورسالت کے بعد امامت کا سلسلہ جاری کیا ہے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بارہ امام مقرر کیے گئے اور ان کا مقام ومرتبہ انبیاء کی طرح ہے وہ انبیاء کی طرح معصوم، منصوص من اللہ اور مفترض الطاعۃ ہیں اور جو ان میں سے کسی امام کا انکار کرے وہ اسی طرح ہے جیسے اس نے کسی نبی کی نبوت سے انکار کیا۔

ہم شیعہ فرقہ سے سوال کرتے ہیں کہ اگر یہ بات ہے تو ضروری تھا کہ یہاں وَرُسُلِهٖ کے بعد وائمتہ بھی کہا جاتا، یہ کیسی جاہلانہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ گزر جانے والے انبیاء پہ ایمان لانا ضروری قرار دے اور آنے والے ائمہ کا ذکر ہی نہ کرے؟ حالانکہ ماضی میں گزر جانے والوں کی نسبت مستقبل میں آنے والوں کا ذکر زیادہ ضروری ہونا چاہیے، تاکہ لوگ ان سے ہدایت لینے سے رہ نہ جائیں۔ معلوم ہوا کہ اماموں پہ ایمان لانے کو ضروری جاننا اور اس کے بغیر ہر مومن کو کافر کہنا یہ سراسر الحاد ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ''ہر مومن اللہ پہ، اس کے فرشتوں پہ، اس کی کتابوں پہ اور اس کے رسولوں پہ ایمان رکھتا ہے، یہ کہتے ہوئے کہ ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں فرق نہیں رکھتے۔'' (بقرہ، ۲۸۵)

اسی طرح مزید ایک مقام پہ اللہ تعالیٰ ایمانیات کی تفصیل یوں بیان فرماتا ہے

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ یعنی ''نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا چہرہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیرو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ جو شخص اللہ پر، روز آخرت پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور سب انبیاء پر ایمان لائے۔'' (بقرہ، ۱۷۷)

توشیعوں سے دوبارہ سوال ہے کہ اگر رسولوں کے بعد اماموں کی آمد کا سلسلہ جاری ہے اور وہ بھی اللہ کی طرف سے مبعوث ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ان کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ یعنی اللہ تعالیٰ نے سارے قرآن میں کہیں ایسا کیوں نہیں فرمایا ورسلہ والائمۃ، یا ایسا کیوں نہیں فرمایا والنبیین والائمۃ؟

انبیاء ورسل تو دنیا سے چلے گئے، اب ان سے کسی کو واسطہ نہیں پڑے گا۔ مگر بقول شیعہ بارہ اماموں سے تو امت کو تا قیامت واسطہ پڑنے والا تھا، لہذا اماموں پہ ایمان لانے کا حکم تو انبیاء کی نسبت زیادہ ضروری تھا، تو پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سارے قرآن میں کہیں انبیاء کے ساتھ ائمہ کا ذکر نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ امامت کا عقیدہ ایک سازش کے ذریعہ خود گھڑ کر دین میں داخل کر دیا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا
بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا پھر ایمان لائے پھر کفر کیا پھر کفر میں بڑھ گئے
كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿١٣٧﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ
تو اللہ ان کی بخشش فرمانے والا نہیں اور نہ ہی وہ انہیں سیدھا راستہ دکھائے گا۔ [221] منافقوں کو خوشخبری دے دو
بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ﴿١٣٨﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ
کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ [222] جو کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں مؤمنوں کو چھوڑ کر، کیا وہ کافروں کے ہاں
الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿١٣٩﴾
عزت ڈھونڈتے ہیں؟ تو (جان لیں کہ) عزت ساری اللہ کے لیے ہے۔ [223]

[221] ایمان کے بعد اب کفر پہ بات کی جا رہی ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس آیت سے یہود مراد ہیں جو ایک بار موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے پھر تورات کے نزول پر اس کا انکار کر کے کافر ہوئے پھر ان پر طور پہاڑ اٹھایا گیا تو مجبوراً ایمان لائے پھر عیسیٰ علیہ السلام انجیل لائے تو اس سے انکار اور عیسیٰ علیہ السلام کی توہین اور ان کے متعلق ارادۂ قتل کے باعث پھر کافر ہو گئے پھر جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ مجید لے کر آئے تو اس کا انکار کر کے کفر میں بڑھتے چلے گئے اور قیامت تک بڑھتے جا رہے ہیں۔ یا اس آیت میں کفار کی عمومی حالت کا بیان ہے کہ جو لوگ چند بار ایمان لا کر پھر کفر پہ پختہ ہو جاتے ہیں اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے پھر ان کے لئے بخشش اور ہدایت کا راستہ بند ہو جاتا ہے مگر پہلا مفہوم زیادہ قوی ہے کیونکہ اگلی آیات میں کفار سے یہود ہی مراد ہیں۔

[222] مدینہ طیبہ میں نزولِ قرآن کے وقت منافقین کا یہود سے گہرا گٹھ جوڑ تھا تو گزشتہ آیت میں یہود کے انجام بد سے باخبر کرنے کے بعد اب منافقین کی حالت زار سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ یہود کی طرح ان کے لئے بھی دردناک عذاب ہے۔

[223] منافقین اہلِ ایمان کی بجائے یہود سے دلی دوستی رکھتے تھے اور یہود کی طرح ان کی خواہش بھی چراغ اسلام کے بجھانے کی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس کا کھلا مظاہرہ اس وقت کیا جب یہود بنونضیر کو مدینہ طیبہ سے نکل جانے کا حکم دیا گیا تو سردار منافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول نے انہیں پیغام بھیجا کے ڈٹے رہو یہاں سے نکلنا نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں ہم مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں گے اور اگر تمہیں مدینہ سے نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے۔ مگر وقت آنے پہ وہ یہود کی مدد کو نہ آیا اور بنونضیر کو مدینہ طیبہ سے ذلیل ہو کر نکلنا پڑا قرآنِ مجید میں ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ؕ "کیا آپ نے منافقوں کی طرف نہ دیکھا کہ وہ اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں (مدینہ طیبہ سے) نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے بارہ میں کسی کی بات نہیں مانیں گے۔" (حشر،۱۱)

دورِ حاضر میں یہ آیت ان نام نہاد مسلم حکمرانوں پہ صادق آتی ہے جو اپنی بادشاہتوں اور کرسیوں کے تحفظ کے لیے دشمنانِ اسلام سے محبت رکھتے بلکہ ہر کام میں ان کی اطاعت بجالاتے ہیں اور ہر وہ پالیسی اپناتے ہیں جس میں کفار کا فائدہ اور مسلمانوں کا نقصان ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ یعنی کیا یہ منافقین یہود کے ہاں عزت ڈھونڈتے ہیں کہ ان کے ساتھ ملنے سے انہیں عزت ملے گی؟ تو وہ یاد رکھیں کہ عزت کا مالک اللہ ہے وہ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت، وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ (آل عمران،۲۶) لہٰذا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی سے انہیں عزت مل سکتی ہے۔ چنانچہ جو لوگ دامنِ مصطفیٰ ﷺ سے وابستہ ہو گئے جہان کے امام بن گئے۔

جس طرف چشمِ محمد کے اشارے ہو گئے جتنے ذرے سامنے آئے ستارے ہو گئے

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا

اور تحقیق اللہ نے تم پر قرآن میں یہ اتارا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا کفر

وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ

اور تمسخر کیا جارہا ہے تو تم ایسے لوگوں کے پاس مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مصروف ہو جائیں (اگر تم ان کے پاس

اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ

بیٹھے تو) پھر تم بھی انہی جیسے ہو گے۔ [224] بے شک اللہ منافقوں اور کافروں کو جمع کرنے والا ہے جہنم میں

جَمِيْعَا ۨ ﴿١٤٠﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ

اکٹھے۔ [225] جو تمہارے متعلق منتظر ہوتے ہیں چنانچہ اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح ملے

قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ڮ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ

تو کہتے ہیں: کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کامیابی کافروں کے لیے ہو تو ان سے کہتے ہیں: کیا ہم تم پر

نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ

قابو نہ رکھتے تھے؟ اور کیا ہم نے تمہیں مومنوں سے نہ بچایا؟ [226] تو اللہ ان کے مابین

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿١٤١﴾ ع

روز قیامت فیصلہ فرمائے گا اور اللہ کافروں کو مومنوں پر کبھی غلبہ عطا نہیں فرمائے گا۔ [227]

۲۰ ع ۱۷

[224] گزشتہ آیات میں منافقین کی حالت بتائی گئی کہ وہ کفار کے ساتھ بیٹھتے اور ان کے ہم راز بنتے ہیں۔ اب مسلمانوں کو اس بُرے کام سے دور رہنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مسلمانو! تمہیں قرآن میں پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ جب کفار اللہ کی آیات کا مذاق اڑا رہے ہوں تو ان کے پاس مت بیٹھو، ہاں جب وہ کسی اور بات میں مشغول ہوں تو پھر ان کے پاس بیٹھنے میں حرج ہیں۔ یعنی وہ مجلس دینی معاملات پر گفتگو کی بجائے کاروبار دنیا سے تعلق رکھتی ہو تو کفار کے ساتھ بیٹھنے میں حرج نہیں مثلاً ملازمت، تجارت اور سفر وغیرہ میں کفار کے ساتھ اکٹھے بیٹھنا پڑ جاتا ہے تو اس میں حرج نہیں۔ ہاں جب وہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ پر طعنہ زنی کر رہے ہوں تو اس وقت اگر تم ان کے پاس بیٹھے

توتم انہی جیسے شمار کئے جاؤ گے۔

اس کے علاوہ قرآنِ کریم میں اس سے قبل مکی دور میں سورہ انعام کی یہ آیت اسی بارہ میں اتری تھی کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ''اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں (برائی کے ساتھ) غور کرتے ہیں تو تم ان سے الگ رہو یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں غور کرنے لگیں۔'' (انعام، ۶۸)

بدمذہبوں سے مجالست حرام ہے

فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ کہہ کر بدمذہبوں کی مجالست سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں قیامت تک آنے والے سب بدعتی گروہ اس آیت کے تحت داخل ہیں۔ (مظہری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یکون فی آخر امتی اناس یحدثونکم مالم تسمعوا انتم ولا آباء کم فایاکم وایاھم۔ م

''میری امت کے آخر میں ایسے لوگ ظاہر ہوں گے، وہ تمہیں ایسی حدیثیں سنائیں گے جو تم اور تمہارے باپ دادا نے کبھی نہ سنی ہوں گی تم ان سے دور رہو وہ تم سے دور رہیں۔'' (مسلم مقدمہ حدیث ۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یأتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا آبائکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم۔

''آخری زمانہ میں بہت سے سخت فریبی جھوٹے لوگ پیدا ہونگے، وہ تمہارے پاس ایسی احادیث لے آئیں گے جو کبھی تم نے سنی ہونگی نہ تمہارے باپ دادا نے، تو ان سے دور رہو، وہ تم سے دور رہیں، کہیں وہ تمہیں فتنہ وگمراہی میں نہ ڈال دیں۔'' (مسلم مقدمہ باب ۶ حدیث ۱۶)

آج ہمیں بدمذہب لوگوں کی کتابوں میں ایسی احادیث ملتی جن میں صحابہ کرام خلفائے راشدین اور امہات المومنین رضی اللہ عنہم کو جی بھر کر گالیاں دی گئی ہیں اور ان احادیث کو از خود گھڑ کر ائمہ اہل بیت اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ پھر ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن کے مطابق قرآنِ کریم کی تحریف ہو چکی ہے۔ تو قرآن ایسے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے سے ہمیں سختی سے منع فرما رہا ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ اچھوں کی صحبت اچھا اور بروں کی صحبت برا کر دیتی ہے، اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ میں بتایا گیا کہ دشمنانِ اسلام کے ساتھ بیٹھ کر اسلام کے خلاف ان کی زہریلی باتیں سننے والا اللہ کے ہاں انہی میں شمار ہوگا اس میں صحبت بد سے دور بھاگنے کی تلقین ہے۔ اگر نوح علیہ السلام کا بیٹا کفار کی صحبت کے باعث کافر وجہنمی ہو سکتا ہے تو ہم کون ہیں۔

[225] کافروں اور منافقوں کو جہنم میں ایک ساتھ رکھا جائے گا جب وہ دنیا میں اکٹھے رہنا پسند رکھتے تھے تو آخرت میں بھی انہیں اکٹھا کر دیا گیا۔

[226] یعنی اے مومنو! منافقین تمہارے بارے میں منتظر رہتے ہیں کہ غزوات میں تمہیں کامیابی ملتی ہے یا ناکامی۔ اگر کامیابی ملے تو تمہارے ساتھ محبت کا دم بھرتے ہوئے کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے لہٰذا مالِ غنیمت وغیرہ میں ہمارا بھی حصہ بناؤ اور اگر کسی غزوہ میں کفار کو ظاہری غلبہ ملے جیسے احد میں ہوا تو منافقین کفار سے کہتے ہیں کیا ہم نے مسلمانوں سے مل کر تم پر قابو نہ پالیا تھا، پھر ہم ہی تھے جنہوں نے تمہیں مومنین کی پکڑ سے بچایا۔ اِسْتَحْوَذَ کا معنی غلبہ پانا ہے جیسے اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ۔ (مجادلہ،۱۹) یعنی ہماری وجہ سے تم اہل ایمان کے غیض وغضب سے محفوظ ہو۔

[227] یعنی اللہ تعالیٰ روزِ قیامت مومنوں اور منافقوں کے مابین فیصلہ کردے گا اور بتا دیگا کہ کون مخلص مومن ہے کون منافق، آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ کہ اللہ کافروں کو مومنین پر کبھی غلبہ نہ دے گا۔ اب اگر سوال کیا جائے کہ آج تو کفار ہی مومنوں پہ ہر جگہ غالب ہیں تو پھر اس آیت کا کیا معنی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ چار طرح اس آیت کا معنی کیا گیا ہے۔

اول: اللہ تعالیٰ کافروں کو آخرت میں مومنوں پر غلبہ نہ دے گا، کیونکہ اس سے قبل فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فرمایا گیا ہے

دوم: یہ معنی ہے کہ کفار دلیل وحجت میں مسلمانوں پر غالب نہیں آسکتے، حجت ہمیشہ ایمان والوں کی غالب ہے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ سچا ہے اور ٹھوس بنیادوں پہ قائم ہے۔

سوم: یہ معنی ہے کہ واقعی سچے مومنوں پہ کسی میدان یا کسی جنگ میں کفار غالب نہیں آسکتے۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہوا: وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ ''اگر تم سچے مومن ہو تو تم ہی غالب ہو۔'' (آل عمران،۱۳۹) آج ہم مخلص مومن نہیں۔

چہارم: یہ معنی ہے کہ اللہ مومنوں پہ کفار کو شرعی وقانونی غلبہ نہیں دے گا، لہٰذا کسی اسلامی حکومت میں کوئی کافر کسی اہم سرکاری منصب پہ فائز نہیں ہوسکتا، نہ ہی کسی مسلمان کے خلاف گواہی دے سکتا ہے، نہ کسی مسلمان عورت سے شادی کرسکتا ہے۔ کیونکہ شوہر کو بیوی پہ قانونی غلبہ حاصل ہوتا ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى

بے شک منافقین اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور وہ انہیں غفلت میں پکڑنے والا ہے۔ [228] اور جب وہ

الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا

نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بوجھل دل سے کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے

قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۗ وَمَنْ

مگر تھوڑا سا۔ [229] لڑکھڑاتے پھرتے ہیں، کفر و ایمان کے درمیان نہ اِن کی طرف ہیں نہ اُن کی طرف اور جسے

يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

اللہ گمراہ کردے تم اس کے لیے کوئی راستہ نہ پاؤ گے۔ [230]

منافقوں کی منافقانہ چالبازیوں اوران کے انجام کا بیان

[228] یعنی منافقین سمجھتے ہیں کہ انہوں نے زبانی کلمہ پڑھ کر کفار سے دوستی بھی پکی رکھی ہے اور (معاذ اللہ) اللہ کو بھی مغالطہ دے دیا ہے۔ حالانکہ اللہ انہیں غفلت میں پکڑے گا یعنی وہ اسی مغالطے میں رہیں گے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کو مغالطہ دے رکھا ہے اور اچانک اللہ انہیں پکڑ لے گا اور وہ موت کے بعد جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے اسی لئے آگے فرمایا گیا ہے: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ

اس آیت کے غلط اردو تراجم اور صحیح ترجمہ

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ کا اردو ترجمہ کرتے ہوئے بہت سے لوگوں نے شانِ ربوبیت کا لحاظ نہیں رکھا اور لفظ خَدَعَ کے تقابل کو دیکھ کر دھوکہ کھا گئے اور وہ الفاظ لکھ دیئے جو اللہ رب العزت کی شان الوہیت کے خلاف ہیں، مثلاً:

۱۔ البتہ منافقین دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا۔

(ترجمہ مولانا محمود الحسن دیوبندی مدرس اول دار العلوم دیو بند صفحہ ۱۳۲ مطبوعہ سعودیہ بحکم شاہ فہد بن عبد العزیز)

۲۔ منافق جو ہیں دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا۔ (ترجمہ شاہ عبد القادر صفحہ ۱۴۳ مطبوعہ تاج کمپنی)

۳۔ تحقیق منافقین فریب دیتے ہیں اللہ کو اور وہ فریب دینے والا ہے ان کو۔ (ترجمہ شاہ رفیع الدین)

۴۔ یہ منافقین اللہ سے دھوکہ بازی کررہے ہیں اور حالانکہ اللہ ہی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔
(ترجمہ مولانا مودودی تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۴۰۹)

ان تراجم میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف دھوکہ میں ڈالنے، فریب دینے اور دغا دینے کی نسبت کی گئی ہے۔ اور یہ الفاظ اللہ کی عظمت وکبریائی اور تقدس و پاکیزگی کے خلاف ہیں۔ عام اردو خواں مسلمان ان تراجم کی وجہ سے سمجھے گا کہ اللہ دھوکہ دے سکتا ہے، دغا دے سکتا ہے اور فریب کرسکتا ہے، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ اس آیت کا اردو میں سب سے پہلے درست ترجمہ کرنے والے علامہ شاہ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ ہیں، انہوں نے یوں ترجمہ کیا:

بیشک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دینا چاہتے ہیں اور وہی ان کو غافل کرکے مارے گا۔
(ترجمہ کنز الایمان صفحہ ۱۴۷ مطبوعہ تاج کمپنی)

امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی فکر سے متاثر ہوکر اہلِ علم کا ایک مکتب معرضِ وجود میں آیا جنہیں عرفاً بریلوی کہا جاتا ہے حقیقت میں یہ علماء اہل سنت ہیں جنہوں نے امام احمد رضا کی علمی تحریک سے شانِ ربوبیت وعظمت رسالت کے احترام کا درس لیا اور قرآن کے ترجمہ میں خدا و بندگانِ خدا کے متعلق ادب واحترام کی روش اپنائی اور کہیں کوئی ایسا لفظ نہ لائے جو شانِ خدا و عظمتِ انبیاء کے خلاف ہو۔ چنانچہ بریلوی فکر کے علماء کے تراجم بھی اس آیت کے تحت دیکھیں، مثلاً:

منافقین دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو اور وہ انہیں اس کی سزا دے گا۔ (تفسیر نعیمی مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ)

بیشک منافقین اپنے گمان میں دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ انہیں سزا دینے والا ہے اس دھوکہ بازی کی۔
(تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ ازہری علیہ الرحمہ)

بیشک منافقین اپنے زعم میں اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں، دراں حالیکہ اللہ انہیں دھوکہ کی سزا دینے والا ہے۔
(تفسیر تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ)

اور راقم الحروف محمد طیب غفرلہ نے بھی ان اکابرین کی پیروی میں یوں ترجمہ کیا: منافقین اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور اللہ انہیں غفلت میں پکڑنے والا ہے۔

قرآنِ کریم کا اندازِ تقابل لفظی

اس جگہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآنِ کریم کا ایک اسلوب بیان تقابل لفظی ہے، یعنی لفظ کے مقابلہ میں لفظ ذکر کیا جاتا ہے، مگر دونوں کے معنی میں فرق ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ "(عیسیٰ علیہ السلام روز قیامت کہیں گے) اے اللہ تو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔" (مائدہ، ۱۱۲)

اس آیت میں دو بار لفظ نفس آیا ہے پہلی بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے دوسری بار اللہ تعالیٰ کے لیے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے نفس بمعنی دل ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے بمعنی علم، یہ تقابل لفظی ہے۔ اب اگر یہاں اللہ تعالیٰ کے لیے بھی نفس کا

معنی دل کیا جائے تو یہ شانِ الوہیت کے خلاف ہے۔ اسی طرح یہاں یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ میں تقابلِ لفظی ہے پہلی بار لفظ مخادعت منافقین کے لیے ہے جو دھوکہ دینے کے معنی میں ہے اور دوسری بار اللہ کے لیے ہے جو منافقین کے دھوکے کے توڑنے کے معنی میں ہے اور یہ زیادتی ہے کہ اللہ کے لیے مخادعت کو اسی معنی میں لیا جائے جس میں وہ منافقین کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ یونہی قرآن میں وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ ہے، اس کا معنی بھی بہت سے اردو مترجمین نے لفظی انداز میں کرتے ہوئے یوں کر دیا کہ کفار نے مکر کیا اور اللہ نے مکر کیا (معاذ اللہ) یہاں بھی ان لوگوں نے یہی زیادتی کی اور وہ قرآنِ کریم میں اسلوب تقابلِ لفظی کو نہ سمجھ سکے اور ادب الوہیت سے دور جا پڑے،

دیکھیں، ہر زبان میں ایک لفظ کے کئی معانی ہوتے ہیں اور فاعل کے بدلنے سے معنی بدل جاتا ہے، دوکان بیٹھ گئی، کاروبار بیٹھ گیا، آواز بیٹھ گئی، دیوار بیٹھ گئی، کوئی شخص بیٹھ گیا، اب ان میں لفظ ایک ہی ہے مگر فاعل کے بدلنے سے معنی بدل گیا۔

[229] اس آیت کے نزول کے وقت مدینہ طیبہ میں جو منافقین تھے انہوں نے صدق دل سے کلمہ نہیں پڑھا تھا وہ صرف دھوکہ دہی کے لئے زبانی کلمہ پڑھ کر صفِ اہل اسلام میں داخل تھے لہٰذا وہ نماز میں شوق سے کھڑے ہونے کی بجائے محض دکھاوے کے لئے نماز میں کھڑے ہوتے تھے کہ دکھائیں کہ وہ بھی نماز میں کھڑے ہیں لہٰذا انہیں مسلمان سمجھا جائے۔ دوسری جگہ ان کے بارہ میں فرمایا گیا: وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾ (توبہ، ۵۴) گویا وہ نماز میں یوں کھڑے ہوتے تھے جیسے مسجد میں جوتی چور آکر نماز میں کھڑا ہو وہ صرف اتنی رکعتیں پڑھتا ہے جتنی دیر لوگوں کو جوتیوں سے غافل نہیں پاتا۔ اور منافقین اللہ کا ذکر کم ہی کرتے تھے۔ یعنی منافقین نماز کے لئے مسجد میں کم ہی آتے تھے اور اگر آجاتے تو نماز میں زبان سے کچھ نہ پڑھتے سوا تکبیرات رکوع وسجود کے۔

نماز میں سستی منافقوں کا کام ہے

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ میں منافقین کی حالت بتائی گئی ثابت ہوا مومن نماز میں سستی نہیں کرتا۔ نماز میں سستی کرنا یہ بھی ہے کہ نماز کبھی پڑھی جائے کبھی نہ۔ جیسے فرمایا گیا: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴿۴﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴿۵﴾ ''تو ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز میں غفلت کرتے ہیں۔'' (ماعون، ۵) اور یہ چیز بھی نماز میں سستی کرنے میں داخل ہے کہ نماز صحیح وقت پہ نہ پڑھی جائے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''منافق سورج کے غروب کا انتظار کرتا ہے جب سورج غروب کے قریب چلا جائے تب وہ اٹھتا اور جلدی جلدی پرندے کی طرح زمین پر چار چونچیں مار لیتا ہے اور اللہ کا ذکر کم ہی کرتا ہے۔''

(مسلم کتاب المساجد حدیث ۱۹۵)

اور یہ بھی نماز میں سستی کرنا ہے کہ مسجد میں آنے سے کترایا جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”منافقوں پہ عشاء اور فجر سب سے بھاری نمازیں ہیں اور اگر انہیں خبر ہوتی کہ ان میں کیا فضیلت ہے تو وہ سینے کے بل گھسٹ کر بھی مسجد میں ضرور آتے۔“ (بخاری کتاب الاذان باب ۳۴)

دکھاوے کی مذمت

یُرَآءُوْنَ النَّاسَ میں دکھاوے کو منافقوں کا طریقہ بتایا گیا ہے گویا مومن کا عمل لوگوں کو دکھانے کے لئے نہیں اللہ کو دکھانے کے لئے ہوتا ہے۔ حدیثِ طیبہ میں ہے بعض لوگوں کو روزِ قیامت اللہ فرمائے گا جاؤ انہی لوگوں سے ثواب حاصل کرو جن کو تم نے اپنا عمل دکھانا چاہا تھا۔

[230] یعنی منافقین مومنوں اور کافروں کے درمیان لڑکھڑاتے پھرتے ہیں اگر کبھی مسلمانوں پہ امتحان و مصیبت کا وقت آئے تو پناہ کے لیے یہود کی طرف بھاگتے ہیں اور اگر مسلمانوں کو جنگ میں غلبہ اور مالِ غنیمت ملے تو پھر مسلمانوں کی طرف لپکتے ہیں۔ الغرض ان کی کشتیِ حیات حالات کی موجوں میں تھپیڑے کھاتی پھرتی ہے اور یہ ان کے نفاق کی دنیوی سزا ہے اخروی سزا اس کے علاوہ ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ
اے ایمان والو! کافروں کو اپنا مددگار مت بناؤ مومنوں کو چھوڑ کر
اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی
کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کے لیے اپنے خلاف کھلی دلیل بنا لو۔ [231] بے شک منافقین سب سے
الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا ﴿۱۴۵﴾ۙ
نچلے طبقہ میں ہوں گے دوزخ سے اور تم ان کے لیے کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔ [232]

[231] معلوم ہوا کفار سے ایسی دوستی حرام ہے جیسی منافقین مدینہ کی یہود کے ساتھ تھی یعنی ایسی دوستی جو مسلمانوں کے لئے باعثِ نقصان اور خطرۂ ایمان ہو۔ ہاں اگر کوئی مسلم حکومت کفار کے مقابلہ میں دوسرے کفار سے مدد لے اور ان سے دوستانہ ماحول رکھے تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ امتِ مسلمہ کے مفاد کے لئے ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار مکہ کے مقابلہ میں یہود مدینہ سے پرامن بقائے باہمی کا معاہدہ کیا (یہ الگ بات ہے کہ یہود نے اس معاہدہ کو بعد میں توڑ ڈالا) یا جیسے آج پاکستان نے بھارت کے مقابلہ میں چائنہ سے دوستی کر رکھی ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ بعض کفار سے تجارتی و علاقائی بنیاد پر

دوستی رکھی جائے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا﴿۱۴۴﴾ یعنی کیا تم کفار سے دوستی بنا کر روز قیامت اللہ کے ہاں اپنے خلاف دلیل قائم کرنا چاہتے ہو یعنی تمہارے نامہ اعمال میں تمہارے خلاف کھلی دلیل آ جائے۔ یہ آیت دورِ حاضر کے مسلم حکمرانوں کے لئے درستِ عبرت ہے جو اپنی آمریت، ملوکیت، بادشاہت اور غاصبانہ اقتدار کے تحفظ کے لئے مسلمانوں کے خلاف کفار سے محبت کی پینگیں چڑھاتے ہیں اور ہر وہ کام کرتے ہیں جس میں امتِ مسلمہ کا نقصان اور کفار کا فائدہ ہے۔

[232] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اَلدَّرْكِ الْاَسْفَلِ جہنم کی تہہ میں لوہے کے وہ کمرے ہیں جن کے دروازے مقفل ہیں اور انہیں آگ نے اوپر نیچے سے لپیٹ رکھا ہے۔ (درمنثور)

جہنم میں منافقین کا خوفناک درجہ

اور ایک روایت میں ہے کہ خود جہنم ان کمروں کی حدت سے پناہ مانگتا ہے۔ (مظہری) اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: منافقین کو لوہے کے تابوتوں میں ڈالا جائے گا جو آگ میں تپائے جائیں گے، پھر انہیں جہنم کے سب سے گہرے مقام میں پھینک دیا جائے گا جہاں آگ کے تنور ہیں جن کا منہ تیر کی نوک سے بھی تنگ ہے (درمنثور بروایت ابن ابی الدنیا، جلد ۲ صفحہ ۲۲۷) گویا منافقین کو کھلے کافروں سے سخت تر عذاب دیا گیا کیونکہ منافقوں نے کفر کرنے کے علاوہ ایمان کا مذاق بھی اڑایا اور اہلِ اسلام کو دھوکہ دیا۔ یہاں منافقین میں وہ تمام ملحدین بھی داخل ہیں جو اپنے کافرانہ عقائد کو اسلام کا نام دیتے ہیں جیسے منکرینِ ختم نبوت، منکرینِ حدیث اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کو معاذ اللہ کافر کہنے والے روافض۔ یہ سب لوگ منافقین ہیں جنہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے، مگر ان کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں اور یہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ

مگر جنہوں نے (منافقت سے) توبہ کر لی، خود کو سنوار لیا، اللہ پر بھروسہ کر لیا اور اپنا دین اللہ کے لیے خالص کر لیا، تو یہ لوگ

مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ مَا يَفْعَلُ

مؤمنوں کے ساتھ ہوں گے اور عنقریب اللہ مؤمنوں کو بڑا اجر عطا فرمائے گا۔ [233] کیا فائدہ اٹھائے گا

اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝

اللہ تمہیں عذاب دے کر اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ اور اللہ بڑا حق شناس، علم والا ہے۔ [234]

[233] البتہ جو لوگ کافرانہ عقائد اور منافقانہ کلمہ پڑھنے سے تائب ہو کر سچے دل سے اسلامی زندگی اختیار کریں اور کفار پر بھروسہ کرنے کی بجائے ربِ غفار پر بھروسہ کریں اور اپنا دین اللہ کے لئے خالص کر لیں تو ایسے لوگ مسلمانوں کے بھائی ہیں وہ جنت میں مسلمانوں کے ساتھ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ جنت میں مسلمانوں کو اجر عظیم دے گا۔

[234] یعنی اے منافقو! اگر تم سچے دل سے ایمان لے آؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر کرو تو اللہ کو تمہیں عذاب دینے کی کیا ضرورت ہے؟ یا اے مسلمانو! اگر تم اللہ کا شکر بجالاتے ہوئے فرائض کی پابندی اور محرمات سے اجتناب کرو تو اللہ کو تمہیں عذاب دینے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ ضرورتوں سے پاک ہے وہ تو تمہیں بخشنا چاہتا ہے۔

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
اللہ تعالیٰ بری بات کا اعلان کرنا پسند نہیں فرماتا سوا اس کے جو مظلوم ہو اور اللہ سب کچھ
سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ
سننے جاننے والا ہے۔ [235] اگر تم اعلانیہ بھلائی کرو یا اسے خفیہ رکھو یا کسی کی برائی سے درگزر کرو تو اللہ تعالیٰ
كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾
معاف فرمانے والا قدرت والا ہے۔ [236]

بعض اخلاقی برائیوں کا رد اور آداب گفتگو کا بیان

[235] گزشتہ آیات میں منافقت کی برائی اور اس کی سزا بتائی جا رہی تھی اب غیبت، الزام تراشی اور کردار کشی جیسی برائیوں کا رد کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ یہ ساری چیزیں منافقت ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس آیت کا شانِ نزول مجاہد سے یہ مروی ہے کہ ایک آدمی کسی جنگل میں ایک (بادیہ نشین) آدمی کے پاس مہمان ہوا اس نے اسے کھانا نہ کھلایا، اس نے لوگوں کو بتایا کہ فلاں آدمی نے مجھے کھانا نہ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس شکوے کے جواز پر یہ آیتِ مبارکہ اتاری: لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ۔ (ابن جریر) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کسی کے خلاف برائی کی آواز بلند کرنا یعنی اس کی غیبت کرنا اور اس کی برائی لوگوں کو بتانا اللہ کو ہرگز پسند نہیں مگر جو مظلوم ہو وہ ظالم کے ظلم کے خلاف آواز بلند کر سکتا ہے تاکہ اسے اس کا حق مل سکے اور ظالم ظلم سے باز آئے اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون مظلوم ہے کون نہیں وہ سب سنتا جانتا ہے۔

یاد رہے مظلوم ظالم کے خلاف آواز اٹھا سکتا ہے اور معاف کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اسی لئے اگلی آیت میں فرمایا: اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ اسی طرح مظلوم کو اپنے حق کے حصول کے لئے دعا کرنا چاہئے مگر وہ ظالم کی بربادی کی دعا نہ کرے اور بعض علماء کے نزدیک اتنی بددعا کر سکتا ہے جس قدر اس نے ظلم کیا اس سے زیادہ کرے گا تو وہ خود ظالم ٹھہرے گا۔ اور وہ ظالم کے خلاف جھوٹی بات نہ کہے، بس جو ظلم اس نے کیا اتنا ہی بیان کرے اور فوت شدگان کو کچھ نہیں کہنا چاہئے۔

اللہ کو مومن کی پردہ داری پسند ہے

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ کے الفاظ بتاتے ہیں کہ کوئی شخص مظلوم کے سوا کسی کی برائی نہ اچھالے

بلکہ اس کی پردہ داری کرے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ”جس نے کسی کی برائی دیکھ کر اسے چھپایا اس نے گویا کسی زندہ درگور ہونے والے کو بچا لیا (اس کے برابر ثواب ہے)“ (ابوداؤد کتاب الادب باب ۳۸) (الا یہ کہ مفاد عامہ اس کے خلاف ہو، یعنی اگر مفاد عامہ یہ ہو کہ کسی کی برائی اچھالی جائے تاکہ دوسرے لوگ اس کی برائی سے بچ جائیں تو پھر اسکی برائی کو اچھالنا چاہیے، جیسے جھوٹے راویوں کا جھوٹ ظاہر کرنا تاکہ لوگ انکی جھوٹی روایات کی بنیاد پہ گمراہی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اسی طرح گمراہ و بدین لوگوں کی گمراہی و بددینی سے عوام المسلمین کو آگاہ کرنا ضروری ہے، تاکہ وہ ان کے چنگل میں نہ پھنسیں۔

غیبت کی برائی

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَہْرَ بِالسُّوْٓءِ میں یہ درس بھی ہے کہ اللہ کو غیبت پسند نہیں۔ شب معراج رسول اللہ ﷺ نے دیکھا بعض لوگ اپنے چہرے (جہنم میں) اپنے نوکیلے ناخنوں سے نوچ رہے تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کی غیبت کرتے تھے۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب ۳۵)

اور قرآن مجید نے اسے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر قرار دیا اور فرمایا: وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِہْتُمُوْہُ ؕ ”تم آپس میں ایک دوسرے کی غیبت مت کرو، کیا تم پسند رکھتے ہو کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاؤ، تو تم اس سے نفرت کرو گے۔“ (حجرات، آیت: ۱۲)

غیبت کے جواز کی صورتیں

اِلَّا مَنْ ظُلِمَ سے معلوم ہوا ہر مظلوم ظالم کے خلاف آواز اٹھا سکتا ہے، یہ غیبت نہیں ہے اور اس کی چند صورتیں ہیں۔

اول: راویانِ حدیث میں سے کذاب و وضاع اور ضعیف راویوں کی برائی لکھنا جو علم اسماء الرجال کا موضوع ہے، یہ بھی ایک طرح سے ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا ہے۔

دوم: کسی کو مشورہ دینا کہ فلاں جگہ بیٹی یا بیٹے کا رشتہ نہ کرو وہ اچھے لوگ نہیں ہیں، یا فلاں شخص سے تجارت نہ کرو وہ لین دین کا اچھا نہیں ہے۔ حدیث میں ہے: المستشارُ مُؤتمنٌ۔

سوم: یونہی کسی بدعقیدہ شخص کی بدعقیدگی واضح کرنا تاکہ لوگ اس کی صحبت میں بیٹھ کر ایمان ضائع نہ کریں، یہ غیبت نہیں دین کا دفاع ہے اور یہ سب صورتیں کسی نہ کسی لحاظ سے اِلَّا مَنْ ظُلِمَ کے تحت داخل ہیں۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ مظلوم کی فریاد سے ڈرنا چاہیے، اِلَّا مَنْ ظُلِمَ سے معلوم ہوا مظلوم کی فریاد اللہ کو پسند ہے اور اللہ اسے خوب سنتا اور قبول فرماتا ہے حدیثِ مبارکہ میں ہے ”تین دعائیں بلاشبہ مقبول ہیں مظلوم، مسافر اور والدین کی دعاء۔“ (ابن ماجہ کتاب الدعاء)

[236] یعنی جس نے تم سے بھلائی کی ہے تم اس سے خواہ علانیہ بھلائی کرو یا خفیہ وہ بہر حال تمہارے لئے بہتر ہے اور جس نے تم سے برائی کی اگر تم اسے معاف کر دو تو یاد رکھو یہی خلق الٰہی ہے کہ اللہ قادر مطلق ہونے کے باوجود معافی عطا فرمانے والا ہے دوسری جگہ ارشاد ہوا: وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ط

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ
بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے انکار کرتے ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا چاہتے ہیں
وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ
وہ کہتے ہیں کہ ہم بعض رسولوں پہ ایمان رکھتے ہیں بعض پر نہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے
يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝١٥٠ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا
درمیان کوئی تیسرا راستہ نکال لیں تو وہ پکے کافر ہیں اور کافروں کے لیے ہم نے
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝١٥١ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا
ذلت آمیز عذاب تیار کیا ہے۔ [237] اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور رسولوں میں سے کسی میں
بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ
تفریق نہ کی ان لوگوں کو عنقریب اللہ ان کا اجر دے گا اور اللہ بخشنے والا
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝١٥٢ ع
مہربان ہے۔ [238]

ع ۲۱ ۱۱ ۱

اللہ اور اس کے رسولوں پہ ایمان رکھنے کا حکم

[237] پانچویں پارہ کے آخر میں نفاق کی برائی بتائی جا رہی تھی، درمیان میں آداب گفتگو پہ روشنی ڈالی گئی۔ اب پھر ایمانیات کی طرف روئے سخن موڑا گیا ہے تو فرمایا گیا کہ جو لوگ اللہ سے انکار کریں اس طرح کہ اس کا وجود نہ مانیں یا اسے ایک نہ کہیں بلکہ اس کے ساتھ شرک کریں۔ اور جو لوگ اس کے رسولوں سے انکار کریں اس طرح کہ ان میں سے کسی کی رسالت نہ

مانیں یا اس کی توہین کریں۔اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے مابین تفریق کریں یعنی اللہ کو مانیں اور رسولوں کو نہ مانیں جیسے مشرکین ہندو سکھ اور بدھ مذہب والے ہیں۔یا اللہ کو اپنی مرضی کے مطابق مانیں رسولوں کی بیان کردہ شانِ الوہیت کے مطابق نہ مانیں یوں وہ اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کریں جیسے یہود و نصاریٰ اللہ کے لئے اولاد مانتے اور خصوصاً عیسائی اللہ کے لئے حلول مانتے ہیں اور مجسّمہ و مُشبِّہ اللہ کے لئے جسم اور تشبیہ مانتے ہیں یعنی اللہ کو رسولوں سے ہٹ کر مانتے ہیں۔اور جو لوگ اللہ کے بعض رسولوں کو مانیں اور بعض سے انکار کریں جیسے یہود نے سلیمان علیہ السلام کو نبی کی بجائے جادوگر مانا، اسماعیل علیہ السلام کی نبوت سے انکار کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت سے نہ صرف انکار کیا بلکہ انہیں صحیح النسب ہی نہ مانا، ایسے سب لوگ پکے کافر ہیں اور ان کے لئے ذلت آمیز عذاب تیار ہے۔

[238] گزشتہ آیتِ مبارکہ میں کفار کی جو اقسام بیان ہوئی ہیں اب ان کی ضد بتائی جا رہی ہے کہ ان کے برعکس جو لوگ اللہ اور اس کے تمام رسولوں پہ ایمان لائیں یعنی اللہ کو اس کی ذات وصفات کے ساتھ مانیں اور کسی رسول سے انکار یا اسکی تنقیص نہ کریں اور رسولوں میں تفریق نہ کریں یعنی یہ نہ کہیں: نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ تو اللہ انہیں ان کا اجر ضرور دے گا مطلب یہ کہ ایمان کی وجہ سے وہ بہرحال بخشش پالیں گے اگر وہ شامت گناہ سے دوزخ میں گئے تو بالآخر ایمان کی وجہ سے وہ جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔

سب انبیاء کرام علیہم السلام نفسِ نبوت میں برابر ہیں

وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ سے معلوم ہوا کہ ہر نبی از روئے نفس نبوت ایک ہی جیسا ہے یہ نہیں کہ کسی کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا لہٰذا وہ مستقل نبی ہے اور کوئی اپنی محنت سے نبی بنا، لہٰذا وہ غیر مستقل یا ظلی و بروزی نبی ہے جیسے مرزا قادیانی نے خود کو غیر مستقل اور ظلی و بروزی نبی کہا یہ سب کفریات مرزائیہ ہیں۔سب انبیاء کرام علیہم السلام مستقل نبی ہیں۔ان میں سے کوئی ظلی یا بروزی نہیں ہے۔

رسالت کے بعد امامت کا سلسلہ جاری نہیں کیا گیا

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ اور وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ سے معلوم ہو رہا ہے کہ انسانوں میں سے رسولان گرامی ہی وہ ہستیاں ہیں جن پہ ایمان لانا فرض ہے اور ان سے انکار کفر ہے۔لہٰذا اہلِ تشیع کا یہ عقیدہ کہ آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اللہ نے دنیا میں انسانوں کی ہدایت کا سلسلہ جاری رکھنے کے لیے امامت کا سلسلہ جاری فرمایا اور وہ بارہ امام ہیں اور ان پہ ایمان لانا اسی طرح فرض ہے جیسے انبیاء پہ ایمان لانا فرض ہے اور کسی امام کا منکر اسی طرح کافر ہے جیسے کسی نبی کا منکر کافر ہے سراسر گمراہی والحاد ہے۔یہ سب اہلِ تشیع کی من گھڑت باتیں ہیں۔

اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہاں یوں فرماتا: والذین آمنوا باللہ ورسلہ وائمتہ، اور فرماتا: ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ وائمتہ، مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں فرمایا جس سے صاف معلوم ہوا کہ انبیاء ومرسلین ہی وہ

ہستیاں ہیں جن پہ ایمان لانا فرض ہے اور رسالت کے بعد امامت کا سلسلہ جاری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہی کی ہدایت تا قیامت سب انسانوں کے لیے جاری ہے، اس کی موجودگی میں کسی اور ہدایت کی ضرورت نہیں ہے۔

یَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا
اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کتاب اتاریں تو انہوں نے
مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ
موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بڑا سوال کیا تھا، انہوں نے کہا ہمیں اللہ کو کھلے طور پر دکھاؤ۔ [239] تب انہیں کڑک نے آ پکڑا
بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ فَعَفَوْنَا
ان کے ظلم کے سبب، پھر انہوں نے بچھڑے کو خدا بنایا بعد ازاں کہ ان کے پاس روشن آیات آگئیں، تو ہم نے اسے
عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَیْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ
معاف کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو کھلا غلبہ عطا فرمایا۔ [240] اور ہم نے ان سے عہد لینے کے لیے ان پر طور پہاڑ کو
بِمِیْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِی
بلند کیا۔ [241] اور ہم نے ان سے فرمایا کہ دروازہ میں سجدہ کرتے داخل ہو اور ہم نے ان سے کہا کہ ہفتہ کے دن حد سے
السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ﴿۱۵۴﴾
نہ بڑھو اور ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا۔ [242]

یہود کی گمراہیوں اور بداعمالیوں کا بیان

[239] گزشتہ آیات میں اشارۃً یہود کی یہ گمراہی بتائی گئی کہ وہ بعض انبیاء کو مانتے اور بعض سے انکار کرتے ہیں اب ان کی مزید گمراہیاں اور انبیاء سابقین کے خلاف ان کی دشمنانہ کارروائیاں بتائی جارہی ہیں۔ اس آیتِ مبارکہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ یہود میں سے بعض لوگوں نے حضور سید عالم ﷺ سے کہا جیسے موسیٰ علیہ السلام تورات والی تختیاں لے کر آئے تھے اگر آپ بھی آسمان سے ایسی تختیاں نازل ہوں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے تب یہ آیتِ مبارکہ اتری:

يَسْـَٔلُكَ اَهۡلُ الۡـكِتٰبِ اَنۡ تُنَزِّلَ عَلَيۡهِمۡ ۔ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۷۲۶)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب ﷺ! آپ یہود کے اس جاہلانہ مطالبہ سے پریشان نہ ہوں، انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سے زیادہ جاہلانہ سوال کیا تھا کہ ہمیں اللہ کی ذات کھلم کھلا دکھائی جائے۔

جس کا واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے جب بچھڑا پرستی کی تو حکم الٰہی ہوا کہ بچھڑا نہ پوجنے والے پوجنے والوں کو قتل کریں تو ہزاروں لوگ قتل ہوئے پھر انہیں معافی دی گئی تو جو لوگ قتل سے بچ گئے ان میں سے ستر افراد کو ساتھ لے کر موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے، تاکہ وہ اس عظیم گناہ سے سب قوم کی طرف سے وہاں معذرت کریں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ ان کا گناہ معاف کیا گیا، موسیٰ علیہ السلام نے انکو بشارت دی کہ انکا گناہ معاف کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا ہم کیا جانیں آپ پر اللہ نے کیا وحی اتاری ہے ہم تو آپکی بات تب مانیں گے جب آپ ہمیں اللہ کی ذات کھلم کھلا دکھا دیں۔ انہوں نے کہا: لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهۡرَةً ۔ یعنی ''اے موسیٰ! ہم تیری بات نہ مانیں گے جب تک اللہ کو کھلم کھلا دیکھ نہ لیں۔'' (بقرہ، ۵۵) یہ ان کی پہلی گمراہی یہاں بتائی جا رہی ہے۔

گویا وہ ایسے بدبخت تھے کہ اللہ رب العزت ان کو موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کے ذریعہ معافی عطا فرما رہا ہے اور وہ آگے سے کہہ رہے ہیں کہ اگر اللہ نے معافی دینی ہے تو سامنے آ کر دے۔ گویا اللہ تعالیٰ تو معافی دے رہا ہے اور وہ ناہنجار لوگ معافی لینے پہ تیار نہیں ہیں۔

[240] تب اللہ تعالیٰ نے ایک کڑک بھیجی جس سے وہ ستر آدمی مر گئے (البتہ انہیں بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے زندہ کر دیا گیا) مطلب یہ ہے کہ جس طرح انہیں اللہ کا دیدار نہ دیا گیا کیونکہ ان کا یہ مطالبہ ضد و عناد کی بنیاد پر تھا اسی طرح ان کا یہ مطالبہ کہ اگر قرآن تختیوں کی صورت میں آسمان سے حضور ﷺ پر اترے تو وہ ایمان لائیں گے، سراسر ضد کی بنیاد پر ہے اس لئے یہ پورا نہیں کیا جائے گا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ ۔ الخ یہ یہود کی دوسری گمراہی بتائی جا رہی ہے جو اپنی برائی میں اللہ کو کھلم کھلا دیکھنے کے مطالبہ سے درجۃً کم تر ہے اور یہاں کلمۂ ثُمَّ ترتیبِ درجہ کے لئے ہے نہ کہ ترتیبِ واقعہ کے لئے۔ کیونکہ واقعہ میں بنی اسرائیل کی بچھڑا پرستی پہلے تھی اور اللہ کے دیکھنے کا مطالبہ بعد میں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَعَفَوۡنَا عَنۡ ذٰلِكَ ۚ الخ یعنی ہم نے بنی اسرائیل کا بچھڑا پرستی کا جرم معاف فرمایا اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کھلا غلبہ دیا تھا کہ ان کے پر جلال حکم پر بنی اسرائیل میں سے بچھڑا نہ پوجنے والوں نے پوجنے والوں کو قتل کرنا شروع کر دیا حالانکہ وہ ان کے قریبی عزیز تھے۔

[241] یہود کی تیسری گمراہی یہ تھی کہ انہوں نے خود اللہ سے کتاب مانگی۔ مگر جب موسیٰ علیہ السلام ان کے لئے اللہ سے کتاب لے کر آئے تو انہوں نے کہا اس میں بہت سخت احکام ہیں ہم اسے قبول نہیں کرتے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر طور پہاڑ بلند

کیا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ۔ ''اور جب ہم نے ان پر (طور) پہاڑ بلند کیا گویا وہ چھتری ہو۔'' (اعراف، ۱۷۱) گویا اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کو تسلی دی کہ آپ یہود کے اس مطالبہ پر کہ قرآن کو آسمان سے اتری ہوئی تختیوں کی صورت میں لایا جائے پریشان نہ ہوں، تورات ان کے پاس آسمان سے تختیوں کی صورت ہی میں اتری تھی پھر انہوں نے اسے کیوں نہ مانا؟ یہ ماننے والی قوم ہی نہیں۔

[242] یہ یہود کی چوتھی گمراہی ہے۔ فرعون کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ بیت المقدس کو قوم عمالقہ کے ہاتھ سے آزاد کروانے کے لئے جہاد کریں۔ انہوں نے جہاد سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بطور سزا چالیس برس تک ارض تیہ (صحرائے سینا) میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا۔

اسی دوران حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا وصال ہوگیا۔ چالیس برس بعد عمالقہ کو اللہ نے عذاب سے تباہ کیا اور بنی اسرائیل کو موقع دیا کہ وہ اپنے آباء واجداد کے وطن میں جنگ کے بغیر داخل ہوں اور اس شکرانے میں سجدہ کرتے ہوئے اندر جائیں مگر ان بدبختوں نے سجدہ کرنے کی بجائے سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہو کر حکمِ الٰہی کا مذاق اڑایا، تو ان پر طاعون پڑا اور ہزاروں ہلاک ہوئے۔ قرآنِ مجید میں ہے:

فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ۔ ''تو ہم نے ظالموں پہ آسمان سے عذاب اتارا۔'' (بقرہ، ۵۹)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِی السَّبْتِ۔ یہ یہود کی پانچویں گمراہی ہے۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ حضرت داود علیہ السلام کے زمانہ میں یہود میں سے کچھ لوگ سمندر کے کنارے آباد تھے، وہ مچھلیاں پکڑ کر بیچتے تھے، انہیں حکم ہوا کہ وہ ہفتہ کے روز مچھلیاں نہ پکڑا کریں بلکہ اس دن عبادت میں مصروف ہوں، مگر انہوں نے یہ حکم نہ مانا آخر اللہ کا عذاب آیا اور انہیں بندر بنا دیا گیا۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ

تو ان کی ان عہد شکنیوں کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور اس لیے کہ وہ اللہ کی آیات سے انکار کرتے۔ انبیاء کو

حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا

ناحق قتل کرتے۔ [243] اور کہتے تھے کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔ نہیں بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان پر مہر لگا دی تو وہ

یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ۪﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰی مَرْیَمَ بُهْتَانًا عَظِیْمًا ﴿۱۵۶﴾

بہت کم ہی ایمان لاتے ہیں۔ [244] اور اس لیے کہ انہوں نے کفر کیا اور مریم پہ بڑا بہتان باندھا۔ [245]

[243] یہود کی چھٹی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کو ناحق قتل کیا اور نبی کا قتل ناحق ہی ہوتا ہے۔

لہٰذا بغیر حق کے الفاظ صرف زور بیان کے طور پہ ہیں، تو اللہ نے فرمایا کہ ہم نے یہود کے کفر، ان کی وعدہ شکنی اور قتل انبیاء جیسی گھناؤنی حرکتوں کے سبب ان پہ لعنت کی۔ چنانچہ زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کو قتل کرنے کی وجہ سے یہود پہ اللہ کی سخت پکڑ آئی اور ہزاروں یہود کو رومیوں کے ہاتھوں قتل ہونا پڑا۔ ان پہ برسنے والی اسی لعنت کو یوں بیان کیا گیا

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ''یہود پہ ذلت اور مسکینی مسلط کی گئی اور وہ غضبِ خداوندی کے سزاوار ہوئے کیونکہ وہ اللہ کی آیات سے انکار کرتے اور انبیائے کرام کو ناحق قتل کرتے تھے۔'' (بقرہ، ٦١)

[244] یہود کی ساتویں گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کی دعوتِ حق کے مقابلہ میں کہا: قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ہمارے دل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں، یعنی وہ اپنے عقائد میں اسقدر پختہ ہیں کہ ان پر کسی کا وعظ اثر نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پہ مہر لگادی ہے، تو یہود کم ہی ایمان لاتے ہیں، دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ یہود کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلافوں میں لپٹے ہیں، نہیں بلکہ اللہ نے ان پہ ان کے کفر کی وجہ سے لعنت کی ہے تو وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔ (بقرہ، ٨٨)

[245] یہود کے نصیب میں آٹھویں گمراہی یہ آئی کہ انہوں نے سیدہ مریم رضی اللہ عنہا پر بدکاری کا بہتان لگایا حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی پیدائش کے فوراً بعد ماں کی گود میں معجزانہ طور پر بول کر اپنی نبوت و رسالت اور اپنی والدہ کی پاکدامنی بیان فرمائی تھی مگر یہود یہ معجزہ دیکھ کر بھی بہتان بازی سے باز نہ آئے۔ اس لئے بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی۔

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ

اور انہوں نے کہا ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کیا جبکہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ [246] حالانکہ انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا

وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ

اور نہ سولی دی، بلکہ ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا اور ان کے بارہ میں اختلاف کرنے والے یقیناً شک میں

مِّنْهُ ۗ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ

مبتلا ہیں، انہیں اس بارہ میں کچھ علم نہیں، سوا گمان کی پیروی کے۔ [247] اور انہوں نے ان کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ

رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝١٥٨

اللہ نے ان کو اپنی طرف (زندہ) اٹھا لیا اور اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔ [248]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پہ اٹھایا جانا اور قربِ قیامت واپس زمین پہ آنا

[246] یہود کی نوویں گمراہی جو ان کے لیے وجہ لعنت بنی اور ان کے دلوں پر مہر لگائی گئی، یہ ہے کہ وہ فخریہ کہتے ہیں: ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، حالانکہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور کسی رسول کے قتل کا فخریہ دعویٰ کرنا بدترین کفر ہے۔ کسی بھی گناہ پہ فخر کرنا کفر ہے چہ جائیکہ قتل رسول پہ فخر کیا جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح اس لئے کہتے ہیں کہ مسیح کا معنی مسح کرنے (ہاتھ پھیرنے) والا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام ہاتھ پھیر کر اندھوں کو بینا، کوڑھیوں کو صحت مند اور مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ ''میں اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دیتا اور مردے زندہ کر دیتا ہوں۔'' (آل عمران، ۴۹)

[247] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہود کا قتلِ عیسیٰ علیہ السلام پر فخر کرنا ان کی فریب خوردگی اور جہالت ہے، انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا نہ سولی دی بلکہ ان پر شبہ ڈال دیا گیا کیونکہ حدیث کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ایک شخص پہ اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام والی شکل ڈالی اور آپ کو آسمان پہ اٹھا لیا، بعد میں اس شخص کو یہود نے حضرت عیسیٰ سمجھ کر سولی دے دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں اختلاف کرنے والے شک میں مبتلا ہیں۔ دراصل آپ کی جگہ دوسرے شخص کو سولی دینے والے اسی وقت شک میں مبتلا تھے کیونکہ اس کی شکل عیسیٰ علیہ السلام والی تھی اور باقی جسم اور قد کاٹھ مختلف تھا۔

یہاں مَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ میں قتل اور سولی دونوں کی الگ الگ تردید اس لیے کی گئی کہ عیسیٰ علیہ السلام کی اچانک گمشدگی معمہ بن گئی تھی ممکن تھا کوئی کہتا کہ آپ کو یہود نے خفیہ طریقہ سے قتل کر دیا ہوگا اللہ تعالیٰ نے اس خیال کا رد کرتے ہوئے فرمایا یہود نے حضرت عیسیٰ کو نہ خفیہ قتل کیا نہ علانیہ سولی دی بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا۔

[248] یعنی یہود و نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب سمجھنے میں محض وہم و گمان کا شکار ہیں۔ آپ کو ہرگز قتل نہ کیا گیا بلکہ اللہ نے آپ کو اپنی طرف یعنی آسمان پہ زندہ اٹھا لیا کیونکہ وہ غالب حکمت والا ہے۔ اس کی حکمت کا یہ تقاضا ہوا کہ آپ کو زندہ اٹھا کر قرب قیامت میں واپس زمین پہ لایا جائے تا کہ ان کی زبانی قرآن اور رسالت محمدیہ کی تصدیق ہو اور سب یہودی عیسائی اسلام میں داخل ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رفعت آسمانی کی مزید حکمتیں میں نے اپنی کتاب حیات ابن مریم میں لکھی ہیں۔

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ میں مرزائی تحریف کا رد

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ سے اللہ تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا لینا اسی طرح مراد ہے جیسے قرآنِ مجید میں ہے: اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ ۔ ''اللہ ہی کی طرف اچھے کلمے اٹھتے ہیں اور وہ اپنی طرف عمل صالح کو اٹھا لیتا ہے۔'' (فاطر، ۱۰) یعنی فرشتے مومنوں کے اچھے اعمال کی گواہیاں لے کر آسمان کی طرف جاتے اور انہیں بارگاہِ خداوندی میں پیش کرتے ہیں تو جس طرح اچھے کلمات اور عمل صالح کے اللہ کی طرف اٹھائے جانے سے ان کا آسمان کی طرف اٹھایا جانا مراد ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھائے جانے کو اللہ کی طرف اٹھانے سے تعبیر فرمایا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف زندہ اٹھائے جانے سے انکار کرتے ہوئے یہ جھوٹی کہانی گھڑی کہ آپ کو یہود نے سولی تو دی تھی مگر آپ کی جان نہ نکلی پھر آپ سولی سے اتر کر کسی طرح چھپتے چھپاتے وہاں سے فرار ہوئے اور فلسطین سے بھاگ کر کشمیر آئے اور بڑھاپے کی عمر کو پہنچ کر یہاں فوت ہوئے اور سری نگر میں ان کی قبر ہے مگر یہ مرزا قادیانی کا مکمل جھوٹ اور اس کی ایک مضحکہ خیز گپ ہے۔

مرزائی لوگ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ کا یہ معنی کرتے ہیں کہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد ان کی روح کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ ہم کہتے ہیں اس سے قبل مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ اور مَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًاۢ میں کیا حضرت عیسیٰ کی صرف روح کا قتل اور سولی سے بچایا جانا مراد ہے یا جسم اور روح دونوں کا بچایا جانا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ اسکا یہی معنی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم اور روح دونوں کو قتل اور سولی سے بچایا گیا کیونکہ صرف روح کا سولی یا قتل سے کوئی تعلق ہی نہیں بلکہ ظاہراً قتل یا سولی کا محل جسم ہی ہے، روح تو اس بارہ میں جسم کے تابع ہے۔ جب مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ میں حضرت عیسیٰ کے جسم و روح دونوں کو قتل اور سولی سے بچایا جانا مراد ہے تو آگے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ میں بھی ان کو روح اور جسم کیساتھ یعنی زندہ اٹھایا جانا ہی مراد ہے۔

کیونکہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں لفظِ بل قابلِ توجہ ہے۔ یہ ماقبل کی نفی اور مابعد کے اثبات کے لیے ہوتا ہے، یعنی اس میں جس چیز کی ماقبل سے نفی ہو اسی چیز کا مابعد کے لیے اثبات کیا جاتا ہے، جیسے ماجاء نی زید بل عمرو، میرے پاس زید نہیں آیا، بلکہ عمرو آیا ہے، تو اس میں زید کے لیے آنے کی نفی اور عمرو کے لیے آنے کا اثبات ہے، یا کوئی کہتا ہے: ماقتل زید بکرا بل رفعته الی بیتی، یعنی زید بکر کو قتل نہیں کر سکا تھا بلکہ میں اسے اٹھا کر اپنے گھر کی طرف لے گیا تھا، تو اس کا صاف مطلب ہے کہ میں زید کو قتل سے بچا کر زندہ جسم کے ساتھ اپنے گھر کی طرف لے گیا تھا۔ اسی طرح جب مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ میں جسم کا قتل اور جسم کی سولی مراد ہے تو بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں بھی جسم کا اٹھایا جانا مراد ہے نہ کہ روح کا اٹھایا جانا۔

اس جگہ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے حوالہ سے یہود کا عقیدہ ہے اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کیا ہے، نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ ان کو سولی دی گئی اور نصاریٰ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ زندہ کر کے آسمانوں کی طرف جسم کے ساتھ اٹھالیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ مبارکہ میں پہلی دونوں باتوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ، کہ یہود نے حضرت عیسیٰ کو نہ قتل کیا نہ سولی دی، جبکہ اللہ نے تیسری بات کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ، کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا۔ اگر یہ تیسری بات بھی غلط ہوتی تو اللہ اس کی بھی تردید فرماتا اور یہ ارشاد ہوتا: وما رفعه الله الیه، اور نہ ہی اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھایا۔ معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ کی جو بات غلط تھی اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی اور جو بات درست تھی اس کی تصدیق فرمائی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف کیسے اٹھایا گیا؟ حدیث کی روشنی میں

امام ابن ابی حاتم، امام ابن مردویہ اور امام نسائی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو آپ اپنے بارہ حواریوں کے پاس مکان میں آئے۔ آپ چشمہ سے آئے تھے اور اس وقت آپ کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے، (اور قربِ قیامت میں جب آپ آسمان سے اتریں گے اس وقت بھی حدیث کے مطابق آپ کے سر سے قطرے گر رہے ہونگے۔ گویا جس حالت میں آپ کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا تھا اسی حالت میں آپ واپس آئیں گے) اور فرمایا تم میں سے کون یہ چاہتا ہے کہ اس پر میری شکل ڈال دی جائے پھر وہ میری جگہ قتل کر دیا جائے اور وہ جنت میں میرا ساتھی ہے؟ ایک نوجوان نے جوان میں سب سے چھوٹا تھا کھڑے ہو کر کہا میں چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا تم بیٹھ جاؤ، پھر آپ نے اپنی بات دوہرائی، تو وہی نوجوان پھر کھڑا ہو گیا۔

الغرض آپ نے تین بار یہ بات کہی تینوں بار اسی نوجوان نے یہ خواہش ظاہر کی: فَاُلْقِيَ عَلَيْهِ شِبْهُ عِيْسٰى وَ

رُفِعَ عِیسٰی مِنْ رَوْزَنَةِ الْبَیْتِ اِلَی السَّمَآءِ۔ تو اس نوجوان پہ عیسیٰ علیہ السلام کی شکل ڈال دی گئی اور عیسیٰ علیہ السلام کو مکان کے روشن دان سے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا۔ اس کے بعد یہود حضرت عیسیٰ کو ڈھونڈ ھتے ہوئے آئے اور جس نوجوان کی شکل حضرت عیسیٰ والی بنائی گئی تھی اس کو پکڑ کر لے گئے اور قتل کر کے سولی پہ لٹکا دیا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۴ صفحہ ۱۱۱۰ حدیث ۶۲۳۳ مطبوعہ مکہ، در منثور جلد ۲ صفحہ ۷۲۷ مطبوعہ بیروت)

اس روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے صاف فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو روشن دان کے ذریعے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف زندہ اٹھایا گیا۔

حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ خود مرزا قادیانی کی زبانی

حیرت کی بات یہ ہے کہ مرزا قادیانی ایک عرصہ تک یہی تبلیغ کرتا رہا کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمانوں پہ اٹھالیے گئے اور قرب قیامت میں دوبارہ زمین پہ آئیں گے، بعد میں اس نے اپنا عقیدہ بدلا اور حیات عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدہ کو گمراہی قرار دیا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

سو حضرت مسیح تو انجیل کو ناقص کی ناقص ہی چھوڑ کر آسمانوں پہ جا بیٹھے۔

(حاشیہ براہین احمدیہ مندرجہ روحانی خزائن جلد اول صفحہ ۴۳۱ مطبوعہ لندن)

اسی براہین احمدیہ میں ایک اور جگہ مرزا قادیانی نے لکھا:

اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا۔ (حاشیہ براہین احمدیہ مندرجہ روحانی خزائن جلد اول صفحہ ۵۹۳)

اس سے بھی بڑھ کر وہ بات کو کھول کر لکھتا ہے: اور حضرت مسیح علیہ السلام نہایت جلالیت کے ساتھ دنیا پہ اتریں گے اور تمام راہوں اور سڑکوں کو خس و خاشاک سے صاف کر دیں گے۔۔ اور یہ زمانہ (مرزا قادیانی کا زمانہ) اس زمانہ کے لیے بطور ارہاص (بطور پیش گوئی) واقع ہوا ہے۔ (براہین احمدیہ مندرجہ روحانی خزائن صفحہ ۶۰۲)

مسیحِ موعود ہونے کے حوالہ سے مرزا قادیانی کے جھوٹ اور کفر کا ثبوت خود اس کی زبان سے

مرزا قادیانی نے ''براہین احمدیہ'' ۱۸۸۰ء میں لکھی، بعد میں اس نے قلابازی کھائی اور خود کو مسیحِ موعود قرار دے کر عیسیٰ علیہ السلام کی حیات سے انکار کر دیا اور اس نے کہا:

یہ اسی قسم کا تناقض ہے کہ جیسے ''براہین احمدیہ'' میں میں نے یہ لکھا تھا کہ مسیح ابن مریم آسمان سے نازل ہوگا، مگر بعد میں لکھا کہ آنے والا مسیح میں ہی ہوں۔ اس تناقض کا یہی سبب تھا کہ اگرچہ خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں میرا نام عیسیٰ رکھا اور مجھے فرمایا کہ تیرے آنے کی خبر خدا اور رسول نے دی تھی۔ مگر چونکہ مسلمانوں کا ایک گروہ اس اعتقاد پہ جما ہوا تھا اور میرا بھی یہی اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر سے نازل ہونگے، اس لیے میں نے خدا کی وحی کو ظاہر پہ حمل نہ کرنا چاہا اور

اس کی تاویل کرتا رہا اور اپنا اعتقاد وہی رکھا جو عام مسلمانوں کا تھا اور اسی کو براہین احمدیہ میں شائع کر دیا، لیکن اس کے بعد اس بارہ میں بارش کی طرح وحی نازل ہوئی کہ وہ مسیح موعود جو آنے والا ہے وہ تو وہی ہے۔۔۔ پھر میں نے اس پہ کفایت نہ کرتے ہوئے اس وحی کو (اپنی گھڑی ہوئی وحی کو) قرآن شریف پر عرض کیا (پیش کیا) تو آیات قطعیۃ الدلالت سے ثابت ہوا کہ درحقیقت مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے اور آخری خلیفہ مسیح موعود کے نام پر اسی امت میں سے آئے گا (اور وہ میں ہوں) اور جیسا کہ دن چڑھ آئے تو کوئی تاریکی باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح صدہا نشانیوں اور آسمانی شہادتوں اور قرآن شریف کی قطعیۃ الدلات آیات اور نصوص صریحہ حدیثیہ نے مجھے اس بات پہ مجبور کر دیا کہ میں اپنے تئیں مسیح موعود مان لوں۔ (حقیقۃ الوحی مندرجہ روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۵۳ مطبوعہ لندن)

اب ''حقیقۃ الوحی'' کا سنِ تصنیف خود مرزا نے ۱۹۰۷ء لکھا ہے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۱۳) اور ''براہین احمدیہ'' ۱۸۸۰ء میں شائع ہوئی، تو مرزا کی اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ کہتا ہے پہلے میرا بھی عام مسلمانوں کی طرح یہی عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں ہیں اور وہ دوبارہ نازل ہونگے اور یہی عقیدہ میں نے ''براہین احمدیہ'' میں ۱۸۸۰ء میں شائع کیا، اس دوران اگرچہ اللہ نے بذریعہ وحی میرا نام عیسیٰ رکھا اور بتایا کہ خدا اور رسول کی خبریں میرے ہی بارہ میں ہیں مگر میں نے اپنی وحی کے برعکس لوگوں کو ۲۷ برس تک یہی بتایا کہ عیسیٰ آسمان سے اترے گا، لیکن پھر مجھ پر بارش کی طرح وحی نازل ہوئی کہ تو عجیب آدمی ہے، ہم تجھے مسیح موعود کہہ رہے اور تو لوگوں سے کہے جا رہا ہے کہ مسیح موعود آسمان سے اترے گا؟ تب میں نے اپنی وحی کو قرآن پہ پیش کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ قرآن کی قطعی الدلالت آیات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو فوت ہو گئے ہیں، تو پھر میں نے اعلان کیا کہ میں ہی مسیح موعود ہوں۔

مرزا قادیانی کی یہ سٹیٹ منٹ عذر گناہ بدتر از گناہ کے مطابق ہے۔ مرزا کی اس عبارت میں چند امور قابلِ غور ہیں۔

اول: ''میرا بھی یہی اعتقاد تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونگے'' مرزا کے ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ پہلے مرزا قادیانی کا وہی عقیدہ تھا جو عام مسلمانوں کا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور عام مسلمانوں کا عقیدہ وہی ہے جو قرآن وسنت میں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''میری امت گمراہی پہ جمع نہیں ہوگی۔'' (ابن ماجہ کتاب الفتن باب ۸) اور قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ بھی عام مسلمانوں کے راستہ سے ہٹ کر چلنے والے کو جہنمی قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا: وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ؁ ''جو شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مخالفت کرے بعد ازاں کہ اس پہ ہدایت واضح ہو گئی اور مسلمانوں کے راستہ سے ہٹ کر چلے ہم اسے ادھر ہی پھیر دیتے ہیں جدھر وہ پھرے اور ہم اسے جہنم میں ڈالیں گے اور وہ کیا ہی برا انجام ہے۔'' (نساء، ۱۱۵)

تو مرزا قادیانی نے مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر اپنے لیے خود جہنم کا انتخاب کیا، مگر بعد والوں کو چاہیے کہ وہ تو آنکھیں

کھولیں اور اندھا دھند جہنم کی طرف نہ بھاگیں۔

دوم: یہ بھی معلوم ہوا کہ مرزا قادیانی ۲۷ برس تک جو کچھ کہتا رہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان میں ہیں وہ اس کے بقول قرآن کی قطعی الدلالت آیات کے خلاف تھا اور قرآن کی قطعی الدلالت آیات کے خلاف چلنا صریح کفر ہے گویا اس وقت مرزا قادیانی اپنے کلام کے مطابق کافر تھا تو جو وحی کسی کافر پہ بارش کی طرح برسے وہ وحی رحمانی نہیں ہوسکتی وحی شیطانی ہی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَإِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ إِلٰٓى أَوْلِيٰٓـِٕهِمْ۔ ''بیشک شیاطین اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں (ان کو وسوسے ڈالتے ہیں۔)'' (انعام، ۱۲۲) جب مرزا قادیانی خود مانتا ہے کہ اس کا عقیدہ قرآن کی قطعی آیات کے خلاف اور کفریہ عقیدہ تھا تو کافر کی وحی کا کیا اعتبار؟ کیا دنیا میں کوئی نبی ایسا آیا ہے جس پہ ستائیس برس تک وحی اترے اور وہ کفر پہ قائم رہے؟

سوم: ستائیس برس تک مرزا قادیانی پہ اس کے بقول بارش کی طرح وحی برستی رہی کہ وہ مسیح موعود ہے مگر وہ اس کے خلاف کہتا رہا، تو سوال یہ ہے کہ آیا وہ بارش کی طرح برسنے والی وحی کا مطلب ستائیس برس تک سمجھ ہی نہ سکا یا سمجھ لینے کے بعد جان بوجھ کر اس کے خلاف کہتا رہا؟ اگر سمجھ ہی نہیں سکا تو بھی اسکا جھوٹا دعویدار نبوت ہونا واضح ہوا، کیونکہ کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ اللہ اسے وحی کرے اور اسے اسکا مطلب نہ سمجھائے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ کسی کو وحی کرے اور وہ آگے سے کفر بولے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿١٩﴾ کہ ''یہ ہمارا ذمہ ہے کہ آپکو قرآن کا مطلب سمجھائیں۔'' (قیامہ، ۱۹)

تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ستائیس برس تک نبی کو اپنی وحی کی سمجھ نہ آئے؟ ضرور یہ مرزا کا عذر گناہ بدتر از گناہ ہے، اور اگر وہ وحی کا مطلب سمجھ لینے کے باوجود کفریہ عقیدہ کی تبلیغ کرتا رہا تو اس سے بڑا کافر کون ہوسکتا ہے۔

وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ
اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں جو ان کی (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی) موت سے قبل ان پر ایمان نہ لائے اور روز قیامت
يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿١٥٩﴾ ۚ
وہ ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ [249]

[249] گزشتہ آیتِ مبارکہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پہ زندہ اٹھائے جانے کی بات ہوئی اب ان کے واپس دنیا میں آنے کی بشارت دی جارہی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ ہر یہودی اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے قبل آپ کے رسول ہونے پر ایمان لے آئے گا۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۳۵۶)

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: أَيْ قَبْلَ مَوْتِ عِيْسٰى وَاللهِ إِنَّهٗ لَحَيٌّ عِنْدَ اللهِ وَإِذَا نَزَلَ اٰمَنُوْا بِهٖ

اَجْمَعُوْنَ۔ یعنی ہر اہل کتاب حضرت عیسیٰ کی موت سے قبل ان پر ایمان لائے گا اور اللہ کی قسم! وہ اللہ کے ہاں زندہ ہیں اور جب وہ نازل ہوں گے تو سب اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے (یہودی ان کو گالی دینا اور عیسائی انہیں خدا کہنا چھوڑ دیں گے) اور حضرت ابو مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ہوگا تب کوئی اہلِ کتاب نہ رہے گا جو آپ پر ایمان نہ لائے۔ (ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۳۵۷)

لہٰذا یہ آیت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ اور غیر وفات یافتہ ہونے کی واضح دلیل ہے کیونکہ یہود آج بھی آپ کو گالی دیتے اور عیسائی آپ کو خدا کہتے ہیں ثابت ہوا ابھی آپ کی موت واقع نہیں ہوئی اور وہ قربِ قیامت میں نازل ہوں گے۔ تب آپ کی موت سے قبل سب یہود و نصاریٰ ایمان لے آئیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واپس دنیا میں آنے پر احادیث صحیحہ

اس جگہ چند احادیث صحیحہ ملاحظہ ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا

لیُوشِکنّ ان ینزلَ فیکم عیسی ابنُ مریم حکماً عدلا فیکسرُ الصلیبَ ویقتلُ الخنزیرَ ویضعُ الجزیۃ ویُفیضُ المالَ حتی لایقبلَہ احدٌ حتی تکونَ السجدۃُ الواحدۃُ خیراً منَ الدنیا ومافیھا، ثم یقول ابو ھریرۃ: اقرأوا ان شئتم وان من اھل الکتاب الالیؤمنن بہ۔

''اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ زمانہ قریب ہے جب تم میں عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام حاکم عادل بن کر نازل ہوں گے وہ صلیب کو توڑ دیں گے (عیسائیت کا خاتمہ کر دیں گے) خنزیر کو قتل کریں گے (اس نجس جانور کا وجود مٹا دیں گے) جزیہ اٹھا دیں گے (کیونکہ جزیہ کفار پہ لگایا جاتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر دنیا میں صرف دین اسلام رہ جائے گا'' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ) اور وہ اتنا مال بہائیں گے کہ کوئی اسے قبول کرنے والا نہ رہے گا حتیٰ کہ لوگوں کے ہاں ایک سجدہ دنیا و مافیھا سے بہتر ہوگا (یعنی ہر شخص کی رغبت دنیا سے کٹ کر عبادت کی طرف ہو جائے گی۔)

پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم چاہو تو اس جگہ یہ آیت پڑھ لو: وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾ (بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ، مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۴۲) بخاری اور مسلم کی اس متفق علیہ حدیث سے صاف واضح ہو گیا کہ یہ آیتِ مبارکہ قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں آیا اور وہ نازل ہونے والے ہیں جب تم انہیں دیکھو گے تو پہچان لو گے۔ ان کا رنگ سرخ و سفید ہے، دو زرد چادریں ان کے زیب تن ہوں گی یوں لگے گا کہ ان کے سر سے قطرے ٹپکتے

ہیں حالانکہ انکے بال خشک ہوں گے وہ لوگوں سے اسلام پر جہاد کریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو ختم کریں گے جزیہ اٹھا دیں گے، اللہ ان کے زمانہ میں اسلام کے سوا سب ادیان کو ہلاک کر دے گا، وہ دجال کو ہلاک کریں گے زمین میں چالیس برس رہیں گے پھر وفات پائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ (ابوداؤد کتاب الملاحم باب ۱۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! عیسیٰ علیہ السلام حاکمِ عادل بن کر نازل ہوں گے وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو مار ڈالیں گے، اونٹنیوں پہ سواری چھوڑ دی جائے گی اور لوگوں کے دلوں سے بغض وحسد نکل جائے گا لوگوں کو مال لینے کے لئے بلایا جائے گا تو کوئی قبول نہ کرے گا۔'' (مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۴۳)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر جہاد کرتا رہے گا وہ قیامت تک غالب رہیں گے، حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو اس گروہ کے امیر (امام مہدی رضی اللہ عنہ) ان سے کہیں گے آئیے آپ ہمیں نماز پڑھائیں، عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے: نہیں۔ تمہی میں سے کوئی امام ہونا چاہئے یہ اللہ کی طرف سے اس امت کا اعزاز ہے (کہ ان کے کسی فرد کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نماز پڑھیں)'' (مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۴۷)

کیا مرزا قادیانی مسیحِ موعود ہو سکتا ہے؟

ان تمام احادیث صحیحہ مرفوعہ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس مسیحِ موعود کے آنے کا وعدہ فرمایا ہے ان کا نام عیسیٰ ہے، ان کی والدہ کا نام مریم ہے۔ وہ قربِ قیامت میں نازل ہوں گے یعنی آسمان سے اتریں گے زمین پر پیدا نہیں ہوں گے، گویا وہ اس وقت آسمان میں زندہ موجود ہیں۔ وہ نازل ہونے کے بعد حاکم عادل بنیں گے۔ وہ کس ملک کے حاکم ہوں گے یہ نہیں بتایا گیا معلوم ہوا وہ ساری زمین پر حکومت کریں گے، وہ صلیب کو توڑ دیں گے یعنی عیسائیت کا خاتمہ کر دیں گے۔ اتنا مال بہائیں گے کہ کوئی قبول کرنے والا نہ رہے گا، وہ اسلام پر جہاد کریں گے۔ ان کے نزول پر اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا سب مذاہب کو ختم کر دے گا۔

اس کے باوجود مرزا غلام احمد قادیانی کا کہنا کہ احادیث میں جس مسیح موعود کی بشارت ہے اس سے مراد وہ خود ہے، کس قدر جہالت اور ضلالت ہے۔ کیا مرزا غلام احمد قادیانی کا نام عیسیٰ تھا؟ کیا اس کی والدہ کا نام مریم تھا؟ کیا وہ آسمان سے اترا تھا؟۔ کیا اس نے صلیب کا نشان مٹا دیا تھا؟ یعنی کیا اس کے آنے سے عیسائیت کا دنیا سے خاتمہ ہو گیا تھا؟ کیا اس نے زمین کے کسی حصہ پر حکومت پائی تھی؟ کیا اس نے جہاد کیا تھا؟ وہ تو جہاد کے خلاف ساری زندگی تبلیغ کرتا رہا۔ کیا اس کے زمانہ میں مال قبول کرنے والا کوئی نہ رہا تھا؟ کیا اس کے زمانہ میں اسلام کے سوا سب مذاہب ختم ہو گئے تھے؟ کیا دنیا کے کسی حصہ میں بھی اب اونٹنیوں پہ سواری نہیں کی جاتی؟ کیا مرزا قادیانی کے آنے کے بعد سب دنیا سے بغض وحسد کا

خاتمہ ہو گیا تھا؟ ہرگز نہیں۔ جب ان دس سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو ماننا چاہئے کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام آسمان پہ زندہ موجود ہیں اور قربِ قیامت میں ان کے آنے پر یہ نشانیاں پوری ہوں گی اور یہ کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا خود کو مسیحِ موعود کہنا اور ان احادیث کا مصداق ٹھہرانا بدترین جھوٹ ہے۔

حیات عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے بارہ میں میں نے ایک نظم لکھی ہے جو اپنے موضوع پہ ایک اہمیت رکھتی ہے، اسے یہاں لکھنا خالی از فائدہ نہیں ہے۔ تو میں نے عرض کیا ہے۔

واہ واہ مرتبہ حضرت ابن مریم بالا افکار سے ہے عزت ابن مریم
نفخِ جبریل سے وہ کلمۂ کن سے تھے بنے ہوئی بن باپ ولادت ابن مریم
مہدِ مادر میں کیا آپ نے لوگوں سے خطاب دیکھو مرزائیو یہ شوکت ابن مریم
مرزا کہتا ہے مثیل مسیح مجھ کو کہو کیا نہیں دیکھتا وہ عظمت ابن مریم
پہلے وہ باپ سے اپنے ذرا انکار کرے مہنگی پڑ جائے گی مثلیت ابن مریم
انکی ٹھوکر سے ہوئے صدیوں کے مردے زندہ مرحبا خوب ہے کیا سطوت ابن مریم
اندھے بینا ہوئے کوڑھی بھی شفایاب ہوئے عام مخلوق پہ تھی رحمت ابن مریم
قادیانی ذرا مرزے کی مرضیں دیکھیں اور دیکھیں ذرا برکت ابن مریم
محفل ذکر محمد وہ بپا کرتے تھے خوب سرکار سے ہے الفت ابن مریم
زندہ موجود ہیں وہ چوتھے فلک پر اب بھی حکم ربی سے ہوئی رفعت ابن مریم
قربِ ساعت میں وہ اتریں گے پئے نصرت دیں دین احمد کو ملی نصرت ابن مریم
کفر مٹ جائے گا بس دین محمد ہوگا دیکھو مرزائیو کیا برکت ابن مریم
قول رحمان ہے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ حکم قرآں ہے یہ حیات ابن مریم
روضۂ سرور عالم میں وہ مدفوں ہوں گے دیکھو طیبؔ ہے کیا قسمت ابن مریم

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ

تو یہود کے بڑے ظلم کے سبب ہم نے ان پہ وہ پاک چیزیں حرام کر دیں جو ان پہ حلال تھیں۔ [250]

وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ

اور اس لیے کہ وہ اللہ کی راہ سے بہت روکتے ہیں اور سود کھاتے ہیں حالانکہ انہیں اس سے منع کیا گیا ہے

وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا

اور وہ لوگوں کے اموال ناحق کھا جاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے دردناک عذاب

اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ

تیار کیا ہے۔ [251] مگر ان میں سے علم میں گہرائی رکھنے والے اور ایمان والے اس وحی پہ ایمان رکھتے ہیں جو

اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ

آپ کی طرف اتاری گئی اور جو آپ سے پہلے اتاری گئی۔ [252] اور نماز قائم کرنے والے

الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾ ع

ع ۲۲ ۲

زکوٰۃ دینے والے اور اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والے، ہم عنقریب انہیں بڑا اجر دیں گے۔ [253]

[250] یہود اس لئے خود کو یہود کہتے ہیں کہ اس لفظ اس کا معنی ہے توبہ کرنے والے۔ یہ باب هَادَ يَهُوْدُ بمعنی توبہ کرنا سے ہے، جیسے قرآنِ مجید میں ہے: اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ۔ "اے اللہ! ہم تیرے حضور توبہ کرتے ہیں۔" (اعراف، ۱۵۶) یہود نے بچھڑا پرستی سے جو توبہ کی تھی اس پر انہیں ناز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنی توبہ پر ناز کرتے ہوئے یہودی کہلانے والوں نے جب خود پہ ظلم کیا تو کئی پاک چیزیں جو پہلے ان کے لئے حلال تھیں وہ ہم نے ان پہ حرام کر دیں۔ اس ظلم سے بچھڑا پرستی اور اللہ کو کھلم کھلا دیکھنے کا مطالبہ مراد ہے۔ چنانچہ جب اس کے بعد انہیں تورات دی گئی تو اس میں کئی عمدہ چیزیں حرام قرار دی گئی تھیں، وہ کیا تھیں؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ "ہم نے یہودی کہلانے والوں پر ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری کی چربی حرام کر دی۔ سوا اس کے جو پشت پہ چڑھی ہو یا آنت اور ہڈی سے ملی ہو۔" (انعام، ۱۴۶)

[251] اور اس لئے بھی یہود پہ کئی عمدہ چیزیں تورات میں ہمیشہ کے لئے حرام کی گئیں اور ان پر لعنت کی گئی کہ یہ لوگ اللہ کی راہ سے بکثرت روکتے ہیں چنانچہ انہوں نے کثیر سے انبیاء کرام علیہم السلام کو شہید کیا اور اکثر کو جھٹلایا اور یہ لوگ سود کھاتے ہیں حالانکہ انہیں اس سے روکا گیا ہے چنانچہ تورات میں ہے: اور اگر تو میرے لوگوں میں سے محتاجوں کو قرض دے تو ان سے بیاجیوں والا سلوک مت کر اور سود مت کھا۔ (کتاب خروج باب ۲۲ آیت ۲۵)

مگر یہ خوفناک حقیقت ہے کہ آج ساری دنیا کا معاشی نظام قبضۂ یہود میں ہے۔ عالمی بینکوں پر یہود کا قبضہ ہے اور وہ غریب ممالک کو بھاری سود پر قرضے دیتے اور ان کا خون نچوڑتے اور چوستے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہود کو لوگوں کے اموالِ ناحق کھانے میں کوئی شرم نہیں وہ کہتے ہیں: لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّنَ سَبِيلٌ ''ان پڑھ یعنی تورات سے ناواقف لوگوں کو نقصان دینے میں ہم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔'' (آل عمران، ۷۵) اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارہ میں فرمایا: سَمّٰعُونَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُونَ لِلسُّحْتِ ط ''وہ بہت جھوٹ سننے اور بہت سود کھاتے ہیں۔'' (مائدہ ۴۲)

[252] یعنی خود کو یہود کہلانے والوں میں سے جو علم میں گہرائی رکھتے ہیں اور جو اپنے سینوں میں جوش ایمانی رکھتے ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ سے پہلے انبیاء پر اترنے والی ہر کتاب اور وحی پر ایمان لے آتے ہیں۔ اس میں حضرت عبداللہ بن سلام اور دیگر چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف اشارہ ہے جو یہودیت سے توبہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے اور قیامت تک ایمان لانے والا ہر یہودی اس میں شامل ہے اگرچہ ایسے لوگ انتہائی کم ہیں۔

ختمِ نبوت اور انقطاعِ وحی

وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ میں واضح بتایا گیا ہے کہ وہ وحی جس پہ ہر مومن کے لیے ایمان لانا لازم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ اتاری گئی اور آپ سے قبل انبیاء پہ اتاری گئی۔ اب آپ کے بعد ایسی کوئی وحی نہیں اتاری جائے گی۔ اگر آپ کے بعد وحی کا نزول جاری ہوتا جیسا کہ قادیانی لوگ سمجھتے ہیں تو ضروری تھا کہ یہاں اس کے بعد یہ بھی کہا جاتا: وما ينزل بعدك، یعنی جو وحی آپ کے بعد نازل کی جائے گی مومنین اس پہ بھی ایمان لاتے ہیں۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی وحی اترنے والی ہو اور اللہ اس پہ ایمان لانے کا حکم نہ دے۔

یہی مفہوم قرآنِ کریم میں دوسرے مقامات پہ یوں بیان کیا گیا:

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ ''اور مومنین وہ ہیں جو اس وحی پہ ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف اتاری گئی اور جو آپ سے قبل اتاری گئی۔'' (بقرہ، ۴)

اَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ اٰمَنُوا بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ۔ ''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہ دیکھا جو سمجھتے ہیں کہ وہ اس وحی پہ ایمان لائے جو آپ کی طرف اتاری گئی اور جو آپ سے قبل اتاری گئی۔'' (نساء، ۶۰) ان تمام آیات سے خوب واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی ایسی وحی نہیں اتاری جائے گی جس پہ ایمان

لانا ضروری ہو اور اس سے انکار کفر ہو، یعنی وحی نبوت، البتہ اولیاء کاملین کو الہام عطا فرمایا جاتا ہے مگر اس سے انکار کفر نہیں، نہ ہی الہام کسی کے لیے حجت ہے۔ جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی وحی نہیں ہے تو آپ کے بعد کوئی نبوت ورسالت کیسے تصور کی جاسکتی ہے۔

[253] یعنی یہود میں سے ایمان لانے والے لوگ احکامِ اسلام کی پابندی بھی کرتے ہیں جیسے اقامت صلوٰۃ وادائیگی زکوٰۃ۔ اور یہ اس لئے ہے کہ وہ اللہ کی رضا اور روز آخرت کا خوف پیش نظر رکھتے ہیں۔ اور اللہ انہیں اس کا اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ اور حدیثِ طیبہ میں ہے کہ ایسے لوگوں کو دوہرا اجر ملے گا، ایک اپنی کتاب پہ ایمان لانے کا اور ایک اس کے بعد قرآن پہ ایمان لانے کا۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ
بے شک ہم نے اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کی طرف وحی کی جیسے ہم نے نوح (علیہ السلام) کی طرف اور ان کے بعد انبیاء کی طرف
اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى
وحی کی۔ [254] اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب (یعقوب کی) نسلوں اور عیسیٰ،
وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۚ﴿۱۶۳﴾
ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف وحی کی۔ [255] اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی۔ [256]

انبیاء سابقین کی رسالت کا بیان

[254] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دو یہودیوں سکین اور عدی بن زید نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی انسان کی طرف کوئی وحی اتاری ہو، تو ان کے رد میں یہ آیتِ مبارکہ اتری: اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ۔ الخ (ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۳۶۶)

دراصل یہود اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وحی سے انکار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل کردہ کتاب (قرآن) میں یہود کا سیاہ ماضی ان کے سامنے رکھا اور ان کی گمراہیوں اور بدعنوانیوں سے پردہ اٹھایا ہے اس لئے وہ آپ کی رسالت اور کتاب کو سرے سے ماننے ہی کو تیار نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے آباء واجداد کی برائیاں اس لئے بیان کیں تاکہ وہ ان سے براءت کرتے ہوئے سیدھی راہ پر چلیں۔ مگر انہوں نے اپنے بدعنوان باپ دادا کا دامن نہ چھوڑا اور قرآن کو چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ جس طرح ہم نے نوح علیہ السلام اور ان کے بعد والے انبیاء کی طرف وحی کی، اسی طرح اے

محبوب ﷺ ہم نے آپ کی طرف وحی کی۔

یاد رہے نزولِ وحی کا سلسلہ اگرچہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا مگر حضرت نوح علیہ السلام وہ پہلے نبی ہیں جو کفار و مشرکین کو دعوتِ حق دینے دنیا میں تشریف لائے اور سب سے قبل آپ ہی کے منکروں پر عذاب آیا۔ اس لئے یہاں حضرت نوح علیہ السلام کی وحی سے بات شروع کی گئی۔

[255] وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِہٖ کے لئے بطور مثال چند انبیاء کا نام لیا گیا اور ان کی وجہ تخصیص یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جد الانبیاء ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہود نبی ہی نہیں مانتے۔ اس حسد سے کہ ان کی نسل میں امام الانبیاء ﷺ کیوں تشریف لائے اس لئے یہاں ان کا نام بطور نبی خصوصاً لیا گیا۔ اسحاق و یعقوب علیہما السلام انبیاء بنی اسرائیل کے اجداد اعلیٰ ہیں۔ ان کا نام خصوصاً لیا گیا تا کہ یہود اس دعوت کو توجہ سے سنیں۔

اَلْاَسْبَاطِ سے وہ بارہ نسلیں مراد ہیں جو یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں سے چلیں، ان میں ہزاروں انبیاء آئے۔ گویا اصل میں یہاں انبیاء الاسباط ہے۔ ان میں سے عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیا گیا کیونکہ یہود ان کی نبوت کو نہیں مانتے بلکہ انہیں اور ان کی والدہ کو گالی دیتے ہیں تو انہیں سمجھانا مقصود ہے یونہی وہ سلیمان علیہ السلام کو نبی کی بجائے جادوگر کہتے ہیں اور ایوب و یونس و ہارون علیہم السلام کا نام بطور مثال ہے۔

[256] زبور کا معنیٰ لکھی ہوئی کتاب ہے۔ زبور میں ڈیڑھ سو سورتیں تھیں جن میں حمدِ الٰہی کی غزلیں اور نظمیں تھیں کوئی احکام یا شرائع نہ تھے، داؤد علیہ السلام انہیں اپنی معجزانہ شیریں آواز میں یوں پڑھتے تھے کہ پرندے بھی اتر کر سننے لگتے، حتیٰ کہ لحن داؤدی ضرب المثل بن گیا۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ

اور ان رسولوں کو جن کا قصہ ہم نے آپ کو اس سے قبل بتا دیا اور ان رسولوں کو جن کا قصہ ہم نے آپ کو ابھی نہیں بتایا۔[257]

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ

اور اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ خوب کلام کیا۔[258] وہ بشارت دینے اور ڈرانے والے رسول ہیں۔[259]

لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰكِنِ

تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے ہاں کوئی دلیل نہ رہے اور اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔[260] لیکن

اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ

اے محبوب اللہ اس پر گواہ ہے جو اس نے آپ کی طرف اتارا، اس نے اسے اپنے علم کے ساتھ اتارا اور فرشتے گواہ ہیں

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ؕ ﴿۱۶۶﴾

اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔[261]

[257] یاد رہے قرآنِ مجید میں انبیاء و رسل کے ذکر کے حوالہ سے ان کے درمیان ایک تقسیم ہے اور ان کی قسمیں ہیں۔ جو اس طرح ہیں۔

اول: بعض رسولوں کا قرآن میں نام ہے مگر قصہ نہیں، جیسے یسع علیہ السلام اور ذوالکفل علیہ السلام

دوم: بعض کا قصہ ہے مگر نام نہیں جیسے شموئیل علیہ السلام انہی کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ (بقرہ، ۲۴۷)

سوم: بعض کا نام بھی ہے قصہ بھی ہے جیسے نوح، ابراہیم، یعقوب، اسحاق، اسماعیل، صالح، لوط، ہود، شعیب، موسیٰ، زکریا، یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام۔

چہارم: اور بعض کا قرآن میں نہ قصہ ہے نہ نام البتہ حدیث میں ان کا ذکر ہے، جیسے حزقیل علیہ السلام۔

پنجم: اور بعض کا حدیث میں بھی ذکر نہیں مگر وہ اللہ کے ہاں نبی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انبیائے کرام کا تعارف دیا گیا

اس جگہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب انبیاء و رسل کا علم نہیں تھا۔

کیونکہ اس آیت میں فرمایا گیا: مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَصَصۡنَا عَلَیۡكَ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَیۡكَ ؕ یعنی اے نبی اکرم ﷺ ہم نے انبیائے کرام علیہم السلام میں آپ کو بعض کا قصہ بتا دیا اور بعض کا نہیں، لہذا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کو علم کلی دیا گیا تھا غلط ہے۔

مگر ہم کہتے ہیں کہ کیا یہ آیت قرآنِ کریم کی آخری آیت ہے؟ کیا اس کے بعد آپ پہ کوئی وحی اور کوئی آیت مزید نازل نہیں ہوئی کہ کہا جائے کہ بس جو نازل ہونا تھا ہو گیا، اب مزید کچھ نہیں اترے گا۔ جب ایسی بات نہیں ہے تو یہ آیت اس وقت کی کیفیت بتا رہی ہے جب رسول اللہ ﷺ کو تمام انبیائے کرام کا تعارف نہیں دیا گیا تھا اور آپ کا علم تدریجاً مکمل ہوا۔ نزولِ قرآن کے ساتھ ساتھ آپ کا علم بھی بڑھتا رہا، ہاں یہ ثابت کرو کہ جب قرآن کا نزول مکمل ہو گیا تھا تو اس کے بعد آپ کو کئی انبیائے کرام کا تعارف نہ تھا۔

سچ یہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کو وصال سے قبل ہر ہر نبی کی خبر دے دی گئی تھی اسی لئے فرمایا گیا: وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَیۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الرُّسُلِ ۔ ''اور ہم آپ کو تمام انبیاء کا قصہ بیان کرتے ہیں۔'' (ہود، ۱۲۰)

اور شبِ معراج آپ کو سب انبیاء سے ملایا اور تعارف کروایا گیا مواہب لدنیہ میں اس بارہ میں احادیث مذکور ہیں۔

[258] دوسرے انبیاء کی طرف جن کا پہلے ذکر ہوا بذریعہ فرشتہ یا القاء قلبی کی شکل میں وحی کی گئی مگر موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے براہِ راست کلام فرمایا اور سوال و جواب کیا، یہ بھی وحی کی ایک صورت ہے البتہ ان سب سے افضل ہے اس لئے اس کا علیحدہ ذکر کیا گیا اور اس سے بھی افضل وحی یہ ہے کہ اللہ اپنے نبی سے کلام بھی فرمائے اور دیدار بھی عطا کرے اور یہ منصب سید الانبیاء صاحب اسرآء ﷺ کے سوا کسی کو حاصل نہ ہوا۔

اسی لیے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کیا تمہیں اس بات پہ تعجب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے مقام خلت ہو، موسیٰ علیہ السلام کے لیے کلام ہو اور رسول اللہ ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو۔
(المستدرک للحاکم جلد اول مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[259] انبیاء کرام علیہم السلام کی دو ذمہ داریاں ہیں بشارت اور نذارت اور دونوں کی ضرورت ہے محض بشارت لوگوں کو بے خوف اور محض نذارت مایوس کر دیتی ہے۔

[260] یعنی رسولوں نے انسانوں کو ایمان لانے کی صورت میں جنت کی بشارت دی اور کفر و معصیت کی صورت میں عذابِ جہنم سے ڈرایا تاکہ روزِ قیامت کوئی یہ نہ کہے کہ مجھے تو کچھ بتایا نہ گیا تھا۔

شیعہ کی مزعومہ امامتِ منصوصہ کا رد

لِئَلَّا یَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ ؕ سے معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم کے مطابق رسولانِ گرامی ہی اللہ کی قائم کردہ وہ حجت ہیں کہ جس سے انکار کرنے والا انسان کافر ہو کر نجات اخروی سے محروم ہو جاتا ہے۔ البتہ اہل تشیع

نے اپنی طرف سے بارہ امام بنا رکھے ہیں، جنہیں وہ رسولان گرامی کی طرح اللہ کی قائم کردہ حجت جانتے ہیں اور جو ان سے انکار کرے اسے کافر کہتے ہیں، بلکہ اپنے اسی من گھڑت عقیدہ کی بنیاد پہ وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلکہ تمام اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی کافر کہتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد بقول شیعہ اللہ کی حجت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ابوبکر صدیق کی بیعت کر لی، تو جس عقیدہ کی بنیاد پر تمام صحابہ کرام اور تمام اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کافر ٹھہریں اس سے بڑا الحدانہ عقیدہ کیا ہوسکتا ہے، اگر امام بھی رسولوں کی طرح حجت ہیں تو ضروری تھا کہ یوں کہا جاتا: لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ والائمۃ۔

یہ بات اہل تشیع بھی مانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال پہ تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوا تمام لوگوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی، یعنی ابوذر غفاری، سلمان فارسی اور مقداد رضی اللہ عنہم، حالانکہ یہ بھی غلط ہے۔ ان تینوں صحابہ کرام نے بھی بیعت صدیق اکبر کی تھی، بہرحال بقول شیعہ یہ ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سارا خاندان نبوت بھی کافر ہوگیا تھا، یعنی سب بنو ہاشم اور سب بنو عبدالمطلب کافر و مرتد ہو گئے تھے، تو اہل تشیع کس منہ سے خود کو محب اہل بیت کہتے ہیں؟ نہیں وہ مکفّر اہل بیت ہیں، وہ شاتمان اہل بیت ہیں۔

[261] گزشتہ آیات میں انبیاء سابقین کی رسالت کا ذکر تھا اب رسالت محمدیہ کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک بار حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہود سے فرمایا: واللہ انکم لتعلمون انی رسول اللہ۔ بخدا تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ یہود نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا ہم اس بارہ کچھ نہیں جانتے۔ تب یہ آیتِ مبارکہ اتری: لٰکِنِ اللّٰہُ یَشْھَدُ۔ الخ (ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۳۷۰) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ کی رسالت کسی انسان کی گواہی کی محتاج نہیں۔ اللہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ نے آپ پر قرآن وحدیث کی صورت میں جو اتارا اس میں اللہ نے اپنا علم اتارا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت پہ کئی گواہیاں دیں اور دے رہا ہے۔ اللہ رب العزت نے آپ کو بچپن ہی سے ظالم و بے حیا عرب معاشرہ میں ہر طرح کی برائی سے محفوظ رکھا حتیٰ کہ آپ کو الصادق الامین کہا جانے لگا۔ یہ آپ کی صداقت پہ خدائی گواہی ہے۔ آپ کو اللہ نے کسی سے ایک لفظ نہ پڑھنے دیا مگر اچانک آپ کی زبان پر قرآن جاری کیا جس میں علم وحکمت کے دریا بہہ رہے ہیں اور اس کی فصاحت کے آگے شاعرانِ عرب کی زبانیں گنگ ہوگئیں اور کوئی شاعر اس جیسی ایک سورت یا آیت نہ لا سکا، یہ بھی ایک خدائی گواہی ہے۔ پھر اللہ نے آپ کے ہاتھ پہ ہزاروں معجزات ظاہر کئے اور آج بھی قرآن کی صورت میں آپ کی رسالت پہ عظیم گواہی موجود ہے۔ اور اللہ قرآن کی حفاظت فرما رہا ہے اس کا ایک حرف بھی بدلا نہیں جا سکا اور آج تک کوئی مثل نہیں لا سکا نہ لا سکے گا، یہ بھی نبوت محمدیہ کی صداقت پہ اللہ کی گواہی ہے۔ اور قرآنِ مجید سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے اور اس کتاب کی عظمت وصداقت کتاب والے رسول کی

صداقت کی گواہی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی لاکھوں احادیث مبارکہ کی حفاظت کے اسباب مہیا فرمائے اور آج دنیا میں جس قدر آپ کی تعلیمات زندہ ہیں اور ان پہ عمل کیا جاتا ہے، اس کی مثال کسی دوسرے نبی کی تعلیمات میں نہیں ہے، یہ بھی اللہ کی طرف سے آپ کی صداقت پہ ایک گواہی ہے۔ پھر آج آپ کے دین کی صداقت اس سے بھی عیاں ہے کہ جس قدر غیر مسلم لوگ اس دین میں داخل ہو رہے ہیں اس نے یورپ و امریکہ کے مذہبی و سیاسی راہنماؤں کو پریشان کر رکھا ہے، گویا اللہ آپ کی صداقت پہ مسلسل گواہی لا رہا ہے۔ اسی لئے لٰکِنِ اللّٰہُ یَشْھَدُ صیغۂ مضارع کے ساتھ فرمایا گیا جو استمرار پر دال ہے۔ آگے فرمایا کہ فرشتے بھی آپ کی وحی کی صداقت پہ گواہی دیتے ہیں یعنی وہ خدائی گواہیوں کے اسباب مہیا کرتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِیْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ

بے شک جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا وہ دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں۔ [262] بے شک

الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ طَرِیْقًا ﴿۱۶۸﴾

جنہوں نے کفر کیا اور ظلم ڈھایا اللہ انہیں بخشنے والا نہیں اور نہ ہی انہیں راہ دکھائے گا۔ سوا راہِ جہنم کے،

اِلَّا طَرِیْقَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ط وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا ﴿۱۶۹﴾

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بات اللہ پر آسان ہے۔ [263]

[262] یعنی جن لوگوں نے حضور سید عالم ﷺ کی نبوت و صداقت سے واقف ہونے کے باوجود کفر کیا اور آپ کے دین سے لوگوں کو روکا ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں پہ گمراہی کی مہر لگا دی گئی، جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: بَلْ طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیْھَا بِکُفْرِھِمْ۔

[263] یعنی جب حضور سید عالم ﷺ کی نبوت سے انکار کر کے خود پر ظلم کرنے والوں کے دلوں پہ ان کے مسلسل کفر کے سبب مہر لگا دی گئی تو اب ان پر دوزخ کے راستہ کے سوا ہر راستہ بند ہو گیا۔ یاد رہے اللہ از خود کسی پر ہدایت کا راستہ بند نہیں کرتا بلکہ لوگ خود اپنے اوپر ہدایت کا راستہ بند کر لیتے ہیں جیسے معدہ کا مریض اگر ڈاکٹر کی بات ٹھکرا کر نقصان دہ چیزیں کھاتا جائے تو ایک وقت آتا ہے جب کوئی دوا اثر نہیں کرتی یہی حال دل کو لگنے والے مرض کفر کا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے رسول ﷺ حق لے کر آئے ہیں تو ایمان لے آؤ یہ تمہارے لیے

لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

بہتر ہے اور اگر تم کفر کرو تو بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧٠﴾

علم والا حکمت والا ہے۔[264]

[264] لہٰذا اے سب انسانو! تمہارے پاس تمہارے رب کا رسول حق لے کر آ گیا ہے اب اگر تم اس پر ایمان لاؤ گے تو اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے اس میں اللہ یا اس کے رسول کا کوئی مفاد نہیں نہ ہی تم ایمان لا کر ان پر کوئی احسان کرو گے اور تمہارے ایمان نہ لانے سے ان کا کوئی نقصان نہیں خود تمہارا ہی نقصان ہے، اللہ کی توحید اور اس کے رسول کی رسالت میں اس سے کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ سارا جہان اللہ کی ملک میں ہے اور ہر دم اس کی حمد کہہ رہا ہے اور اللہ اور اس کے فرشتے رسول برحق ﷺ پر درود بھیج رہے ہیں۔

نبوت محمدیہ کی عالمگیری اور ختم نبوت

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ سے پتہ چلا رسولِ مکرم ﷺ کی رسالت تمام عالمِ انسانیت کو محیط ہے اور تا قیامت پیدا ہونے والا ہر انسان آپ کی امت میں داخل ہے۔

یہاں سے تین طرح حضور سید عالم ﷺ کی شانِ ختم نبوت ظاہر ہوئی۔

اول: جب تا قیامت ساری نسل انسانی کے لئے آپ ہی رسول ہیں تو کسی زمانہ یا علاقہ کے لئے کسی اور رسول کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے نبوت کے ستارے چمکتے تھے اب آفتابِ نبوت طلوع ہو کر آیا ہے، جس کی روشنی پورے جہان کو چمکا رہی ہے، اب کسی ستارے کی ضرورت نہیں رہی۔

دوم: فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ سے پتہ چلا آپ پر ایمان لانا ہی نجات کے لئے مدارِ حقیقی ہے، جس نے آپ کی نبوت کا اقرار کر لیا اسے کسی اور نبی پر ایمان لانے کی حاجت نہیں ہے۔ اب اگر آپ کے بعد کوئی نبی مانا جائے تو پھر آپ کا ماننا مدار نجات نہیں ہے بلکہ نئے نبی کے ماننے پر نجات موقوف ہوگئی۔

سوم، لفظ الرَّسُوْلُ اسم معرفہ ہے جو صرف ایک ہی ذات پر صادق آ سکتا ہے یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ، اس میں کوئی اور

ذات داخل ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر حضور ﷺ کے بعد بھی مزید انبیاء و رسل نے آنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ فرماتا، یعنی اللہ اور اس کے رسولوں پہ ایمان لاؤ، پھر ایک رسول پر ایمان لانے کی بات نہ کی جاتی۔

میلادِ رسول ﷺ بیان کرنا سنتِ خدا ہے

قَدْ جَآءَکُمُ الرَّسُوْلُ میں حضور سید عالم ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری بتائی گئی اور یہی چیز محافل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا موضوع ہوتی ہے اس کے سوا ان محافل کا کوئی مقصد نہیں۔

فضیلتِ علماءِ امتِ محمدیہ

قَدْ جَآءَکُمُ الرَّسُوْلُ کا خطاب تا قیامت تمام انسانوں سے ہے اور رسول اللہ ﷺ ہر انسان کے پاس تو نہیں آئے البتہ آپ کی امت کے علماء و مشائخ ہر شخص تک آپ کا پیغام لیکر پہنچ رہے ہیں، تو انکا پہنچنا آپ ہی کا پہنچنا ہے: کیونکہ علماء نائبینِ مصطفیٰ ﷺ ہیں اسی لئے حدیثِ مبارکہ میں بار بار فرمایا گیا: العلماء ورثۃ الانبیاء۔ ''علماء انبیاء کے وارث ہیں۔''

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا

اے اہل کتاب اپنے دین میں زیادتی نہ کرو اور اللہ پر حق کے سوا کچھ نہ کہو۔ [265]

الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ

مسیح عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں اللہ نے یہ کلمہ مریم کی طرف ڈالا

وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا

اور وہ اس کی بھیجی ہوئی روح ہیں۔ [266] تو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین خدا مت مانو، باز آجاؤ، اسی میں

لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي

تمہارا بھلا ہے۔ اللہ ہی خدائے واحد ہے۔ [267] وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو، اسی کے لیے ہے جو

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٧١﴾ ع

آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے اور اللہ کی کارسازی کافی ہے۔ [268]

وقف لازم ع ۲۳ ۲

اُلوہیت عیسیٰ اور تثلیث الوہیت کا رد

[265] گزشتہ رکوع میں یہود کی گمراہیاں بیان ہوئیں اب نصاریٰ کی گمراہی کا رد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے اہل کتاب! دین میں غُلُوْ نہ کرو غلو کا معنی کسی چیز کا مقرر حد سے بڑھنا ہے کہتے ہیں غلا السعرُ قیمت بڑھ گئی۔ یعنی اے اہل کتاب! انبیاء و اولیاء کے لئے وہی مرتبہ مانو جو اللہ نے انہیں دیا نہ اس سے بڑھاؤ نہ گھٹاؤ۔ یہود عیسیٰ علیہ السلام کا مقام اس قدر گراتے ہیں کہ معاذ اللہ انہیں گالی دیتے ہیں اور عیسائی اس قدر بڑھاتے ہیں کہ انہیں خدا مانتے ہیں، مومن ان دونوں سے دور ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے اہل کتاب اللہ تعالیٰ کے بارہ میں صرف سچی بات کہو یہ یہود کے عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ کے عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہنے کا رد ہے حتیٰ کہ بعض عیسائی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ ہی عیسیٰ بن کر دنیا میں آ گیا چنانچہ وہ کہتے ہیں: اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ کہ ''اللہ ہی مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے۔'' (مائدہ، ۱۷)

[266] یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ عین اللہ کہو نہ ابن اللہ بلکہ رسول اللہ کہو۔ مسیح ان کا لقب ہے۔ عیسیٰ ان کا نام۔ ابن مریم ان کی کنیت اور رسول اللہ ان کا مقام، وہ اللہ کا کلمہ ہیں جو اس نے سیدہ مریم رضی اللہ عنہا پر ڈالا۔ یعنی اللہ نے کلمہ کُن فرمایا تو حضرت عیسیٰ رحم مادر میں پیدا ہو گئے۔ اسی معنی میں انہیں کلمۃ اللہ کہتے ہیں۔ آگے فرمایا وَرُوْحٌ مِّنْهُ کہ عیسیٰ علیہ السلام

لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓىٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَؕ

مسیح (علیہ السلام) کو اس سے ہرگز عار نہیں کہ وہ اللہ کا بندہ ہوں اور نہ ہی مقرب فرشتوں کو عار ہے۔ [269]

وَ مَنْ یَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ یَسْتَكْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا۝۱۷۲

اور جو اللہ کی عبادت سے انکار کرے اور تکبر میں پڑے تو اللہ ان سب کو عنقریب اپنے پاس جمع کرے گا

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ یَزِیْدُهُمْ

تو جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کرتے رہے اللہ انہیں ان کے پورے اجر دے گا اور انہیں اپنا مزید

مِّنْ فَضْلِهٖۚ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا

فضل عطا کرے گا۔ [270] اور جنہوں نے اس سے عار کیا اور متکبر ہوئے تو انہیں وہ دردناک عذاب

اَلِیْمًا ۙ۬ وَّ لَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا۝۱۷۳

دے گا اور وہ اللہ کے سوا اپنا کوئی حامی نہ پائیں گے نہ کوئی مددگار۔ [271]

[269] عیسائی سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ کہنا ان کی توہین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتی بلکہ انہیں عبادت الٰہی پہ فخر ہے۔ یہی حال ملائکہ مقربین کا ہے کہ وہ عبادتِ الٰہی پہ فخر کرتے ہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چند مریضوں کو شفا دیتے، مردوں کو زندہ کرتے اور غیب کی بعض خبریں دیتے دیکھا تو انہیں خدا مان لیا حالانکہ فرشتے سارا نظام کائنات چلا رہے ہیں، بے جان نطفوں کو زندہ انسان بناتے ہیں اور زندوں کو مارتے، بارشیں برساتے اور زمین سے رزق پیدا کرتے ہیں اس کے باوجود وہ بندگیٔ خدا پر فخر رکھتے ہیں تو عیسیٰ علیہ السلام بعض معجزات رکھنے کے سبب درجۂ خدائی پہ کیسے فائز ہو گئے؟

[270] یعنی ایمان اور عمل صالح والوں کے لئے کم از کم یہ وعدہ ہے کہ ان کے اعمال کی جزا بہرحال دی جائے گی یعنی جنت کا داخلہ اور ہر عمل کے مطابق جنت کی کوئی نعمت۔ پھر جس کے عمل میں جس قدر اخلاص زیادہ ہوا اسی قدر اسے فضل بھی زیادہ دیا جائے گا۔ بسا اوقات کسی کا چھوٹا عمل اپنے اخلاص کے سبب دوسروں کی زندگی بھر کے اعمال سے بھاری ہو جاتا ہے جیسے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ "اگر کوئی شخص راہِ خدا میں احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ میرے کسی صحابی کے مٹھی بھر جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہو سکتا۔" (بخاری، مسلم، ترمذی)

[271] اور جو لوگ اللہ پر ایمان لانے سے تکبر کریں اور اس کی عبادت سے عار کھائیں تو اللہ انہیں جہنم میں جمع کرے گا اور روز قیامت کوئی ان کا نہ دوست ہوگا نہ مددگار۔ دوست اور مددگار میں یہ فرق ہے کہ کبھی ایک شخص کی ہم سے دوستی و محبت ہوتی ہے مگر وہ ہماری مدد نہیں کر سکتا مطلب یہ کہنا ہے کہ روز قیامت کفار کی مدد کرنا تو کجا کوئی ان سے اظہار دوستی بھی نہ کرے گا۔ معلوم ہوا روز قیامت مومنوں کے لئے دوست بھی ہوں گے اور مددگار بھی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے عظیم برھان آ گیا اور ہم نے تمہاری طرف روشن

مُّبِيْنًا ﴿١٧٤﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ

نور اتارا۔ [272] تو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کی رسی کو خوب تھام لیا انہیں وہ اپنی رحمت اور

مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿١٧٥﴾ؕ

اپنے فضل میں داخل کرے گا اور انہیں اپنی طرف سیدھی راہ چلائے گا۔ [273]

[272] برھان سے مراد سید الانبیاء ﷺ ہیں اور نور مبین سے مراد قرآنِ کریم۔ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: برھانٌ من ربکم قال محمدٌ یعنی اس برہان سے مراد محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۷۵۳) امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: البُرھَانُ ھُوَ محمدٌ ﷺ۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ھو محمدٌ ﷺ، امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: یعنی محمداً ﷺ، امام ابوحیان رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے: الجمھور علیٰ ان البرھان ھو محمد ﷺ۔

رسول اللہ ﷺ کن معانی میں اللہ کی برھان ہیں

یاد رہے نبی اکرم ﷺ چند لحاظ سے اللہ کی عظیم برہان (پختہ دلیل) ہیں۔

اول: حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ہزار ہا معجزات عطا فرمائے جس نے جو معجزہ مانگا آپ نے دکھا دیا بشرطیکہ اذنِ مولیٰ ساتھ ہو۔ کسی نے کہا آپ درخت سے کہیں وہ آپ کے پاس چل کر آئے تو میں ایمان لاؤں گا آپ نے اسی وقت حکم فرمایا تو درخت چل کر حاضر ہو گیا۔ ابوجہل نے کہا بتائیں میری مٹھی میں کیا ہے تو مٹھی کے کنکر کلمہ پڑھنے لگے۔ کسی نے کہا چاند توڑ کر دکھائیں آپ نے دکھا دیا جبکہ پہلے انبیاء کو کوئی مخصوص معجزہ ہی دیا جاتا تھا۔

دوم: حضور سید عالم ﷺ کی ساری زندگی معجزہ ہے۔ آپ کی ولادت پہ سینکڑوں معجزات ظاہر ہوئے، مثلاً آتشکدۂ ایران بجھ گیا۔ شاہ کسریٰ کے محلات کے منارے گر گئے۔ بتانِ کعبہ منہ کے بل آ پڑے۔ جبینِ کعبہ بیتِ آمنہ رضی اللہ عنہا کی

طرف جھک گئی وغیر ذالك۔(اتفاق سے یہ تحریر میں عمرہ شریف کی حاضری کے دوران کعبہ شریف کے سامنے بیٹھ کر لکھ رہا ہوں بتاریخ ۴ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ)

حضور سید عالم ﷺ کا بچپن معجزات سے معمور ہے۔آپ سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے گھر جلوہ فرما ہوئے تو وہاں معجزات برسنے لگے، ان کے کمزور جانور توانا ہو گئے، بکریوں کے خشک تھن دودھ سے بھر گئے، وہیں آپ کا شق صدر ہوا۔جوانی میں آپ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام گئے تو وہاں کئی معجزات ظاہر ہوئے۔بادل آپ پر سایہ کرتا تھا جس درخت کے نیچے آپ بیٹھتے اس کی ٹہنیاں آپ کی طرف جھک جاتیں۔

پھر آغازِ وحی سے وصال مبارک تک ہر قدم پہ معجزات ظاہر ہوتے گئے، ہجرت کے معجزات، بدر کے معجزات، احد وحنین کے معجزات اور مقام حدیبیہ کے معجزات۔اس موضوع پر سینکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔

سوم: حضور جانِ عالم ﷺ کا سارا جسم مبارک سراپا معجزہ ہے، آپ کے بال مبارک معجزہ ہیں، بالوں کی برکات بیان سے باہر ہیں آج دنیا بھر میں آپ کے بال مبارک موجود ہیں اوران سے مزید بال پھوٹ کر جدا ہو رہے ہیں اور یہ برکت پھیل رہی ہے، بال جسم سے کٹ جائے تو خشک ہو کر ختم ہو جاتا ہے مگر آپ کے بال زندہ ہیں اور بڑھ رہے ہیں جو آپ کی زندگی کی بین دلیل ہے۔آپ کی پیشانی مبارک معجزہ، چشمانِ مبارک معجزہ، آپ کی چشمان مبارک مین قدرتی سرمہ لگا ہوا تھا۔

آپ کا لعاب دہن مبارک معجزہ ہے جس مریض کو مل گیا اسے شفا مل گئی۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہنڈیا میں لعاب رسول اللہ ﷺ ڈالا گیا تو دو تین افراد کا کھانا کئی سو صحابہ کرام کے لئے کافی ہو گیا۔آپ کا لعاب مبارک مولیٰ علی شیر خدا کی آنکھوں میں اور ابوبکر صدیق کی ایڑی پہ لگا تو ان کی سب تکلیف دور ہو گئی، حضرت قتادہ کی آنکھ میں لگا تو بے نور آنکھ میں نور آ گیا اور وہ درست آنکھ سے بھی زیادہ روشن ہو گئی۔

حضور ﷺ کی انگشتان مبارک معجزہ ہیں۔میدان حدیبیہ میں حضور مختارِ عالم ﷺ نے ایک پیالہ پانی میں انگلیاں ڈبو دیں تو ان سے گویا پیالے میں پانچ چشمے ابل پڑے اور ایک پیالہ پانی نے تیرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی سواریوں کو سیراب کر دیا آپ کی پشت مبارک پر مہر نبوت معجزہ ہے اور آپ کے قدم ہائے مبارک معجزہ ہیں پتھروں میں ان کے نشانات ثبت ہو گئے۔

پھر حضور ﷺ کو قرآنِ مجید جیسی کتاب دی گئی جس کی ہر آیت اپنی ذات میں معجزہ ہے کیونکہ کفار اس کی ایک آیت کی مثل نہ لا سکے گویا قرآن کریم چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ معجزات کا مجموعہ ہے۔الغرض ہمارے آقا و مولیٰ تاجدارِ انبیاء ﷺ سراپا برہانِ ربی ہیں۔

معجزاتِ مصطفیٰ ﷺ پہ مفسر کی لکھی ہوئی ایک نعت مبارک

یادِ نبی نے دل کا گلشن کھلادیا ہے — آنکھوں میں مصطفیٰ کا مدینہ بسادیا ہے
ذرے کو تو نے دیکھا مہتاب کردیا ہے — تیری نظر نے قطرے کو دریا بنادیا ہے
انگشت ہائے دستِ نبی کی یہ شان دیکھو — پانی کے ایک پیالے میں دریا بہادیا ہے
تھوڑا سا کھانا حضرت جابر نے تھا بنایا — آقا نے پوری فوج کو اس سے کھلادیا ہے
اک دودھ کا پیالہ ستر تھے پینے والے — مدنی نے پیٹ بھر کر سب کو پلادیا ہے
یہ بارگاہِ حق میں توقیرِ مصطفیٰ ہے — خورشید رفتہ آقا نے واپس چڑھادیا ہے
آتے ہیں دوڑے حکم پہ تیرے درخت آقا — اور پتھروں کو تم نے کلمہ پڑھا دیا ہے
قرآں وہ معجزہ ہے پیارے نبی کا جس نے — فصحاء اہلِ ارض کے سر کو جھکادیا ہے
یہ صدقہ نبی ہے طیبؔ کو بھی خدا نے — کچھ ٹوٹی پھوٹی نعتیں کہنا سکھادیا ہے

[273] اللہ تعالیٰ پر اس طرح ایمان لانا جیسے اس کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے اور اس کے دین کی رسی کو مضبوطی سے تھام لینا کامیابی کی ضمانت ہے اللہ ایسے لوگوں کو دنیا میں اپنے فضل اور اپنی رحمت میں داخل کرتا اور آخرت میں جنت کے اندر اپنے دیدار کی راہ عطا فرماتا ہے۔

يَسْتَفْتُونَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ

اے پیارے حبیب! وہ آپ سے فتویٰ مانگتے ہیں آپ فرما دیں کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارہ میں فتویٰ دیتا ہے۔ [274]

وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا

اگر ایک شخص مرے اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لیے اس کے ترکہ کا

وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً

نصف ہے اور وہ اپنی بہن کا مکمل وارث ہے اگر اس کی اولاد نہ ہو۔ [275] اور اگر دو بہنیں ہوں تو ان کے لیے اس کے

رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ

ترکہ میں سے دو تہائی حصہ ہے۔ [276] اور اگر وہ کئی بہن بھائی ہوں مرد وعورت تو ہر مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔ اللہ تمہیں

تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ ع

بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ [277]

سگے بہن بھائی کی میراث

[274] یہ سورۂ نساء کی آخری آیت ہے اس سورت کا آغاز حقوق نسواں کے بیان سے ہوا اور اختتام بھی اسی بیان پر ہو رہا ہے تاکہ اس کا اول و آخر یکساں ہو جائے۔ کَلٰلَةِ اس مرد یا عورت کو کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد اس کی کوئی اولاد نہ ہو جو اس کی وارث بنے نہ اس کا باپ زندہ ہو۔ ماں کا زندہ نہ ہونا اس کی تعریف میں داخل نہیں۔ آگے اس کی وضاحت ہو رہی ہے۔

[275] کَلٰلَةِ کی تین حالتیں یہاں بیان کی گئیں۔ اول کلالہ کے سگے بہن بھائیوں میں سے ایک ہی اس کا وارث ہو اور اس کی دو صورتیں یہاں بیان کی گئی ہیں، اول: یہ کہ کلالہ مرد ہو اور صرف ایک بہن وارث ہو (جو ماں باپ دونوں یا باپ کی طرف سے بہن ہو) تو وہ اپنے مرحوم بھائی کی میراث سے نصف حصہ لے گی، باقی نصف دوسرے ورثاء کو ملے گا جیسے بیوی یا صرف ماں کی طرف سے بہن بھائی اور اگر کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو باقی مال بھی بہن کو بطور رد دے دیا جائے گا نہ کہ بطور عصبہ۔ اور اگر کلالہ عورت ہو یعنی عورت بے اولاد مرے اور اس کا ایک بھائی وارث ہو تو وہ اس کے کل مال کا

وارث ہوگا کیونکہ وہ عصبہ ہے۔

[276] دوم: حالت یہ ہے کہ کلالہ مرد کی دو یا اس سے زائد بہنیں وارث ہوں تو انہیں اپنے مرحوم بھائی کی میراث کے دو تہائی حصے ملیں گے۔ باقی ایک تہائی دوسرے ورثاء کا ہے اگر کوئی ہو جیسے بیوی یا والدہ اور اگر نہ ہو تو باقی ایک تہائی بیت المال میں جائے گا۔

[277] سوم: یہ حالت ہے کہ کلالہ خواہ مرد ہو یا عورت۔ اس کے ورثاء ایک سے زائد ہوں اور وہ صرف بہنیں نہ ہوں، بھائی بھی ہوں بہنیں بھی۔ خواہ ایک بھائی ایک بہن ہو یا دو بھائی ایک بہن یا دو بہنیں ایک بھائی یا اس سے زائد، تو ہر بھائی کو دو بہنوں کے برابر حصہ ملے گا یعنی ہر بہن کو ایک اور ہر بھائی کو دو حصے ملیں گے۔ اور اگر کلالہ کا جیون ساتھی یعنی بیوی یا شوہر بھی وارث ہو تو اس کا حصہ پہلے الگ کیا جائے گا کیونکہ وہ ذوی الفروض میں سے ہے جن کا حصہ اللہ نے مقرر کیا ہے۔

كَلٰلَةِ کی چہارم: حالت یہ بھی ہے کہ اس کے ایک سے زائد بھائی وارث ہوں بہن کوئی نہ ہو تو اس کا حکم ظاہر ہے کہ میراث بھائیوں میں برابری پہ تقسیم ہوگی۔ یاد رہے یہاں وہ بہن بھائی مراد ہیں جو ماں باپ دونوں یا صرف باپ کی طرف سے سگے ہوں اور جو بہن بھائی صرف ماں کی طرف سے ہوں ان کی میراث کا حکم سورۂ نساء کے آغاز میں آیت ۱۲ میں بیان ہو چکا کہ اگر ایک بھائی یا بہن وارث ہو تو اسے چھٹا حصہ ملے گا اور اگر ایک سے زائد ہوں تو وہ ایک تہائی میں برابر کے شریک ہوں گے۔

....

الحمدللہ آج ۴ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ بمطابق ۲۳ مارچ ۲۰۰۷ء بروز ہفتہ کعبہ شریف کے سامنے بیٹھ کر نمازِ اشراق کے مبارک وقت میں سورۂ نساء کی تفسیر مکمل ہوئی۔

و صلی اللہ علی حبیبہٖ محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین

سورہ مائدہ

ترتیبِ تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی پانچویں اور ترتیب نزول کے اعتبار سے ایک سو تیرہویں سورت ہے۔اس کے بعد صرف سورہ براءت یعنی سورہ توبہ نازل ہوئی۔اسے مائدہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے آخری سے پہلے رکوع میں اس مائدہ (دستر خوان) کا بیان ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے سوال پر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل فرمایا، اس میں متنوع لذیذ کھانے تھے۔یہ بیان صرف اسی سورت میں ہے تو اسی سے اسے موسوم کیا گیا۔

اس سورت میں سولہ رکوعات اور ایک سو بیس آیات ہیں۔دو ہزار آٹھ سو چار کلمات اور گیارہ ہزار سات سو تینتیس حروف ہیں۔اسے نزول کے اعتبار سے آخری سورت بھی کہا گیا ہے کیونکہ اس میں تکمیلِ دین والی آیت بھی ہے۔یعنی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ (مائدہ:٣) اس کے کچھ ہی عرصہ بعد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال فرمایا۔

مگر حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ سورہ برأت (سورہ توبہ) نزول کے اعتبار سے آخری سورت ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک سو چودہ سورتوں کی جو ترتیبِ نزول بتائی ہے اس میں سورہ برأت سب سے آخر میں ہے اور اس سے قبل سورہ مائدہ ہے۔(الاتقان فی علوم القرآن جلد اول صفحہ ٢٣)

اس لیے میرے خیال میں یہ کہنا بہتر ہے کہ سورہ براءت کے اکثر مضامین سورہ مائدہ کے بعد اور سب سے آخر میں نازل ہوئے البتہ مائدہ کے کچھ مضامین سب سے آخر میں اتارے گئے جیسے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

مضامین

اس سورت میں ملتِ اسلامیہ کے داخلی نظام کے حوالے سے حلال وحرام کے احکام بکثرت بیان ہوئے ہیں بلکہ اس کا آغاز ہی حلال وحرام جانوروں کے ذکر سے۔پھر اس میں کتابیہ عورتوں سے نکاح کی حلت بیان کی گئی۔پھر وضوء غسل اور تیمم کے احکام پہ روشنی ڈالی گئی ہے۔

پھر آگے چل کر اس کے پانچویں رکوع میں ڈاکہ زنی کرنے والوں کی شرعی سزا بتائی گئی ہے، پھر چھٹے رکوع میں چوری کی شرعی حد کا ذکر ہوا۔

پھراس کے رکوع ۱۲ میں قسم کا کفارہ بیان کیا گیا اور شراب کی حرمت پہ روشنی ڈالی گئی اور جوئے کی حرمت پہ زور دیا گیا۔

پھر رکوع ۱۳ میں دورانِ احرام شکار کرنے کی ممانعت ذکر کی گئی اور بتایا گیا کہ اگر کوئی حاجی یا معتمر دورانِ احرام کسی جانور کا شکار کر لے تو اس کا کیا جرمانہ ہے۔ الغرض یہ سورت اپنے دامن میں بہت سے احکامِ شرعیہ کو سمیٹے ہوئے ہے۔ جبکہ خارجی نظام کے حوالے سے اس میں یہود و نصاریٰ اور مرتدین سے معاملہ کی تفصیل بتائی گئی ہے۔

فضلیت

مروی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا سورہ مائدہ کو عرش والے المنقذۃ کہتے ہیں، یعنی بچانے والی۔ اور یہ سورت اپنے پڑھنے والے کو فرشتگانِ عذاب کے ہاتھوں سے بچالیتی ہے۔ (قرطبی)

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''مائدہ سب سے آخر میں اتری لہٰذا اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانو'' (یعنی اس میں کوئی آیت منسوخ نہیں) (درمنثور جلد ۳ صفحہ ۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سورہ مائدہ حضور ﷺ پر اکٹھی اتری۔ اس وقت آپ اونٹنی پر سوار تھے وہ اس کا بوجھ نہ اٹھا سکی۔ (دوسری روایت میں ہے قریب تھا اس کی ٹانگیں ٹوٹ جائیں۔ طبرانی عن اسماء بنت یزید) تو حضور ﷺ اونٹنی سے نیچے اتر آئے۔ (مسند احمد جلد ٦ صفحہ ٤٥٨ مطبوعہ دار الفکر بیروت) اس کا معنی یہ ہے کہ سورہ مائدہ اکٹھی بھی اتری اور آیت آیت کر کے بھی اور قرآنِ مجید کا بہت سا حصہ ایک سے زائد بار اترا ہے۔

ماقبل سے مناسبت

جس طرح سورہ نساء میں یہود و نصاریٰ کے عقائدِ باطلہ کی تردید پہ بہت زور دیا گیا ہے۔ یہی سلسلہ سورہ مائدہ میں بھی چل رہا ہے۔ سورہ نساء میں احکامِ شرعیہ کا بکثرت بیان ہے اور یہی سورہ مائدہ کا اہم موضوع ہے، اس لیے ان دونوں کو اکٹھا لایا گیا۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

ایاتہا ١٢٠ ٥ سُوْرَةُ الْمَآئِدَة ١١٢ رکوعاتہا ١٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا

اے ایمان والو! اپنے وعدے پورے کیا کرو، [1] تمہارے لئے بے زبان مویشی جانور حلال کئے گئے ہیں سوا ان کے جو (آئندہ)

يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

تم پر بیان کئے جائیں گے [2] نہ یہ کہ تم شکار کو حلال کرلو جب کہ تم احرام میں ہو، بیشک اللہ جو چاہے فیصلہ فرماتا ہے۔ [3]

ایفاء عہد اور بیت اللہ کو جانے والے احرام پوش لوگوں سے تعرض نہ کرنے کا حکم

[1] اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اتنا وسیع جملہ ہے کہ تمام ایمانی، اخلاقی، معاشی اور مالی معاملات اس کی لپیٹ میں آ گئے ہیں۔ یعنی ہر طرح کا وعدہ اور معاہدہ پورا کرو۔ خواہ وہ تم نے اللہ و رسول سے کیا ہو، کسی انسان سے کیا ہو یا کسی قوم سے۔ اس میں اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ والا عہد بھی شامل ہے مطلب یہ کہ جب تم نے اللہ کو رب مان لیا تو اس سے بندگی کا معاہدہ پورا کرو اور اس کے کسی حکم سے گردن نہ پھیرو، اس میں خرید و فروخت، کرایہ داری، نکاح، خلع، مزارعت، مصالحت اور تملک، الغرض ہر طرح کا مالی یا اخلاقی معاہدہ شامل ہے اور اس میں خارجی سطح پر کسی مسلم یا غیر مسلم قوم سے کیے جانے والے معاہدات بھی داخل ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ میں ایمان والوں کو ایفاء عہد کا حکم دے کر بتایا گیا کہ وعدہ وفائی مومن کا شیوہ ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آج ہم مغربی اقوام کو انفرادی معاملات میں وعدے کی پابندی کرنے والی قومیں دیکھتے ہیں اور اس میدان میں ہم ان سے بہت پیچھے ہیں۔ اسی ایفائے عہد اور درستگی معاملات نے انہیں دنیا میں بلند مقام دے رکھا ہے اور ہم اپنی بدعہدیوں اور بدعنوانیوں کے سبب ذلت کا شکار ہیں حالانکہ بدعہدی منافق کا کام ہے مومن کا نہیں۔

وعدہ خلافی کا گناہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

آیۃ المنافق ثلاث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان۔ ”منافق کی تین علامات

ہیں بات کہے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو پورا نہ کرے اور اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت برتے۔"
(بخاری کتاب الایمان باب ۲۴)

[2] وعدہ پورا کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ایفاء عہد کرتے ہوئے اس کی حرام کردہ اشیاء کے قریب نہ جایا جائے اور حلال کردہ اشیاء کو حرام نہ جانا جائے اسی لیے فرمایا جارہا ہے کہ اے مومنو! اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ تم پر بے زبان مویشی جانور حلال کیے گئے ہیں جیسے بکری، بھیڑ، دنبہ، گائے، بھینس اور اونٹ۔ سوا ان جانوروں کے جو (آگے آیت ۳ میں) تمہیں بتائے جارہے ہیں یعنی مردار، خون، لحم خنزیر اور غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جانے والا جانور وغیرہ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں لفظ الانعام صرف تین قسم کے جانوروں کے لیے مستعمل ہے۔ اونٹ، گائے اور بکری، یہی روایت حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی ہے۔ (درمنثور)

یاد رہے کہ گائے میں بھینس اور بکری میں دنبہ و بھیڑ بھی شامل ہیں۔ انہیں انعام اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ جانور لوگوں کے لیے اللہ کی بڑی نعمت ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان حلال جانوروں کو حرام نہ کہا جائے سوا ان صورتوں کے جو آگے بتائی جارہی ہیں

قرآنِ مجید میں لفظ الْاَنْعَامِ انہیں تین قسم کے جانور کے لیے مستعمل ہے جیسے سورہ انعام آیت ۱۴۴ تا ۱۴۵ اور سورہ نحل آیت ۵۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ تین اقسام کے جانور حلال ہیں البتہ بعض صورتوں میں حرام ہو جاتے ہیں جیسے کہ آگے آیت ۳ میں بتایا جارہا ہے۔

[3] حُرُمٌ، حرام کی جمع ہے جس کا معنی احرام باندھنے والا آدمی ہے۔ کہتے ہیں: رجلٌ حرامٌ یعنی احرام والا آدمی، معنی یہ ہوا کہ مذکورہ تین اقسام کے جانور اگرچہ حلال ہیں مگر جب تم احرام میں ہو تو ان کا شکار مت حلال جانو۔

معلوم ہوا محرم (احرام پہنے ہوئے آدمی) کا شکار کردہ جانور حرام ہے۔ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ کہہ کر بتایا گیا کہ حالتِ احرام میں اگر کوئی شخص جانور کا شکار کرے تو اسے حلال نہ جانو بلکہ حرام سمجھو۔ چنانچہ فقہ اسلامی میں محرم کا شکار کردہ جانور اسی طرح حرام ہے جیسے مجوسی کا ذبح کردہ جانور حرام و مردار ہے۔ (کنز الدقائق کتاب الحج صفحہ ۸۸) اور اس کی وجہ احرام کی توہین ہے۔ یعنی محرم نے احرام کی پابندیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسکی عزت و توقیر میں فرق ڈالا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ

اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو نہ حرمت والے مہینے کی نہ قربانی کے جانور کی نہ (اس کے گلے کے) ہاروں کی،

وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ

اور نہ عزت والے گھر (کعبہ) کے عازمین کی، جو اپنے رب کا فضل اور اس کی خوشنودی

وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ

چاہتے ہیں [4] اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو [5] اور کسی قوم سے یہ دشمنی کہ

صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ

انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا، تمہیں حد سے تجاوز کرنے پر نہ اکسائے اور نیکی و

وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

تقویٰ پر ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ و سرکشی پہ تعاون نہ کرو [6] اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

سخت عذاب والا ہے۔

وقف لازم

الربع

[4] اس ساری آیتِ مبارکہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک کافر حطم بن ہند مدینہ طیبہ آیا اور دھوکہ دہی سے مسلمانوں کے بہت سے جانور ہانک لے گیا۔ پھر اس نے اس پر فخریہ اشعار کہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس پر بہت طیش تھا۔ اگلے برس وہ حجاج کے ایک قافلہ کے ساتھ مدینہ طیبہ کے قریب سے گزرا اس کے ساتھ ہدی (قربانی) کے جانور بھی تھے اور اس نے ان کے گلے میں احرام کی نشانی کے طور پر قلادہ (ہار) بھی ڈال رکھا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت مانگی کہ اسے پکڑیں، آپ نے انہیں روک دیا۔ تب یہ آیتِ مبارکہ اتری: لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ (ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۳۹۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) یاد رہے ابتداء میں کفار عرب بھی حج بیت اللہ کے لیے جاتے تھے۔ پھر ۹ھ میں کفار کا داخلہ ممنوع کر دیا گیا۔

شَعَآئِرَ، شعیرۃٌ کی جمع ہے جس کا معنی علامت ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے مومنو! جو چیزیں اللہ کی شعائر

(علامات) ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ کی عبادت کی طرف خیال جاتا ہے۔ انہیں حلال نہ جانو، یعنی ان کی توہین نہ کرو جیسے وہ شخص جس نے احرام باندھا ہوا اور اس کے ساتھ والا قربانی کا جانور ہو اور اس کے گلے میں احرام کی نشانی کے طور پر ہار ڈالا ہو، تو یہ چیزیں حج و عمرہ، طواف بیت اللہ اور راہِ خدا میں جانور قربان کرنے جیسی عبادات کے مظاہر و علامات ہیں لہٰذا ان کی توہین نہ کرو اور کسی قافلہ حجاج کو مت چھیڑو۔

نسبت کی برکت سے جانور بھی اللہ کی نشانی ہے

یہاں حج کی قربانی کے لیے تیار کردہ جانور کو بھی اللہ کی نشانی بتایا گیا ہے اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:
وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ''اور ہم نے حج کی قربانی والے جانوروں کو تمہارے لیے اللہ کی نشانی بنایا ہے۔'' (حج،۳۶)

جبکہ انسان تو اشرف المخلوقات ہے اور مومن صالح اللہ کے ہاں خیر البریہ ہے (بینہ، ۷) جب جانور کو نسبتِ خداوندی کی یہ برکت ملتی ہے تو اولیاء اللہ اور علمائے ربانیین کی عظمت کا کیا کہنا ہے۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:
وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴿۳۲﴾ ''جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم بجالائے تو یہ دلوں کا تقویٰ ہے۔'' (حج،۳۲)

اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر حج کی قربانی کے جانور کی اہانت سے اللہ کا غضب جوش میں آتا ہے تو اولیائے کاملین اور علمائے ربانیین کی توہین و اہانت سے اللہ کی غضب کس قدر جوش میں آئے گا۔

یہاں وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ بھی فرمایا گیا۔ یعنی حرمت والے مہینے کی توہین سے بھی باز رہو۔ دراصل ذی قعدہ، ذی الحجہ محرم اور رجب یہ چار مہینے حرمت والے تصور کیے جاتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں ہے: مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ط (توبہ:۳۶) ان مہینوں میں کفار سے جنگ کا آغاز کرنا حرام ہے۔

مفہوم یہ ہوا کہ اے مومنو! حرمتِ والے مہینے کو بھی حلال نہ جانو، یعنی کفار کے قافلہ حجاج پر حملہ کر کے ماہ حرمت کی ہتک نہ کرو۔ یاد رہے جب حاجی احرام کی چادریں پہن کر نکلے اور قربانی کے جانور کے گلے میں قلادہ ڈال کر اسے ساتھ لے چلے تو اس پر احرام کی پابندیاں شروع ہو جاتی ہیں اور یہ قلادہ ڈالنا تلبیہ کہنے کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔
(کنز الدقائق کتاب الحج باب ۸۷)

قربانی حج کے لیے تیار کیا ہوا قلادہ پوش جانور نہ بیچا جاسکتا ہے نہ کسی اور مقصد کے لیے ذبح کیا جاسکتا ہے اور یہ سب وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ کے مفہوم میں داخل ہے۔ یہاں سے نسبت کی عظمت معلوم ہوئی۔ جانور نسبت کے سبب اللہ کی نشانی بن گیا۔

آگے فرمایا گیا: وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ یعنی عازمین بیت اللہ سے بدسلوکی مت کرو، کیونکہ وہ اللہ کے مہمان

ہیں اور اس کا فضل اور اس کی رضا حاصل کرنے جا رہے ہیں۔ فضل سے مراد حج و عمرہ کے دوران تجارت کرنا اور رزق حلال کمانا بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ یعنی ''دوران حج تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل (رزق حلال) تلاش کرو۔'' (بقرہ:١٩٨) اسی لیے نماز جمعہ کے بارے میں فرمایا گیا۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔ ''جب نماز جمعہ پڑھ لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔'' (جمعہ،١٠) یہاں سے حجاج بیت اللہ کی عظمت معلوم ہوئی۔ وہ اللہ کے مہمان ہیں اور کوئی میزبان اپنے مہمان کی تکلیف پسند نہیں کرتا۔

[5] یہ گزشتہ آیت میں غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ کی مزید وضاحت ہے یعنی جب حالتِ احرام میں شکار کرنا حرام ہے تو احرام کھولنے کے بعد تمہیں شکار کی اجازت ہے۔ مگر یاد رہے حدودِ حرم میں شکار مطلقاً حرام ہے خواہ کوئی احرام میں ہو یا نہ ہو۔

[6] یعنی اے مسلمانو! اگر تمہیں کسی قوم سے اس لیے عداوت ہے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا ہے جیسے مشرکین مکہ نے صحابہ کرام کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کیا اور اس کے بعد عمرہ کیلئے آنے سے بھی روکا تو یہ عداوت تمہیں اس امر پر نہ اکسائے کہ تم حد سے تجاوز کرتے ہوئے قافلہ حج پر حملہ کرو۔ لہٰذا نیکی میں باہمی تعاون کیا کرو یعنی جو تم سے نیکی کرے اس سے نیکی کرو تا کہ نیکی پھیلے مگر برائی میں باہمی تعاون نہ کرو یعنی برائی کرنے والے سے برائی نہ کرو کہ اس طرح برائی پھیلنے میں تم مددگار بنو گے بلکہ برائی کرنے والے سے درگزر کرو تا کہ نیکی پھیلے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم قافلہ حج پر حملہ کرو گے تو حرم کی طرف جانے والا راستہ پرخطر ہو جائے گا۔ یہاں سے درگزر کی فضیلت معلوم ہوئی اور یہ کہ برائی کا بدلہ اچھائی سے دینا چاہیے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ

تم پر مردار حرام کیا گیا اور خون اور خنزیر کا گوشت [7] اور جو جانور غیر خدا کے نام پہ ذبح کیا جائے [8]

وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا

اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے اور جو کسی چوٹ سے مرے اور جو بلندی سے گر کر مرے اور جو دوسرے جانور کے

ذَكَّيْتُمْ ۖ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ

سینگ مارنے سے مرے اور جسے درندے کھا جائیں سوا اس کے جسے تم ذبح کرلو [9] اور جو جانور بتوں کے آگے ذبح کیا گیا [10] اور تم پر

فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ

حرام ہے کہ تیروں کے ذریعے قسمت نکالو یہ گناہ ہے [11] آج کے دن کفار تمہارے دین (کو مٹانے) سے مایوس ہو گئے تو ان سے نہ ڈرو

وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ

مجھ سے ڈرو [12] آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی

وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ

اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرما لیا [13] تو جو شخص بھوک میں مجبور ہو جائے جبکہ وہ

مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

گناہ کا طلبگار نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔[14]

[7] سورہ مائدہ کی پہلی آیت میں کہا گیا تم پر مویشی جانور حلال کیے گئے ہیں سوا ان کے جو (آگے) تم پر پڑھے جا رہے ہیں یعنی تم کو بتائے جا رہے ہیں۔ تو اب اس آیت کی تفصیل کرتے ہوئے بتایا جا رہا ہے کہ تم پر مردار حرام ہے، خون حرام ہے اور جس جانور کو غیر خدا کے نام پہ ذبح کیا جائے وہ حرام ہے۔

مردار، خون اور خنزیر کی حرمت کا فلسفہ

مردار وہ جانور ہے جو شرعی طریقہ پر ذبح کیے بغیر از خود مر جائے۔ وہ اس لیے حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کر کے اس کا خون نہیں بہایا گیا اور وہ اس کی رگوں، پٹھوں اور گوشت ہی میں جذب ہو کر رہ گیا۔ ایسے گوشت کا کھانا

انسانی صحت کے لیے سخت مضر ہے۔ یہ اس کی حرمت کا طبی اور مادی سبب ہے۔ پھر اس کی حرمت کا ایک اخلاقی و ایمانی سبب بھی ہے وہ یہ کہ جانور کو جان عطا کرنے والا اللہ ہے تو لازم ہے کہ اس کی جان اللہ ہی کے نام پر نکالی جائے پھر اسے کھایا جائے تا کہ یہ عقیدہ دلوں میں راسخ ہو کہ ہر جان اللہ کے زیر حکم ہے، وہی جان ڈالنے والا ہے اور وہی نکالنے والا ہے۔ لہٰذا اس کے حکم کے بغیر کسی جاندار چیز کو مت مارا جائے اور اگر کوئی حلال جانور بھی اس کا نام پکارے بغیر مر جائے تو اسے نہ کھایا جائے۔

آگے فرمایا گیا: وَالدَّمُ

کہ خون کا کھانا پینا حرام ہے۔ دراصل اہل جاہلیت جانور ذبح کر کے اس کا خون کسی مٹکے میں ڈال لیتے بعد میں اسے پکا کر کھاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مکروہ فعل کو حرام قرار دیا کیونکہ خون کا کھانا یا پینا انسانی صحت کے لیے زہرِ قاتل ہے۔

حافظ ابوبکر بن مردویہ نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

کہتے ہیں میں جب اسلام لایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بھیجا تا کہ میں اپنی قوم کو دعوت اسلام دوں۔ میں جب ان کے پاس گیا تو وہ ایک بڑے تھال میں جما ہوا خون ڈال کر اسے کھا رہے تھے، انہوں نے مجھے بھی کھانے کی دعوت دی۔ میں نے کہا میں اس رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس سے آ رہا ہوں جنہوں نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ پھر میں نے انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی: اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ۔ الخ۔ میں نے ان سے کہا مجھے شدید پیاس ہے مجھے چند گھونٹ پانی دیدو، انہوں نے کہا ہم تجھے ایک گھونٹ نہ دیں گے، تا آنکہ تو پیاسا مر جائے۔ میں سخت مغموم ہوا میرے پاس میری چادر تھی میں اس میں منہ دے کر گرم ریت پہ شدید گرمی میں لیٹ گیا۔ مجھے نیند آ گئی تو خواب میں ایک شخص میرے پاس شیشے کا خوبصورت جام لے کر آیا ایسا حسین جام کسی انسان نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا، اسمیں شربت تھا وہ اس نے مجھے دیا میں نے پیا جو اس قدر لذیذ تھا کہ کسی انسان نے اس سے لذیذ تر شربت نہ پیا ہوگا۔ جب میں پی چکا تو میری آنکھ کھل گئی اور قسم بخدا مجھے پیاس کا کچھ احساس نہ تھا اور نہ اس کے بعد مجھے کبھی پیاس محسوس ہوئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۸ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت) اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اہلِ جاہلیت اسلام سے پہلے خون کو باقاعدہ کھایا کرتے تھے، اسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔

آگے فرمایا گیا: وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ

یہاں خنزیر کا گوشت اس لیے کہا گیا تا کہ معلوم ہو کہ خنزیر کی ہر جزء حرام ہے کیونکہ گوشت سے ہڈی، چمڑہ اور بال بنتے ہیں لہٰذا اس کی ہڈی، چمڑا اور بال ہر چیز حرام اور نجس ہے۔ اسی لیے دوسری جگہ ارشاد ہوا: لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ۔ خنزیر کا گوشت حرام ہے کیونکہ وہ سراپا نجس ہے۔ (انعام: ۱۴۵) باقی حرام جانوروں کی ہڈیاں اور بال ناپاک نہیں ہوتے کیونکہ وہ خشک ہیں۔ اگر وہ پانی میں گر جائیں تو وہ ناپاک نہیں ہے اور ان کا چمڑہ بھی رنگ لینے کے بعد پاک

ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سراپا نجس نہیں ہیں۔ جبکہ خنزیر کو سراپا نجس فرمایا گیا ہے تو اس کا چمڑہ رنگنے سے بھی پاک نہیں ہوتا۔

خنزیر اس لیے حرام ہے کہ وہ درندہ ہے اور ہر درندہ حرام ہے۔ کیونکہ ہر درندہ مردار کھاتا ہے اور خونریزی کرتا ہے اور جو لوگ انہیں کھاتے ہیں ان میں بھی یہ صفات پیدا ہوتی ہیں اور خصوصاً خنزیر ایسا بے حیا جانور ہے کہ نر نر سے جسمانی تقاضا پورا کرتا ہے اور جو لوگ اسے کھائیں ان میں بھی یہ بے حیائی پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے اہلِ یورپ خنزیر کا گوشت شوق سے کھاتے ہیں اور آج یورپین پارلیمنٹ نے لواطت کو قانونی جواز دے دیا ہے بلکہ دنیا بھر میں جس لوطی کو لوگ تنگ کریں وہ اس بنیاد پر کسی یورپی ملک کا ویزہ لے سکتا ہے تاکہ وہ محفوظ ہو کر لواطت کرے یا کروا سکے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴿۱۵۶﴾ یہ یورپین غیر مسلم اقوام کی اخلاقی گراوٹ کی بدترین مثال ہے اور اس کا ایک سبب خنزیر خوری بھی ہے۔

جدید برقی مشین کے ذبیحہ کا شرعی حکم

یورپ وامریکہ اور دیگر غیر اسلامی بلاد میں جانوروں کو مشین سے ذبح کیا جاتا ہے۔ اسطرح کہ سینکڑوں جانور ایک زنجیر کے ساتھ لٹے الٹک رہے ہوتے ہیں اور وہ زنجیر بجلی کے ذریعہ چلتی آتی ہے، آگے ایک مشینی آری از خود چل رہی ہے جانوروں کے سر اس کے آگے آتے جاتے ہیں اور وہ انہیں کاٹتی جاتی ہے۔ نہ وہاں کوئی ذبح کرنے والا ہے نہ اللہ کا نام لینے والا، ایسے جانوروں کے حرام اور مردار ہونے میں کیا شک ہے۔

البتہ علماء کے نزدیک اگر کسی مسلمان نے بسم اللہ پڑھ کر بٹن دبایا اور آری چل پڑی اور جانوروں کے سر کٹنے لگے تو ان میں سے پہلا جانور حلال ہے کیونکہ اس کی گردن پہ جو آری چلی وہ بسم اللہ پڑھ کر چلائی گئی، بعد والے سارے جانور حرام ہیں کیونکہ ان کے ذبح پر نئے سرے سے بٹن نہیں دبایا گیا اور نہ ہی ان کے لیے الگ بسم اللہ پڑھی گئی ہے۔ چند علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ ایسے تمام جانور حلال ہیں، مگر پہلا قول ہی قوی اور اقرب الی الصواب ہے۔

۱۹۹۲ء میں جے پور انڈیا میں اس موضوع پہ مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کا سیمینار ہوا جس میں سو سے زائد محقق علماء شامل ہوئے۔ ان میں سے چار علماء نے کہا کہ مذکورہ صورت میں تمام جانور حرام ہیں، یعنی پہلا جانور بھی حرام ہے۔ دس علماء نے کہا کہ مشین سے ذبح شدہ تمام جانور حلال ہیں، ان میں سے کوئی بھی حرام نہیں ہے، باقی نوے کے قریب علماء نے کہا کہ پہلا جانور حلال ہے باقی سب حرام ہیں۔

البتہ تمام علماء نے اس تجویز کو پسند کیا کہ اگر ایسی مشین ایجاد کی جائے جس کے آگے بہت سے بلیڈز لگے ہوں اور بسم اللہ پڑھ کر بٹن دبانے سے بہت سے جانور اکٹھے ذبح ہو جائیں اس طرح کہ ہر جانور کے گلے کی تین رگیں کم از کم کٹ جائیں تو وہ سب جانور حلال ہیں۔ (اہم فقہی فیصلے، نوواں فقہی سیمینار صفحہ ۱۰۳ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

اس جگہ مجھ ناقص العلم کی رائے یہ ہے کہ اگر برقی مشین کا بٹن دبانے والا مسلمان ہو اور بسم اللہ پڑھ کر بٹن دبائے پھر مشین کے پاس کھڑا ہو جائے اور جیسے جیسے مشینی آری جانوروں کو ذبح کرتی اور ان کے گلے کاٹتی جائے وہ ساتھ ساتھ

ہر جانور کے ذبح پر الگ بسم اللہ پڑھتا جائے تو یہ ذبح کی جائز صورت ہے یوں سب جانوروں کا ذبح درست ہوجائے گا اور مشینی آری کو ذابح کی چھری کے قائم مقام تصور کیا جائے گا کیونکہ اسی نے بٹن دبایا ہے اور وہی ہر ایک جانور کے ذبح پر بسم اللہ پکار رہا ہے۔ بشرطیکہ ہر جانور کی تین رگیں ضرور کٹ جائیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص کسی مشین کا بٹن دبائے اور وہ چل پڑے تو مشین کا فعل عرف عام میں بٹن دبانے والے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ بٹن دبانے سے ہوائی جہاز اُڑ پڑتا ہے۔ اگر غلط بٹن دبا دیا اور حادثہ ہوگیا تو اس کا ذمہ دار بٹن دبانے والا ہے، خواہ وہ حادثہ بٹن دباتے ہی ہوجائے یا کچھ دیر بعد۔ الغرض جب تک مشین چلتی رہے اس کی تمام حرکات عرفاً و شرعاً ہر طرح بٹن دبانے والے کی طرف منسوب ہیں، یہی حال ذبح والی مشین کا ہے۔ اگر اس کا بٹن دبانے والا ہر جانور کے ذبح پر الگ بسم اللہ پڑھ رہا ہے تو پھر سب جانوروں کے حلال ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

جھٹکے والا جانور حرام و مردار ہے

یورپ و امریکہ میں جانور کو ذبح کرنے سے قبل اسے بجلی کا جھٹکا دیا جاتا ہے تاکہ وہ بے ہوش ہوجائے۔ بسا اوقات وہ جھٹکے سے مرجاتا ہے اور چھوٹے جانور یعنی مرغیاں چوزے تو اکثر مرجاتے ہیں وہ جھٹکا نہیں سہ سکتے۔ ایسا جانور مردار ہے کیونکہ وہ ذبح سے قبل ہی مرگیا۔

یہ ہم اس لیے کہہ رہے ہیں کہ ہمارے ہاں برطانیہ و یورپ میں غیر مسلموں کے ذبح خانوں میں ذبح کردہ جانور اکثر ذبح سے قبل ہی بجلی کے جھٹکے کی وجہ سے مرچکے ہوتے ہیں کیونکہ وہ تیز جھٹکا دیتے ہیں اور انہیں اس کے زندہ رہنے یا مرجانے سے کوئی سروکار نہیں۔ تو ایسے جانور مردار ہیں اور یہاں کے بڑے بڑے تجارتی مراکز میں حرام گوشت ہی پڑا ہوتا ہے، جیسے آزدا، موریسن، آلڈی، آئس لینڈ وغیرہ۔ تو کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ ان سے گوشت خریدے۔ اسی طرح یورپین ممالک سے درآمدہ گوشت اسلامی ممالک میں بھی ملتا ہے۔ جو پلاسٹک کے بیگز میں پیک اور فریز ہوتا ہے، اس کا کھانا بھی حلال نہیں ہے کیونکہ وہ کفار کا ذبح کردہ ہے اور دورِ حاضر کے اکثر اہل کتاب ملحدین ہیں، وہ کسی کتاب کو الہامی ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں اور نہ ہی وہ کسی مذہب یا خدا پہ یقین رکھتے ہیں۔ پھر ان کا طریقہ ذبح بھی غیر شرعی ہے۔ جس میں جھٹکا دینا بھی ہے۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ جب سے یورپ میں لاکھوں کی تعداد میں اہلِ اسلام نے بھی اقامت اختیار کی ہے تب سے یورپ میں بہت سے اسلامی ذبح خانے بھی بن گئے ہیں۔ جو مسلمانوں نے خود قائم کیے ہیں اور وہاں شرعی ذبح کا لحاظ رکھا جاتا ہے، اگرچہ ذبح سے قبل جانور کو بجلی کا جھٹکا دینا اسلامی ذبح خانوں میں بھی ہوتا ہے، مگر وہ اس بات کا اہتمام اور لحاظ رکھتے ہیں کہ جھٹکے سے جانور کی موت نہ واقع ہوجائے۔ میں نے خود یہاں چند اسلامی ذبح خانوں میں جا کر دیکھا ہے۔ وہاں اس بات کی تسلی کی جاتی ہے کہ جانور کرنٹ لگنے سے مر نہ جائے اور اسے ہلکا سا جھٹکا دیا جائے اور کرنٹ لگانا

یہاں کی ایک مجبوری ہے کیونکہ ایک ایک ذبح خانے میں روزانہ دس دس ہزار چوزے ذبح کیے جاتے ہیں۔ اگر بجلی کا جھٹکا نہ لگایا جائے تو سارے دن میں صرف چند سو چوزے ذبح ہو سکیں کیونکہ جھٹکے کے بغیر چوزہ اس قدر پھڑ پھڑاتا ہے کہ اسے ذبح کرنا خاصا مشکل ہے، پھر بھی اگر انہیں کسی جانور میں شک پڑے کہ وہ زندہ نہیں ہے تو وہ اسے ذبح سے قبل الگ کر دیتے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کے مذابح سے آنے والا گوشت حلال ہے۔

خون کا کھانا پینا حرام ہے اسکا ڈرپ لگوانا حرام نہیں

آگے فرمایا گیا وَالدَّمُ

یہ کہہ کر خون کے کھانے پینے کی حرمت بتائی گئی اور آج کل جو خون کی بوتلیں Blood Drips لگوائی جاتی ہیں ان کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یعنی والدم کہہ کر دورِ جاہلیت کے اس طریقہ کا رد کیا گیا ہے جو وہ جانوروں کا خون مٹکوں میں ڈال لیتے تھے اور بعد میں اسے کھاتے تھے۔ رہا جو آج کل مریضوں کو خون لگوایا جاتا ہے تو یہ ایک طریقہ علاج ہے، یہ جائز ہے۔

[8] اس کی تفسیر میں قرآنِ کریم کے سب سے پہلے مفسر حبرِ امت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: المرادُ ما ذُبِحَ للانصابِ والاوثانِ اس سے مراد وہ جانور ہے جو دیواروں میں نصب شدہ اور زمین پہ کھڑے بتوں کے نام پر ذبح کیا جائے۔ (تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد ٢ صفحہ ٢٢٤ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد مشہور تابعی حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ای ما ذُبِحَ لغیرِ اللہِ۔ یعنی وہ جانور جو غیر خدا کے لیے ذبح کیا جائے۔

(ابن ابی حاتم حدیث ١٥١٩ جلد ا صفحہ ٢٨٣ مطبوعہ مکہ)

جلیل القدر تابعی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ای ما ذبح لغیر اللہ ممّا لم یُسمّ علیہ یعنی وہ جانور جو غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے اور اس پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے۔ (ابن جریر طبری جلد ٢ صفحہ ٥١ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اور یہی تفسیر امام ابن جریر طبری، امام قرطبی، امام ابن کثیر، امام محی السنہ بغوی، امام خازن، امام فخر الدین رازی رحمہم اللہ اور دیگر تمام ثقہ ائمہ تفسیر نے کی ہے۔

مگر آج اس قرآنی جملہ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کے ترجمہ میں معنوی تحریف کی جا رہی ہے اور اس کا معنی یوں کیا جا رہا ہے کہ جو چیز یا جو جانور غیر خدا کے لیے نامزد کر دیا جائے وہ حرام ہے لہٰذا میلاد، گیارہویں یا کسی بزرگ کے عرس یا ختم کے لیے ذبح کیا جانے والا جانور حرام ہے خواہ اسے اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو مگر یہ کہنا صریح گمراہی ہے۔ اس کی مکمل شرح و بسط کے ساتھ تشریح و تفسیر ہم پیچھے سورہ بقرہ آیت ١٧٣ کے تحت کر آئے ہیں، وہاں ضرور دیکھیں۔

[9] وَالْمُنْخَنِقَةُ وہ جانور ہے جس کے گلے میں پھندا پڑ گیا یا ڈال دیا گیا اور اس کی موت واقع ہو گئی۔ اہلِ

جاہلیت جانوروں کو یوں بھی مار کر کھالیتے تھے وہ سمجھتے تھے جانور کا مارنا ہی مقصود ہے۔ ذبح ضروری نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کیا اور اسے حرام قرار دیا۔

وَالْمَوْقُوْذَۃُ وہ جانور ہے جو کسی شدید چوٹ سے مرجائے۔ ضحاک کہتے ہیں: اہلِ جاہلیت جانوروں کو اپنے بتوں کے لیے یوں بھی قربان کرتے تھے کہ انہیں ڈنڈوں سے مار مار کر ہلاک کرتے بعد میں کھالیتے۔ (قرطبی) تو اللہ تعالیٰ نے ایسے جانور کو بھی حرام قرار دیا جو کسی چوٹ سے مرجائے۔

حدیثِ طیبہ میں ہے، عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''اگر تم شکار کو (بسم اللہ پڑھ کر) تیر مارو اور وہ اس کے جسم میں داخل ہوجائے تو اسے کھالو (گویا تیر یا گولی کا شکار میں پیوست ہوجانا اور خون کا نکلنا ذبح کے معنیٰ میں ہوگیا) اور اگر تیر چوڑائی میں جا کر لگے اور اسے ماردے تو نہ کھاؤ، کیونکہ وہ موقوذہ ہے'' (یعنی چوٹ کے لگنے سے مرا ہے)۔ (مسلم کتاب الصید باب اول حدیث ۳)

وَالْمُتَرَدِّیَۃُ وہ جانور ہے جو بلندی سے گر کر مرجائے یا گرا کر ماردیا جائے وہ بھی مردار اور حرام ہے۔ اسی لیے مسئلہ ہے کہ اگر کوئی پرندہ بلندی پہ بیٹھا تھا اسے بسم اللہ پڑھ کر تیر یا گولی ماری گئی وہ وہاں سے کسی سخت پتھر پہ گرا پھر وہاں سے زمین پہ گرا تو اسے نہ کھایا جائے۔ کیونکہ معلوم نہیں کہ وہ پرندہ تیر یا گولی لگنے سے مرا ہے یا پتھر پہ گرنے سے۔

وَالنَّطِیْحَۃُ وہ جانور ہے جو دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مرجائے وہ بھی مردار ہے، یہ سب جانور اس لیے حرام ہیں کیونکہ ان میں جانور کا خون نہیں بہایا گیا۔

آگے فرمایا: وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ کہ جس جانور کو کسی درندے نے چیر پھاڑ دیا وہ بھی حرام ہے البتہ اگر تم اس کی جان کے نکلنے سے قبل اسے ذبح کرلو تو پھر وہ حلال ہے۔ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ کا تعلق اَلْمُنْخَنِقَۃُ سے لے کر تمام مذکورہ جانوروں سے بھی ہوسکتا ہے۔ یعنی گلا گھٹنے، چوٹ لگنے، بلندی سے گرنے اور دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے جو جانور قریب الموت ہوجائے اور جان نہ نکلے اگر تم اسے موت سے قبل ذبح کرلو تو وہ حلال ہے۔

جانور کی حلت ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے پہ موقوف ہے

معلوم ہوا جانور کے حلال ہونے کی بنیاد اس کا نامِ خدا پر ذبح کیا جانا ہے۔ اور یہی مفہوم وَمَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کا ہے کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جانے والا حرام ہے۔ چنانچہ اگر کافر نے بت کے نام پر ذبح کے لیے جانور پال رکھا تھا اسے کسی مسلمان نے نامِ خدا پر ذبح کردیا تو وہ حلال ہے اور اگر مسلم نے قربانی کے لیے جانور پال رکھا تھا اسے کسی کافر نے غیر خدا کے نام پر ذبح کردیا یا وہ کسی صدمے کے ساتھ بغیر ذبح مرگیا تو وہ حرام ہے جیسے نطیحہ و موقوذہ وغیرہ جانوروں کا ابھی ذکر ہوا، تو صاف معلوم ہوا کہ جو جانور اللہ کے نام پہ ذبح ہوگیا وہ حلال ہے اور جو اللہ کے نام پہ ذبح نہ ہوا وہ حرام ہے اور اسی مفہوم میں وَمَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ فرمایا گیا ہے۔ اور اس کا فلسفہ یہی ہے کہ جانور میں جان پیدا

کرنے والا اللہ ہے تو اللہ ہی کے نام پر اسے حلال کیا جا سکتا ہے۔

[10] النُّصُبِ کا معنی وہ بت ہے جو کسی دیوار کے ساتھ نصب ہو۔ اس کی جمع انصاب ہے قرآنِ مجید میں ہے: وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ۔ (مائدہ:۹۰) اہلِ جاہلیت دیوار کعبہ کے ساتھ نصب شدہ بتوں کے قدموں میں جانور لا کر ذبح کرتے اور اس کے خون کے چھینٹے بتوں کی طرف اچھالتے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں ایسا جانور اللہ نے حرام قرار دیا ہے خواہ اس کے ذبح پر اللہ ہی کا نام لیا جائے۔

جو جانور کسی انسان کی تعظیم کے لیے ذبح کیا جائے وہ حرام ہے

گویا یہ الگ مستقل شرعی ضابطہ ہے کہ جس جانور کے ذبح کا مقصد اس کا گوشت کھانا نہ ہو بلکہ غیرِ خدا کی تعظیم اور اس کی رضا جوئی ہو تو وہ مطلقاً حرام ہے خواہ اس کے ذبح پر اللہ کا نام لیا جائے کیونکہ اللہ کی رضا کے لیے جانور کا خون بہانا (جیسے عید اور حج کی قربانی ہے) یہ مستقل عبادت ہے اور غیر خدا کے لیے عبادت کی نقل اور شکل بنانا حرام ہے۔ جیسے غیر خدا کے لیے سجدۂ تعظیم حرام ہے۔ اسی طرح غیرِ خدا کی رضا جوئی کے لیے جانور کا ذبح کرنا حرام ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ

اگر مہمان کی آمد پر اسے دیکھ کر اس کی تعظیم کے لیے جانور ذبح کیا گیا تو وہ حرام ہے جیسے بادشاہوں کی آمد پہ کیا جاتا ہے۔ البتہ اگر مہمان کی غیر موجودگی میں محض اس کی ضیافت کے لیے ذبح کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (فتاوی عالمگیری کتاب الذبائح جلد ۵ صفحہ ۲۸۶ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) کیونکہ پہلی صورت میں جانور کا کھایا جانا مقصود نہیں بلکہ محض ذبح کیا جانا مقصود ہے، جبکہ دوسری صورت میں اس کا کھایا جانا مقصود ہے۔

[11] وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ازلام جوئے کے پتوں کو کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ اہلِ جاہلیت کے پاس پتے ہوتے تھے جن سے وہ قسمت کا فال نکالتے تھے، یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پتوں کے ذریعے قسمت کا حال معلوم کرنا حرام ہے۔ انسان کی قسمت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

نجومیوں فال گیروں کے پاس جانے کی حرمت

معلوم ہوا کہ فال کے پتوں سے قسمت معلوم نہیں ہو سکتی۔ یہ جاہلانہ حرکت ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا: ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کسی نجومی کی بات مانی یا تیروں سے فال نکالا یا کسی چیز سے بدشگونی لے کر سفر سے لوٹ آیا وہ جنت کی سیڑھی نہیں چڑھے گا۔''

(ابن کثیر نقلاً عن ابن مردودیہ جلد ۲ صفحہ ۱۳)

امت محمدیہ کے لیے تکمیل دین اور اتمام نعمت کا اعلان

[12] حلت وحرمت کے مسائل کے مابین تکمیلِ دین کا ذکر فرمایا جا رہا ہے تا کہ معلوم ہو کہ انسان کے لیے اسلام نے حلال وحرام کے حوالہ سے مکمل ضابطہ عمل وضع کر دیا ہے۔ اس آیت میں ان کلمات اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ تک کا شانِ نزول اور پس منظر بڑی اہمیت کا حامل ہے اور خود یہ کلمات بھی قرآنِ مجید میں بڑی عظمت واہمیت والے ہیں۔

اعلانِ تکمیلِ دین کا عظیم پس منظر

٨ھ میں مکہ مکرمہ کو فتح کر کے مرکز اسلام سے غلبہ کفر کا خاتمہ کر دیا گیا۔ پھر ٩ھ میں مشرکین کو حدودِ حرم سے باہر نکال دیا گیا، پھر ١٠ھ میں حضور سید عالم ﷺ نے اس شان سے حج ادا کیا کہ سرزمین حرم کفر کے وجود سے پاک ہو گئی تھی اور ایک لاکھ چوبیس ہزار اہلِ ایمان میدانِ عرفات میں حضور سرورِ کونین ﷺ کی زبان مبارک سے خطبہ حج سن رہے تھے۔ اس شان سے کوئی نبی اس سے قبل حضور رب میں کھڑا نہ ہوا تھا۔ تب میدان عرفات ہی میں یہ کلمات نازل ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ یعنی آج حجۃ الوداع کے دن کفار دین کو مٹانے سے مایوس ہو گئے ہیں اور انہیں یقین ہو گیا ہے کہ اب اس چراغ ہدایت کا بجھانا ان کے بس میں نہیں رہا۔ گویا حضور ﷺ کو آپ کی تئیس سالہ تبلیغی و جہادی زندگی کی کامرانی پر مبارکباد دی جا رہی ہے۔ لہٰذا فرمایا گیا: فَلَا تَخْشَوْھُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ کہ اے مومنو! اب تم کفار سے نہ ڈرو کہ وہ تمہارے دین کو مٹا دیں گے بلکہ مجھ سے ڈرو اور اس دین کی کامل اتباع بجا لاؤ۔

[13] مذکورہ تمہید کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آج کے دن یعنی حجۃ الوداع کے دن میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تم پہ اپنی نعمت کی تکمیل کر دی ہے اور تمہارے لیے دینِ اسلام ہی کو پسند کر لیا ہے یعنی جو اس دین پہ مرے گا وہی نجاتِ اخروی پائے گا۔

امت محمدیہ کے لیے تکمیلِ دین کے تین معانی اور ختمِ نبوت

اول (ایمانی تکمیل):

یعنی وہ عقائد جن پر انسان کی اخروی و ابدی نجات موقوف ہے مکمل کر دیئے گئے ہیں اب ان میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ پہلے انبیاء کے وقت یہ چیز نہ تھی۔ جب ایک نبی کے بعد جب دوسرا نبی آتا تو دوسرے نبی کے ماننے پر نجات موقوف ہو جاتی صرف پہلے نبی کا ماننا اور نئے نبی سے انکار کرنا کفر ٹھہرتا اور نجاتِ اخروی سے محرومی بن جاتا۔ پھر ان کے

بعد کوئی اور نبی آ جاتا تو اس پر ایمان لانے پر نجات موقوف ہو جاتی اور صرف پہلے انبیاء کا ماننا نجاتِ اخروی کے لیے کافی نہ رہتا۔ یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہا۔ آخر میں نبی اکرم ﷺ کو سب سے آخری نبی بنا کر بھیجا گیا۔ اب حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا کہ اسے مانے بغیر نجات اخروی نہ مل سکے۔ نہ ہی آپ کے بعد کسی معنی میں ایسی کوئی شخصیت آئے گی جس پر ایمان لائے بغیر نجاتِ اخروی نہ مل سکے۔ یوں دین کو مکمل کر دیا گیا، یہ عقائد کے لحاظ سے تکمیلِ دین ہے۔ اس کا واضح معنی ختم نبوت ہے۔

اس سے اہل تشیع کے عقیدہ امامت کا بطلان بھی ظاہر ہوا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لے کر امام مہدی تک بارہ ائمہ انبیاء کی طرح اللہ کی طرف سے منصوص اور معصوم ہیں اور ان میں سے کسی کی امامت سے انکار کسی نبی کی نبوت سے انکار کی طرح کفر اور دائرہ اسلام سے خروج ہے اور جو شخص ان بارہ اماموں میں سے کسی کی امامت سے انکار کرے اسے نجات اخروی نہیں مل سکتی۔ مگر یہ نظریہ امامت تکمیل دین سے اور عقیدۂ ختم نبوت سے صریحاً متصادم ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے بعد کوئی ایسی شخصیت نہیں آ سکتی جس کی وجہ سے ایمانیات میں اضافہ ہو اور اس پہ ایمان لائے بغیر انسان کافر ہی رہے۔

دوم (شرعی تکمیل):

امتِ محمدیہ کے لیے تکمیل دین کا دوسرا معنی یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی صورت میں انہیں مکمل شریعت دے دی گئی ہے اور سب حلال وحرام، حدود، فرائض اور حقوق واضح کر دیئے گئے ہیں۔ اب ان میں سے کوئی حکم منسوخ نہ ہوگا نہ کوئی حکم بڑھے گا۔ اسی لیے اس آیت کے نزول کے بعد کوئی نیا حکم یا کسی حلال وحرام کا بیان نازل نہ ہوا اور اس کے صرف تین ماہ بعد حضور سید عالم ﷺ کا وصال ہو گیا۔ یہ احکام کے لحاظ سے تکمیلِ دین ہے۔ اس معنیٰ کے لحاظ سے بھی رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں۔

ہم مرزائیوں سے پوچھتے ہیں کہ شریعتِ محمدیہ میں وہ کونسی کمی تھی جس کو مرزا غلام احمد قادیانی نے پورا کیا یا کوئی اور جھوٹا نبی پورا کر سکتا ہے؟ اب صرف علماء ہیں جو شریعتِ محمدیہ کو لوگوں تک پہنچا رہے ہیں یا حاکمانِ اسلام ہیں جو بزور اقتدار شریعتِ محمدیہ کا نفاذ کرتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اللہ ورسول کی اطاعت مطلقہ کا حکم فرمایا ہے اور اس کے بعد اولی الامر کی مشروط اطاعت لازم کی ہے۔

سوم (اخلاقی تکمیل):

حضور سرورِ کونین ﷺ نے اپنی سیرت کے ذریعے تمام اعلیٰ انسانی اخلاق کا کامل نمونہ پیش کر دیا۔ اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ ''مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے تا کہ میں تمام اعلیٰ اخلاق کی تعلیم مکمل کر دوں۔'' (مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۳۸۱) اور بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی ایسا انسانی خلق نہیں چھوڑا جو انسان کو اخلاقی لحاظ سے خوب تر بنائے جس کا عملی مظاہرہ آپ نے نہ فرما دیا ہو یہ اخلاق کے لحاظ سے تکمیل دین ہے۔ معلوم ہوا اسلام چند عبادات کا نام نہیں بلکہ یہ عقائد، احکام اور اخلاق کے اعتبار سے مکمل ضابطہ حیات ہے۔

اس معنی کے لحاظ سے بھی رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا، آخر وہ نیا نبی وہ کونسا اچھا خلق پیش کرے گا جس کی مکمل علمی و عملی تعلیم ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ نے پیش نہیں فرما دی؟ کیا حضور سید عالم ﷺ کی اخلاقی تعلیم میں کوئی کمی رہ گئی تھی جسے پورا کرنے کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی یا کسی اور جھوٹے نبی کی ضرورت ہو۔

آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کی اہمیت

یہ آیتِ مبارکہ اس قدر اہم ہے کہ ایک یہودی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا تمہاری کتاب میں ایک آیت ہے اگر وہ ہم پر اترتی تو ہم اسے ہمیشہ یوم عید کے طور پر مناتے اور وہ یہ آیت ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ آیت یوم عرفہ میں روز جمعہ کو نازل ہوئی تھی۔ (یعنی اس دن مسلمانوں کی دو عیدیں تھیں عرفہ اور جمعہ)

(بخاری کتاب الایمان، باب ۳۳، مسلم کتاب التفسیر حدیث ۲، ترمذی کتاب التفسیر سورہ ۵ باب ۱)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے صاف فرمایا کہ اس آیت کے یوم نزول کو دو عیدیں تھیں۔ جمعہ اور عرفہ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ ۵ باب ۲) امام بغوی فرماتے ہیں اس دن مجوس، یہود اور نصاریٰ سب کی عیدیں بھی تھیں اور مختلف مذاہب کی اتنی عیدیں اس سے قبل کبھی جمع ہوئی تھیں نہ بعد میں ہوئیں۔

کیا یہ آیت غدیر خم پہ نازل ہوئی تھی؟

اس جگہ اہل تشیع کہتے ہیں کہ یہ آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔ الخ حجۃ الوداع میں میدان عرفات میں یوم عرفہ کو ہرگز نازل نہیں ہوئی، بلکہ حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ کو واپس چل دیے تو راستہ میں ایک مقام غدیر خم آیا۔ وہاں حضور ﷺ نے پڑاؤ کیا اور تمام صحابہ کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور فرمایا: من کُنتُ مولاہ فھذا علیٌّ مولاہ اللّٰھمّ والِ من والاہُ وعادِ من عاداہُ، یعنی جس کا میں محبوب ہوں علی بھی اس کا محبوب ہے، اے اللہ جو علی کو محبوب رکھے تو اسے محبوب رکھ اور جو علی سے دشمنی رکھے تو اس سے دشمنی رکھ (اہل تشیع یہاں مولا کا معنی حاکم لیتے ہیں جو غلط ہے) تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ مبارکہ اتاری: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ، اور اسے امام سیوطی نے بھی درمنثور میں ابن مردویہ اور ابن عساکر کی روایت

سے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

آگے اہل تشیع اس سے ثابت کرتے ہیں کہ معلوم ہوا جب تک حضرت علی کی حکومت وخلافت کا اعلان نہ کیا گیا تب تک دین مکمل نہ ہوا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام صحابہ کے سامنے یہ اعلان کر دیا کہ میرے بعد حضرت علی خلیفہ ہیں تو دین مکمل ہو گیا لہذا جو شخص خلافت علی بلا فصل کو نہیں مانتا وہ مسلمان نہیں ہے، (اسی لیے اہل تشیع خلفاء راشدین کو بلکہ تمام صحابہ کرام کو معاذ اللہ مسلمان نہیں مانتے، اس لیے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کو نہیں مانا)

مگر اہل تشیع کا یہ سارا استدلال نہایت غلط اور گمراہ کن ہے۔ میں یہاں چند ضروری نقاط پیش کرتا ہوں۔ قارئین ان کو توجہ سے پڑھیں، ان کا جاننا ہر مسلمان کے لیے بہت ضروری ہے۔

اول: آیت تکمیل دین کے غدیر خم پہ نزول والی روایات کا نا قابل حجت ہونا

اس آیت کے غدیر خم پہ نازل ہونے کی بات قطعاً غلط ہے، بخاری کتاب الایمان، مسلم کتاب التفسیر، ترمذی کتاب التفسیر، نسائی کتاب المناسک، مسند احمد بن حنبل، صحیح ابن حبان، سنن بیھقی، مسند بزار، مسند حمیدی، ابن منذر، ابن جریر، مسند اسحاق بن راھویہ، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند طیالسی و دیگر کتب حدیث میں اس موضوع پہ احادیث کے انبار لگے ہوئے ہیں کہ آیہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ حجۃ الوداع میں یوم عرفہ کو نازل ہوئی۔

یہ احادیث حضرت عبداللہ بن عباس، سیدنا عمر فاروق، سعید بن جبیر، عیسی بن حارثہ انصاری، امیر معاویہ بن ابی سفیان، سمرہ بن جندب اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں، تفصیل کے لیے دیکھیے درمنثور جلد ۳ صفحہ ۱۶ تا ۱۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت۔

اس کے علاوہ اہل تشیع کے ہاں نہایت معتبر مفسر علامہ ابو علی طبرسی نے اس آیت کے تحت لکھا ہے:

فيه اقوال، احدها ان معناه اكملت لكم فرائضي وحدودي وحلالي وحرامي بتنزيلي ما انزلتُ وبياني مابيّنتُ لكم فلا زيادة في ذالك ولا نقصان منه بالنسخ بعد ذالك اليوم وكان ذالك يوم عرفة عام حجة الوداع۔

یعنی اس آیت کی تفسیر میں کچھ اقوال ہیں پہلا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تمہیں اپنے فرائض، حدود اور حلال وحرام کا مکمل بیان دیدیا ہے۔ لہذا آج کے دن کے بعد اس میں نہ کوئی زیادتی ہوگی نہ ہی نسخ کے ذریعہ کوئی کمی ہوگی اور یہ حجۃ الوداع میں عرفہ کا دن تھا۔ (تفسیر مجمع البیان جلد ۳ صفحہ ۲۷۳ مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت)

اس کے بعد علامہ طبرسی نے اپنے شیعہ ہونے کی وجہ سے اگرچہ اس آیت کا غدیر خم پہ نازل ہونا بھی لکھا ہے مگر اس نے سب سے پہلے یہی قول لکھا ہے کہ یہ یوم عرفہ میں نازل ہوئی۔ معلوم ہوا کہ علامہ طبرسی شیعہ کے نزدیک بھی

اس کا یوم عرفہ میں نازل ہونا ہی معتبر و محقق ہے۔

رہا درمنثور میں ابن عساکر کے حوالہ سے اس آیت کے غدیر خم پہ نازل ہونے کی روایت تو اس کے رواۃ میں قیس بن ربیع اسدی بھی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسکی شیعہ نوازی اور غلط روایات لانے کی وجہ سے محدثین نے اسکی روایت متروک قرار دی ہے۔

امام ابن معین فرماتے ہیں: ضعيف الحديث لا يساوي شيئا، قیس ضعیف الحدیث ہے اسکی روایت کی کچھ بھی قیمت نہیں۔

حافظ ابن نمیر کہتے ہیں، قیس کا بیٹا اس کے لیے آفت تھا اس نے باپ کی کتابوں میں خلط ملط کر دیا۔

جوزجانی نے کہا قیس ساقط الاعتبار ہے، محمد فعید کہتے ہیں حاکم ابو جعفر نے قیس کو قاضی بنایا تو وہ مدائن میں عورتوں کو انکے پستانوں کے ذریعہ لٹکا دیتا اور ان پہ بھڑیں چھوڑ دیتا تھا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۵۶۶ مطبوعہ دار احیا بیروت)

اسی روایت کا دوسرا راوی ابو ہارون عمارہ بھی قیس ہی جیسا ہے۔

اس کے بارہ میں امام نسائی نے کہا وہ متروک الحدیث ہے اس کی حدیث نہیں لکھی جاسکتی۔

امام ابن ابی شیبہ نے کہا: كان كذابا، وہ کذاب تھا، امام ابن عبد البر نے کہا: كان فيه تشيُّعٌ اس میں تشیع تھا۔

امام ابن حجر نے کامل ابن عدی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ابو ہارون کے پاس ایک کتاب دیکھی گئی جس میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی طرف یہ جھوٹا قول منسوب تھا کہ ہم نے عثمان غنی کو اس حالت میں دفنایا کہ وہ اللہ کا منکر تھا (معاذ اللہ)۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۲۵۹)

الغرض ابن عساکر والی حدیث کذاب شیعہ راویوں کی من گھڑت روایت ہے اور یہی صحیح ہے کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ حجۃ الوداع میں یوم عرفہ کو نازل ہوئی۔

دوم: اگر امامت علی بنیاد اسلام ہے تو اس کا اعلان خطبۂ حجۃ الوداع میں کیوں نہ کیا گیا؟

اہل تشیع کے نزدیک منصب امامت ائمہ نبوت سے بھی اہم تر ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلافت علی کا اعلان کرنا تھا تو اس کا سب سے بہتر موقع یوم عرفہ میں خطبۂ حجۃ الوداع تھا۔ اس خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں، پڑوسیوں، قریبیوں، شوہروں، بیویوں، حتی کہ ذمی کافروں کے تمام حقوق بیان کر دیے۔ مگر کیا وجہ ہے کہ آپ نے خلافت علی کا سب سے اہم تر حق بیان نہ کیا؟

پھر دوسری بات یہ ہے کہ میدان عرفات میں اسوقت تمام اطرافِ عرب سے حجاج جمع تھے اگر اسوقت اعلانِ خلافت علی کر دیا جاتا تو کسی کو شک نہ رہ جاتا اور خلافت علی کا حکم نامہ پوری ریاستِ اسلامیہ میں پھیل جاتا۔ مگر کیا وجہ ہے کہ یہ چیز میدان عرفات میں نہ بتائی گئی۔ اگر یہ نہیں تو کم از کم خلافت علی کا اعلان مسجدِ نبوی کے منبر پہ کیا جاتا یا حجۃ الوداع

کے موقع پر صحن کعبہ میں کیا جاتا۔
مگر یہ بات نہ مکہ میں بتائی گئی نہ مدینہ میں، بلکہ دوران سفر ایک جگہ پر بتائی گئی جہاں تھوڑے سے لوگ سننے والے تھے؟ معلوم ہوا کہ غدیر خم پہ اعلان خلافت نہیں کیا گیا تھا بلکہ معاملہ کچھ اور تھا جو ہم ابھی بتاتے ہیں۔

سوم: من کنت مولاہ الخ کہنے کا حقیقی پس منظر

من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ کا صرف یہ معنی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس کا میں محبوب ہوں اس کا علی محبوب ہے۔ اس کا پس منظر حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ یہ بتاتے ہیں کہ (حجۃ الوداع سے متصل قبل) میں نے یمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہاد میں شرکت کی، وہاں میں نے ان سے ایک زیادتی دیکھی۔ جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو میں نے حضرت علی کا تذکرہ کیا اور ان کی عیب جوئی کی۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کے چہرہ مبارک پر غصے کے آثار آ گئے اور آپ ﷺ نے فرمایا: اے بریدہ! کیا میں مومنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے لیے محبوب نہیں ہوں؟، میں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا: من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ۔
(مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۳۴۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

معلوم ہوا یہاں مولا کا معنی صرف محبوب ہے اور اس میں حضرت علی کے بارہ میں بعض صحابہ کا شکوہ دور کرنے کے لیے محبوبیت علی کا ذکر کیا گیا، اس کا معنی خلافت علی کا اعلان ہرگز نہیں ہے۔ اس موضوع پہ مزید تحقیق اسی سورت میں آگے: یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط (آیت ٦٧) کے تحت آ رہی ہے، وہاں من کنت مولاہ کا مفہوم مزید واضح کیا جائے گا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ
اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔ اس نعمت سے مراد نبوت محمدیہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے امت محمدیہ! میں نے تمہیں سب سے افضل نبی عطا فرمایا ہے جس کی نبوت ہمہ گیر ہے کہ اس کے بعد کسی نئی نبوت کی ضرورت نہیں۔ اسی لیے دوسری جگہ فرمایا گیا: وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ کَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلًا مِّنْکُمْ
''اور تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں جیسا کہ میں نے تم میں اپنے عظیم الشان رسول (محمد مصطفیٰ ﷺ) بھیجا جو تم ہی میں سے ہیں۔'' (بقرہ، ۱۵۰)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا
کہ میں نے تمہارے لیے دینِ اسلام کو پسند فرما لیا، یعنی اس دین کے سوا کوئی دین روزِ قیامت قبول نہیں کیا جائیگا۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ ۚ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۸۵﴾
''جس نے دین اسلام کے سوا کوئی دین اختیار کیا تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں وہ خسارے میں رہے

گا۔'' (آل عمران، ۸۵)

[14] یعنی مردار، خنزیر، غیر خدا کے نام پر ذبح شدہ جانور اور گلا گھٹ کر اور بلندی سے گر کر یا دوسری صورتوں میں بغیر ذبح مر جانے والے جانوروں کا گوشت اگرچہ حرام ہے لیکن جو شخص شدید بھوک کی وجہ سے معذور و مجبور ہو وہ اگر جان بچانے کے لیے بقدر حاجت ایسا گوشت کھا لے تو اس پر گناہ نہیں۔ مگر وہ خواہش کے ساتھ نہ کھائے بامر مجبوری کراہت محسوس کرتے ہوئے کھائے۔ یاد رہے اگر سبزی یا دال یا خشک روٹی میسر ہو تو محض زبان کے ذائقہ کے لیے حرام گوشت کا کھانا حلال نہیں۔ معلوم ہوا جب حلال دوا میسر نہ ہو تو ماہر ڈاکٹر کے کہنے پر جان بچانے کے لیے حرام دوا کا استعمال جائز ہے اور جہاں حدیث میں ہے کہ حرام میں شفا نہیں اس سے یہ مراد ہے کہ جب حلال دوا میسر ہو تو حرام میں شفاء نہ ہوگی۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ
لوگ آپ سے پوچھتے ہیں ان کیلئے کیا حلال کیا گیا؟ آپ فرمائیں ان کیلئے پاک چیزیں حلال کی گئیں ہیں [15] اور جو تم نے
مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ٘ فَكُلُوْا مِمَّاۤ
شکاری جانور سدھا لئے، انہیں تم شکار کے پیچھے لگاتے ہو، انہیں وہ علم دیتے ہو جو تمہیں اللہ نے دیا ہے تو وہ جانور
اَمْسَكْنَ عَلَیْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
جو کچھ تمہارے لئے روک لائیں (اور خود نہ کھائیں) وہ کھاؤ [16] اور اس پر اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ
سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۝۴
جلد حساب لینے والا ہے۔

شکار کے ذریعہ جانور کے مارنے اور اہل کتاب کے ذبیحہ کی حلت کا بیان

[15] جوارح کا معنی یہاں زخم کرنے والے جانور ہیں جو اپنے پنجوں اور دانتوں سے زخم کر کے شکار کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ مُكَلِّبِیْنَ تکلیب سے ہے جس کا معنی جانور کو شکار کا طریقہ سکھلانا ہے۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری: وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ٘ فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَیْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۝۴ تو حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب آدمی شکار کے لیے کتا چھوڑتا ہے اور اس کو چھوڑتے ہوئے اس پر اللہ کا نام ذکر کرتا ہے۔ (بسم اللہ پڑھتا

ہے) پھر وہ کتا شکار کو کھائے بغیر (اسے مار کر) لے آتا ہے تو آدمی اسے کھا سکتا ہے۔" (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۴ صفحہ ۴۲۸)

[16] آیت کا معنی یہ ہوا کہ جب تم کسی شکاری کتے، کسی درندے یا شکاری پرندے کو باقاعدہ شکار کرنا سکھلاؤ جیسے اللہ نے تمہیں سکھلایا ہے پھر وہ شکاری جانور یا پرندہ اپنے شکار کو جا مارے اور خود نہ کھائے بلکہ اسے تمہارے پاس لے آئے اور تم نے شکاری جانور کو بھیجتے ہوئے اس پر اللہ کا نام لیا ہو تو وہ شکار حلال ہو گیا اور تم نے شکاری جانور کو بھیجتے ہوئے جو بسم اللہ پڑھی وہ یوں ہوگئی جیسے جانور کو ذبح کرتے ہوئے اس پر بسم اللہ پڑھی جاتی ہے۔ (اور اگر وہ شکار کو زندہ پکڑ لائے تو وہ بغیر ذبح حلال نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر بسم اللہ پڑھ کر شکار پہ گولی چلائی جائے پھر وہ زندہ پکڑ لیا جائے تو ذبح ضروری ہے)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ سے ڈرو وہ جلد حساب لینے والا ہے یعنی اگر تم نے شکاری جانور کو بھیجتے ہوئے قصداً بسم اللہ نہیں پڑھی یا وہ جانور سکھلایا ہوا نہ تھا یا اس نے شکار میں سے کھالیا تو اب وہ شکار حرام ہے۔ اسے کھاتے ہوئے اللہ سے ڈرو۔

شکاری کتے کے ذریعہ شکار کردہ جانور کب حلال ہے۔ اس کے شرعی احکام

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں ایک کتا شکار کے لیے بھیجتا ہوں پھر وہاں دوسرا کتا بھی دیکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تب تم وہ شکار نہ کھاؤ کیونکہ تم نے اپنے کتے کو بھیجتے ہوئے بسم اللہ پڑھی تھی دوسرے کتے پر تو نہ پڑھی تھی۔ (بخاری کتاب الوضوء باب ۳۳)

یاد رہے جب شکاری جانور شکار کو مار کر لائے تو یہ ضروری ہے کہ شکاری جانور نے شکار کو زخم لگایا ہو اور اس سے خون بہا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مِّنَ الْجَوَارِحِ، یعنی زخم لگانے والے شکاری جانوروں کا شکار حلال ہے لہٰذا اگر اس نے شکار کو ٹکر مار کر مار دیا تو وہ حلال نہیں۔ اگر وہ اسے زخمی کر کے زندہ پکڑ لائے تو اسے ذبح کرنا ضروری ہے۔ بغیر ذبح حلال نہ ہوگا۔

اگر شکاری جانور چھوڑا گیا اس نے شکار کو زخمی کیا یا کسی نے گولی مار کر شکار کو زخمی کیا، پھر وہ زخمی شکار پانی میں جا گرا یا بلندی سے کسی ٹھوس سطح پر گرا پھر وہاں سے زمین پر گرا تو وہ حلال نہیں کیونکہ ممکن ہے وہ پانی میں ڈوبنے یا سطح پر گرنے سے مرا ہو محض شکار سے نہ مرا ہو۔

یہاں سے تین فوائد معلوم ہوئے:

(۱) شکار یا حفاظت کے لیے کتا رکھنا جائز ہے۔ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ سے معلوم ہوا کہ شکار کے لیے کتا رکھنا جائز ہے اس کے سوا جائز نہیں۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے "جس نے شکار یا حفاظت کے سوا کتا پالا اس کے عمل میں روزانہ دو ڈھیر ضائع ہو جاتے ہیں۔" (بخاری کتاب الصید باب ۶)

(۲) فضیلت علم۔ اگر کتا شکار کرنا سیکھ جائے تو اس کا مارا ہوا جانور حلال ہے گویا علم تو کتے کو بھی ذی قدر بنا دیتا

ہے۔انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔

(۳) تلقین صبر وتقویٰ۔ کتے اور درندے ہمارے سکھانے سے اس قدر مطیع ہو جاتے ہیں کہ خواہش کے باوجود شکار سے خود نہیں کھاتے بلکہ اسے ہمارے پاس سالم لے آتے ہیں۔مگر افسوس ہے کہ ہم انسان سب کچھ جاننے کے باوجود حرام سے صبر نہیں کرتے اور اپنے مالک سے نہیں ڈرتے۔

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ
آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور ان لوگوں کا ذبیحہ جنہیں کتاب دی گئی تمہارے لئے
لَّکُمْ ۪ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ
حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے [17] اور پاکدامن مومنہ عورتیں اور پاک دامن عورتیں
وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ
ان لوگوں میں سے جنہیں تم سے قبل کتاب دی گئی (تمہارے لیے حلال ہیں) [18] جب تم انہیں ان کے
اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ
مہر دے دو جبکہ تم پاکدامنی چاہنے والے ہو نہ کہ شہوت رانی کرنے اور نہ داشتائیں رکھنے والے [19] اور جو شخص
یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝۵
ایمان کے بعد کفر کرے اس کے اعمال ضائع ہو گئے اور وہ آخرت میں خسارے والوں میں سے ہے۔ [20]

ع ۵

[17] یعنی آج حجۃ الوداع کے دن تم پر پاک اور عمدہ چیزیں حلال کی گئی ہیں ناپاک اور خبیث چیزیں حرام کی گئی ہیں۔مطلب یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ نے تمہیں حلال وحرام کا مکمل نظام عطا فرما دیا ہے اور دین مکمل ہو گیا ہے۔قرآنِ مجید میں ہے: وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ ۪

حضرت عبداللہ بن عباس، مجاہد، عطاء، حسن، مکحول اور سدی رضی اللہ عنہم اور دیگر مفسرین نے یہاں طعام سے ذبیحہ مراد لیا ہے۔یعنی اے مومنو! اہل کتاب کا ذبح کردہ جانور تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبح کردہ جانور ان کے لیے حلال ہے، یعنی بشرطیکہ وہ الطَّیِّبٰتُ (حلال جانوروں) میں سے ہو لہٰذا اگر اہل کتاب حلال جانور کو اللہ کے نام پر درست

طریقہ سے ذبح کریں اور اس کے پکانے میں کوئی حرام چیز نہ ڈالیں تو مسلمان اسے کھا سکتا ہے۔ یہ اس لیے کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اللہ، انبیاء، قیامت، جنت و نار، ملائکہ اور بعث بعد الموت کے قائل ہیں تو یہی متصور ہے کہ وہ اللہ کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کا ذبیحہ حلال ہے۔ جیسے حضور سید عالم ﷺ نے یہود کے ہاں ان کا ذبح کیا ہوا اور پکایا ہوا گوشت تناول فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں:

ان یہودیۃ اتت النبی ﷺ بشاۃ مسمومۃ فاکل منہا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک یہودی عورت بکری کا گوشت لائی جو زہر آلود تھا، تو آپ نے اس میں سے تناول فرمایا۔ (بخاری کتاب الھبہ حدیث ۲۶۱۷، مسلم کتاب السلام حدیث ۲۱۹۰، ابوداود کتاب الدیات باب ٦، ابن ماجہ کتاب الطب باب ۴۵) یعنی بعد میں اس کا زہر آلود ہونا ظاہر ہوا۔

دورِ حاضر کے یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ حلال نہیں ہے

دور حاضر کے یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ پہ یہ سوالات قائم ہیں

اول: اگر پتہ چل جائے کہ انہوں نے غیر خدا کے نام پر جانور ذبح کیا ہے تو وہ مردار اور وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ میں شمار ہے۔ اسی طرح اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ذبح کرنے والا نام کا عیسائی یا یہودی ہے حقیقت میں اسکا کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ کسی خدا کو نہیں مانتا تو اس کا ذبیحہ میتہ (مردار) ہے۔ اس لیے دورِ حاضر میں اہلِ کتاب کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ آج اکثر یہود و نصاریٰ ایسے ہی ہیں، وہ کسی الہامی کتاب یا کسی دین پہ یقین نہیں رکھتے۔ لہٰذا وہ اہل کتاب نہیں ہیں۔

دوم: پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ آج کل یورپ و امریکہ وغیرہ میں جانوروں کو مشینوں سے ذبح کیا جاتا ہے، بس بٹن دبا دیا جاتا ہے اور چند منٹ میں سینکڑوں جانور ذبح ہو جاتے ہیں۔ وہاں کوئی اللہ کا نام لینے والا نہیں ہوتا نہ وہ اللہ کا نام لینے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

سوم: علاوہ ازیں وہاں ذبح کرنے والی مشین سے قبل ایک مشین جانوروں کو کرنٹ لگاتی ہے۔ وہ اتنا تیز ہوتا ہے کہ کئی جانور ذبح سے قبل ہی مر جاتے ہیں، خصوصاً چوزے اور انگریزوں کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ کوئی جانور کرنٹ کے بعد زندہ رہا یا مر گیا، ان اسباب سے موجودہ نام نہاد اہل کتاب کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

کفار کو ہدیہ دینا اور ان سے لینا جائز ہے

ذبیحہ کی جگہ لفظ طعام بول کر بتایا گیا کہ اہل کتاب کا پکا ہوا کوئی بھی کھانا جو حلال چیزوں سے پکا ہو ہمارے لیے جائز ہے اور ہم انہیں بھی کھانا دے سکتے ہیں کیونکہ دینے لینے سے محبت بڑھتی ہے اور یہ چیز انہیں اسلام کی طرف مائل کر سکتی

ہے اور اہل کتاب کے علاوہ دوسرے کفار مثلاً ہندو سکھ وغیرہ کا ذبیحہ تو حلال نہیں مگر پھل وغیرہ اور دیگر کھانے جو حلال ہوں ان کے ہاں سے کھائے جاسکتے اور انہیں کھلائے جاسکتے ہیں۔اس کے جواز میں کیا شک ہے۔حلال ہر جگہ حلال ہے۔نبی اکرم ﷺ نے خیبر کے یہود کے گھر گوشت کھایا اور آپ نے ام معبد کے ہاں دودھ پیا حالانکہ وہ اس وقت مشرکہ تھی بعد میں ایمان لائی۔یہ سفر ہجرت کا واقعہ ہے۔

کفار کے برتنوں میں کھانا جائز ہے

جب اہل کتاب کا طعام حلال کیا گیا تو معلوم ہوا کفار کے دھوئے ہوئے برتن پاک ہیں اور ان میں کھانا جائز ہے۔ نبی ﷺ نے یہود کے گھر کھانا کھایا تو وہ برتن انہی کے دھوئے ہوئے تھے چنانچہ برطانیہ و دیگر یورپ اور امریکہ میں دوران سفر موٹروے کی سروسز پہ چائے پینے یا کچھ کھانے کی حاجت ہوتی ہے تو اس میں کچھ قباحت نہیں۔

اہل کتاب (یہودی عیسائی) عورتوں سے نکاح کا حلال ہونا

[18] یعنی پاک دامن عورتوں سے نکاح کرو خواہ وہ اہل ایمان ہوں یا اہل کتاب میں سے یعنی یہودیہ و نصرانیہ۔اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنا ثابت ہے۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نائلہ بن فرافصہ سے نکاح کیا وہ نصرانیہ تھی۔حالانکہ اس وقت آپ کی دوسری مسلمان بیویاں بھی تھیں۔حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما نے شام کی ایک یہودی عورت سے شادی کی۔(احکام القرآن للجصاص جلد ۳ صفحہ ۳۲۴ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہم اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرسکتے ہیں۔وہ ہماری عورتوں سے نہیں کرسکتے۔'' (درمنثور بروایت ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۵)

یادرہے یہود و نصاریٰ کے عقائد بھی اگرچہ مشرکانہ ہیں مثلاً یہود حضرت عزیر کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، پھر عیسائی عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کے بتوں کے آگے سجدہ ریز ہوتے اور ان سے فریادیں کرتے اور ان سے منتیں مانگتے ہیں۔مگر چونکہ وہ اللہ و رسل و ملائکہ و روز جزا کے قائل ہیں اور جنت و نار کو مانتے ہیں اس لیے ان کا حکم دوسرے مشرکین سے نرم تر رکھا گیا۔اسی لیے انہیں قرآن میں دوسرے مشرکین سے الگ ذکر کیا جاتا ہے جیسے:

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ۔ (بقرہ:۱۰۵) لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ۔ (بینہ:۱)

دورِ حاضر کی اکثر کتابیات دہریہ ہیں، ان سے نکاح حلال نہیں ہے

مگر یادرہے دور حاضر کے بہت سے اہل کتاب بلکہ یورپ، امریکہ اور کنیڈا وغیرہ میں ان میں سے اکثر دہریے

ہیں جو اللہ کو بھی نہیں مانتے ان سے نکاح کا کوئی جواز نہیں۔ ان کا حکم مجوس، ہندوؤں اور سکھوں والا ہے۔ لہٰذا اس بارے میں پہلے خوب تحقیق کی جائے۔

پھر یہاں صرف جواز بتایا گیا ہے مگر افضل یہی ہے کہ کتابیہ عورتوں سے نکاح نہ کیا جائے۔ یا اگر کیا جائے تو پہلے حالات کو دیکھ لیا جائے۔ اگر اولاد کے بگڑنے اور انکے کفر میں چلے جانے کا ڈر ہو تو پھر کتابیات سے ہرگز نکاح نہ کیا جائے۔ ضروری نہیں کہ ہر جائز چیز کو اپنا لیا جائے، حالات کو بھی دیکھنا چاہیے۔ جس شخص کو پیچش لگے ہوں اس کو چائے نہیں پینی چاہیے، نہ ہی مرچ مسالہ والی چیز کھانی چاہیے، یہ اس کی صحت کے لیے زہر قاتل ہے، اگرچہ یہ اس کے لیے شرعاً حرام نہیں ہے۔

[19] مُحْصِنِيْنَ، احصان سے ہے یعنی پاک دامن ہونا قرآنِ مجید میں ہے: وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا۔ (انبیاء: ۹۱) مُسٰفِحِيْنَ، سفاح سے ہے، اس کا معنی کسی چیز کا بہانا ہے۔ اسی لیے بہت خون بہانے والے کو سفاح کہتے ہیں۔ یہاں مراد شہوت رانی و زنا کاری ہے۔ کیونکہ اس میں انسان اپنے پانی کو بیکار بہا دیتا ہے۔ اَخْدَانٍ، خدن کی جمع ہے۔ جس کا معنی شہوت پرستی کے لیے رکھا ہوا ساتھی ہے۔ یعنی اے مومنو! اہل کتاب عورتوں سے تمہیں با قاعدہ نکاح کی اجازت دی گئی ہے جس سے تم اپنی پاکدامنی حاصل کرو مگر تمہیں ان سے زنا کاری اور کسی کتابیہ عورت کو بے نکاح بطور داشتہ رکھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

حرمت متعہ پر قرآنی دلیل

یہاں سے متعہ کی حرمت معلوم ہوئی کیونکہ متعہ صرف سفاح (شہوت رانی) ہے۔ وہ احصان نہیں، احصان نکاح سے ہوتا ہے جیسے فرمایا: وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ یعنی شوہر دار عورتیں۔ (نساء: ۲۴) جبکہ متعہ کا نکاح سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ متعہ میں نہ طلاق ہے نہ عدت، نہ میراث ہے نہ نان ونفقہ۔ بلکہ صرف Payment ہے۔ جب یہاں کسی کتابیہ عورت سے متعہ حلال نہیں رکھا گیا بلکہ ان سے صرف نکاح کی اجازت دی گئی ہے تو مومنہ عورت سے متعہ کیسے حلال ہو سکتا ہے۔

بلکہ کتب شیعہ میں صراحت ہے کہ متعہ سے احصان پیدا نہیں ہوتا (یعنی متعہ کرنے والا شادی شدہ تصور نہیں کیا جائے گا اور اگر وہ زنا کرے تو اسے رجم یعنی سنگسار نہیں کیا جائے گا)، چنانچہ شیعہ راوی اسحاق بن عمار کہتا ہے میں نے امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ سے پوچھا کہ ایک آدمی کے پاس لونڈی ہے جس سے وہ مباشرت کرتا ہے، کیا وہ اسے محصن بنائے گی؟ یعنی اگر اس کے باوجود وہ زنا کرے تو کیا اس پہ رجم آئے گا؟ امام صاحب نے کہا: ہاں آئے گا۔

پھر میں نے پوچھا: فان كانت عنده امرأة متعة تُحصِنُه؟ اگر اس کے پاس متعہ والی عورت ہو تو کیا وہ اسے محصن (شادی شدہ) بنائے گی؟ قال لا انما هو على الشيء الدائم عنده، امام صاحب نے کہا: نہیں، احصان تو

یہ ہے کہ آدمی کے پاس ہمیشہ رہنے والی کوئی چیز ہو (یعنی بیوی یا لونڈی، جبکہ متعہ والی عورت نہ بیوی ہے نہ لونڈی، نہ وہ ہمیشہ رہنے والی ہے) (تہذیب الاحکام جلد ۲ کتاب الحدود باب حد الزنا صفحہ ۱۱۸ مطبوعہ دار مجتبیٰ نجف اشرف)

تو آپ پہلے قرآنی ارشاد مُّحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ ؕ پڑھیں، پھر یہ مذکورہ روایت پڑھیں تو کیا آپ کو کوئی شک رہ جاتا ہے کہ متعہ کرنے والا شخص محصن نہیں مسافح ہے، یعنی پاکدامنی نہیں چاہتا صرف شہوت رانی چاہتا ہے۔ اہل تشیع کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے، سوا پریشانی وندامت کے۔ الا یہ کہ وہ حق بات کو قبول کرلیں۔

[20] جو شخص ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے اس طرح کہ دوسرا مذہب اختیار کرلے جیسے یہودیت عیسائیت وغیرہ یا قرآن وحدیث کی کسی نص صریح اور ضروریاتِ دین میں سے کسی سے انکار کردے خواہ خود کو مسلمان سمجھے بہرحال وہ مرتد ہے۔ اس کے گزشتہ اعمالِ صالحہ باطل ہوگئے۔ اگر وہ دوبارہ ایمان لائے تو ان میں سے حج کا اعادہ لازم ہے باقی اعمال کا نہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ
اے ایمان والو! جب تم نماز کی تیاری کرو تو (وضوء کے لئے) اپنے چہرے دھوؤ
وَاَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى
اور کہنیوں سمیت ہاتھ دھوؤ اور اپنے سروں کا مسح کرو اور ٹخنوں سمیت
الْكَعْبَیْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى
پاؤں دھوؤ [21] اور اگر تم ناپاک ہو تو خود کو خوب پاک کرو [22] اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پہ ہو یا تم میں سے
سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا
کوئی قضاء حاجت کر کے آئے یا تم عورتوں سے ہمبستری کرو پھر پانی نہ پاؤ تو پاک
مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَیْدِیْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا
سطح زمین سے تیمم کرو [23] چنانچہ اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مٹی سے مسح کرو، [24] اللہ
یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَلِیُتِمَّ
نہیں چاہتا کہ وہ تمہارے اوپر کسی قسم کی سختی کرے بلکہ وہ تمہیں پاک کرنا اور تم پر
نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٦
اپنی نعمت کو پورا کرنا چاہتا ہے تاکہ تم شکر بجالاؤ۔[25]

وضو، غسل اور تیمم کا بیان

[21] گزشتہ رکوع میں حلال وحرام کا بیان ہوا، تو چونکہ عبادات کی قبولیت لقمہ حلال کھانے پر موقوف ہے تو پہلے اسے بتا کر اب عبادات کا بیان شروع کیا جا رہا ہے۔ سب سے پہلے وضو کا بیان کیا گیا تو فرمایا گیا کہ نماز پڑھنے سے قبل وضو کرو اس طرح کہ چہرے دھوؤ پھر کہنیوں تک بازو دھوؤ پھر سر کا مسح کرو پھر ٹخنوں تک پاؤں دھوؤ۔ چہرے کی حد بندی پیشانی کے اوپر سے تھوڑی کے نیچے تک اور دائیں کان سے بائیں کان تک ہے۔ ہاتھوں کی حد بندی ناخنوں سے لے کر کہنی

سے اوپر تک ہے۔ جبکہ سر کا مسح امام مالک و امام احمد علیہما الرحمہ کے نزدیک پورے سر پر کرنا فرض ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک ایک بال پر مسح بھی کافی ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک کم از کم چوتھائی حصہ سر کا مسح فرض ہے۔

یاد رہے چہرے ہاتھوں اور پاؤں میں اگر کوئی حصہ بال برابر خشک رہ جائے تو وضو نہ ہوا نہ نماز ہوئی۔ اگر ہونٹوں پر گہری سرخی اور ہاتھ پاؤں پر موٹی نیل پالش لگی ہو جو پانی کو نیچے نہ جانے دے تو وضو نہ ہوگا۔

وضوء کے فرائض، سنتیں، مستحبات اور نواقض

فرائض:

اس آیتِ مبارکہ کی روشنی میں وضوء کے چار فرائض ہیں۔ اول۔ منہ دھونا، اس کی حد بندی ماتھے کے اوپر سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک۔ دوم۔ دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت دھونا۔ سوم۔ سر کا مسح کرنا جو احناف کے نزدیک کم از کم چوتھائی سر کا مسح فرض ہے۔ چہارم۔ دونوں پاؤں کا ٹخنوں سمیت دھونا

سنتیں:

شروع میں بسم اللہ الرحمان الرحیم کا پڑھنا، دونوں ہاتھ تین بار دھونا، مسواک کرنا، تین بار کلی کرنا، تین بار ناک میں پانی ڈالنا، اعضاء وضوء کا تین تین بار دھونا، داڑھی کا خلال کرنا، ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا، سارے سر کا مسح کرنا۔

مستحبات:

دائیں جانب سے ابتداء کرنا، دونوں کانوں کا سر کے ساتھ مسح کرنا، گردن کا مسح، وضوء کرتے وقت قبلہ رو ہونا، اونچی جگہ بیٹھنا، اعضاء کو دھونے سے قبل ان پہ پانی کو چپڑ لینا یعنی تیل کی طرح مل لینا، اطمینان سے وضوء کرنا، دائیں ہاتھ سے منہ اور ناک میں پانی ڈالنا، بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا، جتنا حصہ دھونا فرض ہے اس سے کچھ زائد دھو لینا، منہ، ہاتھ، پاؤں دھونے اور سر کے مسح کی الگ الگ دعائیں حدیث میں مروی ہیں ان کا پڑھنا، وضوء کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پی لینا، اور غیر مکروہ وقت ہو تو دو رکعت تحیۃ الوضوء پڑھنا۔

نواقض:

پاخانہ یا پیشاب کے راستہ سے کسی چیز کا نکلنا، خواہ وہ گندگی، کیڑا یا پتھری ہو۔ پچھلے راستہ سے ہوا کا نکلنا۔ جسم کے کسی حصہ سے خون، پیپ، کچلہو یا زرد پانی کا نکل کر بہہ پڑنا اور ایسی جگہ پہنچنا جس کا دھونا وضوء یا غسل میں فرض ہو، لہٰذا اگر آنکھ میں خون نکل کر آنکھ ہی میں پھیل جائے اور باہر نہ نکلے تو وضوء نہیں ٹوٹا، زخم سے خون نکلے مگر بہے نہیں تو وضوء نہیں ٹوٹا، اگر کوئی آدمی خون کو بار بار پونچھتا رہا تو دیکھے اگر نہ پونچھتا تو بہہ پڑتا تو وضوء ٹوٹ گیا ورنہ نہیں۔

انجکشن کے ذریعہ خون کا نکالنا وضوء کو توڑ دیتا ہے۔ منہ بھر کر قئے کرنا، یعنی جو اس قدر ہو کہ اس پہ قابو نہ کیا

جا سکے۔ لیٹ کر یا کسی چیز پہ ٹیک لگا کر یوں سوجانا کہ اگر وہ چیز ہٹالی جائے تو آدمی گر پڑے۔ رکوع وسجود والی نماز میں اونچی آواز سے قہقہہ لگانا، یہ سب چیزیں وضوء کوتوڑ دیتی ہیں۔

اہلِ تشیع کا وضوء میں پاؤں پہ مسح کرنا اور اس کا بطلان

اہل تشیع وضوء میں پاؤں دھونے کی بجائے پاؤں پر مسح کرتے ہیں مگر ان کا یہ نظریہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وضوء میں پاؤں کا دھونا فرض قرار دیا ہے نہ کہ پاؤں کا مسح کرنا، مسح صرف سر کا ہے۔ اہل تشیع کے نظریہ کے بطلان پر چند دلائل لکھے جاتے ہیں۔

اول: یہاں اِلَی الْکَعْبَیْنِ کے الفاظ ان کا نظریہ باطل کررہے ہیں۔ کیونکہ خود اہل تشیع وضوء میں پاؤں کے کسی بھی حصہ پر مسح کو کافی قرار دیتے ہیں، سارے پاؤں کا مسح انکے ہاں ضروری نہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں امام جعفر وباقر نے کہا جس نے سر کے کسی حصہ پر اور ٹخنوں سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک کسی حصہ پر تین انگلیوں کے برابر مسح کرلیا تو وہ کافی ہے۔ (وسائل الشیعہ جلد اول کتاب الطہارۃ صفحہ ۲۱۲ مطبوعہ قم) تو پھر اِلَی الْکَعْبَیْنِ کا کیا معنی رہا۔ یہ تب ہی درست ہے جب اس کا یہ معنی ہو کہ ٹخنوں تک پاؤں دھوؤ۔

دوم: اِلَی الْکَعْبَیْنِ سے قبل اللہ تعالیٰ نے اِلَی الْمَرَافِقِ کہہ کر کہنیوں تک بازوؤں کے دھونے کی حد بندی بیان فرمائی۔ جس سے معلوم ہوا کہ اِلَی الْکَعْبَیْنِ کہہ کر ٹخنوں تک پاؤں کے دھونے کی حد بندی بیان کی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ید (ہاتھ) کا اطلاق کندھے تک اور رجل (پاؤں) کا اطلاق گھٹنوں تک کیا جاتا ہے۔ اگر اس آیت میں اِلَی الْمَرَافِقِ اور اِلَی الْکَعْبَیْنِ نہ کہا جاتا تو کندھوں اور گھٹنوں تک وضو کرنا فرض ہو جاتا، تو صاف معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اِلَی الْکَعْبَیْنِ کہہ کر وضو میں پاؤں کے دھونے پر نص فرمائی ہے۔

سوم: حدیثِ مبارکہ میں ہے بعض لوگوں نے وضو میں جلدی کرتے ہوئے پاؤں دھونے کی بجائے ان پر مسح کرنا شروع کیا تو حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: ویلٌ للاعقابِ من النار۔ ''وضو میں خشک رہنے والی ایڑیوں کو جہنم میں جلایا جائے گا۔'' (بخاری کتاب الوضوء باب ۲۹، مسلم کتاب الطہارۃ حدیث ۲۵) یہ حدیث اہل تشیع کے مفسر ابوعلی طبری نے بھی اپنی تفسیر مجمع البیان جلد ۳ صفحہ ۱۶۵ میں بغیر تردید ذکر کی ہے۔ اگر پاؤں میں کچھ حصہ خشک رہ جائے تو سنی شیعہ دونوں کی اس متفق علیہ روایت کے مطابق اسے جہنم میں جلایا جاتا ہے تو پاؤں پہ صرف مسح کرنا اور سارے پاؤں کو خشک رکھنا کس قدر جہنم میں جلنے کا سبب بنے گا۔

بروایتِ ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وضوء میں پاؤں کو دھوتے تھے

چہارم: پھر بعض شیعہ کتب بتاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وضوء میں پاؤں دھونے ہی کا حکم فرماتے تھے اور خود بھی

پاؤں دھوتے ہی تھے۔ چنانچہ حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہ اپنے آباء یعنی امام زین العابدین اور امام حسین رضی اللہ عنہما کے ذریعہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

توضأت وغسلتُ قدمیّ فقال لی: یا علی خلّل بین الاصابع لا تُخلّل بالنار. میں نے وضوء کیا اور میں نے وضوء میں اپنے پاؤں دھوئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا: اے علی! پاؤں کی انگلیوں میں خلال کیا کرو تا کہ ان میں آگ داخل نہ ہو۔ (الاستبصار کتاب الطہارۃ صفحہ ۴۲ مطبوعہ دار مجتبیٰ نجف اشرف)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے علی! وضو میں پاؤں کو دھوتے ہوئے انکی انگلیوں میں خلال کیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ انگلیوں کے اندر کی جگہ خشک رہے اور اس خشک جگہ کو دوزخ کی آگ میں جلایا جائے۔ اس سے شیعہ قوم عبرت پکڑے کہ وہ وضوء میں سارے پاؤں کو جان بوجھ کر خشک رکھ کر انہیں نار جہنم میں کیوں جلانا چاہتے ہیں؟

اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگا تو آپ اٹھ کر اپنی بیٹی فاطمہ کے پاس اندر گئے اور ان سے اس رشتہ کا ذکر کیا انہوں نے آمادگی ظاہر کی، اسی مجلس میں حضرت فاطمہ نے آپ کو وضوء کرایا، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

واتتهُ بالوضوءِ فوضّأتهُ بیدِها وغسلتْ رجلیهِ ثم قعدتْ، یعنی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وضوء کا پانی لائیں، آپ کو وضوء کرایا اور اس میں آپ کے پاؤں دھوئے، پھر بیٹھ گئیں۔

(امالی شیخ طوسی مجلس دوم صفحہ ۲۹ مطبوعہ مکتبہ ذوی القربی قم)

معلوم ہوا کہ صحیح وضوء وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو کروایا اور اسمیں پاؤں کو دھویا گیا تھا، ان پہ مسح نہیں کیا گیا تھا اور خود اہل تشیع کا عظیم عالم شیخ طوسی اسے بیان کر رہا ہے۔

وضوء میں پاؤں کے دھونے پر اہل تشیع کے اعتراضات کا جواب

اس جگہ اہل تشیع ہم سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر وضوء میں پاؤں کا ہونا فرض دھوتا تو تیمم میں پاؤں کا مسح بھی لازم ہوتا جیسے چہرے اور ہاتھ کا مسح لازم ہے، یعنی وضوء میں جو اعضاء دھوئے جاتے ہیں تیمم میں ان پہ مسح کیا جاتا ہے جیسے چہرہ اور ہاتھ اور وضوء میں جس عضو کا مسح ہوتا ہے تیمم میں اسے یونہی چھوڑ دیا جاتا ہے جیسے سر ہے۔ اگر پاؤں کو بھی وضوء میں دھویا جاتا ہو تو تیمم میں اس کا مسح بھی لازم ہونا چاہیے تھا، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

مگر اہل تشیع کی یہ دلیل بہت کمزور ہے، دیکھئے غسل کے بدلے جو تیمم کیا جاتا ہے وہ بھی صرف چہرے اور ہاتھوں کے مسح ہی کا نام ہے، اس میں سارے جسم کا مسح لازم نہیں ہے۔ اگر یہ بات ہوتی کہ جس عضو کا دھونا فرض ہو تیمم میں اس کا مسح کیا جاتا ہے تو ضروری تھا کہ غسل کے بدلے سارے جسم پہ تیمم کیا جائے، مگر ایسا نہیں ہے۔ پتہ چلا تیمم الگ طریقہ طہارت ہے اسے وضو پہ قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اہل تشیع کا یہ سوال بھی ہے ہے وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ میں ارجلکم کو مجرور پڑھنے کی قراءت بھی قراءات متواترہ ہے اور یہ جر کی قراءت وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ میں رءوسکم پہ عطف پہ مبنی ہے، تو معنی یہ ہوا کہ تم اپنے سروں اور پاؤں کا مسح کرو۔ معلوم ہوا کہ پاؤں کا مسح بھی قرآن سے ثابت ہے۔ مگر یہ سوال بھی غلط ہے، جر کی قراءت جوار کی بنیاد پہ ہے، جیسے اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝ (ہود، ۲۶) میں الیم اصل میں عذاب کی صفت ہے مگر اس کا جر یوم کے جوار (پڑوس) کی وجہ سے ہے، یعنی اصل میں الیماً تھا مگر مجرور کے جوار نے اسے مجرور بنا دیا، اسی طرح ارجلکم کا جر بھی رءوسکم کے جوار کی وجہ سے ہے۔

اس کے علاوہ جر کی قراءت کو اس صورت پہ بھی محمول کیا جاسکتا ہے جب آدمی نے موزے پہن رکھے ہوں، اس وقت پاؤں کا مسح کیا جاتا ہے۔ گویا نصب اور جر دونوں قراءات درست ہیں۔ مگر ان میں فرق یہ ہے کہ نصب والی قراءت اس صورت پہ محمول ہے جب موزے نہ پہنے ہوں، تب پاؤں کے دھونے کا حکم ہے اور جر کی قراءت اس صورت پہ محمول ہے جب موزے پہنے ہوں، تب پاؤں کے مسح کا حکم ہے۔

اس موضوع پر میرے والد گرامی محقق اسلام شیخ الحدیث علامہ محمد علی رحمہ اللہ متوفی ۱۴۱۸ھ کی کتاب ''فقہ جعفریہ'' حرف آخر ہے۔ اس کا ضرور مطالعہ کریں۔ الغرض، وضوء کا آخری فرض پاؤں کا دھونا ہے نہ کہ اس کا مسح کرنا۔

نیل پالش کی موجودگی میں وضوء یا غسل نہیں ہوسکتا

اس آیتِ مبارکہ میں وضوء کے چار فرائض بیان کیے گئے ہیں، منہ دھونا، کہنیوں تک بازو دھونا، سر کا مسح کرنا اور ٹخنوں تک پاؤں دھونا۔ اگر ان فرائض میں سے کوئی فرض چھوڑ دیا جائے یا صحیح ادا نہ کیا جائے تو وضوء نہ ہوا نہ نماز ہوئی۔ بعض لوگ بہت تنگ قسم کی انگوٹھی پہنتے ہیں جسکے نیچے سے پانی نہیں بہتا ایسے لوگوں کا وضوء اور غسل ادا نہیں ہوتا اور وہ ناپاک ہی رہتے ہیں۔ آج کل جس عورت کو دلہن بنایا جاتا ہے اسے ناخن پالش ضرور لگائی جاتی ہے، حالانکہ ناخن پالش کی موجودگی میں غسل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ نیل پالش کی تہہ اس قدر موٹی ہوتی ہے کہ اس کی موجودگی میں ناخنوں تک پانی نہیں پہنچ سکتا، تو کیا دلہن پہ کبھی غسل فرض نہ ہوگا؟ اور کیا وہ غسل سے قبل ناخن پالش اتارے گی؟

اس سے ناخن پالش کی حرمت معلوم ہوئی کیونکہ یہ وضوء وغسل سے مانع ہے۔ ہاں اگر کسی عورت کے ماہواری کے ایام ہوں جن میں وہ نماز نہیں پڑھتی، اگر ان ایام میں وہ ناخن پاش لگالے یا مثلاً فجر کے بعد لگالے اور ظہر سے قبل اتار دے تو جائز ہے، مگر ایسا کون کرتا ہے۔ نیل پالش عموماً وہی عورتیں لگاتی ہیں جن کو نماز کی پرواہ ہی نہیں، نماز کی پابند مسلمان خاتون کبھی نیل پالش نہیں لگائے گی۔

وضوء میں چار چیزوں کے سوا کچھ فرض نہیں

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ مبارکہ میں وضوء کے چار ہی فرائض بیان کیے ہیں، تو ان کے سوا کوئی چیز فرض نہیں۔ باقی تمام چیزیں سنت ہیں، جیسے نیت کرنا بسم اللہ پڑھنا، مسواک کرنا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا وغیرہ۔ دیگر ائمہ نے ان میں سے بعض چیزوں کو فرض قرار دیا ہے، مگر امام اعظم ابوحنیفہ کی دلیل مضبوط تر ہے اور فقہ حنفی کی یہی عظمت ہے کہ اس میں ہر معاملہ کے اندر سب سے قبل قرآنِ کریم کو حجت بنایا گیا ہے۔

[22] یعنی اگر تم پر نہانا فرض ہو تو نماز سے پہلے سارے جسم کو پانی سے خوف دھوؤ کہ سارے جسم میں سے ایک بال بھی خشک نہ رہے ورنہ غسل نہ ہوگا۔ نماز کے علاوہ قرآن پڑھنے یا اسے ہاتھ لگانے، طواف کعبہ اور قرآن کی کوئی آیت لکھنے سے قبل ناپاک آدمی کے لیے غسل فرض ہے۔ ناپاک شخص کو غسل میں بلاوجہ تاخیر کرنا گناہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا اسلام میں طہارت کس قدر اہم ہے۔

وضوء اور غسل کا فلسفہ

وضو کا فلسفہ یہ ہے کہ آدمی کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں عموماً غبار آلود اور میلے ہو جاتے ہیں تو انہیں دن میں پانچ بار دھونے کا حکم دیا گیا تا کہ ایک بندۂ مومن ہر وقت صاف ستھرا نظر آئے۔ جبکہ غسل کا فلسفہ یہ ہے کہ آدمی دو تین ہفتے بعد عموماً جنسی عمل یا احتلام سے دوچار ہوتا ہے تو وہ غسل کر کے اپنے سارے جسم کو صاف ستھرا کر لے گا۔ اگر یہ غسل فرض نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ بعض سست لوگ کئی ماہ تک نہ نہاتے اور میلے کچیلے ہی رہتے مگر اسلام کو یہ چیز ناپسند ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ نہانے سے وہ طاقت بحال ہو جاتی ہے جو جنابت سے پیدا ہوتی ہے۔

[23] اب تیمم کا حکم اور اس کا طریقہ بتایا جا رہا ہے۔ یہ آیت غزوہ مریسیع (۵ھ) سے واپسی کے دوران نازل ہوئی۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سنہری ہار راستے میں گم ہو گیا۔ حضور ﷺ نے ان کی دلجوئی کے لیے صحابہ کو ہار ڈھونڈنے کے لیے بھیجا۔ اسی میں دیر ہو گئی۔ نماز فجر کا وقت کم رہ گیا۔ اس علاقہ میں پانی نہ تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی: وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا اور تیمم کی اجازت دی۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ مائدہ باب ۳)

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مقام بیداء میں میرا ہار گم ہو گیا اور ہم مدینہ طیبہ میں داخل ہونے والے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور نیچے اتر آئے۔ حضور ﷺ نے اپنا سرِ انور میری جھولی میں رکھا اور سو گئے، ادھر ابوبکر صدیق آئے اور میری کوکھ میں انگلی ماری اور کہا: تم نے لوگوں کو ایک ہار کی وجہ سے روک دیا، تو گویا مجھ پہ موت آپڑی کیونکہ میں رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے حرکت نہیں کر سکتی تھی جب کہ مجھے تکلیف بھی ہو رہی تھی۔ پھر جب نبی اکرم

ﷺ بیدار ہوئے اور نماز کا وقت ہوگیا اور پانی تلاش کرنے کے باوجود نہ مل سکا تو یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ (مائدہ،٦) تب حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے آل ابی بکراللہ نے تمہیں لوگوں کے لیے برکت والا بنایا ہے، ما انتم الا برکة لهم ،یعنی تم لوگوں کے لیے سراپا برکت ہو۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ المائدہ حدیث ۴٦٠٨)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مومنو! اگر تم بیمار ہو اور وضو یا غسل کے لیے پانی استعمال کرنا تمہاری جان لے سکتا یا بیماری میں شدت پیدا کرسکتا ہے یا تم سفر پر ہو اور وہاں پانی میسر نہیں جیسے شانِ نزول میں مذکور ہوا۔ یا تم پاخانہ و پیشاب کر کے آؤ اور وضو کی حاجت ہو یا تم نے بیویوں سے صحبت کی اور تمہیں نہانے کی حاجت ہو پھر ایسے میں تم پانی نہ پاؤ یعنی تم سفر کی بجائے گھر میں ہو مگر پانی نہ پاؤ۔ مثلاً کنواں تو ہو ڈول نہ ہو جس سے پانی نکال سکو یا پانی پر کوئی درندہ یا دشمن ہو جس سے جان کا خطرہ ہو تو تم ان سب صورتوں میں وضو اور غسل کی جگہ پاک سطحِ زمین سے تیمم کرسکتے ہو۔

سطحِ زمین سے ہر وہ چیز مراد ہے جو جنس زمین سے ہو جیسے ریت، مٹی، پتھر وغیرہ۔ اس تیمم کی قدرے تفصیل ہم پیچھے سورہ نساء آیت ۴۳ کے تحت کر آئے ہیں۔

[24] یعنی مذکورہ صورتوں میں تیمم کرو، یہ تیمم تمہارے لیے وضو کا قائم مقام بھی ہے اور غسل کا بھی۔ مطلب یہ ہے کہ جتنی صورتیں اس آیت میں بیان کی گئی ہیں ان سب میں وضو اور غسل کی جگہ یہ تم تیمم کرسکتے ہو۔

تیمم کا طریقہ

تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ تم سطحِ زمین پر دونوں ہاتھ مارو پھر انہیں اپنے چہرے پر مل لو۔ اس طرح کہ چہرے کا وہ سارا حصہ جو وضو میں دھویا جاتا ہے مسح کے نیچے آ جائے، پھر دوبارہ زمین پر ہاتھ مار کر انہیں اپنے بازوؤں پر مل لو۔ اس طرح کہ کہنیوں سمیت سارے بازو مسح میں آ جائیں جیسے وضو میں دھوئے جاتے ہیں۔ اگر ایک بال برابر جگہ مسح سے رہ گئی تو تیمم نہ ہوا۔

[25] یعنی اے مومنو اللہ تم پر کوئی تنگی نہیں کرنا چاہتا اسی لیے اس نے تمہیں وضو اور غسل کی جگہ تیمم کی اجازت دیدی یعنی امت محمدیہ ہونے کیوجہ سے یہ تمہارے لیے اللہ کی خصوصی رحمت ہے۔ پہلی امتوں کو یہ سہولت نہ دی گئی تھی اور اللہ تمہیں وضو، غسل اور تیمم کے ذریعے پاک کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ تمہارا ظاہر و باطن پاک ہوجائے۔ اسی لیے حدیثِ طیبہ میں ہے کہ وضو کے ذریعے چہرے، بازوؤں اور پاؤں وغیرہ کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ گویا ظاہر کے ساتھ باطن بھی پاک ہوجاتا ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر اپنی نعمت تمام کردے کیونکہ تم امت محبوب خدا ﷺ ہو۔ چنانچہ وضو کا یہ طریقہ صرف امت محمدیہ کو عطا فرمایا گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میری امت روزِ قیامت یوں آئے گی کہ ان

کے چہرے، ہاتھ اور پاؤں وضو کے اثر سے چمکتے ہوں گے۔ لہٰذا جو اپنے اعضاء زیادہ چمکانا چاہتا ہے وہ زیادہ دھوئے۔''
(یعنی کہنیوں اور ٹخنوں سے کچھ اوپر بھی دھو لے) (بخاری کتاب الوضوء باب ۳)

اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ یہ وضو صرف امت محمدیہ کو عطا فرمایا گیا اور جہاں حدیث میں ہے کہ یہ وضوء میرا اور مجھ سے پہلے انبیاء کا ہے تو امام قرطبی کے نزدیک اس کا یہ معنی ہے کہ یہ وضو صرف انبیاء کو دیا گیا تھا ان کی امتوں کو نہیں دیا گیا تھا۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ کے صدقہ میں یہ وضو آپ کی امت کو بھی عطا فرمایا گیا ہے۔ اور میرے نزدیک یہ معنی بھی ممکن ہے کہ وضو تو پہلی امتوں کو بھی دیا گیا مگر آخرت میں اعضاء کی چمک صرف امتِ محمدیہ کو نسبت رسولی کے سبب دی گئی ہے۔

امتِ محمدیہ کی فضیلت

وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ سے معلوم ہوا کہ تیمم صرف امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو دیا گیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ رسول ﷺ ہے ''مجھے چھ چیزوں کے ذریعے (تمام انبیاء پر) فضیلت دی گئی مجھے جوامع الکلم دیئے گئے، میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا، رعب سے میری مدد کی گئی، ساری زمین میرے لیے پاک کرنے والی (یعنی تیمم کے قابل) بنائی گئی اور مسجد بنائی گئی، مجھے ساری مخلوق کا رسول بنایا گیا اور مجھ پر سلسلہ نبوت ختم کر دیا گیا۔'' (مسلم کتاب المساجد)

مقام سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

آپ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے آیتِ تیمم اتری جیسا کہ شانِ نزول میں گزرا۔ اور صحابہ نے کہا کہ یہ برکت ہمیں آلِ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملی ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ

اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو اور اس کا مضبوط عہد یاد کرو جو تم نے اس سے کیا جب تم نے کہا

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ يٰۤاَيُّهَا

ہم نے حکم سنا اور سر تسلیم خم کر دیا اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔ [26] اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

ایمان والو! اللہ کا حکم قائم کرنے اور انصاف کی گواہی دینے والے بن جاؤ [27] اور کسی قوم سے دشمنی تمہیں

شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا

اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو کہ وہی تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ سے

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

ڈرو بے شک اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ [28] اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائیں اور اچھے

الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ

اعمال کریں، وعدہ فرمایا ہے کہ ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے اور جو کفر کریں اور ہماری آیات کو

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

جھٹلائیں وہ دوزخ والے ہیں۔ [29]

میثاقِ الٰہی کی تکمیل اور قیامِ عدل کا حکم

[26] یعنی اے مومنو! اللہ کی یہ عظیم نعمت یاد کرو کہ تمہیں امت محبوب خدا ﷺ بنایا گیا۔ لہٰذا تم نے اپنے رسول سے جو عہد غلامی کیا ہے اسے نہ بھولو اور اس کی تکمیل میں لگے رہو، تم نے کہا تھا کہ ہم آپ کا ہر حکم سنیں اور مانیں گے۔

دراصل حضور سید عالم ﷺ جب بھی کسی کو دائرہ اسلام میں داخل کرتے تو اس سے عہد لیتے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا ہر حکم بجالائے گا اس کی مثال بیعتِ عقبہ اولیٰ وثانیہ ہے بلکہ حضور ﷺ کئی بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لیتے

رہتے تھے کہ وہ برائیوں سے مجتنب اور نیکیوں میں منہمک رہیں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اتباعِ شرع کی بیعت لینا

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک بار ہم سات یا آٹھ افراد سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ پر بیعت لی کہ ہم اللہ کی عبادت کریں گے کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں گے پانچ نمازیں ادا کریں گے اور لوگوں سے کچھ نہ مانگیں گے۔ حضرت عوف فرماتے ہیں اس کے بعد ان سات یا آٹھ افراد کا یہ عالم تھا کہ اگر ان کے ہاتھ سے لاٹھی گر جاتی تو وہ خود اٹھاتے کسی سے سوال نہ کرتے کہ وہ اسے لاٹھی تھما دے۔ (مسلم، ترمذی، نسائی)

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ مواثیق و معاہدات دراصل پوری امت مسلمہ کی طرف سے تھے۔ یعنی انہوں نے بحیثیت امت محمدیہ یہ عہد کیا کہ ہم تا قیامت اطاعت خدا اور رسول پر قائم رہیں گے اب اللہ رب العزت ہمیں یہ عہد یاد دلا رہا ہے۔

[27] یعنی اے مومنو! اللہ کی رضا کے لیے اس کا ہر حکم اور اس کا دین قائم کرنے والے بن جاؤ۔ ہر وہ بات کہو جس کا اللہ حکم دیتا ہے اور اس سے رک جاؤ جس سے وہ روکتا ہے اور قسط (انصاف) کے گواہ بن جاؤ یعنی سچی اور عدل والی گواہی دو خواہ وہ اپنے قریبی عزیزوں، دوستوں اور اہل قبیلہ کے خلاف ہو۔ دوسری جگہ فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ۚ ''اے مومنو! انصاف قائم کرنے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے بن جاؤ خواہ وہ تمہارے اپنے خلاف ہو یا والدین اور قریبی عزیزوں کے خلاف۔'' (نساء: ۱۳۵)

جھوٹی گواہی کی مذمت اور دورِ حاضر میں جھوٹی گواہی کی صورتیں

یہاں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ انصاف کی گواہی دو، یعنی اپنے اور قریبی عزیزوں دوستوں کے مفادات کے لیے گواہی میں تبدیلی اور ہیر پھیر نہ کرو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ پھر والدین کی نافرمانی اور جھوٹی گواہی بڑا گناہ ہے۔ پھر آپ آخری بات (جھوٹی گواہی بڑا گناہ ہے) کو بار بار دہرانے لگے۔ حتیٰ کہ ہم نے دل میں کہا کاش اب آپ خاموش ہو جائیں'' (کہ بار بار یہ بات دہرانے سے آپ کو تکلیف ہو رہی ہے)۔
(بخاری کتاب استتابۃ المرتدین باب ۱)

جھوٹی گواہی صرف یہ نہیں کہ عدالت میں جا کر کسی کے حق میں جھوٹی گواہی دی جائے، بلکہ اس کی کئی صورتیں ہیں۔ چنانچہ آج جمہوری دور ہے، انتخابات ہوتے ہیں۔ ایسے میں ایک فاسق و فاجر اور نا اہل شخص کے حق میں ووٹ دینا بھی

جھوٹی گواہی میں شامل ہے۔ آج ہمارے وطن عزیز پاکستان میں یہ بیماری ہماری جڑوں میں بیٹھ گئی ہے کہ چوروں، ڈاکوؤں اور جرائم پیشہ لوگوں کو برادری، پارٹی اور علاقہ پرستی کی بنیاد پہ ووٹ دیدیے جاتے ہیں اور یہی لوگ منتخب ہو کر ملک اور قوم کی دولت کو لوٹ کر لے جاتے ہیں۔

اسی طرح مدرسوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ذمہ دار لوگ رشوت لے کر جاہل لوگوں کو جعلی ڈگریاں جاری کردیتے ہیں، یہ لوگ بھی جھوٹی گواہی دینے والے ہیں۔ چنانچہ جعلی ڈگریوں کی بنیاد پہ لوگ ڈاکٹر بن کر مریضوں کی جانوں سے کھیل رہے ہیں۔

ڈاکٹرز اپنا ایمان یوں بیچتے ہیں کہ رشوت لے کر لوگوں کو بیماری کا سرٹیفکیٹ دیدیتے ہیں، یوں جرائم پیشہ لوگ سزا سے بچ جاتے ہیں اور مزید جرائم کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ یہ بھی جھوٹی گواہی کا ایک مکروہ طریقہ ہے۔

اسی طرح کسی کے پاس انجینرنگ کا جھوٹا ڈپلومہ ہے، وہ اس فن کا اہل نہیں ہے جس کا وہ خود کو حامل بتارہا ہے۔ تو جس نے اسے یہ ڈپلومہ رشوت کی بنیاد پہ جاری کیا ہے وہ اس کی تمام غلط کاروائیوں کا ذمہ دار ہے۔ کیونکہ اس نے اس کے حق میں جھوٹی گواہی دی ہے۔

بلکہ یوں لگتا ہے کہ آج ہمارا سارا معاشرہ ہی جھوٹی گواہیوں کی بنیاد پہ چل رہا ہے۔ اس لیے پورے معاشرہ کا کوئی پہلو سیدھی طرح کام نہیں کر رہا ہے۔ لوگوں کے پاس جھوٹے ڈرائیونگ لائسنس ہیں، یعنی انہوں نے باقاعدہ ڈرائیونگ سیکھی نہیں ہے بلکہ انہوں نے رشوت کے ذریعہ ڈرائیونگ لائسنس ایشو کروالیا ہے۔ تو جس نے رشوت لے کر یہ لائسنس ایشو کیا ہے وہ ان تمام تباہ کاریوں کا ذمہ دار ہے جو اس اناڑی ڈرائیور سے سرزد ہونگی۔

[28] اے مومنو! اگر کسی قوم سے تمہاری دشمنی ہے تو اس کا یہی معنی نہیں کہ تم ان سے عدل وانصاف نہ کرو اور بے انصافی کی راہ پر چل پڑو۔ اس میں کفار کے ساتھ منصفانہ و عادلانہ رویہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دراصل جب یہ آیتِ مبارکہ اتری۔ اس وقت اہل ایمان کفار مکہ، یہود مدینہ اور منافقین کے درمیان گھرے ہوئے تھے ہر طرف سے ان کے خلاف دشمنانہ کارروائیاں جاری تھیں۔ ایسے میں ممکن تھا وہ ظلم وتعدی کا راستہ اپنا لیتے مگر اللہ تعالیٰ ایک عادل ومنصف قوم معرض وجود میں لانے والا تھا جو دشمنوں سے بھی انصاف برتنے والی ہو اس لیے انہیں قیام عدل کے خصوصی احکام دیے گئے۔

اسلام کفار سے بھی عدل کرنے کا حکم فرماتا ہے

یادرہے کفار سے انصاف یہ ہے کہ ان پر جھوٹی الزام تراشی نہ کی جائے۔ ان کی عورتوں کی پردہ دری نہ کی جائے، حالتِ جنگ میں ان کی بستیوں اور انکے عام شہریوں پر بم گرا کر عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو نہ مارا جائے اور ان سے کیے گئے قومی معاہدات کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔

معلوم ہوا دشمن سے بھی عدل کرنا چاہیے مگر آج ہماری یہ حالت ہے کہ اگر ہم کسی سے جھگڑ پڑیں تو اس کی خوبیوں کو

بھی برائیاں بنا ڈالتے ہیں مگر قرآن کا درس اس کے خلاف ہے۔ البتہ آج ہم کفار کے ساتھ بڑے روادار ہیں، ان سے انصاف ہی نہیں احسان سے کام لیتے ہیں، یعنی ہماری ساری مہربانیاں کفار کے لیے ہیں۔ کیونکہ ہم ان سے بہت ڈرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے لیے منصف اور محسن نہیں ہیں۔

[29] یعنی جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں ان کے گناہ بخشے جائیں گے اور وہ جنت میں بلند درجات حاصل کریں گے اور جو لوگ کفر کریں اور اللہ کی آیات کو جھٹلائیں۔ مطلب یہ کہ قرآن کی تکذیب کریں یا تورات وانجیل میں حضور سید عالم ﷺ کی بشارت والی آیات سے منہ موڑیں یا معجزات محمدیہ ﷺ کو دیکھ کر بھی آپ کی نبوت کے قائل نہ ہوں تو ایسے لوگ ہمیشہ کے لیے دوزخ والے ہیں۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا

اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کی وہ نعمت یاد کرو جب ایک قوم نے ارادہ کیا کہ تمہاری طرف

اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ

اپنے ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے اور اللہ سے ڈرو اور اللہ ہی پر مؤمنوں کو

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ ع

بھروسہ رکھنا چاہیے۔ [30]

[30] یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب یہود مدینہ نے نبی اکرم ﷺ کو خفیہ طریقے سے شہید کرنے کا پروگرام بنایا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا ارادہ خاک میں ملا دیا۔

یہود کا رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی سازش کرنا

ہوا یوں کہ حضور سرور کونین ﷺ چند صحابہ کے ساتھ کسی کام کے لیے یہود بنی نضیر کے ہاں گئے۔ انہوں نے منافقانہ خوشی کا اظہار کیا اور آپ کو اپنے قلعہ کی دیوار کے سائے میں بٹھایا اور کہا ہم آپ کے لیے کھانے کا بندوبست کرتے ہیں۔ آپ تشریف رکھیں۔ قلعے کے اندر جا کر یہود نے پروگرام بنایا کہ دیوار کے اوپر سے بڑا پتھر گرا کر آپ کا خاتمہ کر دیا جائے۔ (معاذ اللہ) وہ ایک بڑی چکی اٹھا لائے اور قریب تھا کہ اسے اوپر سے گرا دیتے اتنے میں جبریل امین علیہ السلام آئے اور آپ کو وہاں سے اٹھا دیا۔ یہود کے ہاتھ وہیں رک گئے۔ تب یہود بنی نضیر کو اس بدعہدی کے سبب فوراً مدینہ طیبہ سے نکل جانے کا حکم ہوا اور وہ وہاں سے نکل کر خیبر میں جا آباد ہوئے اور ان کا قلعہ اور علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۴ صفحہ ۴۸۰)

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مومنوں کو اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے کہ انہیں کفار سے ان کے ہتھیار نہیں بلکہ رحمتِ پروردگار بچا سکتی ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ

اور تحقیق اللہ نے بنی اسرائیل سے مضبوط عہد لیا اور انہی میں سے ان پر بارہ نگران

نَقِيْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ

مقرر فرمائے [31] اور اللہ نے فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو

وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ

اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم بجا لاؤ اور اللہ کو اچھا قرض دو تو میں تمہارے گناہ

عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ

مٹا دوں گا۔ [32] اور تمہیں ان جنتی باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جس نے

كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾

اس کے بعد تم میں سے کفر کیا تو وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔ [33]

یہود کی حکم خدا سے سرکشی اور ان پر اللہ کی پھٹکار

[31] اس سے قبل آیت نمبر ۷ میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے ذریعے آپ کی امت سے جو وعدے لیے ان کی تکمیل ضروری ہے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ ایسا ہی وعدہ بنی اسرائیل سے بھی لیا گیا۔ ابن جریر نے سدی اور مجاہد سے روایت کیا ہے کہ جب فرعون غرق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس کی طرف چلنے کا حکم دیا تا کہ اسے قوم عمالقہ سے آزاد کروائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے لشکر کو بارہ حصوں میں تقسیم کیا کیونکہ ان کے بارہ قبیلے تھے جو یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی نسل سے تھے اور ہر قبیلہ پر ایک سپہ سالار مقرر کیا جو ان کی نگرانی کرتا تھا جب بیت المقدس قریب آیا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان بارہ نقباء (سپہ سالاروں) کو بھیجا کہ وہ جا کر دشمن قوم عمالقہ کی جنگی تیاری کا اندازہ کریں۔ انہوں نے جا کر دیکھا کہ اس قوم کے طویل لمبے قد ہیں اور وہ بڑا اسلحہ رکھتے ہیں۔ وہ گھبرا گئے اور واپس آ کر بنی اسرائیل کو اس سے آگاہ کیا تو انہوں نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ ان بارہ میں سے دو افراد یوشع بن نون اور کالب بن باقیہ

نے کچھ نہ بتایا۔ تب بنی اسرائیل پر عذاب آیا اور انہیں میدانِ تیہ میں چالیس برس کے لیے بھٹکا دیا گیا۔
یہاں سے بارہ کے عدد کی اہمیت معلوم ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی بارہ نقباء مقرر کیے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بیعت عقبہ میں انصار مدینہ میں سے بارہ نقباء مقرر فرمائے۔ یہ ہجرت سے تین ماہ پہلے کی بات ہے اور ۱۲ ربیع الاول کو حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی اور بارہ ربیع الاول ہی کو وصال ہوا۔ سال کے مہینے بارہ ہیں اور بارہ خلفاء تک دین کے غلبہ کی بشارت دی گئی۔

[32] جب بارہ نقباء کی سرپرستی میں بنی اسرائیل کو جہاد کے لیے روانہ کیا گیا تو انہیں حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی کا درس دیا گیا کیونکہ اسی پختگی کردار سے مجاہدین میں وہ روحانی قوت پیدا ہوتی ہے جو انہیں دشمن پر غالب کرتی ہے۔ لہٰذا ان سے فرمایا گیا کہ تم نماز قائم کرو گے، زکوٰۃ دو گے، اللہ کے رسولوں پر ایمان لاؤ گے اور رسولوں کی صحیح تعظیم وتوقیر بجالاؤ گے اور اللہ کو قرض حسن دو گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے بنی اسرائیل! اگر تم یہ کام کرو گے تو میں تمہارے گناہ مٹا دوں گا اور تمہیں جنت عطا کروں گا جہاں ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اللہ کو قرضِ حسن دینا یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا جائے۔ کیونکہ یہ اسی طرح ہے جیسے اللہ کو قرض دیا کہ اللہ اس کا صلہ یوں لوٹائے گا جیسے قرض لوٹایا جاتا ہے۔ یا یہ معنی ہے کہ اللہ کی رضا کے لیے اس کے کسی حاجت مند بندے کو قرض حسن دیا جائے تو وہ یوں ہے جیسے اللہ کو قرض دیا۔

یہاں سے چار فوائد حاصل ہوئے:

(۱) دین پر عمل کا اولین تقاضا اقامتِ صلوٰۃ ہے۔ جب بنی اسرائیل سے دین پر عمل کا عہد لیا گیا تو لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ سے بات شروع کی گئی۔ اسی لیے حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ روز قیامت بندے سے پہلا سوال نماز کے بارہ کیا جائے گا۔ اللہ توفیقِ عمل دے۔

(۲) جو اللہ پر بھروسہ کریں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنِّىْ مَعَكُمْ ؕ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر وہ یہ بات یاد رکھتے تو دشمن سے ڈر کر نہ بھاگتے مگر وہ بدنصیب نکلے۔ اس کے برعکس صحابہ کرام نے بدر واحد اور احزاب وحنین اور ہر میدان میں اللہ رب العزت پر بھروسہ رکھا تو کامیابیوں کے زینے طے کرتے گئے۔

(۳) ایمان بالرسول کا اولین تقاضا احترام رسول ہے۔ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِىْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ سے پتہ چلا رسول کو ماننے کا پہلا تقاضا رسول کی سچی تعظیم وتوقیر ہے۔ آج مسلمانانِ عالم محافلِ میلاد سجاتے اور کھڑے ہو کر درود وسلام پڑھتے ہیں یہ تعظیم رسول میں داخل اور وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ پر عمل ہے۔

(۴) نیکیوں کے صدقے گناہ مٹائے جاتے ہیں۔ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ میں یہ درس ہے کہ نماز وزکوٰۃ کی پابندی اور ایمان بالرسول کے تقاضوں کی تکمیل گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔

[33] یعنی جس نے نماز و زکوٰۃ سے انکار کیا یا کسی رسول کو نہ مانا یا اس کی تعظیم کی بجائے توہین کی وہ سیدھی راہ سے بھٹک کر جہنم کی راہ پر چل نکلا۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ

تو یہود کی عہد شکنی کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دل سخت کر دیئے، [34] وہ (تورات کے) کلمات کو

الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ

اس کے درست مقامات سے بدلتے ہیں اور انہیں جو نصیحت کی گئی اس کا بڑا حصہ وہ بھول گئے اور آپ ان کی (کسی نہ کسی)

عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ

خیانت پر ہمیشہ مطلع ہوتے رہیں گے، سوا ان میں سے چند ایک کے تو آپ انہیں معاف کریں اور ان سے درگزر کریں بے شک اللہ

يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ

نیکوکاروں کو پسند رکھتا ہے۔ [35] اور جو خود کو نصاریٰ کہتے ہیں ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا، تو انہیں جو نصیحت کی گئی

فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى

اس کا بڑا حصہ وہ بھول گئے [36] اس لئے ہم نے ان کے مابین تاقیامت عداوت اور نفرت

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۗ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

بھڑکا دی اور عنقریب اللہ انہیں بتائے گا جو وہ عمل کرتے تھے۔ [37]

[34] اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے مذکورہ عہد لیا تھا مگر انہوں نے یہ عہد توڑ دیا چنانچہ وہ جہاد سے ہمت ہار کر بیٹھ گئے اور بعد میں تاریخ نے ثابت کیا کہ یہود کو عہد شکنی کی عادت ہے۔

یہود بدعہد اور سنگ دل قوم ہے

جیسے قرآنِ مجید میں ہے: اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۗ (بقرہ:۱۰۰) اور اس عادت کے سبب ان پر اللہ کی لعنت برستی ہے مثلاً جب انہوں نے آزادی بیت المقدس کے لیے جہاد سے انکار کیا تو انہیں چالیس برس تک میدانِ تیہ میں بھٹکایا گیا۔ پھر انہوں نے چالیس برس کے بعد تیہ سے نکلنے پر بیت المقدس میں سجدہ کناں داخل ہونے کا

عہد کیا مگر وہ اس کی بجائے گستاخانہ طریقہ سے داخل ہوئے تو ان پر طاعون ڈالا گیا۔ فَبَدَّلَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا قَوۡلًا غَیۡرَ الَّذِیۡ قِیۡلَ لَهُمۡ فَاَنۡزَلۡنَا عَلَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوۡا یَفۡسُقُوۡنَ ﴿۵۹﴾ (بقرہ:۵۹)

دورِ نبوی میں یہود نے حضور سرورِ کونین ﷺ سے کیے ہوئے پر امن بقائے باہمی کے معاہدہ کی مخالفت کرتے ہوئے آپ کے مقابلہ میں کفارِ مکہ کا ساتھ دیا تب ان پر یہ لعنت پڑی کہ بنی قریظہ کو قتل اور بنو نضیر کو جلا وطن کیا گیا۔ ماضی قریب میں انہوں نے ہٹلر سے بے وفائی و عہد شکنی کرتے ہوئے خفیہ طریقے سے امریکہ و برطانیہ کا ساتھ دیا تو انہیں لاکھوں کی تعداد میں قتل کیا گیا۔ یہ ہے: فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّیۡثَاقَهُمۡ معلوم ہوا عہد شکنی یہودی خصلت ہے اور یہ باعث لعنتِ خداوندی فعل ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ان کے دل سخت کر دیئے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا: ثُمَّ قَسَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ مِّنۡ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَهِیَ كَالۡحِجَارَۃِ اَوۡ اَشَدُّ قَسۡوَۃً ''اے یہود! اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے تو وہ پتھروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی سخت تر۔'' (بقرہ، ۷۴) چنانچہ وہ اتنے سخت دل ہیں کہ انبیاء کے قتل سے نہ گھبرائے اور حضور ﷺ کی حقانیت سے مکمل آگاہ ہو کر بھی آپ کی مخالفت سے باز نہ آئے اور آپ کو شہید کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

[35] یعنی یہود کی سنگ دلی یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ وہ اللہ کی کتاب تورات میں کلمات کو اپنے صحیح مقامات سے بدلنے میں خوف نہیں محسوس کرتے۔

علمائے یہود کا تورات میں مذکور اوصافِ رسول ﷺ میں تبدیلی کر دینا

یہودی علماء نے اپنے عوام کو دھوکہ دینے کے لیے تورات میں مذکور حضور خاتم المرسلین ﷺ کی صفات کو بدل کر لکھ دیا، تورات میں حضور ﷺ کا حلیہ یوں لکھا تھا۔ ''سرگیں آنکھیں، میانہ قد، گھنگھریالے بال، حسین چہرہ'' اور حضور ﷺ کا حلیہ مبارک واقعتاً ایسا ہی تھا مگر یہودی علماء نے اسے مٹا کر یوں لکھ دیا۔ نیلی آنکھیں، لمبا قد، سیدھے بال (ابن ابی حاتم) اسی لیے فرمایا گیا:

یَكۡتُبُوۡنَ الۡكِتٰبَ بِاَیۡدِیۡهِمۡ ثُمَّ یَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ لِیَشۡتَرُوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا (بقرہ:۷۹)

آگے فرمایا گیا: حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوۡا بِهٖ یعنی تورات میں انہیں حضور ﷺ پر ایمان لانے، سود نہ کھانے اور عہد شکنی سے بچنے کی نصیحت کی گئی مگر وہ سب کچھ بھول گئے۔

یہود کی مسلمانوں کے ساتھ بدعہدیوں کا تذکرہ

آگے فرمایا گیا: وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَۃٍ مِّنۡهُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡهُمۡ یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! آپ پر ان کی کوئی نہ کوئی خیانت آئے دن ظاہر ہوتی رہتی ہے، یعنی اللہ آپ کو اس پر بذریعہ وحی مطلع فرما دیتا ہے۔ اور اس میں

کوئی شک نہیں تاریخ یہود کی مسلمانوں کے ساتھ بدعہدیوں سے بھری ہوئی ہے۔

چنانچہ ایک بار یہود مدینہ نے منصوبہ بنایا کہ ان میں سے کچھ لوگ تھوڑی مدت کے لیے ایمان لے آئیں بعد میں کہہ دیں کہ ہمیں تو اسلام میں کوئی خوبی نظر نہیں آئی لہٰذا ہم اسے ترک کرتے ہیں تا کہ مسلمانوں کا ایمان متزلزل کیا جائے۔ آل عمران رکوع ٨ میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

اسی طرح یہود بنی نضیر نے پتھر گرا کر حضور سید کائنات ﷺ کو شہید کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع کر کے وہاں سے بچایا۔ اس کا ذکر ابھی گزرا ہے۔

یہود بنی قریظہ نے جنگ احزاب میں خیانت و بدعہدی کرتے ہوئے کفار مکہ کا ساتھ دیا۔ چنانچہ جنگ کے بعد بنی قریظہ کے کثیر لوگ قتل کیے گئے۔ سورہ احزاب کے دوسرے رکوع اور تیسرے رکوع میں اس کی مکمل تفصیل مذکور ہے۔ وہیں اس کو بیان کیا جائے گا، ان شاء اللہ!

یونہی خیبر کے یہود نے زہر کھلا کر حضور ﷺ کو شہید کرنے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرمایا۔ اور آج بھی یہود کا کردار بدعہدی، شرارت پسندی، فتنہ انگیزی اور خوں ریزی سے عبارت ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡهُمۡ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاصۡفَحۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۳﴾ کہ یہود میں سے بہت کم لوگ ایسے ہیں جو خیانت وعہد شکنی سے دور ہیں اور حق کا ساتھ دیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے بارہ نقباء میں سے صرف دو نے وعدہ وفائی کی۔ عیسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے چند حواری ہی حق پسند واقع ہوئے اور حضور خاتم المرسلین ﷺ پر بھی آٹھ دس یہودی ہی ایمان لائے اور شرفِ صحابیت حاصل کیا۔ باقی سب نے دشمنی ہی کی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ آپ یہود سے درگزر کریں یعنی اپنی ذات کے حوالے سے ان سے بدلہ نہ لیں یا یہ کہ اگر وہ ذمی ہوں تو ان سے قتال نہ کریں۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ یہود جنگ جاری رکھیں تو بھی ان سے درگزر کی جائے۔

[36] نصاریٰ نصرانی کی جمع ہے جس کا معنی مددگار ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو لوگ خود کو بزعم دین خود عیسیٰ کا مددگار کہتے ہیں۔ (یعنی عیسائی قوم) ان سے بھی ہم نے انجیل میں مضبوط عہد لیا تھا کہ وہ توحید پر قائم رہیں گے اور محمد عربی ﷺ پر ایمان لائیں گے مگر وہ نصیحت بھول گئے۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد انہوں نے تین خداؤں کا عقیدہ اپنالیا اور شرک میں جا پڑے اور حضور ﷺ کے بارے میں عیسیٰ علیہ السلام کی سب پیش گوئیاں بھول گئے۔

[37] جب یہود اور نصاریٰ دونوں نے اللہ تعالیٰ کا عہد توڑا تو اللہ فرماتا ہے ہم نے ان کے مابین تا قیامت عداوت و بغض ڈال دیا جو کسی نہ کسی شکل میں آج تک چلا آ رہا ہے۔ تاریخ نے قرآن کی بیان کردہ اس حقیقت کو سچ ثابت کیا ہے۔ ذیل میں ہم اس کا ایک نقشہ پیش کرتے ہیں۔

یہود ونصاریٰ کے مابین عداوت دائمی ہے

۵۰ء میں قیصر روم نے اپنے سپہ سالار طیطس کو یروشلم پر حملہ کرنے کا حکم دیا اور بیت المقدس کو جلایا گیا۔ ہزاروں یہود زندہ جلائے گئے۔ پھر دوسری صدی عیسوی میں یہود نے فلسطین میں قیصر روم کی طرف سے آباد کیے گئے عیسائیوں کا بے دریغ قتل کیا تا کہ اپنے قتل عام کا بدلہ لے سکیں۔ پھر ۳۲۵ء میں رومی عیسائی حکمران قسطنطین نے بیت المقدس پر چڑھائی کی اور یہود کا ایک بار پھر قتل عام کیا اور بیت المقدس کو باقاعدہ عیسائی شہر قرار دیا۔ پھر قریباً دوصدی بعد یہود نے بڑی شورش کی اور کسریٰ ایران کو اپنی مدد کے لیے بلایا اور کثیر عیسائیوں کا خون بہایا۔ تب شاہ ہرقل نے حملہ کیا اور لاتعداد یہودی تہہ تیغ کر ڈالے۔ اسی دور میں حضور سرور کونین ﷺ دنیا میں تشریف لائے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں بیت المقدس پر اسلام کا جھنڈا لہرایا گیا اور یہود کو مسلمانوں نے اپنے دامن میں پناہ دی اور وہ اس پناہ سے نکل کر جب بھی عیسائیوں کی پناہ میں گئے۔ انہیں کوئی نہ کوئی زخم لگا۔ اسکی ایک مثال عیسائی ہٹلر کے ہاتھوں یہود کا قتل عام بھی ہے۔ تا آنکہ جنگ عظیم دوم میں یہود نے امریکہ و برطانیہ کا ساتھ دیا جس کے صلے میں انہیں ظلماً و جبراً فلسطین میں لا کر بسایا گیا۔

مگر آج یہود نے امریکی عیسائی عوام کے کانوں میں یہ بات پھونک دی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اپنے وطن مالوف فلسطین میں اترنے والے ہیں اور ان کے اترنے پر وہاں یہود کی حکومت ہوگی اور وہ ان کا ساتھ دیں گے۔ چنانچہ امریکہ اور اس کے ساتھی وہاں یہودی حکومت اسرائیل کا اس لیے ساتھ دے رہے ہیں تا کہ حضرت عیسیٰ کا نزول متاخر نہ ہو، ورنہ ان کے دل ایک دوسرے سے جدا ہیں اور باہمی نفرت اپنی جگہ موجود ہے۔ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ کے ورلڈ ٹریڈ ٹاورز پر جو حملہ ہوا وہ حقیقت میں یہود نے کروایا تھا۔ یہ حقیقت امریکی عوام پر جلد روشن ہونے والی ہے تب امریکہ میں یہود کے خلاف پائی جانے والی نفرت کی چنگاری شعلہ بن کر بھڑک اٹھے گی اور یہود پہ امریکہ کی سرزمین تنگ ہو جائے گی اور فَاَغْرَیْنَا بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ؕ کا جلوہ پھر نمودار ہوگا۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ

اے اہل کتاب! تحقیق تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا ہے جو تم پر بہت سی وہ آیات ظاہر کرتا ہے جو تم

تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ

کتاب میں سے چھپاتے تھے اور بہت سے درگزر کرتا ہے، [38] تحقیق تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آگیا

وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ۝۱۵ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ

اور روشن کتاب [39] اللہ اس کے ذریعے ان لوگوں کو جو اس کی رضا پر چلیں سلامتی کے راستوں کی ہدایت دیتا ہے

وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۱۶

اور انہیں تاریکیوں سے اپنے اذن کے ساتھ نور کی طرف نکالتا ہے اور انہیں سیدھے راستے کی راہنمائی فرماتا ہے۔ [40]

[38] حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار یہود نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زنا کی سزا کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا تمہیں تورات اتارنے والے رب کی قسم! کیا تورات میں شادی شدہ زنا کار مرد و عورت کے لیے رجم کی سزا مقرر نہیں؟ وہ کہنے لگے ہاں مقرر تو ہے مگر ہمارے ہاں جب زنا عام ہو گیا تو ہم نے رجم کی جگہ سر مونڈنا اور منہ کالا کرنا زنا کی سزا مقرر کر دی۔ تب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی: يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ (ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۵۰۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے اہل کتاب! تم اپنی تورات میں سے جو چیزیں چھپاتے تھے رسولِ برحق محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا بہت حصہ ظاہر کرتے ہیں اور بہت سا وہ ہے جس سے وہ چشم پوشی کرتے ہیں کیونکہ وہ تم سے بحث و مباحثہ میں اپنا وقت ضائع کرنے کی بجائے اسے تبلیغ دین پر صرف کرنا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی کتابوں کا علم بھی رکھتے ہیں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ رجم شرعی سزا ہے۔

نورانیتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

[39] تمام ثقہ ائمہ تفسیر نے یہاں نور سے مراد حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ مراد لی ہے اور کتاب سے مراد قرآنِ مجید کو لیا ہے۔ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۱۱ھ فرماتے ہیں: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ یعنی محمداً صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (تفسیر جامع البیان للطبری جلد ۴ صفحہ ۹۰)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ٦٠٦ھ فرماتے ہیں:

وفیه اقوال الاول ان المراد بالنور محمد وبالکتاب القرآن، اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں، پہلا قول یہ ہے کہ نور سے مراد محمد ﷺ ہیں اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ٢ صفحہ ٣٢٧ مطبوعہ دار الحدیث ملتان)

امام محی الدین بغوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ٥١٦ھ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ یعنی محمداً ﷺ۔ (تفسیر معالم التنزیل جلد ٢ صفحہ ٢٨ مطبوعہ دار الفکر بیروت) امام خازن علیہ الرحمہ متوفی ٧٢٥ھ نے بھی امام بغوی کے الفاظ دہرائے ہیں۔

عارف باللہ امام احمد صاوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ١٢٢٣ھ فرماتے ہیں:

وسُمّی نوراً لانه اصلُ کلِ نور حسی و معنوی حضور ﷺ کا نام نور رکھا گیا کیونکہ آپ ہر حسی و معنی نور کی اصل ہیں۔ (تفسیر صاوی علی حاشیہ جلالین جلد ا صفحہ ٢٧٠)

علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ عَظِيْمٌ وَ هُوَ نُوْرُ الْاَنْوَارِ وَالنَّبِيُّ الْمُخْتَار۔ حضور ﷺ اللہ کی طرف سے نور عظیم بن کر آئے تو آپ نور الانوار اور نبی مختار ہیں۔ (تفسیر روح المعانی جلد ٦ صفحہ ٩٨ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

عارف ربانی امام اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ١١٣٧ھ فرماتے ہیں:

وَسُمِّيَ نُوْراً لِاَنَّ اَوَّلَ شَيْءٍ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ مِنْ ظُلْمَةِ الْعَدَمِ كَانَ نُوْرَ مُحَمَّدٍ آپ ﷺ کو اس لیے نور کہا گیا کہ ظلمت عدم سے جس چیز کو اللہ نے سب سے پہلے ظاہر کیا وہ نور محمد (ﷺ) تھا۔

(تفسیر روح البیان جلد ٢ صفحہ ٣٧٠ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ سے ذاتِ رسول ﷺ کا مراد ہونا علماء دیوبند کی زبان سے

علماء دیوبند میں سے مولانا رشید احمد گنگوہی کہتے ہیں:

مراد از نور ذاتِ حبیب خدا ﷺ است۔ اس آیت میں نور سے حبیبِ خدا ﷺ کی ذات مراد ہے۔

(امداد السلوک صفہ ٨٦)

مولانا اشرف علی تھانوی کہتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ کی شان مطہر کے بہت مناسب ہے کہ نور سے مراد آپ ہوں۔ (رسالہ النور صفحہ ٣١)

مولانا رشید احمد گنگوہی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے خود کو اس قدر مطہر کر لیا کہ نورِ خالص بن گئے اور اللہ نے آپ کو نور کہہ کر پکارا۔ (امداد السلوک صفحہ ٨٥)

سب سے پہلے نورِ محمدی ﷺ بنایا گیا، پھر اس سے سارا جہان پیدا فرمایا گیا

معلوم ہوا حضور سید کائنات ﷺ اس لیے نور ہیں کہ اللہ رب العزت نے سب سے پہلے آپ کا نور تخلیق فرمایا۔ اس کے بعد اس سے سارا جہان بنایا اور یہ چیز احادیث سے بھی ثابت ہے۔

امام عبدالرزاق جو بخاری و مسلم کے استاذ اور امام احمد بن حنبل کے استاذ الاستاذ ہیں مصنف عبدالرزاق میں اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ نے سب سے پہلے کیا چیز بنائی آپ نے فرمایا: هُوَ نُورُ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ۔ ''اے جابر! وہ تمہارے نبی کا نور تھا۔''

آگے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس نور کو اللہ نے اپنے سامنے مقامِ قرب میں بارہ ہزار برس تک کھڑا رکھا اور وہ نور اللہ کی حمد و ثنا کہتا رہا، پھر اللہ نے اس نور کے چار حصے کیے ایک سے عرش و کرسی، ایک سے حاملین عرش ایک سے زمین و آسمان کو بنایا اور ایک کے مزید چار حصے کیے اور ان سے مزید کائنات پیدا کی۔ آگے طویل حدیث ہے۔

(المصنف بتحقیق دکتور عیسیٰ بن عبداللہ حمیر کتاب الایمان باب تخلیق نور محمد ﷺ جزء مفقود صفحہ ۶۳ حدیث ۱۸ مطبوعہ موسسۃ الشرف لاہور)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! متىٰ وجبتْ لكَ النُّبوّةُ آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی۔ (حاصل ہوئی)؟ آپ نے فرمایا: وآدمُ بينَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ اس وقت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (ترمذی ابواب المناقب جلد دوم صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ کراچی)

امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ یعنی جس وقت آدم علیہ السلام ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ کا نور اس وقت بھی تھا اور وصفِ نبوت سے متصف تھا۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كُنتُ عبدَ اللهِ وخاتمَ النبيّين وآدمُ لمُنجدلٌ فى طِينتِه۔ ''میں اللہ کا بندہ اور خاتم النبین تھا اور آدم علیہ السلام کا خمیر ابھی گوندھا جا رہا تھا۔'' (مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۲۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: كُنتُ اوّلَ النّبيّينَ فى الخَلقِ وآخِرَهُم فى البَعثِ، ''میں تخلیق میں سب انبیاء میں سے اول ہوں اور بعثت میں ان میں سب سے آخری۔''

(ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۱۱۶ حدیث ۱۷۵۹۴ مطبوعہ مکتبہ نزار مکہ مکرمہ)

یعنی حضور سید عالم ﷺ آدم علیہ السلام سے بھی تخلیق میں پہلے ہیں اور اس کا یہی معنی ہے کہ آپ کا نور تمام انبیاء سے پہلے بنایا گیا اور اسے وصف نبوت سے متصف کیا گیا۔

ان تمام احادیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا نور اللہ رب العزت کی سب سے پہلی تخلیق ہے۔ پھر اسی سے اللہ تعالیٰ نے باقی تمام جہان تخلیق فرمایا۔

نورِ محمدی ﷺ کا پہلی تخلیق ہونا اقوال ائمہ دین کی روشنی میں

حضرت مجدد الف ثانی قندیل نورانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

جاننا چاہیے کہ خلق محمدی دوسرے افراد انسانی کی طرح نہیں ہے بلکہ عالم کے کسی فرد کی پیدائش سے اس کی مناسبت نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ باوجود عنصری پیدائش کے اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: خُلِقتُ مِن نورِ اللہ ''میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں۔''

(مکتوبات امام ربانی دفتر سوم حصہ دوم جلد سوم مکتوب ١٠٠ صفحہ ١٥٥٣ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کراچی)

شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سیرت مصطفی ﷺ کا بیان ان الفاظ سے شروع فرماتے ہیں:

بدانکہ اول مخلوقات وواسطۂ صدور کائنات وواسطۂ خلق عالم وآدم نور محمد است ﷺ، چنانچہ در حدیث صحیح وارد شدہ: اوّلُ ما خلق اللہُ نوری، وسائر مکونات علوی سفلی ازاں نور واز اں جوہر پاک پیدا شدہ۔

یعنی جاننا چاہیے کہ جس کو تمام مخلوقات سے اول پیدا کیا گیا، تمام کائنات جس کے واسطہ سے پیدا ہوئی اور سارا عالم اور حضرت آدم جس کے واسطہ سے پیدا ہوئے وہ نور محمد ﷺ ہے اور تمام کائنات ارضی وسماوی اسی نور اور اسی جوہر پاک سے معرض وجود میں آئی۔ کیونکہ حدیث صحیح میں وارد ہوا کہ فرمایا: ''اللہ نے جو چیز سب سے پہلے پیدا کی وہ میرا نور تھا۔''

(مدارج النبوت جلد ٢ صفحہ ٢ قسم دوم باب اول)

شارح بخاری امام احمد بن محمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ٩٢٣ھ سیرت مصطفی ﷺ اپنی مشہور زمانہ کتاب المواہب اللدنیہ کی ابتداء ان الفاظ سے فرماتے ہیں:

لما تعلقت ارادة الحق تعالى بايجاد خلقه ابرز الحقيقة المحمدية من الانوار الصمدية فى الحضرة الاحدية ثم سلخ منها العوالم كلها علوها وسفلها على صورة حكمه، كما سبق فى سابق ارادته وعلمه ثم اعلمه الله تعالى بنبوته وبشّره برسالته، هذا وآدم لم يكن الا كما قال: بين الروح والجسد ثم انبجست منه عيون الارواح، فهو الجنس العالى على جميع الاجناس والاب الاكبر لجميع الموجودات والناس،

جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ اپنی مخلوق کو پیدا کرے تو اس نے حقیقت محمدیہ کو انوار صمدیت سے بارگاہ احدیت میں پیدا کیا۔ پھر اس میں سے تمام عالم ارضی وسماوی کو نکالا۔ اس نور کی صورت اس وقت وہی تھی جو اللہ کی ارادہ وعلم میں تھی۔ پھر اللہ نے اس نور کو اس کا نبی ہونا بتایا اور اسے رسالت کی بشارت دی۔ اس وقت آدم علیہ السلام ابھی آب وگل کی منزل میں تھے، اس کے بعد اس سے ارواح کے تمام چشمے پھوٹے۔ تو وہ حقیقت محمدیہ تمام اجناس کی جنس عالی ہے اور تمام موجودات اور سب انسانوں کا سب سے بڑا باپ ہے۔ (مواہب لدنیہ جلد اول مقصد اول صفحہ ٥٥ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

صاحب روح المعانی علامہ سید محمود آلوسی بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

وکونه رحمة للجمیع باعتبار انه علیه الصلوة والسلام واسطة الفیض الالهی علی الممکنات علی حسب القوابل ولذا کان نوره اول المخلوقات، ففی الخبر اول ما خلق الله تعالی نور نبیك یا جابر، وجاء: الله المعطی وانا القاسم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام کائنات کے لیے رحمت ہونا اس معنی کا اعتبار ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام ممکنات کے لیے اپنی اپنی قابلیت کے مطابق فیض الٰہی کے ملنے کا واسطہ ہیں۔ اسی لیے آپ کا نور سب سے پہلی مخلوق ہے۔ تو حدیث طیبہ میں ہے: اے جابر! اللہ نے جو چیز سب سے پہلے بنائی وہ تیرے نبی کا نور تھا اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ فرمایا: اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ (تفسیر روح المعانی جلد ١٧ صفحہ ١٠٥ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

عارف کامل حضرت شاہ عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے والد اور حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دادا ہیں، فرماتے ہیں:

ازعرش تا بفرش وملائکہ علوی وجنس سفلی ہمہ ناشی از اں حقیقت محمدیہ است، وقول رسول مقبول اول ماخلق اللہ نوری وخلق اللہ ماخلق اللہ من نوری وقولہ لولاک لما خلقت الافلاک وقولہ لولاک لما اظہرت ربوبیتی،

یعنی عرش سے فرش تک تمام ملائکہ آسمانی اور مخلوق ارضی سب کا ظہور اسی حقیقت محمدیہ سے ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں کہ اللہ نے سب سے قبل میرا نور پیدا کیا اور اللہ نے جو بھی پیدا کیا میرے نور سے کیا اور اللہ نے فرمایا: اے پیارے! اگر میں تمہیں نہ پیدا کرتا تو آسمان بھی نہ پیدا کرتا۔ اے پیارے رسول! اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیت کا اظہار نہ کرتا۔ (انفاس رحیمیہ صفحہ ١٣)

امام محمد بن محمد عبدری فاسی مالکی مصری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ٧٣٧ھ امام ابوعبدالرحمان الصقلی رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

و ذالك ان الله تبارك وتعالی خلق نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم قبل خلق آدم بالفی عام وجعله فی عمود امام عرشه یسبح الله ویقدسه ثم خلق آدم من نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم علیہ السلام سے دو ہزار برس قبل نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تخلیق فرمایا اور اسے اپنے عرش کے سامنے ایک عمود میں رکھا، وہ اللہ کی تسبیح وتقدیس کرتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آدم علیہ السلام کو تخلیق کیا۔
(المدخل جلد دوم صفحہ ٣٠ فصل فی المولد مطبوعہ دار الفکر بیروت)

الغرض تمام ائمہ دین اور فقہاء ومحدثین ہمیشہ یہی اعتقاد رکھتے آئے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک اللہ نے سب سے قبل تخلیق فرمایا اور اس میں سے سارا جہان بنایا۔

اور جہاں حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے سب سے قبل عرش کو یا قلم کو پیدا کیا تو وہ اولیت اضافی ہے۔ کیونکہ جہاں

حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے سب سے قبل قلم کو پیدا کیا تو وہاں یہ بھی ہے کہ قلم سے کہا کہ لکھ دو جو ہو چکا اور جو ابد تک ہوگا۔ (مشکوۃ بروایت ترمذی)

معلوم ہوا کہ قلم سے پہلے بھی کچھ ہو چکا تھا۔ جبکہ حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کے مطابق لوح وقلم اور عرش وکرسی سب چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے پیدا کی گئیں۔ اس طرح کہ اللہ نے نورِ محمدی کو چار جگہ بانٹا، ایک حصہ سے عرش بنایا، ایک سے کرسی بنائی، ایک سے حاملین عرش وخازنین کرسی بنائے، پھر چوتھے حصہ کو چار جگہ میں بانٹا، ایک حصے سے قلم کو بنایا۔ الخ
(الجزء المفقود من مصنف عبدالرزاق کتاب الایمان باب تخلیق نور محمد حدیث ١٨)

تو عرش کے تخلیق اول ہونے کا یہ معنی ہے کہ نورِ محمدی کی تخلیق کے بعد جب اس کی پہلی تقسیم کی گئی تو سب سے پہلے عرش کو بنایا گیا اور قلم کے تخلیق اول ہونے کا یہ معنی ہے کہ جب تقسیم ثانی کی گئی تو سب سے پہلے قلم کو بنایا گیا۔

نورِ محمدی کا تخلیق اول ہونا علماء دیوبند کے اقوال سے

یہاں مولانا رشید احمد گنگوہی جو اکابر علماء دیوبند میں سے ہیں، اس موضوع پہ لکھتے ہیں:

از یں جاست کہ حق تعالی درشان حبیب خود فرمودہ کہ البتہ آمد نزد شما از طرف حق تعالی نور وکتاب مبین، ومراد از نور ذات پاک حبیب خداست، ونیز او تعالی فرماید کہ اے نبی ترا شاہد ومبشر ونذیر وداعی الی اللہ وسراج منیر فرستادہ ایم،

یعنی اسی لیے اللہ تعالی نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرمایا کہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آگئی اور نور سے مراد ذات پاک حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اسی لیے اللہ تعالی آپ کے بارے میں فرماتا ہے کہ ہم نے آپ کو گواہ، مبشر، نذیر داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے۔

چند سطور بعد مولانا رشید احمد گنگوہی مزید لکھتے ہیں:

حضرت صلوات اللہ علیہ فرمودہ کہ حق تعالی مرا از نور خود پیدا فرمود ومومنین را از نور من پیدا فرمود،

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ حق تعالی نے مجھے اپنے نور سے پیدا کیا اور تمام مومنین کو میرے نور سے بنایا۔

کچھ سطور بعد مزید لکھا:

وبتواتر ثابت شد کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سایہ نہ داشتہ، وظاہر است کہ بجز نور ہمہ اجسام ظل می دارند،

یعنی یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سایہ نہیں رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں۔ (امداد السلوک صفحہ ٨٥ تا ٨٦)

مولانا حسین احمد صاحب دیوبندی مکتب فکر کا اجماعی نقطۂ نظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہمارے اکابر کے اقوال وعقائد کو ملاحظہ فرمائیے یہ جملہ حضرات ذاتِ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیشہ سے ہمیشہ تک واسطہ فیوضات الٰہیہ وسراب رحمت غیر متناہیہ اعتقاد لیے بیٹھے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ازل سے ابد تک جو رحمتیں عالم پر ہوئی

ہیں اور ہونگی عام ہے کہ وہ نعمت وجود کی ہو یا کسی اور قسم کی ان سب میں آپ کی ذات پاک اس طرح واقع ہوئی ہے کہ پہلے آفتاب سے نور چاند میں آیا اور چاند سے نور ہزاروں آئینوں میں۔ غرضیکہ حقیقت محمدیہ واسطہ جملہ کمالات عالم وعالمیاں ہے۔ یہی معنی لولاك لما خلقت الافلاك اور اول ما خلق الله نوری اور انا نبی الانبیاء کے ہیں۔ (الشہاب الثاقب صفحہ ۵۰)

نورانیتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ مفسر کی لکھی ہوئی ایک خوبصورت نعت مبارک

نورِ وحدت سے اک نور لایا گیا — اور اس سے محمد بنایا گیا
نور احمد کو جب باناخلاق نے — تو اسی سے جہاں کو بسایا گیا
وہ ہیں بنیاد تخلیق ارض وسما — نور سے ان کے شمس وقمر کی ضیاء
وہ ہیں نور اور وہ اصلِ ہر نور ہیں — ان سے ہر نور کو جگمگایا گیا
پڑھو قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ — وہ ہیں نور اور ان سے ہوا ہر ظہور
ان سے ہر بو د وہر جود وموجود ہے — نور سے ان کے ہر نور لایا گیا
وجہِ آدم میں نور ان کا ظاہر ہوا — پھر انگوٹھوں میں ان کے چمکتا رہا
اپنے انگوٹھوں کو خود وہ تھے چومتے — اس لیے اس کو سنت بنایا گیا
پھر پیشانی نوح میں یہ نور آ گیا — جس سے انکا سفینہ کنارے لگا
نارِ نمرود اسی نور نے سرد کی — ہر جگہ اس کا جلوہ دکھایا گیا
جب ہوئے پیدا شافع یوم النشور — چھایا دنیا میں تھا ان کا کچھ ایسا نور
آمنہ بی پہ چمکے تھے شامی قصور — سارے عالم کو یوں جگمگایا گیا
نور بغلوں میں ہے نور دانتوں میں ہے — نور ہاتھوں میں ہے نور پاؤں میں ہے
آپ پر نور اس طرح غالب ہوا — آپ کے جسم اقدس کا سایہ گیا
بشر بھی میرے آقا کی ہے اک صفت — نور بھی میری سرکار کی اک جہت
اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اے طیبؔ تو سن — ان کا رتبہ ہی ہے اک بتایا گیا

نورانیتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ وارد چند شبہات کا ازالہ

پہلا شبہ:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ "اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرمادیں کہ میں تو تمہارے ہی جیسا ایک

بشر ہوں۔" (کہف: ١١٠) جب قرآن حضور ﷺ کو بشر کہہ رہا ہے تو نور ہونے کا کیا امکان ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نور ہونا بشر ہونے کی ضد نہیں ہے۔ نور کی ضد ظلمت ہے۔ فرشتے نور ہیں مگر قرآن کی کثیر گواہیاں ہیں کہ وہ بشر بن کر آتے ہیں، جیسے: فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾ جبریل علیہ السلام سیدہ مریم کے پاس مکمل بشر بن کر آئے۔ (مریم: ١٧)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے انسانوں کی صورت میں اجنبی مہمان بن کر آئے تو آپ ان کے پاس جلدی سے بچھڑا بھون کر لے آئے مگر جب انہوں نے کھانا نہ کھایا تو آپ کو خوف محسوس ہوا انہوں نے کہا: آپ ڈریں نہیں ہم فرشتے ہیں اور قوم لوط پہ عذاب لے کر آئے ہیں۔ (ھود: ٧٠)

پھر یہی فرشتے جب لوط علیہ السلام کے پاس (نوجوان لڑکوں کی صورت میں اجنبی مہمان بن کر) پہنچے تو ان کو شدید خوف لاحق ہوا اور کہا کہ آج کا دن بہت سختی کا ہے۔ تب قوم لوط دوڑتی ہوئی آ گئی، وہ بدکار لوگ تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے کہا اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں (تمہاری بیویاں) تمہارے لیے پاکیزہ تر ہیں تو اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو، کیا تم میں کوئی سمجھدار آدمی نہیں ہے؟ (ھود: ٧٧)

جب فرشتے نور ہو کر بصورت بشر آتے ہیں تو یہ اعتراض کدھر گیا کہ جب رسول اللہ ﷺ بشر ہیں تو نور کیسے ہو گئے؟ حضور سید کائنات ﷺ کا نور سب سے پہلے بنا۔ پھر اس نور سے آدم علیہ السلام بنے اور ان کی نسل میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، گویا رسول اللہ ﷺ کی بشریت بھی آپ کے نور ہی سے پیدا شدہ ہے۔

دوسرا شبہ:

حضور ﷺ کھاتے ہیں پیتے ہیں، شادیاں فرماتے اور اولاد حاصل کرتے ہیں، کیا نور کھا پی سکتا ہے اور کیا اس کی شادی ہو سکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں اگر نور اپنی حقیقی حالت پہ ہو تو وہ کھا پی نہیں سکتا نہ شادی کر سکتا ہے، لیکن اگر اسے انسان بنا کر بھیجا جائے تو وہ یہ سارے کام کر سکتا ہے اور حضور ﷺ حقیقتاً نور الٰہی سے پیدا ہونے کے ساتھ صورتاً انسان بنائے گئے اور آپ کی بشریت میں اسی نور کی جلوہ گری تھی جس کو اللہ نے سب سے پہلے پیدا کیا اور اس سے تمام جہان بنایا، اسی لیے آپ کا سایہ نہ تھا جیسا کہ اس پہ متعدد احادیث شاہد ہیں۔

پھر حقیقتاً نور ہونے کے باوجود حضور ﷺ کا کھانا پینا، شادیاں کرنا، اولاد کا ہونا یہ سب آپ کی نورانیت کے معجزات ہیں۔ اگر آپ کی عقل کو اس پہ اعتراض ہے تو آپ دوسرے معجزات سے انکار کیوں نہیں کر دیتے؟ کیا آپ کی عقل یہ مانتی ہے کہ لکڑی کا عصا بڑے بڑے اژدہاؤں اور شاہتیروں کو نگل سکتا ہے؟ مگر قرآن کہتا ہے: وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿١١٧﴾ "ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اپنا عصا پھینکو، تو ان کے بنائے

ہوئے (سانپوں) کو نگلنے لگا۔'' (اعراف، ۱۱۷)

اگر لکڑی کا عصا بحکمِ الٰہی کھا سکتا ہے اور یہ معجزۂ موسوی ہے تو نور بھی بحکم الٰہی کھا سکتا ہے اور یہ معجزۂ مصطفوی ہے۔ تعجب ہے تمہیں معجزۂ موسوی قبول ہے معجزۂ مصطفوی قبول نہیں، تم نبی اسرائیل میں سے ہو یا امت محمدیہ میں سے؟ کیا آپ کی عقل یہ مانتی ہے کہ پہاڑ سے اونٹنی جنم لے سکتی ہے؟ اگر صالح علیہ السلام کی اونٹنی پہاڑ سے جنم لے سکتی ہے اور یہ معجزۂ صالح علیہ السلام ہے تو نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اولاد کا ہونا بھی معجزۂ مطفوی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب زمین پہ تھے تو آپ کی نورانیت کے معجزات ظاہر ہوتے رہے کہ آپ نے نور ہو کر کھایا، پیا، شادی کی، اولاد ہوئی، آپ پہ جملہ بشری عوارض طاری ہوئے، یہ سب نورانیت کے معجزات تھے، مگر جب آپ کو شب معراج عرش پہ بلایا گیا تو یہ آپ کی بشریت کا معجزہ تھا کہ آپ بشر ہو کر آسمان پہ گئے، بشر ہو کر آسمانوں کو طے کیا، بشر ہو کر کرۂ نار اور کرۂ برد کو عبور کیا، پھر وہاں گئے کہ نوریوں کا امام بھی ساتھ نہ جا سکا، وہاں آپ کی بشریت گئی۔

تیسرا شبہ:

تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نور بھی مانتے ہو اور حاضر و ناظر بھی، تو پھر ہر جگہ نور ہی نور ہونا چاہیے، تو اندھیرا کیوں ہوتا ہے؟

یہ سوال کیا ہی بیہودہ ہے۔ دو فرشتے ہر انسان کے دائیں اور بائیں کندھے پہ موجود ہیں، مسجدوں میں حدیث کے مطابق فرشتے ہوتے ہیں، اور نمازی کو دائیں بائیں سلام کہتے ہوئے فرشتوں کو بھی اپنی نیت میں شامل کرنا چاہیے اور فرشتے نور ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ہے: خُلقتِ الملائکۃُ من نور کہ فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔ (مسلم کتاب الزہد حدیث ۶۰، مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۵۸) تو دنیا میں فرشتوں کی موجودگی کے باوجود اندھیرا کیوں ہوتا ہے، اللہ کو بھی قرآن نے بصورت نور پیش کیا ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اور اللہ ہر جگہ موجود ہے تو پھر اندھیرا کیوں ہوتا ہے؟

چوتھا شبہ:

بعض جہلاء نے یہ بھی کہا کہ ہم کلمہ میں پڑھتے ہیں: اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ، اور عبد اسے کہتے ہیں جو جسم رکھتا ہو یعنی انسان ہو۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نور کہا گیا تو آپ عبد کیسے رہے؟ یہ سوال ایک شخص برطانیہ میں ایک ٹی وی پہ بیٹھ کر اٹھا رہا تھا، حالانکہ یہ سوال جہالت کا مرقع ہے، فرشتے عباد الرحمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ط ''مشرکین نے فرشتوں کو جو رحمان کے بندے ہیں عورتیں قرار دیا۔'' (زخرف، ۱۹) بلکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ ''آسمانوں اور زمین میں جو بھی چیز ہے وہ اللہ کے پاس عبد بن کر آتی ہے۔'' (مریم، ۹۳) الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور اور بشر ہونا ہر طرح بے غبار ہے۔

[40] یعنی اللہ تعالیٰ قرآن یا حضور ﷺ کے ذریعے ہر اس شخص کو سلامتی والی سیدھی راہ پر چلاتا ہے اور تاریک راہوں سے بچاتا ہے جو اللہ کی رضا حاصل کرنا چاہے اور جسے یہ طلب ہی نہ ہو اسے کس طرح ہدایت دی جا سکتی ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ
تحقیق ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے [41] آپ فرمائیں تو کون
يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ
اللہ سے کچھ بچا سکتا ہے اگر وہ چاہے کہ مسیح ابن مریم اور ان کی والدہ اور زمین میں
وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ
جو بھی ہے اسے موت دے دے؟ اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین اور جو ان کے مابین ہے کی
يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾
بادشاہی ہے وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے [42] اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

[41] یہود کے بعد نصاریٰ کی گمراہی بتائی جا رہی ہے کہ وہ کہتے ہیں اللہ ہی مسیح ابن مریم بن کر دنیا میں آ گیا ہے۔ اسی سے ان کے ہاں عقیدہ تثلیث نے جنم لیا۔ وہ تین خدا مانتے ہیں باپ بیٹا اور روح القدس اور وہ تینوں کو ایک ہی چیز جانتے ہیں۔ ان کے نزدیک باپ سے اللہ اور بیٹے سے حضرت عیسیٰ مراد ہیں اور روح القدس ان کا باہمی تعلق ہے۔ یوں وہ اللہ ہی کو عیسیٰ ابن مریم قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے المسیح ابن مریم کہہ کر بتایا کہ جو شخص کسی عورت کے پیٹ سے جنم لے، اس کی چھاتی سے دودھ پیئے اور اس کی گود میں پل کر جوان ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے خدا تو جنم لینے کھانے پینے وغیرہ سے پاک ہے۔

معلوم ہوا کہ عیسائی قوم شروع ہی سے شرک میں مبتلا آ رہی ہے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے بعد کچھ عرصہ تک آپ کا چھوڑا ہوا دینِ توحید دنیا میں موجود رہا۔ پھر دوسری صدی عیسوی میں ایک شخص پولس نامی یہود کی سازش سے عیسائیوں میں داخل ہوا اور ان کے ہاں عظیم درجہ حاصل کر لیا، حتیٰ کہ اسے رسول کہا جانے لگا۔ آج بائبل نیو ٹیسامنٹ میں پولس رسول کے متعدد خطوط موجود ہیں۔ اس شخص نے یہ عقیدہ ایجاد کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہی کا ایک روپ تھے، اللہ ہی اُن کے روپ میں دنیا میں آیا۔ یوں عیسائی لوگوں نے حضرت عیسیٰ کو پیغمبر سے اٹھا کر خدائی کے منصب پہ بٹھا دیا۔

[42] یہ الوہیتِ عیسیٰ کی تردید پر دوسری دلیل ہے۔ وہ یہ کہ اگر اللہ حضرت عیسیٰ، ان کی والدہ اور دوسرے تمام انسانوں کو یکدم موت دینا چاہے تو اسے کون روک سکتا ہے؟ گویا الوہیت کے لائق صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے باقی سب اس کے بندے اور اس کے آگے محتاج ہیں۔ آگے اس پر تیسری دلیل یہ ہے کہ آسمان و زمین کی ساری کائنات پر صرف اللہ ہی کی حکومت ہے۔ باقی ہر کوئی اس کا محکوم ہے تو پھر وہ الٰہ کیسے ہو سکتا ہے۔ چوتھی دلیل یہ ہے کہ اللہ جو چاہے پیدا کر سکتا ہے۔ اس کی شان ہے: اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴿۸۲﴾ (یٰسین: ۸۲) لہٰذا اس کے سوا کوئی الوہیت کے لائق نہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ
اور یہود و نصاریٰ نے کہا ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں آپ فرمائیں تو وہ
يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ
تمہیں تمہارے گناہوں کے سبب عذاب کیوں دیتا ہے [43] بلکہ تم اس کی مخلوق میں سے عام سے انسان ہو وہ جسے چاہے بخشے
وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫
اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین اور جو ان کے مابین ہے کی بادشاہی ہے
وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴿۱۸﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى
اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ [44] اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے جو تمہیں بیان فرماتا ہے
فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ
اور وہ رسولوں کی طویل بندش کے بعد آیا ہے [45] تاکہ تم یہ نہ کہو ہمارے پاس تو نہ کوئی بشارت سنانے والا آیا۔
جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴿۱۹﴾ ع
تو تمہارے پاس بشیر و نذیر آ گیا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

[43] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ چند یہود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے انہیں دعوت اسلام دی اور عذاب الٰہی سے ڈرایا وہ کہنے لگے آپ ہمیں ڈراتے ہیں ہم تو اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور عیسائی بھی ایسے ہی کہتے تھے۔ اس لیے یہ آیت مبارکہ اتاری گئی۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۵۰۶)

عیسائی تو واقعتاً اللہ کو اپنا باپ کہہ کر پکارتے ہیں اور خود کو اس کی اولاد ٹھہراتے ہیں اور یہود کا خود کو اللہ کے بیٹے کہنا اس لیے ہے کہ وہ انبیاء کی اولاد ہونے کے ناطے خود کو اللہ کا کنبہ تصور کرتے ہیں۔

ابراہیم نخعی کہتے ہیں تورات میں لکھا تھا: یا ابناء احباری ''اے میرے علماء کے بیٹو!'' یہود نے اسے یوں بدل دیا یا ابناء ابکاری۔ ''اے میری دوشیزاؤں کے بیٹو!'' تو جاہل یہود نے سمجھ لیا کہ وہ اللہ کی دوشیزاؤں کی اولاد ہیں (مظہری) الغرض یہود و نصاریٰ نے سمجھ لیا کہ وہ اللہ کے لیے بمنزل اولاد ہیں اس لیے وہ انہیں کسی صورت عذاب نہیں دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا اگر یہی بات ہے تو اب تک تم پر خدائی عذابات کیوں آتے رہے ہیں۔ یہود کی تاریخ عذابات سے بھری ہوئی ہے۔

[44] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے یہود و نصاریٰ تم اللہ کے محبوب بیٹے نہیں بلکہ اس کی مخلوق میں سے عام سے انسان ہو اور تمہارے لیے بخشش کا پروانہ نہیں لکھ دیا گیا بلکہ بخشش اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب دے اور اس نے فرما دیا ہے کہ وہ شرک معاف نہیں کرے گا اور یہود و نصاریٰ کی بنیاد ہی شرک پر ہے۔ پھر وہ اللہ کے سچے رسول سید الانبیاء ﷺ کی نبوت سے انکار کر کے کس منہ سے بخشش کی بات کرتے ہیں اور کوئی چیز اللہ کی اولاد نہیں بن سکتی بلکہ ہر چیز اللہ کی مخلوق و مملوک ہے آسمان و زمین کی ہر چیز اس کی حکومت و بادشاہی میں ہے۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) خدا کا درست تصور صرف اسلام پیش کرتا ہے۔

نصاریٰ نے اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ کہہ کر اور یہود و نصاریٰ دونوں نے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ کہہ کر اللہ رب العزت کے بارے میں جو تصور پیش کیا وہ بہت افسوس ناک ہے۔ اللہ کا صحیح تصور صرف اسلام پیش کرتا ہے۔ لہٰذا اگر نجات ہے تو صرف دامنِ اسلام میں ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ماننا کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ کہنے کا سختی سے رد فرمایا اور اسے ان کے لیے باعثِ عذاب قرار دیا حالانکہ وہ خود کو حقیقی معنی میں اولاد خدا نہیں کہتے وہ تو خود کو اللہ کے چہیتے اور محبوب بتانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی مفہوم میں مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا کہ اسے اللہ نے فرمایا: انت منی بمنزلۃ اولادی تم میرے لیے میری اولاد کی طرح ہو۔ (حقیقۃ الوحی باب ۴ صفحہ ۸۹ مندرجہ روحانی خزان ۲۲ مطبوعہ لندن) گویا یہود و نصاریٰ اور مرزا قادیانی کے دعوے اور عقائد ایک جیسے ہیں۔

(۳) عمل کے بغیر محض زبانی محبت مردود ہے۔

یہود و نصاریٰ کا زبانی دعویٰ کہ وہ اللہ کے محبوب ہیں لہٰذا بخشے ہوئے ہیں رد کیا گیا۔ آج کئی مسلمان بھی خود کو محض

مسلمان ہونے کے سبب پکے بخشے ہوئے سمجھتے ہیں مگر یہ غلط اندازِ فکر ہے۔

[45] فَتْرَةٍ کا معنی تیزی کے بعد ٹھہراؤ ہے۔ اسی لیے بخار کے وقفے کو بھی فترۃ کہتے ہیں اور شرعی اصطلاح میں دو نبیوں کے درمیانی زمانہ کو فترت کہتے ہیں یعنی جب پہلے نبی کی تعلیمات کا اثر ختم ہو گیا ہو اور نیا نبی نہ آیا ہو تو ایسے درمیانی وقفہ کو فترت کہا جاتا ہے۔ حضور سید عالم ﷺ بھی ایک طویل فطرت کے بعد مبعوث فرمائے گئے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو مسخ کر کے توحید کی جگہ تثلیث اپنالی گئی تھی اور سارا زمانہ کفر و ضلالت کی گہری تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔

[46] یعنی اے اہل کتاب! اگر ہم اپنے آخری رسول محمد عربی ﷺ کو نہ بھیجتے تو تم روز قیامت کہتے ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے اور جنت کی بشارت سنانے یعنی سیدھی راہ دکھانے والا آیا ہی نہ تھا، تو لو اب تمہارے پاس بشیر و نذیر رسول آ گیا ہے۔ اس کے دامن سے وابستہ ہو کر سعادت ابدی حاصل کرلو۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ
اور یاد کرو جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! خود پر اللہ کی یہ نعمت یاد کرو کہ اس نے تم میں
اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ⑳
انبیاء بنائے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ کچھ دیا جو تمام جہانوں میں سے کسی اور کو نہ دیا۔ [47]

دورِ موسوی میں بنی اسرائیل کا جہاد سے انکار اور ان پر اللہ تعالیٰ کی پکڑ

[47] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کو بیت المقدس کی آزادی کے لیے جہاد پر چلنے کا حکم دیا تو انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں تا کہ وہ احساسِ تشکر کیساتھ بخوشی جہاد پر نکلیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں انبیاء کرام بھیجے (موسیٰ علیہ السلام سے قبل بنی اسرائیل میں یعقوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام اور دیگر انبیاء آئے) اور تمہیں بادشاہ بنایا کیونکہ یوسف علیہ السلام مصر میں بادشاہ بنے اور اس کے بعد بنی اسرائیل میں بادشاہت رہی پھر ان کی بداعمالیوں کے سبب ان پر قبطی قوم مسلط ہو گئی۔ فرعون انہی میں سے تھا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے آ کر انہیں فرعون سے آزاد کروایا۔

اسلام میں کسی ظلی یا بروزی نبوت کا کوئی تصور نہیں ہے

یہاں وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا فرمایا مگر وجعلکم انبیاء نہ کہا گیا اس کی بجائے جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ کہا گیا کیونکہ جب کسی قوم سے کوئی بادشاہ بنے تو سب کو بقدر حصہ بادشاہت و حکومت ملتی ہے اور کہا جاتا ہے وہ قوم بادشاہ اور حاکم ہے مگر جب کسی قوم میں سے کسی کو بطور نبی بھیجا جائے تو نبی وہی شخص کہلا سکتا ہے جسے نبوت دی گئی ہو، نہ کہ کوئی اور۔

اگر چہ اس کا فیضان ساری قوم کو حاصل ہوتا ہے۔ یہاں سے ظلی و بروزی نبوت کا مرزائی تصور باطل قرار پاتا ہے، یعنی نبی سے فیض پانے والا نبی کا غلام ہوتا ہے مگر وہ نبی نہیں کہلا سکتا اگر وہ نبی کہلا سکتا ہوتا تو اللہ یہاں وجعلکم انبیاء فرماتا۔

آگے موسیٰ علیہ السلام نے کہا: وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾ اے بنی اسرائیل! اللہ نے تمہیں وہ کچھ دیا ہے جو کسی دوسری قوم کو نہ دیا یعنی تمہیں دولت ایمان دی اور تم میں صحائف اتارے اور انبیاء بھیجے۔ اسی لیے بنی اسرائیل سے کہا گیا: وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا

اے میری قوم! اُس سرزمین مقدس میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لئے لکھی ہے اور پیٹھ پھیر کر نہ پلٹنا

عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا

ورنہ تم نقصان اٹھا کر لوٹو گے۔ [48] کہنے لگے: اے موسیٰ! اس میں تو بڑے طاقتور لوگ

جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا

(رہتے) ہیں اور ہم وہاں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک وہ وہاں سے خود نکل نہ جائیں اگر وہ نکل جائیں تو ہم وہاں ضرور

فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا

داخل ہوں گے۔ [49] تو دو آدمی بولے جو اللہ کا خوف رکھنے والوں میں سے تھے اللہ نے ان پر انعام فرمایا تھا

ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۬ۚ وَعَلَى اللّٰهِ

(کہنے لگے) تم ان پر دروازہ میں سے (یکدم) داخل ہو جاؤ جب تم داخل ہو گے تو تم ہی غالب ہو گے اور اللہ پر

فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾

بھروسہ رکھو اگر تم اہل ایمان ہو۔ [50]

[48] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے بنی اسرائیل! بیت المقدس کی سرزمین تمہارے لیے اللہ نے لکھ دی ہے وہ تمہیں ضرور ملے گی مگر تمہیں اس کے لیے جہاد کرنا پڑے گا لہٰذا جہاد سے منہ موڑ کر نہ بھاگنا ورنہ تم خدائی پکڑ میں آ جاؤ گے۔ یہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ بیت المقدس بنی اسرائیل کا آبائی علاقہ تھا۔ یہیں ابراہیم علیہ السلام نے رہائش فرمائی، یہیں ان کا مزار ہے۔ یہی حضرت اسحاق و یعقوب علیہما السلام کا مسکن تھا پھر جب یوسف علیہ السلام کی مصر پر حکومت قائم ہوئی تو بنی اسرائیل مصر

آ گئے۔ پھران پر قبطی مسلط ہوگئے۔آ خر موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں فرعون کو ہلاک کیا گیااورآپ انہیں آزادی دلا کران کے آبائی وطن کی طرف لے چلے جہاں ایک کافرقوم عمالقہ غالب آ گئی تھی اور حکم فرمایا کہ ان سے جہاد کر کے انہیں وہاں سے نکالواوراپنا کھویا ہواوطن دوبارہ حاصل کرو۔

یعنی یہ بنی اسرائیل کے لیے عظیم سنہری موقع تھا کہ وہ اپنی کوتاہیوں اورلغزشوں کا کفارہ ادا کر کے اللہ کی رضا حاصل لیتے۔اللہ رب العزت کا جلیل القدر پیغمبران کے ساتھ تھا، جس پہ اللہ کا کلام اترتا تھا یعنی وہ اللہ رب العزت سے براہ راست کلام فرماتا تھا اورخود اللہ رب العزت نبی اسرائیل سے فرمارہا تھا کہ اے نبی اسرائیل! اللہ نے ارضِ مقدس تمہارے لیے لکھ دی ہے بس تمہارا کام ہے اللہ کا نام لے کرمیدان میں اترنا، آگے کامیابی دینا اورارضِ مقدس میں تمہیں داخل کرنا اللہ کا کام ہے۔مگراس قوم پہ بدبختی سوارتھی، ان کومرضی الٰہی نہیں ملنی تھی نہ ملی اور یہ لوگ میدان تیہ میں چالیس برس کے لیے بھٹکا دیے گئے۔جیسا کہ اگلی آیات میں اس کی وضاحت آرہی ہے۔اس کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان لوہے سے مضبوط اور پہاڑوں سے بلندنظرآتا ہے۔انہیں جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی میدان میں اتاراانہوں نے جان فروشی کی عظیم داستانیں رقم ڈالیں۔

[49] بستی بیت المقدس کواس وقت اریحا کہا جاتا تھا آج کل اسے یروشلم کہا جاتا ہے۔اس پرقوم عمالقہ کا قبضہ ہوگیا تھا جوطویل القامت مضبوط تن وتوش کے مالک اور بڑے جنگ جو تھے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں سے بارہ نقباء مقرر کیے جنہوں نے جا کرقوم عمالقہ کی قوت وشوکت کا اندازہ کیا اور باہم عہد کیا کہ واپس جا کرصرف موسیٰ علیہ السلام کو بتایا جائے کسی اورکونہیں، تا کہ بنی اسرائیل گھبرانہ جائیں۔

مگران میں سے صرف دوآدمی یوشع بن نون اورکالب بن یوقنا نے خاموشی اختیار کی، باقی سب نے جا کراپنے اپنے قبیلہ کوعمالقہ کی قوت وشوکت سے آگاہ کردیا۔بنی اسرائیل نے ڈر کے مارے چیخنا چلانا شروع کردیا اور کہا ہم تو وہاں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک عمالقہ وہاں سے خودنہ نکل جائیں کاش ہم مصر ہی میں مرجاتے۔موسیٰ ہمیں دشمن کے ہاتھوں مروانے کے لیے لایا ہے۔

[50] حضرت یوشع بن نون اورکالب بن یوقنا نے بنی اسرائیل سے کہا تم ڈرونہیں اللہ پر بھروسہ کر کے بیت المقدس پر یکبارگی حملہ کرواوردروازہ توڑ کرداخل ہوجاؤ، بزدل عمالقہ تمہارا مقابلہ نہیں کرسکیں گے۔یعنی ایمانی قوت کے مقابلہ میں ان کی جسمانی قوت وشوکت کا کچھ وزن نہیں کیونکہ جس کے ساتھ اللہ ہواس پرکوئی غالب نہیں آسکتا۔اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اورخلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی تمام زندگیاں اس حقیقت کےنور سے منور ہیں کہ انہوں نے اللہ پہ بھروسہ کر کے جدھر رخ کیا کامیابیوں نے آگے بڑھ بڑھ کران کےقدم چوم لیے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ

(بنی اسرائیل) کہنے لگے: اے موسیٰ! ہم وہاں کبھی داخل نہ ہوں گے جب تک وہ لوگ وہاں ہیں تو آپ جائیں اور آپ کا

فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ

رب جائے اور دونوں جا کر لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔[51] آپ نے کہا: اے میرے رب! میرے اختیار میں تو صرف میری جان ہے

فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ

اور میرا بھائی ہے تو تو ہمارے اور مجرم قوم کے درمیان جدائی ڈال دے۔[52] اللہ نے فرمایا: تو یہ ارض مقدس ان لوگوں پر

اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۗ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾

چالیس برس تک حرام کی گئی ہے (اتنا عرصہ) یہ لوگ زمین میں بھٹکتے رہیں گے تو آپ بدکار قوم پر افسوس نہ کریں۔[53]

[51] بنی اسرائیل پر یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا کی مذکورہ ایمان افروز باتیں بھی اثر انداز نہ ہوئیں اور وہ کہنے لگے اے موسیٰ! ہم تو بستی اریحا میں کبھی نہ داخل ہونگے۔ البتہ اگر آپ کو اس کی فتح کا بہت شوق ہے تو آپ جائیں اور اپنے رب کو بھی ساتھ لے جائیں۔ ہم یہاں بیٹھے تم دونوں کی کامیابی کا انتظار کریں گے۔

عظمتِ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے وقتِ جہاد آنے پر صاف جواب دیدیا مگر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر پہلی جنگ (بدر) کا موقع آیا تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں ہیں جو کہہ دیں کہ جایئے آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ جہاں تک جائیں گے ہم ساتھ جائیں گے۔ (بخاری)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر آپ ہمیں سمندر میں چھلانگ لگانے کا حکم فرمائیں تو ہم لگا دیں گے۔ (مدارج النبوۃ)

چنانچہ ان کے اسی جذبہ جہاد کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ بدر سے قبل ان کے بارے میں فرمایا اے اللہ! اگر یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہوگئی تو قیامت تک تیری عبادت نہ کی جائے گی۔ (مسلم کتاب الجہاد)

اور کتب شیعہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے، مثلاً اہل تشیع کے ہاں بہت معتبر محدث شیخ علی بن ابراہیم قمی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آغاز جنگ سے قبل فرمایا: یا رب ان تھلك هذه العصابة لا تُعبدُ ابدا۔ اے میرے رب! اگر یہ چھوٹی سی جماعت ہلاک ہوگئی تو تجھے کبھی نہیں پوجا جائے گا۔ (تفسیر قمی سورہ انفال صفحہ ۲۴۴ مطبوعہ ایران)

شیعہ لوگوں سے گذارش ہے کہ وہ پہلے انبیاء کے اصحاب کا حال بھی دیکھیں اور اصحابِ مصطفی ﷺ کا جذبہ جہاد اور نگاہِ نبوت میں ان کا مقام بھی دیکھیں۔ پھر غور کریں کہ وہ ان صحابہ کرام کو کیوں گالیاں دیتے ہیں جن کی وجہ سے آج جہان میں اللہ کی عبادت ہو رہی ہے۔

کفار پر غلبہ کے لیے ہتھیار سے زیادہ رحمتِ پروردگار چاہیے

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝۲۳ سے معلوم ہوا اللہ پر بھروسہ ہی مومن کی اصل طاقت ہے نہ کہ تیر و تلوار، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝۱۳۹ آج ہم بھی بنی اسرائیل کی طرح دشمنانِ اسلام سے خوفزدہ ہیں اور یہ صرف ایمان کی کمی ہے۔

[52] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی جہاد سے روگردانی سے جھنجھلا کر عرض کیا۔ اے میرے رب! میرے اختیار میں میری جان اور میرا بھائی ہارون ہے۔ ہم دونوں جہاد کے لیے تیار ہیں۔ رہے باقی بنو اسرائیل تو وہ ہمارے اختیار سے باہر ہیں۔ لہٰذا اے اللہ! ہمارے اور ان بدکار لوگوں کے مابین جدائی ڈال دے یعنی روزِ قیامت یہ ہمارے ساتھ میں نہ ہوں یا دنیا ہی میں انہیں ہم سے الگ کر دے۔ چنانچہ میدان تیہ میں قیام کے دوران ہی موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا وصال ہو گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے اور بنی اسرائیل کے درمیان واقعتاً جدائی ڈال دی۔

[53] اللہ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام اس بدبخت قوم پر سرزمین بیت المقدس چالیس برس تک حرام کر دی گئی ہے۔ اب یہ لوگ اتنا عرصہ صحرا سینا کے ریگستان میں بھٹکتے رہیں گے، ان کی یہی سزا ہے لہٰذا آپ ان پر افسوس نہ کریں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے طویل عرصہ بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی سرپرستی میں بنی اسرائیل نے چالیس سال کی سزا سے رہائی پا کر بیت المقدس پر حملہ کیا اور عمالقہ کو وہاں سے باہر نکالا۔ کچھ عمالقہ عذابِ الٰہی سے مارے گئے۔ باقی کو بنی اسرائیل کے ہاتھوں مارا گیا۔ اسی موقع پر یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے سورج کو ڈوبنے سے روکا گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو ان کی حکم عدولی کی سزا دی گئی۔ اگر وہ جہاد کا حکم پہلے مان لیتے تو چالیس برس تک صحراؤں میں نہ بھٹکتے رہتے۔ اس میں ہمارے لیے درس ہے۔ جب تک ہم اسلام دشمن طاغوتی طاقتوں سے ڈرتے رہیں گے ذلت و خواری کے تیہ میں بھٹکتے رہیں گے۔ اگر ہم ان کے مقابلہ میں متحد ہو کر کھڑے ہو جائیں تو میدان ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔

اور قرآن کریم میں یہ واقعات اسی لیے بیان کیے گئے ہیں تاکہ ہم ان کے آئینے میں اپنی شکل دیکھیں۔ اگر ہمیں اس میں اپنی صورت نظر آئے تو پھر ہمیں اپنے کردار کا محاسبہ کرنا چاہیے۔

وقف لازم

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ

اے نبی! (ﷺ) آپ لوگوں کو آدم (علیہ السلام) کے دو بیٹوں کی خبر سچ کے ساتھ سنائیں، جب دونوں نے

اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ

قربانی پیش کی تو ایک کی قربانی قبول ہوگئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی [54] اس نے کہا میں تمہیں ضرور قتل کروں گا،

النصف

اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۲۷ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ

اس نے جواب دیا اللہ تو پرہیزگاروں کا عمل قبول کرتا ہے۔ اگر تم میری طرف ہاتھ بڑھاؤ گے کہ مجھے قتل کرو تو میں

يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۸ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ

تمہاری طرف ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا کہ تمہیں قتل کروں [55] میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو پروردگار کائنات ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ

تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝۲۹ ۚ

تم (اللہ کی طرف) میرا اور اپنا گناہ لے کر لوٹو اور اہل جہنم میں سے بنو اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔ [56]

قابیل کا ہابیل کو قتل کرنا اور قتل کا گناہ

[54] گزشتہ رکوعات میں یہود کی اخلاقی واعتقادی خرابیاں بیان کی جا رہی تھیں اور ان کی نمایاں خرابی حسد ہے جس کی وجہ سے وہ قتلِ انبیاء سے بھی باز نہ آئے۔ اس لیے اب قصہ قابیل وہابیل بتایا جا رہا ہے کہ قابیل نے حسد کے مارے اپنے بھائی کو قتل کیا اور یوں اہل زمین کے لیے باب فساد کھولا۔ گویا یہود قابیل کے پیروکار ہیں کہ حسد کے سبب قتل وغارت سے باز نہیں آتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں ہر سال دو بچے پیدا ہوتے تھے ایک لڑکا ایک لڑکی۔ آپ پہلے جوڑے کے لڑکے کا نکاح دوسرے جوڑے کی لڑکی سے اور پہلے جوڑے کی لڑکی کا نکاح دوسرے جوڑے کے لڑکے سے کر دیتے۔ آپ کے ہاں سب سے پہلے جوڑے میں قابیل اور اس کی بہن پیدا ہوئی۔ دوسرے جوڑے میں ہابیل اور اس کی بہن، ہابیل کی بہن خوبصورتی میں قابیل کی بہن سے کم تر تھی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے ہابیل کا نکاح قابیل کی بہن سے کرنا چاہا تو قابیل نے انکار کر دیا۔ اس نے کہا میری بہن زیادہ خوبصورت ہے میں اس سے خود نکاح کروں گا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا تمہاری بہن تمہارے لیے حلال نہیں مگر وہ نہ مانا۔ تب آپ نے قابیل وہابیل دونوں کو قربانیاں پیش کرنے کا حکم دیا اور فرمایا جس کی قربانی قبول ہوگئی وہی

اقلیمہ (قابیل کی بہن) سے شادی کرے گا۔

یہ کہہ کر آدم علیہ السلام کعبۃ اللہ کی حاضری کے لیے چلے گئے۔ بعد میں قابیل وہابیل نے اپنی اپنی قربانی پیش کی۔ قابیل کسان تھا۔ وہ چند خوشے لایا اور ہابیل چرواہا تھا وہ موٹا تازہ دنبہ لایا۔ آسمان سے آگ اتری اور ہابیل کے دنبے کو اٹھا کر لے گئی اور قابیل کے خوشے وہیں پڑے رہے۔ قابیل کو اپنی قربانی کے قبول نہ ہونے پر ہابیل سے سخت حسد ہوا اور اسے کہنے لگا میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا ضرور تجھے قتل کروں گا تا کہ تم میری بہن سے نکاح نہ کر سکو۔ ہابیل نے کہا اللہ تو پرہیز گاروں کا عمل قبول کرتا ہے۔ یعنی اگر اس نے میری قربانی قبول کی ہے تو یہ اس کا مجھ پر فضل ہے۔

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۴ صفحہ ۵۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ (درمنثور جلد ۳ صفحہ ۵۶) اس واقعہ میں یہود کو آئینہ دکھایا گیا کہ وہ بھی قابیل کی طرح حسد میں جل کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لیے شہید کرنا چاہتے تھے کہ اللہ نے نبوت کو بنی اسرائیل سے باہر کیوں جاری کر دیا، حالانکہ اللہ جس پر چاہے فضل فرمادے۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) حسد گناہوں کی جڑ ہے۔

قابیل سے حسد نے اپنے بھائی کا قتل کروا دیا۔ گویا دنیا میں سب سے پہلا گناہ حسد ہوا۔ حسد اور طمع پر کوئی نقطہ نہیں یہ ان کے بے فائدہ و بے فیض ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

حسد وہ گناہ ہے کہ دنیا کے سب گناہ اسی سے پیدا ہوئے ہیں۔ چنانچہ سب سے قبل شیطان کو آدم علیہ السلام سے حسد ہوا۔ اس نے کہا: اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡهُ ؕ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِیۡنٍ ﴿۷۶﴾ اے اللہ میں اس (آدم) سے بہتر ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے (سورہ ص، ۷۶)

چنانچہ شیطان آج انسانوں سے جو کچھ کروا رہا ہے وہ اسی حسد کا نتیجہ ہے جو اس کو آدم علیہ السلام سے ہوا۔ لہٰذا ہر انسان سے جو گناہ ہو رہا ہے وہ اصل میں حسد ہی کی پیداوار ہے۔

(۲) حق دیکھ کر اسے قبول نہ کرنا عظیم بدبختی ہے۔

قابیل کی قربانی قبول نہ ہوئی۔ اس پر حق واضح ہو گیا تھا پھر بھی اس نے اسے قبول نہ کیا تو اس کے گلے میں طوق ذلت پڑ گیا۔ آج ہم بھی اس بیماری میں مبتلا ہیں کوئی شخص اپنی غلطی ماننے کو تیار نہیں۔ اسی لیے فسادات بڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح گمراہ فرقوں میں سے بھی کوئی اپنی غلطی ماننے والا نہیں، ختم نبوت کے منکرین پہ ہزار ہا بار حق واضح کیا گیا مگر وہ اپنی ضد پہ قائم رہے۔ یہی حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دینے والوں کا ہے، یہی منکرینِ حدیث کا کردار ہے، یہی توسل اور ایصالِ ثواب اور حیاتِ انبیاء و اولیاء کے منکرین کا طریقہ ہے۔

(۳) عورت (کی ناجائز محبت) شیطان کا پھندا ہے۔
دنیا میں پہلا قتل عورت کی وجہ سے ہوا قابیل اقلیمہ کے حسن پر فریفتہ ہو کر ہابیل کا قاتل بن گیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے عورت کو پردے کا حکم دیا ہے کیونکہ اس کا حسن غارت گر ایمان ہے اور حدیث طیبہ ہے:
حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: النساء حبائل الشیطان۔ ''عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں۔'' (الترغیب جلد ۳ صفحہ ۲۵۷)

[55] یعنی اے قابیل! اگر تم مجھے قتل کرنا چاہو گے تو میں اپنا بچاؤ ضرور کروں گا مگر اپنی جان بچانے کے لیے تمہیں قتل کرنے کی کوشش نہیں کروں گا کیونکہ مجھے تمہاری جان بھی اپنی جان کی طرح عزیز ہے۔ امت محمدیہ میں اس آیت پر سب سے پہلے عمل کرنے والے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے اپنی جان کے بچانے کے لیے بلوائیوں کے قتل کا حکم نہ فرمایا حالانکہ آپ کے ایک حکم سے ان کی گردنیں اڑائی جا سکتی تھیں مگر آپ نے حضرت ہابیل کے اس قول پر عمل کیا۔

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾

[56] اس کا یہ معنی نہیں کہ حضرت ہابیل نے خواہش کی کہ قابیل جہنمی ہو جائے۔ انہوں نے تو قابیل کو قتل سے ڈراتے ہوئے اس کا انجام بتایا کہ اگر تم مجھے قتل کرو گے تو میرے گناہ بھی تمہاری گردن میں ڈال دیئے جائیں گے اور تمہارے گناہ بھی۔ یوں تم جہنم کے حقدار ہو جاؤ گے۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِیْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۳۰﴾
تو اسے اس کے نفس نے آمادہ کیا کہ اپنے بھائی کو قتل کرے لہٰذا اس نے اسے قتل کر دیا یوں وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔ [57]
فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِیُرِیَهٗ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ
تب اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کو کریدتا تھا تاکہ اسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپا سکتا ہے،
اَخِیْهِ ؕ قَالَ یٰوَیْلَتٰۤی اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ
وہ کہنے لگا: ہائے میری بربادی کیا میں یہ بھی نہ کر سکا کہ ایک کوے جیسا ہو جاؤں تاکہ اپنے بھائی کی لاش ہی
سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ﴿۳۱﴾
چھپا لوں تو وہ پچھتاوا کرنے والوں میں سے ہو گیا۔ [58]

[57] یعنی ہابیل کی یہ دردمندانہ و ناصحانہ باتیں بھی قابیل کو قتل سے باز نہ رکھ سکیں اور اس نے ہابیل کو قتل کر کے چھوڑا۔

معانقہ ۵ وقف النبی ﷺ

یوں وہ عظیم نقصان اٹھانے والا بن گیا۔ دنیا میں وہ بھائی سے محروم ہوگیا اس نے باپ کے دل کو صدمہ پہنچایا تا قیامت ذلت ورسوائی اس کے حصے میں آئی اور آخرت میں جہنم کا حقدار ہوا۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے "قیامت تک جو بھی قتل واقع ہوگا اس کا بوجھ قابیل پر آئے گا کیونکہ اس نے قتل کی رسم نکالی۔" (بخاری ومسلم) معلوم ہوا کہ دنیا کا سب سے پہلا مرنے والا انسان ہابیل تھا اور وہ اپنے سگے بھائی کے ہاتھوں قتل ہوا۔

[58] قتل کے بعد قابیل اپنے بھائی کی لاش کو عرصہ تک کندھے پر اٹھائے پھرتا رہا۔ وہ نہ جانتا تھا کہ اسے کیسے ٹھکانے لگائے کیونکہ ہابیل زمین پر مرنے والا پہلا انسان تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے دوفرشتے دو کوؤں کی صورت میں بھیجے ایک کوا زندہ تھا دوسرا مردہ۔ زندہ کوے نے مردہ کوے کو اپنی چونچ میں اٹھا رکھا تھا، پھر اس نے اپنی چونچ اور اپنے پنجوں سے زمین کریدی اور مردہ کوے کو زمین میں دبا دیا۔ یہ دیکھ کر قابیل کو سخت ندامت ہوئی کہ اس میں ایک کوے جتنا بھی عقل نہیں ہے گویا اللہ تعالیٰ نے اسے احساسِ کمتری کے عذاب میں مبتلا کر دیا اور یہ بڑا عذاب ہے۔ بہر حال اس نے کوے کی نقل کرتے ہوئے زمین میں گڑھا کھود کر اپنے بھائی کی لاش کو زمین میں دبا دیا اور یہ زمین میں دفن ہونے والا پہلا انسان تھا۔

مروی ہے کہ قابیل نہ جانتا تھا کہ اپنے بھائی کو کیسے قتل کرے کیونکہ پہلے کوئی انسان مرا نہ تھا۔ تب شیطان انسانی شکل میں آیا۔ اس کے ہاتھ میں سانپ تھا اس نے سانپ کو زمین پر رکھ کر ایک بڑا پتھر مارا اور اس کا سر کچل دیا قابیل کو طریقہ قتل معلوم ہوگیا۔ ایک دن ہابیل بکریاں چراتے ہوئے تھک کر ایک درخت کے سائے میں سو رہا تھا قابیل نے اس کے سر پر بڑا پتھر مار کر اسے ختم کر دیا۔

یہ واقعہ ہندوستان میں ہوا۔ آدم علیہ السلام اس وقت طواف کعبہ کو گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے دیکھا کئی درخت خاردار ہوگئے کئی پھل ترش ہوگئے۔ پھل گلنے سڑنے لگے اور کھانا خراب ہونے لگا۔ پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا۔ آپ سمجھ گئے کہ زمین پر کوئی بڑا حادثہ پیش ہوگیا ہے۔ آپ جلدی سے واپس ہندوستان آئے۔ واپسی پر معلوم ہوا کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا ہے۔ (مظہری) مروی ہے کہ قابیل اپنی بہن اقلیمہ کو لے کر علاقہ یمن کی طرف بھاگ گیا وہاں اس سے زنا کرتا رہا اس سے اولاد بھی ہوئی جو فواحش کی دلدادہ تھی مگر اس نسل کو طوفان نوح میں تباہ کر دیا گیا۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) خود غرضی کی مذمت۔

قابیل خود غرض بن گیا تھا، اس نے خود غرضی میں مبتلا ہو کر اپنے سگے بھائی کو قتل کر دیا۔ آج بھی خود غرضی میں مبتلا ہو کر کئی لوگ اپنے سگے بھائیوں بلکہ والدین تک کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ خود غرضی انسان سے بڑے سے بڑا گناہ اور ظلم کروا سکتی ہے ایک ترکی بادشاہ نے اپنے بیس بھتیجے بھانجے قتل کروا دیئے تھے تاکہ وہ اس کے بعد اس کے بیٹے کی جانشینی کے

لیے خطرہ نہ بن سکیں۔ اللہ تعالیٰ خود غرضی سے بچائے۔

(۲) اللہ نے جانوروں میں ہمارے لیے سبق رکھا ہے۔

کوے کے ذریعے قابیل کو اپنے بھائی کی لاش کا زمین میں دفنانا سکھایا گیا اور یہ حقیقت ہے کہ جانوروں میں ہمارے لیے عبرتیں موجود ہیں۔ کتے میں وفا کا جذبہ ہے وہ جس انسان کے گھر سے رزق کھائے اس کی لاٹھیاں بھی برداشت کرلیتا ہے، مگر اس گھر کو نہیں چھوڑتا۔ مگر افسوس انسان اس قدر بیوفا ہے کہ جس کا کھائے اسی کی جڑیں کاٹتا ہے۔

چیونٹیاں قطار بنا کر چلتی ہیں، اگر انسان قطار نہ بنائے اور دھکم پیل کرے تو وہ چیونٹی سے بھی بدعقل ہے۔ چیونٹیاں بھی ایک دوسری سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتیں۔ چیونٹیاں زیرِ زمین اپنی خوبصورت رہائش گاہیں بناتی ہیں، جس میں ان کی ملکہ کا کمرہ سب سے اوپر ہوتا ہے اور نیچے دوسری چیونٹیوں کے۔ گویا وہ اپنی ملکہ کی تعظیم وطاعت کا حق ادا کرتی ہیں، جس میں انسانوں کے لیے اطاعتِ امیر کا درس ہے۔

گھوڑا میدانِ جنگ میں اپنے مالک کی خدمت میں جان لڑانے سے باز نہیں آتا۔ اگر انسان اپنے محسن کے کام نہ آئے تو جانور سے بدتر ٹھہرا۔ ان چیزوں میں ہمارے لیے درس ہائے عبرت ہیں۔

(۳) مردوں کا زمین میں دفن کرنا اللہ کا سکھایا ہوا طریقہ ہے۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا سے معلوم ہوا اللہ رب العزت نے پہلے انسان کے مرنے پر اس کے دفنانے کا طریقہ اس کے بھائی کو سمجھایا۔ لہٰذا مردوں کا جلانا غیر انسانی اور اللہ کے ہاں ناپسندیدہ طریقہ ہے۔ اس میں انسانیت کی تذلیل وتوہین ہے۔ انسان زمین میں سے پیدا کیا گیا ہے اور اسے عزت وآبرو کے ساتھ زمین ہی میں دفن کیا جانا چاہیے۔ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لیے اس کا ہر طریقہ بھی انسان کے مزاج وفطرت کے مطابق ہے اور اگر کسی دوسرے مذہب میں دفن کا سلسلہ ہے تو اسلام ہی سے لیا ہوا ہے۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا

اس وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس نے کوئی جان قتل کی بغیر کسی جان

بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ

کے بدلے کے یا زمین میں فساد کے، تو گویا اس نے تمام انسان قتل کر دیئے [59] اور جس نے

اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا

کوئی جان بچائی تو گویا اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی [60] اور یقیناً ان کے پاس ہمارے رسول

بِالْبَيِّنٰتِ ۙ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

واضح نشانیاں لے کر آئے پھر ان میں سے اکثر اس کے بعد زمین میں حد سے بڑھ رہے ہیں۔ [61]

[59] جب پہلا ابن آدم قابیل قتل کے سبب دنیا و آخرت میں ذلت کا شکار ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ہم نے بنی اسرائیل کی کتاب تورات میں لکھ دیا کہ خبردار کسی انسان کا قتل مت کرنا سوا اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو تو بدلے میں اسے قتل کیا جائے یا اس نے زمین میں فساد پھیلایا ہو یعنی ڈاکہ، راہزنی اور اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت جیسے فسادات کیے ہوں تو بقاء امن عامہ کے لیے اسے قتل کیا جائے۔ اس کے سوا جس نے کسی جان کو مارا یعنی ظلماً ناحق قتل کیا اسے جہنم میں اتنی بڑی سزا ہو گی جیسے اس نے تمام انسانوں کا قتل کیا ہو یہ بات بنی اسرائیل سے خصوصاً اس لیے کہی گئی (اور قرآن میں بنی اسرائیل سے مراد اکثر یہود ہوتے ہیں) کہ وہ اپنے مذموم مقاصد کے لیے قتل و غارت اور فتنہ و فساد سے باز نہیں آتے۔ آج دیکھ لیں عراق، افغانستان اور فلسطین میں جس قدر خون ریزی ہو رہی ہے وہ حقیقت میں یہود ہی کروا رہے ہیں۔ اور کشمیری مسلمانوں کے قتل عام میں بھی ہنود کو یہود کی پشت پناہی حاصل ہے۔

[60] اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے ایک انسان کی جان بچائی خواہ وہ مومن کی جان ہو یا کافر کی، اس نے گویا تمام انسانوں کی جان بچالی۔ مثلاً کسی مریض کو دوا دے کر یا اپنے خون کی بوتل دے کر اسے مرنے سے بچالیا۔ کسی نے ڈوبنے یا آگ میں جلنے والے کو غرقابی و آتش زدگی سے بچالیا یا ڈاکوؤں اور قاتلوں سے کسی کی جان بچالی وغیرہ۔ کسی انسان کی جان بچانا تو بڑی بات ہے حدیث طیبہ کے مطابق ایک پیاسے کتے کی جان بچانے والی فاحشہ عورت کو اللہ رب العزت نے اس نیک عمل کی وجہ سے بخش دیا تھا اور ایک شب زندہ دار عورت کو ایک بلی کو بند کر کے اسے بھوکا مارنے کی وجہ سے جہنمی بنا دیا تھا۔ (بخاری کتاب الانبیاء باب ۵۴)

دہشت گردی اور جہاد میں فرق

معلوم ہوا اسلام امن کا مذہب ہے اس کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں ہے، اسلام میں ہر جاندار کی جان کی بہت قیمت ہے۔ رہا یہ سوال کہ اسلام کفار سے جہاد کا حکم کیوں دیتا ہے جو بظاہر خون ریزی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے زمین بنائی، اس پر انسان بسائے تا کہ وہ اسے ایک مانیں اور اس کی عبادت کریں پھر انسان کی رہنمائی کے لیے اللہ نے انبیاء بھیجے اور ان پر کتابیں نازل کیں۔ آخر میں انبیاء کے سردار محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھیجا اور ان پر سب سے افضل کتاب اتاری مگر شیطان نے انسانوں کو گمراہ کر کے انہیں اللہ سے ہٹا کر بتوں کی پرستش پر لگا دیا حتیٰ کہ وہ جانوروں کو سجدہ کرنے اور ان کا پیشاب پینے لگے اور انبیاء خصوصاً سید الانبیاء ﷺ کی نبوت و کتاب سے انکار کرنے لگے تو کفار شیطان کا لشکر ہیں جو خدا کی زمین سے خدا کا دین مٹانا چاہتے ہیں اور مومنین رحمان کا لشکر ہیں جو خدا کی زمین پر خدا کا دین قائم کرنا اور اس کی توحید کا پرچم بلند رکھنا چاہتے ہیں۔ تو ضروری ہے کہ شیطان کے لشکر سے لڑا جائے تا کہ خدا کی زمین پر رہ کر انسان کی جبین خدا ہی کے آگے جھکے نہ کہ پتھروں اور جانوروں کے آگے، تو یہ ہے فلسفہ جہاد۔

اور جہاد میں بھی دہشت گردی کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جن کا جنگ سے کوئی تعلق نہیں انہیں قتل کرنا حرام ہے جیسے بچے عورتیں بوڑھے اور وہ لوگ جو جنگ سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ لہٰذا شہری آبادیوں پہ بمباری کر کے عام لوگوں کو جو غیر فوجی ہیں اور جنگ میں شامل نہیں ہیں، مارنا اسلام میں حرام ہے۔ کیونکہ یہ دہشت گردی ہے۔ جیسے امریکہ نے عراق، افغانستان وغیرہ میں شہری آبادیوں پہ حملے کر کے ہزاروں نہتے مسلمانوں کا خون بہایا ہے، یہی دہشت گردی ہے اور آج وہ پاکستان میں ڈرون حملے کر کے ہزاروں مسلمانوں کا خون بہا چکا ہے۔

مگر افسوس ہمارے بے ضمیر حکمرانوں کی جبین نیاز پھر بھی درِ امریکہ پہ جھکی ہوئی ہے اور جھکی رہے گی، تا آں کہ اللہ تعالیٰ پردۂ غیب سے کوئی امر ظاہر فرمائے۔

اس کے علاوہ جہاد کا مقصد مسلم قوم کو کفار کی چیرہ دستیوں اور مظالم سے بچانا ہے۔ جب تک مسلمان قوم میں جذبۂ جہاد تھا وہ دنیا میں معزز تھے ان کا خون محفوظ تھا، کوئی ان سے چیرہ دستی نہیں کر سکتا تھا جب سے انہوں نے جہاد چھوڑ دیا ہے یا ان سے چھڑوا دیا گیا ہے تب سے وہ دنیا کی رسوا ترین قوم ہو گئی ہے۔ آج عراق، افغانستان، کشمیر اور فلسطین میں یہود و ہنود اور نصاریٰ مسلمانوں کا خون بہا رہے ہیں۔

آج دنیا بھر کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے کشمیری، فلسطینی، عراقی اور افغانستانی مسلمان بھائیوں کی مدد کے لیے جہاد کر کے انہیں کفار کی چیرہ دستی سے محفوظ کریں۔ افسوس یہ ہے کہ مسلم حکومتیں خون مسلم کی ارزانی پہ خاموش تماشائی بنی بیٹھی ہیں۔ پھر جب کشمیر و فلسطین اور عراق و افغانستان کے مسلم نوجوان خود پہ ہونے والے مظالم کے خلاف جہاد کرنے کے لئے بندوق اٹھاتے ہیں تو انہیں دہشت گرد کہا جاتا ہے حالانکہ دہشت گردی مسلمانوں سے کی جا رہی ہے تو یہ ہے

جہاد اور دہشت گردی میں فرق۔

[61] یعنی بنی اسرائیل (یہود) میں کثیر انبیاء بھیجے گئے جنہوں نے یہی درس دیا کہ زمین پر امن کے ساتھ رہو۔ قتل و غارت سے باز آؤ مگر وہ پھر بھی زمین میں شر انگیزی و فساد گستری سے باز نہیں آئے اور آج تک اسی کام میں لگے ہوئے ہیں۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا
جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کریں اور زمین میں فساد پھیلائیں،
اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا
ان کی سزا یہی ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دیئے جائیں یا انہیں
مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ
زمین سے نکال دیا جائے (قید کر دیا جائے) [62] یہ ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا
عَظِیْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ
عذاب ہے۔ [63] سوا ان کے جو توبہ کر لیں اس سے قبل کہ تم ان پر قابو پاؤ تو جان لو کہ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۴﴾ ع
اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ [64]

ڈاکہ اور رہزنی کی شرعی سزا

[62] قتل کے بعد اب ڈاکہ کی سزا بتائی جا رہی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بستی عرنیہ کے کچھ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے انہیں مدینہ طیبہ کی آب و ہوا راس نہ آئی اور بیمار پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ جاؤ ہمارے اونٹوں کے دودھ اور ابوال پیو۔ وہ وہاں گئے اور مسلمانوں کی چراگاہ کے سارے اونٹ ہانک کر لے گئے اور مسلمان چرواہے کو قتل کر دیا، یہی نہیں بلکہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے اور آنکھیں نکال دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر بھیجا جو انہیں پکڑ لایا۔ پھر آپ کے حکم سے انہیں قتل کیا گیا۔ اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ تب یہ آیتِ مبارکہ اتری: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۵۴۷)

مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) یہ حدیث بخاری مسلم ترمذی اور نسائی میں بھی مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کریں یعنی اللہ کے بندوں اور رسول کے امتیوں کا مال لوٹیں اور ان کی جانیں تلف کریں۔ ان کی سزا چار چیزوں میں سے ایک ضرور ہے۔ انہیں قتل کیا جائے، انہیں سولی پہ لٹکا یا جائے، مخالف سمت سے انکے ہاتھ پاؤں کاٹ دئے جائیں یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں یا انہیں قید کر دیا جائے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ڈاکے کی چار صورتیں ہوسکتی ہیں۔

اول:

ڈاکوؤں، راہزنوں نے ڈاکہ ڈالا۔ اس دوران انہوں نے کسی کو قتل کر دیا مگر وہ مال نہیں چھین سکے تو اس صورت میں سب ڈاکوؤں کو قتل کیا جائے گا کیونکہ وہ قتل سب ڈاکوؤں کی اجتماعی کوشش سے ہوا ہے۔

دوم:

انہوں نے کسی بے گناہ کو قتل بھی کیا اور مال بھی چھینا تو اس صورت میں ان سب کو سولی دی جائے گی جس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر ڈاکو کو کسی اونچے درخت یا لکڑی سے زندہ لٹکایا جائے، یعنی اس کے بازو باندھ دیے جائیں پھر اس کے پیٹ میں نیزہ مارا جائے جس سے اس کی موت واقع ہو جائے اور یہ عمل مجمع عام میں ہونا چاہیے تا کہ سب کو عبرت ہو۔
(کنز الدقائق باب قطع الطریق)

سوم:

ڈاکوؤں نے صرف مال چھینا کسی کو قتل نہیں کیا۔ جیسے آج کل بینک یا بسیں لوٹ لی جاتی ہیں، تو کسی ڈاکو کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ البتہ سب کے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے۔ بشرطیکہ لوٹا ہوا مال اتنا ہو کہ ہر ڈاکو کو چوری کا نصاب ملا ہو جو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک دس درہم چاندی یا اس کے برابر قیمت ہے۔ دس درہم چاندی کا وزن قریباً اڑھائی تولہ چاندی بنتا ہے۔ اگر اتنا مال نہ ہو تو انہیں قید کیا جائے گا تا وقتیکہ توبہ کریں۔

چہارم:

اگر انہوں نے مال بھی نہیں چھینا اور قتل بھی نہیں کیا، صرف دہشت پھیلائی ہے تو انہیں قید میں ڈالا جائے گا تا آنکہ سچی توبہ کرلیں۔ اگر ڈکیتی کے دوران انہوں نے کسی انسان کو زخمی کیا ہے تو جس نے زخمی کیا اسے وہی زخم لگایا جائے گا تاہم جسے زخم لگا وہ اگر چاہے تو معاف کرسکتا ہے۔

یاد رہے کہ ڈاکوؤں کو یہ سزائیں یعنی ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹنا یا قتل کرنا یا سولی دینا سر عام دی جانی چاہئیں تا کہ سب کو عبرت حاصل ہو۔ بلکہ فقہاء کے نزدیک اگر ان کو سولی دی جائے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا تو ان کی لاشیں تین دن تک سولی پہ لٹکی رہنی چاہئیں، تا کہ پورے معاشرہ کو اس سے عبرت ملے۔ تین دن سے زیادہ لاشوں کو نہیں لٹکانا چاہیے۔

[63] یعنی یہ قتل، سولی، ہاتھ پاؤں کاٹنے اور قید کی سزا ڈاکوؤں کی دنیوی ذلت (سزا) ہے جبکہ آخرت کا بڑا عذاب اس کے علاوہ ہے۔ دنیوی سزا تو بے گناہ انسانوں کو ایذا دینے کے عوض ہے جبکہ اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت کی سزا آخرت میں ملے گی۔ بہرحال آخرت کی سزا سچی توبہ واستغفار سے معاف بھی ہوسکتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات غفور ورحیم ہے۔

[64] یعنی اگر ڈاکوؤں نے کسی وقت ڈاکہ ڈالا تھا پھر وہ باز آ گئے، توبہ کر لی یہ کام چھوڑ دیا۔ پھر اس کے بعد اے حاکمو تم نے انہیں پکڑا یا وہ نادم ہو کر خود پیش ہو گئے۔ گرفتاری پیش کر دی تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ وہ آخرت کا عذاب معاف کر دے گا اور دنیا میں ڈاکے کی سزا بطورِ حد نافذ نہ ہو گی بلکہ قصاص میں تبدیل ہو جائے گی یعنی ڈاکہ زدہ لوگ اگر چاہیں تو معاف بھی کر سکتے ہیں۔

دلیلِ ختمِ نبوت

یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ سے معلوم ہوا تا قیامت جب بھی کوئی ڈاکہ پڑے گا وہ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ ہوگی کیونکہ اب اللہ کے رسول ﷺ کی شریعت ہی تا قیامت نافذ ہے۔ اب کوئی نئی شریعت اور نیا رسول نہ آئے گا۔ بلکہ وَرَسُوْلَہٗ کا لفظ ہی بتا رہا ہے کہ اب ایک ہی رسول ہے یعنی محمد مصطفی ﷺ۔ کیونکہ رسولہ معرفہ کا صیغہ ہے جو ایک ہی شخصیت پہ بولا جاسکتا ہے، اگر اس امت کے لیے ایک سے زائد رسولوں نے آنا ہوتا تو وَرَسُوْلَہٗ کی بجائے رُسُلَہٗ کہا جاتا۔

صرف اسلامی سزائیں ہی جرائم کو ختم کرسکتی ہیں

راہزنی اور ڈاکہ کی جو سزا قرآن نے بتائی ہے، یہی معاشرہ کو پرسکون بنا سکتی ہے۔ طالبان نے افغانستان میں یہی شرعی سزائیں جاری کیں تو برسوں کی قتل وغارت دنوں میں ختم ہوگئی مگر امریکہ کو دین اسلام کا عملی نفاذ پسند نہ آیا۔ یہاں پر اس بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ وہ طالبان مراد ہیں جو یہود ونصاریٰ اور امریکہ کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں۔ ان طالبان سے مراد وہ نام نہاد اسلام کے ٹھیکیدار ہرگز نہیں ہیں جنہوں نے ایک عرصہ دراز سے وطنِ عزیز پاکستان کو اپنی منافقانہ کاروائیوں کا حصہ بنا رکھا ہے اور اسلام کی آڑ میں مسلمان عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور نوجوانوں کا قتلِ عام کر رہے ہیں۔ حدیث طیبہ کے مطابق یہ لوگ (خوارج، جہنم کے کتے) ہیں۔ اور اسلام ایسی دہشت گردی کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

توبہ کی اہمیت

توبہ سے راہزنی کی اخروی سزا معاف ہوگئی اور دنیوی سزا حد سے بدل کر قصاص بن گئی، یعنی قابلِ معافی ہوگئی۔ یہ توبہ کی اہمیت ہے۔ بندے سے اگر گناہ ہو جائے تو اسے توبہ میں دیر نہیں کرنی چاہیے، موت کا کچھ پتہ نہیں ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اللہ تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو اور اس کے راستہ میں

سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۵

جہاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو۔[65]

قربِ الٰہی کیلئے وسیلہ پکڑنے کا حکم

[65] وسیلہ کا معنی قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ یعنی اے مومنو! اللہ سے قریب ہونے کے لیے وسیلہ پکڑو۔ اب وسیلہ پکڑنے کے کئی معانی ہیں، جو ہم بہت اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

وسیلہ پکڑنے کا ایک معنی یہ ہے کہ اچھے اعمال بجالاؤ جن کے ذریعے اللہ تمہیں اپنے قریب کرلے۔ جیسے حدیثِ قدسی ہے کہ "بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب آجاتا ہے حتیٰ کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں تب میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔" (بخاری کتاب الرقاق باب ۳۸)

وسیلہ کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں اپنے اعمالِ صالحہ کا وسیلہ پیش کرو تا کہ رحمتِ الٰہی تمہارے قریب آجائے اور تمہاری دعائیں قبول ہوں اور حاجات برآئیں۔

جیسے بخاری شریف میں حدیثِ غار ہے کہ تین آدمی سفر پر نکلے پھر بارش کے باعث ایک غار میں جا چھپے۔ ایک بڑا پتھر پہاڑ کے اوپر سے لڑھک کر نیچے آیا اور غار کا منہ بند کردیا تب ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے نیک عمل کے وسیلہ سے دعا کی۔ ایک نے کہا کہ یا اللہ! میں نے ایک مزدور کی مزدوری نہیں دی تھی، اس حال میں کہ وہ کہیں چلا گیا۔ اور میں نے اس کی مزدوری کو اس کی طرف سے تجارت میں لگادیا اور اس میں بہت اضافہ ہوگیا پھر جب ایک عرصہ کے بعد اس سے ملاقات ہوئی تو میں نے اس کی مزدوری تمام منافع سمیت اس کو دے دی۔ یا اللہ! میرے اس نیک عمل کے صدقے ہمیں اس غار سے نکال، تو اللہ تعالیٰ نے وہ پتھر کچھ ہٹادیا۔

ان میں سے دوسرے نے دعا کی اے اللہ تعالیٰ! میں اپنے والدین کی خدمت کرتا تھا، جب میں بکریاں لے کر رات کو گھر واپس آتا تو پہلے اپنی بوڑھی ماں کو دودھ پلاتا۔ ایک بار میں دیر سے آیا تو ماں سوگئی تھی میں دودھ کا پیالہ لے کر ساری رات ماں کے سرہانے کھڑا رہا، کہ نہ جانے کب ماں مجھے پکارے اور میں دودھ پیش کروں۔ اے اللہ! میرے اس نیک عمل کے صدقے ہمیں اس مصیبت سے بچا تو غار کے منہ سے پتھر مزید ہٹ گیا۔

پھر تیسرے نے دعا کی اے اللہ! ایک بار میری چچازاد بہن میرے باغ میں میرے پاس آئی میں نے اس سے برائی کا تقاضا کیا۔ اس نے کہا کہ اللہ سے ڈرو، تو مجھے اے اللہ تیرا خوف آ گیا اور میں نے گناہ چھوڑ دیا۔ اے اللہ! اس وجہ سے ہمیں بچالے تو پتھر مزید الگ ہو گیا اور وہ غار کے منہ سے نکل آئے۔ (بخاری عن ابن عمر کتاب الادب باب ۵)

وسیلہ پکڑنے کا تیسرا معنی یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کی صحبت میں بیٹھو تاکہ اللہ کا قرب حاصل ہو جیسے ارشاد ہوا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ (توبہ:۱۱۹) اور یقیناً اللہ کے نیک بندوں کی صحبت میں بیٹھنا انسان کو اللہ کے قریب کر دیتا ہے۔

چوتھا معنی ہے یہ کہ اللہ کے نیک بندوں کے وسیلہ سے دعا کرو تاکہ رحمتِ الٰہی قریب آ جائے۔ آگے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تمہیں کامیابی ملے۔ جہاد ہر وہ عمل ہے جو دین کی سربلندی اور رضا خدا کے لیے کیا جائے۔

یاد رہے! وسیلہ پکڑنے کے پہلے تین معانی میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں کہ وہ جائز ہیں، مگر آخری معنی کہ اللہ کی بارگاہ میں صالحین (انبیاء و اولیاء) کا وسیلہ پیش کیا جائے اس میں نجدی فکر کے لوگوں کو اختلاف ہے، وہ اسے ناجائز بلکہ شرک سے تعبیر کرتے ہیں مگر وہ غلطی پر ہیں۔ امام سبکی کے نزدیک سب سے پہلے ابن تیمیہ نے توسلِ صالحین سے انکار کیا۔ اس سے قبل یہ بدعت موجود نہ تھی۔ (شفاء السقام) جواز توسل صالحین پر قرآن و حدیث میں بکثرت نصوص موجود ہیں مثلاً

انبیاء و اولیاء کے وسیلہ سے دعاء کرنے کا جواز قرآن و حدیث سے

(۱) فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدم علیہ السلام نے یوں دعا کی: ''اے اللہ! اسئلك بحقِ محمدٍ لما غفرت لی'' میں تجھ سے محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق (مقام و مرتبہ) کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ میری خطا بخش دے۔ (مستدرک للحاکم جلد ۲ صفحہ ۶۷۲ مطبوعہ دار الکتب العالیہ بیروت)

امام حاکم نے فرمایا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے بھی معجم کبیر میں اور بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں روایت ہے۔ گویا دنیا میں پہلے انسان کی پہلی دعاء وسیلۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبول ہوئی، یا پہلے انسان کی پہلی مشکل ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دور ہوئی۔

یہ حدیث مجھے طبرانی صغیر میں بھی ملی ہے، جس میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے دعا کی:

اسئلك بحق محمد الا غفرت لی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! محمد کون ہیں؟ عرض کیا اے اللہ! جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے ساقِ عرش پہ لکھا دیکھا: لا اله الا الله محمد رسول الله، تو میں نے جان لیا کہ ان سے بڑھ کر تیرے ہاں کوئی معزز و مکرم نہیں ہے، کیونکہ تو نے انکا نام اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! وہ تمہاری اولاد میں سے آخری نبی ہیں اور ان کی امت آخری امت ہے، و لولاہ یا آدمُ ما خلقتُك، اور اے آدم!

اگر وہ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔ (معجم صغیر للطبرانی جلد ٢ صفحہ ٨٣ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام طبرانی نے اس حدیث پہ اور کوئی کلام نہیں کیا صرف اتنا کہا کہ یہ حدیث عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے صرف اسی طریق سے مروی ہے، یعنی اسے ضعیف نہیں کہا تو یہ ان کے نزدیک حدیث صحیح ہے۔

(٢) وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یہود اس سے قبل (وسیلہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے) کفار پہ فتح مانگتے تھے۔ (بقرہ، ٨٩) امام ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ بنو قریظہ و بنو نضیر بعثت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل یوں دعا کرتے تھے:

اللھم انّا نَستَنصِرُكَ بحقِ النبيِّ الاميِّ اے اللہ! ہم نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق (مقام) کے وسیلہ سے تجھ سے فتح مانگتے ہیں۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد اول فصل ٥ صفحہ ٩٤ حدیث ٤٣ مطبوعہ المکتبۃ العربیہ شام) نجدی لوگ انبیاء و اولیاء کا وسیلہ پکڑنے کو گمراہی بلکہ شرک قرار دیتے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں اگر ایسا ہی تھا تو اللہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے یہود کے توسل کو آپ کی نبوت پر بطورِ دلیل صداقت کیوں ذکر کیا۔

(٣) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (اپنے عہد حکومت میں) حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے یوں دعا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا۔ اے اللہ! ہم پہلے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وسیلہ سے تجھ سے مانگتے تھے اور تو ہمیں بارش دیتا تھا اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ پیش کرتے ہیں تو ہمیں بارش عطا کر۔ (بخاری کتاب الاستسقاء باب ٣، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باب ١١)

اس حدیث میں اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا کے الفاظ بتاتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ بھی حقیقت میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا وسیلہ تھا مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سامنے رکھنے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ حضرت عمر فاروق چاہتے تھے یوں وسیلہ پیش کیا جائے کہ صاحبِ وسیلہ سامنے موجود ہو۔ یہ حدیث صرف اعمال کا وسیلہ ماننے والوں کے لیے درس عبرت ہے۔

(٤) حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک نابینا شخص حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمائیں اللہ مجھے عافیت (بینائی) دے۔ آپ نے فرمایا جاؤ وضو کرو پھر یہ دعا مانگو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ يَا مُحَمَّدُ اِنِّيْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهٖ۔ ''اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے تیری طرف توجہ کرتا ہوں اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنی اس حاجت میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کے حضور متوجہ ہوتا ہوں۔'' (ترمذی کتاب الدعوات باب ١١٨، ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوات باب ١٨٩) مسند احمد جلد ٤ صفحہ ١٣٨ میں یہی حدیث ہے اور آخر میں یہ ہے کہ اس نابینا صحابی نے

اس طرح کیا تو اسے شفا مل گئی۔

امام ابن ماجہ نے اس حدیث کے آخر میں فرمایا: قال ابو اسحاق: هذا حديث صحيح

(۵) حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دورِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں یہی دعا سکھلائی۔ امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس کی حاجت روائی نہیں کرتے تھے۔ اس شخص نے یہی دعا کی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فوراً اس کا مسئلہ حل کر دیا۔

(معجم طبرانی صغیر جلد ا صفحہ ۱۸۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام طبرانی نے اس حدیث کے آخر میں فرمایا: والحديث صحيح، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ علماء اہل حدیث میں سے مولانا وحید الزماں حیدر آبادی نے بھی کہا کہ اس حدیث کی سند متصل ہے۔

(ہدیۃ المہدی صفحہ ۴۸ مطبوعہ سیالکوٹ)

معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے وسیلہ سے دعا کرنے کا طریقہ خود سکھایا اور وہ دور نبوی میں بھی اور اس کے بعد بھی آپ کے وسیلہ سے دعا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ اس وسیلہ سے ان کی دعائیں قبول فرماتا تھا۔ تو ہم نجدی علماء سے پوچھتے ہیں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو معاذ اللہ شرک کی تعلیم دی تھی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غائبانہ پکارنے کا جواز

ابھی قریباً ایک ماہ پہلے کی بات ہے کہ کچھ لوگ ایک بہت تیز طرار وہابی مولوی کو ہمارے پاس لائے۔ وہ انہیں بہت تنگ کر رہا تھا کہ کسی نبی ولی کو غائبانہ پکارنا شرک ہے۔ میں نے اس کے سامنے طبرانی صغیر کی یہ حدیث رکھ دی، جس میں صاف موجود ہے: يا محمد انّي توجّهتُ بِكَ اِلىٰ ربّي، اور دور عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں صحابہ نے دعاء میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یوں غائبانہ وسیلہ کے لیے پکارا اور امام طبرانی کا فیصلہ بھی دکھایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ہم نے اس سے پوچھا اگر کسی نبی ولی کو غائبانہ پکارنا شرک ہے تو کیا یہ صحابہ کرام مشرک تھے؟ کیا آج چودہ صدیوں کے بعد تمہارا فہم دین صحابہ کرام سے بڑھ گیا ہے؟ تو بلا مبالغہ وہابی مولوی کو پسینہ آ گیا، بہت پریشان ہوا۔ کہنے لگا میں اس حدیث پہ مزید تحقیق کروں گا پھر بات کروں گا۔ مگر اس کے بعد وہ واپس نہیں آیا اور اب وہ ان لوگوں کو ستاتا بھی نہیں ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غائبانہ پکارنا اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کو مدد کے لیے غائبانہ پکارنا بھی توسل ہی کا ایک طریقہ ہے، یعنی ان کی ارواح کی طرف غائبانہ توجہ کرنا تاکہ اللہ کے حضور میں اس کام کے لیے دعاء کریں۔ اس کام کا جواز اپنی جگہ مسلم ہے، اس کے دلائل اس تفسیر میں ہم نے جابجا ذکر کیے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ
بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں اگر زمین میں جو کچھ ہے وہ سب ان کے لئے ہو جائے اور اتنا اور بھی ہو تاکہ
لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اسے دے کر وہ روزِ قیامت کے عذاب سے بچ جائیں تو یہ ان کی طرف سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لئے دردناک
أَلِيمٌ ﴿٣٦﴾ يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۖ
عذاب ہے۔[66] وہ دوزخ سے نکلنا چاہیں گے مگر اس سے کبھی نکل نہ سکیں گے
وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٧﴾
اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔[67]

[66] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک کافر کو اللہ کے حضور لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا بتاؤ جہنم میں تمہارا ٹھکانہ کیسا ہے؟ وہ کہے گا بہت برا ہے اسے کہا جائے گا اگر تمام زمین کے برابر سونا تمہارے پاس ہو تو کیا تم اسے دے کر خلاصی کروانا چاہو گے؟ وہ کہے گا: ہاں کیوں نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم جھوٹ کہتے ہو، تمہیں دنیا میں اس سے بہت چھوٹی چیز لانے کو کہا گیا تھا (یعنی تمہیں کہا گیا تھا کہ اگر تم اسلام لے آؤ تو تمہیں جنت کا حق دار بنا دیا جائے گا۔) مگر تم نے ایسا نہ کیا۔ (بخاری و مسلم)

[67] دوسری جگہ قرآنِ مجید میں ہے: كُلَّمَا أَرَادُوا أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا "کفار جب بھی جہنم سے نکلنا چاہیں گے تو انہیں واپس اس میں لوٹا دیا جائے گا۔" (حج، ۲۲)

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ
چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت، تم ان کے (دائیں) ہاتھ کاٹ دو [68] یہ ان کے عمل کی
اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣٨﴾
سزا ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت اور اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

چوری کی شرعی سزا ہاتھ کاٹنا

[68] اس سے قبل ڈاکے کی سزا بتائی گئی۔ اب چوری کی سزا بتائی جا رہی ہے کہ چور خواہ مرد ہو یا عورت اس کا ہاتھ

کاٹ دو۔اس پر اجماع ہے کہ اس سے دایاں ہاتھ مراد ہے۔اس سزا کا فلسفہ یہ ہے کہ چوری عموماً ہاتھ سے کی جاتی ہے،تو اس کا ہاتھ کاٹا گیا تا کہ اس کا کٹا ہوا ہاتھ تمام معاشرہ کے لیے سامان عبرت بن جائے۔جب ایک چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے تو سارا معاشرہ چوری سے پاک ہوجاتا ہے، یہ ایسی عبرت ناک سزا ہے۔

چوری کیا ہے،اس کی تعریف

چوری کی تعریف یہ ہے کہ کسی عاقل بالغ شخص کا خفیہ طریقہ سے ایسا مال چرانا جس کی قیمت دس درہم (اڑھائی تولہ چاندی) سے کم نہ ہو اور وہ مال کسی مکان یا کسی شخص کی نگرانی میں محفوظ ہو۔اگر چند افراد مل کر چوری کریں کہ بعض چوری کریں اور بعض ان کی حفاظت میں کھڑے رہیں تو سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے بشرطیکہ سب کے حصے میں اڑھائی تولہ چاندی کے برابر مال آجائے۔

لہٰذا جو مال غیر محفوظ اور کھلا پڑا ہو اس کی چوری پر ہاتھ نہیں کٹے گا جیسے کھیتی سے اناج، باغ سے پھل اور مسجد یا کسی رفاہ عامہ کے مقام سے کوئی چیز چرانا۔ہاں اگر یہ چیزیں نگرانی یا تالے میں ہوں تو ہاتھ کٹے گا کیونکہ نگرانی کی وجہ سے اسے مال محفوظ قرار دیا جائے گا۔

جو آدمی عموماً آتا جاتا ہو جیسے قریبی رشتہ دار اور غلام وغیرہ اس سے بھی مال کی حفاظت نہیں کی جاتی۔لہٰذا اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ان سب صورتوں میں قاضی اسلام ہاتھ کاٹنے کی بجائے کوئی اور تعزیر (سزا) دے سکتا ہے جیسے قید وغیرہ۔مہمان کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر وہ چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ کوئی اور سزا دی جائے گی۔

جب عدالت میں چوری ثابت ہوجائے تو ہاتھ ضرور کٹے گا خواہ صاحبِ حق معاف کردے

یادرہے کہ جب تک عدالت میں چوری ثابت نہ ہو مال کا مالک چور کو معاف کرسکتا ہے۔چوری ثابت ہوجانے کے بعد معاف نہیں کرسکتا کیونکہ جب چوری ثابت ہوگئی تو چور کا ہاتھ کاٹنا شرعی حد ہے جو اللہ کا حق ہے اسے بندہ معاف نہیں کرسکتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تعافوا الحدود فیما بینکم فما بلغنی من حد فقد وجب۔''تم حدود کو معاف کر سکتے ہو جب تک معاملہ تمہارے درمیان میں ہو لیکن جو حد مجھ تک پہنچ گئی تو وہ واجب ہوگئی۔'' (سنن ابوداود کتاب الحدود حدیث ٤٣٧٦)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف چوری ہی نہیں تمام حدودِ شرعیہ کا یہی معاملہ ہے کہ جو صاحبِ حق ہے وہ قاضی تک معاملہ کو لیجانے سے قبل معاف کرسکتا ہے۔جب عدالت میں چوری ثابت ہوگئی اور قاضی نے شرعی حد جاری کردی تو پھر اسے مدعی بھی معاف نہیں کرسکتا۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص اپنے سر کے نیچے اپنی چادر رکھ کر سو رہا تھا۔اس کے سر کے نیچے سے کسی

نے وہ چادر چوری کر لی، چوری ثابت ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیدیا، چادر والے نے کہا میں معاف کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: میرے پاس آنے سے قبل معاف کرنا تھا، اب تم معاف نہیں کر سکتے (ابوداود)

ہاں چور سے مال مسروقہ کا وصول کرنا بندے کا اپنا حق ہے وہ اگر چاہے تو سارا مال یا کچھ مال معاف کر سکتا ہے۔

چور کا ہاتھ کلائی کے جوڑ سے کاٹا جانا ضروری ہے

فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا میں لفظ ید کا مصداق پورا ہاتھ ہے اور اس پر چاروں ائمہ فقہ کا اجماع ہے اور حدیث کے مطابق حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کی چادر چرانے والے شخص کا ہاتھ نبی اکرم ﷺ نے کلائی کے جوڑ ہی سے کاٹا تھا۔

(نصب الرایہ جلد ۳ صفحہ ۳۷۰ مطبوعہ قاہرہ، دارقطنی جلد ۲ صفحہ ۱۲۶ کتاب الحدود مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اہلِ تشیع ساری امت سے اختلاف کر کے چور کی صرف چار انگلیاں کاٹتے اور انگوٹھے اور ہتھیلی کو بچاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہاتھ سے سجدہ کیا جاتا ہے اگر وہ سارا کٹ جائے تو سجدہ ناقص ہوجاتا ہے مگر یہ دلیل خود ناقص ہے۔ اگر کوئی کسی کا ہاتھ کاٹ دے تو کیا بدلے میں بطور قصاص اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا؟ قرآنِ مجید میں ہے: وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ط (مائدہ: ۴۴) وہاں سجدے کا یہ فلسفہ کدھر گیا۔

اہلِ تشیع یکتبون الکتاب بایدیھم سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ کتابت صرف انگلیوں سے کی جاتی ہے مگر انہیں ہاتھ کہا گیا گویا صرف انگلیاں ہی ہاتھ کہلاتی ہیں مگر ہم پوچھتے ہیں کہ پھر انہوں نے انگوٹھا کیوں نکال دیا؟ کیا انگوٹھے کے بغیر لکھا جا سکتا ہے؟

اس مسئلہ کی مکمل تحقیق میرے والد محقق اسلام علامہ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۴۱۸ھ کی کتاب ''فقہ جعفریہ'' میں دیکھیں۔

ہاتھ کا کاٹنا ہی چور کی ساری سزا ہے

جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا سے پتہ چلا چوری کے سارے عمل کی سزا یہی ہاتھ کاٹنا ہے۔ اس سے امام اعظم علیہ الرحمہ نے استدلال فرمایا کہ اگر چور سے مال مسروقہ ضائع ہوگیا مثلاً جانور مر گیا یا مال ڈوب گیا تو اسے تاوان نہیں دینا پڑے گا بلکہ تاوان شرعی سزا سے الگ چیز ہے اگر مال موجود ہو تو ضرور لوٹایا جائے گا، اگر چور نے اسے خود ضائع کر دیا تو بھی ضمان لازم ہے یعنی اس کی قیمت ادا کرنا پڑے گی اور اگر مال مسروقہ خود ہلاک ہوگیا تو ضمان نہیں۔ کیونکہ اگر اس صورت میں بھی ضمان لازم ہو تو یہ چوری کی ایک مستقل مزید سزا ہوگئی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا کہہ کر صرف ہاتھ کے کاٹنے ہی کو چوری کی ساری سزا قرار دیا ہے۔

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

پھر جو اپنے ظلم کے بعد توبہ کرے اور خود کو سنوار لے تو بے شک اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے بے شک اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٩﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

بخشنے والا مہربان ہے۔ [69] کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤٠﴾

وہ جسے چاہے عذاب دے اور جسے چاہے بخشے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ [70]

[69] یعنی چوری کے بعد اگر چور کو احساس ندامت ہو اور وہ سچی توبہ کرے تو اللہ آخرت کا عذاب معاف فرما دے گا اگر توبہ نہ کی تو صرف ہاتھ کاٹنے سے اخروی عذاب معاف نہ ہو گا کیونکہ اس کے لیے توبہ لازم ہے اور دیکھا گیا ہے کہ کئی لوگ ہاتھ کٹ جانے کے بعد بھی چوری نہیں چھوڑتے ایسے لوگوں کی اخروی سزا قائم رہتی ہے۔

[70] اور چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا بھی اسی بادشاہ ارض وسما رب العالمین نے جاری کی ہے اور وہ آخرت میں جس مجرم کو چاہے عذاب دے گا اور جس کو چاہے معاف کر دے گا کیونکہ وہ ہر چیز کا مالک و مختار ہے۔ وہ مجبور نہیں کہ معتزلہ کی رائے کے مطابق مجرم کو سزا دینا اس پر لازم ہو۔ اس پر کچھ لازم نہیں۔ نہ ہی اس پہ یہ لازم ہے کہ نیکی کرنے والے کو جزا دے، ہاں وہ اپنی رحمت سے جسے جو جزا چاہے عطا فرماتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ

اے پیارے رسول! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو کفر میں تیزی دکھانے والے لوگ. پریشان نہ کریں یعنی جو لوگ اپنے منہ سے

قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ

کہتے ہیں ہم ایمان لائے مگر ان کے دل ایمان نہیں لائے [71] اور کچھ یہود میں سے ہیں

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ

جو جھوٹ پر بہت کان رکھتے اور دوسرے لوگوں کے لئے جاسوسی کرتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آئے جو احکام

الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ

بدلتے ہیں اللہ کے تقرر کے بعد [72] کہتے ہیں اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو اسے لے لو اور اگر یہ نہ دیا جائے

تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ

تو بچ کر رہو [73] اور جسے اللہ گمراہ رکھنا چاہے اسے تم اللہ سے کچھ بچا نہیں سکتے

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان کے دل پاک نہیں کرنا چاہتا [74] ان کے لئے دنیا میں

خِزْيٌ ۚۖ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾

ذلت اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

یہود کا احکام الٰہی میں تبدیلی کرنا

[71] امام بغوی علیہ الرحمہ نے تفسیر معالم التنزیل میں ان آیات کے شانِ نزول میں طویل قصہ نقل کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہود خیبر کے ہاں ان کے ایک معزز خاندان کے مرد و عورت نے زنا کیا۔ دونوں شادی شدہ تھے۔ تورات میں شادی شدہ زنا کار مرد و عورت کے لیے رجم (سنگساری) کی سزا مقرر ہے۔ علماء یہود معزز خاندان کے افراد کو یہ سزا نہیں دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے یہود مدینہ کو پیغام بھیجا کہ تمہارے ہاں جو شخص دعویٰ نبوت رکھتا ہے (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اس سے اس بارہ میں فیصلہ مانگو۔ سنا ہے اس کی کتاب میں زنا کی سزا صرف سو کوڑے مذکور ہے۔ لہٰذا اگر وہ یہ سزا بتائے تو اسے مان لو اگر رجم بتائے تو اس سے بچو۔ چنانچہ یہودِ مدینہ حضور سید عالم ﷺ کے پاس آئے، چند منافقین بھی ان کے حمایتی بن کر حاضر ہوئے۔

نبی اکرم ﷺ نے ان کی بات سن کر ان کے سب سے بڑے عالم ابن صوریا کو بلایا اور یہود سے اس کے بارہ میں پوچھا۔ انہوں نے کہا ہمارے ہاں اس سے بڑا عالم تورات کوئی نہیں۔ آپ نے اسے کہا تمہیں اس رب کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات اتاری بتاؤ کیا تورات میں شادی شدہ زنا کار مرد و عورت کے لیے رجم کی سزا مقرر نہیں؟ کہنے لگا اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ جھوٹ بولنے سے تورات مجھے جلا کر رکھ دے گی تو میں ضرور جھوٹ بولتا، مگر میں اعتراف کرتا ہوں کہ تورات میں ایسا ہی لکھا ہے جیسے آپ فرما رہے ہیں۔ تب یہ آیات اتریں: یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ ۔ (تفسیر معالم التنزیل جلد ۲ صفحہ ۵۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے رسول ﷺ آپ منافقین کی حرکتوں سے دلگیر نہ ہوں یعنی ان کا یہود کے لیے حمایتی بننا آپ کو پریشان نہ کرے یہ کفر ہی میں تیزی دکھاتے ہیں۔

اسی طرح ایک اور واقعہ اسی مفہوم میں اس طرح ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہود میں سے ایک مرد وعورت نے زنا کیا۔ وہ ان کا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم تورات میں رجم کا حکم نہیں پاتے؟ کہنے لگے نہیں ہماری شریعت میں یہ ہے کہ ان کا منہ کالا کیا جائے اور کوڑے لگائے جائیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: تم جھوٹ کہتے ہو، تورات میں رجم کا حکم موجود ہے، لاؤ تورات میں دکھاتا ہوں۔ تورات لائی گئی، ایک شخص اسے پڑھنے لگا مگر رجم والی آیت پہ اس نے ہاتھ رکھ دیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: یہاں سے ہاتھ اٹھاؤ، جب ہاتھ اٹھایا تو وہاں آیت رجم موجود تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے دونوں کو رجم کیا گیا، حضرت عبداللہ کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ وہ مرد رجم کے دوران اس عورت پہ گر رہا تھا تاکہ اسے بچائے۔

(بخاری کتاب الحدود حدیث ۶۸۴۱، مسلم کتاب الحدود حدیث ۴۳۵۸)

تورات میں آج بھی رجم کا حکم موجود ہے

تورات میں آج بھی حکم سنگساری کی آیت موجود ہے۔ جس آیت رجم کو یہود نے اس وقت چھپانے کی کوشش کی تھی وہ آج بھی تورات میں موجود ہے، جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں:

''اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں، یعنی وہ مرد بھی جس نے عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی۔ یوں اسرائیل میں سے اس برائی کو دفع کرنا۔''

(تورات پرانا عہد نامہ کتاب استثناء باب ۲۲ آیت ۲۳ صفحہ ۱۸۷ مطبوعہ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور)

[72] نہ ہی آپ یہود کے طرزِ عمل سے پریشان ہوں، یہ لوگ جھوٹ سننے کے خواہاں ہیں یعنی وہ چاہتے ہیں کہ انہیں زنا کی حقیقی سزا کی بجائے غلط فیصلہ سنایا جائے، یہ دوسرے یہود (یہود خیبر) جو آپ کے پاس نہیں آئے کے جاسوس ہیں۔ان تک آپ کی باتیں پہنچانا چاہتے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کی مقرر کردہ حدود میں تبدیلی کریں۔

[73] یعنی یہودِ خیبر نے یہودِ مدینہ سے کہا اگر تمہیں یہ شخص (حضور ﷺ) زنا کی سزا صرف کوڑے مارنا بتائے خواہ زنا کار شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ تو اسے مان لو، اگر کوئی اور سزا بتائے تو اسے نہ مانو۔گویا انہوں نے حدودِ الٰہیہ کو اپنی مرضی پر رکھ لیا تھا۔

[74] یعنی جن لوگوں کا کفر و عناد یہاں تک پہنچ جائے کہ وہ احکامِ الٰہیہ کو اپنی مرضی کے تابع بتائیں۔ایسے لوگوں کے دلوں پر اللہ رب العزت مہر لگا دیتا ہے۔پھر انہیں کوئی ہدایت نہیں دے سکتا کیونکہ جب اللہ ان کے دلوں کو پاک نہیں کرنا چاہتا تو دوسرا کون کر سکتا ہے اور یہ ان کے مسلسل کفر اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے۔اس جگہ یہ نہ کہا جائے کہ جب اللہ ہی ان کے دلوں کو پاک نہیں کرنا چاہتا تو پھر اس میں ان کا کیا قصور؟ اس لیے کہ اللہ اسی شخص کے دل کو پاک کرنا چاہتا ہے جو پاکیزگی لینے کی طرف مائل ہو اور جو اس طرف مائل ہی نہ ہو بلکہ خود بڑھ بڑھ کر گندگی میں چھلانگیں لگائے اللہ اسے زبردستی پاک نہیں کرنا چاہتا۔

اس کی مثال یوں ہے کہ زہریلی چیزیں کھانے سے ایک آدمی کا معدہ خراب ہے حکیم اسے زہرناک چیزیں کھانے سے روکتا اور دوا دیتا ہے مگر وہ آدمی وہ چیزیں مسلسل کھائے جاتا ہے تو پھر ایک وقت آتا ہے جب ہر دوا بیکار ہو جاتی ہے، اب حکیم تو نہیں چاہتا کہ بیمار زہریلی چیزیں کھائے لیکن اگر وہ باز نہ آئے تو کیا حکیم اسے زبردستی ٹھیک کرے گا؟۔یہی حال دل کو لگنے والی بیماری کفر کا ہے مسلسل کفر سے یہ حالت ہو جاتی ہے کہ کوئی آیت یا تبلیغ اثر نہیں کر سکتی۔اور اللہ کسی کو زبردستی ہدایت نہیں دینا چاہتا۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْکَ فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ

جھوٹ پر بہت کان لگاتے اور بہت حرام خور ہیں [75] اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ ان کے مابین فیصلہ فرمائیں

اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْكَ شَیْــًٔا ؕ وَاِنْ

یا ان سے اعراض برتیں (آپ کی مرضی) اور اگر آپ ان سے اعراض برتیں تو وہ آپ کو کچھ نقصان نہیں دے سکتے اور اگر

حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ﴿۴۲﴾

آپ ان میں فیصلہ کریں تو عدل کے ساتھ کریں اللہ عادلوں کو پسند رکھتا ہے۔ [76]

وَكَیْفَ یُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِیْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ یَتَوَلَّوْنَ

اور وہ آپ سے کیوں فیصلہ کروانا چاہتے ہیں جبکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۳﴾ ع

موجود ہے پھر اس کے بعد وہ منہ پھیرتے ہیں اور وہ ماننے والے ہی نہیں [77]

[75] یہود جھوٹ سننے کے بہت خواہاں اور سخت حرام خور ہیں۔ یہ ان علماء یہود کی طرف اشارہ ہے جو رشوت لے کر حدود الٰہیہ میں تبدیلی کر دیتے تھے اور آج بھی یہود سود خوری میں سب سے آگے ہیں۔ آج ساری دنیا کا سودی نظام یہود کے ہاتھ میں ہے۔

[76] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ اگر یہود آپ سے کوئی فیصلہ پوچھتے ہیں تو آپ کو اختیار ہے کہ ان کے مابین فیصلہ فرمائیں یا نہ فرمائیں اور اگر ان کے مابین فیصلہ فرمائیں تو عدل کے تقاضے ملحوظ خاطر رکھیں یعنی ان کی خواہش تو یہ ہے کہ آپ انہیں ان کی مرضی کا فیصلہ دیں مگر آپ عدل کا فیصلہ کریں خواہ کوئی پسند کرے یا نہ کرے۔

[77] یعنی یہود تورات پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر وہ تورات میں واضح حکم دیکھ کر اس سے منہ موڑتے اور آپ سے فیصلہ مانگتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ آپ کا فیصلہ ماننے والے بھی نہیں وہ صرف اپنے دل کی بات مانتے ہیں۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے: (۱) حدِ رجم کی قطعیت۔ شان نزول سے رجم کا شرعی حد ہونا ظاہر ہوا اور فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اور وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِیْهَا حُكْمُ اللّٰهِ کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ رجم اللہ کا مقرر کردہ حکم اور اسکی جاری کردہ شرعی حد ہے۔ (۲) حاکموں کا رشوت لے کر احکام کو بدلنا یہودی خصلت ہے۔ افسوس آج یہ برائی ہم میں

آ گئی ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ

بے شک ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے جس کے مطابق انبیاء جو اللہ کے

اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ

مطیع بندے ہیں یہود کے لئے فیصلہ کرتے تھے [78] اور اللہ والے لوگ اور علماء فیصلہ کرتے تھے کیونکہ ان سے

كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ

اللہ کی کتاب کی حفاظت کا کام لیا گیا اور وہ اس پر گواہ تھے [79] تو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ

اور میری آیات کے بدلے حقیر مالِ دنیا نہ کماؤ [80] اور جو لوگ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق فیصلہ نہ کریں

هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

وہ کافر ہیں۔[81]

تورات وانجیل کی فضیلت اور کتاب خداوندی کے مطابق فیصلہ کرنے کی تاکید

[78] گزشتہ آیات میں یہود کا تورات کے حکم رجم سے انحراف مذکور ہوا۔ اب تورات وانجیل کی فضیلت بتائی جارہی ہے کہ تورات اپنے دور میں ہدایت اور نور بنا کر اتاری گئی۔ ہدایت سے مراد توحید و رسالت اور قیامت جیسے امور پر ایمان لانا ہے اور نور سے مراد احکام شرع ہیں جو تورات میں مذکور ہوئے۔ تورات کا ہدایت و نور ہونا اپنے زمانہ کے لیے ہے۔ جب قرآن اتر آیا تو اب تورات کا وہی حال ہے جو آفتاب نکل آنے کے بعد کسی ستارے کا ہوتا ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تورات کے مطابق انبیاء بنی اسرائیل فیصلے کرتے تھے کیونکہ انبیاء کی گردن اللہ کے حضور ہمیشہ کے لیے جھکی رہتی ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا معصوم ہونا

معلوم ہوا انبیاء گناہوں سے معصوم ہیں۔ کیونکہ یہاں الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا کی شان صرف انبیاء کے لیے بتائی

گئی۔ الرَّبّٰنِیُّوْنَ اور الاحبار کے لیے نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ربانیون اور احبار بھی اللہ کے حضور جھکتے ہیں مگر ان سے سرکشی بھی ممکن ہے مگر انبیاء سے سرکشی ممکن ہی نہیں۔

انبیاء کے معصوم ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مطلق اطاعت کا حکم فرماتا ہے، جیسے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ ؕ ہم نے جو بھی رسول بھیجا وہ اسی لیے تھا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے (نساء، ۶۴) اب اگر نبی کا کوئی فعل وعمل اغوائے شیطان کی بنیاد پہ ممکن ہوتا تو اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کی یوں مطلق اطاعت کا حکم نہ فرماتا۔

[79] یعنی انبیاء کرام ﷺ کے علاوہ ربانیون (اللہ سے لو لگانے والے صوفیاء) اور احبار (علماء) بھی تورات کے مطابق بنی اسرائیل میں فیصلے کرتے تھے کیونکہ ان کے ذمے تورات کی حفاظت رکھی گئی اور وہ اس کے شہداء یعنی محافظ و نگران تھے۔

تورات پر قرآنِ مجید کی برتری

یہاں لِلَّذِیْنَ ھَادُوْا سے معلوم ہوا تورات صرف یہود کے لیے نازل کی گئی تھی، کسی دوسری قوم کے لیے نہیں۔ اسی لیے موسیٰ ﷺ نے بقول قرآن جب بھی خطاب فرمایا تو یاقوم، اے میری قوم فرمایا، گویا وہ اپنی قوم بنی اسرائیل ہی کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔

جبکہ قرآن ساری نسل انسانیت کے لیے ہے۔ فرمایا گیا:

شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ یعنی ''ماہِ رمضان میں قرآن اتارا گیا جو تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے۔'' (بقرہ: ۱۸۵) دوسری جگہ فرمایا گیا:

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝۱ ''برکت والا ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندۂ خاص (محمد مصطفیٰ ﷺ) پہ فرق کرنے والی کتاب نازل فرمائی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے نذیر بن جائے۔'' (فرقان، ۱)

قرآن میں کوئی تحریف نہیں ہوسکتی

بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللّٰہِ سے پتہ چلا تورات کی حفاظت صوفیاء وعلماء بنی اسرائیل کے سپرد کی گئی، اسکی حفاظت اللہ نے اپنے ذمہ نہ لی، مگر بنی اسرائیل کے علماء وصوفیاء نے تورات کے ٹکڑے کردیئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تَجْعَلُوْنَہٗ قَرَاطِیْسَ۔ (انعام: ۹۱) اور قرآن کی حفاظت صوفیاء وعلما کے سپرد نہیں کی گئی، اس کی حفاظت اللہ رب العزت نے اپنے ذمے لی ہے۔ اور فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹ ''بیشک ہم ہی نے قرآن کو نازل کیا ہے اور بلا شبہ ہم ہی یقیناً اس

کے محافظ ہیں۔'' (حجر:۹) یہی وجہ ہے کہ چودہ صدیاں گذر جانے کے باوجود قرآنِ حکیم کے ایک لفظ اور ایک حرف میں بھی تبدیلی نہیں کی جاسکی۔

[80] یہ علماء یہود سے خطاب ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم لوگوں سے ڈر کر صداقت قرآن و رسالتِ محمدیہ کا اقرار نہیں کرتے۔ مگر تمہارا حق یہ ہے کہ لوگوں سے مت ڈرو، اللہ سے ڈرو اور دنیا کے حقیر سے مال کے بدلے اللہ کی آیات یعنی تورات کو فروخت نہ کرو یعنی مال کی خاطر اس کی آیات اور ان میں مذکور احکام کو تبدیل نہ کرو جیسا کہ انہوں نے حضور سید عالم ﷺ کے بارہ میں بشارت والی آیات تورات سے نکال دی یا بدل ڈالی تھیں۔ اس میں علماء دین کے لیے بھی عبرت ہے کہ وہ لوگوں کے ڈر سے یا دنیوی مفاد کے لیے احکام خداوندی کے معانی میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ کریں۔

[81] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک یہودی کے پاس سے گذرے جس کو کوڑے مارے گئے تھے اور اس کا منہ کالا کیا گیا تھا۔ آپ نے یہود سے فرمایا کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی یہی سزا پاتے ہو؟ کہنے لگے ہاں، آپ نے ان کے علماء میں سے ایک شخص کو بلایا اور فرمایا میں تمہیں اس رب کی قسم دلاتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی، کیا تورات میں (شادی شدہ) زانی کی حد (سزا) یہی لکھی ہے (کہ اس کو کوڑے مارے جائیں اور اسکا منہ کالا کیا جائے)؟ کہنے لگا اللہ کی قسم نہیں اور اگر آپ نے مجھے یہ قسم نہ دلائی ہوتی تو میں آپ کو کچھ نہ بتاتا۔ ہم تورات میں (شادی شدہ) زانی شخص کے لیے رجم کی سزا ہی پاتے ہیں مگر ہمارے بڑے لوگوں میں زنا عام ہو گیا تھا تو جب کوئی بڑا آدمی پکڑا جاتا تو ہم اسے رجم نہ کرتے اور کمزور آدمی پر یہ سزا جاری کر دیتے، تب ہم نے کہا کہ آؤ ایسی سزا مقرر کر دیں جو ہر شریف وضعیف پر جاری کی جاسکے، تو ہم نے رجم کو چھوڑ کر کوڑے مارنا اور منہ کالا کرنا مقرر کر دیا تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! جب لوگوں نے تیرا حکم مٹا دیا تھا تو میں وہ پہلا شخص ہوں جس نے اسے زندہ کر دیا، تب حضور سید عالم ﷺ نے اس یہودی کو رجم کیا، تو اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ ''

(مسلم، ابوداود، نسائی، مسند احمد، ابن جریر، ابن ابی حاتم وغیرہ، بروایت درمنثور جلد ۳ صفحہ ۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی نازل کردہ کتاب میں مذکور حکم کو معطل یا تبدیل کر دیں ایسے لوگ کافر ہیں جیسے یہود نے تورات میں مذکور حکم رجم کو زانی کے منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے سے بدل ڈالا، یہ صریح کفر ہے۔

رجم شرعی سزا ہے اسکا منکر قرآن وحدیث کا منکر ہے

یہود نے رجم کو دوسری سزا سے بدلا تو اللہ نے انہیں کافر کہا اور حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ ''اے اللہ! جب لوگوں نے تیرے نافذ کردہ حکم رجم کو مٹایا تو میں نے اسے زندہ کیا۔'' اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہود رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور بتایا کہ ان میں سے ایک مرد و عورت نے زنا کیا ہے آپ نے فرمایا تم تورات میں اس

کی کیا سزا دیکھتے ہو؟ کہنے لگے ہم زانی کو رسوا کرتے اور کوڑے لگاتے ہیں۔عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہنے لگے تم جھوٹ کہہ کر رہے ہو،تورات میں رجم کی آیت ہے تو یہود تورات لے آئے۔ان میں سے ایک شخص تورات کو پڑھنے لگا اور رجم والی آیت پر اس نے ہاتھ رکھ دیا اور آگے پیچھے سے پڑھ دیا۔حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنا ہاتھ اٹھاؤ اس نے ہاتھ اٹھایا تو وہاں رجم کی آیت تھی۔تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں یہودی مرد وعورت کو رجم کر دیا۔(بخاری کتاب المناقب باب ۲۲،ابوداود کتاب الحدود باب ۲۵،موطا امام مالک کتاب الحدود باب ۱) رجم کے بارہ میں مفصل گفتگو ان شاء اللہ سورہ نور آیت ۲ کے تحت آئے گی۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ

اور ہم نے یہود پر لازم کیا تھا کہ جان کے بدلے جان ہے، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے

بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ

ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت ہے اور زخموں میں برابر کا بدلہ

تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ

ہے؟ [82] پھر جو بدلہ معاف کر دے تو وہ اس کے لیے کفارۂ گناہ ہے اور جو لوگ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا

فیصلہ نہ کریں تو وہ ظالم ہیں۔ [83] اور ہم نے ان انبیاء کے بعد عیسٰی ابن مریم (علیہ السلام) کو بھیجا جو اپنے سے قبل

بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ

والی کتاب تورات کی تصدیق کرتے تھے، [84] اور ہم نے انہیں انجیل دی جس میں ہدایت اور نور ہے

وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ ؕ

اور وہ اپنے سے قبل والی کتاب تورات کی تصدیق کرتی ہے اور پرہیزگاروں کیلئے ہدایت اور نصیحت ہے۔ [85]

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ

اور انجیل والوں کو چاہئے کہ جو اللہ نے اس میں اتارا ہے اس کے مطابق فیصلہ کریں اور جو اللہ کی

اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾

نازل کردہ کتاب کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ گناہگار ہیں۔ [86]

[82] مدینہ طیبہ میں دو یہودی قبیلے آباد تھے۔ بنونضیر اور بنی قریظہ۔ بنونضیر طاقتور تھے اور بنوقریظہ کمزور، اگر قریظی شخص کے ہاتھوں کوئی نضیری مارا جاتا تو وہ قریظی کو قتل کرتے اور پورا قصاص لیتے لیکن اگر ان سے کوئی قریظی مارا جاتا تو کچھ پیسے دے کر جان چھڑا لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا کہ ہم نے تورات میں صاف بتایا کہ قصاص لازم ہے، جان کے بدلے بہر حال قاتل کی جان مارو، جو کسی کی آنکھ نکالے اس کی آنکھ نکالو، ناک توڑنے والے کا ناک توڑو،

کان کے بدلے کان کاٹو اور دانت کے بدلے دانت نکالو اور اس کے سوا جو شخص جو زخم لگائے اسے ویسا ہی زخم لگاؤ۔

چنانچہ آج بھی تورات میں لکھا ہے

''جو حال اس نے اپنے بھائی کا کیا تم اس کا کرنا۔ اور تجھے ذرہ ترس نہ آئے، جان کا بدلہ جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ، دانت کا بدلہ دانت، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں۔'' (تورات کتاب استثناء باب ۹ آیت ۲۰، مطبوعہ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور) چونکہ تورات کا یہ حکم قرآنِ مجید میں بلا تردید منقول ہے لہٰذا یہ ہم پر بھی نافذ العمل ہے۔

معلوم ہوا اسلام دینِ مساوات ہے جو حکم دیتا ہے کہ غلام کے بدلے آقا کو، گدا کے بدلے شاہ کو، غریب کے بدلے امیر کو بلکہ ذمی کافر کے بدلے مسلمان کو قتل کیا جائے گا اور اسلام کا یہ قانون قصاص ہی معاشرہ میں امن قائم کر سکتا ہے۔ لہٰذا اسلام دہشت گردی ختم کرنے والا مذہب ہے۔ اسلام کو دہشت گردی سے تعبیر کرنا اہل مغرب کی ہٹ دھرمی ہے۔

یہاں آنکھ کا بدلہ آنکھ اور ناک کا بدلہ ناک میں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ اس طرح بدلہ لیا جائے کہ جان جانے کا خطرہ نہ ہو۔ اسی لیے فقہاء نے کتب فقہ میں اس کے طریقے بیان کیے ہیں۔ یہ معنی نہیں ہے کہ وحشیانہ انداز میں آنکھ پھوڑ دی جائے، اسطرح تو انسان کی جان بھی جا سکتی ہے، اور آج تو میڈیکل سائنس ترقی کر گئی ہے۔ اب تو آنکھ کا بدلہ آنکھ پہ ایسے محفوظ طریقہ پہ عمل کرنا کہ جان محفوظ رہے، زیادہ ممکن اور آسان ہو گیا ہے۔

[83] جو آدمی قاتل کو معاف کر دے یا زخم کا بدلہ معاف کر دے تو اللہ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دے گا۔ حضور سید عالم ﷺ نے یہی آیت پڑھ کر فرمایا جس نے جس قدر قصاص معاف کیا۔ اسی قدر اس کے گناہ اللہ معاف فرمائے گا۔ جس نے ساری دیت معاف کر دی اس کے سارے گناہ اور جس نے کچھ حصہ معاف کیا اس کے اسی قدر گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور قرآنِ مجید نے فرمایا: فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ جس نے قصاص معاف کر دیا اور صلح کر لی اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔

[84] یعنی تورات پر فیصلہ کرنے والے انبیاء کے بعد عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام دنیا میں بھیجے گئے جنہوں نے تورات کی تصدیق کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن مریم اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ صرف اپنی ماں سیدہ مریم سے پیدا ہوئے ان کا کوئی جسمانی باپ نہیں۔ حضور سرور، کونین ﷺ نے فرمایا: لیوشِکنّ ان ینزل فیکم عیسی بنُ مریم حکماً عدلاً قریب ہے وہ وقت جب تم میں عیسیٰ ابن مریم حاکم عادل بن کر نازل ہوں گے۔

(بخاری کتاب الانبیاء باب ۴۹، مسلم کتاب الایمان حدیث ۳۴۳، ترمذی کتاب الفتن باب ۵۴، ابن ماجہ کتاب الفتن ۳۳)

گویا وہی عیسیٰ آئیں گے جو بغیر باپ پیدا ہوئے۔ مرزا قادیانی نے کہا وہ نازل ہونے والا عیسیٰ ابن مریم میں ہوں۔ اسے چاہیے تھا کہ پہلے وہ اپنے باپ سے انکار کرتا پھر خود کو ابن مریم قرار دیتا۔ اس نے خود کو یوں ابن مریم بنایا کہ کہا وہ پہلے مریم تھا پھر اسے روحانی حمل ہوا اور وہ مریم میں سے عیسیٰ بن کر پیدا ہوا۔

(کشتی نوح مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۵۰)

سچ ہے پاگلوں کے سر پر سینگ نہیں ہوتے وہ اپنی باتوں سے پہچانے جاتے ہیں۔

[85] انجیل میں ہدایت اور نور کے ہونے کا وہی معنی ہے جو پیچھے تورات میں ہدایت اور نور کے ہونے کا بتایا گیا ہے اور دوبارہ ہدایت کا لفظ انجیل کے لیے اس معنی میں ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بشارات ہیں۔

[86] یعنی اہل انجیل کو انجیل کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے کیونکہ انجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں واضح بشارات ہیں اس کی تفصیل یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ؗ (اعراف:۱۵۷) کے تحت دیکھی جاسکتی ہے۔اس کے بعد فرمایا گیا کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے فاسق ہیں۔اس سے قبل ایسے لوگوں کے بارہ میں ایک بار فرمایا گیا کہ وہ کافر ہیں۔(مائدہ، آیت ۴۴) پھر فرمایا گیا کہ وہ ظالم ہیں۔(مائدہ، آیت ۴۶) اور اب انہیں فاسق کہا گیا ہے۔ان تینوں کا ایک ہی مفہوم ہے کہ اللہ کی کتاب کا حکم بدلنے والے جیسے یہود نے بدلا تو وہ صریح کافر ہیں اور جو کافر ہے وہ ظالم بھی ہے اور فاسق بھی، جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے: وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝ ''اور کافر لوگ ہی ظالم ہیں۔'' (البقرۃ:۲۵۴) ایک جگہ فرمایا گیا: وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ۝ ''فاسق لوگ ہی اللہ کی آیات سے انکار کرتے ہیں۔'' (بقرہ:۹۹)

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ الۡكِتٰبِ

اور ہم نے آپ کی طرف سچائی کے ساتھ کتاب اتاری جو اپنے سے پہلے والی ہر کتاب کی تصدیق کرتی ہے

وَمُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِ‌ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ‌ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ عَمَّا

اور اس کی محافظ ہے[87] تو آپ ان کے مابین اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات پہ نہ چلیں

جَآءَكَ مِنَ الۡحَـقِّ‌ؕ لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا‌ ؕ وَلَوۡ شَآءَ

اس حق کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آیا[88] تم میں سے ہر گروہ کے لئے ہم نے ایک شریعت اور راستہ بنایا ہے[89] اور اگر اللہ

اللّٰهُ لَجَـعَلَـكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰـكِنۡ لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِىۡ مَاۤ اٰتٰٮكُمۡ‌ فَاسۡتَبِقُوا

چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا مگر اس نے تمہیں جو دیا اس میں وہ تمہیں آزمانا چاہتا ہے لہٰذا نیکیوں میں

الۡخَـيۡرٰتِ‌ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ

ایک دوسرے سے آگے بڑھو، وہ تم پر حق واضح کرے گا جس چیز میں تم

تَخۡتَلِفُوۡنَۙ‏ ﴿۴۸﴾ وَاَنِ احۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ

اختلاف کرتے تھے۔[90] اور یہ کہ آپ ان کے مابین اللہ کے نازل کردہ حکم پر فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات پر نہ چلیں

وَاحۡذَرۡهُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنُوۡكَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ‌ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا

اور ان سے بچ کر رہیں کہیں وہ آپ کی طرف اللہ کے نازل کردہ کسی حکم میں آپ کو آزمائش میں نہ ڈال دیں، پھر اگر وہ

فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّصِيۡبَهُمۡ بِبَـعۡضِ ذُنُوۡبِهِمۡ‌ ؕ وَاِنَّ كَثِيۡرًا

منہ پھیریں تو آپ جان لیں کہ اللہ ان کے بعض گناہوں کے سبب انہیں سزا دینا چاہتا ہے اور بہت سے لوگ

مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ‏ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكۡمَ الۡجَـاهِلِيَّةِ يَـبۡغُوۡنَ‌ؕ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ

بدعمل ہیں۔[91] کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں تو یقین لانے والوں کے لئے اللہ سے بہتر کس کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔[92]

اللّٰہِ حُکْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿٥٠﴾ ع

اللہ ہی کی طرف تمہیں لوٹنا ہے

قرآن کا اللہ کی آخری کتاب اور مکمل ضابطہ حیات ہونا

[87] پہلے تورات وانجیل کے اوصاف وفضائل بیان کیے گئے اب قرآن کی عظمت بتائی جارہی ہے، مھیمن کا معنی محافظ ہے۔یعنی قرآن پہلی تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے اور حفاظت بھی۔تصدیق کا مفہوم واضح ہے۔جب کہ حفاظت کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن بتاتا ہے کہ ان کتابوں میں سے کیا کچھ نکال دیا گیا ہے۔یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ۔ ''قرآن تمہیں وہ باتیں بتاتا ہے جو تم اپنی کتاب میں سے چھپاتے ہو۔'' (مائدہ:١٥) اور یہ کہ ان کی اصل تعلیمات کیا ہیں کسی چیز کا محافظ وہی ہوتا ہے جو اسے اس کی اصل شکل پر محفوظ کرے۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(١) قرآن تمام آسمانی کتابوں کی سردار کتاب ہے۔

تورات کے بارہ میں کہا گیا۔ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ۔ (مائدہ، آیت:٤٤) انجیل کے بارہ میں کہا گیا وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ۔ (مائدہ، آیت ٤٦) اس کے بعد قرآن کا ذکر اس کا نام بتائے بغیر اسے الکتاب کہہ کر یوں کہا گیا: وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْکِتٰبَ (مائدہ، آیت ٤٨) دراصل جب کوئی چیز کسی وصف میں درجہ کمال کو پہنچ جائے تو وہ وصف ہی اس کا نام بن جاتا ہے۔گویا قرآن کتابوں میں یوں عظیم تر ہے کہ اس کا نام ہی الکتاب ہے اور جب مطلقاً الکتاب کہا جائے تو قرآن ہی مراد ہوسکتا ہے۔

اس کی مثال اس طرح ہے کہ تمام رسولان گرامی پہ لفظ صادق آتا ہے، مگر کسی کو لقب رسول اللہ نہ دیا گیا۔جبکہ رسول اللہ ﷺ کا لقب ہی رسول اللہ بنا دیا گیا، کیونکہ آپ جماعت رسل میں سب سے بڑا درجہ رکھتے ہیں۔اسی لیے قرآنِ مجید میں اکثر جگہ آپ کا تعارف آپ کے نام کی بجائے صرف لفظ رسول کے ساتھ کیا جاتا ہے جیسے ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ (آل عمران، ٨١) لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (آل عمران، ١٦٤)

(٢) قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے

مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْکِتٰبِ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی کتاب اتاری وہ قرآن سے قبل ہی ہے اور قرآن جب ساری کتابوں کے لیے مصدق ہے تو مصدق وہی ہوسکتا ہے جو سب سے بعد میں ہو۔اور کسی دوسری

کتاب کو قرآن کا مصدق نہیں بنایا گیا، کیونکہ قرآن کے بعد کوئی آسمانی کتاب ہے ہی نہیں۔

اس سے رسول اللہ ﷺ کی شانِ ختم نبوت بھی واضح ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر قرآن سب سے آخری کتاب ہے تو یقیناً صاحب کتاب رسول سب سے آخری رسول ہے۔ آپ کے بعد کوئی رسول نہیں ہے، بلکہ قرآن میں خود رسول اللہ ﷺ کو بھی تمام انبیائے کرام کا مصدق بتایا گیا ہے، جیسے فرمایا گیا:

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ ''پھر تمہارے پاس وہ رسول آجائے جو ان سب چیزوں کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہیں۔'' (آل عمران، ۸۱)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سب انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے مصدق ہیں، کسی کو آپ کا مصدق نہیں بنایا گیا۔ معلوم ہوا کہ آپ سب رسولوں کے بعد آنے والے ہیں، آپ کے بعد کوئی رسول نہیں آنے والا ہے۔

(۳) قرآن میں تغیر ممکن نہیں

قرآن کو پہلی تمام کتابوں کا محافظ یعنی انہیں اصل شکل میں پیش کرنے والا کہا گیا۔ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ اور جو خود تغیر سے محفوظ نہ ہو وہ کسی اور کی کیا حفاظت کرسکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ قرآن کا کسی تغیر وتبدل سے محفوظ ہونا قطعی مسلم ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا: لَّا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ''قرآن میں کوئی باطل آگے یا پیچھے سے شامل نہیں ہوسکتا۔'' (فصلت، ۴۲)

[88] یہ پیچھے آیت ۴۱ میں مذکور واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ جب یہود نے حضور سید عالم ﷺ سے غلط فیصلہ لینا چاہا۔ اس بارہ میں آپ سے فرمایا جارہا ہے کہ آپ ہمیشہ یہود کے مابین اللہ کے نازل کردہ حکم پر ہی فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کو خاطر میں نہ لائیں۔

[89] یعنی اے یہود ونصاریٰ اور اے اہل اسلام! ہم نے تم میں سے ہر کسی کو ایک شریعت اور منہاج دیا ہے۔ شریعت سے احکام شرع مراد ہیں اور منہاج سے احکام پر عمل کا طریقہ یعنی طریقت مراد ہے۔ یعنی ہر نبی کی ایک شریعت اور طریقت تھی۔ امام رازی اس جگہ فرماتے ہیں: معلوم ہوا ہر نبی صاحب شریعت ہے۔ لہٰذا مرزائیوں کا کہنا کہ حضور ﷺ کے بعد صاحب شریعت نبی تو نہیں آسکتا البتہ غیر صاحب شریعت نبی آسکتا ہے، غلط ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مرزا قادیانی نے خود کو صاحب شریعت نبی کہا ہے۔ (اربعین نمبر ۴ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ مطبوعہ لندن)

[90] اے یہود ونصاریٰ اور اہل اسلام! اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت یعنی امت مسلمہ بنا دیتا مگر وہ ہر انسان کو زبردستی مومن نہیں بنانا چاہتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ انسانوں کو اپنی نعمتیں دے پھر آزمائے کہ کون اس کی نعمتیں کھا کر اس پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتا ہے کون نہیں۔ پھر وہ روز قیامت لوگوں کو بتائے گا کہ وہ دنیا میں جو اختلافات کرتے تھے ان میں راہ حق کیا تھا، راہ حق تو اس نے دنیا ہی میں بتلا دی ہے مگر روز قیامت وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے

گا اور اس پر چلنے والوں کو جنت اور نہ چلنے والوں کو جہنم میں بھیجے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی جملہ عبادات اختیاریہ ہیں اور اسی سے اس کا مرتبہ فرشتوں سے بھی افضل ہے۔ کیونکہ فرشتوں کی عبادت اختیاری نہیں، اضطراری ہے، وہ اپنی عبادت کو چھوڑ نہیں سکتے۔ اگر انسان کو بھی ایمان لانے اور نہ لانے کا اختیار نہ دیا جاتا تو پھر اس میں اور فرشتوں میں کوئی فرق نہ رہ جاتا، پھر انسان کو پیدا کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

[91] یعنی اے نبی ﷺ! یہود چاہتے ہیں کہ آپ ان کے لیے اللہ کے نازل کردہ حکم سے ہٹ کر فیصلہ کریں مگر آپ اللہ کے نازل کردہ حکم پر ڈٹے رہیں اور جو حکم خدا ہے وہ انہیں بتا دیں اگر اس کے باوجود وہ اسے نہ مانیں تو آپ غمزدہ ہوں۔ ایسے ہٹ دھرم، اسلام دشمن اور کینہ پرور وں کو اللہ ان کے جرائم کی سزا دینا چاہتا ہے۔ اور کئی لوگ بدعمل ہیں یعنی حق دیکھنے سمجھنے کے باوجود اس کے مقابلے میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ اسی لائق ہیں کہ انہیں قرار واقعی سزا دی جائے۔ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ سے معلوم ہوا قاضی اور جج کو فیصلہ کرتے ہوئے کسی انسان کی خوشنودی کی بجائے صرف حکم خدا کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

[92] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! یہود آپ سے دور جاہلیت والا فیصلہ لینا چاہتے ہیں کہ جب لوگ طاقت کے بل بوتے پر فیصلے کرتے تھے اور کسی قانون یا اخلاق کی پرواہ نہیں رکھتے تھے جب اللہ کی کتاب ایک ضابطہ کی صورت میں موجود ہے تو ایمان وایقان والوں کے لیے اللہ کے نازل کردہ حکم سے بڑھ کر کون سا حکم بہتر ہو سکتا ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ؕۘ بَعْضُهُمْ

اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے

اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى

دوست ہیں [93] اور جو ان سے دوستی رکھے وہ انہیں میں سے ہے بے شک اللہ ظالم قوم کو

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ

ہدایت نہیں دیتا۔ [94] تو تم ان لوگوں کو جن کے دلوں میں مرض ہے دیکھو گے کہ یہود و نصاریٰ کی طرف

فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ

بھاگتے ہیں، کہتے ہیں: ہمیں ڈر ہے کہ ہم پر کوئی مصیبت نہ آجائے تو قریب ہے کہ اللہ فتح یا اپنی طرف سے کوئی

بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ

حکم لے آئے، پھر انہوں نے اپنے دلوں میں جو چھپا رکھا تھا اس پر انہیں

نٰدِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ؕ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ

ندامت ہو۔ [95] اور ایمان والے (باہم) کہیں: کیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے نام خدا پر

اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٥٣﴾

مضبوط قسمیں اٹھائی تھیں کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں؟ ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور وہ سراسر خسارے میں رہے۔ [96]

وقف لازم وقف منزل عند البعض

الثلثة

یہود و نصاریٰ سے دوستی کے نقصانات

[93] اس کا شان نزول یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں آباد ایک یہودی قبیلہ بنو قینقاع کے بازار میں ایک مسلمان عورت کسی دکان پر بیٹھی سودا خرید رہی تھی۔ ایک یہودی نے پیچھے سے اس کا دامن اسکے ازار سے باندھ دیا جب وہ اٹھی تو برہنہ ہوگئی۔ یہود نے اس شخص کو کچھ ملامت نہ کی بلکہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ یہ مسلمانوں کے ساتھ ان کے معاہدہ بقاء باہمی کی صریح مخالفت اور عہد شکنی تھی۔ ایک مسلمان یہ ماجریٰ دیکھ رہا تھا اسے طیش آیا اس نے اس یہودی کا سر اڑا دیا۔

یہود نے اس مسلمان کو قتل کر دیا یوں جنگ چھڑ گئی۔حضور سید عالم ﷺ نے قبیلہ بنوقینقاع کا پندرہ دن محاصرہ جاری رکھا۔ آخر یہود نے ہتھیار پھینک دیئے اور حکمِ رسول ﷺ پر مدینہ چھوڑ کر شام کی طرف چلے گئے۔

اس موقع پر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے خفیہ طور پر یہود کا ساتھ دیا۔عبداللہ بن ابی انصار کے قبیلہ خزرج سے تھا جو شروع سے بنوقینقاع کے حلیف ہوتے تھے۔مگر ان کی اس بدعہدی پر خزرج نے یہ حلف ان کے منہ پر دے مارا مگر عبداللہ بن ابی منافق نے بدعہد یہود کی مدینہ طیبہ سے جلاوطنی رکوانے کے لیے پوری کوشش کی۔اس موقع پر یہ آیتِ مبارکہ اتری: لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ (ابن جریر، مظہری، مدارج النبوت) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مسلمانو! تم مسلمانوں کو چھوڑ کر یہود ونصاریٰ کو اپنے یار و مددگار مت بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے یار و مددگار ہیں، یعنی اگر تم نے ایسا کیا تو تم عبداللہ بن ابی منافق کے پیروکار ہو گے۔

[94] جو شخص خود کو مسلمان کہے اور یہود و نصاریٰ سے محبت اور مسلمانوں سے نفرت رکھے۔اس طرح کہ مسلمانوں کے قومی راز ان پر ظاہر کرے یوں انہیں نقصان پہنچائے وہ بلاشبہ کافر ہے اور جو شخص اپنے مفادات کے لیے مسلمانوں کو چھوڑ کر یہود وانصاریٰ کا ساتھ دے جیسے عبداللہ بن ابی نے بنوقینقاع کے یہود کا ساتھ دیا تھا، یا جیسے دور حاضر کے اکثر مسلم حکمرانوں کا حال ہے کہ وہ ملتِ اسلامیہ کے مفادات کو بیچ کر اپنی کرسیاں پکی کیے ہوئے ہیں ایسے لوگ بھی منافقین ہیں جو روز قیامت یہود ونصاریٰ کے ساتھ ان کے درجہ میں ہوں گے۔

یاد رہے کفار سے ایسی دوستی حرام ہے جو مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے خلاف ہو جیسے منافقین مدینہ کی یہود سے دوستی تھی۔ایسی دوستی سب کفار سے حرام ہے خواہ وہ یہود ونصاریٰ ہوں یا کوئی اور البتہ یہود وانصاریٰ کا نام اس لیے لیا گیا کہ وہ مسلمانوں سے بعض مشترک نظریات بھی رکھتے ہیں جیسے ایمان بالقیامت اور جنت و نار کا ماننا وغیرہ، جب ان سے دوستی حرام ہے تو دوسرے کفار سے بطریقِ اولیٰ حرام ہے۔تاہم ایسی دوستی جس سے مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کو خطرہ نہ ہو جائز ہے چنانچہ خود حضور سرورِ کونین ﷺ نے یہود سے تجارت فرمائی اور کتابیہ عورتوں سے نکاح بھی حلال رکھا گیا۔

مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کو مدد دینا یا ان سے مدد لینا حرام ہے

جب مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے خلاف کفار سے دوستی حرام ہے تو ۱۹۹۲ء میں سعودی اور کویتی حکمرانوں نے اپنے اقتدار کے تحفظ کیلئے جو امریکہ کو دعوت دی اور اس نے ہزاروں عراقی مسلمانوں کا قتل عام کیا اس کی جس قدر مذمت کی جائے کم ہے یہ لوگ غدارانِ ملت ہیں ضروری تھا کہ اس موقع پر سعودی و کویتی حکمران عراق سے اپنے جھگڑے کو مسلمانوں کے ذریعے حل کرواتے۔اسی طرح ۲۰۰۱ء میں ظالم امریکہ نے افغانستان پر اور اگلے برس عراق پر شدید بمباری کر کے ہزاروں مسلمانوں کا خون بہایا۔اس موقع پر امریکہ کی حمایت کرنے والے مسلم حکمران قرآن کی اس پھٹکار کے حق دار ہیں۔وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ

اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ

بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ سے معلوم ہوا تمام کفار خواہ یہود ہوں یا نصاریٰ یا کچھ اور وہ اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ میں متحد ہیں مگر افسوس مسلمان ان کے مقابلہ میں متحد نہیں ہیں حالانکہ قرآنِ مجید مومنوں کی شان یہ ہے۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ۔ (فتح:۲۹) مگر آج ہماری یہ حالت ہے۔ رحما بالکفار اشداء بینھم۔

کفار کو اسلامی حکومت کے اعلیٰ مناصب پر بٹھانا حرام ہے

جب اجتماعی اسلامی مفاد کے خلاف کفار سے دوستی جائز نہیں تو اسلامی حکومت کے کسی اعلیٰ منصب پر غیر مسلموں کا تقرر کیسے جائز ہے۔ گورنر کوفہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عیسائی منشی مقرر کیا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں یہی آیت لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ م پڑھ کر سنائی اور انہیں اس عیسائی منشی کے معطل کرنے کا حکم فرمایا۔
(ابن ابی حاتم جلد ۴ صفحہ ۱۱۵۶)

[95] حضرت سدی (تابعی) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب جنگ احد میں مسلمانوں پر مصیبت آئی تو منافقین بہت گھبرائے۔ انہیں ڈر ہوا کہ کفار مسلمانوں پر غالب آ جائیں گے تو ان میں سے کسی نے کہا میں فلاں یہودی کی پناہ لے لیتا ہوں کسی نے کہا میں شام کے فلاں عیسائی کی پناہ لے لیتا ہوں۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ مبارکہ اتاری: فَتَرَی الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوْنَ فِیْھِمْ یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓی اَنْ تُصِیْبَنَا دَآئِرَۃٌ ط یعنی مرض منافقت والے لوگ کسی مصیبت سے بچنے کے لیے یہود و نصاریٰ کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ انہیں کیا خبر کہ عنقریب اللہ مسلمانوں کے لیے فتح یا کوئی نیا حکم لانے والا ہے چنانچہ جنگ احد سے دو برس بعد جنگ احزاب ہوئی اور اس کے بعد مسلمانوں کا ہر قدم فتح و نصرت کی طرف بڑھتا چلا گیا اور نیا حکم آیا جس کے بعد یہود کو مدینہ طیبہ سے نکال دیا گیا، تب منافقین کے پاس شرمندہ ہونے اور کف افسوس ملنے کے سوا کچھ نہ تھا۔

[96] یعنی جب فتح آئے گی تو مسلمان منافقوں کی حالت پر ہنسیں گے اور کہیں گے کیا انہی لوگوں نے پکی قسمیں اٹھائی تھیں کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں؟ یہ ہمارے ساتھ کب تھے یہ تو دشمنانِ اسلام کے ساتھ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے منافقوں کے اعمال ضائع ہیں اور انہیں خسارے کے سوا کچھ نہ ملے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ

اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا جن سے

يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫

وہ محبت رکھتا ہے اور وہ اس سے محبت رکھتے ہیں وہ مومنوں کے لئے نرم اور کافروں پر سخت ہیں

يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ

وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتے، یہ اللہ کا فضل ہے

يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾

جس کو چاہے دے دے اور اللہ بڑی وسعت والا علم والا ہے۔[97]

[97] گزشتہ آیات میں یہود ونصاریٰ سے دوستی ممنوع قرار دی گئی۔ اب مرتدین سے جہاد کا حکم فرمایا جارہا ہے۔ حضرت قتادہ، ضحاک، حسن اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یہ آیت ان واقعات کی پیش گوئی کے لیے نازل ہوئی جو وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دورِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں نمودار ہوئے، جب کئی جھوٹے مدعیانِ نبوت کھڑے ہو گئے جیسے اسود عنسی، مسیلمہ کذاب اور نجاح نامی عورت اور کئی قبائل زکوٰۃ سے منکر ہو کر مرتد ہو گئے۔ ایسے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بے مثال جرأت کا مظاہرہ کر کے ان فتنوں کا خاتمہ کیا۔ چنانچہ ابوبکر صدیق اور دوسرے صحابہ کی تعریف میں یہ آیت اتری۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن کثیر، بغوی، خازن، مظہری وغیرہ)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر مسلمانوں میں سے کوئی قوم معاذ اللہ اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ ان کی سرکوبی کے لیے ایسے لوگ لے آئے گا جو اللہ کے محبوب بھی ہیں اور محب بھی، وہ مومنوں کے لیے نرم اور کافروں پر سخت ہیں۔ وہ مرتدین سے جہاد کر کے ان کی قوت کا خاتمہ کر دیں گے اور یہ عظیم فضیلت اللہ تعالیٰ جس خوش نصیب کو چاہے اپنے فضل خاص سے دیتا ہے۔

اور تاریخ اسلام ایسے مرتدین کے واقعات سے بھری پڑی ہے جن کی سرکوبی کے لیے اللہ رب العزت مجاہدین کی جماعتیں پیدا فرماتا رہا۔ اس کے اولین مصداق حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے ساتھی صحابہ ہیں ان کے دور میں مرتدین سے سب سے بڑی جنگ جنگ یمامہ ہوئی جو مسیلمہ کذاب اور اس کے لشکر سے لڑی گئی جس میں قریباً بارہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے جن میں اکثر قاری قرآن تھے۔ یمامہ جزیرہ عرب کے مشرق میں بحرین کے قریب ایک علاقہ ہے،

اسے نقشہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ آپ کے دور میں مزید کئی مرتدین سے جنگ ہوئی اور ان کی سرکوبی کی گئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے بارہ لشکر ترتیب دیئے اور انہیں مملکت اسلامیہ کی مختلف اطراف میں مرتدین اور مدعیان نبوت کی سرکوبی کے لیے بھیجا، جیسے طلیحہ کذاب یہ نجد میں تھا، سجاح بنت حارث جو علاقہ بنو تمیم سے تھی۔

شانِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

یہ آیتِ مبارکہ خصوصاً ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں بطور پیش گوئی اتری۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں: نزلت فی ابی بکر و اصحابه۔ ضحاک کہتے ہیں: هم ابوبکر و اصحابه۔ (درمنثور) معلوم ہوا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بھی ہیں محب بھی۔ آپ کافروں پر سخت اور مومنوں کے لیے نرم ہیں۔ آپ راہ خدا میں جہاد کرنے اور اس راہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کا خوف نہ رکھنے والے ہیں اور آپ کی یہ چھ صفات کسی شک و شبہ سے بالاتر ہیں، اللہ کی آپ سے محبت یہ ہے کہ اس نے آپ کو سب سے پہلے اسلام میں داخل کیا۔ اپنے حبیب کا یارِ غار، سسر، رفیق سفر و حضر اور ہم مزار بنایا اور آپ کی اللہ سے محبت یہ ہے کہ آپ نے رضا الٰہی میں سب کچھ قربان کر دیا حتیٰ کہ اللہ رب العزت نے آپ کے حق میں یہ آیات اتاریں: وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾ (سورۃ اللیل)

آپ کا مومنوں کے لیے نرم ہونا کون نہیں جانتا آپ کی رقتِ قلبی مشہور ہے اور کفار پر آپ کی سختی کا عالم یہ ہے جنگ احد میں اپنے کافر بیٹے کی گردن اتارنے کے لیے شمشیر بکف میدان میں اتر آئے۔ آپ کا جہاد یہ ہے کہ تمام غزوات نبویہ میں شریک رہے کسی میں غیر حاضر نہ تھے پھر آپ نے قریباً دو سالہ عہد خلافت میں وسیع رقبہ زمین اسلام کی جھولی میں ڈالا۔ اردن، شام، فلسطین، بحرین اور نجد سب آپ کے دور میں فتح ہوئے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈرنا یہ ہے کہ منکرین زکوٰۃ سے لڑنے کے لیے اکیلے ہی میدان میں اتر آئے اور کسی اختلاقی رائے کو خاطر میں نہ لائے۔ اس وقت بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے یہی تھی کہ ابھی مرتدین سے جہاد شروع نہ کیا جائے مگر آپ اپنے فیصلہ پر ڈٹے رہے آخر سب نے مانا کہ آپ ہی کا فیصلہ درست تھا۔

خلافتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حقانیت

یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ برحق خلیفۃ المسلمین ہیں کیونکہ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلیفہ بنایا یعنی اس کے لیے اسباب مہیا فرمائے اور اللہ نے آپ سے مرتدین کی سرکوبی کا کام لیا اور اس وقت ابوبکر صدیق ہی تھے جنہوں نے کشتیٔ اسلام کو سہارا دیا۔ وفاتِ نبوی کے بعد منکرینِ ختمِ نبوت، مخالفینِ زکوٰۃ، شام سے عیسائی لشکر کی یلغار، یہ سب فتنے یکدم جمع ہو گئے جن سے ابوبکر صدیق کی ثابت قدمی و قوت استقلال ہی عہدہ برآ ہو سکی۔

معتبر شیعہ مفسر ابوعلی فضل بن حسن طبرسی اس آیت کے تحت مختلف اقوال لکھتا ہے اور پہلا قول یہ بیان کرتا ہے:
فقیل هم ابوبکر و اصحابه. یعنی کہا گیا ہے کہ وہ ابوبکر صدیق اور ان کے ساتھی ہیں۔ (تفسیر مجمع البیان جلد ۳ صفحہ ۳۵۸ مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت) گویا علامہ طبرسی شیعہ کے نزدیک بھی اس آیت کا سب سے پہلا مصداق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ کے وہ ساتھی صحابہ ہیں جنہوں نے تاریخِ اسلام میں مرتدین کے ساتھ سب سے پہلا جہاد کیا اور خلافت رسول کا حق ادا کر دیا۔

اسی طرح ایک اور معتبر شیعہ مفسر ملا فتح اللہ کاشانی نے اس آیت کی تفسیر میں صرف انہی جنگوں کے حالات لکھے ہیں جو دورِ صدیقی میں منکرین ختم نبوت کے ساتھ لڑی گئیں، تو اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد تیرہ قبائل عرب مرتد ہو گئے، جن میں سب سے بڑا قبیلہ مسیلمہ کذاب کا تھا یعنی بنو حنیف۔ آگے لکھتا ہے: کار مسیلمہ قوت گرفت، چوں ابوبکر بخلافت بنشست خالد بن ولید را با جماعتے بجانب خیبر فرستاد تا او را مقہور کردند و بردست وحشی قاتل حمزہ کشتہ شد، ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے مسیلمہ کا کام قوت پکڑ گیا، جب ابوبکر صدیق نے خلافت سنبھالی تو خالد بن ولید کو ایک لشکر کے ساتھ جانب خیبر بھیجا اور انہوں نے اس کی قوت کا خاتمہ کیا اور وہ حضرت وحشی (قاتل امیر حمزہ) کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔'' (تفسیر منہج الصادقین جلد ۳ صفحہ ۲۴۷ مطبوعہ انتشارات اسلامیہ تہران ایران)

معلوم ہوا کہ منصف مزاج شیعہ مفسرین کے مطابق بھی یہ آیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پہ سب سے پہلے صادق آتی ہے، تو پھر اے شیعہ لوگو! تم بھی فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ الخ کے تحت مان لو کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو اللہ نے قائم فرمایا، وہ اللہ کے محبوب بھی ہیں اور محب بھی، وہ مومنوں کے ساتھی اور کافروں کے دشمن ہیں، وہ مجاہد اسلام ہیں، وہ اللہ کے سوا کسی سے ڈرنے والے نہیں ہیں اور ان پہ اللہ کا فضلِ عظیم ہے۔ الحمد للہ!

منکرینِ ختمِ نبوت واجب القتل ہیں

يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ میں اشارہ ہے کہ منکرین ختم نبوت سے قتال واجب ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہی کارنامہ یہاں مذکور ہے اور دورِ خلافت صدیقی میں صحابہ کرام نے اپنی جانوں کے نذرانے دے کر عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ کیا۔ تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب ''دلائل ختم نبوت اور رد قادیانیت'' پڑھیں۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

تمہارا دوست تو اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے اور زکوٰہ دیتے ہیں

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ

اور وہ اللہ کے حضور جھکنے والے ہیں۔ [98] اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں سے

اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ ع

دوستی رکھیں تو بے شک اللہ کا گروہ ہی غالب ہے۔

ع ۸ / ۱۲

[98] یہود بنوقینقاع سے جنگ کے دوران جب منافقین نے یہود کا ساتھ دیا اور انصار صحابہ نے بنوقینقاع کا حلف ان کے منہ پر دے مارا اور اس کا سہرا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے سر رہا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر ان کے کردار کی تعریف اور کردار منافقین کی مذمت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے مومنو! تمہارا یار و مددگار اللہ اور اس کا رسول ہے اور وہ مومنین ہیں جو نماز و زکوٰۃ کے پابند اور اللہ کے حضور جھکنے والے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ ہے کہ جب عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اسلام لائے تو ان کی قوم یہود نے ان سے مکمل مقاطعہ کر دیا تب یہ آیت اتار کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مومنو! تمہیں یہود کے مقاطعہ سے غم نہیں کرنا چاہیے تمہارا یار و مددگار اللہ اور رسول اور مومنین ہیں۔

اس آیت سے اہلِ تشیع کا خلافتِ علی بلافصل پہ استدلال اور اس کا بطلان

یہاں ایک ضعیف روایت یہ بھی ہے کہ ایک بار حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے دورانِ رکوع اپنی انگوٹھی اتار کر سائل کو دے دی تب اللہ نے یہ آیت اتار کر فرمایا اللہ اور اس کا رسول تمہارا ولی ہے اور وہ مومنین تمہارے ولی ہیں جو نماز پڑھتے اور رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں اس روایت کو بنیاد بنا کر اہل تشیع نے اس سے خلافتِ علی بلافصل ثابت کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ یہاں ولی بمعنی حاکم ہے اور اللہ نے حضرت علی کو حاکم قرار دے کر انکی خلافت و امامت کا اعلان کیا ہے۔ مگر یہ استدلال کئی وجوہ سے غلط ہے۔

اول:

اس آیت میں ولی بمعنی دوست اور مددگار ہے کیونکہ پیچھے فرمایا گیا:

لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ یعنی یہود و نصاریٰ کو اپنے مددگار نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ (آیت ۵۱) اور اس کے بعد فرمایا گیا:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴿۵۵﴾ لہٰذا یہاں ولی بمعنی دوست اور مددگار ہی ہے پھر آخر میں وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴿۵۶﴾ اور لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ (آیت ۵۷) کے الفاظ بھی ولی بمعنی دوست اور مددگار ہونے پر صریح نص ہیں۔ جب اس آیت کے ماقبل اور مابعد چار مقامات پہ لفظ ولی بمعنی دوست ہے تو اس آیت میں لفظ ولی بمعنی دوست کیوں نہیں ہے، ایک آیت کو ماقبل اور مابعد سے کاٹ کر اس میں اپنی مرضی کا معنی ٹھونسنا گمراہی نہیں تو اور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ایسی گمراہی سے ہر مسلمان کو بچائے۔

دوم:

پھر حضرت علی کے حق میں اس آیت کا اترنا متفق علیہ نہیں ہے اس کے دیگر شان ہائے نزول بھی مروی ہیں۔ زیادہ مشہور یہ ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے پر نازل ہوئی۔ مشہور شیعہ مفسر ابوعلی فضل بن حسن طبرسی متوفی ۲۱۰ھ نے بھی اس آیت کو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہونے کو سب سے پہلے بیان کیا ہے۔

(تفسیر مجمع البیان جلد ۳ صفحہ ۳۶۳ مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت)

ہم اہل تشیع سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے نزدیک خلافت علی کا مسئلہ اصول دین میں سے ہے جس کو مانے بغیر کوئی شخص مؤمن نہیں کہلاسکتا تو اس کے لیے قطعی دلیل چاہیے۔ اہل تشیع پر لازم ہے کہ قرآن سے ایسی آیت لائیں جس میں حضرت علی کا نام لے کر انکو امام یا خلیفہ کہا گیا ہو؟ جب اہل تشیع کے نزدیک امامت مثل رسالت ہے بلکہ رسالت سے بھی اہم ہے تو جیسے قرآن میں بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر آپ کی رسالت بیان کی گئی ہے اسی طرح قرآن میں کم از کم ایک بار تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پہ نص ہونی چاہیے؟ جب کہ اس آیت میں نہ تو حضرت علی کا نام ہے نہ خلافت کا کوئی ذکر ہے، نہ ہی حضرت علی کے بارہ میں اس آیت کا نزول حتمی ہے پھر کس منہ سے وہ بزعم خود اس آیت سے حضرت علی کی خلافت قطعیہ ثابت کرتے ہیں اور نہ ہی پورے قرآن میں سے کوئی ایسی آیت دکھائی جاسکتی ہے۔

سوم:

اگر اس آیت کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی کے حق میں نازل شدہ مانا جائے تو بھی اس سے ان کا مومنوں کا مددگار ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس سے کس کو انکار ہے۔

چہارم:

اسی طرح اگر اس آیت کو حضرت علی کے بارہ میں نازل شدہ مانا جائے تو کیا قرآنی آیات اپنے شان نزول کے ساتھ ہی خاص رہتی ہیں؟ اگر یہی بات ہے تو کیا منافقین کے بارہ میں نازل شدہ آیات صرف عبداللہ بن ابی ہی سے خاص ہیں؟ کیا کوئی اور منافق ان کی لپیٹ میں نہیں آسکتا؟ اور کیا شہداء کے حق میں نازل شدہ آیات صرف انہی شہداء

سے خاص ہیں جو دورِ نبوی میں شہید ہوئے تھے، کوئی اور شہید ان فضائل کا مستحق نہیں ہے؟ اگر اسکا جواب نفی میں ہے تو صرف اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ۔ الخ کو حضرت علی سے خاص کرنے کا کیا معنی ہے؟

پنجم:

اگر اللہ تعالیٰ نے ولایت کو حضرت علی ہی سے خاص کرنا تھا تو پھر الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ﴿۵۵﴾ جیسے صیغہ ہائے جمع لانے کی کیا ضرورت تھی، پھر تو حضرت علی کا نام لینا چاہیے تھا اور اگر نام کی بجائے صفات سے یاد کرنا تھا تو یوں کہنا چاہیے تھا: والمؤمن الذی یقیم الصلاۃ و یؤتی الزکوۃ وھو راکع۔

ششم:

یہاں ولی کا معنی حاکم لینا قطعی طور پر غلط ہے کیونکہ شروع میں اِنَّمَا حرفِ حصر ہے۔ تو کیا اللہ و رسول اور حضرت علی کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ اس سے تو شیعوں کے باقی گیارہ اماموں کی امامت بھی اڑ گئی۔ شیعوں کو مبارک ہو وہ اس آیت سے حضرت علی کی امامت ثابت کرنے نکلے تھے، وہ تو ثابت نہ ہوئی مگر وہ باقی گیارہ اماموں کی امامت سے ہاتھ دھو بیٹھے، کیونکہ انما حرف حصر ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی سب کی امامت کی نفی کر رہا ہے۔

ہفتم:

شیعوں کا ذکر کردہ معنی تب قائم ہوتا ہے اگر وَھُمْ رٰکِعُوْنَ کو وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ میں ضمیر جمع سے حال بنایا جائے اور اس کا حال بنانا ہی غلط ہے، ورنہ اس آیت سے ثابت ہوگا کہ حالت رکوع ہی میں زکوۃ دینی چاہیے اور مؤمنین وہی ہیں جو حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں حالانکہ ایسی بات کہنا سراسر حماقت ہے، جب یہ جملہ ماقبل سے حال واقع ہی نہیں تو پھر اس سے استدلال لانے کی کوئی بنیاد ہی نہیں اور حق یہی ہے کہ وھم راکعون الگ جملہ ہے جسکا معنی یہ ہے کہ اہل ایمان اللہ کے ہاں جھکنے والے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت سے ہرگز کوئی تعلق نہیں۔

الغرض اس آیت کو امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ پہ نص صریح سمجھنا سراسر اہلِ تشیع کی سینہ زوری ہے، بلکہ ان کو مان لینا چاہیے کہ ان کے عقیدۂ امامت کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہے۔ یہ عقیدہ یہود نے گھڑ کر مسلمانوں میں داخل کر دیا ہے، تاکہ مسلمانوں پہ ان کے دین کو مشتبہ کر سکیں۔ کیونکہ امت کو یہ دین اور یہ قرآن صحابہ کرام ہی کے ذریعہ سے ملا ہے، جب یہ کہہ دیا گیا کہ عقیدۂ امامت کے نہ ماننے کی وجہ سے تمام صحابہ کرام مرتد ہو گئے تھے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ تو سارا قرآن ہی مشکوک ہو گیا۔ جس روایت کا پہلا راوی ہی مرتد ہو وہ روایت مردود ہوتی ہے۔ جب قرآن کے پہلے رواۃ صحابہ کرام ہیں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن سن کر آگے امت کو بتایا، جب عقیدۂ امامت سے انکار کی وجہ سے اہل تشیع کے نزدیک وہی مسلمان نہ رہے تو قرآن کی حقانیت کیسے ثابت رہی۔ الغرض امامتِ منصوصہ کا عقیدہ گمراہیوں کی جڑ ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ
اے ایمان والو! جن لوگوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا لیا یعنی جنہیں تم سے قبل
الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ
کتاب دی گئی، انہیں اور دوسرے کفار کو اپنے دوست نہ بناؤ [99] اور اللہ سے ڈرو اگر تم
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝۵۷ وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ
مؤمن ہو۔ اور جب تم نماز کے لئے اذان دیتے ہو تو وہ اسے ہنسی کھیل بنا لیتے ہیں
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ۝۵۸
اس لئے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں۔[100]

یہود کا اذان کا مذاق اڑانا اور ان کی دیگر برائیاں

[99] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بعض یہود منافقت سے اسلام لائے۔ مسلمانوں نے ان سے بہت محبت و پیار کا مظاہرہ کیا مگر وہ اسلام کا مذاق اڑانا اور اہلِ اسلام میں تفرقہ ڈالنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس آیت میں ان سے ہوشیار رہنے کا حکم دیا جب مسلمان ان کے جھانسے میں نہ آئے تو وہ لبادہ اسلام اتار کر واپس چل دیئے۔ (ابن جریر) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو لوگ دین اسلام کا مذاق اڑائیں خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا دوسرے کفار مسلمانوں کو ان سے ہرگز دوستی نہیں رکھنی چاہیے۔ معلوم ہوا سب کفار سے دوستی حرام نہیں۔ انہی سے دوستی حرام ہے جو اسلام دشمن کارروائیوں میں ملوث ہوں ورنہ کفار سے تجارت خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی۔

[100] مدینہ طیبہ میں جب اذان جاری کی گئی تو یہود نے اس کا مذاق اڑایا۔ کہنے لگے اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم نے یہ کیا بدعت ایجاد کی ہے۔ اس سے پہلے کسی نبی نے ایسی آواز نہیں لگائی تھی، اگر اس چیخ و پکار میں کوئی بھلائی ہوتی تو پہلے انبیاء اس کے زیادہ مستحق تھے۔ یہ مینڈھے کی طرح چیخنا ہمیں بہت برا لگتا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور معترضین کو بے عقل قرار دیا۔ (مظہری جلد ۳ صفحہ ۵۲۸)

اور واقعتاً اگر کفار میں عقل ہوتی تو وہ اذان پر اعتراض کرنے کی بجائے یہ جانتے کہ عیسائیوں کا گرجوں میں لوگوں کو بلانے کے لیے بے معنی گھنٹیاں بجانا اور یہود کا بے ہنگم ناد بجانا جسے سن کر بچے ڈر جائیں اور پرندے اڑ جائیں بے

عقلی کی بات ہے اس کے مقابلہ میں اذان اللہ وحدہٗ لاشریک کی کبریائی، رسالت محمدیہ اور نماز کی عظمت کا ایسا ایمان افروز اعلان ہے جسے سن کر کئی غیر مسلم بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

اذان میں شیعی اضافہ کا رد

یاد رہے کہ اذان کے ساتھ مذاق کرنا یہ بھی ہے کہ اس میں اپنی طرف سے اضافہ کرلیا جائے، جیسا کہ اہلِ تشیع نے اذان میں اپنی طرف سے اشھد ان علیا ولی اللہ ووصی رسول اللہ وخلیفتہ بلا فصل کا اضافہ کرلیا ہے۔ یہ بھی اذان کے ساتھ مذاق ہے، بلکہ یہ اذان کے ساتھ سب سے شدید تر مذاق ہے۔ اور خود پرانے شیعہ علماء اس اضافہ کی شدید مخالفت کرتے تھے۔

چنانچہ اہلِ تشیع کے مشہور محقق اور محدث علامہ ابوجعفر محمد بن علی المعروف شیخ صدوق کا کہنا ہے:

المفوضۃ لعنھم اللہ قد وضعوا اخبارا وزادوا فی الاذان اشھد ان علیا ولی اللہ مرتین ولا شك ان علیا امیر المؤمنین حقا وان محمدا وآلہ خیر البریۃ ولکن لیس ذلك من اصل الاذان۔

یعنی فرقہ مفوضہ نے اذان میں اشھد ان علیا ولیُّ اللہ دوبار پڑھنا بڑھایا اور بلاشبہ حضرت علی اللہ کے ولی ہیں مگر اذان میں یہ اضافہ جائز نہیں۔ یہ فرقہ خود کو ہم اہل تشیع میں سے سمجھتا ہے مگر وہ جھوٹے ہیں خدا ان پر لعنت کرے۔
(من لا یحضرہ الفقیہ جلد اول صفحہ ۱۸۸ کتاب الاذان مطبوعہ تہران)

افسوس! آج تمام اہلِ تشیع نے اسی فرقہ مفوضہ ملعونہ کا طریقہ اپنا لیا ہے، یہ اذان سے کھلا مذاق ہے۔

پھر اہلِ تشیع کے معتبر مفسر ملا مسعود بن عیاش نے لکھا ہے کہ شبِ معراج بیت المقدس میں جبریل امین نے جو اذان دی اس میں اشھد ان علیا ولی اللہ کے الفاظ نہیں تھے۔ (تفسیر عیاشی جلد ۲ صفحہ ۲۷۸ مطبوعہ تہران)

اور علماء شیعہ میں سے مشہور ترین عالم ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ شب معراج رسول اللہ ﷺ نے عرش پہ جو اذان سنی اس میں اشھد ان علیا ولی اللہ کے الفاظ نہ تھے۔ (بحار الانوار جلد ۱۸ صفحہ ۳۳۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یاد رہے! شب معراج حضور ﷺ نے مسجد اقصیٰ میں حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پہلی بار اذان سنی۔ پھر عرش پر تشریف لے گئے تو وہاں بھی اذان کی آواز آئی۔ پھر شب معراج نماز پنجگانہ فرض ہوئی مگر مکہ میں کفار کا غلبہ تھا اس لیے اذان جاری نہ کی گئی۔ مدینہ طیبہ میں پہنچ کر مشورہ کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کی ایک جماعت کو خواب میں کلمات اذان سنوائے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا

آپ فرمائیں اے اہل کتاب! تم ہمیں کس چیز کی سزا دیتے ہو سوا اس بات کے کہ ہم اللہ پر اور جو ہماری طرف

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ

اور جو ہم سے قبل نازل کیا گیا اس پر ایمان لائے ہیں اور تم میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ آپ فرمائیں کیا میں تمہیں بتاؤں کہ

مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ

اللہ کے ہاں اس سے بدتر درجہ کس کا ہے؟ تو وہ شخص ہے جس پر اللہ لعنت کرے اور غضب اتارے اور جن میں سے

مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا

اللہ نے بندر و خنزیر بنائے اور جو شیطان کی پوجا کرے، یہ لوگ زیادہ برے ٹھکانے والے

وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٦٠﴾

اور سیدھی راہ سے زیادہ بہکے ہوئے ہیں۔ [101]

[101] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک یہودی وفد آیا اور پوچھا آپ کس کس رسول پر ایمان رکھتے ہیں؟ آپ نے سورہ بقرہ کی آیت ۱۳۶ پڑھی جس میں متعدد انبیاء کا ذکر ہے جن میں عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں، حضرت عیسیٰ کا نام سن کر یہود بگڑ گئے۔ کہنے لگے ہم عیسیٰ پر تو ایمان نہیں رکھتے (ابن جریر) ایک روایت میں ہے انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کا نام بطور نبی سن کر کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے دین سے بدتر کوئی دین ہمارے علم میں نہیں۔ تب یہ آیتِ مبارکہ اتاری گئی۔ (مظہری)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اہل کتاب! کیا تمہیں ہم سے صرف اس لیے دشمنی ہے کہ ہم اللہ پر اور اپنے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ نازل شدہ وحی پر اور آپ سے قبل ہر نبی پہ اترنے والی وحی پر (جس میں عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں) ایمان رکھتے ہیں؟ جبکہ اللہ کے ہاں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی طرف سے لعنت اور غضب کا نزول ہوا اور اللہ نے ان میں سے بعض کو بندر و خنزیر بنایا اور وہ شیطان کے بچاری ہیں یعنی شیطان کے کہنے پر انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر بچھڑے کی پوجا کی۔ ایسے لوگ اللہ کے ہاں سب سے بدتر اور گمراہ تر ہیں۔ یہ یہود کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی یہود دینِ اسلام پر طعنہ زنی سے قبل ذرہ اپنا ماضی دیکھ لیں۔

اس جگہ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ سے معلوم ہوا کہ وحی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ سے قبل نازل

ہوئی۔ آپ کے بعد وحی کا دروازہ بند ہے اور یہی مفہوم ختم نبوت ہے۔ اگر آپ کے بعد بھی سلسلہ وحی جاری تھا تو یہاں اس کا بھی ذکر کیا جاتا۔

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ

اور جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر کے ساتھ داخل ہوئے اور اسی کے ساتھ باہر نکلے

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝٦١ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي

اور اللہ جانتا ہے جو وہ (دل میں) چھپاتے ہیں [102] اور آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے کئی لوگ گناہ دسرکشی اور اپنی

الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٦٢

حرام خوری میں تیزی دکھاتے ہیں وہ کیا ہی برا کام کرتے ہیں۔ [103]

لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ

انہیں اللہ والے (صوفیاء) اور علماء ان کی گناہ آلود گفتگو اور حرام خوری سے

السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝٦٣

کیوں نہیں روکتے، وہ کیا ہی برا کام کرتے ہیں۔ [104]

[102] اس میں انہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر ابھی آیت ۵۷ میں گزرا ہے کہ چند یہود منافقت سے اسلام لائے۔ جب اہل اسلام ان سے ہوشیار ہو گئے تو وہ واپس چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ آئے بھی کفر کے ساتھ تھے اور گئے بھی کفر کے ساتھ ہیں۔ اللہ ان کے دلی راز خوب جانتا ہے۔

[103] یعنی یہود نہ صرف گناہ کرنے میں دلیر ہیں بلکہ حکمِ الٰہی سے عدوان (انکار) سے بھی باک نہیں رکھتے اور ان کی حرام خوری مشہور زمانہ ہے۔ آج بھی دنیا کا اقتصادی نظام یہود کے ہاتھ میں ہے۔ وہ سود کے ذریعے دنیا بھر کو کنٹرول کر رہے ہیں امریکہ و یورپ کا اکثر پیسہ یہود کے پاس ہے اور وہ غریب ملکوں کو بھاری سود پر قرضے دے کر ان کی پالیسیاں اپنے مقاصد کے مطابق رکھتے ہیں۔

[104] ربانیون سے مراد اہل کتاب میں سے وہ صوفی اور راہب لوگ ہیں جو بزعم خود رب العالمین سے لو لگالیں اور الاحبار سے ان کے علماء شریعت مراد ہیں۔ اس میں آیت ۵۹ کے شان نزول کی طرف اشارہ ہے۔ جب یہودی وفد نے اسلام پر اس لیے طعنہ زنی کی کہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی کیوں کہا گیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہود میں سے

راہبانہ زندگی والے صوفیا اور ان کے علماء انہیں ایسے کفریات بکنے سے کیوں نہیں روکتے؟ دراصل وہ خود پیسے کے پجاری ہیں۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) حرام خوری کی برائی

جب اللہ تعالیٰ یہود کی حرام خوری کی مذمت فرماتا ہے تو مسلمانوں کی حرام خوری اس کے ہاں کس قدر سنگین ہوگی۔ ایک لقمہ حرام چالیس دن کی عبادات ضائع کر دیتا ہے۔

(۲) برائی سے منع نہ کرنا برائی کرنے کے برابر ہے۔

یہاں یہود میں سے صوفیاء اور علماء کے برائی سے نہ روکنے کے عمل کو لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۝ سے تعبیر کیا گیا جبکہ برائی کرنے والوں کو لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ سے یاد کیا گیا۔ گویا دونوں ایک جیسے مجرم ہیں۔ اسی لیے جب ہفتہ کے دن شکار کرنے والوں پہ عذاب آیا تو صرف وہی لوگ عذاب سے بچے جو اس گناہ سے لوگوں کو روکتے تھے باقی سب کو بندر بنا دیا گیا خواہ گناہ کرنے والے تھے یا اس پہ خاموش رہنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ۔ ''ہم نے صرف ان کو نجات دی جو برائی سے منع کرتے تھے۔'' (اعراف، ۱۶۵)

(۳) علماءِ سوء کی مذمت۔

یہاں علماءِ سوء کے مجرمانہ کردار کی سنگینی کی طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ وہ اپنے حقیر دنیوی مفادات کے لیے برائیوں پہ خاموش کیوں ہو جاتے ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ

اور یہود نے کہا: اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے، ان کے اپنے ہاتھ باندھے گئے ہیں اور ان کی باتوں کے سبب ان پر لعنت کی گئی ہے،

بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ

بلکہ اللہ کے ہاتھ تو کھلے ہیں وہ جیسے چاہے خرچ کرتا ہے [105] اور جو آپ کی طرف آپ کے رب کے ہاں سے

اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ

نازل کیا گیا وہ ان کی سرکشی اور کفر ہی میں اضافہ کرتا ہے، [106] اور ہم نے ان کے مابین تا قیامت عداوت

وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ

اور بغض ڈال دیا ہے، [107] جب بھی وہ نارِ جنگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھا دیتا ہے

وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝٦٤

اور وہ زمین میں فساد کرتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ [108]

[105] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہود بنو قینقاع کے سردار فخاص بن عاز نے کہا اللہ کا ہاتھ تنگ ہو گیا ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (درمنثور) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب یہود کے کفریہ بولوں اور اسلام دشمن کارروائیوں اور حرام خوری کے باعث اللہ کی طرف سے ان پہ لعنت ڈالی جاتی اور معاشی لحاظ سے ان کا ہاتھ تنگ کر دیا جاتا ہے تو وہ اپنی اصلاح کی بجائے اللہ کی شان میں زبان درازی شروع کر دیتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ تنگ ہو گیا ہے حالانکہ اللہ کے ہاتھ تو کھلے ہیں یعنی اس کے خزانے بھرے ہیں وہ جس پر چاہے اپنے خزانے لٹاتا ہے، یہاں اللہ کے ہاتھ سے مراد اللہ کی سخاوت اور اس کا جودوکرم ہے۔ معلوم ہوا تنگیٔ حالات سے گھبرا کر اللہ کا شکوہ کرنا بدبختوں کا کام ہے۔ مومن کسی حالت میں اللہ کا شکوہ نہیں کرتا۔ وہ ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتا رہتا ہے۔

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

[106] یعنی یہود پر لعنت خداوندی کے سبب ان کے دل ایسے سخت ہو گئے ہیں کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر نازل ہونے والی ہر آیت سے ان کی سرکشی ہی میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ ہر نئی آیت سے انکار کے سبب ان کے نامہ اعمال میں ایک کفر مزید بڑھ جاتا ہے۔

[107] یعنی یہود کے مختلف گروہوں کے درمیان یا اہل کتاب کے مختلف گروہوں مثلاً یہود و نصاریٰ کے درمیان روز قیامت تک عداوت ڈال دی گئی ہے۔ اگر حالات کا دباؤ انہیں اکٹھا کردے جیسے آج کل یہود و نصاریٰ باہم متحد ہیں تو یہ عارضی حالت ہے۔ یہ پہلے بھی باہم دشمن تھے اور آئندہ بھی رہیں گے اس کی مزید وضاحت ہم سورہ مائدہ آیت ۱۴ کے تحت کر آئے ہیں کہ ان کے مابین کتنی جنگیں ہو چکی ہیں اور آئندہ کیا ہونے والا ہے۔

[108] یہود نے کئی بار نار فتنہ بھڑکانا چاہی مگر اللہ نے اسے بھڑکنے نہ دیا۔ انہوں نے کئی بار حضور سرور کونین ﷺ کو شہید کرنا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے منصوبے خاک میں ملائے۔ ۵ھ میں انہوں نے کفار عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا جس کے نتیجے میں جنگ احزاب ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی حفاظت فرمائی اور نہ صرف یہودی سازش ناکام ہوئی بلکہ یہود بنو قریظہ کو تہہ تیغ ہونا پڑا۔ کیونکہ اللہ اپنے دین کی حفاظت کرنے والا ہے۔

پھر ۱۰ھ میں انہوں نے شاہ روم ہرقل کو حضور ﷺ کے خلاف بھڑکایا اور وہ بہت بڑا لشکر لے کر آیا مگر تبوک کی طرف حضور ﷺ کی پیش قدمی کی خبر سن کر وہ مرعوب ہوا اور واپس لوٹ گیا۔

آج دور حاضر میں یہود ہی نے ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو نیویارک امریکہ میں گہری سازش کے ذریعے دو بڑی عمارتیں (ٹریڈ ٹاورز) گرادیں اور اس کا سارا الزام مسلمانوں پر ڈال دیا مگر عنقریب اہل امریکہ اس سازش کے حقائق سے آگاہ ہوں گے اور یہود کو خود امریکہ کے ہاتھوں جو مار پڑے گی وہ بہت خوفناک ہوگی اور وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ کی پیش گوئی بھی پوری ہوگی۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ

اور اگر اہل کتاب ایمان لائیں اور اللہ سے ڈریں تو ہم ان کے گناہ مٹا دیں گے

وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ

اور انہیں جنت کی نعمتوں میں داخل کریں گے۔ [109] اور اگر وہ تورات و انجیل کو

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ

اور جو ان کے ہاں ان کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اسے نافذ کرتے تو اپنے اوپر سے بھی نعمتیں پاتے اور اپنے نیچے سے بھی،

مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ ع

ان میں سے ایک گروہ میانہ رو ہے اور ان میں سے اکثر کیا ہی برا کام کرتے ہیں [110]

ع ۹ ۱۲

[109] اگر یہود و نصاریٰ ایمان لائیں اور عمل صالح اختیار کریں تو ان کے گناہ مٹا دیئے جائیں گے یعنی ایمان کے سبب

کفر معاف ہو جائے گا اور ایمان کے بعد عمل صالح کے سبب دوسرے گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور وہ حق دار جنت ٹھہریں گے۔ معلوم ہوا کہ جب ایک کافر صدق دل سے اسلام لے آتا ہے تو اللہ اس کے سابقہ تمام گناہ مٹا دیتا ہے اور اسے جنت کا حقدار بنا دیتا ہے، اسی لیے حدیث میں ہے الاسلام یہدم ما قبلہ، اسلام لانا پہلے کے تمام گناہوں کو منہدم کر دیتا ہے۔
(مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۹۲)

[110] اگر یہود و نصاریٰ تورات و انجیل پر ایمان لائیں اور بنی اسرائیل میں تشریف لانے والے دیگر انبیاء پر نازل شدہ صحائف پر کما حقہ ایمان لائیں یعنی ان صحائف میں مذکور بشارات کی روشنی میں حضور سید عالم ﷺ سے نسبت غلامی جوڑ لیں تو انہیں اوپر سے نعمتیں ملیں گی اور نیچے سے بھی۔ اوپر سے مراد جنت ہے اور نیچے سے مراد دنیوی نعمتیں ہیں، یعنی انکی دنیا بھی اچھی کر دی جائے گی اور آخرت بھی۔ آگے فرمایا گیا کہ یہود و نصاریٰ میں سے کچھ لوگ عادل و میانہ رو ہیں۔ اس لیے وہ آواز حق پر کان دھرتے اور اسے مانتے ہیں جیسے زمانہ نبوی میں یہود میں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ایمان لائے اور نصاریٰ میں سے نجاشی شاہ حبشہ اور اس کے ساتھی حلقہ بگوش اسلام ہوئے مگر ان میں سے اکثر حق قبول نہیں کرتے اور یہ کیا ہی برا کام ہے۔

يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا
اے رسول معظم! (ﷺ) جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کے پاس سے اتارا گیا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیں
بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی
اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت کا حق ادا نہیں کیا اور اللہ آپ کو لوگوں سے (کافروں سے) بچانے والا ہے۔ [111] اللہ
الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾
کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

نبی اکرم ﷺ کیلئے خدائی حفاظت کا وعدہ

[111] گزشتہ آیات میں یہود کو ملعون قوم قرار دیا گیا اور فرمایا گیا: وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ (آیت ٦٤) اور قرآن میں متعدد جگہ یہود کا مغضوب و ملعون ہونا مذکور ہے اور ان کی اعتقادی و اخلاقی برائیاں بتائی گئی ہیں۔ ایسی آیات سے یہود عبرت لینے کی بجائے سٹپٹاتے تھے اور انہوں نے کئی بار حضور ﷺ کو شہید کرنے کی کوشش کی۔ اور دوسری طرف آپ نے کفار مکہ سے کثیر غزوات فرمائے تو ان کی دشمنی بھی

عروج پہ تھی، یوں آپ کی زندگی ہر طرف سے خطرات میں گھری ہوئی تھی اور صحابہ کو آپ کی زندگی کے بارے میں فکر رہتی تھی اور وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے۔ تب یہ آیتِ مبارکہ اتار کر مسلمانوں کو تسلی دی گئی اور فرمایا گیا کہ فکر نہ کرو آپ کا محافظ اللہ ہے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی جاتی تھی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی: وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط تو آپ نے خیمے سے سرانور نکالا اور فرمایا: اِنصرِفُوا فقد عصَمَنِی اللّٰهُ ''چلے جاؤ اللہ نے میری حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے۔'' (ترمذی کتاب التفسیر سورہ مائدہ باب ۳) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے واقعتاً آپ کی حفاظت فرمائی۔ مشرکین، منافقین اور یہود کی تمام تر سازشوں، حملوں اور کارروائیوں میں اللہ رب العزت آپ کو بحفاظت نکال لایا اور آپ قرآن اور دین کو مکمل کر کے اپنے رب کے پاس واپس گئے۔ الغرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ پر آپ کے رب کی طرف سے جو نازل ہوتا ہے اسے آپ لوگوں تک بلا خوف وخطر پہنچاتے رہیں اللہ آپ کو کفار سے محفوظ رکھے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ کونسے علم کا پہنچانا ضروری تھا اور کونسے علم کا نہیں؟

یاد رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم مبارک دو طرح کا ہے۔ ایک امور شرعیہ کے متعلق، ایک امور تکوینیہ کے متعلق۔ امور شرعیہ کا علم وہ ہے جسے لوگوں تک پہنچانے کا حکم فرمایا گیا، یعنی آپ پہ لازم ہوا کہ جو احکامِ شرعیہ آپ پہ نازل ہوں وہ آپ لوگوں تک پہنچائیں اور یہ زیر بحث آیت بلّغ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الخ بھی اسی بارہ میں ہے، رہا امور تکوینیہ کا علم یعنی یہ کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے، اسے علم غیب کہتے ہیں۔ اس کا کچھ حصہ تو ایسا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو بتایا اگرچہ آپ پہ اس کی تبلیغ لازم نہ تھی۔

چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بار ہم میں کھڑے ہوئے۔ فاخبرنا عن بدأ الخلق حتی دخل اهل الجنة منازلهم واهل النار منازلهم۔ ''آپ نے ہمیں ابتداء خلق سے لیکر بتانا شروع کیا اور وہاں تک بتایا کہ اہلِ جنت جنت میں داخل ہوئے اور اہلِ نار نار میں۔'' (بخاری کتاب بدأ الخلق حدیث ۳۱۹۲)

اور اس علم کا ایک حصہ وہ تھا جس کا مخفی رکھنا آپ پہ لازم تھا، جیسے قیامت کب آئے گی، روح کی حقیقت کیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا مگر آپ کو اس کے اخفاء کا حکم فرمایا:

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ذهب بعض اهل العلم الی انه صلی الله علیه وسلم اوتی علم الخمس وعلم الساعة والروح وانه امر بکتم ذلك. بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علوم خمسہ بھی دیے گئے ہیں اور قیامت اور روح کا علم بھی دیا گیا ہے، مگر آپ کو اس کے چھپانے کا حکم

فرمایا گیا۔ (خصائص کبریٰ جلد دوم صفحہ ۱۹۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

کیا یہ آیت غدیر خم پہ اعلانِ خلافت علی کے لیے نازل ہوئی تھی؟

اس جگہ شیعہ کتب میں اس آیت کے تحت شد و مد سے لکھا جاتا ہے کہ حجۃ الوداع سے واپسی پر مقام خم غدیر پر یہ آیت یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ نازل ہوئی، بلکہ احتجاج طبرسی میں لکھا ہوا ہے کہ پہلے حجۃ الوداع کے دوران اللہ تعالیٰ نے میدان عرفات میں حضور ﷺ پہ یہ آیت اتاری اور آپ کو حکم فرمایا کہ آپ یہاں خلافت علی کا اعلان کر دیں، اگر آپ نے یہ اعلان نہ کیا تو آپ نے اپنی رسالت کا حق ادا نہ کیا، مگر ساتھ میں یہ نہ کہا: واللہ یعصمك من الناس، کہ اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔ اس لیے حضور ﷺ نے میدان عرفات میں اس کا اعلان نہ کیا کیونکہ آپ اپنے ساتھیوں سے ڈر رہے تھے کہ کہیں یہ لوگ شور نہ کر دیں اور دین سے نہ پھر جائیں، کیونکہ ان کے دلوں میں حضرت علی کے بارہ میں بغض تھا (ایسی باتوں میں شیعوں کا اشارہ خصوصاً ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی طرف ہوتا ہے، معاذ اللہ) پھر آپ منیٰ آ گئے تو جبریل علیہ السلام پھر آئے اور اللہ کا پیغام دیا کہ آپ خلافت علی کا اعلان کریں، مگر لوگوں سے حفاظت کا وعدہ نہ لائے، تو آپ نے یہاں بھی خلافت علی کا اعلان نہ کیا اور کہا اے جبریل مجھے اپنے ساتھیوں سے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں وہ نافرمانی نہ کر دیں اور علی کے بارہ میں میرے اعلان کو رد نہ کر دیں۔

تا آنکہ حضور ﷺ حج سے فارغ ہو کر مقام غدیر خم پہ پہنچ گئے، تب صبح کے پانچ بجے وہاں جبریل پھر آئے اور اللہ کی طرف سے زجر و انتہار (ڈانٹ ڈپٹ) بھی لائے اور یہ بھی کہا کہ اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا، تب حضور ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ بلند جگہ کھڑا کر کے کہا لوگو سن لو:

من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا علی مولا ہے، اے اللہ جو علی سے محبت رکھے تو اس سے محبت رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے تو اس سے دشمنی رکھ۔ یوں حضرت علی کی خلافت بلا فصل کا اعلان کیا گیا۔ (احتجاج طبرسی جلد اول صفحہ ۵۶ تا ۵۹ مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت)

مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ سب شیعوں کی من گھڑت کہانی ہے، اس کے چند جوابات ملاحظہ ہوں۔

اول:

کیا یہ اللہ کے رسول کی شان ہے کہ اللہ کا فرشتہ جبریل اس کے پاس بار بار اللہ کا پیغام لا رہا ہے کہ خلافتِ علی کا اعلان کرو اور اللہ کا رسول اپنے ساتھیوں سے ڈر کر اس کا پیغام لوگوں کو نہیں سنا رہا ہے؟ حتیٰ کہ اللہ اپنے رسول کو ڈانٹ پلاتا ہے، تب وہ اعلان کرتا ہے؟ جو رسول مکہ و طائف کی وادیوں میں پتھر کھا کھا کر بھی اعلان حق کرتا رہا، پھر وہ اپنی جان ہتھیلی پہ رکھ کر کبھی میدان بدر میں اترا کبھی میدان احد میں، جس نے دشمنانِ اسلام سے سترہ جنگیں لڑیں اور ساری زندگی اس نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال اعلان حق کیا۔ کیا وہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں جب کہ اس کا دین بہت

مضبوط ہو چکا ہے اپنے ساتھیوں سے ڈر کر اللہ کا پیغام اور اسکی تاکیدی وحی کو لوگوں تک پہنچانے میں پس وپیش کر رہا ہے؟ یہ کس قدر جھوٹی اور دل آزار باتیں ہیں؟

دوم:

اگر حضور سید عالم ﷺ نے اس آیت کے نزول پر بقول شیعہ خلافت علی کا اعلان ہی کرنا تھا تو پھر صاف لفظوں میں یوں اعلان کرنا چاہیے تھا: اعلموا ان علیا خلیفتی من بعدی فاسمعوا له واطیعوا۔ یعنی بیشک علی میرے بعد میرا خلیفہ ہے تو اس کا حکم سنو اور اطاعت کرو، مگر رسول اللہ ﷺ نے ایسی کوئی بات نہیں کہی، صرف یہ کہا کہ جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا علی مولا ہے، تو پھر اس آیت کا خلافت علی سے کیا تعلق ہے؟

سوم:

لفظ مولیٰ کا معنی خلیفہ بلافصل کس لغت میں ہے؟ مولا کا معنی دوست، مددگار، رشتہ دار، غلام، آقا، حاکم، متولی اور کارساز آتا ہے۔ جبکہ اس جگہ اس کا معنی دوست ہی ہوسکتا ہے کیونکہ خود شیعہ کتب کے مطابق اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: اللھم والاہ وعاد من عاداہ اے اللہ! جو علی کو دوست رکھے تو اسے دوست رکھ اور جو اسے دشمن رکھے تو اسے دشمن رکھ۔ (تفسیر قمی مصنفہ علی بن ابراہیم بن ہاشم قمی صفحہ ۱۶۱ مطبوعہ تہران) اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو حضرت علی سے محبت نہ رکھے وہ خدا کا دشمن ہے۔ تو اس آیت کا اور من کنت مولاہ الخ کے ارشاد کا خلافت علی سے کیا تعلق ہے؟

چہارم:

پھر اہلِ تشیع سے پوچھا جاسکتا ہے کہ اگر من کنت مولاہ میں خلافتِ علی کا اعلان مقصود تھا تو اسے حجۃ الوداع سے واپسی پہ سفر میں مقام خم غدیر پر کیوں کیا گیا۔ حجۃ الوداع کے دوران خطبہ حج میں کیوں نہ کیا گیا جہاں ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام موجود تھے اور حضور ﷺ نے اپنے خطبہ میں تمام اسلامی حقوق وفرائض پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ یہ کس قدر بے معنی بات ہے کہ آپ اپنے جانشین کے تقرر جیسے اہم ترین معاملہ کو مناسکِ حج کے دوران بیان کرنے کی بجائے سفر میں چند افراد کے سامنے بیان کریں؟ خلاصہ یہ ہے کہ غدیر خم پر من کنت مولاہ الخ کہہ کر نبی اکرم ﷺ نے اپنی جانشینی کا اعلان ہرگز نہیں کیا، صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبوبیت بیان فرمائی ہے۔

پنجم:

اس آیت کا اعلانِ خلافتِ علی سے کوئی تعلق ہی نہیں، نہ ہی یہ آیت حجۃ الوداع میں یا اس سے واپسی پہ مقام غدیر خم پہ نازل ہوئی۔ بلکہ مدینہ طیبہ میں اس وقت نازل ہوئی جب صحابہ کرام آپ کی حفاظت کرتے تھے، جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے اور شیعہ کتب میں بھی اس کی تائید ملتی ہے۔ چنانچہ مشہور شیعہ مفسر فرات بن ابراہیم بن فرات کوفی متوفی ۳۲۵ھ مشہور تابعی محمد بن کعب قرظی سے روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ آپ کی حفاظت کیا کرتے تھے تو اللہ نے یہ

آیت نازل کی: یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَہٗ ؕ وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ؕ آگے لکھتا ہے: فترك الحرس حين اخبره انه يعصمه من الناس۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے خبر دی کہ وہ آپ کی لوگوں سے حفاظت کرے گا تو آپ نے اپنی حفاظت کا سلسلہ ترک کر دیا۔ (تفسیر فرات کوفی صفحہ ۳۸ مطبوعہ مکتبہ حیدریہ نجف اشرف)

اس موضوع پر میرے والد گرامی محقق اسلام علامہ محمد علی رحمہ اللہ متوفی ۱۴۱۸ھ نے اپنی کتاب ''تحفہ جعفریہ'' جلد اول میں نہایت قیمتی گفتگو فرمائی ہے۔ اس کا مطالعہ کیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ کا خلافتِ علی رضی اللہ عنہ سے کوئی تعلق نہیں۔

ایک سوال باقی ہے کہ مشہور سنی محدث و مفسر امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ سیدنا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی۔

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۳ صفحہ ۱۱۷۲ حدیث ۶۶۰۹ مطبوعہ مکہ مکرمہ)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کی سند تفسیر ابن ابی حاتم میں یوں ہے: عن عطية العوفى عن ابى سعيد بن الخدرى، یعنی اس کو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے عطیہ عوفی نے روایت کیا ہے۔

اور عطیہ عوفی کے بارہ میں امام ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے:

و كان يعد من شيعة اهل الكوفة، یعنی اسے شیعانِ اہلِ کوفہ میں سے شمار کیا جاتا تھا۔

اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ عطیہ عوفی کے استاذ محمد بن سائب کلبی کی کنیت بھی ابوسعید تھی تو وہ عن ابی سعید کہہ کر لوگوں کو دھوکہ دے دیتا تھا لوگ سمجھتے کہ شائد وہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کر رہا ہے۔ یہی بات امام ابن حبان نے بھی ارشاد فرمائی ہے کہ وہ عن ابی سعید کہہ کر لوگوں کو دھوکہ دیتا تھا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۱۴۴ راوی نمبر ۵۳۱۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

لہٰذا یہ روایت کذاب شیعہ راوی عطیہ عوفی کی بیان کردہ ہے جو اس نے ابوسعید کلبی سے لی تھی نہ کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اور اس کا یہ استاذ ابوسعید محمد بن سائب کلبی بھی غالی شیعہ بلکہ کذاب و کافر تھا۔ وہ کہتا تھا کہ ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ حضرت علی بیٹھے ہوئے تھے تو جبریل امین نے حضرت علی پہ وحی اتار دی۔ امام ساجی نے فرمایا کہ تمام محدثین اس کی روایت ترک کرتے ہیں کیونکہ وہ غالی شیعہ ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۱۱۶ راوی نمبر ۶۸۵۸) خلاصہ یہ کہ یہ روایت اہلِ تشیع کی وضع کردہ ہے جو کسی طریقہ سے کتب اہلِ سنت میں آ گئی ہے۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) صداقتِ قرآن۔

وَاللّٰہُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کی قرآنی پیش گوئی پوری ہوئی جو قرآن کے منزل من اللہ کتاب ہونے کی دلیل ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو شہید کرنے کے لیے کفار کی کوئی کاروائی کامیاب نہ ہونے دی اور اپنے وعدہ کو پورا کر کے دکھایا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو کسی جگہ نام لے کر نہ پکارا۔

یہاں یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ فرمایا گیا۔کہیں آپ کو یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ کہا گیا۔کہیں یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ اور کہیں یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ کہا گیا مگر کہیں یا محمد نہیں فرمایا گیا جبکہ پہلے انبیاء کو یا آدم، یا موسیٰ، یا ابراہیم، یا عیسیٰ، وغیرہ کہہ کر پکارا گیا۔معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا مرتبہ سب انبیاء سے زیادہ ہے اور بلاشبہ آپ سید الانبیاء وامام المرسلین ہیں۔

(۳) حدیثِ قرطاس والا شور غلط ہے۔

یہاں حضور سرورِ کونین ﷺ سے فرمایا گیا اے رسول! آپ کے رب نے آپ پر جو اتارا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیں۔اگر آپ نے نہ پہنچایا تو آپ نے اپنی رسالت کا حق ادا نہیں کیا اور اللہ آپ کو بچانے والا ہے۔یعنی آپ لوگوں کے ڈر سے اللہ کا کوئی حکم مت چھپائیں۔مگر اہل تشیع سمجھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنے مرض وصال میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت وامامت کا پروانہ لکھ کرامت کو دینا چاہتے تھے مگر عمر بن خطاب نے آپ کو پروانہ لکھنے نہ دیا اور آپ بھی ڈر کر خاموش ہو گئے۔اہل تشیع بخاری شریف کی مشہور حدیث قرطاس سے دلیل لاتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مرض وصال میں فرمایا میرے پاس قرطاس (کاغذ) لاؤ میں تمہیں ایسی چیز لکھ دوں جس سے تم میرے بعد گمراہ نہ ہو گے۔پھر آپ پر غشی آ گئی عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) نے کہا رہنے دو ہمارے پاس کتاب اللہ موجود ہے۔(بخاری کتاب خمس) یوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت وامامت کا پروانہ لکھنے سے رہ گیا۔

مگر اس حدیث سے اہلِ تشیع کا استدلال قطعی بے محل ہے۔صحیح بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی ﷺ میں ہے کہ اس کے بعد حضور سید عالم ﷺ کو افاقہ ہوا اور آپ نے تین وصیات فرمائیں۔مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو،غیر مسلم وفود کا احترام کرو اور غلاموں سے بہتر سلوک کرو۔شارحین کے نزدیک یہی باتیں حضور ﷺ قرطاس پر لکھنا چاہتے تھے۔کیونکہ اگر بقول اہلِ تشیع آپ پروانہ امامتِ علی لکھنا چاہتے تھے اور حضرت عمر کے خوف سے اسے نہ لکھا تو اس آیت کی روشنی میں یہ شانِ رسالت پر بہت بڑا بہتان ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے نبی! آپ پہ جو اتارا گیا ہے اسے پہنچا دیں اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنی رسالت نہیں پہنچائی اور جب آپ نے بقول شیعہ عمر بن خطاب سے ڈر کر خلافت علی کا پروانہ نہیں لکھا تو گویا آپ نے رسول ہونے کا حق ادا نہیں کیا۔پھر یہ کس قدر بیہودہ بات ہے کہ جو رسول ﷺ بدر واحد اور احزاب وحنین میں کفار کے بڑے بڑے لشکروں سے نہ گھبرایا کیا وہ وصال کے وقت اپنے ایک صحابی سے گھبرا گیا اور اس نے اللہ کا حکم چھپا دیا؟ مزید

تفصیل میری کتاب ''مسئلہ خلافت اور شانِ صحابہ'' میں دیکھیں۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ

اے اہل کتاب! تم کسی صداقت پر نہیں ہو تاوقتیکہ تم تورات و انجیل کو

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

اور جو کچھ تمہارے رب کے پاس سے تمہاری طرف اتارا گیا اسے نافذ کرو اور اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو کچھ آپ کی طرف آپ کے

مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ اِنَّ

رب کے ہاں سے اتارا گیا ہے وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور ان کا کفر ہی بڑھاتا ہے۔ تو آپ کافر قوم پر افسوس نہ کریں۔[112]

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

بے شک جو لوگ ایمان کے دعویدار ہیں اور جو یہودی کہلائے اور جو ستارہ پرست اور عیسائی ہیں، ان میں سے جو شخص اللہ

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾

اور روزِ آخرت پر ایمان لائے اور بہتر عمل کرے تو ایسے لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔[113]

[112] یعنی تورات وانجیل اور انبیاء بنی اسرائیل پر نازل ہونے والے دیگر صحائف میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ میں مذکور بشارات مذکور ہیں جب تک اہل کتاب انہیں مان کر دامنِ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ نہ ہوں تب تک اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں مگر اہلِ کتاب کی اکثریت قرآن کریم کی اس واضح ہدایت پر عمل پیرا ہونے کی بجائے سرکشی اور کفر ہی میں قدم بڑھاتی ہے، تو ایسے منکروں پر افسوس کرنے کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے ہدایت کا دروازہ اپنے اوپر خود بند کیا ہے۔

[113] یعنی کوئی شخص خود کو خواہ مومن کہے یا یہودی عیسائی اور ستارہ پرست وغیرہ بہرحال نجات اُخروی کا معیار یہ ہے کہ اللہ و رسول کے ہر حکم پر ایمان لایا جائے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے، تو جو لوگ ایسا کریں وہ دنیا میں اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں رکھتے اور آخرت میں وہ غمزدہ نہ ہوں گے بلکہ جنتی نعمتوں کے مزے اڑائیں گے۔

اس جگہ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے بعد مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ کہنے سے معلوم ہو کہ اگر کوئی شخص خود کو مومن تو کہے مگر اللہ و رسول پہ صحیح طرح ایمان نہ لائے بلکہ ان کے کسی حکم صریح سے انکار کرے تو وہ یہود و نصاریٰ کی طرح دائمی جہنمی ہے۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا

تحقیق ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف کئی رسول بھیجے ان کے پاس جب بھی

جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓی اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِیْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ ۝

کوئی رسول وہ پیغام لایا جسے ان کی خواہشات پسند نہ رکھتی تھیں تو کچھ رسولوں کو انہوں نے جھٹلایا اور کچھ کو وہ قتل کرتے تھے [114]

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا

اور انہوں نے سمجھا کہ کوئی عذاب نہ ہوگا تو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی پھر وہ اندھے

وَصَمُّوْا كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ۝

اور بہرے ہو گئے اور اللہ ان کے عمال دیکھ رہا ہے۔[115]

[114] بنی اسرائیل (یہود) کو تورات دے کر ان سے مضبوط عہد لیا گیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسولوں کی اطاعت کریں گے پھر ان میں کثیر رسول بھیجے گئے جو انہیں یہ عہد یاد دلاتے تھے مگر انہوں نے کچھ رسولوں کو جھٹلایا اور کچھ کو شہید کیا۔ گویا حضور سید کائنات ﷺ کو تسلی دی گئی کہ اگر یہود آپ کے قتل کے درپے ہیں تو کچھ تعجب نہ کریں اس بدبخت قوم کا انبیاء کرام سے یہی سلوک رہا ہے۔

[115] یعنی بنی اسرائیل (یہود) سمجھتے ہیں کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی سزا نہ ہوگی حالانکہ ان کو موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے راہ حق دکھائی گئی مگر وہ اندھے اور بہرے ہو کر بچھڑا پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ پھر ان کی توبہ قبول کی گئی اس کے بعد ان میں سے اکثر عیسیٰ علیہ السلام کی آمد پر پھر اندھے بہرے ہو گئے۔ صرف بارہ آدمی ان میں سے ایمان لائے جو آپ کے حواری کہلائے۔ اس آیت کے دیگر معانی بھی ہیں۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ
بلاشبہ ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے [116] حالانکہ مسیح (ابن مریم) نے کہا:
يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ
اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے
حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝
اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مدد گار نہیں۔ [117]

عیسائیوں کے مشرکانہ عقائد کا ردّ

[116] عیسائی سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ میں حلول کرلیا اور آپ الوہیت وعبدیت کا مجموعہ بن گئے مگر یہ سراسر گمراہی ہے۔ اللہ رب العزت خالق ہے اور آپ مخلوق ہیں پھر دونوں ایک کیسے ہوسکتے ہیں۔ ایک آدمی کوئی برتن بناتا ہے وہ اس کا مجازی خالق ہے تو کیا وہ اور برتن ایک ہوسکتے ہیں جب مجازی خالق اپنے مجازی وظاہری مخلوق سے مل کر ایک چیز نہیں بن سکتا تو حقیقی خالق یعنی اللہ اپنی مخلوق سے مل کر ایک چیز کیسے ہوسکتا ہے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم ہیں۔ ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں۔ انہیں ماں نے دودھ پلایا گود میں کھلایا اور کھلا پلا کر جوان کیا، کیا یہ خدا کی شان ہے یا بندے کی؟۔ اور قرآن میں آپ کو ہر جگہ ابن مریم کہہ کر پکارنے میں ایک راز یہ بھی ہے کہ ان کے بارہ میں عقیدۂ الوہیت کی تردید کی جائے۔ ورنہ عیسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی پیمبر کے نام کے ساتھ کسی کی ولدیت نہیں بتائی گئی سوا عیسیٰ علیہ السلام کے۔

[117] حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو زندگی بھر شرک کے خلاف تبلیغ فرماتے اور مشرکوں کو نار جہنم سے ڈراتے رہے۔ پھر ان کے بارہ میں ایسا شرکیہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ اور وہ ایک ہی چیز ہیں کس قدر گمراہی ہے۔ انجیل متی میں ہے کہ یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) نے اس سے کہا۔ اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو (خداوند) اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔ (انجیل متی باب ۴ آیت ۱۰ صفحہ ۷ مطبوعہ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور)

اسی طرح انجیل یوحنا میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ’’اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں۔‘‘ (انجیل یوحنا باب ۱۷ آیت ۳ صفحہ ۱۰۲)

اور انجیل مرقس میں ہے: یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ ہے کہ اے اسرائیل! سن خداوند خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو (خداوند) اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت

رکھ۔(انجیل مرقس باب ۱۲ آیت ۲۹ صفحہ ۴۷)

تو یہ کیسی احمقانہ بات ہے کہ اس شخص کو عین خدا کہہ دیا جائے جو ساری زندگی توحید باری تعالیٰ کا درس دیتا رہا۔

اس جگہ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ط سے معلوم ہوا عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے لیے رسول بنائے گئے اور حضرت عیسیٰ نے اپنے حواریوں سے خود کہا تھا۔غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ صرف اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بکریوں کے پاس جانا۔

(انجیل متی باب ۱۰ آیت ۶ صفحہ ۱۲)

جبکہ حضور سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے فرمایا گیا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ لہٰذا عیسائیوں کو کوئی حق نہیں کہ مسلمانوں سمیت کسی قوم کو تبلیغ کریں ہاں امت مسلمہ کا فریضہ ہے کہ تمام انسانیت تک پیغام محمدی پہنچائے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط
بلا شبہ ان لوگوں نے کفر کیا جو کہتے ہیں اللہ تین خداؤں میں سے تیسرا ہے [118] حالانکہ خدائے واحد کے سوا کوئی معبود نہیں
وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ
اور اگر وہ اپنے اس قول سے باز نہ آئے تو ان میں سے کفر پر اڑنے والوں کو دردناک عذاب
اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾
پہنچے گا۔ [119] کیا وہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ نہیں کرتے اور اس سے بخشش نہیں مانگتے جبکہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

وقف لازم

[118] عیسائیوں کے نزدیک باپ بیٹا اور روح القدس تین خدا ہیں باپ سے مراد اللہ، بیٹے سے مراد عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس سے مراد ان دونوں کا باہمی ربط ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ تینوں مل کر ایک خدا ہیں۔یعنی یہ تین بھی ہیں اور ایک بھی۔مگر عقل والوں کے نزدیک یہ بات پاگل پن کے سوا کچھ بھی نہیں اور خود بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے نغمہ ہائے توحید مذکور ہیں۔جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام انجیل کے مطابق اللہ سے رو رو کر دعائیں مانگتے تھے۔(نیا عہد نامہ عبرانیوں کے نام پولس رسول کا خط باب ۵ آیت ۷ صفحہ ۲۱۴ مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور) اور آپ ساری ساری رات اللہ کے حضور دعاء میں گزار دیتے تھے۔(انجیل لوقا باب ۹ آیت ۲۹ صفحہ ۶۳) پھر حضرت عیسیٰ کو تین خداؤں میں سے ایک خدا ماننا یا ان کو عین اللہ کہنا کس قدر جہالت ہے۔

مروی ہے ایک بار الوہیت عیسیٰ علیہ السلام پہ نصاریٰ کے ساتھ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی بحث ہوئی۔آپ نے ان کی ہدایت کے لیے کہا عیسیٰ کے بہت فضائل بس وہ نماز روزہ میں چوری کر لیتے تھے، عیسائی لوگ یہ سن کر طیش میں آئے۔

امام صاحب نے فرمایا: سنو جب وہ نماز روزہ میں چوری نہیں کرتے تھے تو پھر جس کے حکم پہ وہ نماز روزہ کرتے تھے وہی خدا کہلانے کا حقدار ہے بس!

[119] یعنی تین خدا ماننے سے جو لوگ باز نہ آئیں اور اس کفر پر اڑے رہیں انہیں جہنم کا دردناک عذاب پہنچے گا۔ انہیں چاہیے کہ اس کفر سے توبہ کریں اور اللہ سے اس گناہ کی بخشش مانگیں وہ معاف کرنے والا مہربان معاف فرما دے گا۔ معلوم ہوا زندگی بھر کا کفر سچی توبہ کی برکت سے معاف ہو جاتا ہے تو باقی گناہوں کا کہنا ہی کیا ہے۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ
مسیح ابن مریم اللہ کے رسول ہی ہیں (خدا نہیں) ان سے پہلے کئی رسول گزر گئے
وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ
اور ان کی والدہ راست باز خاتون ہیں وہ دونوں کھانا کھاتے تھے [120] دیکھیے ہم کس طرح ان کے لیے نشانیاں واضح کرتے ہیں
ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ
پھر دیکھیں وہ کدھر بھٹکتے ہیں۔ آپ فرمائیں کیا تم اس کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں نقصان دینے کا مالک ہے
لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا
نہ نفع دینے کا اور اللہ ہی سب کچھ سننے جاننے والا ہے۔ [121] آپ فرمائیں اے اہل کتاب! اپنے دین میں
تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ
ناحق غلو نہ کرو [122] اور ان لوگوں کی خواہشات پر نہ چلو جو اس سے قبل گمراہ ہوئے
وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ۝ ع
اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اور خود بھی سیدھی راہ سے بھٹک گئے [123]

[120] حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں بس وہ نہ عین اللہ ہیں نہ ابن اللہ بلکہ رسول اللہ ہیں۔ اُن سے پہلے بھی اللہ کے کئی رسول ہو گزرے ہیں اور ان سے معجزات ظاہر ہوتے تھے۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کر نا مٹی کے پرندوں میں پھونک مار کر انہیں زندہ پرندے بنا کر اڑانا اور کوڑھیوں اور اندھوں کو شفا دینا اور دیگر معجزات دکھائے تو اس سے ان کا خدا ہونا نہیں صرف رسول ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ دونوں انسان ہی ہیں۔ دونوں کھانا

کھاتے تھے اور جو کھانا کھائے وہ خدا کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ کھانا وہ کھاتا ہے جسے بھوک لگے اور وہ کھانے کا محتاج ہو جبکہ اللہ ایسی احتیاج سے پاک ہے پھر کھانا کھانے کے بعد انسان کو قضاء حاجت کی طلب ہوتی ہے اور یہ چیز بندے ہی کے لائق ہے خدا کے لائق نہیں۔

[121] یعنی اے عیسائیو! تم عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانتے اور ان کی پرستش کرتے ہو جبکہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور اللہ کا کوئی بندہ اس کی مرضی کے بغیر کسی نفع یا نقصان کا مالک نہیں ہوسکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی حکم خداوندی کے بغیر کسی نفع یا نقصان کے مالک نہیں۔ ہاں جب اللہ کا اذن شامل ہو تو وہ فرماتے ہیں: وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ج ''میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دیتا اور مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں۔'' (آل عمران:۴۹)

[122] یہود نے اپنے دین میں اس قدر غلو کیا کہ تورات کے سوا کسی خدائی کتاب کو اور اپنی قوم سے باہر کسی نبی کو ماننے کے لیے تیار نہیں اور عیسائیوں نے اپنے دین میں اس قدر غلو کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ اور عین اللہ کہہ ڈالا۔

[123] یعنی اے اہل کتاب! تم اپنے مذہبی پیشواؤں کے پیچھے چل کر اپنی عاقبت برباد نہ کرو یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی راہِ حق سے گمراہ کر رہے ہیں۔ ان کی بجائے قرآن کی آواز پر کان دھرو۔

لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ

بنی اسرائیل میں سے کفر کرنے والوں (یعنی یہود) پر داؤد (علیہ السلام) اور عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کی زبان پر

مَرْیَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ۝٧٨ كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ

لعنت کی گئی، کیونکہ انہوں نے سرکشی کی اور وہ حد سے بڑھتے تھے۔ [124] وہ جو برائی کرتے اس سے ایک دوسرے کو روکتے نہ تھے،

مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝٧٩ تَرٰی كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یَتَوَلَّوْنَ

وہ کیا ہی برا کرتے تھے۔ [125] آپ ان میں سے بہت سوں کو دیکھتے ہیں کہ کافروں (بت پرستوں) سے

الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ

محبت رکھتے ہیں [126] کیا ہی برا ہے وہ (توشۂ آخرت) جو انہوں نے اپنے لئے آگے بھیجا کہ اللہ نے ان پر

عَلَیْهِمْ وَفِی الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝٨٠ وَلَوْ كَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِیِّ

غضب فرمایا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ اور اگر وہ اللہ و رسول پر

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِیَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝٨١

اور رسول کی طرف نازل شدہ کتاب پر ایمان لاتے تو کفار کو دوست نہ بناتے [127] مگر ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں۔

یہود کی داغدار تاریخ اور ان کی اسلام دشمنی

[124] حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں جب یہود نے ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار حلال جانا اور عبادت کے لیے مخصوص دن کو دنیا کمانے میں لگایا تو داؤد علیہ السلام نے کہا: اللّٰھم الْعَنْھُم واجعلھم آیۃ ''اے اللہ! ان پر لعنت فرما اور انہیں نشان عبرت بنا دے'' تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بندر بنا دیا۔ پھر عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے حواریوں نے آسمان سے دسترخوان کا نزول مانگا۔ حضرت عیسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں دسترخوان اتارتا ہوں مگر جو شخص اس کا انکار کرے گا۔ میں اسے وہ عذاب دوں گا جو دنیا میں کسی اور کو نہ ہوا ہوگا۔ چنانچہ دسترخوان آیا تو صرف بارہ حواریوں نے اسے آپ کا معجزہ اور اللہ کی قدرت مانا، باقی سب قوم نے اسے جادو قرار دیا۔ تب عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اللّٰھم العنھم

واجعلهم خنازیر۔ اے اللہ! ان پر لعنت فرما اور انہیں خنزیر بنادے تو انہیں خنزیر بنادیا گیا۔
(خازن، بغوی، مظہری، درمنثور وغیرہ)

تو اس لیے قرآنِ مجید میں فرمایا گیا: وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ۔ ''اللہ نے یہود میں سے بعض کو بندر اور خنزیر بنایا تھا۔'' (مائدہ:٦٠) ہفتے کے دن شکار سے باز نہ آنے والوں کا واقعہ سورہ اعراف آیت ١٦٣ میں اور دسترخوان سے انکار کا واقعہ سورہ مائدہ آیت ١١٥ میں مفصل مذکور ہے۔

معلوم ہوا اللہ والے مستجاب الدعوات ہوتے ہیں وہ جو کہہ دیں اللہ تعالیٰ اسی طرح کر دیتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کئی پہلے انبیاء کی دعا سے ان کی قومیں ہلاک ہوئیں مگر حضور رحمتِ کائنات ﷺ نے دشمنوں کے لیے بھی ہمیشہ دعائے خیر ہی فرمائی۔

[125] یعنی جن یہود کو بندر و خنزیر بنایا گیا ان کا گناہ یہ تھا کہ وہ برائی سے (یعنی ہفتہ کے دن شکار کرنے سے یا مائدہ کا مذاق اڑانے سے) روکتے نہ تھے۔ گویا عذاب سے صرف وہی لوگ بچے جو برائی سے خود بھی رکتے تھے اور دوسروں کو بھی روکتے تھے۔ اسی لیے ہفتے کے دن شکار کرنے کے عذاب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٥﴾ ''تو ہم نے برائی سے روکنے والوں کو عذاب سے بچالیا اور ظالموں کو ان کے گناہ کے سبب بدتر عذاب میں مبتلا کر دیا۔'' (اعراف:١٦٥) یعنی جو شخص بھی برائی سے منع نہ کرتا تھا خواہ خود برائی کرتا تھا یا نہیں کرتا تھا وہ بہرحال عذابِ الٰہی سے دوچار ہوگیا۔

یہاں نہی عن المنکر کی فرضیت معلوم ہوئی۔ اسی لیے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم ضرور نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو ورنہ تم پر عذاب مسلط کر دیا جائے گا پھر تمہاری دعا نہیں سنی جائے گی۔'' (ترمذی کتاب الفتن باب ٩)

[126] یہود ہی کی ایک اور برائی بتائی جارہی ہے کہ وہ مشرکین سے دوستی رکھتے ہیں یہ آیت کعب بن اشرف یہودی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جب یہود بنونضیر کو ان کی بدعہدیوں کے سبب مدینہ طیبہ سے نکالا گیا تو اس کے انتقام کے لیے کعب بن اشرف مشرکین مکہ سے مدد لینے آیا انہوں نے کہا پہلے ہمارے بتوں لات و ہبل کو سجدہ کرو۔ تو بدبخت یہود نے اسلام دشمنی کی دھن میں بتوں کو سجدہ بھی کر ڈالا اور کہا کہ تمہارا دین (بت پرستی) محمد (ﷺ) کے دین سے بہتر ہے۔ (معاذ اللہ) اسی بارہ میں یہ آیات بھی نازل ہوئیں۔ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ﴿٥١﴾ ''کیا تم نے وہ لوگ نہ دیکھے جن کو کتاب کا حصہ دیا گیا تھا وہ بتوں اور شیطان پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں کے بارہ میں کہتے ہیں کہ وہ اہل ایمان سے بہتر راستہ پر ہیں۔'' (نساء:٥١)

[127] یہود کی ان خباثتوں کے بارہ میں فرمایا گیا کہ وہ اپنے لیے کیا ہی برا توشہ آخرت جمع کر رہے ہیں وہ یہ کہ ان پر اللہ کا غضب ٹھہر گیا اور وہ ہمیشہ عذاب جہنم میں مبتلا رہیں گے اور اگر انہیں اللہ پر اور اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام پر اور ان پر نازل ہونے والی تورات پر واقعی سچا ایمان ہوتا تو وہ بت پرستوں سے یوں دوستی نہ گانٹھتے۔

مسلمانوں کے لیے مقامِ عبرت ودرس ہدایت

اس میں دورِ حاضر کے ہم مسلمانوں کے لیے بھی مقام عبرت ودرس ہدایت ہے کہ ہمارے پاس بھی اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے جیسے یہود کے پاس اللہ کی نازل کردہ تورات تھی، مگر انہوں نے اپنی کتاب کے احکام کو پس پشت ڈال دیا۔ اور اپنی خواہشات کے پیچھے چل پڑے، چنانچہ اللہ کی پکڑ میں آ گئے۔ افسوس صد افسوس! آج ہم نے بھی اپنی کتاب کے ساتھ وہی سلوک روا رکھا ہے جو یہود نے اپنی کتاب کے ساتھ رکھا۔ یہی سبب ہے کہ آج ہم دنیا میں سب سے ذلیل وخوار قوم بن گئے ہیں۔ آج یہود کا خون محفوظ ہے، عیسائیوں کا خون محفوظ ہے، ہندوؤں کا خون محفوظ ہے، ایسے ہی سکھوں اور پارسیوں کا خون محفوظ ہے، جبکہ ساری دنیا میں صرف مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے۔ عراق، افغانستان، کشمیر، فلسطین، پاکستان، انڈیا، برما، لیبیا، شام اور مصر میں مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے، کہیں اغیار کے ہاتھوں کہیں اپنوں کے ہاتھوں۔ اس کا یہی سبب ہے کہ ہم نے دشمنان اسلام سے دوستی کر رکھی ہے اور آپس میں ہماری جنگ ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ

یقیناً تم ایمان والوں کے لئے سخت تر دشمن یہود اور مشرکین کو پاؤ گے

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ

اور تم مؤمنوں کے لئے دوستی میں ان لوگوں کو قریب تر پاؤ گے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں [128]

ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٨٢﴾

یہ اس لئے ہے کہ ان میں کچھ علماء اور عابدین ہیں وہ تکبر نہیں کرتے۔ [129]

[128] لہٰذا مومنوں کے سخت تر دشمن یہود اور مشرکین ہیں اور یہ قرآنی صداقت آج بھی ظاہر ہے۔ اسرائیل کے یہود اور بھارت کے مشرکین ہنود اسلام دشمنی میں سب اقوام سے پیش پیش ہیں۔ آگے فرمایا کہ غیر مسلم قوموں میں مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ محبت ونرمی رکھنے والے عیسائی ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔ عیسائی لوگ ہی آج بھی سب سے زیادہ اسلام لاتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں دوسری غیر مسلم قوموں مثلاً ہندو، سکھ، بدھ مت وغیرہ میں سے اسلام لانے والوں کی تعداد بہت کم ہے اور یہود میں سے اسلام لانے والے تاریخ میں گنے چنے افراد ہیں۔ اگر اس جگہ یہ سوال کیا

جائے کہ امریکہ عیسائی ملک ہے اور وہ آج مسلم ممالک پر سب سے زیادہ ظلم ڈھا رہا ہے یہ کیوں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امریکی حکومت کا کردار ہے اور اس میں زیادہ یہود ہیں اور وہ مسلم کش پالیسیاں مرتب کرتے ہیں جبکہ امریکی عوام میں ساری دنیا سے زیادہ اسلام پھیل رہا ہے۔

[129] یعنی عیسائیوں میں بعض ایسے علماء اور عابدین ہیں جو جذبہ قبول حق رکھتے ہیں اور قبولِ حق سے تکبر نہیں کرتے۔ یہ آیتِ مبارکہ شاہ حبشہ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ اور اس کے حاشیہ نشیں علماء کے بارہ میں نازل ہوئی جب سن بعثت ۵ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ (موجودہ ایتھوپیا) پہنچی تو ان کے امیر حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے دربار نجاشی میں جا کر سورہ مریم کی تلاوت کی جسے سن کر نجاشی اور اس کے حاشیہ نشیں علماء زار زار رو پڑے اور نجاشی نے کہا واللہ اس کلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں ایک تنکے کا بھی فرق نہیں اور آج بھی اس قرآنی ارشاد کی صداقت چمک رہی ہے اور کئی عیسائی پادری اسلام لے آتے ہیں۔ اور میں یہاں برطانیہ میں ان متعدد نو مسلم لوگوں کو جانتا ہوں جو پہلے عیسائیوں کے پادری تھے یعنی ان کے علماء میں سے تھے۔

مجھے ایک معتبر عالم دین نے واقعہ سنایا کہ امریکہ میں گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ کے واقعہ کے بعد عیسائی پادریوں کا اجتماع ہوا اور یہ بحث ہوئی کہ قرآن کریم میں سے جہاد کی آیات جمع کی جائیں تا کہ قرآن کو دہشت گردی پھیلانے والی کتاب ثابت کیا جائے ان میں سے ایک عورت نے یہ ذمہ داری لی کہ وہ یہ کام کرے گی، تو اس نے سارے قرآن کا مطالعہ شروع کیا جب اختتام پہ پہنچی تو مسلمان ہو گئی، کہنے لگی اب پتہ چلا ہے کہ قرآن سے بڑھ کر کوئی کتاب ہدایت ہو نہیں سکتی۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ

اور جب وہ سنتے ہیں جو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف اتارا گیا تو آپ دیکھیں کہ ان کی آنکھیں آنسو بہاتی ہیں،

مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨٣﴾

کیونکہ انہوں نے حق کو پہچان لیا، [130] وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو تو ہمیں گواہوں میں لکھ دے۔ [131]

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا

اور (وہ کہتے ہیں) ہمیں کیا عذر ہے کہ اللہ پر اور جو حق ہمارے پاس آیا ہے اس پر ایمان نہ لائیں جبکہ ہم یہ تمنا رکھتے ہیں کہ ہمارا رب

مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

ہمیں نیک لوگوں میں داخل فرمائے۔ [132] تو اللہ نے ان کے اس قول کے بدلے انہیں جنتی باغات عطا فرمائے جن کے نیچے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِيْنَ

نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ اخلاص والوں کی جزا ہے۔ [133] اور جنہوں نے

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٨٦﴾ ع

کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ اہل جہنم ہیں۔ [134]

عیسائی علماء کا قرآن سن کر رونا اور ایمان لانا

[130] گزشتہ آیت مبارکہ میں کہا گیا کہ عیسائیوں میں کچھ علماء اور اللہ والے ہیں جو ایمان لانے سے تکبر نہیں کرتے۔ اب اس کی ایک مثال دی جارہی ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ سن بعثت پانچ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت ہجرت کر کے حبشہ گئی۔ کفار مکہ نے شاہ حبشہ تک رسائی کر کے اسے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف اکسانا چاہا۔ شاہِ حبشہ نے انہیں بلایا اور پوچھا کہ وہ کس چیز پر ایمان رکھتے ہیں؟ ان کے امیر حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نجاشی شاہ حبشہ کے دربار میں سورہ مریم کی تلاوت کی جسے سن کر نجاشی اور اس کے ساتھیوں پر گریہ طاری ہوگیا اور اس نے ایک تنکا اٹھا کر کہا بخدا عیسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کہا وہ تمہارے اس کلام سے اس تنکے کے برابر بھی مختلف نہیں۔ پھر اس نے ستر علماء حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجے اور ان کے ہاتھ آپ کی خدمت میں خط ارسال کیا جس میں لکھا کہ میں آپ کی بیعت کرتا اور

آپ کے سچے دین پر ایمان لاتا ہوں۔ جب یہ لوگ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں سورہ یٰسین خود پڑھ کر سنائی۔ جسے سن کر ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ وہ زاروقطار رونے لگے اور ایمان لائے۔ تب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی: وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ (تفسیر بغوی جلد ۲ صفحہ ۸۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عیسائیوں میں سے کچھ وہ اہلِ علم ہیں کہ جب وہ اس کو کلام کو سنتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی طرف اتارا گیا ہے تو آپ کو نظر آئے گا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑتے ہیں کیونکہ ان پہ حق واضح ہوجاتا ہے۔

امریکہ کی کسی ریاست میں ایک محفل میں قرآنِ مجید کی تلاوت سن کر ایک شخص پہ گریہ طاری ہوگیا اور وہ ایمان لے آیا۔ اس نے کہا: جب میں نے قرآن سنا تو مجھے سمجھ میں تو نہیں آیا مگر بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور میرا دل نرم ہوگیا۔ بعدازاں میں نے قرآن کا مطالعہ کیا تو میرے دل کی دنیا ہی بدل گئی اور میں نے اسلام قبول کرلیا۔ آج وہ امام سراج کے نام سے امریکہ میں اسلام کا بڑا مبلغ ہے اور سینکڑوں لوگ اس کے ہاتھ پر ایمان لاچکے ہیں۔ اور ایک کتاب ہے "ہم کیوں مسلمان ہوئے" اس میں دنیا کے نوے نامور نومسلموں کی داستان ہے جو انہی کی زبانی ہے۔ اس میں اکثر وہ ہیں جو عیسائیوں میں سے اسلام لائے اور انہوں نے اپنے اسلام لانے کی سب سے بڑی وجہ یہی بیان کی کہ قرآن کے مطالعہ نے ان کے دل کی دنیا بدل دی۔

شاہِ حبشہ نجاشی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی فضیلت

یہ آیات حبشہ (موجودہ ایتھوپیا) کے بادشاہ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے آگے فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ کہہ کر ان کے جنتی ہونے کا اعلان فرمایا اور انہیں محسنین کا لقب بھی عطا فرمایا۔ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے وصال پر ان کی میت حضور ﷺ کو دکھائی گئی اور آپ نے مدینہ طیبہ میں ان کا جنازہ پڑھا۔ یہ ۹ ھ کی بات ہے۔ ایک روایت ہے کہ ان کی قبر سے لوگوں نے نور پھوٹتا ہوا دیکھا۔ (سیرت نبویہ لابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۸) اور حدیثِ طیبہ ہے نبی ﷺ نے فرمایا نجاشی کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتے اترے اور یہ فضیلت انہیں سورہ اخلاص بکثرت پڑھنے کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۶۰۵)

نجاشی اس وقت ہر شاہِ حبشہ کو کہتے تھے۔ یہ سرکاری لقب تھا۔ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کا اصل نام اِصْحَمَہ تھا۔

یہاں سے عظمتِ قرآن بھی معلوم ہوئی کہ سعید روحیں اسے سن کر لرز اٹھتی ہیں اور ایمان لے آتی ہیں اس کی مثال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی ہیں کہ اپنی بہن سے قرآن مجید کی تلاوت سن کر رو پڑے اور ایمان لے آئے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن سن کر رو پڑنا رحمتِ خداوندی ہے۔ مومن کو چاہیے قرآن کو ذوق اور توجہ کے ساتھ پڑھے اور سنے، اسے دل میں بٹھائے اور اس کے معانی پر غور کرے، یعنی اسے ترجمہ کے ساتھ پڑھے۔ ایسا کرنے سے یقیناً رقت طاری ہوتی

ہے۔اور یہاں مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کے مخاطبین کے لیے ایک ہی رسول ہے یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ، کیونکہ الرسول اسم معرفہ ہے جو ایک خاص شخص ہی پہ بولا جا سکتا ہے، لہٰذا ختمِ نبوت کا مسئلہ حل ہو گیا۔

[131] قرآن سن کر ایمان لانے والے عیسائی اہلِ علم کہتے ہیں اے اللہ! ہمیں گواہوں میں شمار کر لے یعنی امت محمدیہ میں داخل کر لے جو کہتے ہیں: اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ۔ امت محمدیہ کو اس لیے بھی شاہدین کہا گیا کہ روزِ قیامت اس امت کے خاص لوگ (صحابہ و تابعین اور اولیاء و علماء و شہداء) انبیاء سابقین کے حق میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے حقِ تبلیغ ادا کیا تھا۔ اسی بارہ میں فرمایا گیا: لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (بقرہ: ۱۴۳) اس سے امت محمدیہ کی عظمت معلوم ہوئی۔

[132] یعنی ایمان لانے والے اہلِ علم عیسائی لوگ کہتے ہیں جب ہم پر حق واضح ہو چکا ہے تو ہمیں اس کے قبول کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے اور ہم تو خود صالحین یعنی اصحابِ رسول ﷺ میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔

[133] تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان لانے کے باعث انہیں جنت کا حقدار بنا دیا اور حدیثِ مبارکہ میں ہے اسلام لانے والا شخص گناہوں سے یوں پاک ہو جاتا ہے جیسے وہ آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

[134] یعنی جن لوگوں پر حق واضح ہو جائے پھر وہ اسے جھٹلائیں اور کفر پر اڑے رہیں تو ایسے لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے اور وہ پکے دوزخی قرار پا جاتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ

اے ایمان والو! ان پاک چیزوں کو حرام نہ قرار دو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں اور حد سے نہ بڑھو [135]

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪

بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں رکھتا۔ اور تمہیں اللہ نے جو دیا ہے اس میں سے حلال پاک چیزیں کھاؤ

وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ [136]

اللہ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام ٹھہرانے کی برائی

[135] اس سورت میں دو مضامین بدل بدل کر آ رہے ہیں مسائلِ حل و حرمت اور اہلِ کتاب کے عقائد کی تردید۔ اس سے قبل اہل کتاب کے بارہ میں گفتگو تھی۔ اب حلال و حرام کی بات شروع ہو رہی ہے۔ اس کے بعد آخر سورت میں پھر

اہل کتاب کی طرف روئے سخن مڑ جائے گا۔ اس آیتِ مبارکہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک بار حضور سید عالم ﷺ نے صحابہ سے وعظ فرمایا جس سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور ان میں سے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے گھر جمع ہوئے جن میں ابوبکر صدیق، علی المرتضیٰ، عبداللہ بن مسعود، ابوذر غفاری، مقدار بن اسود رضی اللہ عنہم و دیگر شامل تھے۔ انہوں نے باہم عہد کیا کہ وہ راہبانہ زندگی گزاریں گے، کھردرے کپڑے پہنیں گے۔ اپنے آلات تناسل کاٹ دیں گے، مسلسل روزہ رکھیں گے، رات بھر عبادت کیا کریں گے، کبھی بستر پر نہ سوئیں گے، گوشت اور مرغن غذا نہیں کھائیں گے اور عورتوں اور خوشبو سے دور رہیں گے، بلکہ جنگلات کا رخ کریں گے۔

جب نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو حضور ﷺ نے ان صحابہ کو فوراً بلایا اور پوچھا کیا تم نے ایسی باتیں کہی ہیں؟ انہوں نے اقرار کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ میرا دین نہیں ہے، تم پر اپنی جان کا بھی حق ہے۔ روزے رکھو مگر کچھ دن چھوڑ بھی دو، رات کو قیام کرو اور سوؤ بھی۔ میں رات کو سوتا بھی ہوں اور عبادت بھی کرتا ہوں۔ روزے رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں۔ میں گوشت بھی کھاتا ہوں، عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں اور جس نے میری سنت ترک کی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں، تب یہ آیتِ مبارکہ اتری: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ (تفسیر معالم التنزیل للبغوی جلد ۲ صفحہ ۸۴)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے مومنو اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو خود پہ حرام نہ کرو، بلکہ اسی حد میں رہو جو اللہ نے مقرر کی ہے کیونکہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔''

یاد رہے! حلال کو حرام کرنا کبھی اس غلط فہمی سے ہوتا ہے تاکہ اس طرح اللہ راضی ہو جیسے شانِ نزول میں ابھی مذکور ہوا اور کبھی بعض علماء اپنی تشدد پسند طبع کے تحت حلال چیزوں کو حرام میں شمار کر کے لوگوں کے لیے مشکلات بنا دیتے ہیں جیسے آج کل نجدی وہابی علماء ختم قرآن، گیارہویں، میلاد النبی ﷺ اور دیگر محافل کے لیے پکایا گیا کھانا حرام قرار دے رہے ہیں اور ان کے پاس کوئی معقول دلیل نہیں سوا بعض آیات میں معنوی تحریف کرنے کے، اللہ انہیں سمجھ دے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا: لَا تَعْتَدُوْا حد سے نہ بڑھو۔

اسلام میں رہبانیت نہیں

لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ اور اس کے شانِ نزول سے معلوم ہوا کہ متمدن دنیا سے کٹ کر جنگلوں میں بسیرا کرنا اللہ کے ہاں سخت ناپسندیدہ ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص جس کا نام عکاف تھا رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تمہارے پاس بیوی ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا: کیا لونڈی ہے؟ کہا، نہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس مال ہے؟ کہا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تو پھر تم شیطان کے بھائی ہو، اگر تم نصاریٰ میں سے ہوتے تو ان کے راہب ہوتے، : بیشک ہمارا طریقہ نکاح کرنا ہے۔ تم میں سے برے لوگ وہ ہیں جو کنوارے رہیں اور تم

میں سے سب سے بری موت مرنے والے وہ ہیں جو بے شادی مریں، کیا تم شیطان کی پیروی کرتے ہو، صالحین کو گمراہ کرنے کے لیے شیطان کے پاس عورتوں سے بڑا کوئی ہتھیار نہیں ہے، مگر جو شادی شدہ ہیں وہ پاک ہیں۔
(درمنثور جلد ۳ صفحہ ۱۴۷ بروایت بیہقی مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے آپ نے دوستونوں کے درمیان رسی لٹکتی دیکھی، فرمایا: یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا یہ ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے لیے ہے، وہ رات کو عبادت کرتی ہیں۔ جب تھک جائیں تو اس رسی کے سہارے کھڑی رہتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں، اسے کھول دو، پھر فرمایا:

لیصل احد کم نشاطه فاذا فتر فلیرقد۔ یعنی تم میں سے ہر کسی کو بشاش طبیعت کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے اور جب وہ تھک جائے تو بیٹھ جائے۔ (بخاری کتاب التہجد باب ۱۸ حدیث ۱۱۵۰) یہ حدیث نسائی میں بھی ہے اور یہ واقعہ ام المؤمنین زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ رضی اللہ عنہا کے بارہ میں بھی وارد ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خوفِ خدا

مذکورہ شان نزول سے معلوم ہوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں بے پناہ خوف خدا تھا۔ وہ ایک وعظِ رسول سے اس قدر متاثر ہوئے کہ دنیا چھوڑنے پر تیار ہو گئے۔

اور یہ واقعہ شیعہ مفسر ابوالفضل طبرسی نے بھی یہاں نقل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے: مفسرین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وعظ فرمایا اور لوگوں کو قیامت کی یاد دلائی تو انکے دل نرم ہو گئے اور وہ رونے لگے۔ چنانچہ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے دس افراد عثمان بن مظعون کے گھر میں جمع ہوئے۔

وهم علی وابو بکر وعبد الله بن مسعود وابو ذر الغفاری وسالم مولی ابی حذیفة وعبد الله بن عمر والمقداد بن الاسود الکندی وسلمان الفارسی ومعقل بن مقرن،

ان کے نام یہ ہیں، علی، ابوبکر، عبداللہ بن مسعود، ابوذر غفاری، ابوحذیفہ کا غلام سالم، عبداللہ بن عمر، مقداد بن اسود کندی، سلمان فارسی اور معقل بن مقرن۔ ان لوگوں نے اتفاق کیا کہ ہمیشہ روزہ رکھیں گے، شب بھر عبادت کیا کریں گے، بستروں پہ نہیں سویا کریں گے، گوشت نہیں کھائیں گے، چربی کے قریب نہ جائیں گے اور اپنی عورتوں اور خوشبو کے قریب بھی نہیں بھٹکیں گے۔ (تفسیر مجمع البیان جلد ۳ صفحہ ۴۰۴ مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت)

شیعہ مفسر علامہ طبرسی کے بیان کردہ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت علی المرتضی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما دونوں تقویٰ و ورع کے رنگ میں ایک ہی جیسے رنگے ہوئے تھے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کی خلافت کا اعلان کر دیا تھا تو ابوبکر صدیق اسکی مخالفت کرتے؟ لہٰذا خلافت و امامت علی رضی اللہ عنہ کے اعلان کی سب روایات جھوٹی ہیں اور

تفرقہ بازی کی بنیاد پہ گھڑی گئی ہیں۔

[136] یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی رحمت سے جو دیا ہے اسے کھاؤ اس میں یہ درس ہے کہ ہمیں جو ملتا ہے وہ ہماری محنت سے نہیں اللہ کی رحمت سے ملتا ہے۔لہٰذا اللہ کی رحمت کو ٹھکرانا نہیں چاہیے جو حلال ذریعہ سے ملے اسے لینا چاہیے یہ بھی معلوم ہوا کہ جان بچانے کی بقدر کھانا فرض ہے۔ کیونکہ حکم ربی ہے۔ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا اس سے تا مرگ بھوک ہڑتال کی حرمت بھی معلوم ہوئی۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ

اللہ تمہاری بے کار قسموں پر پکڑ نہیں فرماتا مگر ان قسموں پر پکڑ فرماتا ہے جن کا تم نے پکا

الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ

ارادہ کر لیا۔ [137] تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو وہ درمیانہ کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو

اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ

کھلاتے ہو یا انہیں کپڑے دینا یا غلام آزاد کرنا ہے پھر جو یہ چیزیں نہ پائے تو اس پر تین دن کے روزے

اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ

لازم ہیں، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم اٹھا لو اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

اسی طرح اللہ تمہیں اپنی آیات بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔ [138]

قسم توڑنے کا کفارہ

[137] اس آیتِ مبارکہ کا ماقبل والی آیات سے تعلق ہے۔ جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قسم اٹھالی کہ وہ ہمیشہ رات بھر عبادت کیا کریں گے اور دن کو روزہ رکھا کریں گے اور عورتوں کے پاس نہیں جائیں گے پھر آیت لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اتار کر انہیں اس سے منع کیا گیا تو انہوں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے جو قسم اٹھالی تھی اس کا کیا بنے گا؟ تب اللہ تعالیٰ نے آیتِ مبارکہ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ

بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ نازل فرمائی اور صحابہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی قسم توڑ کر اس کا کفارہ ادا کر دیں۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۵ صفحہ ۱۴ مطبوعہ دار الکتب العالمیہ بیروت)

قسم اٹھانے کی تین صورتیں اور ان کے احکام

اول:

جب آدمی گزشتہ زمانہ کے متعلق قسم اٹھائے کہ اس نے فلاں کام کیا تھا یا نہیں کیا تھا اور وہ اپنی دانست میں صحیح کہتا ہو مگر وہ حقیقت میں صحیح نہ ہو تو اسے یمین لغو (بیکار قسم) کہتے ہیں۔ اس پر اللہ پکڑ نہیں فرماتا اور اس پر کوئی کفارہ لازم نہیں نہ اس پر آخرت میں کوئی عذاب ہے کیونکہ اس نے جان بوجھ کر جھوٹی قسم نہیں اٹھائی بلکہ اسے مغالطہ ہوا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ کہ اللہ تمہاری لغو قسموں پہ پکڑ نہیں فرماتا۔

دوم:

کوئی شخص گزشتہ زمانہ کے بارہ میں جان بوجھ کر جھوٹی قسم اٹھائے کہ اس نے یہ کام نہیں کیا تھا یا کیا تھا مگر وہ جھوٹ کہہ رہا ہے تو اسے یمینِ غموس کہتے ہیں۔ غموس کا معنی ڈوبنا ہے اور جھوٹی قسم اٹھانے والا گناہ اور عذاب اخروی میں ڈوب جاتا ہے البتہ اس پر دنیا میں کوئی شرعی کفارہ لازم نہیں ہے۔

اس کا شرعی کفارہ دنیا میں نہ رکھا گیا اس لیے یہ اس قدر عظیم گناہ ہے کہ چند مساکین کو کھانا کھلا دینا اس کا بدلہ نہیں بن سکتا، بلکہ اس کے لیے آخرت ہی میں سزا مقرر کی گئی ہے۔

سوم۔

جب مستقبل کے بارہ میں قسم اٹھائی جائے یعنی کوئی کہے اللہ کی قسم میں فلاں کام ہرگز نہیں کروں گا یا فلاں کام ضرور کروں گا تو اسے یمین منعقدہ کہتے ہیں۔ یعنی یہ قسم منعقد (لازم) ہوگئی۔ اگر وہ اسے توڑے گا تو کفارہ لازم آئے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ یعنی جو قسمیں تم نے باندھ لیں ان پہ اللہ تمہاری پکڑ فرماتا ہے، یعنی ان پہ شرعی کفارہ لازم کرتا ہے۔

[138] تو اللہ تعالیٰ نے یمین منعقدہ کے تین کفارے بتائے کہ ان میں سے کوئی ایک اختیار کیا جاسکتا ہے۔ اول: اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ، دس مسکینوں کو اپنی گنجائش کے مطابق کھانا کھلایا جائے۔ یعنی انہیں صبح و شام دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ ان دس مساکین میں سے ہر مسکین کو ایک صدقۂ فطرانہ یعنی سوا دو سیر گندم یا اس کی قیمت دیدی جائے۔ یہ کھانا غیر مسلم مسکین کو بھی دیا جاسکتا ہے۔ دوم: اَوْ كِسْوَتُهُمْ، یا دس مساکین کو کپڑے دینا، اس طرح کہ ہر مسکین کو شلوار قمیص یا کرتا تہبند دیا جائے جس سے اس کا تن ڈھپ جائے یا پانچ چھ گز ان سلا کپڑا دیدیا جائے جس سے شلوار قمیص بن جائے۔ سوم: اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ، یا غلام آزاد کرنا خواہ وہ مسلم ہو یا کافر مرد ہو یا عورت

اور بچہ ہو یا بالغ۔ آج کل غلام کا رواج ختم ہو گیا ہے۔

آگے فرمایا: فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ۔ الخ

یعنی اگر کوئی شخص غربت کی وجہ سے یہ تینوں کام نہ کر سکے تو وہ تین دن مسلسل روزے رکھ لے۔ اگر دو روزے رکھ کر ایک چھوڑ دیا تو دوبارہ شروع ہو اور تین پورے کرے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما دونوں اس جگہ یوں قراءت کرتے تھے۔ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ یعنی تین مسلسل روزے رکھو۔

(درمنثور جلد ۳ صفحہ ۱۵۵)

آگے فرمایا: ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيۡمَانِكُمۡ اِذَا حَلَفۡتُمۡ ؕ

یعنی جب تم نام خدا سے قسم اٹھالو تو یہ اس کا کفارہ ہے جو ابھی بیان کیا گیا۔ یاد رہے قسم کا یہ کفارہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ جب کوئی شخص نام خدا کے ساتھ قسم اٹھا کر اسے توڑتا ہے تو اس کے دل میں نام خدا کی عظمت کو نقصان لاحق ہوتا ہے اس لیے کفارہ لازم کیا گیا تا کہ قسم توڑنے کو عادت نہ بنالیا جائے اور نام خدا کی دل میں اہمیت قائم رہے۔

آگے فرمایا گیا: وَاحۡفَظُوۡۤا اَيۡمَانَكُمۡ ؕ

اس کا ایک معنی یہ ہے کہ کسی نیک کام کے کرنے پر جب قسم اٹھالی جائے تو وہ قسم نہیں توڑنی چاہیے جیسے اللہ کی قسم میں فلاں بددین شخص سے بات نہیں کروں گا یا فلاں بری مجلس میں نہیں جاؤں گا، یا میں فلاں نیکی کا کام ضرور کروں گا۔ اس کا یہ معنی بھی ممکن ہے کہ بات بے بات قسم اٹھانے کی عادت نہ بناؤ تا کہ دل سے نام خدا کی ہیبت نہ نکل جائے۔

اسی لیے شرعی قسم وہ ہے جو اللہ کے نام سے اٹھائی جائے، اسی کے توڑنے پر مذکورہ کفارہ لازم ہے اور اس میں ضروری نہیں کہ اللہ کا نام ہی لیا جائے، بلکہ اللہ کی صفات سے قسم اٹھانا بھی شرعی قسم ہے۔ جیسے رحمان کی قسم، رحیم کی قسم، اللہ کی قدرت کی قسم، اللہ کی عزت کی قسم وغیرہ۔ اسی طرح خدا کی قسم بھی اس میں شامل ہے، کیونکہ خدا بمعنی الٰہ لیا جاتا ہے۔ جبکہ غیر خدا کی قسم سے کفارہ نہیں آتا۔ جیسے قرآن کی قسم، رسول کی قسم، کعبہ کی قسم وغیرہ۔

یہاں سے پانچ فوائد حاصل ہوئے:

(۱) کسی چیز کو خود پر حرام کہنا قسم بن جاتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گوشت کھانے، بستر پر سونے اور عورتوں کے پاس جانے وغیرہ کو خود پر حرام کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے قسم قرار دیا اور انہیں قسم کا کفارہ دینے کو کہا، معلوم ہوا کسی چیز کو خود پر حرام قرار دینا قسم کے معنی میں ہے۔

اسی لیے جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اور ایک روایت میں کسی خاص قسم کی شہد کو خود پر حرام فرمایا تو اللہ نے فرمایا: قَدۡ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمۡ تَحِلَّةَ اَيۡمَانِكُمۡ ۚ یعنی ''اللہ نے تم پر اس طرح کی قسموں کا توڑنا لازم کیا ہے۔'' (سورہ تحریم: ۲) اس کی مکمل وضاحت سورہ تحریم پارہ ۲۸ کی تفسیر میں آئے گی۔

(۲) اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

یمین لغو پر پکڑ نہ کی گئی کیونکہ اس میں جھوٹی قسم اٹھانے کی نیت نہیں ہوتی اگر چہ وہ جھوٹی قسم ہے۔ معلوم ہوا کہ نیت پر اعمال کا انحصار ہے۔ اگر کوئی عمل بظاہر بُرا ہو مگر نیت بُری نہ ہو تو اللہ تعالیٰ پکڑ نہیں فرماتا اور اگر عمل بظاہر اچھا ہو مگر نیت بری ہو تو اللہ پکڑ فرماتا ہے، جیسے دکھاوے کی نیکیاں وغیرہ۔

(۳) اسلام میں غریب پروری کی اہمیت۔

قسم کے کفارہ میں دس مساکین کو کھانا یا لباس دینا اسلام کے مزاجِ غریب پروری پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مختلف طریقوں سے غریب پروری لازم کرتا ہے، جیسے زکوۃ، فطرانہ، جانور کی قربانی، قسم کا کفارہ، غریب رشتہ داروں کی کفالت وغیرہ۔

(۴) دنیا سے غلامی ختم کرنے میں اسلام کا کردار۔

کفارۂ قسم، کفارۂ قتل، کفارۂ ظہار اور دیگر مسائل میں اسلام حکم دیتا ہے کہ ایک غلام آزاد کرو۔ اس سے دنیا میں غلامی کم سے کم ہوگئی۔ غلام ناپید ہو گئے آخر کار ختم ہو گئے۔ اس کے باوجود اسلام پہ مسئلہ غلامی کو اہلِ مغرب کا بطورِ اعتراض پیش کرنا تعصب ہے۔

(۵) گناہ کی قسم اٹھانے پر اسے توڑنا لازم ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بستر پر نہ سونے اور عورتوں کے قریب نہ جانے کی قسم اٹھائی تو اللہ تعالیٰ نے اسے توڑنے کا حکم دیا اور اس کا کفارہ بتایا۔ معلوم ہوا اگر کوئی شخص قسم اٹھالے کہ وہ فلاں ناجائز کام کرے گا مثلاً فلاں سے کبھی کلام نہیں کرے گا تو اسے وہ قسم توڑ کر اس کا کفارہ دینا چاہیے۔ ایسی قسم پہ ڈٹ جانا گناہ ہے، ہاں نیکی کی قسم پہ ضرور ڈٹنا چاہیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ
اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور تیروں سے فال نکالنا ناپاک شیطانی عمل
مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ
ہی تو ہیں تو ان سے بچو تاکہ تم کامیابی پاؤ۔ [139] شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ
الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ
تمہارے درمیان شراب اور جوئے کے ذریعے دشمنی اور بغض پیدا کر دے [140]
وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾
اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے تو کیا تم (شراب اور جوئے سے) باز آنے والے ہو؟ [141]

شراب اور جوئے کی حرمت

[139] اس سے قبل فرمایا گیا وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا (آیت ۸۸) اب شراب اور جوئے جیسی گندی چیزوں سے دور رہنے کا حکم فرمایا جا رہا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شراب تین مراحل میں حرام کی گئی، پہلے کہا گیا: قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ "شراب اور جوئے میں نفع بھی ہے اور نقصان بھی مگر ان کا نقصان ان کے نفع سے بہت بڑا ہے۔" (بقرہ:۲۱۹)

یہ حکم سن کر کئی لوگ شراب سے باز آ گئے مگر بہت سے اسے پیتے رہے۔ پھر ایک دن مہاجرین میں سے ایک شخص نے نماز پڑھائی اس نے شراب پی رکھی تھی۔ اس نے نماز میں قرأت میں خلط ملط کر دیا۔ تب یہ آیت مبارکہ اتری: لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى "نشے میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔" (نساء:۴۳) تب لوگ وقت نماز کے قریب شراب نہیں پیتے تھے، بلکہ بہت سے لوگوں نے شراب یونہی چھوڑ دی، جب ان کو معلوم ہوا کہ شراب نماز سے روکتی اور اس میں خلل ڈالتی ہے تو انہوں نے شراب کلیۃً موقوف کر دی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سخت حکم اتارا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ۔ تب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پکار اٹھے: انتهينا ربنا۔ اے ہمارے رب! ہم شراب سے باز آ گئے۔ (درمنثور جلد ۳ صفحہ ۱۵۷)

حرمتِ شراب کا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے پر نزول

مشہور شیعہ مؤرخ مرزا محمد تقی ایرانی لکھتا ہے:

جب یہ آیت اتری: آپ فرما دیں کہ شراب اور جوئے میں بڑا گناہ ہے اور منافع بھی ہیں اور ان کا گناہ انکے نفع سے زیادہ ہے۔(بقرہ،۲۱۹) تو عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے کہا:

اللھم بیّن لنا بیانا شافیا فی الخمر، اے اللہ ہمارے لیے شراب کے بارہ میں مزید واضح بیان نازل فرما، تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اے مومنو! نشہ کی حالت میں شراب کے قریب نہ جاؤ، عمر بن خطاب ایں وقت حاضر بود ہم دست برداشت وگفت اللھم بیّن لنا بیانا شافیا فی الخمر، وخدا ایں آیت فرستاد

یا ایھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون، انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلاۃ فھل انتم منتھون۔ مع القصہ عمر بن خطاب چوں این کلمات شنید گفت انتھینا انتھینا یارب انھا تذھب المال وتذھب العقل۔

یعنی عمر بن خطاب اس وقت موجود تھے، انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا اے اللہ! ہمارے لیے شراب کے بارہ میں مزید شافی بیان نازل فرما۔ تب یہ آیت اتری کہ اے مومنو! شراب، جوا، بت اور تیروں سے فال نکالنا گندہ شیطانی عمل ہے اس سے باز آجاؤ تاکہ تم فلاح پاؤ، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے سے تمہارے درمیان عداوت وبغض پیدا کرے، تو کیا تم باز آؤ گے؟ مع القصہ جب عمر بن خطاب نے یہ کلمات سنے تو کہا: اے پروردگار! ہم باز آگئے، ہم باز آگئے، کیونکہ یہ شراب یقیناً مال اور عقل کو تباہ کر دیتی ہے۔

(ناسخ التواریخ حالات پیغمبر جلد ۲ صفحہ ۵۶ مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران)

معلوم ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنی عظیم ہے کہ اس کے مطابق اللہ رب العزت نے تین بار شراب کے بارہ میں وحی نازل فرمائی اور آخر میں شراب کی مکمل حرمت بھی انہی کی رائے پر اتاری اور اس بات کو ایک شیعہ مورخ نے ذکر کیا ہے، اہل تشیع کو اس سے سبق لینا چاہیے۔ اور اس بات کو ابوداود، ترمذی، ابن ابی شیبہ، احمد بن حنبل، ابن ابی حاتم، ابن جریر، ابن منذر اور بیہقی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (درمنثور جلد اول صفحہ ۶۰۵)

گویا آج امتِ مسلمہ جو شراب کے فتنوں اور اس کی تباہ کاریوں سے محفوظ ہے تو اس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے اور دعا کا حصہ بھی شامل ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اغیار کی سازش سے مسلمانوں میں گروہ پیدا ہو گیا جس نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ راشد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی ساتھی کو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ گالیاں دینا شروع کر دیا اور آج ان کی کوئی محفل مکمل نہیں ہوتی جب تک وہ یارانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہ لعن طعن اور تبرا نہ کر لیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آخری حکم میں فرمایا اے مومنو! شراب، جوا، انصاب (بت) اور ازلام (یعنی وہ تیر جن کے ذریعے فال نکالی جاتی تھی) گندے اور شیطانی کام ہیں ان سے باز آ جاؤ۔ ازلام سے مراد یہ ہے کہ کفار مکہ نے کعبہ کے اندر اپنے بڑے بت ھُبَل سے منسوب کردہ تیر رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی پر ہاں کسی پر نہ اور کسی پر دوبارہ فال نکالو لکھا ہوا تھا، کفار سفر پر جانے سے قبل ہاتھ ڈال کر تیر نکالتے جو تیر نکلتا اس کے مطابق عمل کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ گندا شیطانی عمل ہے اس سے باز آ جاؤ۔

[140] شراب کے ذریعے عداوت و بغض کا پیدا ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ شراب پی کر لوگ ایک دوسرے کو گالیاں بکتے، ایک دوسرے کو مارتے، راہ چلتی عورتوں کو چھیڑتے اور ان پر حملے کرتے ہیں اور آج کل نشہ میں ڈرائیونگ سے خوفناک حادثات ہوتے رہتے ہیں۔ یوں ہزار ہا فتنے اور جھگڑے جنم لیتے ہیں۔ یہی حال جوئے کا ہے، جوا ہارنے والا شخص جیتنے والے کو قتل بھی کر ڈالتا ہے۔ آج یورپ و امریکہ شراب اور جوئے کی تباہ کاریوں سے بلبلا رہے ہیں۔ اگر انہیں سکون مل سکتا ہے تو وہ دامنِ اسلام میں ہے۔ بلاشبہ اسلام انسانیت کے لیے امن و سلامتی کا مذہب ہے۔

[141] شراب اور جوا انسان کو اللہ کی یاد اور نماز سے روک دیتے ہیں۔ دراصل شراب نوشی کے بعد اگلا قدم زنا کی طرف اٹھتا ہے کیونکہ شراب سے انسان میں شیطانی خواہشات مشتعل ہو جاتی ہیں اور وہ انسانیت کا لبادہ اتار کر ایک حیوان بلکہ شیطان کا روپ دھار لیتا ہے۔ اسی طرح جوئے کا دلدادہ شخص حرام مال کی حرص میں کمینگی کی آخری حدّ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کے لیے دوسروں کا مال چرانا اور جوئے میں لگانا کچھ قباحت نہیں رکھتا حتیٰ کہ جواری لوگ اپنے والدین اور عزیزوں کے ہاں چوری سے بھی باز نہیں آتے تو ایسے لوگ نماز کے قریب کیسے بھٹک سکتے ہیں؟ نماز تو انسان کو بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

یاد رہے ان دو آیات ۹۰ اور ۹۱ میں شراب اور جوئے کی برائی اور حرمت پر دس تنبیہات وارد کی گئی ہیں۔ (۱) انہیں بت پرستی کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ ۔ گویا یہ چیزیں مومن کو نہیں کسی بت پرست کو زیب دیتی ہیں۔ (۲) یہ رِجْسٌ گندی چیزیں ہیں اور ہر گندی چیز حرام ہے۔ (۳) یہ شیطانی عمل ہے۔ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ (۴) فَاجْتَنِبُوْهُ کہہ کر ان سے حکماً روکا گیا۔ (۵) ان میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (۶) ان سے عداوت و بغض پیدا ہوتا ہے اور یہ دونوں حرام ہیں۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ ۔ (۷) یہ اللہ کے ذکر سے روکتے ہیں۔ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اور ذکر اللہ فرض ہے۔ قرآن میں اُذْكُرُوا اللّٰهَ بکثرت آیا ہے اور فرض سے روکنے والی چیز حرام ہے۔ (۸) یہ نماز سے روکتے ہیں وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۔ (۹) سخت تنبیہ کرتے ہوئے کہا گیا اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ کہ کیا تم ان سے باز آؤ گے یا نہیں۔ (۱۰) یہ اللہ و رسول کی نافرمانی ہے۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ اسی لیے حدیثِ مبارکہ میں ہے جب یہ آیات

اتریں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً شراب کے مٹکے توڑ دیئے جس کے ہاتھ میں جام تھا اس نے وہیں پھینک دیا۔

شراب اور جوئے کا اُخروی عذاب حدیث سے

اور حدیث میں بھی شراب نوشی پر سخت اخروی عذاب وارد ہے۔ حضرت جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جو شخص نشہ آور چیز پیے اسے اللہ طینتہ الخبال سے پلائے گا اور وہ اہل جہنم کے جسموں سے نکلی ہوئی غلاظت ہے۔'' (مسلم کتاب الاشربہ حدیث، ۷۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میرے پاس جبرائیل آئے اور کہا اللہ تعالیٰ شراب نچوڑنے، نچڑوانے، بیچنے، خریدنے، اٹھانے، اٹھوانے، پینے، پلانے اور اس کی قیمت کسی بھی طرح حاصل کرنے والے پر لعنت فرماتا ہے۔'' (درمنثور عن الحاکم جلد ۳ صفحہ ۱۷۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے شراب پی اور زنا کیا اللہ اس سے ایمان کو یوں کھینچ لیتا ہے جیسے انسان اپنے سر کی طرف سے قمیص کھینچ لے۔'' (مسند احمد بن حنبل)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''عادی شرابی اللہ کو یوں ملے گا جیسے بت پرست ملے گا۔'' (مسند احمد، صحیح ابن حبان)

جبکہ جُوا ہر وہ شرط بازی ہے جس میں جیت پر مالی فائدہ اور ہار میں مالی نقصان ہو اگر صرف جیت پر فائدہ ہو مگر ہار میں نقصان نہ ہو تو وہ جوا نہیں محض انعام ہے جیسے آج کل انعامی بانڈز ہیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص جوا کھیلنے کے بعد نماز پڑھنے گیا وہ ایسے ہے کہ پیپ اور خنزیر کے خون سے وضو کر کے نماز پڑھنے لگے۔'' (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۷۰)

کیا غیر انگوری شراب کو قلیل (غیر نشہ آور) مقدار میں پینا حلال ہے؟

اس جگہ سوال کیا جاتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک تو انگوری شراب کو چھوڑ کر دیگر جن چیزوں کا زیادہ پینا نشہ لاتا ہے انکا اتنی قلیل مقدار میں پینا کہ نشہ نہ لائے حلال ہے۔ گویا باقی جتنی شرابیں ہیں وہ ہم تھوڑی مقدار میں پی سکتے ہیں اور جب پی سکتے ہیں تو ایسی شرابوں کو دوائیوں اور کھانے پینے کی چیزوں میں بھی ڈالنے کی اجازت ہونی چاہیے، کیونکہ ان کے کھانے پینے سے نشہ نہیں آتا لہذا انگوری شراب کو چھوڑ کر دیگر شرابوں سے پکے ہوئے کھانے کھائے جاسکتے ہیں (آج شراب پینے والے اسی قول کو جواز کا بہانہ بناتے ہیں)

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ قول اگرچہ امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسف کا ہے مگر اس پہ فتویٰ نہیں ہے، فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پہ ہے جن کے نزدیک جس چیز کا زیادہ پینا نشہ لاتا ہو اس کا قلیل مقدار میں پینا بھی حرام ہے۔ گویا اس کا ایک قطرہ پینا بھی حرام ہے اور یہی باقی تین ائمہ مالک، شافعی اور احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے:

(وحرمها محمد) ای الاشربة المتخذة من العسل والتین ونحوهما قاله المصنف (مطلقا) قلیلها و کثیرها (وبه یفتیٰ) ذکرہ الذیلعی وغیرہ واختارہ شارح الوهبانیة وذکر انه مروی عن الکل و فی عصرنا فاختیر حد واوقعوا طلاقا لمن من مسکر الحب یسکر، وعن کلهم یروی وافتی محمد ما قد قل وهو المحرر قلت وفی البزازیة وقال محمد ما اسکر کثیرہ فقلیله حرام وهو نجس ایضاً ولو سکّر منها المختار فی زماننا انه یُحدّ۔

یعنی امام محمد رحمہ اللہ شہد اور انجیر اور ایسی چیزوں سے بنی ہوئی شرابوں کو مطلقاً حرام سمجھتے ہیں خواہ ان کو قلیل مقدار میں پیا جائے یا کثیر میں اور اسی پہ فتوی ہے اسی کو زیلعی وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور اسی کو شارح وہبانیہ نے اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ تمام فقہاء سے یہی مروی ہے اور انہوں نے یہاں منظوم کلام کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہمارے آج کے زمانہ میں ہر نشہ والی چیز کے پینے پر حد بھی لگائی جائے گی اور اس نشہ میں طلاق بھی واقع ہوگی اور سب فقہاء سے یہی مروی ہے اور امام محمد نے قلیل مقدار کی بھی حرمت کا فتوی دیا ہے اور آپ ہی محرر مذہب ہیں۔ میں کہتا ہوں بزازیہ میں ہے: امام محمد نے فرمایا، جس چیز کا زیادہ پینا نشہ لائے اس کا قلیل بھی حرام ہے اور وہ نجس بھی ہے اور جس نے ان چیزوں سے نشہ لیا تو ہمارے زمانہ میں مختار یہی ہے کہ اسے حد لگائی جائے گی۔ (درمختار کتاب الاشربہ جلد ۶ صفحہ ۴۸۲ مطبوعہ مکتبہ المصطفیٰ البابی مصر)

اسی طرح علامہ ابن عابدین ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

قوله وبه یفتی ای بقول محمد وهو قول الائمة الثلاثة لقوله علیه الصلاة والسلام کل مسکر خمر وکل مسکر حرام رواه مسلم وقوله علیه الصلاة والسلام ما اسکر کثیرہ فقلیله حرام رواه احمد وابن ماجة والدار قطنی وصححه. قوله غیرہ. کصاحب الملتقی والمواهب والنهایة والمعراج وشرح المجمع وشرح درر البحار والقهستانی والعینی حیث قالوا: الفتوی فی زماننا بقول محمد لغلبة الفساد. وعلل بعضهم بقوله لان الفساق یجتمعون علی هذه الاشربة ویقصدون اللهو والسکر بشربها۔

یعنی بہ یُفتیٰ کا مطلب یہ ہے کہ امام محمد کے قول ہی پہ فتوی دیا جاتا ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''ہر نشہ والی چیز خمر ہے اور ہر نشہ والی چیز حرام ہے۔'' اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس چیز کا زیادہ پینا نشہ لائے اس کا قلیل بھی حرام ہے۔'' اسے احمد بن حنبل، ابن ماجہ اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اسے حدیثِ صحیح قرار دیا ہے۔ اور مصنف کے قول غیرہ کی وضاحت یہ ہے کہ صاحب الملتقی، المواہب، الکفایہ، النہایہ، المعراج، شرح المجمع، شرح درر البحار، علامہ قہستانی، اور علامہ عینی، ان تمام نے بھی یہی فتوی دیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ آج ہمارے زمانہ میں امام محمد کے قول ہی پہ فتوی دیا جاتا ہے کیونکہ آج فساد غالب آچکا ہے اور بعض

نے اس کی علت یہ بتائی ہے کہ فاسقین (شرابی لوگ) ان شرابوں پہ اکٹھے ہوتے ہیں اور انہیں غل غپاڑہ اور نشہ بازی کے لیے پیتے ہیں۔ (ردالمحتار جلد ۶ صفحہ ۴۸۲)

علامہ عبدالرحمان الجزائری کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں فرماتے ہیں:

بیرہ (Beer) پینے والے کہتے ہیں کہ حنفی مذہب میں اس کا قلیل حلال ہے حالانکہ حنفی مذہب میں دیگر فقہی مذاہب کی طرح اس کا کثیر و قلیل حرام ہے۔ وہ شرابیں جو جَو، گندم اور ایسی چیزوں سے بنائی جاتی ہیں اگر ان کا پینا کثیر نشہ لائے قلیل نہ لائے تو امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا کثیر حرام ہے قلیل حرام نہیں اور امام محمد کہتے ہیں کہ اس کا کثیر و قلیل سب حرام ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے اور یہی صحیح و مفتی بہ ہے اور اب یہی حنفی مذہب ہے۔
(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ کتاب الحظر والاباحۃ صفحہ ۱۵ ۴ مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)

اور امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قول منصور و مختار میں تاڑی وغیرہ ہر مسکر پانی کا قطرہ قطرہ مثل شراب حرام و ناروا ہے اور نہ صرف حرام بلکہ پیشاب کی طرح مطلقا نجاست غلیظہ ہے۔ یہی مذہب معتمد اور اسی پہ فتویٰ ہے۔ تنویر الابصار میں ہے: **حرمها محمد مطلقا وبه يفتي**، یعنی اسے امام محمد نے حرام کہا ہے اور اسی پہ فتوی دیا جاتا ہے۔
(فتاوی رضویہ جلد ۱۱ صفحہ ۵۱ کتاب الاشربہ مطبوعہ دار الامجدیہ کراچی)

لہٰذا امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے قول کا سہارا لیکر شراب نوشی کا دروازہ نہیں کھولا جاسکتا اور ہر وہ چیز جو نشہ کے لیے پی جاتی ہے اس کا ایک قطرہ پینا بھی حرام ہے، خواہ اس کا قلیل پینا نشہ لائے یا نہ لائے۔

جن دواؤں میں الکوحل ملا ہو، ان کے استعمال کا شرعی حکم

آج کل ایلو پیتھک (انگریزی) دواؤں میں الکوحل کا استعمال بکثرت ہے۔ الکوحل یہ ہے کہ شہد، گندم، ادرک، اناناس اور جَو وغیرہ کو ملا کر پانی میں ڈالتے اور اسے جوش دیتے ہیں، پھر اس میں مختلف کیمیکلز ڈالتے ہیں، یوں ایک نشہ آور مشروب بن جاتا ہے۔ آجکل اس مشروب کو ادویات میں ڈالا جاتا ہے۔ اسی لیے بہت سی انگریزی دواؤں میں غنودگی اور نیند کے اثرات ہوتے ہیں، تو ایسی دواؤں کا شرعی حکم کیا ہے؟ اکثر علماء ایسی ادویات کا استعمال حرام قرار دیتے ہیں۔

اس بارہ میں یاد رکھنا چاہیے کہ جس دواء میں خمر یعنی انگوری شراب ڈالی گئی ہو اس کی حرمت میں کسی کو کلام نہیں، لیکن جو دوائیں انگوری شراب سے نہیں بنیں بلکہ دوسری نشہ آور چیزوں سے بنی ہیں ان میں اختلاف ہے (الکوحل بھی اسی میں داخل ہے، یہ انگوری شراب کی قسم سے نہیں ہے)۔

فقیہ العصر علامہ محمد نور اللہ نعیمی بصیر پوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ہاں اس میں شک نہیں کہ انگریزی ادویہ کا استعمال شرقاً غرباً عرباً عجماً عام ہو چکا ہے اور یہ بھی متیقن و متعین کہ تمام

دواؤں میں عموماً شراب کی ملاوٹ نہیں ہوتی، بلکہ صرف تر اور سیال دواؤں میں سے بعض میں ہوتی ہے اور یہ بھی یقین نہیں کہ انگوری ہوتی ہے، تو اندریں حالات غیر مسکر دواؤں کا استعمال جائز اور حلال ہونا چاہیے، جبکہ یہ امر محقق ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔۔ الحاصل وجہ سابق کی بناء پر ایسی انگریزی دواء جو مسکر نہ ہو اور ان میں انگوری شراب کی ملاوٹ کا یقین شرعی نہ ہو وہ اندریں زمانہ جائز الاستعمال ہونی چاہئیں اور اگر مریض شرعی مضطر ہو تو شرائط معروفہ سے مضطر الیہ دوائی کا استعمال مطلقاً جائز ہے: ولو کان خمراً خالصا کما فی اسناد المذهب المهذب۔ (یعنی حالت مجبوری میں خالص انگوری شراب والی دواء کا استعمال بھی جائز ہے جیسا کہ مذہب مہذب فقہ حنفی کی معتبر کتب میں مذکور ہے)

(فتاویٰ نوریہ رضویہ جلد ۳ صفحہ ۴۵۵ مطبوعہ انجمن حزب الرحمان اوکاڑہ)

علامہ نور اللہ بصیر پوری علیہ الرحمہ نے اس طویل فتویٰ میں ایک جگہ یہ بھی فرمایا ہے کہ اگرچہ امام اہل سنت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے الکوحل والی ادویہ کا استعمال حرام قرار دیا ہے۔ مگر وہ ایک صدی پہلے کا زمانہ تھا اب حالات بہت بدل گئے ہیں۔ اس زمانہ میں طب یونانی کے ماہر اطباء و حکماء بکثرت تھے اور انگریزی ادویہ کی محتاجی بہت کم تھی اب انگریزی ادویہ کی طرف احتیاج بہت بڑھ گیا ہے اور فقہاء کے ہاں یہ مسلم اصول ہے کہ اختلاف زمانہ کے ساتھ احکام مختلف ہو جاتے ہیں اور شریعت میں عموم بلویٰ کا بھی اعتبار ہے۔ (فتاوی نوریہ رضویہ جلد ۳ صفحہ ۴۵۷)

اسی طرح میرے والد گرامی محقق اسلام شارح موطاء امام محمد شیخ الحدیث علامہ محمد علی رحمہ اللہ متوفی ۱۴۱۸ھ اسی مسئلہ پہ طویل محققانہ بحث کے بعد آخر میں فرماتے ہیں:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عموم بلویٰ اور ضرورت کے پیش نظر ایسی انگریزی ادویہ کا استعمال جائز ہے جن میں الکوحل کی آمیزش ہو، انہیں خوامخواہ حرام قرار دیکر امت کو گناہ گار کرنا اور تنگی پیدا کرنا درست نہیں ہے۔

(شرح موطاء امام محمد جلد ۲ صفحہ ۵۸۴ کتاب الاشربہ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

مجبوری میں حرام دواء کا استعمال جائز ہے

تو بات اس نقطہ کی طرف آگئی کہ اگر ضرورتِ شدیدہ کسی حرام چیز سے علاج کرنے کی متقاضی ہو تو اس سے علاج فقہاء کے نزدیک جائز ہے اور اس کی تصریحات کتب فقہ میں بکثرت ہیں، تو پھر الکوحل آمیز دواؤں کے ضرورتاً استعمال کے جواز میں کیا شک رہا؟ چنانچہ امام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب شفاء کا ملنا یقینی ہو تو حرام چیزوں سے علاج کرنا جائز ہے جیسے شدید بھوک میں میں مردار کا کھانا اور حلق سے لقمہ نیچے اتارنے کے لیے خمر کا پینا جائز ہے۔ (عمدۃ القاری جلد ۳ صفحہ ۱۵۴ مطبوعہ الطباعۃ المنیر یہ مصر)

امام علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حرام چیزوں کو بطورِ دواء استعمال کرنے میں اختلاف ہے، جیسا کہ البحر الرائق میں ہے۔ لیکن مصنف نے حاوی

سے نقل کیا ہے کہ جب حرام چیز سے شفا یقینی ہو اور اس کے علاوہ کسی اور دواء سے شفاء یقینی نہ ہو تو پھر رخصت ہے۔ جس طرح پیاسے کے لیے خمر کی رخصت ہے اور اسی قول پہ فتویٰ ہے۔ (درمختار جلد اول صفحہ ۱۹۴ مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ استنبول)

امام ابن رشد مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ط اب اس بارہ میں سبب کو دیکھا جائے گا جو حرام کو مجبوری میں حلال کر رہا ہے اور کونسی شیء حلال کر رہا ہے، تو سبب یہ ہے کہ مجبوراً غذا حاصل کرنا پڑے، یعنی حلال غذا میسر نہ ہو تو حرام غذا کے کھانے کے جواز میں کسی کو اختلاف نہیں اور دوسرا سبب علاج کرنا ہے۔ اس میں اختلاف ہے، جس نے جائز قرار دیا اس نے یہ استدلال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کو خارش دور کرنے کے لیے ریشم کے پہننے کی اجازت دی اور جس نے ناجائز کہا اس نے اس حدیث سے حجت پکڑی کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے حرام میں شفا نہیں رکھی اور شراب میں جو اختلاف ہے وہ اس کے ضرورتاً بطور دواء استعمال کرنے کے جواز میں ہے۔ بطورِ غذا استعمال کرنے کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے اسی لیے پیاسے کو اجازت ہے کہ شراب پی لے اگر اس سے حلق تر ہوتا ہو اور حلق سے لقمہ اتارنے کے لیے بھی شراب کا گھونٹ پینا حلال ہے (یعنی جب پانی میسر نہ ہو اور لقمہ حلق سے نہ اتارنے سے جان پہ بن سکتی ہو)

(بدایۃ المجتہد جلد اول صفحہ ۳۴۹ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

اگر شراب کی حقیقت ہی بدل جائے تو وہ شراب نہ رہی

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ جب کسی چیز کی حقیقت بدل جائے تو اس کا حکم بدل جاتا ہے، جیسے نمک کی کان میں گدھا گر کر نمک بن جائے تو وہ نمک پاک اور حلال ہے۔ اگر کوئی سبزی گندے پانی سے پیدا ہوئی تو اس کا کھانا حلال ہے کیونکہ حقیقت بدل گئی، بکری کا بچہ غلیظ دودھ سے پالا گیا یا مرغی غلیظ غذا کھا کر بڑی ہوئی تو وہ حلال ہے کیونکہ حقیقت بدل گئی ہے۔ اسی طرح جب کسی دوائی کے تیار کرنے میں الکوحل یا کوئی نشہ آور چیز ڈالی گئی اور اس میں کئی کیمیکلز ڈالے گئے اور اس کو خوب پکایا گیا اور اس میں اسقدر تغیر لایا گیا کہ وہ بدل کر کچھ سے کچھ ہوگئی یعنی الکوحل کے اوصاف میں سے کوئی وصف باقی نہ رہا تو اس انقلاب حقیقت کی وجہ سے بھی اس کا استعمال جائز ہونا چاہیے۔

جوئے کی تعریف اور اس کی بعض جدید صورتوں کا بیان

ابھی ہم بتا چکے کہ جس بھی کھیل میں یہ شامل ہو کہ ہارنے والا جیتنے والے کو کچھ مال دیگا وہ جوا ہے اور حرام ہے اسی کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں المیسر کہا ہے۔ اور جس کھیل یا معمہ وغیرہ میں یہ ہو کہ جیتنے والے کو انعام ملے گا مگر ہارنے والے کا کوئی نقصان نہیں تو وہ جوا نہیں ہے۔ اسی چیز کو ردمحتار جلد ۵ صفحہ ۲۵۸ میں علامہ ابن عابدین شامی نے اور احکام

القرآن جلد ۱ صفحہ ۳۲۹ میں امام ابوبکر جصاص نے بیان کیا ہے اور یہی چیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کی ہے، آپ فرماتے ہیں: جاہلیت میں لوگ اپنے مال اور اپنی بیوی پہ شرط لگاتے تھے، جو شخص غالب آ جاتا وہ مغلوب کے مال اور اس کی بیوی کو لیجاتا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں حرام فرمایا۔
(ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن منذر، بروایت در منثور جلد اول صفحہ ۶۰۶)

اس تعریف کی روشنی میں دور حاضر کی لاٹری جس میں برطانیہ کی نیشنل لاٹری بھی شامل ہے، جوئے کی ایک صورت ہے۔ کیونکہ ہزاروں لاکھوں لوگ لاٹری ٹکٹ خرید تے ہیں، جس سے کروڑوں پونڈز جمع ہوجاتے ہیں۔ جن میں سے چند لاکھ کامیاب نمبر والے کو دے کر باقی کروڑوں پونڈز لاٹری کے منتظمین کھا جاتے ہیں۔

اسی طرح معمہ بازی ہے۔ کئی ٹی وی چینلز والے کوئی سادہ سا معمہ پیش کر دیتے ہیں۔ جس کے درست جواب پہ ہزار پونڈز دینے کا اعلان کیا جاتا ہے، تو اسکے جواب کے لیے ہزاروں لوگ فون کال ملانے لگتے ہیں اور ہر کال پر بیس تیس پونڈز یا اس سے بھی زائد چارجز پڑ جاتے ہیں۔ اس طرح لاکھوں پونڈز جمع ہوجاتے ہیں۔ پھر درست جواب دینے والے ہزاروں لوگوں میں سے کسی ایک کا نام قرعہ کے ذریعہ نکال کر اسے ایک ہزار کی رقم دیدی جاتی ہے اور باقی لاکھوں پونڈز ٹی وی چینل والے کھا جاتے ہیں۔

اسی طرح کرکٹ یا کسی اور کھیل کا میچ ہوتا ہے تو لوگ اس پہ شرطیں لگا دیتے ہیں اور جیتنے والے ہارنے والوں سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے ہیں۔

یونہی جگہ جگہ وڈیو گیمز چل رہی ہیں لوگ ان میں پیسے ڈال کر کھیلتے ہیں، جس کی کھیل کامیاب ہوگئی وہ ایک مقررہ رقم لے جاتا ہے باقی سارا مال گیم بنانے والوں کو مل جاتا ہے۔ یہ سب جوئے کی قسمیں اور طریقے ہیں۔ ایک مسلمان کو ان میں شمولیت کی اجازت نہیں ہے، یہ صرف مال کا ضیاع ہے۔

جوئے کی حرمت کا فلسفہ

جوئے کی حرمت کا فلسفہ یہ ہے کہ یہ عظیم جھگڑے کا سبب ہے، جو شخص ہار جاتا ہے اس کے ہاتھ سے اس کی ساری پونجی نکل جاتی ہے۔ بسا اوقات وہ اپنا مکان، اپنی جائیداد، اپنے کاروبار اور اپنے سارے مال کو جوئے میں جھونک دیتا ہے اس امید پر کہ شائد اسی طرح اس کے ہاتھ کوئی بہت بڑا مال لگ جائے۔ مگر جب مال ہاتھ نہیں لگتا تو وہ جیتنے والوں کا دشمن بن جاتا ہے۔ کئی بے حیا لوگ جوئے میں اپنی بیوی کو بھی داؤ پہ لگا دیتے ہیں۔ ایک شخص ریڈیو پہ بتا رہا تھا کہ اس نے جوئے بازی سے کیسے توبہ کی۔ اس نے کہا پہلے تو میں نے اپنی ساری جمع شدہ پونجی جوئے میں ہار دی، پھر میرے بچوں کا جیب خرچ پڑا ہوا تھا جب میں اسے اٹھانے لگا تو میرے سامنے بچوں کی شکلیں آ گئیں، میں نے اپنے آپ کو شدید ملامت کی اور جوئے سے سچی توبہ کر لی۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا

اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور (اللہ سے) ڈرو، پھر اگر تم نے منہ پھیر لیا تو جان لو کہ

اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٩٢﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

ہمارے رسول کے ذمہ تو کھلے طور پر حکم کا پہنچانا ہے۔ ایمان لانے اور اچھے اعمال کرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں جو بھی

الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

انہوں نے کھایا پیا جب کہ وہ تقویٰ اختیار کریں اور ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں پھر تقویٰ اپنائیں اور ایمان لائیں

ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٣﴾

پھر تقویٰ اپنائیں اور اخلاص برتیں [142] اور اللہ اخلاص والوں کو پسند رکھتا ہے۔

[142] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حرمتِ شراب نازل ہونے پر کچھ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے کئی ساتھی اس سے قبل اس حالت میں فوت ہوگئے کہ انہوں نے شراب پی رکھی تھی۔ (کیا ان کی بخشش ہوگی؟) تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی: لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۲۲۷)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس وقت شراب حرام نہ ہوئی تھی اس وقت لوگوں نے جو بھی کھایا پیا وہ ان پر حلال تھا ان پر کوئی گناہ نہیں جبکہ وہ ایمان اور عمل صالح والے تھے ان کی بخشش ضرور ہوگی۔ اس جگہ تین بار لفظ اتقوا آیا ہے پہلے اتقوا سے مراد کفر سے بچنا ہے۔ دوسرے سے مراد صریح گناہوں سے بچنا اور آخری سے مراد مشتبہ چیزوں سے بچنا ہے۔

تقویٰ کے تین مدارج

دراصل تقویٰ کے تین مدارج ہیں کفار کا تقویٰ یہ ہے کہ کفر چھوڑ کر ایمان لے آئیں۔ عام مومنین کا تقویٰ یہ ہے کہ صریح گناہوں سے بچتے رہیں اور صالحین کا تقویٰ یہ ہے کہ مشتبہ چیزوں سے بھی بچتے رہیں۔ گویا اللہ رب العزت نے لفظ اتقوا تین بار دہرا کر تقویٰ کے انہی تین مدارج کی طرف اشارہ کیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ

اے مؤمنو! اللہ تمہیں کسی شکار (کی ممانعت) سے آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ

وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ

اور نیزے پہنچے ہوں گے تا کہ اللہ آزمائے کہ کون اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے [143] پھر جو اس کے بعد حد سے بڑھے

ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾

اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبۂ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

[143] اس سے قبل شراب و جوئے کی حرمت بتائی گئی۔ اب دورانِ احرام شکار کرنے کی حرمت بتائی جارہی ہے اور بطور تمہید اس سے قبل اس حوالہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ اطاعت بتایا جارہا ہے۔ حضرت مقاتل بن حیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ آیات عمرۃ الحدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئیں۔ صحابہ کے عمرہ پر روانہ ہونے سے قبل اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ فرمایا کہ تمہاری آزمائش ہونے والی ہے۔ دورانِ سفر جانور اور پرندے اس قدر تمہارے قریب آئیں گے کہ تمہارے ہاتھ اور نیزے ان تک پہنچیں گے۔ (تیر اندازی کی ضرورت نہ ہوگی)

چنانچہ ۶ ھ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احرام باندھ کر عمرہ کے لیے نکلے۔ اس سفر میں خدائی پیش گوئی کے مطابق اس کثرت سے پرندے اور شکاری جانور صحابہ کے پاس آنے لگے کہ ان کے کجاوں میں آکر بیٹھ جاتے، پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا۔

(درمنثور جلد ۲ صفحہ ۳۲۷)

روایات میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس آزمائش میں یوں کامیاب ہوئے کہ کسی صحابی نے ایک چڑیا بھی نہ پکڑی (روح البیان) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد قریباً ڈیڑھ ہزار تھی۔ انہی صحابہ نے اس سفر میں مقام حدیبیہ پر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر وہ مشہور بیعت کی جس کی عظمت سورہ فتح میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی۔ گویا یہ صحابہ کے اسی جذبۂ اطاعت کا صلہ تھا کہ حدیبیہ میں ان کو عظیم الشان بیعت کی توفیق دی گئی اور ان بیعت کرنے والوں کے ایمان واخلاص کی گواہیاں قرآنِ مجید میں اتاری گئیں۔

عظمتِ اصحابِ رسول ﷺ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دورانِ احرام شکار نہ کرنے سے آزمایا گیا۔ ان کی کثیر تعداد تھی۔ بھوک بھی شدید لگی تھی۔ مگر انہوں نے اللہ ورسول کی اطاعت کا حق ادا کر دیا۔ اس کے برعکس اللہ رب العزت نے اپنے نبی شموئیل علیہ السلام کے ساتھیوں کو دورانِ سفر ایک نہر سے پانی نہ پینے کی آزمائش میں ڈالا مگر اسی ہزار میں سے صرف ۳۱۳ کامیاب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ (بقرہ:۲۴۹)

اسی طرح داؤد علیہ السلام کے ساتھی ہفتے کے دن شکار نہ کرنے سے آزمائے گئے مگر ان کی اکثریت بھی صبر نہ کر سکی۔ گویا اصحابِ مصطفیٰ ﷺ اصحاب انبیاء پر وہی فضیلت رکھتے ہیں جو خود جناب محمد مصطفیٰ ﷺ انبیاء پر رکھتے ہیں۔ وہ کشتۂ محبت رسول ﷺ ہیں۔ لہٰذا اگر انہیں حضور ﷺ نے اپنے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے ماننے کا حکم دیا ہوتا تو وہ اس کی مخالفت کیسے کر سکتے تھے، تو ماں لینا چاہیے کہ خلافتِ علی کے بارہ میں شیعوں کی بیان کردہ روایات قرآن سے متصادم اور من گھڑت ہیں اور انہیں نہ ماننے کی وجہ سے اہلِ تشیع کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنا حتیٰ کہ مرتد بتانا عظیم گمراہی اور کھلا الحاد و بے دینی ہے۔ اللہ ہدایت دے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس امتحان میں کامیاب ہونے کا ذکر شیعہ تاریخ ''ناسخ التواریخ'' میں بھی ان الفاظ سے کیا گیا ہے:

''وہم چناں در حدیبیہ وحشیاں در میان خیمہ ہائے مرداں درے آمدند چنانکہ بدست می توانستند ماخوذ داشت وکس آسیب ہیچ صید نمے کرد، وخدا ایں آیت را بدین فرستاد یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ۔

یعنی اسی طرح حدیبیہ میں وحشی جانور لوگوں (صحابہ) کے خیموں میں آجاتے تھے۔ اس طرح کہ وہ انہیں ہاتھوں سے پکڑ سکتے تھے مگر کوئی آدمی ان کے شکار کا ارادہ بھی نہیں کرتا تھا۔ اسی بارہ میں اللہ نے یہ آیت اتاری کہ اے ایمان والو اللہ تمہیں بعض شکار سے آزمائے گا۔'' (ناسخ التواریخ حالات پیغمبر جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران)

اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور دیگر وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل تھے جن کو شیعہ لوگ صبح وشام گالیاں دیتے اور معاذ اللہ لعنتیں بھیجتے ہیں۔ ہم ان سے کہتے ہیں کہ ہماری نہ مانو اپنے مورخ کی بات تو مانو۔ جب اللہ رب العزت ان کے کردار کی تعریف کر رہا ہے تو تم انہیں گالیاں دے کر اپنی جہنم کو کیوں پکا کرتے ہو؟۔ اس کے مقابلہ میں بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ جب وہ نہر کو عبور کریں تو اس میں سے صرف ایک چلو پانی اٹھا سکتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ یعنی چند ایک کے سوا اس میں سے سب نے سیر ہو کر پی لیا (۲۴۹) یعنی جس امتحان میں بنی اسرائیل فیل ہو گئے اس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اول نمبر پہ پاس ہوئے۔

حرام مال کا بآسانی بکثرت ملنا امتحان ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر احرام میں شکار حرام تھا اور بکثرت شکار مل رہے تھے مگر وہ صابر نکلے۔ آج ہمارے پاس جب حرام مال بآسانی و بکثرت آتا ہے تو ہم صبر نہیں کر سکتے اور پیٹ کو نارِ جہنم سے بھر لیتے ہیں۔ ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔

یہاں برطانیہ میں جھوٹے کلیم (دعویٰ) کے ذریعہ لوگوں کو بہت سا مال ہاتھ میں آجاتا ہے یہاں کی گورنمنٹ ان لوگوں کو جو کام نہیں کر سکتے اور بیمار ہیں، کھانے پینے کا خرچہ اور رہنے سہنے کے لیے مکان مہیا کرتی ہے۔ تو ہزروں لاکھوں لوگ بیمار بھی بنے ہوئے ہیں اور کام بھی کر رہے ہیں، یعنی دونوں طرف سے مال اکٹھا کر رہے ہیں۔ اب اگر وہ بیمار ہیں تو ان کا کام کے ذریعہ کمایا ہوا مال حرام ہے اور اگر بیمار نہیں ہیں تو بیماری کے کلیم سے کمایا ہوا مال حرام ہے، انہیں ایک چیز چھوڑنا پڑے گی۔ کئی لوگ گورنمنٹ کو بتاتے ہیں کہ ہم میاں بیوی میں علیحدگی ہے، تو دونوں کو علیحدگی کا بھاری خرچہ ملتا ہے مگر وہ اکٹھے ہی رہتے ہیں، ان کے بچے بھی ہو رہے ہیں۔ حالانکہ وہ علیحدگی ثابت کرنے کے لیے جو کاغذات تیار کرتے ہیں ان سے بیوی کو طلاق ہو جاتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ

اے ایمان والو! شکار نہ مارو جبکہ تم احرام میں ہو اور جو تم میں سے جان بوجھ کر

مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ

شکار مارے تو اس کا بدلہ ویسا ہی جانور ہے جیسا اس نے مارا اس کا فیصلہ تم میں دو عادل شخص کریں

هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا

تاکہ اس کی قربانی ہو جو حدود حرم میں پہنچے یا چند مسکینوں کا کھانا یا اس کے بدلے چند روزے اس کا کفارہ ہیں [144]

لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ

تاکہ وہ اپنے جرم کا وبال چکھے جو اس سے پہلے گزر چکا وہ اللہ نے معاف کر دیا اور جو پھر کرے اس سے اللہ

مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ

بدلہ لے گا اور اللہ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے۔ [145] تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ

جو تمہارے اور دوسرے مسافروں کے لئے فائدے کی چیز ہے اور تم پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے جب تک تم احرام میں ہو

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾

اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے۔ [146]

حالتِ احرام میں شکار کرنیکی حرمت، اور کعبۃ اللہ کی عظمت

[144] اب حالتِ احرام میں شکار کرنے کا کفارہ بتایا جا رہا ہے، تو فرمایا کہ اے مومنو! حالت احرام کسی شکار کو مت مارو اور جو شخص ایسا کرے یعنی جان بوجھ کر احرام میں کسی جانور کا شکار کرے تو اس کی سزا یہ ہے کہ دو عادل آدمی اس جانور کی قیمت مقرر کریں۔ پھر اگر اس کی قیمت بکری کے برابر ہو تو وہ شخص بکری قربان کرے اگر گائے یا اونٹ کے برابر ہو تو اونٹ قربان کرے۔ یعنی جس جانور کے برابر قیمت پڑے وہ جانور قربان کیا جائے۔ یہ معنی ہے: فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ

مِنَ النَّعَمِ کا اور اگر وہ قیمت قربانی کے جانور تک نہ پہنچتی ہو تو اسے فقراء حرم میں تقسیم کر دیا جائے۔ یہی قول امام ابو حنیفہ و امام محمد کا ہے اور اسی پہ فتویٰ ہے۔

آگے فرمایا: اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ الخ یعنی وہ شخص یہ بھی کر سکتا ہے کہ شکار کردہ جانور کی جتنی قیمت ہے اس سے مساکین کو کھانا کھلا دے اگر غلہ دے تو ہر مسکین کو سوا دو سیر گندم ملنی چاہیے اگر مساکین کو دستر خوان پر بٹھا کر کھلانا چاہتا ہے تو سوا دو سیر گندم فی کس کے حساب سے جتنے مساکین کو غلہ ملتا ہے اتنے مساکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھلا دے اور اسے یہ بھی اختیار ہے کہ ہر مسکین کے کھانے کے بدلے ایک روزہ رکھ لے۔ یہ اس کے گناہ کا وبال ہے اور اگر جانور ذبح کرنا ہو تو اسے حدودِ حرم میں لے جا کر ذبح کرنا ہوگا۔ اسی لیے یہاں فرمایا گیا: هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ۔

یہاں کعبہ سے تمام حدودِ حرم کعبہ مراد ہیں۔ کیونکہ تمام حدودِ حرم کعبہ کے نور سے جگمگا رہی ہیں، یہاں برکت مکانی ظاہر ہوئی۔

[145] یعنی احرام میں شکار کی حرمت نازل ہونے سے قبل تم نے جو شکار کیا تھا اس پر کوئی قربانی لازم نہیں نہ آخرت میں کوئی پکڑ ہے۔ البتہ جو اب ایسا کرے اللہ اس سے بدلہ لے گا۔ اس سے احرام میں شکار کرنے کی سنگینی معلوم ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو ایسا کرے اس سے اللہ انتقام لے گا۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ احرام کا مقصد تعظیمِ کعبہ ہے۔ اس گھر کی حاضری کے لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ بندہ یوں نکلے کہ جانور کا شکار کر کے مارنا تو کجا اپنے سر کی جوں بھی نہ مارے، یعنی سراپا امن و سکون بن جائے، مجسم ادب و احترام ہو جائے۔ لہٰذا اب اگر وہ جانور کا شکار کر کے اسے مارنے میں مشغول ہوگا تو گویا وہ اللہ کے گھر کی بے ادبی و اہانت کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اس لیے فرمایا گیا کہ اللہ اس سے انتقام لے گا۔

[146] اب احرام والوں کو ایک خصوصی رعایت دیتے ہوئے انہیں سمندر یا دریا سے مچھلی پکڑنے کی اجازت دی گئی گویا بحری جہاز میں سفر کرنے والے لوگ اگر حج یا عمرہ کا احرام باندھے ہوئے ہوں تو وہ اپنے لیے مچھلی پکڑ کر کھا سکتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مچھلی کو ذبح کرنا اور اس کا خون بہانا نہیں پڑتا، وہ بغیر ذبح ہی حلال ہے۔ جبکہ خشکی کے شکار میں خون بہانا پڑتا ہے اور اللہ کو پسند نہیں کہ احرام میں بندہ جانور کو زخمی کرے یا اس کا خون بہائے۔ پھر خشکی کا شکار کرنے میں کبھی گولی یا تیر غلطی سے کسی انسان کو بھی لگ جاتا ہے اگر احرام میں ایسا ہو گیا تو محرم کے اصل مقصد (حج و عمرہ) میں خلل آئے گا۔

علاوہ ازیں خشکی کے شکار میں مشغولیت و دلبستگی زیادہ ہے بلکہ ایک ہرن کو شکار کرنے کیلئے بسا اوقات بہت سے افراد کو حصہ لینا پڑتا ہے اگر حجاج کی جماعت تلبیہ و ذکر کو چھوڑ کر یوں شکار کے پیچھے بھاگنے میں لگ جائے تو یہ مقاصدِ احرام کے خلاف ہے۔

احرام میں شکار کرنے کے بارہ میں چند احکام

یاد رہے احرام میں جانور کا شکار کرنا حرام ہے مگر حلال جانور کا ذبح کرنا حرام نہیں جبکہ سمندر سے مچھلی پکڑنے میں یہ

چیزیں نہیں ہیں تو اس کی اجازت دی گئی۔ اسی لیے فرمایا گیا: وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ۔ لفظ صید (شکار) قابل غور ہے۔ یعنی احرام میں شکار حرام کیا گیا ہے۔ لہذا اگر کوئی درندہ محرم پر حملہ کردے تو جان بچانے کے لیے اسے مارا جاسکتا ہے کہ وہ شکار نہیں ہے۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ محرم پر جیسے شکار کرنا حرام ہے شکار کی طرف اشارہ کرنا یا شکار کرنے والے کو اسلحہ پکڑانا بھی حرام ہے۔ اگر اس کے اشارہ کرنے سے شکاری نے شکار مار لیا تو محرم پر کفارہ لازم آ گیا۔

محرم کو شکار شدہ زخمی جانور کا ذبح کرنا بھی جائز نہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا: لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ۔ یہ نہیں کہا گیا لا تصیدوا وانتم حرم۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ

اللہ نے حرمت والے گھر کعبہ کو لوگوں کے لئے وجہ قیام بتایا ہے [147] اور حرمت والے مہینے

وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اور قربانی کے جانور اور (اس کے گلے کے) ہاروں کو (بھی اللہ نے حرمت دی)، [148] یہ اس لئے ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ جانتا ہے

وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ [149] جان لو کہ اللہ سخت عذاب

الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾ؕ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ

والا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان (بھی) ہے۔ [150] رسول (ﷺ) کے ذمے صرف پیغام کا پہنچانا ہے اور اللہ

يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ

جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے اور جو چھپاتے ہو۔ [151] آپ فرمادیں کہ بری چیز اور عمدہ چیز باہم

اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾ؑ

برابر نہیں ہیں خواہ تمہیں بری چیز کی کثرت بھلی لگے تو اللہ سے ڈرو اے عقل والو! تاکہ تم کامیابی پاؤ۔ [152]

[147] کعبۃ اللہ کو لوگوں کے لیے وجہ قیام بنایا جانا کئی اعتبار سے ہے۔ اول: کئی عبادات کعبہ سے متعلق ہیں، جیسے حج و عمرہ، نفل طواف، کعبہ کو رخ کر کے نماز پڑھنا اور اس کی طرف رخ کر کے مردے دفنانا وغیرہ تو کعبۃ اللہ کئی عبادات کے لیے سبب قیام و بقاء ہے اور عبادات انسانوں کی روحانی بقاء کا سبب ہیں یوں کعبہ انسانوں کے لیے وجہ قیام و بقاء ہے۔

دوم: کعبہ ہی سے زمین پھیلائی گئی اور اس پر انسان بسائے گئے۔سوم: جب تک زمین پر کعبہ قائم ہے زمین قائم ہے۔ قربِ قیامت میں کعبہ اٹھالیا جائے گا اس کے بعد صور پھونکا جائے گا اور زمین کے ٹکڑے ہو جائیں گے۔

[148] یعنی ہر حرمت والا مہینہ لوگوں کے لیے وجہ بقاء ہے کہ اس میں لڑائی سے امن ہے۔سورہ مائدہ کی دوسری آیت کے ضمن میں واضح کیا جا چکا ہے کہ اہلِ عرب شروع سے چار مہینوں کو حرمت والے مہینے سمجھتے تھے۔ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب، ان میں وہ کوئی جنگ و جدال نہیں کرتے تھے تا کہ حج و عمرہ کے لیے آنے والے لوگ بلا خوف و خطر آ سکیں۔اسلام میں بھی یہ حکم اسی طرح باقی ہے۔اسی طرح ھدی (قربانی) کا جانور اور اس کے گلے میں پڑے ہوئے ہار بھی لوگوں کے لیے وجہ بقاء ہیں۔یعنی جب کوئی شخص جانور کے گلے میں احرام کی نشانی کے طور پر ہار ڈال کر اسے ساتھ لے لیتا ہے تو اسے بیت اللہ کا مسافر سمجھ کر کوئی نہیں پکڑتا نہ ستاتا ہے۔

[149] یعنی یہ شراب اور جوئے کا حرام کیا جانا اور احرام میں شکار کا حرام ہونا اور کعبۃ اللہ کو بقائے انسانی کا سبب بنایا جانا یہ سب اس لیے ہے کہ اللہ تمام کائنات ارضی و سماوی کا علم رکھنے والا ہے۔اس کا ہر حکم گہری حکمتوں پر مبنی ہے۔ ضروری نہیں کہ انسان انہیں سمجھ لے۔

[150] لہٰذا اے انسانو! اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس کے احکام کی پابندی کرو اور یہ بھی جان لو کہ وہ بڑا بخشنہار ورحمت بار ہے۔اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو فوراً اس کے آگے جھکو وہ معاف فرمائے گا۔اسی لیے حدیثِ طیبہ میں ہے کہ ایمان خوف و امید کے درمیان ہے۔

[151] یعنی رسول اللہ ﷺ نے احکام الٰہی تم تک پہنچانے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی اور یہی ان کا منصب ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ تم ان پر کتنا عمل کرتے ہو اور اللہ تمہارے خفیہ و علانیہ عمل سے خبردار ہے۔

یاد رہے! مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ط سے ختمِ نبوت پر دلالت بھی ہوتی ہے۔گویا بتایا گیا کہ قرآن کے مخاطبین کے لیے ایک ہی رسول ہے۔(اسی لیے الرَّسُوْلِ معرف باللام فرمایا گیا) اور وہ محمد مصطفی ﷺ ہیں۔اگر ان کے علاوہ بھی کوئی رسول آنے والا ہوتا تو مَا عَلَى الرسل کہا جاتا۔گویا اگر اس لحاظ سے دیکھا جائے تو جہاں بھی قرآنِ حکیم میں حضور سید عالم ﷺ کو الرسول یا رسولہ کہا گیا ہے وہ آپ کی شانِ ختم نبوت کی دلیل ہے۔اس طرح قرآنِ مجید کا اکثر و بیشتر حصہ بیان ختم نبوت ہے۔

[152] شراب اور جوئے اور دیگر اشیاء کی حرمت بتانے کے بعد فرمایا جا رہا ہے کہ خبیث (یعنی حرام مال) اور طیب (یعنی حلال مال) دونوں باہم برابر نہیں خواہ حرام مال کی کثرت تمہیں بہت بھلی لگے اور تمہارا دل ادھر کھچے لہٰذا اللہ سے ڈرو اور حرام سے بچو۔اگر تم میں عقل ہے تو حلال پر صبر کر لو کیونکہ حرام جہنم کا ایندھن ہے اور حدیثِ مبارکہ ہے "حرام سے پلنے والے جسم کے لیے مناسب تر جگہ آگ ہی ہے۔" (مسلم)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ

اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر

تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ

تم ایسی چیزیں پوچھو گے جب کہ قرآن اتارا جارہا ہے تو وہ تم پر ظاہر کردی جائیں گی [153] اللہ نے انہیں معاف فرمایا اور اللہ

غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

بخشنے والا بردبار ہے۔ تم سے قبل کچھ لوگوں نے ایسی چیزیں پوچھیں پھر وہ ان کے منکر ہو گئے [154]

حضور ﷺ سے بیکار سوالات نہ کرنے کی ہدایت

[153] گزشتہ رکوعات میں احکامِ حلت وحرمت بتائے گئے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ حضور ﷺ سے غیر ضروری سوالات نہ کرو کہیں تمہارے لیے معاملات سخت نہ ہو جائیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے سوال کیا یارسول اللہ ﷺ میرا باپ کون ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارا باپ فلاں ہے۔ تب یہ آیتِ مبارکہ اتری: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ (بخاری کتاب التفسیر سورہ مائدہ)

جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ یعنی ''اللہ کی رضا کے لیے لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے۔'' (آل عمران، ۹۷) تو بعض لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ نے فرمایا اگر میں کہہ دیتا کہ ہاں ہر سال حج فرض ہے تو وہ ہر سال فرض ہو جاتا، تب یہ آیت اتری: لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ مائدہ)

ایک روایت میں ہے کہ حج کے بارہ میں مذکورہ سوال پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء پر کثیر سوالات کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ میں تمہیں جو کہوں وہ کرلو جس سے روکوں رک جاؤ۔'' (درمنثور)

گویا اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے اصحاب رسول ﷺ جب قرآن اتر رہا ہے اور وحی کے ذریعے آپ پر تمام احکام اور خفیہ حالات ظاہر کیے جارہے ہیں تو ایسے میں ممکن ہے تمہارے بے جا سوالات کے باعث تمہیں وہ جوابات دیئے جائیں جو تمہیں پسند نہ ہوں جیسے اگر کہہ دیا جاتا کہ ہر سال حج فرض ہے تو یقیناً یہ حکم الٰہی سے ہوتا اور تمہارے لیے مشکل بن جاتی، یونہی تم میں سے کسی کے یہ پوچھنے پر کہ اس کا باپ کون ہے اگر بتایا جائے کہ اس کا باپ فلاں ہے تو ممکن ہے تمہارے لیے یہ جواب باعثِ عار بن جائے۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) مشائخ وعلماء سے بے جا سوالات نہیں کرنا چاہیں۔

یہ آیتِ مبارکہ اگر چہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اتری مگر اس میں امت کے لیے درس ہے کہ وہ اپنے مشائخ وعلماء سے بے جا سوالات نہ کیا کریں، یہ خلافِ ادب اور مقصدِ تبلیغ سے متصادم ہے۔ کئی لوگوں کو محض سوال برائے سوال کرنے کی عادت ہوتی ہے، یہ لوگ بس محفل میں اپنی موجودگی احساس دلانا اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں، ان کے دل میں بیان کرنے والے عالم یا شیخ کا کچھ ادب واحترام نہیں ہوتا۔

(۲) اللہ بارگاہِ مصطفوی کے آداب سکھاتا ہے۔

اس آیت میں بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری کا ادب سکھایا گیا ہے۔ اس بارگاہ کی عظمت کا کیا کہنا، کہیں کہا گیا: لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ کہ ''اپنی آوازوں کو نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آواز پہ مت بلند کرو۔'' (حجرات، ۲) اور کہیں ارشاد فرمایا گیا: لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا۔ ''رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو راعنا کہہ کر مت پکارو۔'' (بقرہ، ۱۰۴) الغرض تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ اس قدر اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری کے آداب ہمیں تعلیم فرماتا ہے، اسی لیے کہا گیا ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر — نفس گم کردہ مے آید جنید وبایزید ایں جا

(۳) وسعتِ علمِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ سے پتہ چلا نزولِ قرآن کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر علم کے وہ خزانے کھولے کہ آپ سے جو پوچھا جاتا آپ بتاتے، اسی لیے تو آپ سے بیجا سوال کرنے سے روکا گیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ناپسندیدہ سوالات کیے گئے آپ غصہ میں آ گئے اور فرمایا: سلونی عما شئتم تم مجھ سے جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھو ایک آدمی نے کہا میرا باپ کون ہے فرمایا حذافہ، دوسرے نے کہا میرا باپ کون ہے؟ فرمایا شیبہ کا غلام سالم، یہ حالت دیکھ کر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ہم اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ گھٹنوں کے بل جھک گئے اور عرض کیا ہم اللہ کی ربوبیت، اسلام کی شریعت اور آپ کی نبوت پہ راضی ہیں (یعنی ہمیں کسی سوال کی ضرورت نہیں ہے)۔

(بخاری کتاب العلم باب الغضب فی المواعظۃ حدیث ۹۲)

[154] یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے جا سوالات کرنے کا نتیجہ وہی ہوگا جو بنی اسرائیل کو ملا، یعنی موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اگر وہ کوئی سی گائے ذبح کر دیتے تو حکم پورا ہو جاتا مگر وہ پوچھنے لگے کہ گائے کی عمر کیا ہو، رنگ کیا ہو، وہ کیسی ہو جب انہیں بتایا گیا کہ وہ کیسی ہو، اس کا رنگ کیا ہو اور عمر کیا ہو تو ان تمام صفات کی حامل گائے کا ملنا مشکل ہو گیا۔ تب انہیں نہایت بھاری قیمت پر ایسی گائے ملی۔ سورہ بقرہ رکوع ۸ میں اس کا مفصل واقعہ مذکور

ہے۔ اسی لیے دوسری جگہ فرمایا: اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ ''کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول (ﷺ) سے ایسے ہی سوالات کرو جیسے اس سے قبل موسیٰ (علیہ السلام) سے کیے گئے تھے (بقرہ، ۱۰۸)، اور

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ

اللہ نے کوئی بحیرہ نہیں بنایا نہ سائبہ نہ وصیلہ اور نہ حام لیکن کافر لوگ اللہ پر

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

جھوٹ گھڑتے ہیں اور ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔ [155] اور جب ان سے

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا

کہا جائے کہ اللہ نے جو کچھ اتارا اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو وہ کہتے ہیں ہمیں وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا

وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

کو پایا، اگر ان کے باپ دادا کچھ نہ جانتے ہوں نہ ہدایت یافتہ ہوں (تو کیا پھر بھی وہ باپ دادا کی تقلید کریں گے؟)۔ [156]

[155] گزشتہ آیات میں کہا گیا: لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ ''اللہ نے تمہارے لیے جو چیزیں حلال رکھی ہیں انہیں حرام نہ بناؤ'' (مائدہ:۸۷) تو اب اس کی مثال دی جا رہی ہے کہ کفار عرب نے اپنی طرف سے کئی حلال جانوروں کو حرام قرار دے رکھا تھا، جس کی تفصیل یوں ہے۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بحیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا پھر کوئی اس کا دودھ نہیں دوہتا تھا۔ سائبہ وہ جانور ہے جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا پھر کوئی اس پر سواری نہیں کرتا۔ وصیلہ وہ اونٹنی ہے جو نر و مادہ دو بچے اکٹھے دیتی تھی اسے بھی متبرک جان کر کفار اپنے بتوں کے نام وقف کر دیتے تھے۔ حام وہ نر اونٹ ہے جو متعدد بار اونٹنیوں کو گابھن کر دے، مشرکین اسے بتوں کے نام چھوڑ دیتے تھے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ مائدہ)

یعنی بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام وہ جانور تھے جنہیں زمانہ جاہلیت میں کفار اپنے بتوں سے منسوب کر دیتے اور سمجھتے کہ اب یہ جانور حرام ہیں نہ انہیں ذبح کیا جا سکتا ہے نہ ان پر سواری جائز ہے اللہ تعالیٰ نے کفار کا رد فرمایا معلوم ہوا محض غیر خدا کی طرف منسوب کرنے سے کوئی جانور حرام نہیں ہوتا جب تک اسے غیر خدا کے نام پر ذبح نہ کیا جائے۔

[156] جب کفار سے کہا جاتا کہ تمہارے اندر اللہ نے رسول بھیجا ہے جس نے حلال و حرام کا مکمل ضابطہ بتایا ہے تو تم اس کی پیروی کرنے کی بجائے اپنی طرف سے حلال و حرام کا تعین کیوں کرتے ہو؟ تو وہ کہتے ہم نے اپنے باپ دادا کو جن

نظریات پر پایا ہم تو اس کی پیروی کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تمہارے باپ دادا کے پاس کوئی خدائی ہدایت ومعرفت نہ تھی تو پھر ان کی پیروی کا کیا معنی ہے۔ معلوم ہوا دین کے مقابلہ میں خاندان کے فیصلے کی کوئی حیثیت نہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا
اے مومنو! تم خود کو سیدھا رکھو تمہیں کوئی گمراہ ہونے والا نقصان نہ دے گا جب تم
اهْتَدَیْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾
ہدایت پر ہو [157] اللہ ہی کی طرف تم نے لوٹنا ہے وہ تمہیں بتائے گا جو تم عمل کرتے تھے۔

[157] ابن ابی حاتم نے روایت کیا کہ ایک شخص مسلمان ہو جاتا جبکہ اس کے دوسرے گھر والے کفر پر اڑے رہتے، وہ انہیں دعوت اسلام دیتا وہ جواب میں کہتے ہم اپنے باپ دادا کا دین نہیں چھوڑ سکتے۔ وہ مسلمان پریشان ہو جاتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ مبارکہ اتاری: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ ؕ (مظہری جلد ۳ صفحہ ۱۹۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مومنو! جب تم نے اپنے گھر والوں پر حق واضح کر دیا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے تقاضے پورے کر دیے تو اب ان کا گمراہ رہنا تمہیں کوئی نقصان نہیں دے سکتا جبکہ تم خود ہدایت پر ہو۔ معلوم ہوا حسبِ طاقت تبلیغ لازم ہے اور اس سے قبل اپنی اصلاح لازم ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ

اے مومنو! تمہاری باہمی گواہی ضروری ہے، جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو

الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ

وصیت کے وقت تم میں سے دو عادل آدمی گواہ بنیں [158] یا تمہارے سوا کوئی دوسرے دو آدمی گواہ بنیں، اگر تم

ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ

زمین میں سفر کرو اور تمہیں موت کی مصیبت آجائے، [159] تم دونوں گواہوں کو نماز کے بعد

بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ

روک لو، تب اگر تمہیں شک ہو تو وہ اللہ کی قسم اٹھائیں کہ ہم اس قسم کے ذریعے کوئی مال نہیں کما رہے خواہ کوئی ہمارا

ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝١٠٦ فَاِنْ عُثِرَ

قریبی رشتہ دار ہو اور ہم اللہ کی گواہی نہیں چھپائیں گے ورنہ ہم گناہگاروں میں سے ہوں گے۔ [160] پھر اگر معلوم ہو کہ

عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ

اُن دونوں نے گناہ کمایا ہے تو دوسرے گواہ ان کی جگہ پر کھڑے ہوں۔ اُن میں سے جن پر زیادتی ہوئی

عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا

جو میت کے قریبی ہیں۔ تب وہ اللہ کی قسم اٹھائیں کہ ہماری گواہی پہلے دو گواہوں سے مضبوط تر ہے اور ہم نے

اعْتَدَيْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٠٧ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ

کوئی زیادتی نہیں کی ورنہ ہم ظالموں میں سے ہوں گے۔ اس طرح بہت متوقع ہے کہ لوگ صحیح طرح گواہی دیا کریں

عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

یا انہیں ڈر ہو کہ ان کی قسمیں دوسرے لوگوں کی قسموں کے بعد رد کر دی جائیں گی اور اللہ سے ڈرو

وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

اور اس کا حکم مانو اور اللہ بدکردار لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔[161]

موت کے وقت وصیت پر دو گواہ قائم کرنے کی ہدایت

[158] سورہ مائدہ میں مختلف شرعی احکام بیان کیے گئے اب آخر میں موت کے وقت وصیت کرنے اور اس پر گواہ بنانے کا حکم فرمایا جا رہا ہے۔ معنی یہ ہے کہ اے مومنو! جب تمہیں اپنی موت کے آثار نظر آئیں مثلاً بیماری بڑھ جائے اور صحت کی امید کم ہو جائے تو تمہیں دو مسلمان عادل گواہوں کے سامنے وصیت کرنی چاہیے۔ یعنی تمہیں بتانا چاہیے کہ تمہارے پاس اتنا مال ہے اور یہ کہ تم نے فلاں شخص سے اس قدر قرض لینا ہے یا فلاں کو اتنا دینا ہے تاکہ تمہارے مرنے کے بعد تمہارے ورثاء کے لیے مسائل کھڑے نہ ہوں۔ یہ وصیت شرعاً لازم نہیں مگر اس کے فوائد بہت ہیں۔ کیونکہ ایک شخص کئی لوگوں سے قرضے لے کر انہیں ادا کیے بغیر مرجاتا ہے اور وصیت بھی نہیں کرتا تو بعد میں اس کی اولاد اور اعزہ کے لیے مصیبت بن سکتی ہے۔ وصیت آثار موت کے ظاہر ہونے سے قبل بھی کی جاسکتی ہے بلکہ ایک وصیت نامہ ہمہ وقت تیار رکھنا چاہیے مگر آثار موت کے ظاہر ہونے کے بعد اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ سے معلوم ہوا مسلمانوں کے معاملات میں گواہوں کا مسلمان اور عادل ہونا ضروری ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ۔ ''اپنے لوگوں (مسلمانوں) میں سے دو عادل آدمی گواہ بناؤ۔'' (طلاق:۲) ایک اور جگہ حکم ہوا: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ''اپنے مردوں میں سے دو گواہ کھڑے کرو۔'' (بقرہ:۲۸۲) اسی لیے دو گواہوں کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

[159] یعنی اگر تم سفر میں ہو وہاں تم پر آثار موت ظاہر ہو جائیں اور وہاں مسلمان گواہ میسر نہ ہوں تو دو غیر مسلم گواہ بنالو اور ان کے سامنے وصیت کرو کہ تمہارے ذمہ یہ کچھ لینا دینا ہے اور تمہارے پاس کیا کیا مال ہے اور کہاں ہے۔ بعض مفسرین نے مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ کا یہ معنی کیا ہے کہ وصیت کے گواہ تمہارے اپنے اہل علاقہ اور اہل معرفت میں سے ہونے چاہئیں تاکہ وصیت بہتر طریقے سے جاری ہو۔ اگر اہل علاقہ و اہل معرفت میں سے بوجہ سفر دو گواہ نہ مل سکیں تو دوسرے انجان لوگوں میں سے دو گواہ لیے جاسکتے ہیں۔ اور یہ دونوں معانی درست ہیں۔

[160] یعنی مرنے والے کی وصیت پر جو دو گواہ قائم ہوئے ہیں اے میت کے وارثو! اگر تمہیں شک ہو کہ وہ وصیت کے بیان کرنے میں کمی بیشی کر رہے ہیں تو تم انہیں مسجد میں لے آؤ اور نماز کے بعد (امام صاحب اور نمازیوں کے سامنے) وہ یوں قسم اٹھائیں کہ اللہ کی قسم! ہم وصیت میں کمی بیشی کر کے کوئی مال نہیں کمانا چاہتے خواہ یہ وصیت ہمارے کسی قریبی رشتہ دار کے حق میں ہو تو بھی ہم اس کی خاطر داری کے لیے وصیت میں ردوبدل نہیں کریں گے اور یہ گواہی ہم اللہ کی رضا کے لیے دے

رہے ہیں۔ اگر ہم اس میں کمی بیشی کریں تو ہم گناہگار ہوں گے۔ کیونکہ جھوٹی قسم اٹھانا اور جھوٹی گواہی دینا عظیم گناہ ہے۔

یہاں سے چار فوائد حاصل ہوئے:

(۱) سچی گواہی دو خواہ رشتہ داروں کے خلاف ہو۔

وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى سے معلوم ہوا گواہی سچی دینی چاہیے خواہ رشتہ دار ناراض ہوں۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا: كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ''انصاف قائم کرنے والے بنو، اللہ کی رضا کے لیے گواہی دو خواہ وہ تمہارے اپنے خلاف ہو یا والدین اور قریبی عزیزوں کے خلاف ہو۔'' (نساء:۱۳۵)

(۲) جھوٹی گواہی کا گناہ۔

وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ﴿۱۰۶﴾ سے جھوٹی گواہی دینے کی سنگینی معلوم ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے پھر جھوٹی گواہی دینا بڑا گناہ ہے۔ صحابہ کہتے ہیں اس کے بعد حضور ﷺ یہ الفاظ بار بار دہراتے چلے گئے حتی کہ ہم سوچنے لگے کاش آپ خاموش ہو جائیں۔ (کہ اس طرح آپ کو تکلیف ہو رہی ہے) (ترمذی کتاب التفسیر سورہ نساء باب ۵)

اور جھوٹی گواہی میں جھوٹی قسم اٹھانا بھی آ جاتا ہے۔ کیونکہ جو شخص نام خدا پر جھوٹی قسم اٹھاتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کو اپنے جھوٹ پر گواہ بناتا ہے۔ اسی لیے قرآنِ کریم میں جابجا جھوٹی قسمیں اٹھانے کو منافقین کا کام کہا گیا، جیسے فرمایا گیا: اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی ''انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے۔'' (منافقون،۲)

(۳) شرعی قسم صرف اللہ کے نام سے ہے۔

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ سے معلوم ہوا شرعی قسم وہی ہے جو اللہ کے نام سے اٹھائی جائے۔ اسی کے توڑنے پر کفارہ ہے۔ رسول کی قسم، قرآن کی قسم یا کعبہ کی قسم، ایسی قسموں کے توڑنے سے کفارہ لازم نہیں۔ البتہ متاخرین نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم اٹھانے کو شرعی قسم قرار دیا ہے اور اس کے توڑنے پر کفارہ لازم کیا ہے۔

(۴) قسم اٹھانے والے کو مسجد میں لے جانا اچھا ہے۔

تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ سے پتہ چلا کہ مسجد میں نماز کے بعد قسم اٹھانا زیادہ پختہ معاملہ ہے تاکہ گواہ خانہ خدا اور نماز کی ہیبت سے سچی بات کہے۔ اور اس میں کسی جھوٹی بات کو شامل نہ کرے۔ کیونکہ بہت سے مسلمان ایسے ہیں کہ مسجد میں حاضر ہو کر جھوٹی قسم اٹھانے سے خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور وہاں جھوٹی بات کو چھوڑ کر سچی بات کہہ دیتے ہیں۔ اس سے اللہ رب العزت کے ہاں مسجد کی اہمیت کا بھی پتہ چلا۔

[161] اگر بعد میں معلوم ہو کہ وصیت کے گواہوں نے وصیت میں ردوبدل کیا ہے اور جھوٹی قسم اٹھائی ہے تو ورثاء میت میں سے دو نئے گواہ کھڑے ہوں وہ قاضی کے سامنے اللہ کی قسم اٹھا کر کہیں کہ ہماری گواہی (قسم) وصیت کے گواہوں کی

قسم سے پختہ تر ہے۔(اور وہ اپنے دلائل سے اس کی پختگی کو ثابت کریں) اور ہم ان پر کوئی زیادتی نہیں کر رہے بلکہ حق واضح کر رہے ہیں۔ تب وصیت کے گواہوں کی قسم رد کر دی جائے گی اور نئے گواہوں کی قسم قبول کرتے ہوئے وصیت میں کی جانے والی تبدیلی دور کر کے وصیت کو اپنی حقیقت کے ساتھ نافذ کیا جائے گا، ایسا کرنے سے متوقع ہے کہ لوگ وصیت کے بارہ میں سچی گواہی دیا کریں گے کیونکہ انہیں ڈر ہوگا کہ کہیں ان کی قسم بعد میں رد نہ کر دی جائے اور انہیں معاشرہ میں ذلت نہ اٹھانا پڑے۔ اور گواہی دینے اور قسم اٹھانے میں اللہ سے ڈرنا اور اللہ کا حکم ماننا چاہیے۔

ان آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ تمیم داری اور عدی بن بداء دونوں تجارت کے لیے شام گئے۔ دونوں اس وقت عیسائی تھے (بعد میں دونوں اسلام لائے اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی رسول کہلائے) ان کے ساتھ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام بدیل بھی تھا وہ مسلمان تھا۔ شام پہنچ کر بدیل بیمار پڑ گیا۔ اس نے اپنے سامان تجارت کی فہرست تیار کر کے اسے سامان میں کسی خفیہ جگہ چھپا دیا اور تمیم اور عدی کو وصیت کی کہ اس کا مال اس کے گھر والوں کو مدینہ طیبہ پہنچا دینا۔ اس کے بعد وہ مر گیا۔ ان دونوں نے اس کا سامان ٹٹولا اور اس میں سے چاندی کا ایک پیالہ نکال لیا جس میں تین سو مثقال سونا بھی تھا۔ باقی سامان بدیل کے گھر والوں تک پہنچا دیا۔ انہوں نے سارا سامان الگ الگ کیا تو اس میں سے فہرست نکل آئی جس میں اس پیالے کا بھی ذکر تھا۔ وہ تمیم وعدی کے پاس آئے اور پیالے کے بارہ میں پوچھا، انہوں نے اس سے لاعلمی ظاہر کی۔ یہ معاملہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ آپ نے مسجد میں نماز عصر کے بعد تمیم اور عدی سے قسم لی۔ انہوں نے قسم اٹھائی کہ اللہ کی قسم انہیں اس پیالے کی کوئی خبر نہیں تو انہیں چھوڑ دیا گیا۔
(مظہری، بغوی، خازن وغیرہ)

ترمذی میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے بعد وہ پیالہ بدیل کے ورثاء کو مکہ مکرمہ میں ایک دکان پر مل گیا۔ دکان والوں نے کہا ہم نے اسے تمیم اور عدی سے خریدا ہے۔ تب یہ معاملہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دوبارہ لایا گیا۔ تب تمیم وعدی نے بات کو بدلتے ہوئے کہا یہ پیالہ ہم نے بدیل سے خریدا تھا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدیل کے ورثاء میں سے دو آدمی لیے انہوں نے قسم اٹھائی کہ ہماری گواہی تمیم اور عدی سے قوی تر ہے اور یہ کہ پیالہ ان کے آدمی کا ہے۔ چنانچہ تمیم اور عدی سے پانچ پانچ سو درہم وصول کر کے بدیل کے ورثاء کو دیئے گئے کیونکہ انہوں نے وہ پیالہ ایک ہزار درہم میں فروخت کیا تھا۔ تب یہ آیات نازل ہوئیں۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ مائدہ جلد دوم صفحہ ۱۵۴ مطبوعہ کراچی)

گویا حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں مرتبہ جو فیصلہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے قرآن اتار کر اس کی تائید فرما دی۔

معلوم ہوا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر فیصلہ مستقل قانون ہے۔ یہاں یہ یاد رہنا چاہیے کہ پہلی بار بدیل کے ورثاء مدعی تھے اور دعوی کر رہے تھے کہ تمیم وعدی نے پیالہ چرایا ہے اور تمیم وعدی مدعی علیہ تھے اور حدیث میں قانون ہے۔ البینة علی المدعی والیمین علی من انکر ''مدعی گواہی لائے اگر اس کے پاس گواہی نہ ہو تو مدعی علیہ قسم اٹھائے۔'' (بخاری) چونکہ بدیل کے ورثاء کے پاس گواہی نہ تھی تو تمیم وعدی سے قسم لی گئی۔ دوسری بار تمیم وعدی مدعی

تھے کہ انہوں نے یہ پیالہ بدیل سے خرید ا تھا مگر وہ کوئی گواہ نہ لا سکے اس لیے بدیل کے ورثاء سے قسم لی گئی اور ان کے حق میں فیصلہ کیا گیا۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ

وہ دن یاد کرو جب اللہ سب رسولوں کو جمع کر کے فرمائے گا تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا؟ وہ کہیں گے ہمیں کچھ علم نہیں بے شک

اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝۱۰۹ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ

تو ہی غیب کا جاننے والا ہے۔ [162] جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم! میری وہ نعمتیں یاد کرو

عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۗ تُكَلِّمُ النَّاسَ

وقف لازم

جو تم پر اور تمہاری والدہ پر تھیں [163] جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی، [164] تم گہوارے میں اور بڑھاپے میں

فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ

لوگوں سے باتیں کرتے تھے [165] اور جب میں نے تمہیں قرآن و سنت اور تورات

وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا

و انجیل کا علم دیا، [166] اور جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی سی شکل بناتے پھر اس میں پھونک مارتے

فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ

تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا [167] اور تم مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے شفاء دیتے تھے [168] اور جب تم

الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

میرے حکم سے مردے زندہ کرتے تھے [169] اور جب میں نے بنی اسرائیل (یہود) کو تم سے روک دیا تھا جب تم ان کے پاس

فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۱۰

واضح نشانیاں لائے تو ان میں سے انکار کرنے والوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔ [170]

[162] سورہ مائدہ میں جا بجا یہود و نصاریٰ کے عقائد کا رد کیا گیا ہے اب اسی پر سورت کا اختتام کیا جا رہا ہے۔ تو فرمایا

گیا کہ روزِ قیامت انبیاء کرام علیہم السلام سے (ان کی امتوں کی موجودگی میں) پوچھا جائے گا: مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ یعنی جب تم نے تبلیغ دین کی تو تمہیں تمہاری امتوں نے کیا جواب دیا؟ وہ کہیں گے اے اللہ! ہم کچھ نہیں جانتے تو ہی غیب کا جاننے والا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام جانتے ہونگے کہ انہیں کیا جواب دیا گیا تھا۔ پھر بھی وہ لاعلمی ظاہر کریں گے گویا وہ کہیں گے اے اللہ! تو خوب جانتا ہے ہمیں کیا جواب دیا گیا اس کے باوجود ہم سے تیرا یہ سوال کرنا کسی حکمت ہی پہ مبنی ہے جو تو ہی جانتا ہے لہٰذا تیرے علم کے آگے ہم اپنے علم کی نفی کرتے ہیں۔

یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی عظیم علم و فضل والا شخص اپنے شاگرد سے پوچھے یہ مسئلہ کیسے ہے؟ تو شاگرد ادباً یہی کہے گا میں کچھ نہیں جانتا آپ ہی سب کچھ جانتے ہیں۔ آپ کے سامنے میرا علم لاشئی ہے۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) عصمتِ انبیاء۔ انبیاء سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ انہوں نے اپنی امتوں سے کیا کہا تھا۔ اس لیے کہ انبیاء کرام معصوم ہیں وہ حکمِ خداوندی سے ہٹ کر کچھ کہہ ہی نہیں سکتے البتہ ان سے یہ پوچھا جائے گا کہ انہیں کیا جواب دیا گیا؟ کیونکہ وہ معصوم ہیں۔

(۲) انبیاء کا ادبِ الوہیت۔ یہاں ہمارے لیے درسِ ادب ہے۔ انبیاء کا لَا عِلْمَ لَنَا کہنا ادبِ الوہیت کی اعلیٰ مثال ہے انبیاء کرام کا استاذ صرف اللہ ہے اس میں یہ درس ہے کہ ہم اساتذہ کے سامنے اپنے علم کے اظہار کی بجائے اپنی لاعلمی و عجز ظاہر کریں۔

(۳) انبیاء کا ادب الوہیت فرشتوں سے بڑھ کر ہے۔ جب فرشتوں سے کہا گیا ان چیزوں کے نام بتاؤ تو انہوں نے کہا: لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ "ہمیں کچھ علم نہیں مگر وہی جو تو نے ہمیں سکھایا۔" (بقرہ: ۳۲) مگر انبیاء نے صرف اتنا کہا: لَا عِلْمَ لَنَا ہمیں کچھ علم نہیں۔ انہوں نے اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا کہنا بھی خلافِ ادب جانا۔ گویا جس کا جتنا بڑا مقام ہے اسے اتنا بڑا ادب نصیب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روز قیامت اپنی نعمتیں یاد دلانا

[163] روزِ قیامت اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا۔ اس وقت تمام یہود و نصاریٰ اور دوسرے لوگ سنتے ہونگے اور یوں یہود و نصاریٰ کو ان کے عقائد پر شرم دلائی جائے گی کیونکہ دنیا میں یہود عیسیٰ علیہ السلام کو گالیاں دیتے اور نصاریٰ انہیں خدا اور خدا کا بیٹا کہتے تھے۔

[164] اللہ تعالیٰ روز قیامت فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم! یاد کریں جب میں نے روح القدس (حضرت جبرائیل امین) کے ذریعے تمہاری مدد فرمائی۔ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت جبرائیل علیہ السلام کی پھونک سے پیدا

ہوئے۔ پھر جبرائیل علیہ السلام پہرے دار کی طرح ہمیشہ ان کے ساتھ رہے، انہیں یہود کے حملوں سے بچاتے رہے اور آخر میں انہیں اٹھا کر آسمان پر لے گئے۔

پتہ چلا رسل بشر رسل ملائکہ سے افضل ہیں اسی لیے جبرائیل علیہ السلام ایک خدمت گار کی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہے۔ حالانکہ جبرائیل علیہ السلام رسل ملائکہ میں سب سے افضل ہیں۔

[165] روزِ قیامت اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے عیسیٰ علیہ السلام! آپ لوگوں سے ماں کے گہوارے میں اور بڑھاپے میں لوگوں سے کلام کرتے تھے۔ جاننا چاہیے کہ ان کا ماں کے گہوارے میں کلام کرنا ایک معجزہ ہے جسے یہود نے اپنی آنکھوں سے دیکھا مگر ان کی والدہ کی پاکدامنی پر ایمان نہ لائے اور وہ اب تک انہیں معاذ اللہ خاکم بدہن برائی کی پیداوار قرار دیتے اور ان کی والدہ کی پاکدامنی پر اعتراض کرتے ہیں۔ اس لیے اللہ روز قیامت ان کا یہ معجزہ یاد دلا کر یہود کو شرمندہ کرے گا۔ اور آپ کا بڑھاپے میں کلام کرنا بھی ایک معجزہ ہے۔ کیونکہ آپ نے تیس برس کی عمر میں اعلان نبوت فرمایا، تین برس تبلیغ کی اور تینتیس (۳۳) برس میں آپ آسمان پر اٹھا لیے گئے اس وقت آپ بھرپور جوان تھے پھر آخر زمانہ میں آپ واپس زمین پر آئیں گے تو بدستور تینتیس سالہ نوجوان ہونگے پھر آپ بوڑھے ہونگے اور بڑھاپے میں لوگوں سے دین اسلام اور رسالت محمدیہ کی حقانیت پر گفتگو کریں گے، پھر آپ کا وصال ہوگا اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دفن ہونگے۔ (ان تمام امور کی تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب "حیات ابن مریم" کا مطالعہ فرمائیں) گویا عیسیٰ علیہ السلام کا بڑھاپے میں کلام کرنا بھی عظیم معجزہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ موجود ہونا

یہ آیتِ مبارکہ بتا رہی ہے کہ ابھی ان کی وفات نہیں ہوئی۔ ورنہ ان کے لیے لفظ کَہْلاً (بڑھاپا) کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔ یہی چیز قرآن نے ایک اور جگہ یوں بھی بیان فرمائی کہ جب فرشتوں نے سیدہ مریم کو بیٹے کی بشارت دی تو وہ بہت حیران و پریشان ہوئیں۔ تب فرشتوں نے انہیں بتایا کہ اللہ آپ کو جس بیٹے کی بشارت دے رہا ہے وہ بڑی عظمتوں والا ہے۔ اس کی شان یہ ہے: وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَ کَھْلًا "وہ لوگوں سے ماں کی گود میں اور بڑھاپے میں کلام کرے گا۔" (سورہ آل عمران، ۴۶)

اس سے مرزائیوں کو عبرت پکڑنی چاہیے۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے اس جگہ حضرت عیسیٰ کے لیے دو معجزے بیان کیے، ماں کی گود میں کلام کرنا اور بڑھاپے میں کلام کرنا۔ اب ماں کی گود میں کسی بچے کا کلام کرنا تو واقعتاً معجزہ ہے، مگر بڑھاپے میں کلام کرنا کون سا معجزہ ہے؟ کیا سب لوگ بڑھاپے میں کلام نہیں کرتے؟ بلکہ بوڑھا آدمی زیادہ سنجیدہ باتیں کرتا ہے۔ معلوم ہوا عیسیٰ علیہ السلام کا بڑھاپے میں کلام کرنا اللہ کے ہاں اپنے اندر ایک خاص معجزاتی شان رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ آسمان میں ہزاروں برس تک جوان ہی رہیں گے، آپ کو بڑھاپا نہیں آئے گا۔ پھر جب قربِ قیامت میں واپس آئیں

گے تب بڑھاپا آئے گا اور اس میں آپ لوگوں سے صداقتِ اسلام پر کلام کریں گے۔
یاد رہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کو جس حالت میں اٹھایا گیا تھا آپ اسی حالت میں واپس آئیں گے۔ حتی کہ جب آپ آسمان پہ اٹھائے گئے تھے اس وقت آپ غسل خانہ سے نہا کر نکلے تھے اور آپ کی زلفوں سے پانی کے قطرے گر رہے تھے، کہ ایسے میں فرشتوں نے آپ کو اٹھالیا۔ جب آپ واپس دنیا میں آئیں گے تو آپ کے بالوں سے پانی کے قطرے اسی طرح گر رہے ہوں گے۔ اسی لیے حدیثِ طیبہ میں ہے کہ "جب آپ واپس اتریں گے تو آپ کے بالوں سے موتیوں جیسے قطرے برستے ہوں گے۔" (ابن ماجہ کتاب الفتن باب ۳۳)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں مرزا قادیانی کی من گھڑت جھوٹی کہانی

اور وہ جو مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ عیسی علیہ السلام کو سولی تو دی گئی تھی مگر ان کی جان نہ نکلی اور وہ کسی طرح وہاں سے بھاگ نکلے اور چھپتے چھپاتے کشمیر میں آگئے اور بوڑھے ہو کر یہیں کشمیر میں فوت ہوئے اور سری نگر میں ان کی قبر ہے، یہ سب جھوٹ اور نرا بکواس ہے اس کا ہرگز کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اپنی طرف سے ہر شخص جو چاہے کہانی گھڑ سکتا ہے۔ مرزا قادیانی نے یہ کہانی اس لیے گھڑی تا کہ قرآن کے لفظ کہلاً کی زد سے بچے، مگر اسے اس کا کچھ فائدہ نہ ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کی معجزاتی شان بیان کر رہا ہے کہ ان کا بڑھاپا عجب شان کا ہوگا۔ اگر عیسی علیہ السلام کے بارہ میں یہی مانا جائے کہ وہ بوڑھے ہو کر فوت ہو گئے تھے تو اس میں کونسی اعجازی شان ہے جسے قرآن میں ان کے لیے خصوصاً بیان کیا گیا، کیا ہر شخص بوڑھا نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میرے باپ میں یہ بڑا کمال تھا کہ وہ بوڑھا ہو کر فوت ہوا تو یہ ایک احمقانہ بات ہے۔ تو کیا معاذ اللہ قرآن احمقانہ باتوں کا نام ہے؟

[166] حضرت عیسی علیہ السلام کی دو زندگیاں ہیں ایک آسمان کی طرف اٹھائے جانے سے پہلے، دوسری جب آپ واپس زمین پہ نازل ہونگے۔ پہلی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تورات وانجیل کی تعلیم عطا فرمائی۔ انجیل تو آپ پہ نازل ہوئی اور تورات میں وہ شریعت تھی جس کے مطابق تمام انبیاء بنی اسرائیل بشمول عیسی علیہ السلام فیصلے کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس لیے بھی تورات کا علم عطا فرمایا کہ بنی اسرائیل نے تورات کے احکام بگاڑ دیے تھے عیسی علیہ السلام نے آکر تورات کی حقیقی تعلیمات کو اجاگر کیا اور دوسری زندگی میں جب عیسیٰ علیہ السلام زمین پہ نازل ہونگے تو اللہ تعالیٰ آپ کو کتاب وحکمت کی تعلیم عطا فرمائے گا اور کتاب وحکمت سے مراد قرآن اور سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام جب دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو بطورِ نبی نہیں آئیں گے بلکہ امتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل ہو کر آئیں گے اور قرآن وسنت کے مطابق حکومت فرمائیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن وسنت کے علوم عطا فرمائے گا۔ آپ دنیا میں آکر کسی سے قرآن وسنت نہیں سیکھیں گے بلکہ اللہ رب العزت انہیں سکھا کر بھیجے گا اور روزِ قیامت انہیں یہ نعمت یاد دلائے گا اور فرمائے گا کہ اے عیسی علیہ السلام! یاد کرو جب میں نے آپ کو کتاب وحکمت اور تورات وانجیل کی تعلیم ارشاد فرمائی۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) عیسیٰ علیہ السلام کسی سے شریعت محمدیہ نہیں سیکھیں گے۔

مرزائی لوگ اعتراض کرتے ہیں اگر عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی میں سے کس فقہ پر عمل کریں گے۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ کہ اے عیسیٰ میں نے تمہیں قرآن وسنت کا علم دیا۔ لہٰذا آپ کو کسی فقہ کی پیروی کی ضرورت نہ ہوگی۔ آپ فقہ محمدی پر حکومت کریں گے۔

(۲) انبیاء کا استاذ صرف اللہ ہے۔

وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ سے معلوم ہوا کہ انبیاء کو اللہ خود ہی سارے علوم عطا فرماتا ہے، وہ دنیا میں کسی سے کچھ نہیں سیکھتے۔ مرزا قادیانی نے لوگوں سے عربی، فارسی اردو وغیرہ سیکھی اور بعد میں دعویٰ نبوت کیا۔ گویا جھوٹے کا جھوٹ پہلے ہی ظاہر تھا جبکہ انبیاء کے بارہ میں یوں فرمایا جاتا ہے۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا، وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ، وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وغیرہ۔

[167] اللہ تعالیٰ روز قیامت فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم! یاد کرو جب تم مٹی سے پرندے بنا کر اور ان میں پھونک مار کر انہیں میرے حکم سے زندہ کر دیتے تھے۔ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کے یہ معجزات دیکھے مگر ایمان نہ لائے اور انہیں جادوگری سمجھا اور نصاریٰ نے یہ معجزات دیکھے تو آپ کو خدا مان لیا۔ اللہ تعالیٰ روز قیامت دونوں گروہوں کو شرم دلائے گا اور فرمائے گا کہ یہ سب کچھ میرے حکم سے ہوا پھر تم نے سیدھی راہ کیوں نہ پکڑی۔

[168] اکمہ اس اندھے کو کہتے ہیں جس کی آنکھوں میں نور پیدا ہی نہ ہوا تھا، جبکہ اعمیٰ وہ اندھا ہے جو پہلے دیکھتا تھا پھر کسی مرض سے اندھا ہو گیا حکماء اعمیٰ کا علاج کر سکتے ہیں اکمہ کو بینا کرنا نبی کا معجزہ ہی ہو سکتا ہے۔

[169] حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہزارہا سالہ پرانے مردے زندہ کر کے دکھائے مگر فرمایا: وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ ''میں اللہ کے حکم سے مردے زندہ کرتا ہوں۔'' (آل عمران:۴۹) یعنی یہ میری ذاتی نہیں اللہ کی دی ہوئی عطائی طاقت ہے۔ معلوم ہوا اللہ جس بندے کو چاہے اپنی طاقتوں کا مظہر بنا دیتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعویٰ کیا۔ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ ''میں مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دیتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردے زندہ کرتا ہوں۔'' (آل عمران:۴۹) گویا آپ کو اللہ نے یہ طاقتیں مستقل عطا فرما دی تھیں کہ جب چاہیں ایسا کر دکھائیں۔ کیونکہ ایسی مستقل طاقت کے بغیر منکروں کے سامنے ایسا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں ان لوگوں کے لیے درسِ عبرت ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ جب چاہے کسی نبی کے ہاتھ پہ کوئی معجزہ یا نشانی ظاہر کر دیتا ہے اس میں اس کے ارادہ یا خواہش کا کوئی دخل نہیں ہوتا، نہ ہی اس کا کوئی اختیار ہوتا ہے کہ جب چاہے معجزہ دکھا دے۔ مگر ان کا یہ خیال قطعی

باطل ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو عیسیٰ علیہ السلام کبھی یہ دعویٰ نہ کرتے کہ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے پرندے بنا کر انہیں کیسے زندہ کرتے تھے اور بیماروں کو شفا اور مردوں کو زندگی کیسے دیتے تھے اس کی کچھ تفصیل ہم نے پیچھے سورہ آل عمران کے تحت دی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

[170] حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ معجزات دکھائے مگر یہود ماننے کی بجائے آپ کے مزید منکر ہو گئے اور آپ کو جادوگر قرار دے کر آپ کو مارنے کے درپے ہوئے مگر اللہ نے آپ کو بچایا اور آسمان پر اٹھالیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے انکار

پھر مرزا قادیانی نے یہودی میراث پا کر عیسوی معجزات سے انکار کیا۔ اس نے لکھا: حق یہ ہے کہ آپ سے (عیسیٰ علیہ السلام سے) کوئی معجزہ نہیں ہوا۔ ممکن ہے آپ نے معمولی تدبیر سے کسی شب کور (جسے رات کو دکھائی نہ دے) کو اچھا کیا ہو مگر بدقسمتی سے اسی زمانہ میں ایک تالاب بھی تھا جس سے بڑے بڑے نشانات ظاہر ہوتے تھے تو خیال ہو سکتا ہے کہ آپ بھی اسی تالاب کی مٹی استعمال کرتے ہوں گے۔ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۲۹۰ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۱ مطبوعہ لندن)

مرزا قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے اس لیے انکار کیا کہ وہ خود کو مثیلِ مسیح یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی ہو بہو کاپی کہتا تھا جب اس نے دیکھا کہ ان سے تو کثیر معجزات ظاہر ہوتے تھے تو اس نے ان معجزات ہی سے انکار کر دیا مگر اس طرح بات نہیں بنتی حضرت عیسیٰ بن باپ پیدا ہوئے اب مرزا مثیلِ مسیح تب بن سکتا ہے کہ وہ بھی اپنے باپ سے انکار کرے، مرزائی نظریات کے پرخچے اڑتے دیکھنا ہوں تو ہماری کتابیں ''ختم نبوت اور قادیانیت'' اور ''حیات ابن مریم'' پڑھیں۔

شانِ عیسیٰ علیہ السلام اور ردِّ مرزائیت میں مفسر کے قلم سے لکھی ہوئی خوبصورت نظم

واہ واہ مرتبۂ حضرت ابن مریم — بالا فکار سے ہے عزتِ ابن مریم
نفخ جبریل سے وہ کلمۂ کن سے تھے بنے — ہوئی بن باپ ولادتِ ابن مریم
مہد مادر میں کیا آپ نے لوگوں سے خطاب — دیکھو مرزائیو! یہ شوکتِ ابن مریم
مرزا کہتا ہے مثیلِ مسیح مجھ کو کہو — کیا نہیں دیکھتا وہ عظمتِ ابن مریم
پہلے وہ باپ سے اپنے ذرا انکار کرے — مہنگی پڑ جائے گی مثلیتِ ابن مریم
ان کی ٹھوکر سے ہوئے صدیوں کے مردے زندہ — مرحبا خوب ہے کیا سطوتِ ابن مریم
اندھے بینا ہوئے کوڑھی بھی شفا یاب ہوئے — عام مخلوق پہ تھی رحمتِ ابن مریم
قادیانی ذرا مرزے کی مرضیں دیکھیں — اور دیکھیں ذرا برکتِ ابن مریم

زندہ موجود ہیں وہ چوتھے فلک پہ اب بھی حکم ربی سے ہوئے رفعتِ ابن مریم
قرب ساعت میں وہ اتریں گے پئے نصرت دیں دین احمد کو ملی نصرتِ ابن مریم
روضہ سید عالم میں وہ مدفوں ہونگے دیکھو طیبؔ ہے کیا قسمتِ ابن مریم

وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ

اور جب میں نے حواریوں کے دل میں بات ڈال دی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور

بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ

اے اللہ! گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں۔ [171] جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا

یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ

تمہارا رب یہ کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے دستر خوان اتارے آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾

اگر تم مؤمن ہو۔[172]

[171] اللہ تعالیٰ روز قیامت یہ بھی فرمائے گا کہ اے عیسیٰ علیہ السلام! یاد کریں جب میں نے حواریوں کے دل میں ایمان کا داعیہ پیدا کیا تو وہ تمہاری نبوت پر ایمان لائے، ورنہ یہودی قوم میں سے ان لوگوں کا ایمان لانا کیسے ممکن تھا۔ حواری کا معنیٰ مخلص ساتھی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے خوش ہو کر فرمایا ''ہر نبی کا حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔'' (بخاری، ترمذی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر صرف بارہ آدمی ایمان لائے۔ یہ صباغ (کپڑے رنگنے والے دکاندار) تھے۔ آپ نے ان میں سے ایک دکاندار کے سارے کپڑے اٹھا کر ایک رنگ والے مٹکے میں ڈال دیئے۔ وہ سخت طیش میں آیا، مگر جب آپ نے وہ کپڑے نکالے تو ہر کپڑے پر وہی رنگ چڑھا ہوا تھا جو چڑھانا دکاندار کو مقصود تھا۔ یہ دیکھ کر رنگریزوں کی جماعت ایمان لے آئی۔ یہی لوگ آپ کے حواری کہلائے، وہ بارہ افراد تھے۔

اس جگہ لفظ وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ میں وحی بمعنی القائے قلبی ہے۔ یہ وحی نبوت نہیں یہ اسی طرح ہے جیسے ارشاد ربانی ہے: وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ۔ ''تیرے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں بات ڈالی۔'' (نحل:۶۸) یہ اس لیے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ (ابوداؤد کتاب الملاحم) لہٰذا حوارین انبیاء نہیں ہو سکتے۔

[172] روایات میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے فرمایا اگر تم تیس دن مسلسل روزہ رکھو تو اللہ کے محبوب بن جاؤ گے اور اللہ سے جو مانگو گے ملے گا۔ انہوں نے تیس روزے رکھے۔ اس کے بعد انہوں نے یہ آزمانے کے لیے کہ وہ کس قدر اللہ کے محبوب ہوئے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آسمانی دسترخوان کا یہ مطالبہ کیا وہ چونکہ اس وقت نومسلم تھے اس لیے ایمانی پختگی کی خاطر کوئی دلیل دیکھنا چاہتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس مطالبہ سے منع فرمایا کیونکہ پہلے سے یہ دستور تھا جو قوم ایسی آسمانی نشانی دیکھ کر اس پر ایمان نہ لاتی اسے ہلاک کر دیا جاتا۔

قَالُوۡا نُرِيۡدُ اَنۡ نَّاۡكُلَ مِنۡهَا وَتَطۡمَٮِٕنَّ قُلُوۡبُنَا وَنَعۡلَمَ اَنۡ قَدۡ صَدَقۡتَنَا

وہ کہنے لگے ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہوں اور ہم جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا

وَنَكُوۡنَ عَلَيۡهَا مِنَ الشّٰهِدِيۡنَ ۝۱۱۳ قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ

اور ہم اس پر گواہ رہیں۔ [173] عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) نے دعا کی اے اللہ ہمارے پروردگار!

اَنۡزِلۡ عَلَيۡنَا مَآٮِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوۡنُ لَـنَا عِيۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً

ہم پر آسمان سے دسترخوان اتار تو وہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لئے عید اور تیری نشانی

مِّنۡكَ ۚ وَارۡزُقۡنَا وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰزِقِيۡنَ ۝۱۱۴ قَالَ اللّٰهُ اِنِّىۡ مُنَزِّلُهَا

ہو گا [174] اور ہمیں رزق دے اور تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ اللہ نے فرمایا میں اسے تم پر

عَلَيۡكُمۡ ۚ فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بَعۡدُ مِنۡكُمۡ فَاِنِّىۡۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا

اتار رہا ہوں پھر جس نے تم میں سے کفر کیا اسے میں وہ عذاب دوں گا کہ جہانوں میں سے

مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۱۱۵ ع

کسی کو نہ دوں گا۔ [175]

[173] حواریوں نے کہا اے عیسیٰ علیہ السلام! ہم چاہتے ہیں کہ آسمان سے اترنے والے دسترخوان میں سے کچھ کھائیں تاکہ آسمانی برکتیں پائیں اور آپ کی باتوں پر ہمیں اور زیادہ اطمینان آ جائے۔ (ایمان پختہ ہو جائے) اور ہم اس معجزہ کے گواہ بن کر دوسروں کو اس کی خبر کریں۔

[174] تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ! ہم پر آسمان سے جنتی طعام سے بھرپور دسترخوان اتار۔ ہماری اگلی

الربع

ع ۱۵

پچھلی نسلیں اس دن عید منایا کریں گی۔ چنانچہ اتوار کو یہ دستر خوان اترا اور آج بھی عیسائی لوگ اتوار کو اپنے عبادت خانوں میں جا کر عبادت کرتے اور اس نعمت کا شکر یہ ادا کرتے ہیں۔ اگر چہ اب وہ عیسیٰ علیہ السلام کے راستہ سے ہٹ گئے ہیں مگر یہ اتوار کو خوشی کرنے کا طریقہ بطور رسم ان میں چلا آ رہا ہے۔

لفظ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحقیق

معلوم ہوا لفظ عید صرف دو دنوں (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) سے خاص نہیں۔ بلکہ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا سے معلوم ہوا عید کسی قوم کا ہر وہ تہوار ہے جب انہیں اللہ نے کوئی اہم نعمت دی ہو۔ اہل اسلام کے ہاں عید میلاد النبی کا لفظ معروف ہے۔ اور وہ ماہ ربیع الاول میں حضور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خوشی کرتے اور آپ کی سیرت وعظمت پر مجالس منعقد کر کے آپ کی تعلیمات سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دنیا میں آمد اہل ایمان کے لیے سب سے بڑی نعمت ہے۔

بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ عیدیں تو صرف دو ہیں۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ یہ تیسری عید میلاد النبی کہاں سے آ گئی۔ اس کا جواب یہ آیت دے رہی ہے۔ اگر امتِ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے نزول دستر خوان بڑی نعمت ہے تو امتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ولادتِ حبیب رحمان بہت بڑی بلکہ سب سے بڑی نعمت ہے۔ اگر وہ اس نعمت کی خوشی کو بطور عید پکاریں تو اس میں کیا قباحت ہے۔ حدیث میں تو جمعہ کو بھی عید کہا گیا ہے۔ تو لفظِ عید پر کہاں کہاں پابندی لگاؤ گے؟

یومِ میلادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل اسلام کے لیے بلاشبہ یومِ عیدِ اکبر ہے

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ جس کسی قوم کو کوئی عظیم نعمت ملے وہ دن اس قوم کے لیے یوم عید ہے، تو قرآن ہی سے پوچھیں کہ مسلمانوں کے لیے اللہ کی طرف سے سب سے بڑی نعمت کونسی ہے،؟ تو دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں لاکھوں کروڑوں نعمتیں عطا فرمائی ہیں، مگر اللہ نے کسی نعمت پہ احسان نہیں جتلایا یعنی یہ نہیں فرمایا کہ میرا تم پہ احسان ہے کہ میں نے تمہیں یہ نعمت عطا فرمائی ہے۔ البتہ دو نعمتوں پہ اللہ رب العزت نے احسان جتلایا ہے، ایک نعمتِ ایمان، دوسری نعمتِ بعثتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ نعمتِ ایمان کے بارہ میں فرمایا

لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ ''مجھ پہ احسان نہ کرو کہ تم اسلام لائے ہو، بلکہ اللہ تم پہ احسان فرماتا ہے کہ تمہیں ایمان کی طرف ہدایت دیتا ہے۔'' (حجرات، ۱۷) جبکہ بعثتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ میں فرمایا گیا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا ''اللہ نے مومنوں پہ احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے ایک عظیم رسول مبعوث فرمایا۔'' (آل عمران، ۱۶۴)

معلوم ہوا کہ ایمان اور بعثتِ مصطفیٰ ﷺ سب سے بڑی نعمتیں ہیں اور سچ یہ ہے کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں دونوں کا ایک ہی مقصد ہے اور ایک ہی تعارف ہے۔ جس دن رسول اللہ ﷺ دنیا میں جانِ ایمان بن کر تشریف لائے وہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت کا دن ہے، اس دن کو اگر عید نہ مانا جائے تو عید کا معنی ہی کیا ہے۔

[175] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ علیہ السلام! میں یہ دستر خوان اتارے دیتا ہوں پھر جس نے انکار کیا اسے میں عظیم عذاب دوں گا جو کسی کو نہ دیا ہو۔ چنانچہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آسمان سے بادلوں میں دستر خوان اترا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وضو کر کے طویل نماز پڑھی پھر اس سے کپڑا اٹھایا تو اس میں بھنی ہوئی مچھلی تھی جس میں کوئی چھلکا یا کانٹا نہ تھا اور اس کے ساتھ روٹیاں، زیتون، شہد، مکھن اور دوسری نعمتیں بھی تھیں۔ اس سے جس مریض نے کھایا شفا پائی۔ مگر کئی منکروں نے اس میں سے کھا کر بھی اسے جادو سے تعبیر کیا۔ تب انہیں خنزیر بنا دیا گیا۔ یاد رہے بنی اسرائیل کی شکلیں دو بار مسخ کی گئیں۔ حضرت داود علیہ السلام کے زمانہ میں ہفتہ کے دن شکار کرنے والوں کو بندر بنایا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دستر خوان سے انکار کرنے والوں کو خنزیر، اسی لیے فرمایا گیا۔ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ''بنی اسرائیل میں سے منکروں پر زبانِ داوٗد و عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام پر لعنت کی گئی۔'' (مائدہ:۷۸) اور دوسری جگہ ارشاد ہوا: وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ۔ ''اور (اللہ نے) ان میں سے بندر اور خنزیر بنائے۔'' (مائدہ:۶۰)

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ

یاد کرو! جب (روز قیامت) اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو

اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا

اللہ کے سوا دو خدا مان لو، [176] وہ کہیں گے اے اللہ! تو پاک ہے میرے لئے ممکن نہیں کہ ایسی بات کہوں جو

لَيْسَ لِيْ ق بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ

میرا حق نہیں اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو وہ تیرے علم میں ہوتا تو جانتا ہے جو میرے علم میں ہے

وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿١١٦﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ

اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے [177] بے شک تو ہی سب غیب جاننے والا ہے۔ میں نے تو لوگوں سے وہی کچھ کہا

اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ

جو تو نے مجھے حکم دیا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور جب تک میں

شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ

ان میں تھا میں ان کا نگران تھا پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ان کا نگہبان تھا اور تو ہر چیز کا مشاہدہ

عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿١١٧﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ

کرنے والا ہے۔ [178] اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو

عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١١٨﴾

انہیں بخشے تو بے شک تو غالب ہے حکمت والا ہے۔ [179]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا روزِ قیامت اقرارِ عبودیت اور ردِّ شرک

[176] گزشتہ رکوع میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو روز قیامت اپنی نعمتیں یاد دلائے گا تا کہ یہود و نصاریٰ کو ان

وقف النبی ﷺ

کے نظریات پر روزِ قیامت شرمندہ کیا جائے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ نصاریٰ پر اتمام حجت کے لیے عیسیٰ علیہ السلام سے سوال فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! بتاؤ کیا تم نے نصاریٰ سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ سیدہ مریم کو اللہ کے سوا دو خدا مان لو؟

یاد رہے! نصاریٰ اپنے کلیساؤں میں سیدہ مریم کا بت بھی کثرت کے ساتھ رکھتے اور اس کے آگے سجدہ کرتے اور اس کی نذریں اور منتیں مانتے ہیں یعنی وہی معاملہ کرتے ہیں جو ایک بندے کا اپنے خدا سے ہونا چاہیے۔ روایات میں ہے جب اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال فرمائے گا تو خوف سے ان کے جسم کے جوڑ تڑ تڑانے لگیں گے اور ہر بال کی جڑ سے خون پھوٹ پڑے گا۔ پھر آپ وہ جواب دیں گے جو اگلی آیت میں مذکور ہے۔ (مظہری جلد ۳ صفحہ ۲۰۸)

[177] یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے اے اللہ! ہر چیز تیرے علم میں ہے اگر میں نے لوگوں سے کہا ہوتا کہ مجھے اور میری والدہ کو خدا مانو تو ضرور تیرے علم میں ہوتا۔ جب وہ تیرے علم میں نہیں تو پھر ایسی بات ہے ہی نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مزید عرض کریں گے یا اللہ! تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ تو جانتا ہے میرے علم میں کیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ تیرے علم میں کیا ہے۔ اس آیت میں نفس بمعنی علم ہے کیونکہ نفس بمعنی دل بھی مستعمل ہے۔ جیسے حدیث میں ہے کہ ''اقرأہ فی نفسك اسے اپنے دل میں پڑھو۔ والنفس تهوى وتشتهی اور دل چاہتا اور تمنا کرتا ہے۔'' (بخاری کتاب القدر) اور دل علم کا مقام ہے۔ اس لیے نفس بمعنی علم بھی بول دیا جاتا ہے۔ یہاں نفس کے دیگر معانی بھی ممکن ہیں۔

معلوم ہوا حاکم کو شواہد پہ فیصلہ کرنا چاہیے۔ اپنے علم پر نہیں۔ اللہ وحدہٗ لاشریک جانتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے نصاریٰ کو اپنی الوہیت کی طرف نہیں بلکہ اپنی رسالت کی طرف دعوت دی تھی۔ پھر بھی اللہ نے اس پر فیصلہ نہیں کیا بلکہ خود عیسیٰ علیہ السلام سے حقیقت کہلوائی تاکہ نصاریٰ پر اتمام حجت ہو جائے۔ اسی لیے حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت جاننے کے باوجود شواہد جمع کیے پھر فیصلہ کیا۔

[178] یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے اے اللہ! جب تک میں دنیا میں یعنی زمین پر تھا میں نے اپنے ماننے والوں کو تیرے سوا کسی کو خدا ماننے نہیں دیا مگر جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھا لیا تو اس کے بعد ان کے عقائد میں جو بگاڑ آیا اس میں میں بے قصور ہوں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب عیسیٰ علیہ السلام روز قیامت یہ جواب دیں گے تو نصاریٰ کہیں گے نہیں ہمیں تو عیسیٰ علیہ السلام ہی نے حکم دیا تھا کہ انہیں خدا مانا جائے۔ یہ سن کر عیسیٰ علیہ السلام کے سر اور جسم کے بال کھڑے ہو جائیں گے اور آپ ایک ہزار برس تک اپنی براءت بیان کریں گے اور عیسائیوں پر اتمام حجت کریں گے پھر ایک صلیب لائی جائے گی جس کے ساتھ انہیں مار مار کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔''
(تفسیر ابن کثیر بروایت ابن عساکر جلد ۲ صفحہ ۱۲۵)

اس جگہ مرزائی لوگ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ سے دلیل پکڑتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں، مگر یہ غلط استدلال ہے۔ کیونکہ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہاں تَوَفَّيْتَنِیْ بمعنی قبضتنی ہے یعنی اے اللہ! جب تو نے مجھے اٹھا لیا۔ (تفسیر قرطبی جلد ۶ صفحہ ۳۷۷) امام قرطبی فرماتے ہیں اس کا معنی ہے جب تو نے مجھے آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ آگے فرمایا: لان الاخبار تظاهرت برفعه وانهٗ فی السمآء حی. کیونکہ آپ کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے پر کثیر اخبار وارد ہیں اور بے شک آپ آسمان میں زندہ ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان میں زندہ موجود ہونا خود مرزا قادیانی کے قلم سے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے لفظ وفات کے معنی پر ہم نے اِنِّیْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ (آل عمران:۵۵) کے تحت مفصل و مدلل کلام کیا ہے، وہاں دیکھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں زندہ موجود ہیں۔ اس پر تمام اہل اسلام کا اجماع ہے۔ خود مرزا غلام احمد قادیانی بھی پہلے اس چیز کا قائل تھا وہ کہتا ہے۔ ''سو حضرت مسیح تو انجیل کو ناقص کی ناقص ہی چھوڑ کر آسمانوں پر جا بیٹھے۔'' (براہین احمدیہ پہلی فصل صفحہ ۴۳۱ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱ مطبوعہ لندن) اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے اسلام جمیع آفاق و اقطار عالم میں پھیل جائے گا۔ (براہین احمدیہ پہلی فصل صفحہ ۵۹۳) مرزا قادیانی نے براہین احمدیہ میں یہ بھی لکھا کہ میں نے اس کتاب میں جو لکھا وہ اسی کتاب مقدس (قرآن) سے ماخوذ ہے۔ (براہین احمدیہ صفحہ ۸۸) بعد میں مرزا قادیانی نے حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام سے انکار کیا۔ یعنی قرآن سے ماخوذ عقیدہ سے انکار کیا۔

لفظ تَوَفَّيْتَنِیْ کے معنی میں مرزائیوں کا ایک اشتباہ اور اس کا جواب

اس جگہ مرزائی لوگ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں ابن عباس کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''روز قیامت جب تم اٹھائے جاؤ گے تو تم میں سے کچھ لوگوں کو بائیں جانب (جہنم کے لیے) روک لیا جائے گا، تب میں وہ بات کہوں گا جو اللہ کے نیک بندے (عیسیٰ علیہ السلام) نے کہی: وكنت عليهم شهيدا ما دمت فيهم فلما توفيتنى كنت انت الرقيب عليهم. یعنی جب تک میں ان میں تھا تو میں ان پہ نگران تھا، پھر جب تو نے مجھے وفات دیدی تو اے اللہ تو ان کا نگران تھا۔'' (بخاری کتاب التفسیر حدیث ۴۶۲۶) معلوم ہوا کہ لفظ توفیتنی جس معنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اسی معنی میں عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے، یعنی موت دے دیا جانا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ بات فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ الخ روز قیامت کہیں گے اور اس سے قبل ان کو بہر حال وفات آئے گی اور حدیث کے مطابق ان کا جنازہ پڑھا جائے گا اور انہیں روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن کیا جائے گا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام دونوں کے لیے لفظ توفیتنی کا معنی اگر ایک ہی ہو تو اس میں کیا تعجب ہے۔ دوسرا

جواب یہ ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ کی اس بات کو ان کی پہلی حیات جو رفع سے قبل تھی، سے متعلق مانا جائے تو پھر توفیتنی کا معنی رسول اللہ ﷺ کے لیے آپ کے حسب حال ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ان کے حسب حال، ضروری نہیں کہ ایک لفظ کا معنی ہر جگہ ایک ہی ہو۔ فاعل کے بدلنے سے فعل کا معنی بدل جاتا ہے۔ یہی لفظ توفیتنی جب اللہ کی طرف منسوب ہو تو اس کا معنی حکم موت دینا ہے، جیسے: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا۔ (زمر، ۴۲) اور جب فرشتوں کی طرف منسوب ہو تو اس کا معنی جان کا قبض کرنا ہے، جیسے: تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ (محمد، ۲۷) اردو میں ایک لفظ بیٹھ جانا ہے۔ اس کا معنی فاعل کے بدلنے سے کیسے بدلتا ہے، دیکھیے: زید بیٹھ گیا، اس کا گلا بیٹھ گیا، اس کا کاروبار بیٹھ گیا، اس کی دوکان بیٹھ گئی وغیرہ، اب ہر جگہ بیٹھنے کا معنی الگ ہے۔ اسی طرح توفیتنی کا معنی عیسیٰ علیہ السلام کے لیے زمین سے قبض کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے لیے موت دینا۔

[179] روایات میں ہے کہ حضور سید عالم ﷺ یہ دعا اپنی امت کے لیے بکثرت کرتے تھے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار حضور ﷺ نے ساری رات یہ دعا مانگی: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ کبھی قیام میں پڑھتے کبھی رکوع و سجود میں، صبح میں نے آپ سے اس بارہ میں پوچھا آپ نے فرمایا میں اپنی امت کے لیے شفاعت طلب کرتا رہا اور وہ اللہ نے مجھے عطا فرمادی تو وہ ہر اس شخص کو ملے گی جو کفر و شرک سے پاک ہو۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۵۶) اور ایک حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ نے فرمایا اللہ نے میرے اس سوال پر مجھے وہ کچھ عطا فرمایا کہ اگر لوگ اس پر مطلع ہو جائیں تو نماز چھوڑ دیں۔'' (مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۷۰)

اس آیت سے متعلق مزید ایمان افروز احادیث بھی ہیں، جیسے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول تلاوت کیا: فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ ''اے اللہ! جس نے میری پیروی کی وہ میرا امتی ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو بخشنے والا مہربان ہے۔'' (ابراہیم، ۳۶) اور حضور ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول کی تلاوت کی: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ اس کے بعد آپ نے ہاتھ اٹھا لیے اور کہا: اللھم اُمتی امتی، اے اللہ! میری امت کو بچالے، میری امت کو بچالے اور حضور ﷺ خوب روئے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو: انّا سنُرضيكَ في امّتك ولا نسوءك، بیشک ہم آپ کو آپ کی امت کے بارہ میں راضی کریں گے اور آپ کو غمزدہ نہیں کریں گے۔ (مسلم، نسائی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، طبرانی، بیہقی، ابن حبان) اسی بارہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا: وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿۵﴾ ''اور عنقریب اللہ آپ کو اس قدر دے گا کہ آپ راضی ہوں گے۔'' (الضحیٰ، ۵)

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ

اللہ فرمائے گا یہ وہ دن ہے جب سچے لوگوں کو ان کی سچائی نفع دے گی ان کے لئے جنتی باغات ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا

جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے [180] اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے

عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

راضی ہوئے یہی بڑی کامیابی ہے۔ [181] اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے

فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾

درمیان ہے کی بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ [182]

[180] یعنی جو دنیا میں سچ بولتے تھے انہیں روز قیامت یہ سچائی کام آئے گی اور سچائی یہ ہے کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی جائے اور اللہ کے احکام بجالائے جائیں۔ یہود و نصاریٰ اور دیگر باطل فرقوں نے ان ابدی سچائیوں سے منہ موڑا لہٰذا بخشش سے محروم ہوگئے۔ یہ اہلِ ایمان کے حصے میں آئی۔ تو انہی کو وہ جنتی باغات ملیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

[181] معلوم ہوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ دوسرے صالحین کو بھی رضی اللہ عنہ کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس آیت میں تمام سچے لوگوں کے لیے کہا گیا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ تاہم یہ الفاظ زیادہ طور پر صحابہ کے لیے مشہور ہیں۔ یاد رہے اللہ کا سچے لوگوں سے راضی ہونا یہ ہے کہ اس نے ان کی بخشش کر دی اور ان کا اللہ سے راضی ہونا یہ ہے کہ وہ اس کی ہر تقدیر پر راضی رہے کبھی اس کا شکوہ نہ کیا۔

[182] یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ سمیت سب اللہ کی مملوک و مخلوق ہیں۔ لہٰذا صرف اللہ ہی مستحق عبادت ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے نہ کہ کوئی اور لہٰذا وہی سزاوار عبادت ہے۔

الحمد للہ آج ۲۵ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ بمطابق ۱۵ اپریل ۲۰۰۷ء بروز پیر بعد نمازِ فجر قبل اشراق سورہ مائدہ کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ علی حبیبہ محمد و الہ وصحبہ اجمعین۔